Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون ﴾

فتاوی دارالعلوم زکریا

جلدِ دوم

کتاب الصلاۃ

افادات

حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

زیر اہتمام

حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مدظلہ

مہتمم دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

تہذیب وتحقیق

محمد الیاس بن افضل شیخ، گھلا، سورت، عفی عنہ

معین دارالافتاء دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

Maktaba Tul Ishaat

تمام فنون کے کتب ہمارے ویب سائٹ اور پلے سٹور سے فری ڈاون لوڈ کریں۔ ہم روزانہ کی بنیاد پر اس میں مزید نئے کتب شامل کر رہے ہیں نئے شامل شدہ کتب لیے روزانہ ہمارے پلے سٹور اور ویب سائٹ کو باقاعدگی سے چیک کیا کریں۔

اپنی کتاب کو ہمارے ویب سائٹ پر شائع کرنے کے لیے رابطہ کریں

تفاسیر	خطبات	منطق
احایث	سیرت	معانی
فقہ	تاریخ	تصوف
سوانح حیات	صرف	تقابل ادیان
درس نظامی	نحو	تجوید
لغت	فلسفہ	نعت
فتاوی	حکمت	تراجم
اصلاحی	بلاغت	تبلیغ ودعوت
آڈیو دروس	مناظرے	تمام فنون

maktaba.tul.ishaatofficial@gmail.com

جملہ حقوق بحق دارالافتاء دارالعلوم زکریا محفوظ ہیں؛

کتاب کا نام؛.....**فتاویٰ دارالعلوم زکریا** جلدِ دوم تصحیح واضافہ شدہ جدید ایڈیشن۔

اشاعتِ اول؛..... ۲۰۰۸ء زمزم پبلشرز کراچی، پاکستان۔

اشاعتِ دوم؛..... ۲۰۰۹ء ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ہندوستان۔

اشاعتِ سوم؛..... ۲۰۱۴ء زمزم پبلشرز کراچی، پاکستان۔

اشاعتِ چہارم؛..... ۲۰۱۶ء بمبئی۔

اشاعتِ پنجم:..... ۲۰۱۸ء مکتبہ اشرفیہ دیوبند۔

کتابت وکمپوزنگ؛.....دارالافتاء دارالعلوم زکریا جنوبی افریقہ۔

تعدادِ صفحات:.....۸۴۳۔

Darul Iftaa Darul Uloom Zakariyya

Lenasia South Africa

Email:duziftaa@gmail.com

shaikhim99@gmail.com

Tel:0027118592694

0027839510492

Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرستِ فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ دوم

کتاب الصلاۃ

صفحہ نمبر

باب .....﴿۱﴾اوقاتِ نماز کا بیان ۴۳
باب.....﴿۲﴾اذان اور اقامت کا بیان ۷۲
باب.....﴿۳﴾صفۃ الصلاۃ کا بیان ۱۱۳
باب.....﴿٤﴾ نماز کے بعد دعاء اور ذکر کا بیان ۱۹۰
باب.....﴿۵﴾قراءت وتجوید کا بیان ۲۱۷
باب.....﴿٦﴾امامت کا بیان ۲٦۳
باب .....﴿۷﴾فیما یفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا ۳۸۳
باب.....﴿۸﴾ نمازِ وتر اور دعاءِ قنوت کا بیان ۴۳۰
باب.....﴿۹﴾ سنن اور نوافل کا بیان ۴۵۳
باب.....﴿۱۰﴾تراویح کی نماز کا بیان ۴۸۷
باب.....﴿۱۱﴾قضاء الفوائت ۵۳۱
باب.....﴿۱۲﴾سجدہ سہو کا بیان ۵۵۱
باب.....﴿۱۳﴾ سجدہ تلاوت کا بیان ۵٦۹
باب.....﴿۱٤﴾معذور اور مریض کی نماز کا بیان ۵۸۲
باب.....﴿۱۵﴾مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان ۵۹٦
باب.....﴿۱٦﴾نمازِ جمعہ کا بیان ٦۳۷
باب.....﴿۱۷﴾ نمازِ عیدین کا بیان ٦۷٦
باب.....﴿۱۸﴾مسائلِ شتی ۷۰۹
باب.....﴿۱۹﴾احکام الجنائز ۷۲۹

﴿فہرستِ عنوانات﴾

فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ دوم

فہرستِ عنوانات	صفحہ نمبر
مقدمہ:	۳۸
دارالعلوم زکریا کا مختصر تعارف:	۳۹
تعارف وتبصرے:	۴۱
کتاب الصلاۃ	
باب.....﴿۱﴾	
اوقاتِ نماز کا بیان	
نمازِ پنجگانہ کو اوقاتِ خمسہ پر تقسیم کرنے کی دلیل اور حکمت:	۴۴
اوقات پر تقسیم کرنے کی حکمت:	۴۶
رمضان المبارک میں فجر کی نماز اول وقت میں پڑھنا:	۴۶
غیر معتدل الایام ممالک میں نماز روزہ اور عید منانے کا حکم:	۴۷
حکم الصوم:	۴۸
عید منانے کا طریقہ:	۴۹

Maktaba Tul Ishaat.com

مغربی ممالک میں عشا اور فجر ادا کرنے کا طریقہ:	۵۰
دوبارہ وقت داخل ہو تو نماز کا حکم:	۵۱
صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان وغروب اور ابتدائے عشاء کے درمیان فاصلہ کی مقدار:	۵۲
صبح صادق کے ابتدائی وقت کے بارے میں ۱۸ درجہ والے قول کے دلائل:	۵۴
اوقات کا نقشہ:	۵۴
نقشہ برائے جوہانسبرغ:	۶۰
نقشہ برائے دمشق شام	۶۱
احادیث سے استیناس	۶۱
غیر مسلم کی تحقیق قبول کرنے کا حکم:	۶۲
عصر کی نماز کو اتنا مؤخر کرنا کہ وقت مکروہ کا شبہ ہونے لگے:	۶۴
زوال اور فئی الزوال معلوم کرنے کے لئے دائرہ ہندیہ کا استعمال:	۶۵
نقشہ دائرہ ہندیہ:	۶۵
زوال کتنی دیر رہتا ہے کہ جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟	۶۷
اوقات ظہر وعصر میں فقہائے احناف کا اختلاف اور نماز ادا کرنے کا احوط طریقہ:	۶۸
حرمین شریفین میں عصر کی نماز مثل ثانی میں پڑھنا:	۷۰

باب.....﴿۲﴾

أذان اور إقامت کا بیان

اذان میں لفظ ''اللہ'' کے مد کو دراز کرنے کی مقدار:	۷۳
اذان میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء کا اعراب:	۷۶
کلماتِ اذان کے مابین وقفہ کی مقدار:	۷۷

اذان میں ''اشہدان محمداً رسول اللہ'' پڑھ کر یا سن کر درود پڑھنے کا حکم:	۷۸
اذان میں ''حی علی خیر العمل'' کہنے کا حکم:	۷۹
بوقتِ اذان انگوٹھے چومنا:	۸۲
بوقتِ اذان صرف علاج کے لئے انگلیوں کو آنکھوں پر رکھنا:	۸۳
اذان کے بعد کی دعا میں ''والدرجة الرفيعة'' پڑھنے کا حکم:	۸۴
اذان ختم ہونے کے بعد جواب دینے کا حکم:	۸۶
جنبی اور حائضہ کے لئے اذان کا جواب دینے کا حکم:	۸۶
حالتِ جنابت میں اذان دینے کا حکم:	۸۷
حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے وقت پورا جسم گھمانے کا حکم:	۸۸
مساجد میں سٹیلائٹ کے ذریعہ ٹیلیکاسٹ کرنے کا حکم:	۸۸
مسجد میں اذان دینے کا حکم:	۹۰
اذان یا اقامت میں اگر کوئی کلمہ بھول جائے تو بعد میں یاد آنے پر اعادہ کا حکم:	۹۴
وقت کا داخل ہونا معلوم ہو تو اذانِ فاسق کا حکم:	۹۴
نومولود کے کان میں اذان واقامت کا حکم:	۹۶
نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ:	۹۹
فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان واقامت کا حکم:	۹۹
بوقتِ اذان سلام کرنے یا سلام کا جواب دینے کا حکم:	۱۰۱
اذان کا جواب دینے کے بعد وقت ہو تو اس میں کلام کرنے کا حکم:	۱۰۲
اذانِ فجر میں ''الصلاة خير من النوم'' کے جواب میں ''صدقت وبررت'' کہنے کا حکم:	۱۰۲
اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا:	۱۰۳
اقامت کا جواب دینے کا حکم:	۱۰۵
اقامت کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنے کا حکم:	۱۰۵
تہجد کے لئے اذان دینے کا حکم:	۱۰۶

Maktaba Tul Ishaat.com

درس کے وقت اذان کا جواب دینے کا حکم:	۱۰۸
ذکر واذکار کے درمیان اذان ہونے لگے تو جواب دینے کا حکم:	۱۰۹
اقامت میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء کا اعراب:	۱۱۰
ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینا:	۱۱۱
نماز میں تاخیر کی وجہ سے اذان مؤخر کرنے کا حکم:	۱۱۲

باب.....(۳)

صفۃ الصلاۃ کا بیان

فصلِ اول

نماز کے شرائط، ارکان اور واجبات کا بیان

نجاست پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھنے کا حکم:	۱۱۴
اگر مصلی پر ناپاک بچہ بیٹھ جائے تو نماز کا حکم:	۱۱۵
نماز میں قدمین یا رکبتین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہو تو نماز کا حکم:	۱۱۶
گریبان میں سے ستر دیکھنے سے نماز کا حکم:	۱۱۷
ستر کھل جانے سے نماز کا حکم:	۱۱۸
مسجد کے قبلہ کا رخ ۱۰ درجہ ہٹا ہوا ہے تو اس میں نماز کا حکم:	۱۱۹
ٹرین میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:	۱۲۰
گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:	۱۲۲
بس میں نماز پڑھنے کا حکم:	۱۲۳
تختہ پوش پر نماز پڑھنے کا حکم:	۱۲۴
ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کا حکم:	۱۲۶
ہوائی جہاز میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:	۱۲۸

تکبیرِ تحریمہ کے بعد نیت بدل جائے تو نماز کا حکم:	۱۳۱
پہلی رکعت میں نیت کرنے سے نماز کا حکم:	۱۳۱
تعدادِ رکعات کی نیت کا حکم:	۱۳۲
بزبانِ فارسی تکبیرِ تحریمہ کہنے سے نماز کا حکم:	۱۳۲
تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کو جھٹکا دینا:	۱۳۴
قومہ اور جلسہ میں اعتدال اور اطمینان کی واجب مقدار:	۱۳۵
تعدیلِ ارکان کا حکم:	۱۳۶

فصلِ دوم
نماز کی سنن اور آداب کا بیان

حالتِ قیام میں قدم سے قدم ملانے کا حکم:	۱۳۹
دعاء التوجہ میں "وأنا من المسلمین" پڑھنے کا حکم:	۱۴۳
مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت:	۱۴۴
ثناء سے متعلق چند مسائل:	۱۴۵
تکبیراتِ انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط کرنے کا حکم:	۱۴۶
ترکِ رفعِ یدین کی صحیح حدیث:	۱۴۷
مرد اور عورت کے رکوع میں فرق:	۱۴۹
سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم:	۱۵۰
سجدہ میں جاتے وقت پہلے ناک رکھے یا پیشانی؟	۱۵۱
حالتِ سجدہ میں انگلیوں کو رکھنے کی کیفیت:	۱۵۲
صف کے درمیان حالتِ سجدہ میں بازوؤں کو کھولنے کا حکم:	۱۵۲
عورتوں کے سجدہ کی کیفیت:	۱۵۳
بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت بحالتِ رکوع وسجود سر کا اٹھانے کا حکم:	۱۵۴
قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ:	۱۵۵

Maktaba Tul Ishaat.com

۞	عورت کے بیٹھنے کا طریقہ:	۱۵۶
۞	سجدے میں ایڑیوں کو ملانے کا حکم:	۱۵۶
۞	سجدہ میں عقبین ملانے کے بارے میں روایت کی تحقیق:	۱۵۸
۞	قومہ اور جلسہ میں اذکار ماثورہ پڑھنے کا حکم:	۱۶۲
۞	مذہبِ احناف میں تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے کا ثبوت:	۱۶۳
۞	اشارہ بالسبابہ کا بہتر طریقہ:	۱۶۵
۞	اشارے کے بعد اخیر تک انگلی اٹھائے رکھنا:	۱۶۶
۞	عذر کے وقت بائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کا حکم:	۱۶۷
۞	حالتِ قیام میں موضع سجدہ پر نگاہ رکھنے کا حکم:	۱۶۸
۞	رکوع، سجدہ اور سلام کی کے وقت مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہئے؟	۱۷۰
۞	نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ:	۱۷۰
۞	مذہبِ احناف:	۱۷۱
۞	مذہبِ مالکیہ:	۱۷۱
۞	مذہبِ شوافع:	۱۷۲
۞	مذہبِ حنابلہ:	۱۷۲
۞	لفظِ سلام سے قبل تحویل الوجہ کا حکم:	۱۷۲
۞	آثارِ سجود سے کیا مراد ہے:	۱۷۳
۞	نماز میں جمائی آنے پر منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم:	۱۷۵
۞	بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کا حکم:	۱۷۵
۞	ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا ثبوت:	۱۷۶

فصلِ سوم
مرد اور عورت کی نماز کے فرق کا بیان

۞	مرد اور عورت کی نماز کا فرق اور احادیث وکتبِ فقہ سے اس کا ثبوت:	۱۷۹

مذہب احناف:	۱۸۱
مذہبِ مالکیہ:	۱۸۲
مذہبِ شافعیہ:	۱۸۲
مذہبِ حنابلہ:	۱۸۲
احادیث سے فرق کا ثبوت:	۱۸۳
سلفی حضرات کا استدلال اور اس کا جواب:	۱۸۵
مرد عورت کے ستر میں فرق ہے:	۱۸۵
مردوں کے لئے نماز باجماعت مسجد میں ہے نہ کہ عورتوں کے لیے:	۱۸۵
نماز جمعہ مردوں کے لئے ہے نہ کہ عورتوں کے لئے:	۱۸۶
عورت نہ اذان دے سکتی ہے نہ اقامت:	۱۸۶
تنبیہ کے لئے مرد تسبیح پڑھے اور عورت تسبیح نہ پڑھے بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مارے:	۱۸۶
جہری نماز میں عورتوں کے لئے جہر نہیں ہے:	۱۸۶
حالتِ قیام میں عورتوں کا قدمین کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم:	۱۸۷
تحریمہ کے وقت عورت کے لئے ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ:	۱۸۷
مرد اور عورت کے رکوع میں فرق:	۱۸۸

باب.....﴿۴﴾

نماز کے بعد دعا اور ذکر کا بیان

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:	۱۹۱
فرائض کے بعد دعا کرنے کا ثبوت احادیث سے:	۱۹۲
دعا میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت:	۱۹۴
نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت:	۱۹۵

Maktaba Tul Ishaat.com

❁	دعا کے اختتام پر "سبحان ربک" کی جگہ "ربنا" کہنے کا حکم:	۱۹۸
❁	رمضان مبارک میں تراویح کے بعد قبل الوتر دعا کرنے کا حکم:	۲۰۰
❁	فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے پہلے مختصر مسئلہ بیان کرنے کا حکم:	۲۰۱
❁	حضرت عائشہ "رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا" کی روایت کا مطلب:	۲۰۲
❁	فرض نماز کے بعد امام کس طرف رخ کر کے چلا جائے؟	۲۰۴
❁	امام کا مصلیوں کی طرف پھرنے کا حکم:	۲۰۵
❁	نماز کے بعد دعا کے لئے مقتدیوں کی طرف رخ کرنے کا حکم:	۲۰۶
❁	فرض نماز کے بعد "اللّٰھمّ أنت السلام....." کے علاوہ دعا کا حکم:	۲۰۸
❁	فرائض کے بعد سنن میں مشغول ہونا اولیٰ ہے:	۲۰۹
❁	فرائض اور سنن کے درمیان اذکار مسنونہ پڑھنے کی گنجائش ہے:	۲۱۰
❁	نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنے کا ثبوت:	۲۱۲
❁	دعا میں بحق فلان کہنے کا حکم:	۲۱۳

باب.....﴿۵﴾

قراءت وتجوید اور قاری کی لغزشوں کا بیان

❁	قراءت کے درمیان میں سجدۂ تلاوت کے بعد استعاذہ کا حکم:	۲۱۸
❁	﴿الرّحمٰن الرّحیم﴾ کو ﴿ربّ العٰلمین﴾ کے ساتھ ملا کر پڑھنے کا حکم:	۲۱۹
❁	آیت کے معنی پورے نہ ہو اس کے باوجود وقف کرنا:	۲۲۰
❁	نمازِ جمعہ میں قراءتِ مستحبہ:	۲۲۱
❁	جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پر مداومت کرنے کا حکم:	۲۲۳
❁	بعض روایات میں مداومت کا ذکر ہے اس کا جواب:	۲۲۴

سنتِ مؤکدہ اور واجب کی تعریف:	۲۲۵
جمعہ کی فجر میں سجدہ والی سورت پڑھنے کا ثبوت:	۲۲۶
نمازِ فجر میں مختلف سورتیں پڑھنے کا ثبوت:	۲۲۶
نمازِ فجر میں طوالِ مفصل میں سے پڑھنے کا ثبوت:	۲۲۷
سورۂ فاتحہ کے بعد صرف ﴿فإذا فرغت فانصب الخ﴾ پڑھنا:	۲۲۸
فارسی زبان میں قراءت کرنے کا حکم:	۲۲۹
سورۃ العصر میں: فلهم أجر غير ممنون، پڑھنے سے نماز کا حکم:	۲۳۰
لكنود کی جگہ "لكبير" پڑھنے سے نماز کا حکم:	۲۳۱
فرض یا نفل میں سورت کو مکرر پڑھنا:	۲۳۱
فرض کی دو اخیری رکعت میں قراءت کا حکم:	۲۳۲
نماز میں خلاف ترتیب قراءت کرنے کا حکم:	۲۳۳
نماز میں تکرارِ آیت کا حکم:	۲۳۴
دو سورتوں کے درمیان فصل کی مقدار:	۲۳۵
﴿ووجدک ضالاً فهدى﴾ کی جگہ ﴿فأغنىٰ﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم:	۲۳۶
﴿عذاباًمهيناً﴾ کی جگہ ﴿أجراًعظيماً﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم:	۲۳۷
"الضاد مشتبه الصوت بالظاء أو الدال":	۲۳۷
قراءت میں مفسدِ نماز غلطی کی لیکن درمیان میں وقف تام کیا تھا تو نماز کا حکم:	۲۳۹
غلط پڑھ کر فوراً تصحیح کر لینے سے نماز کا حکم:	۲۴۰
پہلی رکعت میں فحش غلطی کی اصلاح دوسری رکعت میں کرنے سے نماز کا حکم:	۲۴۱
"رب ابن لی عندکِ بيتاً فی الجنة" پڑھنے سے نماز کا حکم:	۲۴۲
آیتِ کریمہ رحمتہ کی جگہ رحمتی پڑھنے سے نماز کا حکم:	۲۴۳
"لايسمعون فيها لغواً الا كذاباً" پڑھنے سے نماز کا حکم:	۲۴۳
قراءت میں "لاتحبون العاجلة" پڑھنے سے نماز کا حکم:	۲۴۴

Maktaba Tul Ishaat.com

دعائے قنوت میں غلطی کی وجہ سے فسادِ نماز کا حکم:	۲۴۵
”یاأیھاالذین آمنوالاتلھکم أموالکم ولاأولادکم“ پڑھنے سے نماز کا حکم:	۲۴۶
ایک طویل آیت میں سے کچھ حصہ چھوٹ گیا تو نماز کا حکم:	۲۴۷
آمین اگر پاس والا سن لے تو جہر میں شامل نہیں:	۲۴۸
صلاۃِ کسوف وخسوف میں سراً یا جہراً قراءت کا حکم:	۲۴۸
خلافِ ترتیب قرآن پڑھنے سے نماز کا حکم:	۲۴۹
فرض نماز کی ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کرنے کا حکم:	۲۵۰
مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں شوافع حضرات کے لئے لمحۂ فکریہ:	۲۵۴
فرض نماز میں مفصلات کے علاوہ قراءت کا حکم:	۲۵۶
شبِ جمعہ نمازِ مغرب میں سورۂ کافرون وسورۂ اخلاص کا حکم:	۲۶۰

باب.....﴿۶﴾

إمامت کابیان

فصلِ اول
امام سے متعلق احکام

امام کا مقتدیوں کے ساتھ کھڑا ہونا:	۲۶۴
امام کا کرتہ یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ہونا:	۲۶۵
ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت کا حکم:	۲۶۷
مذاہبِ اربعہ میں ڈاڑھی کی شرعی حیثیت اور اس کے کاٹنے والے پر فسق کا حکم:	۲۶۸
مذہبِ احناف:	۲۶۸
مذہبِ مالکیہ:	۲۶۸
مذہبِ شافعیہ:	۲۶۸

مذہبِ حنابلہ:	۲۶۹
امام کا قراءت ختم ہونے سے پہلے ہی رکوع کے لئے ہاتھ چھوڑ دینا:	۲۷۱
امام کا محراب کو چھوڑ کر درمیانِ مسجد کھڑا ہونا:	۲۷۲
امام کا جوفِ محراب میں کھڑا ہونا:	۲۷۳
امام کے لئے "ربنا ولک الحمد" کہنے کا حکم:	۲۷۴
ٹیلیویژن دیکھنے والے کی امامت کا حکم:	۲۷۵
امام کو "قد قامت الصلاۃ" کے وقت شروع کرنے کا حکم:	۲۷۷
امام کے لئے تسبیحات کی مقدار اور جلسہ میں دعا کا ثبوت:	۲۷۸
جلسہ میں دعاء پڑھنے کا ثبوت:	۲۷۸
جہری نماز میں امام کو جہر کرنے کا حکم:	۲۷۹
مصنوعی دانت والے امام کے پیچھے نماز کا حکم:	۲۸۰
بریلوی عقیدہ رکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم:	۲۸۲
التشبہ بالمصلین کے شواہد:	۲۸۳
فسادِ نماز کی خبر دینا امام کے ذمہ ہے:	۲۸۵
مدتِ طویلہ کے بعد فسادِ نماز کی خبر دینے کا حکم:	۲۸۶
عورت کی امامت کا حکم:	۲۸۸
عورت کی امامت کے عدم جواز پر کتبِ فقہ کی عبارات:	۲۹۲
مذہبِ احناف:	۲۹۲
مذہبِ مالکیہ:	۲۹۲
مذہبِ شافعیہ:	۲۹۳
مذہبِ حنابلہ:	۲۹۳

فصلِ دوم
جماعت کے احکام

Maktaba Tul Ishaat.com

خدمتگارانِ تبلیغ کا اجتماع گاہ میں جماعت کرنا:	۲۹۴
مسجد چھوڑ کر میدان میں جماعت کا حکم:	۲۹۶
رمضان میں نمازِ عشاء مقامِ تراویح پر پڑھنے کا حکم:	۲۹۸
جماعت سے نماز نکلنے کے خوف سے وضو میں تخفیف کا حکم:	۳۰۰
مسجدِ محلّہ میں جماعت فوت ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد جانے کا حکم:	۳۰۲
نجاست کا تھیلا ساتھ رکھ کر مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا حکم:	۳۰۳
تنہا عورتوں کی جماعت کا حکم:	۳۰۴
بلا کراہت جائز کہنے والوں کے دلائل:	۳۰۶
عورتوں کے لئے مسجد جانے کا حکم:	۳۰۸
ایک اشکال اور اس کا جواب:	۳۱۱
فقہاء کی عبارات اور اکابرین کے فتاوی:	۳۱۳
اکابرین کے فتاوی سے بھی عورتوں کو مسجد جانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے:	۳۱۶
حرمین شریفین میں عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا:	۳۲۰

فصل سوم
جماعتِ ثانیہ کے احکام

مسجد کی حدود میں جماعتِ ثانیہ کرنے کا حکم:	۳۲۲
مسجد کے صحن میں جماعتِ ثانیہ کا حکم:	۳۲۳
جس مسجد میں امام متعین ہو لیکن مقتدی متعین نہیں اس میں جماعتِ ثانیہ کا حکم:	۳۲۵
جماعتِ ثانیہ میں اذان واقامت کا حکم:	۳۲۶

فصلِ چہارم
صفیں درست کرنے کے احکام

مردوں کی صف اور بچوں کی صف کے درمیان خلا چھوڑنے کا حکم:	۳۲۷

کمسن بچے کو بالغوں کی صف میں کھڑا کرنے کا حکم:	۳۲۸
بچے کو مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا رکھنے کا حکم:	۳۲۹
عورت کا مردوں کی صف میں کھڑا ہونا:	۳۳۰
کوئی لڑکی لڑکا بن جائے تو مردوں کی صف میں کھڑے رہنے کا حکم:	۳۳۱
دوستونوں کے درمیان صف بنانے کا حکم:	۳۳۲
فصلِ پنجم **محاذات کا بیان**	
مسئلہ محاذات کی وضاحت:	۳۳۴
محاذات کی تعریف:	۳۳۴
بالاخانہ پر عورتیں امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو محاذات کا حکم:	۳۳۸
حرم شریف میں عورتوں کی محاذات کے مسئلہ کا حل:	۳۳۹
حدیث: ”أخّروهن من حيث أخّرهن الله“ کی تحقیق:	۳۴۱
فصلِ ششم **اقتدا کے احکام**	
عورتوں کے پیچھے والے کمرے میں مرد کی اقتدا کا حکم:	۳۴۴
امام کے پیچھے دوسرے کمرے میں اقتدا کا حکم:	۳۴۵
مسجد سے متصل مکان کی چھت پر یا صحن میں اقتدا کا حکم:	۳۴۶
مسجد سے متصل مکان کی چھت پر اقتدا کرنے کا حکم:	۳۴۷
مسجدِ کبیر میں بلا اتصالِ صفوف اقتدا کا حکم:	۳۴۸
مقتدی کی نماز امام کی نماز سے مختلف ہو تو اقتدا کا حکم:	۳۴۹
صلوٰۃ القائم خلف القاعد علی الکرسی کا حکم:	۳۵۰
اقتداء المعذور بالمعذور کا حکم:	۳۵۱

Maktaba Tul Ishaat.com

۞	دوعذر والے کے پیچھے ایک عذر والے کی اقتدا کا حکم:	۳۵۲
۞	جماعتِ اعادہ میں نئے آنے والے کی اقتدا کا حکم:	۳۵۲
۞	نمازِ فجر میں شافعی کا حنفی کی اقتدا کرنے کا حکم:	۳۵۴
۞	امام سے پہلے تحریمہ کہنے والے کی اقتدا کا حکم:	۳۵۵
۞	نمازِ ظہر میں مقیم حنفی کا مسافر شافعی کے پیچھے اقتدا کا حکم:	۳۵۶
۞	اقتدا بالموافق ومخالف کے احکام:	۳۵۸
۞	اقتدا بالموافق میں نماز واجب الاعادہ ہے:	۳۵۹
۞	مخالف مذہب کی اقتدا کی صحت کے دلائل:	۳۶۰
۞	تارکِ سجدۂ سہو شافعی کے پیچھے نماز کا حکم:	۳۶۳
۞	مسافر امام کے پیچھے بقیہ نماز میں قراءت کا حکم:	۳۶۵
۞	جنات کے پیچھے اقتدا کا حکم:	۳۶۶

فصلِ ہفتم
مسبوق اور لاحق کے احکام

۞	امام کے سلام پھیرتے وقت مسبوق نے تحریمہ کہی تو اقتداء کا حکم:	۳۶۸
۞	مسبوق کا امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیر دینے سے نماز کا حکم:	۳۶۹
۞	امام کی پانچویں رکعت میں مسبوق مقتدی کی اقتداء کا حکم:	۳۷۰
۞	مسبوق کا پانچویں رکعت میں امام کی متابعت کا حکم:	۳۷۱
۞	مسبوق فوت شدہ نماز کے لئے کب کھڑا ہوگا؟	۳۷۲
۞	مسبوق کا امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں عمداً سلام پھیرنے سے نماز کا حکم:	۳۷۳
۞	مسبوق کی اقتداء کا حکم:	۳۷۴
۞	مسبوق کا دوسرے مسبوق کو دیکھ کر فوت شدہ نماز پوری کرنا:	۳۷۴
۞	مسبوق کا فوت شدہ رکعات میں جہر کرنا:	۳۷۴
۞	مسبوق نمازِ مغرب میں فوت شدہ دو رکعات کس طرح پوری کرے:	۳۷۶

مقیم مسبوق مسافر کے پیچھے کس طرح نماز پوری کرے:	۳۷۷
مسافر امام کے پیچھے مقیم مسبوق کس طرح نماز پوری کرے؟	۳۷۸
لاحق کی نماز کا طریقہ:	۳۷۹

فصلِ ہشتم
حدث اور استخلاف کے مسائل

سلام اول کے بعد امام کو حدث لاحق ہو تو استخلاف کا حکم:	۳۸۱
امام کے استخلاف کے بغیر کسی مقتدی کا از خود خلیفہ بننا:	۳۸۲

باب ۷
فیما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا

فصلِ اول
مفسداتِ نماز کا بیان

قرآن کریم میں دیکھ کر تلاوت کرنے سے نماز کا حکم:	۳۸۴
دیگر ائمہ کے مذاہب:	۳۸۵
سیلولر فون بجنے پر عملِ کثیر سے بند کرنے سے نماز کا حکم:	۳۸۶
چھینکنے والے کو "یرحمک اللہ" کہنے سے نماز کا حکم:	۳۸۷
شافعی امام نے قعدۂ اخیرہ چھوڑ دیا اور پانچویں رکعت پر سجدۂ سہو کرلیا تو حنفی مقتدی کی نماز کا حکم:	۳۸۸
مقتدیہ عورت کے لقمہ دینے سے نماز کا حکم:	۳۸۹
جواب میں "اللّٰھمّ اجعل السلام علی من سلم علی" کہنے کا حکم:	۳۹۰
"أستغفر اللہ العظیم" پڑھنے سے فسادِ نماز کا حکم:	۳۹۱
منہ میں چیونگم رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:	۳۹۲

Maktaba Tul Ishaat.com

پیشاب کی بوتل جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:	۳۹۳
عورت کے کچھ بال کھلے رہ جانے سے نماز کا حکم:	۳۹۴
مرد عورت نماز میں ایک دوسرے کا بوسہ لیں تو فسادِ نماز کا حکم:	۳۹۵
نماز میں غیر عربی میں اور کلام الناس کے مشابہ دعا کرنے سے نماز کا حکم:	۳۹۷
نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر فسادِ نماز کے شبہ کا ازالہ:	۳۹۸
لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنے کی مزید تحقیق:	۳۹۹
فصلِ دوم	
مکروہاتِ نماز کا بیان	
سیل فون کی گھنٹی بجنے پر عملِ قلیل سے بند کرنے سے نماز کا حکم:	۴۰۷
کوٹ (jacket) کندھے پر ڈال کر نماز پڑھنے کا حکم:	۴۰۸
نماز میں چادر یا رومال سر پر ڈال کر کنارے چھوڑنا:	۴۰۹
آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنے کا حکم:	۴۱۱
رکوع سجدے میں جاتے ہوئے پاجامہ اٹھانے سے نماز کا حکم:	۴۱۲
مسجد کے لمبے کرتوں میں نماز پڑھنے کا حکم:	۴۱۳
نماز میں جمائی آنے پر ہاہ ہاہ کی آواز نکلنے سے نماز کا حکم:	۴۱۴
تصویر والے سکّے جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم:	۴۱۵
غیر عربی میں دعا پڑھنے سے نماز کا حکم:	۴۱۶
منہ میں چنے کی مقدار کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم:	۴۱۷
سجدہ میں بقدر تین تسبیح دونوں پاؤں اٹھانے سے نماز کا حکم:	۴۱۸
گانے بجانے کی جگہوں پر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:	۴۲۰
فصلِ سوم سترہ کے احکام	
امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے:	۴۲۱

ہاتھ بطورِ سترہ استعمال کرنے کا حکم:	۴۲۲
اپنا ہاتھ بطورِ سترہ استعمال کرنے کا حکم:	۴۲۳
رومال یا لاٹھی رکھ کر گذرنے کا حکم:	۴۲۴
سترہ کی جگہ تار یا رسی رکھنے کا حکم:	۴۲۵
مدرسہ کی ٹپائی کا سترہ کے قائم مقام ہونا:	۴۲۶
خلا والی چیز بطورِ سترہ استعمال کرنا:	۴۲۷
مصلی کے سامنے سے گذرنے میں مسجدِ کبیر اور صغیر کا فرق:	۴۲۸
مسجدِ کبیر کی تعریف:	۴۲۹

باب.....﴿۸﴾

نمازِ وتر اور دعا قنوت کا بیان

فصلِ اول وتر کی نماز کا بیان

غیر رمضان میں وتر باجماعت پڑھنے کا حکم:	۴۳۱
وتر کو عشاء پر مقدم کرنے کا حکم:	۴۳۲
وتر میں نصف رمضان شافعی کا امام بننا اور نصف رمضان حنفی کا بننا:	۴۳۳
حنفی امام کی اقتداء میں شافعی کا وتر تین رکعات ایک سلام سے پڑھنا:	۴۳۵
شافعی امام کی اقتداء میں حنفی کا دو سلام سے وتر پڑھنا:	۴۳۶
وتر کی تیسری رکعت میں سورت نہ پڑھنے سے نمازِ وتر کا حکم:	۴۳۷
نمازِ وتر نمازِ تراویح سے پہلے پڑھنے کا حکم:	۴۳۸

فصلِ دوم دعاءِ قنوت کا بیان

وتر کی رکعات کی تعداد میں شک ہو تو دعاءِ قنوت پڑھنے کا حکم:	۴۳۹
دعا قنوت یاد نہ ہونے کے وقت دیگر دعا پڑھنے کا حکم:	۴۴۰

Maktaba Tul Ishaat.com

دعاءِ قنوت کی جگہ سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم:	۴۴۰
وتر کی تیسری رکعت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا چہ حکم دارد؟	۴۴۱
رفع الیدین فی قنوت الوتر کے متعلق شوافع وحنابلہ کے مستدلات:	۴۴۳
فصلِ سوم قنوتِ نازلہ کا بیان	
قنوتِ نازلہ کے الفاظ کتبِ فقہ سے:	۴۴۶
قنوتِ نازلہ میں مسنون کے علاوہ دیگر ادعیہ پڑھنے کا حکم:	۴۴۷
قنوتِ نازلہ دفعِ مصائب کے لئے پڑھنے کا حکم:	۴۴۸
امام طحاویؒ قنوتِ نازلہ کو منسوخ کہتے ہیں اس کا کیا مطلب:	۴۵۰
نمازِ فجر میں قنوتِ نازلہ کے وقت ہاتھ باندھنے یا لٹکانے کا حکم:	۴۵۱
باب ۹	
سنن اور نوافل کا بیان	
سنتِ مؤکدہ بغیر عذر کے بیٹھ کر ادا کرنے کا حکم:	۴۵۴
نفل نماز کے فاسد ہوجانے پر بیٹھ کر اعادہ کرنے کا حکم:	۴۵۴
فرائض کے ساتھ سنن کی قضاء کا حکم:	۴۵۵
سنت یا نفل بغیر وضو پڑھنے سے اعادہ کا حکم:	۴۵۶
عصر کی سنتِ قبلیہ توڑ دی تو بعد از عصر پڑھنے کا حکم:	۴۵۷
فرض پڑھنے والے کے پیچھے سنت پڑھنے کا حکم:	۴۵۷
مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھنے کا حکم:	۴۵۷
عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا حکم:	۴۵۹
وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا حکم:	۴۶۰
عشاء کے بعد تہجد کی نیت سے دو یا چار رکعات پڑھنے کا حکم:	۴۶۱

نمازِ تہجد باجماعت ادا کرنے کا حکم:	۴۶۳
تہجد کی نماز میں صبح صادق طلوع ہونے سے نماز کا حکم:	۴۶۴
تہجد کے وقت قضاءِ عمری پڑھنے سے تہجد کا ثواب مل جائے گا:	۴۶۴
تراویح پڑھنے والے کے پیچھے تہجد پڑھنے کا حکم:	۴۶۵
اشراق کی نماز میں دو سے زیادہ کا ثبوت:	۴۶۵
تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم:	۴۶۶
تحیۃ المسجد باوجود قدرت کے بیٹھ کر پڑھنے کا حکم:	۴۶۷
صلاۃ التسبیح باجماعت ادا کرنے کا حکم:	۴۶۸
صلاۃ التسبیح مختصر ومطول کا ثبوت اور دونوں کے مابین فرق:	۴۶۹
بعد نمازِ مغرب اوابین پڑھنے کا حکم:	۴۷۵
لفظ "الأوابین" کا استعمال:	۴۷۹
مذاہبِ اربعہ میں "صلاۃ الأوابین" کا ثبوت:	۴۸۰
مذہبِ احناف:	۴۸۰
مذہبِ مالکیہ:	۴۸۰
مذہبِ شوافع:	۴۸۰
مذہبِ حنابلہ:	۴۸۱
قعدۂ اولیٰ نہ کرنے سے نفل نماز کا حکم:	۴۸۱
سننِ قبلیہ اذان سے پہلے پڑھنے کا حکم:	۴۸۲
دوسرے سے استخارہ کرانے کا حکم:	۴۸۳
استخارہ تین مرتبہ کرنے کا حکم:	۴۸۴
دعاءِ استخارہ میں "خرلی واخترلی" میں فرق:	۴۸۵

Maktaba Tul Ishaat.com

باب.....﴿۱۰﴾

تراویح کی نماز کا بیان

- تروایح میں ختمِ قرآن پر اشکال اور جواب:..... ۴۸۸
- تراویح میں قرآن ختم کرنے سے متعلق چند آثارِ صحابہ:..... ۴۹۱
- نمازِ تراویح کے لئے نیت کا حکم:..... ۴۹۴
- ایک حافظ کا دو مسجدوں میں دس دس رکعات پڑھنے کا حکم:..... ۴۹۵
- ایک حافظ کا تراویح میں دو جگہ قرآن ختم کرنا:..... ۴۹۶
- امامِ راتب کو تراویح پر مجبور کرنے کا حکم:..... ۴۹۷
- ڈاڑھی منڈوانے والے کی امامتِ تراویح کا حکم:..... ۴۹۸
- سنت کے مطابق ڈاڑھی نہ رکھنے والے کی امامتِ تراویح:..... ۴۹۸
- نفل کی جماعت کے ساتھ شامل ہوکر تراویح پڑھنے کا حکم:..... ۴۹۹
- نمازِ عشاء بغیر وضو پڑھنے پر تراویح اور وتر کے اعادہ کا حکم:..... ۵۰۰
- عشاء پڑھے بغیر تراویح کی جماعت میں شرکت کا حکم:..... ۵۰۰
- تراویح میں غیر مقتدی کا مصحف میں دیکھ کر امام کو لقمہ دینا:..... ۵۰۱
- تراویح میں مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرنے کا حکم:..... ۵۰۲
- تکان کی وجہ سے بیٹھ کر تراویح پڑھنے کا حکم:..... ۵۰۳
- تجوید میں بے احتیاطی کرنے والے کے پیچھے نمازِ تراویح کا حکم:..... ۵۰۳
- تراویح کے ہر شفعہ پر نیت کرنے کا حکم:..... ۵۰۴
- تراویح کے بعد نفل نماز باجماعت پڑھنے کا حکم:..... ۵۰۵
- تراویح باجماعت قضا کرنے کا حکم:..... ۵۰۶
- قعدہ کئے بغیر تیسری رکعت کی طرف جانے سے تراویح کا حکم:..... ۵۰۷

چار رکعت قعدۂ اولیٰ کے بغیر پڑھنے سے تراویح کا حکم:	۵۰۸
تراویح میں قرآن میں دیکھ کر امام کو لقمہ دینے کا حکم:	۵۰۹
تراویح اور تہجد دونوں علیحدہ نمازیں ہیں:	۵۱۰
اکابر کی تحقیق کے مطابق تراویح اور تہجد کا فرق اور شاہ صاحب کا نظریہ:	۵۱۱
حضرت شاہ صاحبؒ کا نظریہ:	۵۱۲
دیگر اکابرؒ کی تحقیق:	۵۱۲
تراویح میں جہراً بسم اللہ پڑھنے کا حکم:	۵۱۸
نفل پڑھنے والے کے پیچھے تراویح پڑھنے کا حکم:	۵۲۰
۸ رکعت تراویح کا حکم:	۵۲۱
آٹھ رکعت تراویح والی روایت کا جواب:	۵۲۳
اضطرابِ روایت کا نقشہ:	۵۲۴
ترجیح وتطبیق کے کچھ دلائل ملاحظہ فرمائیں:	۵۲۶
یزید بن خصیفہ کی روایت کی تحقیق:	۵۲۸
یزید بن خصیفہ پر اعتراض اور اس کا جواب:	۵۲۸
امامتِ تراویح پر اجرت لینے کا حکم:	۵۲۹

باب ﴿۱۱﴾

قضاء الفوائت

قضا نمازوں کا بیان

تہجد کے وقت قضائے عمری پڑھنے کا حکم:	۵۳۲
نماز فجر باجماعت قضا کرتے وقت جہر کرنے کا حکم:	۵۳۳
مسجد میں جماعت کے ساتھ قضا کرنے کا حکم:	۵۳۳

Maktaba Tul Ishaat.com

حرم شریف میں ظہر چھوڑ کر عصر کی جماعت میں شرکت کا حکم:	۵۳۴
نماز کے وقت میں کسی عورت کو حیض آنے پر قضا کا حکم:	۵۳۵
قضاء نمازوں میں چار یا اس سے کم رہ جانے پر عودِ ترتیب کا حکم:	۵۳۶
کثرتِ فوائت کی وجہ سے سننِ رواتب کی جگہ قضاءِ فوائت کا حکم:	۵۳۷
۲۳ سالہ نمازوں کی قضا کا حکم:	۵۳۷
عمداً نماز ترک کرنے پر قضا کا حکم:	۵۳۹
سنن کی قضاء کا حکم:	۵۴۲
قضائے عمری باجماعت ادا کرنے کا حکم:	۵۴۳
مروجہ قضائے عمری میں درجِ ذیل خرابیاں ومفاسد:	۵۴۴

باب.....﴿۱۲﴾

سجدۂ سہو کا بیان

تکرارِ فاتحہ سے سجدۂ سہو کا حکم:	۵۵۲
سورۂ فاتحہ کی کسی ایک آیت کے تکرار سے سجدۂ سہو کا حکم:	۵۵۳
دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کا حکم:	۵۵۳
حالتِ قیام میں فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھ لینے سے سجدۂ سہو کا حکم:	۵۵۴
قعدہ میں تشہد کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:	۵۵۵
سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم؟	۵۵۵
قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:	۵۵۶
سری نماز میں کچھ جہری قراءت کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم:	۵۵۶
مسبوق امام کے ساتھ سہواً سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو کا حکم:	۵۵۷
پہلی رکعت میں سورت نہ ملانے کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم:	۵۵۸

فرض کی تیسری رکعت میں سورت شروع کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم:	۵۵۹
سجدۂ سہو کرنے کے بعد دوبارہ لازم ہو تو تکرارِ سہو کا حکم:	۵۶۰
قعدہ میں تشہد کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:	۵۶۱
قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد کھڑا ہو کر واپس آنے پر وجوبِ سجدۂ سہو کا حکم:	۵۶۲
سینہ قبلہ کی طرف سے پھیر لینے کے بعد سجدۂ سہو کا حکم:	۵۶۲
مقتدی کا تشہد پورا ہونے سے پہلے سجدۂ سہو میں امام کی اتباع کا حکم:	۵۶۳
مسبوق قعدہ نہ کرے تو سجدۂ سہو کا حکم:	۵۶۴
سورت ملانا بھول جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم:	۵۶۵
بلاضرورت سجدۂ سہو کرنے سے نماز کا حکم:	۵۶۶
ظہر کی آخری دو رکعت میں جہری قراءت سے سجدۂ سہو کا حکم:	۵۶۶
تین آیات یا ایک آیتِ طویلہ کی مقدار:	۵۶۷

باب ﴿۱۳﴾

سجدۂ تلاوت کا بیان

آیتِ سجدہ کے ساتھ چند آیات پڑھنے کے بعد سجدۂ تلاوت کا حکم:	۵۷۰
سورۂ صٓ کے سجدہ کی تحقیق:	۵۷۱
سواری پر تکرارِ آیتِ سجدہ سے تکرارِ سجدہ کا حکم:	۵۷۲
ریڈیو سے آیتِ سجدہ سن کر وجوبِ سجدہ کا حکم:	۵۷۳
ٹیپ ریکارڈ سے سماعِ تلاوت پر سجدۂ تلاوت وثواب کا حکم:	۵۷۴
ٹیپ ریکارڈ سے سماعِ تلاوت پر اجر وثواب کی دلیل:	۵۷۴
نابالغ بچے کی تلاوتِ آیتِ سجدہ پر وجوبِ سجدۂ تلاوت کا حکم:	۵۷۶
آیتِ سجدہ کے اکثر حصہ کو پڑھنے سے سجدۂ تلاوت کا حکم:	۵۷۷
نماز میں سجدہ کرنے کے بعد دو مختلف لوگوں سے مختلف آیاتِ سجدہ سننے سے تکرارِ وجوب کا حکم:	۵۷۷

Maktaba Tul Ishaat.com

مختلف لوگوں سے مختلف آیاتِ سجدہ سننے سے تکرارِ وجوب کا حکم:	۵۷۸
تبدیلِ مجلس سے تکرارِ وجوب کا حکم:	۵۷۸
اتحادِ مکان میں جگہ کی تبدیلی سے تکرارِ وجوب کا حکم:	۵۷۹
امام نے رکوع میں نیت کی تو مقتدیوں کے سجدہ کا حکم:	۵۷۹
سجدۂ تلاوت رہ جانے پر وجوبِ فدیہ کا حکم:	۵۸۰
سجدۂ تلاوت خارجِ نماز رکوع سے ادا کرنے کا حکم:	۵۸۱

باب.....﴿۱۴﴾

معذور اور مریض کی نماز کا بیان

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم:	۵۸۳
سجدے پر قدرت نہ رکھنے والے کے لئے قیام کا حکم:	۵۸۶
میز سامنے رکھ کر سجدہ کرنے کا حکم:	۵۸۷
کرسی پر نماز پڑھنے والے کے لئے میز سامنے رکھنا ضروری نہیں ہے:	۵۸۸
لیٹ کر نماز پڑھتے وقت چہرہ قبلہ کی طرف کرنے کا حکم:	۵۸۹
معذور کا شرعی حکم:	۵۹۰
معذور شخص کی نماز کا حکم:	۵۹۱
نجاست کا تھیلا ساتھ رکھ کر مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا حکم:	۵۹۴

باب.....﴿۱۵﴾

مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان

ابتداءِ سفر شرعی کی حد:	۵۹۷
شہر بہت کشادہ ہو تو سفر کی ابتداء اور انتہاء کا حکم:	۵۹۸

۞	آبادی بڑھنے کی وجہ سے دو بستیاں متصل ہوجانے پر سفرِ شرعی کی ابتداء کا حکم:	۵۹۹
۞	ایک سے زائد وطنِ اصلی کا حکم:	۶۰۰
۞	واپسی میں ایرپورٹ پر قصر کا حکم:	۶۰۱
۞	مسافتِ قصر کی مقدار:	۶۰۱
۞	بلانیت مسافتِ قصر طے کرنے سے قصر کا حکم:	۶۰۵
۞	سفر کا ارادہ ترک کردیا تو واپسی میں قصر کا حکم:	۶۰۶
۞	مسافتِ شرعی والا راستہ اختیار کرنے سے قصر کا حکم:	۶۰۶
۞	سفر میں اتمام کرنے سے اعادہ کا حکم:	۶۰۷
۞	مسافر کا سفرِ شرعی میں عمداً اتمام کرنا:	۶۰۷
۞	وطنِ اقامت میں سامان چھوڑ کر سفر کرنے سے وطنِ اقامت کا حکم:	۶۰۸
۞	دوبارہ سورج نظر آنے پر مغرب کی نماز کا حکم:	۶۰۹
۞	حالتِ حیض میں سفر کا حکم:	۶۱۰
۞	جائے اقامت پر پاک ہوکر نماز پڑھنے کا حکم:	۶۱۲
۞	بلانیت سفر کرنے سے قصر کا حکم:	۶۱۴
۞	شوہر کے لئے سسرال میں قصر کرنے کا حکم:	۶۱۴
۞	شادی کے بعد لڑکی کے لیے میکے میں قصر کا حکم:	۶۱۶
۞	شوہر نے بیوی کو کسی اور شہر میں ٹھہرایا جب شوہر وہاں جائے تو قصر کا حکم:	۶۱۷
۞	مقیم مسافر کے پیچھے اپنی بقیہ نماز قراءت کے ساتھ ادا کریگا:	۶۱۸
۞	مسافر شافعی کے اتمام کرنے سے مسافر حنفی کی نماز کا حکم:	۶۱۸
۞	مسافر مقیم کی اقتداء میں اتمام کرلے پھر فساد کی وجہ سے قصر کا حکم:	۶۲۰
۞	واپسی میں مسافتِ شرعی والا راستہ اختیار کرنے پر قصر کا حکم:	۶۲۱
۞	وطنِ اصلی میں داخل ہونے سے پہلے مسافر ہے:	۶۲۱
۞	مقیم امام نماز توڑ دے تو مسافر مقتدی کی نماز کا حکم:	۶۲۲

Maktaba Tul Ishaat.com

وطنِ اقامت سے سفر کرنے کے بعد دوبارہ گذر ہوتو قصر کا حکم:	۶۲۳
مسافر مقتدی مسافر امام کے پیچھے اتمام کی نیت کرے تو نماز کا حکم:	۶۲۳
مسافر سہواً تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا پھر یاد آیا تو کیا کرے؟	۶۲۴
وطنِ اصلی دوسرے وطنِ اصلی سے باطل ہوجاتا ہے:	۶۲۵
والدین کی جائے اقامت میں قصر کا حکم:	۶۲۶
کسی شخص کا یہ کہنا کہ والدین کا وطن بھی میرا وطنِ اصلی ہے:	۶۲۶
اپنے شہر کے اردگرد مسافتِ سفر طے کرنے سے قصر کا حکم:	۶۲۸
مسافر امام نے چار رکعت پڑھادی اور سجدۂ سہو کرلیا تو کا حکم:	۶۲۹
دورانِ سفر گاڑی چلاتے ہوئے نوافل پڑھنے کا حکم:	۶۲۹
سفر میں جمع بین الصلاتین کا حکم:	۶۳۰
جمع بین الصلاتین شوافع کے نزدیک جائز ہے احناف کیوں نہیں کرتے؟	۶۳۲
جمع بین الصلاتین کے جواز کا قول:	۶۳۵

باب.....﴿۱۶﴾

نمازِ جمعہ کا بیان

خطبہ جمعہ سے پہلے تقریر کا حکم:	۶۳۸
خطبہ سے قبل وعظ پر اعتراض اور اس کا جواب:	۶۳۹
قصبہ میں نمازِ جمعہ پڑھنے کا حکم:	۶۴۱
قصبہ اور اس کے ملحقات میں جمعہ کا حکم:	۶۴۲
ایئرپورٹ پر نمازِ جمعہ ادا کرنے کا حکم:	۶۴۳
بڑے شہر یا قصبہ میں مسلمانوں کی آبادی کم ہوتو جمعہ پڑھنے کا حکم:	۶۴۵
جیل میں نمازِ جمعہ قائم کرنے کا حکم:	۶۴۶

۞	فیکٹریوں اور کارخانوں میں جمعہ پڑھنے کا حکم:	۶۴۶
۞	پارک میں جمعہ پڑھنے کا حکم:	۶۴۷
۞	زوال سے قبل جمعہ قائم کرنے کا حکم:	۶۴۸
۞	کسی مسجد میں بدعات ہورہی ہوں وہاں جمعہ پڑھنے کا حکم:	۶۴۹
۞	نمازِ جمعہ جامع مسجد میں پڑھنا افضل ہے:	۶۴۹
۞	جمعہ کی اذانِ اول کے بعد کھانے پینے یا دکان کھولنے کا حکم:	۶۵۰
۞	اذانِ ثانی کا جواب دینا سنت ہے:	۶۵۱
۞	جمعہ کی اذان کے بعد سنتوں کا موقع نہ ملنا:	۶۵۳
۞	خطیب کا منبر پر چڑھتے وقت سلام کرنے کا حکم:	۶۵۴
۞	درایت روایت کے موافق ہو تو اس کو لینا چاہئے:	۶۵۵
۞	چند مثالیں ملاحظہ ہو:	۶۵۶
۞	خطیب کے سامنے ترقیہ کا حکم:	۶۵۸
۞	خطیب کا دورانِ خطبہ دائیں بائیں التفات کرنے کا حکم:	۶۵۸
۞	خطیب کی دعا کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:	۶۵۹
۞	خطبہ میں صرف قرآنِ کریم پر اکتفاء کرنے کا حکم:	۶۶۰
۞	خطبہ کے وقت عصا ہاتھ میں لینے کا حکم:	۶۶۱
۞	خطیب کا جلسہ خفیفہ ترک کرنا:	۶۶۲
۞	خطیب کو لقمہ دینے کا حکم:	۶۶۲
۞	غیر عربی میں خطبہ دینے کا حکم:	۶۶۳
۞	خطبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد کا نام نہ لینا:	۶۶۴
۞	خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرنے کا حکم:	۶۶۵
۞	ریڈیو پر نشر ہونے والے خطبہ کے سننے کا حکم:	۶۶۶
۞	خطیب کے علاوہ دوسرے شخص کا نمازِ جمعہ پڑھانا:	۶۶۷

Maktaba Tul Ishaat.com

خطبہ کے بعد نماز سے قبل امام کے لئے اعلان کرنے کا حکم:	۶۶۸
خطبہ کا مختصر ہونا اور نماز کا طویل ہونا سنت ہے:	۶۶۸
احتیاط الظہر کا حکم:	۶۷۰
جمعہ کے بعد سنت کی تعدادِ رکعات:	۶۷۱
عید و جمعہ جمع ہو جائیں تو نمازِ جمعہ کا حکم:	۶۷۲
ایک اشکال اور اس کا جواب:	۶۷۳

عید مبارک باب ﴿۱۷﴾ عید مبارک

نمازِ عیدین کا بیان

عیدین کی نماز شہر کے پارک میں ادا کرنے کا حکم:	۶۷۷
کھلے میدانوں میں عید کی نماز پڑھنے پر اشکالات:	۶۷۸
اکابرؒ کی عبارات سے جوابات:	۶۷۹
حضرت مفتی عبدالحی بسم اللہ رحمہ اللہ کا جواب:	۶۷۹
حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا جواب:	۶۸۱
نمازِ عیدین چھوٹی بستی میں ادا کرنے کا حکم:	۶۸۲
عورتوں کے لئے عیدگاہ جانے کا حکم:	۶۸۳
عیدگاہ احادیث کی روشنی میں:	۶۸۳
مذہبِ احناف:	۶۸۴
مذہبِ مالکیہ:	۶۸۴
مذہبِ شافعیہ:	۶۸۴
مذہبِ حنابلہ:	۶۸۵
عیدین میں سجدۂ سہو کا حکم:	۶۸۵

نمازِ عیدین کے بعد اجتماعی دعا کرنے کا حکم:	۶۸۶
مسبوق کے لئے تکبیراتِ زوائد کا حکم:	۶۸۷
شافعی امام کے پیچھے تکبیرات زوائد میں اتباع کا حکم:	۶۸۸
امام کا تکبیرات کے لئے قیام کی طرف لوٹنے کا حکم:	۶۸۹
عیدین کے موقع پر مبارک بادی دینا:	۶۸۹
ایک اشکال اور جواب:	۶۹۲
عید کے دن دف بجانے کا حکم:	۶۹۴
عید کے دن قبرستان جانے کا حکم:	۶۹۵
نمازِ عید پڑھنے کے بعد دوسرے ملک میں عید کی نماز پڑھانے کا حکم:	۶۹۶
خطبہ عیدین میں تکبیرات کا ثبوت:	۶۹۷
تکبیراتِ تشریق تین مرتبہ پڑھنے کا حکم:	۶۹۹
تکبیر تشریق تین مرتبہ پڑھنے والی روایت کا حکم:	۷۰۱
عیدین کا خطبہ سننے کا حکم:	۷۰۲
عیدین میں مصافحہ اور معانقہ کا حکم:	۷۰۴
ایک اشکال اور جواب:	۷۰۷

باب ﴿۱۸﴾
مسائلِ شتیٰ
نماز کے متفرق مسائل

تارک الصلوٰۃ کا حکم:	۷۱۰
اشکالات اور ان کے جوابات:	۷۱۲
خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا حکم:	۷۱۵

Maktaba Tul Ishaat.com

طلبہ سے سزا کے طور پر نماز پڑھوانا:	۷۱۶
ڈاکٹر کے لیے بوقتِ ضرورت فرض نماز توڑنے کا حکم:	۷۱۷
فرض نماز کی ایک رکعت چھوٹنے پر بطورِ جرمانہ ۲ رکعت کا حکم:	۷۱۸
نماز کے ابتدائی وقت میں وفات پا جائے تو اس نماز کے فدیہ کا حکم:	۷۱۹
نماز کے فدیہ کا ثبوت:	۷۱۹
بچہ رات کے وقت بالغ ہو تو قضاء کا حکم:	۷۲۲
دماغی مریض کی فوت شدہ نمازوں کے فدیہ کا حکم:	۷۲۲
جوتوں سمیت نماز پڑھنے کا حکم:	۷۲۳
نماز سے قبل شلوار کو موڑنے کا حکم:	۷۲۷

باب.....﴿۱۹﴾

احکام الجنائز

فصلِ اول

قریب المرگ سے متعلق احکام

قریب المرگ شخص کو لٹانے کا طریقہ:	۷۳۰
مرض الموت میں ہدیہ کرنے کا حکم:	۷۳۱
مرض الموت کی تعریف:	۷۳۲
مریض کی وصیت کا حکم:	۷۳۲
غسل دینے سے پہلے میت کے پاس تلاوت کا حکم:	۷۳۳
میت کے پاس حائضہ عورت کے بیٹھنے کا حکم:	۷۳۴
موت کے بعد بیوی کا چہرہ دیکھنے کا حکم:	۷۳۴
موت کے بعد شوہر کے لئے بیوی کا چہرہ یا ہاتھ چھونے کا حکم:	۷۳۵
پوسٹ مارٹم کا شرعی حکم:	۷۳۵

میت کے سامنے کھڑے ہوکر معاف کرنے کا حکم:	۷۳۶
میت کی آنکھوں کی کونٹیک لینس نکالنے کا حکم:	۷۳۸
میت دوبارہ زندہ ہوجائے تو جائداد واپس لینے کا حکم:	۷۳۸
موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر بیوی کا حکم:	۷۳۹
مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے:	۷۳۹
اشکال اور جواب:	۷۳۹
میت کی تجہیز وتکفین کسی کمپنی سے کرانے کا حکم:	۷۴۱
فصلِ دوم	
میت کو غسل دینے کا بیان	
میت کو غسل دیتے وقت کفن پر عطر ملنے کا حکم:	۷۴۳
عورت کے بالوں کی دو چوٹیاں بنانے کی دلیل:	۷۴۵
میت کا جسم ریزہ ریزہ ہوجائے تو غسل کا حکم:	۷۴۸
نجاست سے کفن ملوث ہوجائے تو دھونے کا حکم:	۷۴۸
مسلمان میت کو غیر مسلم کا غسل دینا:	۷۴۹
میت بغیر غسل کے دفن کیا گیا تو غسل کا حکم:	۷۵۰
میت کو غسل دیتے وقت لٹانے کا طریقہ:	۷۵۰
خنثی مشکل کو غسل دینے کا حکم:	۷۵۱
فصلِ سوم	
نمازِ جنازہ کا بیان	
مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم:	۷۵۲
نمازِ جنازہ کا حق اولیائے میت کو حاصل ہے:	۷۵۳
تکثیرِ جماعت کے لئے نمازِ جنازہ کو مؤخر کرنے کا حکم:	۷۵۶
خنثی مشکل کی نمازِ جنازہ کا حکم:	۷۵۶

Maktaba Tul Ishaat.com

نمازِ جنازہ کی صفوف میں طاق عدد کا استحباب:	۷۵۷
شراب پینے والے کی نمازِ جنازہ کا حکم:	۷۵۹
نمازِ جنازہ میں عورت کی امامت کا حکم:	۷۵۹
نمازِ جنازہ میں امام کا سینہ کے مقابل کھڑا ہونا:	۷۵۹
ائمہ اربعہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم:	۷۶۱
مذہبِ حنفیہ:	۷۶۱
مذہبِ مالکیہ:	۷۶۲
مذہبِ شافعیہ:	۷۶۲
مذہبِ حنابلہ:	۷۶۲
متعدد اموات پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا طریقہ:	۷۶۳
ثناء میں "وجلّ ثناؤک" پڑھنے کا حکم:	۷۶۵
نمازِ جنازہ کے درود میں اضافہ کرنے کا حکم:	۷۶۶
نمازِ جنازہ میں جانبین سلام پھیرنے کا ثبوت:	۷۶۶
نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کا حکم:	۷۶۸
جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے کی فضیلت:	۷۶۸

فصلِ چہارم
دفن کرنے کا بیان

کافر کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کا حکم:	۷۷۰
میت کو صندوق میں بند کر کے دفن کرنے کا حکم:	۷۷۲
کسی میت کو اس کے رشتہ دار کی قبر میں دفن کرنے کا حکم:	۷۷۲
شوہر بیوی کو قبر میں اتار سکتا ہے:	۷۷۳
حاملہ عورت کا انتقال ہو جائے تو بچہ کا حکم:	۷۷۴
سر سے مٹی ڈالنے کی ابتداء کا ثبوت:	۷۷۴

سیلاب کی وجہ سے میت کو منتقل کرنے کا حکم:	۷۷۵
قبر کے گرنے کا خطرہ ہو تو قبر مستحکم کرنے کا حکم:	۷۷۵
دفن کرتے وقت کچھ رقم گر جائے تو نکالنے کا حکم:	۷۷۶
ایک مردہ کی قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرنے کا حکم:	۷۷۶
تلقین بعد الدفن کا حکم:	۷۷۷
دفن کرنے کے بعد اجتماعی دعا کا حکم:	۷۷۸
قبرستان میں بوقتِ دعا استقبالِ قبلہ کا حکم:	۷۷۹
کسی قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا حکم:	۷۸۰
مسلمانوں کے قبرستان میں غیر مسلم کی قبر ہو تو اس کا حکم:	۷۸۱
میت کے کفن پر آیاتِ قرآنیہ لکھنے کا حکم:	۷۸۲
قبر پر پودے لگانے کا حکم:	۷۸۳
قبر پر پھول ڈالنا بدعت ہے:	۷۸۴
قبر پر کتبہ لگانے کا حکم:	۷۸۵
فصلِ پنجم **ایصالِ ثواب کا بیان**	
میت کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کا ثبوت:	۷۸۷
زندہ شخص اور پیغمبر کو ایصالِ ثواب کرنے کا حکم:	۷۸۹
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرنے کا حکم:	۷۹۰
ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا حکم:	۷۹۴
ریڈیو اسلام پر قراءت نشر کر کے ایصالِ ثواب کرانے کا حکم:	۷۹۵
فصلِ ششم **تعزیت کا بیان**	

Maktaba Tul Ishaat.com

تعزیت کے متعلق ضروری ہدایات:	۷۹۸
تعزیت کے فضائل:	۷۹۸
تعزیت کا مسنون طریقہ:	۷۹۹
تعزیت کی منقول دعائیں:	۷۹۹
تعزیت بذریعۂ خط بھی مسنون ہے:	۸۰۰
تسلی بخش اور عبرت خیز کلمات:	۸۰۱
تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:	۸۰۲
تعزیت اور نمازِ جنازہ دونوں میں فرق:	۸۰۳
تعزیتی جلسہ کا حکم:	۸۰۴
مقبرہ میں جوتے کے ساتھ چلنے کا حکم:	۸۰۵
خواتین کے لئے زیارتِ قبور کا حکم:	۸۰۶
اشکال اور جواب:	۸۰۹

فصلِ ہفتم
شہید کے احکام کا بیان

ظلماً قتل کیا جاوے وہ شہید ہے:	۸۱۲
سنامی میں شہید ہونے والوں کا حکم:	۸۱۳
نامعلوم ظالم کے ہاتھ سے شہید ہونے والے کا حکم:	۸۱۵
اقسامِ شہداء:	۸۱۶
اضافہ کے ساتھ ترجمہ:	۸۱۸
مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں وفات پانے کی فضیلت:	۸۲۲
مدینہ طیبہ میں وفات پانے کی فضیلت:	۸۲۵
اشکال اور جواب:	۸۲۷
مصادر و مراجع:	۸۲۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للّٰہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أما بعد :

فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی جلدِ ثانی کا نیا ایڈیشن اہم اضافوں کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے، فتاویٰ کی پہلی اور دوسری جلد عرصہ ہوا ختم ہوچکی تھی، شائقین کی طرف سے اس کی طلب برابر ہورہی تھی، پہلی جلد تو الحمدللہ اہم اضافوں کے ساتھ منظرعام پر آچکی، البتہ دوسری جلد کی طباعت میں بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے تاخیر ہوئی اب دوسری جلد اضافوں کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، امید ہے کہ طلبہ اس سے استفادہ کرکے ہمیں دعاؤں میں یاد فرمائیں گے۔

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اس مشورہ سے نوازا کہ طباعت شدہ جلدوں میں اضافے کرکے دوبارہ چھاپنا زیادہ موزون نہیں، کیونکہ جن کے پاس سابقہ طباعت ہوگی وہ افسوس کریگا اور اضافوں کے استفادہ سے محروم ہوگا، اس لیے اضافہ کی بجائے سابقہ جلدوں کا ضمیمہ چھاپنا چاہئے جو علیحدہ جلد کی شکل میں ہو، امید ہے حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ ورعاہ کے مشورہ پر آئندہ عمل کی کوشش کریں گے، یہ ایک معقول مشورہ ہے۔

قارئین جن مسائل میں فروگذاشت اور غلطی ملاحظہ فرمائیں وہ اطلاع فرمائیں تاکہ آئندہ ہم اس کی تصحیح کرلیں، ہاں اختلافی مسائل میں مشائخ کی تحریرات کی روشنی میں ایک جانب کو ترجیح دینے میں ہم معذور ہوں گے۔ اس جلد کی دوبارہ ترتیب وتصحیح مفتی محمد الیاس صاحب کی مرہونِ منت ہیں، تخصص کے جن طلبہ نے اس میں حصہ لیا ہے ہم ان کے لیے بھی دعا گو ہیں، دارالعلوم زکریا کے اربابِ حل وعقد کی خدمت میں ہم ہدیہ تشکر پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو دارین میں خیر مرحمت فرمائے۔ آمین۔

کتبہ: (حضرت مفتی) رضاء الحق (صاحب مدظلہ)

دارالافتاء دارالعلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ

مؤرخہ: ۱۴/ستمبر ۲۰۱۳ء، مطابق ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ

Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿دارالعلوم زکریا پر ایک طائرانہ نظر﴾

۞ ۱۹۸۱ء میں برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے جنوبی افریقہ تشریف لاکر دعا فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت ہی کے نام پر دارالعلوم زکریا کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

۞ ۱۹۸۳ء دسمبر میں حضرت قاری عبدالحمید صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب اور ان کے رفقاء کی سرپرستی میں مدرسہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا، اور ۱۹۸۵ء تک مہتمم قاری عبدالحمید صاحب رہے۔

۞ قاری عبدالحمید صاحب کے ہندوستان تشریف لے جانے کے بعد مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مہتمم اور حافظ بشیر صاحب ناظمِ مدرسہ مقرر ہوئے، اور تاہنوز خدمت انجام دے رہے ہیں، اور انھیں کی توجہات وشبانہ روز محنت سے دارالعلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء.

﴿دارالعلوم زکریا کے مختلف شعبے﴾

۞ شعبۂ تحفیظ القرآن: اکابرین کی توجہ اور دعا کی برکت اور اساتذۂ کرام کی محنت سے ماشاء اللہ خوب روبہ ترقی ہے۔ اساتذۂ درجاتِ حفظ کی تعداد: ۱۳، اور طلبائے عزیز کی تعداد: ۲۸۳، اور درسگاہوں کی تعداد: ۱۰ ہے۔

۞ درسِ نظامی: طلبائے کرام علومِ عالیہ وآلیہ سے تشنگی کی آگ بجھارہے ہیں۔ اساتذۂ کرام کی تعداد ۲۱ ہے۔ اور طلبائے کرام کی تعداد ۳۹۶ ہے، مقامی ان میں سے ۲۹۷، اور دیگر ۵۵ ممالک کے تقریباً ۳۸۲ طلباء تحصیلِ علم میں مشغول ہیں۔

۞ شعبۂ افتاء واستفتاء: ۱۹۸۷ء سے حضرت مفتی رضاء الحق صاحب کی نگرانی میں رواں دواں ہے ابتدا میں حضرت بذاتِ خود تحریر فرماتے تھے پھر ۱۹۹۲ء میں مستقل دارالافتاء کا نظام شروع ہوا۔

۞ شعبۂ قراءت وتجوید: ۱۹۸۸ء میں قراءت وتجوید کا مستقل شعبہ شروع ہوا۔

۞ شعبۃ ''النادی العربی'': طلبائے عزیز کا عربی ادب سے ذوق وشوق بڑھا اور تقریراً وتحریراً اس میں حصہ لیا اور مستقل شعبہ ''النادی العربی'' کے نام سے شروع ہوا۔

۞ دارالعلوم زکریا کی شاخ: برائے حفظ منتظمین حضرات نے مدرسہ ہذا سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ۲۰۰۰ء میں جناب عبدالرحمٰن میاں صاحب کی درخواست پر ان کی والدہ کی خواہش پر انھیں کی زمین پر ایک چھوٹا

سامدرسہ قائم کیا ہے جس میں تقریباً ۹۶ طلباء اور ۵، اساتذۂ کرام ہیں، اور ۵ درسگاہیں ہیں۔

۞ اللہ تعالیٰ تمام اساتذۂ کرام و منتظمین اور کارکنانِ مدرسہ ہذا کو جزاء خیر عطا فرمائیں۔ نیز دارالعلوم کو اور دیگر علمی اداروں کو دن دوگنی رات چوگنی ترقیات سے نوازے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرما کر اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرمائیں۔ آمین۔

۞ اکابرین وائمہ اور دیگر مہمانانِ کرام کے قدوم میمنت لزوم سے یہ وادی خوشنما اور دلرُبا بنتی گئی۔ ان میں سے: حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ۔ ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ۔ حضرت حاجی فاروق صاحبؒ۔ حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ۔ حضرت قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ۔ بھائی پاڈیا صاحبؒ۔ حضرت مولانا عمر جی صاحبؒ۔ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب۔ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ۔ حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی۔ حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھیؒ۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ صاحبؒ۔ شیخ عبدالرحمٰن السدیس۔ شیخ شریم۔ شیخ صالح بن حمید۔ شیخ عبدالرحمٰن حذیفی۔ شیخ سبیل۔ شیخ صلاح بدیر۔ شیخ محمد علی صابونی۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔ حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب۔ دکتور عبداللہ عمر نصیف صاحب۔ حضرت مولانا سید رابع صاحب۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب۔ حضرت مولانا سلمان صاحب۔ حضرت حکیم اختر صاحب۔ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری۔ حضرت مفتی فاروق صاحب میرٹھی۔ حضرت مولانا یونس صاحب پونؒ۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا۔ شیخ الحدیث مولانا یونس صاحب۔ حضرت مولانا بدیع الزمان صاحبؒ۔ حضرت مولانا سالم صاحب۔ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ۔ حضرت بھائی طلحہ بن حضرت شیخ الحدیث۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کشمیری صاحب۔ حضرت مولانا ابوالقاسم بنارسی۔

راقم السطور

بندۂ عاجز محمد الیاس بن افضل شیخ، گھلا، سورت، عفی عنہ

رفیقِ دارالافتاء دارالعلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ

مؤرخہ: ۱۰/ رجب ۱۴۲۹ھ مطابق: ۱۴/ جولائی ۲۰۰۸ء

Maktaba Tul Ishaat.com

﴿فتاویٰ دارالعلوم زکریا پر تعارف وتبصرے﴾

تبصرہ از ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک:

فتویٰ اور افتاء کا تاریخی سلسلہ بہت ہی قدیم ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک علماء صالحین اس عظیم منصب پر فائز ہوتے چلے آرہے ہیں۔اور اکثریت کے صادر کردہ فتاویٰ کا مجموعہ کتابی شکل میں اس وقت دنیا بھر کی لائبریریوں میں موجود ہے۔جن سے ارباب علم وکمال استفادہ کرتے ہیں اور اہل فتویٰ،فتویٰ نویسی میں رہنمائی لیتے ہیں۔فتاویٰ دارالعلوم زکریا بھی اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے، جو حضرت مفتی رضاء الحق شاہ منصوری مدظلہ کے جاری کردہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے،حضرت مفتی صاحب ایک باکمال، جامع صفاتِ علمی شخصیت ہیں اور آپ مدظلہ کا تعلق ضلع صوابی صوبہ سرحد کے ایک مشہور ومعروف گاؤں شاہ منصور کے زہد وتقویٰ،علم وفضل کے پیکر خاندان سے ہے،اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ان فرزندان میں سے ہیں جن پر جامعہ فخر کرتی ہے۔اللہ پاک جزاء دے مولانا عبدالباری صاحب اور مولانا محمد الیاس شیخ صاحب کو جنہوں نے حضرت مفتی صاحب کے ان گرانقدر علمی اور تحقیقی فتاویٰ کو جمع کر کے بہترین انداز میں مرتب کیا اور زمزم پبلشرز کراچی نے دیدہ زیب ٹائٹل،عمدہ کتابت اور شاندار طباعت کے ساتھ علماء اور طلباء بلکہ ہر خاص اور عام پر احسان کرتے ہوئے اس گنجینہ علم کی پہلی جلد کو شائع کیا۔فتاویٰ کی یہ پہلی جلد کتاب الایمان والعقائد، کتاب التفسیر والتجوید، کتاب الحدیث والاثار، کتاب السلوک والطریقہ اور کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے۔فتاویٰ میں استفتاء کا ہر جواب انتہائی تدقیق اور تحقیق کے ساتھ دیا گیا،جس کے لئے ہر مذہب کے علماء، محدثین اور فقہاء کی کتابوں کی طرف مراجعت کی گئی ہے اور ہر کتاب کا مکمل حوالہ مع عبارت کے درج ہے،بعض ایسے جوابات بھی ہیں جو دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو اجمالی ہے،اس لئے یہ فتاویٰ ہر خاص وعام کی علمی پیاس بجھانے کے لئے انتہائی مفید ہے اور ہر لائبریری کی زیب ہے،کتاب کا مطالعہ کر کے دل سے یہ دعاء نکلتی ہے کہ خدا کرے کہ یہ عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا پایۂ تکمیل تک پہنچ کر شائع ہو جائے۔(ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ،اکوڑہ خٹک)۔

تبصرہ از ماہنامہ ''البینات'' جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن:

ایک دور تھا جب افریقہ،امریکہ،کنیڈا اور دوسرے یورپی ممالک میں دینی مدارس کا خاطر خواہ نظام نہیں تھا اور وہاں کے متلاشیانِ علم وہنر ہندوپاک کا رخ کرتے تھے اور یہاں کے اربابِ فضل وکمال اور اصحابِ علم وتحقیق

کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کر کے علم ومعرفت کے جام لنڈھاتے تھے۔

یہاں سے اکتسابِ فیض کے بعد مختلف ممالک کے مخلصین نے جب ضرورت محسوس کی تو انہوں نے اپنے اپنے علاقوں اور ممالک میں دینی مدارس کا جال بچھانا شروع کر دیا، چنانچہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نامور فاضل تلامذہ میں سے حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی مدظلہ اور ان کے رفقاء نے جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں دارالعلوم زکریا کے نام سے ادارہ قائم کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ترقیات کے مدارج طے کئے تو انہون نے اپنی سرپرستی اور اپنے دینی ادارے کی ترقی کے لئے اپنی مادرعلمی سے ایک بڑے استاذ ومفتی اور شیخ الحدیث کی درخواست کی، اس پر اربابِ جامعہ علوم اسلامیہ نے اپنے ایک لائق، فائق، عظیم محقق مدرس اور مفتی حضرت مولانا رضاء الحق صاحب کو جنوبی افریقہ بھیج کر ایثار وقربانی کا ثبوت دیا۔ حضرت مولانا مفتی رضاء الحق دامت برکاتہم کی فیض رساں شخصیت نے افریقہ کو تعلیم وتدریس، علم وتحقیق اور فقہ وفتویٰ کے اعتبار سے بجا طور پر مستغنی کر دیا۔

پیش نظر فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی جلد اول انھیں کی علمی تحقیقات کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس میں نہایت خوبصورت انداز میں کتاب الایمان، کتاب التفسیر، کتاب الحدیث والآثار، کتاب السلوک والطریقۃ اور کتاب الطہارۃ کو مرتب اور مدون کر کے کتابی شکل دی گئی ہے۔

بلاشبہ فتاویٰ میں درج مسائل واحکام اہل حق اسلاف اور اکابر دیوبند کی تحقیق کی ترجمانی کے علاوہ ان کے ذوق ومزاج کا آئینہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس فتاویٰ کے مرتبین مولانا مفتی عبدالباری اور مولانا مفتی محمد الیاس شیخ کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنہوں نے اس اہم خدمت کو سرانجام دیا۔ امید ہے کے اہل ذوق اس کی قدردانی میں بخل سے کام نہیں لیں گے، خدا کرے کہ فتاویٰ جلد از جلد مکمل ہو کر متلاشیانِ علم وتحقیق کی پیاس کو بجھائے، آمین۔ (ماہنامہ ''بیّنات'' رجب المرجب ۱۴۲۹ھ، اگست ۲۰۰۸ء)۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ:

﴿إن الصلاۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتا﴾

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: سألت النبی ﷺ

"أی العمل أحب إلی اللہ

قال: الصلاۃ علی وقتہا"

(رواہ البخاری)

کتاب الصلاۃ

باب.....﴿۱﴾

اوقاتِ نماز کا بیان

باب.....۱

اوقاتِ نماز کا بیان

نمازِ پنجگانہ کو اوقاتِ خمسہ پر تقسیم کرنے کی دلیل اور حکمت:

سوال: نمازِ پنجگانہ کو اوقاتِ خمسہ پر کیوں تقسیم کیا گیا؟ اس کی مشروعیت کی کیا دلیل ہے؟ نیز اوقات کی حکمت کیا ہے؟

الجواب: قرآن کریم کی بہت سی آیات سے اوقات کی مشروعیت کا پتہ چلتا ہے، نیز حدیث امامتِ جبرئیل اور اس کے علاوہ احادیث بھی اوقات کی مشروعیت کی دلیل ہیں۔

ملاحظہ ہو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أقم الصلاة لدلوک الشمس إلی غسق اللیل وقرآن الفجر إن قرآن الفجر کان مشهوداً﴾ (سورة بنی اسرائیل: الآیة:۷۸)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

جمہور مفسرین نے اس آیتِ کریمہ کو پانچوں نمازوں کے لئے جامع حکم قرار دیا ہے... ﴿لدلوک الشمس إلی غسق اللیل﴾ میں چار نمازیں آ گئیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء.....﴿وقرآن الفجر﴾ اس جگہ لفظ قرآن بول کر نماز مراد لی گئی ہے کیونکہ قرآن نماز کا جزو اہم ہے۔ اکثر ائمہ تفسیر، ابن کثیر، قرطبی، مظہری وغیرہ نے یہی معنی لکھے ہیں اس لئے مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ ﴿لدلوک الشمس إلی غسق اللیل﴾ کے الفاظ میں چار نمازوں کا بیان تھا یہ پانچویں نماز فجر کا بیان ہے۔ اس کو الگ کر کے بیان کرنے میں اس نماز کی

Maktaba Tul Ishaat.com

خاص اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (معارف القرآن:۵/۵۰۲)

قال اللّٰہ تعالیٰ:﴿فسبحٰن اللّٰہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السمٰوٰت والأرض وعشیاً وحین تظھرون﴾(سورۃ الروم: الآیۃ:۱۷،۱۸)

درمنثور میں ہے:

أخرج عبد الرزاق والفریابی وابن جریروابن المنذروابن أبی حاتم والطبرانی والحاکم وصححہ عن أبی رزین قال:جاء نافع بن الأزرق إلی ابن عباس ﷺ فقال:ھل تجد الصلوات الخمس فی القرآن ؟ قال: نعم، فقرأ:﴿فسبحٰن اللّٰہ حین تمسون﴾صلاۃ المغرب،﴿وحین تصبحون﴾صلاۃ الصبح،﴿وعشیاً﴾صلاۃ العصر،﴿وحین تظھرون﴾صلاۃ الظھر، وقرأ:﴿ومن بعد صلاۃ العشاء﴾وأخرج ابن أبی شیبۃ وابن جریر وابن المنذرعن ابن عباس ﷺ قال:جمعت ھذہ الآیۃ مواقیت الصلاۃ﴿فسبحٰن اللّٰہ حین تمسون﴾قال:المغرب والعشاء...(الدر المنثور:٦/٤٨٨)

معارف القرآن میں ہے:

علماء نے کہا ہے کہ اس آیت میں پانچوں نمازوں کا مع ان کے اوقات کے ذکر آ گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں پانچ نمازوں کا ذکر صریح ہے؟ تو فرمایا: ہاں! اور استدلال میں یہی آیت پیش کر کے فرمایا...اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ﴿حین تمسون ﴾میں مغرب اور عشاء دونوں داخل ہیں۔ (معارف القرآن:٦/٧٢٩)

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن شھاب أن عمربن عبد العزیزؒ أخرالصلاۃ یوماً فدخل علیہ عروۃ بن الزبیر فأخبرہ أن المغیرۃ بن شعبۃ ﷺ أخرالصلاۃ یوماً وھوبالعراق فدخل علیہ أبومسعود الأنصاری ﷺ فقال:ماھذا یا مغیرۃ ؟ ألیس قد علمت أن جبرئیل علیہ السلام نزل فصلیٰ فصلیٰ رسول اللّٰہ ﷺ ثم صلیٰ فصلیٰ رسول اللّٰہ ﷺ...ثم قال: بھذا أمرت...الخ. (رواہ البخاری: ۱/۷۵/۵۱۵،باب مواقیت الصلاۃ)

ترمذی شریف میں ہے:

أن النبی ﷺ قال: أمنی جبرئیل علیہ السلام عند البیت مرتین فصلی الظهر فی الأولی منهما حین کان الفیء مثل الشراک ثم صلی العصر حین کان کل شیء مثل ظله ثم صلی المغرب حین وجبت الشمس وأفطر الصائم ثم صلی العشاء حین غاب الشفق ثم صلی الفجر حین برق الفجر وحرم الطعام علی الصائم وصلی المرة الثانیه الظهر.....ثم التفت إلی جبرئیل علیہ السلام فقال: یا محمد هذا وقت الأنبیاء من قبلک والوقت فیما بین هذین الوقتین. (رواه الترمذی: ۱/۳۸، ابواب الصلاة۔ وأبوداؤد: ۱/۵۶)

درس ترمذی میں ہے:

یہ حدیث حدیثِ امامتِ جبرئیل کہلاتی ہے، اور بابِ مواقیت میں اصل ہے، اللہ تعالیٰ اگر چاہتے تو یہ بھی ممکن تھا کہ مواقیت کی تعلیم زبانی طور سے دیدی جاتی، لیکن جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ عملی تعلیم کو اختیار کیا گیا، کیوں کہ وہ اوقع فی الذہن ہوتی ہے۔ (درس ترمذی: ۱/۳۹۳)۔

اوقات پر تقسیم کرنے کی حکمت:

فجر کے بعد بیدار ہونا موت کے بعد زندگی ملنے کے مترادف ہے، لہذا شکریہ کے طور پر نماز ادا کریں۔ زوال میں انسان کی زندگی کے زوال کی طرف اشارہ ہے لہذا موت کی تیاری میں لگنا چاہئے۔ عصر کا وقت گویا موت کے قریب ہونے کی علامت ہے کہ سورج کی طرح میں بھی جانے والا ہوں۔ مغرب میں سورج ڈوبنے میں زندگی کے سورج کے ڈوبنے کی طرف اشارہ ہے۔ تو عبادت میں مشغول ہونا چاہئے۔ اور عشاء میں سورج کے نشانات بھی مٹ جانے ہیں تو ایک دن آپ کے نشانات اور ذکر بھی ختم ہو جائے گا لہذا خود اپنے لئے تیاری کرلو اور عشاء پڑھ لو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رمضان المبارک میں فجر کی نماز اول وقت میں پڑھنا:

سوال: رمضان المبارک میں حنفی حضرات فجر کی نماز اول وقت میں پڑھتے ہیں حالانکہ فجر کی نماز اسفار میں مستحب ہے تو رمضان میں تعجیل کی کیا دلیل ہے؟

الجواب: اس کی دلیل حدیث شریف میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے رسولِ خدا ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر صبح کی نماز کے لئے

Maktaba Tul Ishaat.com

کھڑے ہوگئے، راوی نے دریافت کیا سحری اور نماز کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ فرمایا کہ جتنی دیر میں پچاس آیتیں پڑھ سکیں۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال تسحرنا مع رسول اللّٰہ ﷺ ثم قمنا إلی الصلاة قال: قلت: کم کان قدر ذلک قال: قدر خمسین آیة. (رواہ الترمذی: ۱/۱۵۰، باب ماجاء فی تاخیر السحور)

حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لقد تحیر الحافظ فی هذا الحدیث فإن قدر خمسین آیة یمکن فی أقل من أربع دقائق ثم قال: إن هذا التبیین من شان النبوة لایمکن لغیره وهو حقیقة الأمر ودل الحدیث علی تغلیسه علیه الصلاة والسلام فی رمضان وهو عمل قطان دیوبند. (عرف الشذی: ۱/۱۵۱، باب ماجاء فی تاخیر السحور)

نیز علامہ بنوریؒ نے بھی معارف السنن میں یہی تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (معارف السنن: ۵/۳۶۲، سعید)

ہدایہ کے بعض شارحین نے تحریر فرمایا ہے کہ اصل اول وقت میں نماز پڑھنا ہے اور فجر میں تاخیر تکثیر جماعت کی وجہ سے ہے اور رمضان المبارک میں تکثیرِ جماعت اول وقت میں ہے ورنہ لوگ سحری کھا کر سو جائیں گے اور نماز قضاء ہو جائے گی اسی وجہ سے رمضان المبارک میں اول وقت نماز فجر ادا کرنا افضل ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

نعم ذکر شراح الهدایة وغیرهم فی باب التیمم أن أداء الصلاة فی أول الوقت أفضل إلا إذا تضمن التأخیر فضیلة لاتحصل بدونه کتکثیر الجماعة، ولهذا کان أولیٰ للنساء أن یصلین فی أول الوقت لأنهن لایخرجن إلی الجماعة. کذا فی مبسوط السرخسی وفخر الإسلام. (شامی: ۱/۳۶۷، سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر معتدل الایام ممالک میں نماز روزہ اور عید منانے کا حکم:

سوال: طویل الایام ممالک میں یا تو شفق غروب نہیں ہوتا ہے یا وقت ہی نہیں ملتا تو نماز، روزہ اور عید کا کیا حکم ہے؟

الجواب: غیر معتدل ایام ممالک تین قسم پر ہیں:

(۱) دن رات تو چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں لیکن دن کے بعض اجزاء مفقود ہوتے ہیں (مثلاً شفق غروب نہیں ہوتا تو رات نہیں ہوتی یا شفق تو ظاہر ہوتا ہے لیکن سورج طلوع نہیں ہوتا) اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اوقات کا اندازہ لگا کر نماز پڑھیں گے، اور اندازہ لگانے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) سال بھر میں معتدل ایام کے آخری دن کا حساب غیر معتدل ایام کی پوری مدت پر لگا کر نماز وغیرہ ادا کریں گے۔ (لیکن یہ بہت مشکل ہے، مثلاً آخری دن جب شفق غروب ہوا اور پھر صبح طلوع ہوئی اس میں ۸ منٹ کا فاصلہ تھا تو ۸ منٹ کے انتظار میں بیٹھنا اور نماز ادا کرنا بہت مشکل ہے۔)

(۲) قریب ترین علاقے کا اعتبار کیا جائے جہاں باقاعدہ شفق غروب ہوتا ہے۔

(۳) شفق جب غروب کی طرف مائل ہو تو وہ مغرب وعشاء کا وقت ہوگا، اس طور پر کہ نصفِ اول مغرب کے لئے اور نصفِ ثانی عشاء کے لئے۔ اور جب شفق طلوعِ شمس کی طرف مائل ہو تو وہ فجر کا وقت ہوگا۔

(ان تینوں میں سے جو بھی آسان ہو اس پر عمل کر سکتے ہیں)

(۲) دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں اور تمام اوقات بھی پائے جاتے ہیں لیکن بعض اوقات بہت ہی مختصر ہوتے ہیں۔ ایسے علاقوں میں نماز اپنے معروف اوقات ہی میں ادا کی جائے گی، اگرچہ وقت بہت کم ہو۔ ہاں سنن اور نوافل کا موقع نہ ملے تو صرف فرض پر اکتفاء کر لے پھر دوسرے وقت میں چھوٹی ہوئی سنتوں کے بقدر نوافل پڑھ لے۔

لیکن وقت اتنا مختصر ہے کہ چار رکعات فرض بھی ادا نہیں کر سکتے ہیں تو دو احتمال ہیں:

(۱) اسی وقت میں نماز پڑھے اگرچہ وقت نکل جانے کے بعد پوری ہو۔

(۲) اندازہ لگا کر نماز پڑھے۔

(۳) دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے نہیں ہوتے بلکہ کبھی رات چھ مہینے کی ہوتی ہے اور کبھی دن چھ مہینے کا ہوتا ہے۔ ایسے ممالک میں قریب ترین علاقوں کا اعتبار کیا جائے گا۔

حکم الصوم:

جہاں دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں لیکن رات بہت ہی مختصر ہوتی ہے تو اگر روزہ قابلِ تحمل ہے تو پورے دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اور اگر قابلِ تحمل نہیں ہے۔ مثلاً کھانے پینے کے لئے وقت کافی نہیں ہے یا چوبیس گھنٹوں میں ایک بار کھانا کافی نہیں ہے تو اس صورت میں قریب ترین علاقوں کا اعتبار کیا جائے۔

نیز جہاں چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے وہاں بھی قریبی ممالک کا اعتبار کرتے ہوئے اندازہ لگا کر روزہ رکھے اور افطار کرے۔

عید منانے کا طریقہ:

رمضان اور عید منانے کا طریقہ چاند ہی سے معلوم ہوگا۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

صوموا لرويته وأفطروا لرويته. (ترمذی شریف: ۱/۱۴۷، باب ماجاء لاتتقدموا الشهربصوم)

اور اگر چاند نظر نہیں آتا تو تیس دن کا مہینہ شمار کریں گے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"فان حالت دونه غيابة فأكملوا ثلثين يوماً". (ترمذی شریف: ۱/۱۴۸، باب ماجاء ان الصوم لروية الهلال الافطارله)

یہ حکم پہلی دو قسموں کے لئے ہے جہاں دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں۔

رہی آخری قسمیں جہاں مسلسل رات یا مسلسل دن ہوتا ہے وہاں اندازہ لگائیں گے۔ اور اندازہ لگانے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) چوبیس گھنٹوں کو ایک دن شمار کریں اور مہینہ تیس دن کا شمار کریں۔

(۲) قریب ملک کی پیروی کریں جہاں دن رات معتدل ہوتے ہیں۔

اس مسئلہ کی دلیل حدیثِ دجال ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف میں ہے:

"عن النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ قال: ذكررسول الله ﷺ الدجال فقال: إن يخرج وأنا فيكم فأنا حجيجه دونكم إلى قوله..... قلنا يارسول الله ومالبثه فى الأرض قال: أربعون يوماً يوم كسنة ويوم كشهرويوم كجمعة وسائرأيامه كأيامكم، قلنا يارسول الله فذلك اليوم الذى كسنة أيكفينا فيه صلاة يوم؟ قال: لا، أقدروا له قدره. (مشکوٰۃ شریف: ۲/۴۷۳، باب العلامات بين يدى الساعة وذكر الدجال)

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

(وفاقد وقتهما كبلغار فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق فى أربعينية الشتاء مكلف بهما فيقدر لهما) اعلم أن التقدير له معنيان أحدهما: ماسيأتى تقريره فى مسئلة الدجال والثانى: فيه طريقتان: الأولىٰ: أن يعتبر بأقرب البلاد إليهم كما ذكره الشافعية ..... والثانية: أن ينظر إلى وقت العشاء فى القريبة منها ماذا يكون من ليلهم فبقدر هذه النسبة يفعل فى هؤلاء فإن كان السدس جعلنا لهؤلاء سدسه وقت المغرب وبقية وقت العشاء وإن قصر جداً، وكذا يقدرون فى الصوم ليلهم بأقرب بلد يليهم.....(قوله واختاره الكمال) حيث قال: ومن لم يوجد عندهم وقت العشاء أفتى البقال بعدم الوجوب عليهم لعدم السبب كما يسقط غسل اليدين من الوضوء عن مقطوعهما من المرفقين ولايرتاب متأمل فى ثبوت الفرق بين عدم محل الفرض وبين سببه الجعلى الذى جعل علامة على الوجوب الخفى الثابت فى نفس الأمر لجواز تعدد المعرفات للشيء فانتفاء الوقت انتفاء المعرف وانتفاء الدليل على الشيء لايستلزم انتفائه لجواز دليل آخر وقد وجد وهوما توالت عليه أخبار الإسراء من فرض اللّٰه تعالىٰ الصلوات خمساً بعد أمر اللّٰه تعالىٰ أولاً بخمسين ثم استقر الأمر على الخمس شرعاً عاماً لأهل الآفاق لاتفصيل فيه بين قطر وقطر وما روى أنه ﷺ ذكر الدجال قلنا مالبثه فى الأرض قال: أربعون يوماً يوم كسنة ويوم كشهر .....فقد أوجب أكثر من ثلثمأة عصر قبل صيرورة الظل مثلاً أومثلين وقس عليه فاستفدنا أن الواجب فى نفس الأمر خمس على العموم غير أن توزيعها على تلك الأوقات عند وجودها ولايسقط بعدمها الوجوب ولذا قال ﷺ خمس صلوات كتبهن اللّٰه على العباد..... (طحطاوی علی الدر المختار: ۱/۱۷۵-۱۷۶)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: تكملة فتح الملهم: ۶/۳۷۳-۳۸۲۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مغربی ممالک میں عشاء اور فجر ادا کرنے کا طریقہ:

سوال: بعض مغربی ممالک میں مئی سے جولائی تک شفق غروب نہیں ہوتی، وہاں عشاء اور فجر کی نماز

Maktaba Tul Ishaat.com

کیسے ادا ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب: علمائے کرام نے اس کے چار طریقے لکھے ہیں:

(۱) اقرب الایام کا اعتبار کیا جائے یعنی آخری دن جو شفق غروب ہونے کا وقت ہے اس کو عشاء کے وقت کی ابتدا سمجھ لیا جائے۔

(۲) اقرب البلاد کا اعتبار کیا جائے یعنی قریبی جگہ میں جس وقت شفق غروب ہوتی ہے اس کا اعتبار کرلیا جائے۔

(۳) آفتاب غروب ہونے سے لیکر طلوعِ آفتاب تک کے وقت کو دو حصوں میں تقسیم کرلیا جائے نصفِ اول مغرب وعشاء کے لیے مناسب وقفے کے ساتھ ہوگا، مثلاً مغرب کے سوا گھنٹے کے بعد عشاء اور نصفِ اخیر فجر کے لیے ہوگا، اس حساب سے نصفِ ثانی کی ابتدا سے روزہ شروع ہوگا اور اس میں احتیاط ہے۔

(۴) غروبِ آفتاب سے طلوعِ آفتاب تک کے وقت کو سات حصوں میں تقسیم کرکے چھ حصے رات کے اور ساتواں حصہ فجر کا ہوگا۔ مولوی محمد عثمان صاحب نے تفسیر الایمان سندھی میں بحوالہ الدر المختار اور حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ (۲/۹۸) میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ ہر رات کی صبح صادق تا طلوعِ آفتاب پوری رات کا ساتواں حصہ ہوتا ہے۔ تفصیلات کے لیے حضرت مولانا یعقوب قاسمی صاحب کی کتاب ''صبح صادق وشفق'' مطالعہ فرمائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دوبارہ وقت داخل ہو تو نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے جمعہ کی نماز اول وقت میں پڑھی پھر تیز رفتار فلائٹ میں گیا جہاں پہونچا وہاں پھر جمعہ کا وقت داخل ہوا تو دوبارہ نماز فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: فرض نماز دوبارہ پڑھنا لازم نہیں ہے فریضہ ادا ہو چکا، البتہ احتراماً للوقت اور مسلمانوں کی موافقت میں پڑھ لینا چاہئے۔ ملاحظہ ہو فتاوی محمودیہ میں ہے:

سوال: ایک شخص یہاں مغرب کی نماز ادا کرکے ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ مکرمہ پہونچ جائے۔ مکہ میں مغرب کی نماز تفاوتِ وقت کے سبب ابھی ہی ہوتی ہے کیا پھر دوبارہ اس کو مغرب کی نماز ادا کرنا لازم ہے؟

جواب: احتراماً للوقت وموافقة للمسلمين وہ نماز پڑھے اگرچہ اس کا فریضہ ادا اور مکمل ہو چکا۔ (فتاوی

محمودیہ:۱۰/ ۳۷، کتاب الصوم، جامعہ فاروقیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک شخص مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز پر سوار ہوا جہاز مغرب کی طرف اتنا تیز چلا کہ آفتاب دوبارہ نظر آنے لگا تو کیا اس پر مغرب کی نماز دوبارہ واجب ہوگی؟

الجواب باسم ملہم الصواب: مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا واجب نہیں۔ قال فی شرح التنویر فلو غربت ثم عادت هل يعود الوقت؟ الظاهر نعم. قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله الظاهر نعم) بحث صاحب النهر حيث قال: ذكر الشافعية ان الوقت يعود..... قلت: على ان الشيخ إسمٰعيل رد ما بحثه في النهر تبعاً للشافعية بان صلاة العصر بغيبوبة الشفق تصير قضاءً ورجوعها لا يعيدها أداءً وما في الحديث خصوصية علىﷺ كما يعطيه قوله عليه الصلاة والسلام: إنه كان في طاعتك وطاعة رسولك. قلت: ويلزم على الأول بطلان صوم من أفطر قبل ردها وبطلان صلاة المغرب لو سلمنا عود الوقت بعودها للكل. ردالمحتار ۱/ ۳۳٤۔ (احسن الفتاوی: ٤/ ٦٩). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صبح صادق اور طلوع شمس اور غروب اور ابتدائے عشاء کے درمیان فاصلہ کی مقدار:

سوال: صبح صادق اور طلوعِ شمس کے درمیان نیز غروب اور ابتدائے عشاء کے درمیان ایک گھنٹہ کا فاصلہ ہوتا ہے یا زیادہ بعض لوگ ۱۸ درجہ کے قائل ہیں اور بعض ۱۵ کے کونسا قول درست ہے؟

الجواب: ان دونوں اوقات کے مابین فاصلہ کی مقدار اکثر حضرات نے ایک گھنٹہ بیس منٹ سے اڑتیس منٹ کے درمیان تک بتلائی ہے، البتہ حضرت مفتی رشید صاحبؒ صاحبِ احسن الفتاوی نے ۵۷ منٹ بتلائی ہے لیکن یہ ان کا تفرد ہے اکثر حضرات کی رائے اس کے خلاف ہے۔ اور ۱۸ درجے والے قول کو اکثر حضرات نے اختیار کیا ہے۔

ملاحظہ ہو کفایۃ المفتی میں ہے:

یہ وقفہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ماہ بماہ یعنی تھوڑے تھوڑے دن میں اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر یہ وقفہ ایک گھنٹہ اکیس منٹ سے کبھی کم نہیں ہوتا جون کے مہینے میں وہ سب سے زائد یعنی ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ کا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوتا ہے اور ستمبر میں وہ سب سے کم یعنی ایک گھنٹہ اکیس منٹ کا ہوتا ہے۔ (کفایۃ المفتی: ۳/۷۲)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

غروب کے بعد عشاء کا وقت عندالامام ابی حنیفہؒ اس وقت ہوتا ہے کہ شفق ابیض غائب ہوجاوے اس کی مقدار بعض موسموں میں ایک گھنٹہ چوبیس پچیس منٹ اور بعض موسموں میں ایک گھنٹہ ۲۷ منٹ اور بعض موسموں میں اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ پس مغرب وعشاء میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کم فاصلہ نہ کرنا چاہئے بلکہ احتیاطاً پونے دو گھنٹہ کا فاصلہ کرنا چاہئے اور جنتری طلوع وغروب آفتاب وصبح صادق وغیرہ سے مقدار وقت ہر زمانہ میں معلوم ہوسکتی ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲/۴۲، ۴۶، از مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ).

سو سال پہلے صبح صادق کی تحقیق

آج سے تقریباً سو سال پہلے ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ء صبح صادق کے بارے میں ایک رسالہ بنام "حل الدقائق فی تحقیق الصبح الصادق" عالمِ ربانی حضرت مولانا محمد لطف اللہ صاحب مفتی ریاست رام پور نے تالیف فرمایا تھا، جس میں وہ صبح صادق کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

الغرض زمانہ مابین طلوعِ صبح صادق وطلوعِ آفتاب کا برابر ومساوی ہے زمانہ مابین غروبِ آفتاب وغروبِ شفق کے ان دونوں وقتوں کے برابر ہونے کی وجہ ظاہر، علاوہ وجوباتِ نقلیہ کے یہ ہے کہ جب آفتاب زمین کے نیچے سے طلوع ہونے کے واسطے چلتا ہے یہاں تک کہ اس کو افق سے ۱۸ درجہ طے کرنے باقی رہ جاتا ہیں تو اس وقت سے ایک روشنی افق میں عرضاً ظاہر ہوتی ہے جس کا نام صبحِ صادق ہے اور یہ روشنی زیادہ ہوتی جاتی ہے یہاں تک آفتاب نکل آتا ہے۔

اسی طرح جب زمین کی طرف بعد غروب کے جاتا ہے یہاں تک کہ ۱۸ درجہ تک زمین کی طرف پہونچ جاتا ہے تو وہ سفیدی کہ جو بعد غروبِ آفات کے ہوا کرتی ہے اور اس کا نام شفق ہوتا ہے غائب ہوجاتی ہے۔

یہ ظاہر بات ہے کہ جب طلوع کے وقت ۱۸ درجہ پر اس نے روشنی دیدی تھی تو اسی طرح غروب کے وقت ۱۸ درجہ کے بعد اس کی روشنی زائل بھی ہونی چاہئے، اور اس شفق کے غائب ہونے کے بعد نمازِ عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور اسی پر آج کل عام طور سے تعامل ہے۔ (حل الدقائق: ص: ۳۲)

اسی زمانہ میں منشی محمد اعلی رئیس میرٹھ نے بھی ایک رسالہ بنام ''صبح صادق'' تالیف فرمایا تھا اس میں بھی

صبح صادق کو ۱۸ درجہ آفتاب کے زیر افق ہونے پر لکھا گیا ہے۔

ان دونوں رسالوں کی اکابرِ علماء دیوبند میں سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری صاحبِ "بذل المجهود" اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی، نیز حضرت مولانا حافظ احمد بن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیوبند قدس اللہ اسرارھم نے تصدیق فرمائی اور ان پر تقاریظ لکھیں۔

نقشہ

Documents\My Pictures\صبح صادق.bmp not found.

(برطانیہ واعلی عروض البلاد پر صبح صادق وشفق کی تحقیق، از مولانا یعقوب قاسمی ص: ۸۰، ۸۱، جامعہ علوم القرآن جمبوسر).

صبح صادق کے ابتدائی وقت کے بارے میں ۱۸ درجہ والے قول کے دلائل:

صاحبِ روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی سورۂ تکویر کی آیتِ کریمہ: ﴿والصبح اذا تنفس﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان تنفس الصبح وضیاء ہ بواسطة قرب الشمس إلی الأفق الشرقی بمقدار معین وھوفی المشھورثمانیة عشر جزءً. (روح المعانی: ۵۹/۳۰)

ترجمہ: صبح آفتاب کے مشرقی افق پر مقدار معین سے قریب ہونے پر ظاہر ہونے والی روشنی ہے اور مشہور قول کے مطابق وہ ۱۸ درجہ (ڈگری) ہے۔

یہاں صبح سے مراد صبح صادق ہی ہے کیونکہ اس سے پہلے علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

فی الآیة إشارة إلی الفجر الثانی الصادق وھو المنتشر ضوء ہ معترضا بالأفق.

Maktaba Tul Ishaat.com

ربع المجیب میں مرقوم ہے:

وعلی قول أبی حنیفةؒ المعتبر فی الحصتین أن یکون الشمس منحطة(۱۸ درجة) والدائرة لإرتفاع ۱۸ بدرجة النظیر هو الحصة لکل منهما فهما مستویان. (ربع المجیب: ۲۳)

دورِ حاضر کے علمِ فلکیات کے ماہر استاد علامہ محمد بن عبدالوہاب مراکشی زید عمرہ کی کتاب "**ایضاح القول الحق فی مقدار انحطاط الشمس وقت طلوع الفجر وغروب الشفق**" میں مرقوم ہے:

(۱) **وقد عرف بالتجربة أن انحطاط الشمس عند أول طلوع الفجر ۱۸ جزءاً.** (ص ۱۰)

(۲) **وممن قال بالثمانیة عشر أبو الحسن عبد الرحمن الصوفی البزاز المتوفی ۶۷۳.**

(۳) **وممن قال بالثمانیة عشر فی الفجر وفی الشفق الأستاذ الرئیس أبو علی الحسن بن عیسی المجاصی فقد قال فی رسالته تذکرة أولی الألباب فی عمل صفة الإصطرلاب، فصل فی تخطیط أوقات الصلاة أما الفجر والشفق فان خطیهما هو مقنطرة ثمانیة عشر فی کل عرض وفی کل زمان.** (ص ۱۴)

(۴) **عمل طائفة من المتقدمین من فلکی الإسلام علی أن حصتی الفجر والشفق متساویان وان ابتداء طلوع الفجر وانتهاء غروب الشفق یکونان عند انحطاط الشمس عن الافق ۱۸ عشر درجة.** (ص ۱۶)

آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے مولانا محمد عبدالواسع پروفیسر دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن (انڈیا) نے اپنی کتاب میں صبح وشفق کی تفصیلی وضاحت کے بعد تحریر فرمایا ہے: صبح کی ابتداء اور شفق (ابیض) کی انتہاء اس وقت ہوتی ہے جب آفتاب افق سے عموداً ۱۸ درجہ نیچے ہوتا ہے۔ (معیار الاوقات للصیام والصلوات: ۱۵)

پروفیسر عبداللطیف صاحب کراچی اپنی کتاب میں مفصل بحث کے بعد برصغیر ہندو پاک کے اوقات نماز کے نقشوں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

سالہا سال سے برصغیر پاکستان وہندوستان میں اوقات کے قدیم نقشوں اور جنتریوں کے مطابق جس وقت فجر کی اذان دی جاتی ہے یا جس وقت کو صبح صادق قرار دیا گیا ہے یا وہ وقت جس کو منتہائے وقت سحری بھی کہتے ہیں، وہ اس مخصوص لمحہ کے اوقات ہیں جب کہ سورج طلوع ہونے سے قبل ۱۸ درجات زیر افق کی حد کو پہونچتا ہے اور اس وقت ماہرین فلکیات کے اعتبار سے صبح صادق کا وقت شروع ہوجاتا ہے.....۔

(ملخص از کتاب ''برطانیہ واعلیٰ عروض البلاء پر صبح صادق وشفق کی تحقیق'':ص۳۷۔۷۸،مؤلف:حضرت مولانا یعقوب قاسمی رکن جامعہ علوم القرآن مجلس شوری ناشر:جمبوسرو برطانیہ،ڈیوز بری)

عمدۃ الفقہ میں حضرت مولانا سید زوّار حسین شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:آج کل گھنٹے گھڑیاں عام ہیں اوقات بتانے والی جنتریاں اور نقشے اکثر مسجدوں میں موجود ہیں ان کے مطابق نمازوں کے وقت کی پابندی کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے گھڑیاں صحیح رکھنا چاہئیں،ہمارے ملک میں طلوعِ صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک کم از کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ کا وقفہ ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ کا ہے۔(عمدۃ الفقہ:کتاب الصلاۃ حصہ دوم:ص۱۲۶المجددیۃ)

اس مسئلہ میں ۱۸ درجہ کا قول ہی راجح اور معتمد ہے اور یہی زیادہ مشہور اور تجربہ سے بھی ثابت ہے:

حضرت مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

نیز واضح ہو کہ صبح صادق کا وقت طلوعِ شمس سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل شروع نہیں ہوتا،زیادہ سے زیادہ سوا ایک گھنٹہ قبل شروع ہوتا ہے۔**کما هو یعلم من المشاهدة والریاضی.**(فتاوی فریدیہ:۲/۱۴۵،باب المواقیت)

نوٹ:حضرت مفتی صاحب نے بعض ایام کے بارے میں فرمایا ہوگا ورنہ بعض ایام میں سوا گھنٹہ سے زیادہ وقت ہوتا ہے۔

ہمارے مشاہدہ کی بناء پر غالباً سوا گھنٹہ وقت فجر کا ہوتا ہے اور اسی طرح مغرب کا۔(فتاوی فریدیہ:۲/۱۵۱،باب المواقیت)

جب سورج یقیناً ڈوب جائے اور اس کے بعد سوا گھنٹہ گذر جائے تو عشاء کا وقت داخل ہو جاتا ہے ہمارے مشاہدہ اور تجربہ سے یہ ثابت ہے۔(فتاوی فریدیہ۲/۱۵۶،باب المواقیت)

منہاج السنن میں ہے:

قلت:وصرح المشائخ بتفاوت الوقت بین طلوع الفجر الصادق و طلوع الشمس و کذا بین غروب الشمس و غیوب البیاض بتفاوت المواسم والبلاد والمشاهد فی دیارنا قدرساعة وربع ساعة .(منهاج السنن:۲/۱۰،باب مواقیت الصلاة)

جہاں تک مشاہدہ کا تعلق ہے تو اس کی ایک بہت بڑی دلیل کتاب ''تسہیل الفلکیات''(مصنفہ پروفیسر عبداللطیف صاحب)پر جامعہ دارالعلوم وزیرستان(وانا)کے مہتمم صاحب مولانا نور محمد کی تقریظ بھی ہے جس کی فوٹو کاپی بھی موجود ہے اور وہ تقریظ حسبِ ذیل ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

مکرمی جناب عبداللطیف صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے مطلوبہ اوقات کے متعلق پہلے بھی تحقیق ارسال کر چکا ہوں اب پھر گذارش ہے کہ میں نے دارالعلوم وزیرستان وانا کے جید علماء کی حسب ذیل کمیٹی مقرر کی انہوں نے مؤرخہ ۱۳ جون ۸۸ء سے ۲۱ جون تک صبح صادق اور غروب کے اوقات چیک کئے اور پھر مجھے دیدئے جب میں نے آپ کے ارسال کردہ اوقات کے ساتھ چیک کیا تو بالکل آپ کے نقشہ کے سو فیصد مطابق تھے حالانکہ میں نے مذکورہ علماء کو آپ صاحب کے نقشے کے اوقات نہیں بتائے تھے، اس لئے آپ کو خوش خبری دیتا ہوں کہ وانا کے اوقات کے متعلق آپ کا نقشہ بالکل درست ہے۔

کمیٹی کے علماء کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا عبدالوارث صاحب (۲) مولانا عبدالمجید صاحب

(۳) مولانا اصلاح الدین صاحب (۴) مولانا فرید احمد صاحب

والسلام

نور محمد مہتمم دارالعلوم وزیرستان وانا وخطیب مرکزی جامع مسجد وانا جنوبی وزیرستان ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔

اس تقریظ میں یہ بات واضح ہے کہ جناب عبداللطیف صاحب کا نقشہ بالکل صحیح ہے اور یاد رہے کہ ان کا نقشہ ۱۸ درجہ کے مطابق ہے۔

اس موضوع سے متعلق برطانیہ میں منعقد اجلاس، اور اس سے متعلق حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:

چونکہ برطانیہ میں صبح صادق، رؤیتِ ہلال کا مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہتا ہے ہر ایک کے پاس اپنے دلائل ہیں اور ہر ایک اپنی رائے پر مصر ہے، ۱۴۰۳ھ میں جب حضرت مفتی محمود صاحب وہاں تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء نے اس مسئلہ میں آپ سے رجوع کیا، آپ نے علماءِ کرام کے دلائل وشواہد کا مطالعہ فرما کر تحریر فرمایا، خلاصہ اس کا یہ ہے:

علاقہ برطانیہ میں صبح صادق، شفقِ بیاض منتشر کا مسئلہ دیر سے چھڑا ہوا ہے، وقت مغرب وعشاء، وقتِ فجر

منتہائے سحر، ابتداءِ صوم کا اس سے خاص تعلق ہے، بندہ ناکارہ علماء کی تحریرات سے مشرف ہوا مگر بصد ندامت اعتراف کرتا ہے کہ مطالعہ کے بعد کسی حتمی فیصلہ پر پہنچنے سے قاصر رہا۔ احقر محمود غفرلہ ۱۶ شعبان ۱۴۰۳ھ۔

مگر اس کے بعد تمام علمائے کرام غور وفکر کے بعد اقرب الایام والی تجویز پر متفق ہوگئے اور سب نے اس تجویز کو قبول کرلیا، حضرت مفتی صاحب نے اس پر دستخط فرمادئے اور اپنی سابقہ تحریر واپس لے لی۔

متفقہ فیصلہ:

آج ۱۶ شعبان ۱۴۰۳ھ جمعیۃ العلماء برطانیہ کے زیر اہتمام بریڈفورڈ میں علماء کا ایک اجلاس زیر پرستی حضرت مفتی محمود صاحب منعقد ہوا جس میں برطانیہ میں صبح صادق کے بارے میں طویل غور وفکر کے بعد شریکِ اجلاس علماء نے حسبِ ذیل متفقہ فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے برطانیہ میں جو نوٹیکل ٹورولایٹ ۱۲ درجہ (ڈگری) صبح صادق قرار دیا تھا وہ قطعاً غلط تھا۔

اور برطانیہ میں جن دنوں صبح صادق کا تحقق ہوتا ہے یعنی آفتابِ افق سے ۱۸ درجے نیچے جاتا ہے اس کو اصطلاح میں سٹرونومیکل ٹولائٹ کہا جاتا ہے، ان دنوں میں اسی وقت صبح صادق قرار دی جائے گی کیونکہ یہی وقت دراصل صبح صادق کا صحیح وقت ہے، البتہ جن دنوں برطانیہ کے مختلف عرض البلد پر مختلف ایام میں آفتاب افق سے ۱۸ درجے نیچے نہیں جاتا، ان دنوں میں صبح صادق کے بارے میں یہی طے کرالیا گیا کہ اپنی جگہ کے عرض البلد پر آخری تاریخ میں جو صبح صادق کا وقت تھا، اسی کے مطابق اتنے ہی بجے بقیہ دنوں میں بھی صبح صادق کی ابتداء واختتامِ سحر مقرر کی جائے۔ العبد شبیر احمد عفی عنہ۔

حضرت والا نے اس فیصلہ کی تحسین فرمائی اور علماءِ کرام کو مبارک باد دی اور اپنی سابقہ تحریر واپس منگوائی۔

حضرت والاؒ کی بھیجی ہوئی تحریر:

۱۶ شعبان ۱۴۰۳ھ کو صبح صادق، بیاض منتشر منتہائے سحر سے متعلق گفتگو کرنے کے لئے جمعیۃ علماء برطانیہ کی مجلس ہوئی، اس میں احقر بھی شامل تھا، اس سے قبل علمائے کرام کی متعدد تحریرات کا اس مسئلہ پر احقر مطالعہ کر چکا تھا مگر کسی رائے کو ترجیح دینا دشوار ہے... مگر پھر علماء کرام نے گفتگو کر کے ایک رائے پر اتفاق کرلیا اور کسی نے اس کو باطل نہیں کیا تو پھر احقر نے بھی اس پر دستخط کر لئے اور اپنی تحریر واپس منگالی جو احقر کو موصول ہوگئی۔ (ملخص از حیاتِ محمود: ص ۲۰۱۔۲۰۵)۔

Maktaba Tul Ishaat.com

نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

دائمی اوقاتِ نماز برائے ضلع اعظم گڑھ

تاریخ	صبح صادق	طلوعِ آفتاب	درمیان کا وقت	غروبِ آفتاب	ابتدائے عشاء	درمیان کا وقت
مہینے	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ
۱،جنوری	۵:۱۷	۶:۴۳	۱:۲۶	۵:۱۹	۷:۴۱	۱:۲۲
۱،فروری	۵:۱۹	۶:۴۱	۱:۲۲	۵:۴۲	۷:۰۱	۱:۱۹
۱،مارچ	۵:۰۱	۶:۲۱	۱:۲۰	۶:۰۰	۷:۱۷	۱:۱۷
۱،اپریل	۴:۳۰	۵:۵۰	۱:۲۰	۶:۱۴	۷:۳۱	۱:۱۷
۱،مئی	۳:۵۶	۵:۲۳	۱:۲۷	۶:۲۸	۷:۵۰	۱:۲۲
۱،جون	۳:۳۶	۵:۰۸	۱:۳۲	۶:۴۳	۸:۱۳	۱:۳۰
۱،جولائی	۳:۳۶	۵:۱۱	۱:۳۵	۶:۵۲	۸:۲۲	۱:۳۰
۱،اگست	۳:۵۶	۵:۲۵	۱:۲۹	۶:۴۳	۸:۰۹	۱:۲۶
۱،ستمبر	۴:۱۶	۵:۳۹	۱:۲۳	۶:۱۷	۸:۳۸	۱:۲۱
۱،اکتوبر	۴:۲۹	۵:۵۰	۱:۲۱	۵:۴۶	۷:۰۱	۱:۱۵
۱،نومبر	۴:۴۲	۶:۰۵	۱:۲۳	۵:۱۸	۶:۳۶	۱:۱۸
۱،دسمبر	۵:۰۰	۶:۲۶	۱:۲۶	۵:۰۷	۶:۲۸	۱:۲۱

(ایک عالمی تاریخ از حضرت مولانا عثمان معروفی ص ۱۶۱۔۱۷۲)۔

نقشہ برائے جوہانسبرغ

تاریخ	صبح صادق	طلوع آفتاب	درمیان کا وقت	غروب آفتاب	ابتدائے عشاء	درمیان کا وقت
مہینے	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ
۱،جنوری	۳:۵۰	۵:۲۰	۱:۳۰	۷:۰۶	۸:۳۳	۱:۲۷
۱،فروری	۴:۱۹	۵:۴۳	۱:۲۴	۷:۰۳	۸:۲۴	۱:۲۱
۱،مارچ	۴:۴۳	۶:۰۲	۱:۱۹	۶:۴۲	۷:۵۷	۱:۱۵
۱،اپریل	۵:۰۰	۶:۱۷	۱:۱۷	۶:۱۰	۷:۲۳	۱:۱۳
۱،مئی	۵:۱۳	۶:۳۱	۱:۱۸	۵:۴۲	۶:۵۷	۱:۱۵
۱،جون	۵:۲۶	۶:۴۷	۱:۲۱	۵:۲۷	۶:۴۶	۱:۱۹
۱،جولائی	۵:۳۳	۶:۵۶	۱:۲۳	۵:۳۱	۶:۵۰	۱:۱۹
۱،اگست	۵:۲۷	۶:۴۷	۱:۲۰	۵:۴۵	۷:۰۱	۱:۱۶
۱،ستمبر	۵:۰۴	۶:۲۱	۱:۱۷	۵:۵۹	۷:۱۳	۱:۱۴
۱،اکتوبر	۴:۳۱	۵:۴۸	۱:۱۷	۶:۱۱	۷:۲۵	۱:۱۴
۱،نومبر	۳:۵۷	۵:۱۹	۱:۲۲	۶:۲۸	۷:۴۷	۱:۱۹
۱،دسمبر	۳:۳۹	۵:۰۸	۱:۲۹	۶:۴۹	۸:۱۵	۱:۲۶

Maktaba Tul Ishaat.com

نقشہ برائے دمشق شام

تاریخ	صبح صادق	طلوعِ آفتاب	درمیان کا وقت	غروبِ آفتاب	ابتدائے عشاء	درمیان کا وقت
مہینے	منٹ/گھنٹہ	منٹ/گھنٹہ	منٹ/گھنٹہ	منٹ/گھنٹہ	منٹ/گھنٹہ	منٹ/گھنٹہ
۱،جنوری	۰۵:۰۶	۰۶:۳۲	۱:۲۶	۰۴:۴۷	۰۶:۱۱	۱:۲۴
۱،فروری	۰۵:۰۳	۰۶:۲۶	۱:۲۳	۰۵:۱۴	۰۶:۳۴	۱:۲۰
۱،مارچ	۰۴:۴۱	۰۶:۰۱	۱:۲۰	۰۵:۳۷	۰۶:۵۳	۱:۱۶
۱،اپریل	۰۴:۰۲	۰۵:۲۳	۱:۲۱	۰۵:۵۶	۰۷:۱۵	۱:۱۹
۱،مئی	۰۴:۲۴	۰۵:۵۲	۱:۲۸	۰۷:۱۶	۰۸:۳۹	۱:۲۳
۱،جون	۰۳:۵۷	۰۵:۳۳	۱:۳۶	۰۷:۳۵	۰۹:۰۸	۱:۳۳
۱،جولائی	۰۳:۵۹	۰۵:۳۶	۱:۳۷	۰۷:۴۳	۰۹:۱۸	۱:۳۵
۱،اگست	۰۴:۲۳	۰۵:۵۳	۱:۳۰	۰۷:۳۳	۰۸:۵۹	۱:۲۶
۱،ستمبر	۰۴:۴۹	۰۶:۱۲	۱:۲۳	۰۷:۰۲	۰۸:۲۲	۱:۲۰
۱،اکتوبر	۰۵:۰۸	۰۶:۲۸	۱:۲۰	۰۶:۲۴	۰۷:۴۰	۱:۱۶
۱،نومبر	۰۴:۲۸	۰۵:۴۹	۱:۲۱	۰۴:۵۰	۰۶:۰۹	۱:۱۹
۱،دسمبر	۰۴:۴۹	۰۶:۱۴	۱:۲۵	۰۴:۳۶	۰۵:۵۸	۱:۲۲

احادیث سے استیناس

طلوعِ فجر طلوعِ شمس کے درمیان وقفہ کی مقدار ۷۵ منٹ سے زیادہ ہے حدیثِ پاک میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سنت ادا فرمانے کے بعد کچھ استراحت فرماتے تھے، اس کے بعد نمازِ فجر کے لیے تشریف لے جاتے، قراءتِ فجر میں قدرے طول ہوتا، اس کے باوجود وقت میں اتنی گنجائش ہوتی تھی کہ نئے وضو سے دوبارہ نمازِ فجر اطمینان سے ادا کر سکے، نیز بعض روایات میں غلس کا لفظ آتا ہے یعنی اندھیرا

ہوتا تھا، جملہ امور سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ۵۷ منٹ سے زیادہ وقت رہتا تھا۔

عن أنسؓ أن زيد بن ثابتؓ حدثه أنهم تسحروا مع النبي صلى الله عليه وسلم ثم قاموا إلى الصلاة قلت: كم بينهما قال: قدر خمسين أو ستين يعني آية . (بخاری شریف: ۸۱/۱ باب وقت الفجر).

عن عروة بن الزبير أن عائشةؓ أخبرته قالت: كن نساء المومنات يشهدن مع رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم صلاة الفجر متلفعات بمروطهن ثم ينقلبن إلى بيوتهن حين يقضين الصلاة لايعرفهن أحد من الغلس . (بخاری شریف: ۸۲/۱، باب وقت الفجر).

قالت أم سلمةؓ قرأ النبي صلى الله عليه وسلم بالطور. (بخاری شریف: ۱۰۶، باب القراءة فی الفجر).

عن عائشةؓ قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى ركعتى الفجر اضطجع على شقه الأيمن . (رواه البخاری: ۱۵۵/۱، باب الضجعة علی الشق الایمن بعد رکعتی الفجر).

عن عبد اللّٰه بن الحارث بن جزء الزبيدى قال: صلى بنا أبوبكر صلاة الصبح فقرأ سورة البقرة فى الركعتين جميعاً . (شرح معانی الآثار: ۱۳۴/۱، ط: فیصل).

وعن عبد اللّٰه بن عامر بن ربيعة يقول: صلينا وراء عمر بن الخطاب صلاة الصبح فقرأ فيها بسورة يوسف وسورة الحج قراءة بطيئة فقلت: واللّٰه إذاً لقد كان يقوم حين يطلع الفجر قال: أجل. (شرح معانی الآثار: ۱۳۳/۱، ط: فیصل).

نوٹ: جس ماہ کی جس تاریخ میں غروب آفتاب اور غروب شفق میں جس قدر فاصلہ رہتا ہے۔ تقریباً اتنا ہی فاصلہ صبح صادق اور طلوع آفتاب میں بھی ہوتا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۳۴/۳)

امداد الاحکام میں ہے:

صبح صادق طلوع آفتاب سے ۱۸ درجہ پہلے ہوتی ہے۔ (امداد الاحکام: ۴۰۱/۱، دارالعلوم کراچی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم کی تحقیق قبول کرنے کا حکم:

سوال: کیا فجر صادق کے طلوع یا شفق کے بارے میں غیر مسلموں کی تحقیق کا اعتبار ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ مسلمان بھی نہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: غیر مسلموں کی تحقیق خالص دین کی باتوں میں قبول نہیں جیسے پانی پاک ہے یا ناپاک ہے یہ کھانا حلال ہے یا حرام ہے، لیکن اگر وہ کوئی ایسی بات بتلادیں جس پر دینی بات مرتب ہوتو ان کی وہ بات معتبر ہے بشرطیکہ دل اسکی صداقت کی گواہی دے، مثلاً یہ کہہ دیں کہ میں نے یہ کھانا فلاں مسلمان سے خریدا ہے تو ظاہر بات ہے کہ مسلمان سے خریدنے کے بعد اس پر حلال ہونے کا حکم مرتب ہوگا۔

درمختار میں ہے:

ویقبل قول کافر ولو مجوسیاً قال: اشتریت اللحم من کتابی فیحل أو قال: اشتریته من مجوسی فیحرم ولا یرده بقول الواحد وأصله أن خبر الکافر مقبول بالإجماع فی المعاملات لا فی الدیانات وعلیه یحمل قول الکنز ویقبل قول الکافر فی الحل والحرمة یعنی الحاصلین فی ضمن المعاملات لا مطلق الحل والحرمة. (الدرالمختار مع الشامی: ۶/۳۴۴، ۳۴۵، کتاب الحظر والإباحة، سعید)

طحطاوی میں ہے:

وإذا صح قول الواحد فی أخبار المعاملات عدلاً کان أو غیر عدل فلابد فی ذلک من تغلیب رأیه فیه أن خبره صادق فإن غلب علی رأیه ذلک عمل علیه وإلا لا. (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۴/۱۷۴، کتاب الحظر والإباحة، کوئٹة)

مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلا کہ اگر ان کی تحقیق پر ظنِ غالب ہو کہ صحیح ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولا یقبل قول الکافر فی الدیانات إلا إذا کان قبول قول الکافر فی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات فحینئذٍ تدخل الدیانات فی ضمن المعاملات فیقبل قوله فیها ضرورة هکذا فی التبیین، من أرسل أجیراً له مجوسیاً أو خادماً فاشتری لحماً فقال: اشتریته من یهودی أو نصرانی أو مسلم وسعه أکله وإن کان غیر ذلک لم یسعه أن یأکل منه معناه إذا کان ذبیحة غیر الکتابی والمسلم لأنه لما قبل قوله فی الحل أولیٰ أن یقبل فی الحرمة کذا فی الهدایة. (الفتاوی الهندیة: ۵/۳۰۸، کتاب الکراهیة: الباب الأول فی العمل بخبر الواحد)

صورتِ مسئولہ میں بھی غیر مسلم نے صبح صادق اور شفق کے غروب کی بات بتلادی جو براہِ راست دین کی

بات نہیں بلکہ آسمان کے افق کی تحقیق ہے پھر اس پر نماز کا وقت ہونا یا نہ ہونا روزہ کی ابتداء کا ہونا نہ ہونا مرتّب ہوگا ،لہذا صبح صادق اور شفق کے بارے میں غیر مسلموں کی تحقیق معتبر ہے، نیز یہ تحقیق صرف غیر مسلموں کی نہیں بلکہ مسلمان ماہرِ فلکیات کی تحقیق بھی یہی ہے۔واللہ ﷻ اعلم۔

عصر کی نماز کو اتنا مؤخر کرنا کہ وقت مکروہ کا شبہ ہونے لگے:

سوال: ہمارے یہاں عصر کی نماز پانچ بجے ہوتی ہے اور آج کل غروب تقریباً ۵:۲۵ پر ہے اور کافی مسبوق ہوتے ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ وقت صحیح ہے یا مکروہ یا اس سے جلدی نماز پڑھنا چاہئے تاکہ مکروہ سے بچے؟

الجواب: تاخیر عصر مستحب ہے لیکن اتنی تاخیر کرنا کہ وقت مکروہ کا شبہ ہونے لگے درست نہیں ہے اور عام طور پر غروب سے ایک گھنٹہ قبل پڑھنا وقت مکروہ سے بہت پہلے ہے لہذا اس میں کوئی حرج نہیں۔وقت مکروہ اس کے بہت بعد شروع ہوتا ہے البتہ صورت مسئولہ میں ۵ بجے شروع کرنا اور تقریباً ۵ بجکر ۱۰ منٹ پر ختم کرنا کراہت کے قریب ہے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وتأخير عصر صيفاً وشتاءً توسعةً للنوافل مالم يتغير ذكاء بأن لاتحار العين فيها فى الأصح. قوله فى الأصح صححه فى الهدايه وغيرها وفى الظهيريه: إن أمكنه إطالة النظر فقد تغيرت وعليه الفتوى وفيها: وينبغى أن لايؤخر تأخيراً لايمكن المسبوق قضاء مافاته. وقيل حد التغير أن يبقى للغروب أقل من رمح وقيل أن يتغير الشعاع على الحيطان كما فى الجوهرة، ابن عبد الرزاق. (الدرالمختارمع الشامی: ۱/۳۶۷،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ويستحب تأخير العصر فى كل زمان مالم تتغير الشمس والعبرة لتغير القرص لا لتغير الضوء فمتى صار القرص بحيث لاتحار فيه العين فقد تغير وإلا لا كذا فى الكافى. وهو الصحيح كذا فى الهداية. (الفتاوی الهندية: ۱/۵۲۔وكذا فى شرح المنية: ص۲۳۳،سهيل)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

زوال اور فئ الزوال معلوم کرنے کے لئے دائرہ ہندیہ کا استعمال:

سوال: دائرہ ہندیہ کیا چیز ہے اور کیا کام آتا ہے؟

الجواب: دائرہ ہندیہ مندرجہ ذیل نقشہ میں ملاحظہ ہو:

نقشۂ دائرۂ ہندیہ:

Pictures\daairah hindiyyah.bmp not found.

یہ دائرہ ہندیہ کا نقشہ ہے جو زوال اور فئ الزوال معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے استعمال کا طریقہ شرح وقایہ میں مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو:

وللظهر من زوالها إلى بلوغ ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال. لابد ههنا من معرفة وقت الزوال. وطريقه ان تسوى الأرض بحيث لايكون بعض جوانبها مرتفعاً وبعضها منخفضاً اما بصب الماء أوببعض موازين المقنين وترسم عليها دائرة وتسمى الدائرة الهندية، وينصب فى مركزها مقياس قائم بان يكون بعد رأسه عن ثلث نقط من محيط

الدائرة متساوياً و لتكن قائمته بمقدار ربع قطرالدائرة فرأس ظله فی أوائل النهارخارج الدائرة لكن الظل ينقص إلى أن يدخل فی الدائرة فتضع علامة على مدخل الظل من محيط الدائرة ، و لا شک أن الظل ينقص إلى حد ما ثم يزيد إلى أن ينتهی إلى محيط الدائرة ثم يخرج منها، وذلک بعد نصف النهارفتضع علامة على مخرج الظل فتنصف القوس التی هی مابين مدخل الظل ومخرجه وترسم خطاً مستقيماً من منتصف القوس إلى مركزالدائرة مخرجاً إلى الطرف الآخرمن المحيط، فهذاالخط هوخط نصف النهار، فإذاكان ظل المقياس على هذا الخط فهونصف النهار، والظل الذی فی هذا الوقت هوفیء الزوال، فإذا زال الظل من هذا الخط فهووقت الزوال، فذلک أول وقت الظهر. (شرح الوقاية مع الحاشية: ۱/۱۲۸۔وحاشية المختصرالقدوری:۲۶:٦ سعيد)

ترجمہ: اوروقتِ ظہر کی ابتداء زوال سے ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہونے تک سایۂ اصلی کو چھوڑ کر، یہاں وقتِ زوال کو بھی جاننا ضروری ہے، اوراس کا طریقہ یہ ہے کہ زمین ہموار کردی جائے اس طور پر کہ زمین کا بعض حصہ دوسرے بعض حصہ سے اونچا نیچا نہ رہے یا پانی بہا کر ٹھیک کردی جائے یا سائنسدانوں کے اوزار کے ذریعہ سے، پھراس ہموار زمین پر ایک دائرہ یعنی گول حلقہ بنالے ،اوراس دائرہ کو دائرۂ ہندیہ سے موسوم کیا جاتا ہے، پھر مرکزِ دائرہ میں مقیاس (لکڑی یا تار) عموداً اس طور پر گاڑ دیں کہ اس کے سرے کی دوری ہر طرف سے برابر ہو (یعنی مقیاس اورزمین کے درمیان چاروں طرف زاویہ قائمہ پیدا ہوجائے۔اگر مقیاس ترچھا ہوتو یہ عمل صحیح نہیں، پیمانۂ پیائش یا دھاگے کے ذریعہ یہ معلوم کرلیں کہ مقیاس کا سر اشمالاً وجنوباً، شرقاً وغرباً دائرے سے برابر فاصلہ پر ہے یا نہیں۔اگر ہے تو یہ عموداً کھڑا ہے ورنہ ترچھا ہے) نیز مقیاس دائرے کے چوتھائی حصہ کے برابر ہو (یعنی اگر پورا دائرہ چار ہاتھ ہوتو مقیاس ایک ہاتھ کے بقدر ہو) پس اس مقیاس کے سایہ کا سرہ دن کے ابتدائی حصہ میں دائرۂ ہندیہ سے خارج ہوگا لیکن سایہ کم ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ مقیاس کا سایہ مغرب کی جانب سے دائرہ میں داخل ہوجائے گا پس اس جگہ ایک علامت لگادی جائے۔(یہ نصف النہار سے پہلے ہوگا) اوراس میں کوئی شک نہیں کہ سایہ برابر کم ہوگا ایک حد تک، پھر جانبِ مشرق میں بڑھنا شروع ہوگا یہاں تک کہ محیط دائرہ تک پہنچ کر دائرہ سے باہر نکل جائے گا، اور یہ نصف النہار کے بعد ہوگا، پس نکلنے کی جگہ پر بھی علامت لگادی جائے، پھر مدخل الظل اورمخرج الظل کے درمیان قوس کے دو حصے کردئے جائیں اورنصفِ قوس سے ایک

Maktaba Tul Ishaat.com

سیدھا خط کھینچا جائے، یہ خط مرکز سے گذرتا ہوا محیط دائرہ پر منتہی ہوگا پس یہ خط خط نصف النہار کہلاتا ہے اور جب مقیاس کا سایہ خط نصف النہار پر ہوگا وہ نصف النہار ہے، (یعنی استواء شمس) اور جو سایہ اس وقت ہوگا وہ سایۂ اصلی ہے، اور جیسے ہی سایہ اس خط نصف النہار سے جانبِ مشرق میں رخ کرے گا وہ زوال کہلائے گا پس اسی سے وقتِ ظہر کی ابتداء ہوگی۔ (عملی طریقہ نقشہ میں ملاحظہ فرمائیں)

قواعد الفقہ میں ہے:

الدائرة الهندية لمعرفة فيء الزوال في كل بلد ة صفتها في شرح الوقاية فليراجع. (قواعد الفقه: ص ۲۸۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

زوال کتنی دیر رہتا ہے کہ جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

سوال: زوال کتنی دیر رہتا ہے کہ جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

الجواب: استواء قارن سے زوال فارق تک تقریباً دس منٹ کی تخمین ہے، لہذا نقشوں میں دئے ہوئے وقت زوال سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز نہیں پڑھنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله واستواء) وفي القنية: واختلف في وقت الكراهة عند الزوال، فقيل من نصف النهار إلى الزوال لرواية أبي سعيد رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ "أنه نهى عن الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس" قال ركن الدين الصباغي: وما أحسن هذا الأن النهي عن الصلاة فيه يعتمد تصورها فيه وعزا في القهستاني القول بأن المراد انتصاف النهار العرفي إلى أئمة ما وراء النهر وبأن المراد انتصاف النهار الشرعي وهو الضحوة الكبرىٰ إلى الزوال إلى أئمة خوارزم .....وفي شرح النقاية للبرجندي: وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلى أن تزول الشمس ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل، وفي هذا القدر من الزمان لا يمكن أداء الصلاة فيه، فلعل المراد أنه لا تجوز الصلاة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان..... (شامي: ۱/ ۳۷۱، سعيد)

احسن الفتاوی میں ہے:

کراہت نماز میں نصف النہار عرفی معتبر ہے۔علامہ برجندیؒ نے شرح نقایہ میں اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے کہ نصف النہار عرفی کا وقت ممتد نہیں اس لئے اس میں نماز متصور ہی نہیں ہوسکتی تو اس سے نہی صحیح نہیں،اس بنا پر بعض حضرات نے نصف النہار شرعی سے لیکر نصف النہار حقیقی تک پورے وقت کو نماز کے لئے مکروہ قرار دیا ہے ،جب کہ کسی ایک حدیث سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ جمیع احادیث نصف النہار عرفی پر دلالت کرتی ہیں اشکال مذکور کے متعدد جواب ہوسکتے ہیں:

(۱)اگر چہ اس وقت میں پوری نماز متصور نہیں ہوسکتی مگر مقصد یہ ہے کہ نماز کا کوئی جزء بھی اس وقت میں واقع نہ ہو یہ جواب خود علامہ برجندیؒ نے بھی دیا ہے(رد المحتار ۱/ ۳٤٤)

(۲)مرکزِ شمس کے بجائے اس کے پورے جرم کا اعتبار ہے۔کما فی حدیث عبد اللّٰہ الصنابحی ﷺ ثم إذا استوت قارنها فإذا زالت فارقها. (مؤطا مالكؒ:ص ۲۰۱) دائرہ نصف النہار سے محیط شمس کا ایک کنارہ گذرنے سے لیکر دوسرا کنارہ گذرنے تک بروئے حساب دو منٹ آٹھ سیکنڈ صرف ہوتے ہیں،اتنے وقت میں نماز متصور ہوسکتی ہے۔

(۳)احکام شرعیہ کا مدار حسابات ریاضیہ پر نہیں بلکہ مشاہدہ پر ہے اور مشاہدہ میں استواء قارن سے زوال فارق تک تقریباً دس منٹ کی تخمین ہے،لہذا نقشوں میں دئے ہوئے وقت زوال سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز نہیں پڑھنا چاہئے۔ویؤید ما نقله ابن عابدینؒ عن الطحطاویؒ فی تفسیر قول شارح التنویر (ووقت الظهر من زواله أی میل ذكاء عن كبد السماء)أی وسطها بحسب مایظهر لنا (رد المحتار: ۱/ ۳۳۲) تعلیل کراہت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے،نماز کی طرح عبادت شمس بھی آنِ واحد میں تو متصور نہیں ہوسکتی،ظاہر ہے کہ عبدۃ الشمس استواء بحسب مشاہدہ ہی کو وقت عبادت قرار دیتے ہوں گے۔فقط واللہ اعلم (احسن الفتاوی:۲/ ۱۳۷)

مزید ملاحظہ ہو: آپ کے مسائل اور انکا حل:۲/ ۱۰۵،اوقاتِ نماز۔فتاوی محمودیہ:۵/ ۳۸۳،باب المواقیت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اوقاتِ ظہر وعصر میں فقہائے احناف کا اختلاف اور نماز ادا کرنے کا احوط طریقہ:

سوال: ظہر کے وقت کی انتہاء اور عصر کے وقت کی ابتداء میں فقہائے احناف کا کیا اختلاف ہے؟ اور ظہر اور عصر کی نماز ادا کرنے کا احوط طریقہ کیا ہے؟ نیز اگر کسی شخص نے عصر کی نماز مثل ثانی میں پڑھی کیا واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں؟

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: وقتِ ظہر کی انتہاء کے بارے میں امام صاحبؒ سے مختلف روایات مروی ہیں، مشہور روایت کے مطابق مثلین تک ظہر کا وقت ہے اور مثلین کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، اور صاحبینؒ وغیرہ کے نزدیک مثل اول ظہر کا وقت ہے اور مثل ثانی عصر کا وقت ہے، لیکن مسلک احناف میں احوط طریقہ یہ ہے کہ ظہر مثل اول میں پڑھ لے، اور عصر مثل ثانی کے بعد پڑھے تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔ ہاں اگر کسی شخص نے عصر کی نماز مثل ثانی میں پڑھی تو نماز صحیح ہے واجب الاعادہ نہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

(ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله وهو قولهم وزفر والأئمة الثلاثة قال الإمام الطحاوىؒ وبه نأخذ وفى غرر الأذكار وهو المأخوذ به وفى البرهان وهو الأظهر لبيان جبرئيل عليه السلام وهو نص فى الباب وفى الفيض وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتى. وفى الشامى: (قوله إلى بلوغ الظل مثليه) هذا ظاهر الرواية عن الإمام نهاية وهو الصحيح بدائع ومحيط وينابيع وهو المختار غياثية واختاره الإمام المحبوبى وعول عليه النسفى وصدر الشريعة تصحيح قاسم واختاره أصحاب المتون وارتضاه الشارحون فقول الطحاوىؒ وبقولهما نأخذ لايدل على أنه المذهب، وما فى الفيض من أنه يفتى بقولهما فى العصر والعشاء مسلم فى العشاء فقط على مافيه وتمامه فى البحر. (وقوله وعنه) أى عن الإمام أبى حنيفةؒ وفى رواية عنه أيضاً أنه بالمثل يخرج وقت الظهر ولايدخل وقت العصر إلا بالمثلين ذكرهما الزيلعى وغيره وعليها فما بين المثل والمثلين وقت مهمل. (قوله وهو نص فى الباب) فيه أن الأدلة تكافأت ولم يظهر ضعف دليل الإمام بل أدلته قوية أيضاً كما يعلم من مراجعة المطولات وشرح المنية وقد قال فى البحر لايعدل عن القول الإمام إلى قولهما أو قول أحدهما إلا لضرورة من ضعف دليل أو تعامل بخلافه كالمزارعة وإن صرح المشايخ بأن الفتوىٰ على قولهما كما هنا. (قوله وعليه عمل الناس اليوم) أى فى كثير من البلاد والأحسن ما فى السراج عن شيخ الإسلام أن الاحتياط أن لايؤخر الظهر إلى المثل وأن لايصلى العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤدياً للصلاتين فى وقتهما بالاجماع. (الدرالمختار مع الشامى: ۱/۳۵۹، سعيد۔ وكذا فى الطحطاوى على الدر المختار: ۱/۱۷۳۔ وهكذا فى

المبسوط للامام السرخسیؒ:۱/۱۴۲۔وفی شرح منیة المصلی: ص۲۲۷ سهیل۔ والبحرالرائق:۱/۲۴۵۔و فتح القدیر:۱/۲۱۹،دارالفکر۔و حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۱۷۶،قدیمی۔ ومجمع الانهرفی شرح ملتقی الابحر:۱/۶۹۔۷۰۔والفتاوی الهندیة:۱/۵۱)

فیض الباری میں ہے:

فتحصل أنه صلی الظهرتارة فی المثل وهووقتها المختص وتارة فی المثل الثانی وهوالوقت الصالح لها وکذلک صلی العصرتارة بعد المثل الأول وهووقت صالح لها أیضاً وصلاها تارة بعد المثل الثانی قبل نهایة المثل الثالث وهوالوقت المختص بها مع إبقاء الفاصلة بین الصلاتین فی الیومین، وهذا عین مذهبنا،فللّٰه الحمد أولاً وآخراً. (فیض الباری:۲/۹۹،کتاب مواقیت الصلاة)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

قولِ مختار اور مفتی بہ تو یہی ہے کہ وقتِ عصر مثلین سے شروع ہوتا ہے مگر دوسرا قول یہ بھی ہے کہ مثل واحد کے بعد ہی شروع ہوجاتا ہے اور اس وقت پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ لازم نہیں ہوتا۔(فتاوی محمودیہ: ۵/۳۳۸،باب المواقیت، جامعہ فاروقیہ۔وفتاوی حقانیہ:۳/۳۶،باب المواقیت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حرمین شریفین میں عصر کی نماز مثل ثانی میں پڑھنے کا حکم:

سوال: مسلکِ احناف کے مطابق عصر کی نماز مثلِ ثانی میں پڑھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ مسئلہ حرمین شریفین میں بکثرت پیش آتا ہے۔

الجواب: مسلکِ احناف میں قولِ مختار یہی ہے کہ وقتِ عصر مثلین سے شروع ہوتا ہے۔پس عام حالات میں مفتی بہ قول پر عمل کرنا چاہئے احتیاط اسی میں ہے۔البتہ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ وقت عصر مثل اول کے بعد شروع ہوجاتا ہے لہذا کوئی معذور ہو یا مسافر ہو یا کسی شافعی المسلک امام کے پیچھے عصر کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوجائے تو مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔خصوصاً حرمین شریفین میں تو جماعت کے ساتھ ہی نماز پڑھنا چاہئے مسجد اور جماعت کی فضیلت ترک نہیں کرنا چاہئے یہی افضل ہے۔

فیض الباری میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

فتحصل أنه صلی الظهر تارة فی المثل وهو وقتها المختص وتارة فی المثل الثانی وهو الوقت الصالح لها وکذلک صلی العصر تارة بعد المثل الأول وهو وقت صالح لها أیضاً وصلاها تارة بعد المثل الثانی قبل نهایة المثل الثالث وهو الوقت المختص بها مع إبقاء الفاصلة بین الصلاتین فی الیومین، وهذا عین مذهبنا، فللّٰه الحمد أولاً وآخراً. (فیض الباری:۲/۹۹، کتاب مواقیت الصلاة)

فتح القدیر میں ہے:

اعلم أن الروایات عن أبی حنیفةؒ اختلفت فی آخر وقت الظهر، روی محمدؒ عنه إذا صار ظل کل شیء مثلیه سوی فیء الزوال خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر وهو الذی علیه أبو حنیفةؒ، وروی حسن بن زیادؒ عنه إذا صار ظل کل شیء مثله سوی فیء الزوال خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر وبه أخذ أبو یوسفؒ ومحمدؒ وزفرؒ والشافعیؒ. (فتح القدیر:۱/۲۱۹، دارالفکر۔ وکذا فی فتاوی اللکنوی:ص۱۹۴۔۱۹۸، بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

قالوا الاحتیاط أن یصلی الظهر قبل صیرورة الظل مثله ویصلی العصر حین یصیر مثلیه لیکون الصلاتان فی وقتهما بیقین. (الفتاوی الهندیة:۱/۵۱)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

عصر کی نماز مثلین کے بعد پڑھنا افضل ہے اگرچہ اس میں جماعت فوت ہوجانے کا خدشہ ہو مگر یہ حکم دیگر عام مقامات کے لئے ہے، حرمین شریفین کی حرمت اور فضیلت کی وجہ سے جماعت میں شریک ہونا چاہئے اور مثلین تک تاخیر کرنا ضروری نہیں، بلکہ حرمین شریفین میں باجماعت نماز پڑھنا افضل ہے۔ (فتاوی حقانیہ:۳/۴۲، باب المواقیت۔ نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ:۵/۳۴۱، باب المواقیت۔ جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
"المؤذنون أطول الناس أعناقاً یوم القیامۃ"
(رواہ مسلم)

باب.....﴿۲﴾

اذان اور اقامت کا بیان

Maktaba Tul Ishaat.com

باب.....۲

اذان اور اقامت کا بیان

اذان میں لفظ ''اللہ'' کے مد کو دراز کرنے کی مقدار:

سوال: اذان میں لفظ ''اللہ'' کے مد کو کتنا دراز کرنا چاہئے؟

الجواب: فنِ تجوید کے اعتبار سے اذان کے ان کلمات کو جن پر مدِ اصلی ہے تعظیم واہتمام کی غرض سے ایک الف سے زائد کھینچنا درست ہے۔ حضراتِ قراء نے اسبابِ مد میں مدِ تعظیمی کو بھی شمار کیا ہے۔ حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ نے ''مفتاح الکمال'' میں تحریر فرمایا ہے: سببِ مد کی دو قسمیں ہیں: ایک لفظی، دوسری معنوی، معنوی بھی دو ہیں: (۱) نفی میں مبالغہ (۲) تعظیم یعنی شان کی بڑائی ظاہر کرنا، اور یہ لفظِ ''اللہ'' میں ہوتا ہے اس میں فقہاء نے سات الف کے برابر مد کرنا بھی درست بتایا ہے۔ (مفتاح الکمال: ۶۵، ۶۶)

اور ایک قول کے مطابق اس سے زائد بھی کھینچ سکتے ہیں۔

تبیین الحقائق میں ہے: **وإن كان المد فی لام اللّٰه فحسن مالم يخرج عن حدها.** (تبيين الحقائق: ۱/۱۱۴)

فتاوی ہندیہ میں ہے: **ومد لام اللّٰه صواب.** (الفتاوى الهندية: ۱/۷۳)

الاذکار میں ہے: **واعلم أن محل المد بعد اللام من اللّٰه ولايمد فی غيره.** (الاذكار: ص ۴۲)

کشف القناع میں ہے:

ولاتضر زيادة المد على الألف بين اللام والهاء لأنها أى زيادة المد إشباع لأن اللام ممدودة فغايته أنه زاد فی مد اللام ولم يأت بحرف زائد وحذفها أى حذف زيادة المد أولىٰ

لأنه یکره تمطیطه أی التکبیر. (کشف القناع:۱/۳۳۰)

کتاب الفروع میں ہے:

ولایضر لو خلل بین اللام والهاء لأنه إشباع وحذفها أولیٰ لأنه یکره تمطیطه والزیادة علی التکبیر قیل یجوز وقیل یکره. (کتاب الفروع:۱/۴۰۹)

فتاوی الرملی میں ہے:

وفی التهذیب ولو مد التکبیر بین اللام والهاء فی کلمة اللّٰه یجوز. (فتاوی الرملی بهامش الفتاوی الکبری: ص ۱۳۱)

وقد جاء فی کتاب: تمکین المد للعلامة مکی بن أبی طالب ما هو أوسع من ذلک: فصل: فی أن مده لایضر وأن تقدیره بالألفات للتقریب علی المبتدئین والتقدیر عندنا للمد بالألفات إنما هو تقدیر علی المبتدئین ولیس علی الحقیقة لأن المد إنما هو فتح الفم بخروج النفس مع امتداد الصوت وذلک قدر لایعلمه إلا اللّٰه ولایدری قدر الزمان الذی کان فیها المد للحرف ولا قدر النفس الذی یخرج مع امتداد الصوت فی حیز المد إلا اللّٰه تعالیٰ فمن ادعیٰ قدر المد حقیقة فهو مدعی علی الغیب ولایدعی ذلک من له عقل وتمییز وقد وقع فی کتب القراء التقدیر بالألف والألفین والثلاثة علی التقریب للمتعلمین ألا تری أنهم حین أرادوا التحقیق للمد ذکروا أنه لایحکیه إلا المشافهة وقسمه بعضهم علی رتب وعلی أربع رتب وبعضهم علی ثلاث رتب ولم یقل أحد من القراء والنحویین أن المد یحصر فی قدر الألف وقدر الألفین وأنه لایکون أکثر ولا أقل هذا لم یقله أحد ألا تری أن أبا إسحاق الزجاج قال: لو مددت صوتک یوماً ولیلة لم یکن الألف واحد ألا تری إلی قول سیبویه فی حروف اللین هی حروف المد التی تمد بها الصوت وتلک الحروف الألف والیاء والواو وقد ذکر أن الصوت یمد بها ولم یجد مقدار المد. (البلاغ کے ایک فتویٰ کا خلاصہ جو دارالعلوم کراچی سے نکلتا ہے)

ماہنامہ المحمود میں مفتی عبدالقیوم راجکوٹی صاحب معین مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا ایک فتویٰ چھپا ہے اس میں مذکور ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

یہاں ایک نکتہ فراموش نہ ہو وہ یہ ہے کہ اذان میں رفعِ صوت مطلوب و مستحسن ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے:

ویستحب ترتیل الأذان ورفع الصوت. ویستحب أن یجعل إصبعیه فی أذنیه لقوله ﷺ لبلال رضی اللہ عنہ اجعل إصبعیک فی أذنیک فإنه أرفع لصوتک. (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی: ص ۱۹۷، قدیمی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومن السنة أن یأتی بالأذان والأقامة جهراً رافعاً بهما صوته. (الفتاوی الهندیه: ۱/۵۵)

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس استحباب پر عمل کرنے کے لئے قصر (جس کی مقدار ایک الف ہے) مفید و مؤثر ہے یا طول (یعنی ایک الف سے زائد کھینچنا جس کی مقدار مذکور ہوئی) ظاہر بات ہے کہ قصر کرتے ہوئے رفعِ صوت والے استحباب پر عمل مشکل نہ سہی مگر تکلف سے خالی نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں مؤذن کی آواز کامل طور پر ابھی بلند نہ ہونے پائے گی کہ قصر کی مقدار (ایک الف) پوری ہو جائے گی، جب کہ طول کی صورت میں علی وجہ الاتم رفعِ صوت والے استحباب پر عمل ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ طولِ مذکور استحباب کے لئے مقدمہ ہے جس طرح واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے۔ ایسے ہی مستحب کا مقدمہ مستحب نہ سہی کم از کم جائز تو ضرور ہوگا۔ اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ کلماتِ اذان کو کھینچا جاوے۔

بہر حال مسئلہ مختلف فیہ ہے حلت و حرمت کا مسئلہ نہیں اس لئے اس میں تشدد نہیں چاہئے۔ جو حضرات نہیں کھینچتے ان کی تغلیط نہ کی جاوے، اور جو حضرات حد میں رہ کر امتداد کرتے ہیں ان کی تردید کر کے روکا نہ جاوے۔

حضرت فقیہ الامتؒ فرماتے ہیں:

میرا حال یہ ہے کہ اگر کوئی نہیں کھینچتا تو اسے نہیں کہتا کہ کھینچو۔ (ملفوظاتِ فقیہ الامت: قسط: ۶/۲۳)

حالانکہ حضرت فقیہ الامت کا رجحان امتداد کی طرف ہے۔

مختلف فیہ مسائل میں حدودِ شریعت کا پاس رکھتے ہوئے امرِ تسہیل ملحوظ رکھنا ہی احوط ہے۔

شرحِ عقود رسم المفتی میں ہے:

التاسع: ما إذا کان أحدهما أوفق لأهل الزمان فإن کان أوفق لعرفهم أو أسهل علیهم أولیٰ بالاعتماد علیه. (شرح عقود رسم المفتی: ص ۸۹)

نوٹ: ایک الف کی مقدار ہے، بند انگلی کو کھولنے کے بقدر یا کھلی انگلی کو بند کرنے کے بقدر۔ (ماہنامہ المحمود: ص ۴۰۔۴۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اذان میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء کا اعراب:

سوال: اذان میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء پر فتحہ پڑھنا چاہئے یا ضمہ یا کسرہ یا ساکن ہونا چاہئے؟

الجواب: اذان میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے لہذا ثانی تکبیر کو ساکن پڑھیں گے اور اول کو ساکن پڑھنا بھی صحیح ہے اور اگر ملائے تو فتحہ پڑھنا چاہئے۔ ضمہ پڑھنا خلافِ سنت ہے، اگر کوئی اشکال کرے کہ ساکن کو کسرہ دینا چاہئے کیونکہ قاعدہ ہے: الساکن إذا حرک حرک بالکسر. تو جواب یہ ہے کہ اللہ اکبر کی راء کو کسرہ دینا سنت اور طریقہ معروفہ کے خلاف ہے۔ نیز کسرہ دینا اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت و کبریائی کے ساتھ مناسب بھی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویفتح راء أکبر والعوام یضمونها. وفی الشامیة: فائدة: فی روضة العلماء قال ابن الأنباری: عوام الناس یضمون الراء فی أکبر، وکان المبرد یقول: الأذان سمع موقوفاً فی مقاطیعه والأصل فی أکبر تسکین الراء فحولت حرکة ألف اسم اللّٰه إلی الراء کما فی ''الٓمٓ اللّٰه'' وفی المغنی: حرکة الراء فتحة وإن وصل بنیة الوقف، ثم قیل هی حرکة الساکنین ولم یکسر حفظاً لتفخیم اللّٰه.

قلت: والحاصل أن التکبیرة الثانیة فی الأذان ساکنة الراء للوقف حقیقة ورفعها خطأ، وأما التکبیرة الأولی من کل تکبیرتین منه وجمیع تکبیرات الإقامة، فقیل محرکة الراء بالفتحة علی نیة الوقف، وقیل بالضمة إعراباً، وقیل ساکنة بلاحرکة علی ما هو ظاهر کلام الإمداد والزیلعی والبدائع وجماعة من الشافعیة..... ثم رأیت لسیدی عبد الغنی رسالة فی هذه المسئلة سماها '' تصدیق من أخبر بفتح راء اللّٰه أکبر'' أکثر فیها النقل وحاصلها أن السنة أن یسکن الراء من اللّٰه أکبر الأول أو یصلها باللّٰه أکبر الثانیة، فإن سکنها کفی، وإن وصلها نوی السکون فحرک الراء بالفتحة، فإن ضمها خالف السنة. لأن طلب الوقف علی

Maktaba Tul Ishaat.com

أكبر الأول صيره كالساكن أصالة فحرك بالفتح. (الدرالمختار مع الشامی:۱/۳۸۶،مطلب فی الکلام علی حدیث "الاذان جزم"،سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

اذان اور اقامت میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے، اذان میں ہر دو تکبیروں میں سے پہلی تکبیر اور اقامت میں پہلی تین تکبیروں کی راء پر رفع پڑھنا خلافِ سنت ہے، اس کو ساکن پڑھنا چاہئے یا مفتوح کر کے دوسری تکبیر کے ساتھ ملایا جائے۔ (احسن الفتاوی:۲/۲۹۶)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس طرح پڑھے ''اللہ اکبرْ اللہ اکبرْ'' یعنی دونوں جگہ راء کو ساکن کردے اس پر کوئی حرکت نہ پڑھے۔ اگر پہلی راء پر حرکت پڑھنا ہے تو زبر پڑھے۔ پیش لگا کر پڑھنے کو ردالمحتار میں خلافِ سنت لکھا ہے۔ دوسرے ''اکبر'' کی راء کو بہر حال ساکن پڑھے۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۴۰۹،کلمات اذان کا بیان، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کلماتِ اذان کے مابین وقفہ کی مقدار:

سوال: بعض جگہ اذان کے کلمات میں بہت وقفہ کرتے ہیں جس سے اذان ختم ہونے کا گمان ہوتا ہے حالانکہ ختم نہیں ہوتی شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کلماتِ اذان کے مابین وقفہ قلیلہ جس میں اچھی طرح اذان کا جواب دیا جاسکے سنت ہے اور اس سے زیادہ وقفہ کرنا کہ فاصلہ شمار کیا جائے اور اذان ختم ہونے کا گمان ہوجائے درست نہیں بلکہ خلافِ سنت ہے اور اذان کا اعادہ مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ويترسل)أى يتمهل(قوله بسكتة) أى تسع الإجابة. (شامی:۱/۳۸۷،سعید)

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

سئل عمن يقف فى خلال الأذان؟ قال:يعيد الأذان قال:هذا إذاكانت الوقفة كثيرة بحيث تعد فاصلة فأما إذاكانت يسيرة مثل التنحنح والسعال فانه لايعيد. (الفتاوی

التاتارخانية: ۱/۵۲۳)

نفع المفتی والسائل میں ہے:

وفی القنية "مت" أی مجد الائمة الترجمانی وقف فی الأذان لتنحنح أوسعال لايعيد وإن كانت الوقفة كثيرة يعيد. (نفع المفتی والسائل: ص ۷۰،ادارة القرآن)

احسن الفتاوی میں ہے:

اذان کے ہر کلمہ کے بعد اتنا توقف کرنا کہ اس میں جواب دیا جاسکے مسنون ہے۔اس سنت کا ترک مکروہ ہے اور اس صورت میں اذان کا اعادہ مستحب ہے۔(احسن الفتاوی:۲/۲۸۶۔وفتاوی حقانیہ:۳/۶۴،باب الاذان والاقامۃ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اذان میں "أشهد أن محمداً رسول الله" پڑھ کر یا سن کر درود پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص اذان میں "أشهد أن محمداً رسول الله" پڑھ کر یا سن کر درود پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بوقتِ اذان "أشهد أن محمداً رسول الله" پڑھ کر یا سن کر درود پڑھنا ثابت نہیں بلکہ خلافِ سنت ہے۔کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جب تم اذان سنو تو وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے پھر اذان کے بعد مجھ پر درود بھیجو اور پھر دعاء پڑھو۔اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ درود شریف اذان کے بعد پڑھنا ثابت ہے نہ کہ اذان کے درمیان۔ہاں سامع جواب میں جب یہ کلمہ "أشهد أن محمداً رسول الله" دوہرائے تو ساتھ میں "صلى الله عليه وسلم" پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مسلم شریف میں ہے:

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ أنه سمع النبی ﷺ يقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علی فإنه من صلى علی واحدة صلى الله عليه بها عشراً ثم سلوا الله لی الوسيلة فإنها منزلة فی الجنة لاتنبغی إلا لعبد من عباد الله وأرجو أن أكون أنا هو فمن سأل لی الوسيلة حلت عليه الشفاعة. (رواه مسلم: ۱/۱۶۶)

شامی میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

ويستحب أن يقال عند سماع الأولى من الشهادة :صلى الله عليك يارسول الله ... وذكر ذلك الجراحي وأطال، ثم قال:ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء .

(شامی:۱/۳۹۸)

احسن الفتاوی میں ہے:

اذان میں حضور ﷺ کے نام کے ساتھ درود شریف نہ منقول ہے نہ معمول بلکہ اس کے برعکس حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم بھی وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے پھر اذان کے بعد پہلے درود شریف پڑھو پھر دعا۔(احسن الفتاوی: ۲/۲۷۸)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اذان میں ''حی علی خیر العمل'' کہنے کا حکم:

سوال: اذان میں ''حی علی خیر العمل'' کہنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کتبِ حدیث میں اذان میں اس کا ذکر نہیں البتہ ابن عمر سے یہ الفاظ مروی ہیں مگر یہ روایت موقوف ہے نیز وہ تثویب یعنی اعلان پر محمول ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اہل سنت والجماعت کا اس پر عمل نہیں اور یہ روافض کا شعار اور علامت ہے اس لئے ان الفاظ سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا حاتم بن إسماعيل عن جعفر عن أبيه ومسلم بن أبي مريم أن علي بن حسين كان يؤذن فإذا بلغ حي على الفلاح قال:حي على خير العمل ويقول هو الأذان الأول. (رقم الحديث:۲۲۵۳)

حدثنا أبو خالد عن ابن عجلان عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه كان يقول في أذانه:الصلاة خير من النوم وربما قال:حي على خير العمل. (رقم الحديث:۲۲۵٤)

حدثنا أبو أسامة قال :حدثنا عبيد الله عن نافع قال:كان ابن عمر رضی اللہ عنہ ربما زاد في أذانه:حي على خير العمل. (رقم الحديث:۲۲۵۵)

اس کے تحت شیخ محمد عوامہ نے یہ لکھا ہے:

قول على زين العابدين هو الأذان الأول يشعر بأن هذه الجملة "حي على خير

العمل"كانت على عهد النبیﷺ فهی فی حكم المرفوع المرسل وأنها نسخت.

والذی فی كتب السنة مما یشهد لرفع هذه الجملة حدیث واحد مرفوع:رواه الطبرانی فی الكبیر:(۱۰۷۱)والبیهقی:(۱/٤۲٥)ویستفاد من إسناد البیهقی أن أبا الشیخ رواه أیضا،كلهم من طریق یعقوب بن حمید بن كاسب عن عبد الرحمن بن سعد بن عمار عن عبد الله بن محمد بن عمّار، وعمّاروعمرابنی حفص بن عمر بن سعد القرظ،عن آبائهم،عن أجدادهم،عن بلال أنه كان ینادی بالصبح فیقول:حی علی خیرالعمل، فأمره ﷺ أن یجعل مكانها، الصلاة خیرمن النوم وترك حی علی خیرالعمل.

وابن كاسب فیه كلام كثیروشیخه عبد الرحمن،وشیخه عبد الله:ضعیفان، وعمّار بن حفص،وأخوه عمرلیسا بشیء عند ابن معین،فالإسناد مسلسل بالضعفاء لهذا قال البیهقی:هذه اللفظة لم تثبت عن النبیﷺ فیما علّم بلالا وأبا محذورة،ونحن نكره الزیادة فیه،وهذا فیه إشارة إلی إعلال آخرللحدیث السابق، وهوأنه مخالف للثابت المستفیض من أحادیث بلال وأبی محذورة رضی الله عنهم،إذ لم یرد فی واحد منهاذكر لهذه الجملة، وأرید أنه لم یرد فی أحادیث ابن أم مكتوم رضی الله عنه أیضاًذكرهذه الزیادة،وأما الأثران التالیان عن ابن عمر رضی الله عنه:فواضح منهما أنه كان یقول هذه الجملة علی سبیل التثویب والحض علی القیام لصلاة الفجربدلا من قوله:الصلاة خیرمن النوم علی أن فی روایة ابن عجلان عن نافع،اضطرابا عند یحیی القطان.

وفی الأثرالأخیرعلیه زیادة ملاحظة ،فلفظه:ربما زاد فی أذانه.....ولوكان عند ابن عمر رضی الله عنهعهد من النبیﷺ فی ذلك لما تركه،لما عهد عنه من التمسك بسنة النبی ﷺ فهو واضح أنها زیادة من عنده للتثویب،لاعلی أنها من ألفاظ الأذان الملتقی عن النبی ﷺ.

(المصنف لإبن أبی شیبة:كتاب الأذان،من كان یقول فی أذانه حی علی خیرالعمل: ۲/۳٤٥،المجلس العلمی ـو كذا فی البیهقی:۱/٤۲٥، باب ما روی فی حی علی خیرالعملـ ومجمع الزوائد:۱/۳۳۰ ،باب كیف الأذان)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قوله(من علم)كمنكرالرؤیة (أوعمل)كمن یؤذن بحی علی خیرالعمل الخ . (حاشیة

Maktaba Tul Ishaat.com

الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۳۰۳،کتا ب الصلاۃ،باب فی بیان الأحق بالإمامۃ)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

پنجگانہ نماز کی اذان میں بجائے ''حی علی الفلاح'' کے ''حی علی خیر العمل'' کہنا جائز نہیں ہے ،تمام احادیثِ صحیحہ میں ''حی علی الصلاۃ،حی علی الفلاح'' وارد ہے،ملک نازل من السماء کی اذان میں یہ ہی کلمات ہیں ''حی علی خیر العمل'' نہیں اور فرشتہ نازل من السماء ہی کی اذان اس بارہ میں اصل ہے۔اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت وقائم رکھا اس پر صحابہ اور تمام امت کا عمل درآمد رہا ہے،خلافِ سنت متوارثہ اور خلافِ اجماع کوئی امر اختیار کرنا سراسر گمراہی اور ضلالت ہے ''من شذ شذ فی النار'' حدیث شریف میں وارد ہے،تمام ائمہ دین کا یہی مسلک اور طریقہ ہے،کسی کا اس میں خلاف نہیں،بجز روافض کے خذلھم اللہ تعالی فقط. (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۱۱۸/۲،الباب الثانی فی الأذان)

علامہ کوثریؒ نے مقدماتِ کوثری میں ذکر کیا ہے:

ولفظ خیر العمل فی الأذان یوازن الجھر بالبسملۃ،فیجریان فی مجری واحد حیث صح فیھما الموقوف دون المرفوع الصریح فی التحقیق،وقد روی محمد بن الحسن فی المؤطا عن مالک،عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ اللفظ المذکور،کما یروی مثلہ اللیث عن نافع،وأخرج ابن أبی شیبۃ والحاکم والبیھقی نحوذلک عن عدۃ من الصحابۃ والتابعین،ولاسیما عن علیّ زین العابدین بن الحسین علیھما السلام،فالجمھور أخذوا بالمرفوع فیھما،ومن تمسک بالموقوف یعتبرہ فی حکم المرفوع فی المسألتین،وأما قول ابن تیمیۃؒ فی منھاجہ بأن اللفظ المذکور بدعۃ الروافض وشعارھم،فمن مجازفاتہ، ویأبی اللہ أن یکون ابن عمر رضی اللہ عنہ وعلی بن الحسینؒ یبتدعانہ،أوأن یوصما برفض،علی أن الرفض کالنصب من أبغض الخلال إلی بیت النبوۃ. (مقدمات الامام الکوثری:۴۱۲،ثالثا فی الفقہ العام والأحکام والاصول)۔**(قلناکون حی علی خیر العمل شعاراً للروافض لایخفی علی الأمۃ فقول الشیخ الکوثریؒ ممالاتفھم). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بوقتِ اذان انگوٹھے چومنا:

سوال: بوقتِ اذان انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

الجواب: اذان کے وقت آنحضرت ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے کے ناخن چومنا اور آنکھوں پر رکھنا اور اس فعل کو سنت سمجھنا اور حدیثِ نبوی سے ثابت تصور کرنا اور نہ چومنے والے کو لعن طعن اور ملامت کے قابل سمجھنا یہ سب غلط ہے اور دین میں تحریف ہے۔ اتنی بات درست ہے کہ بعض علماء نے اس عمل کو جائز قرار دیا ہے مگر یہ بھی آنکھ کی بیماری کے عمل اور علاج کے طور پر عبادت اور سنتِ مقصودہ اور آنحضرت ﷺ کی تعظیم اور عظمت کے لئے نہیں۔

ملاحظہ ہو علامہ شامی فرماتے ہیں:

وفی کتاب الفردوس "من قبل ظفری أبهامه عند سماع "أشهد أن محمداً رسول اللّٰه"..... وذکر ذلک الجراحی وأطال، ثم قال: ولم یصح من المرفوع من کل هذا شیء

.(شامی: ۱/۳۹۸، سعید)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کے متعلق جو احادیث اور روایات آئی ہیں وہ مسند الفردوس دیلمی کے حوالے سے موضوعاتِ کبیر اور تذکرۃ الموضوعات اور الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ وغیرہ میں منقول ہیں۔

علامہ سخاویؒ کے حوالے سے ملا علی قاریؒ مذکورہ روایات کے متعلق نقل فرماتے ہیں کہ "**لا یصح**" (موضوعاتِ کبیر: ص ۷۵) یعنی روایات صحیح نہیں ہے۔

اور علامہ محمد طاہرؒ قمطراز ہیں کہ "**ولا یصح**" (تذکرۃ الموضوعات ص ۳۴) یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

اور امام المحدثین علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں: **الأحادیث التی رویت فی تقبیل الأنامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه ﷺ عن المؤذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات** .یعنی مؤذن سے کلمہ شہادت میں آپ ﷺ کا نام مبارک سن کر انگلیاں چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کے متعلق جو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں وہ سب موضوع یعنی غلط اور بناوٹی ہیں۔ (تیسیر المقال وغیرہ) موضوع حدیث پر عمل ناجائز ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/۶۰)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

اذان میں بوقتِ شہادتین انگوٹھا چومنا سنت سمجھ کر صحیح نہیں ہے۔اور چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ سنت سمجھ کر کرتے ہیں اور تارک کو ملام اور مطعون کرتے ہیں اس لئے اب اس کو علماء محققین نے متروک کر دیا۔(فتاوی دار العلوم دیوبند:۲/۹۰،از مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ)

کفایت المفتی میں ہے:

اذان میں بوقتِ شہادتین انگوٹھا چوم کر آنکھوں پر لگانے کا کوئی ثبوت نہیں۔(کفایت المفتی:۳/۵۱)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوقتِ اذان صرف علاج کے لئے انگلیوں کو آنکھوں پر رکھنا:

سوال: اگر کوئی شخص اذان کے وقت انگلیوں کو آنکھوں پر علاج اور تکلیف دور کرنے کے لئے رکھے اس کو سنت نہ سمجھے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: کفایت المفتی میں ہے:

تقبیلِ ابہامین کا کوئی پختہ ثبوت نہیں اس لئے اس کو موجبِ ثواب سمجھ کر کرنا بے ثبوت بات ہے۔البتہ بعض لوگ اس کو بیماری چشم سے محفوظ رہنے کا عمل سمجھ کر کرتے ہیں تو اس صورت میں مثل دیگر عملیات وتعویذات کے یہ عمل بھی مباح ہوگا۔مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تارک پر کوئی طعن یا ملامت نہ کی جائے جو اس عمل کو کرے ،کرے جو نہ کرے نہ کرے۔

نیز دوسری جگہ مذکور ہے:

بعض بزرگوں نے اس فعل کو آنکھوں کی بیماری سے محفوظ رہنے کا ایک عمل قرار دیا ہے تو یہ شرعی بات نہ ہوئی اگر اس کو یہ سمجھ کر کرے کہ اس عمل کو کرنے سے آنکھیں نہیں دکھتیں تو اسے اختیار ہے۔(کفایت المفتی:۳/۵۷)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ یہ آشوبِ چشم کا مجرب علاج ہے اس کو سنتِ ہدی سمجھ کر بطورِ عبادت کرنا بے اصل بلکہ بدعت ہے اس لئے ترک لازم ہے۔ہاں اگر کوئی آشوبِ چشم کے علاج کی غرض سے اس طرح کرے جس سے دوسروں کو سنت وثواب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو درست ہے۔(فتاوی محمودیہ:۳/۱۶۰،باب البدعات والرسوم، جامعہ فاروقیہ)

تقبیل ابہامین سے متعلق روایات کی تفصیل المقاصد الحسنہ میں ص:۳۸۴ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

اذان کے بعد کی دعا میں "والدرجة الرفيعة" پڑھنے کا حکم:

سوال: اذان کے بعد کی دعا میں "والدرجة الرفيعة" عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی کے ہندستانی نسخہ میں موجود ہے اور غیر ہندستانی نسخوں میں نہیں ہے تو کیا ان لفظوں کو پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: بعض نسخوں میں یہ اضافہ مرقوم ہے مثلاً ہندستانی نسخہ اور دیگر بعض میں نہیں ہے مثلاً آرام باغ کراچی سے ایک مصری عالم کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے، اسی طرح دکتور عبدالرحمٰن کوثر بن محمد عاشق الٰہی کی تحقیق کے ساتھ چھپا ہے اس میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے۔ (ص:۷۷، دارالأرقم)

نیز شیخ عبدالرحمٰن اس کی ابتداء میں تحریر فرماتے ہیں:

وكانت عندى نسخة مخطوطة حصلت بمساعى سيدى الوالد من مكتبة المولوى خدا الواقعة فى بيته (بهار) الهند، ونسختان طبعتا بدائرة المعارف العثمانية فى حيدر آباد الدكن (الهند)، ونسخة طبعت بدار المعرفة بيروت، ونسخة نشرت من مكتبة التراث الإسلامى بجوار إدارة الأزهر. (ص:۱۰)

حضرت نے کافی سارے نسخوں کو سامنے رکھ کر تحقیق فرمائی اس کے باوجود یہ زیادتی دستیاب نہیں ہوئی، لہذا جو ثابت ہے اس کو پڑھنا چاہئے اور جو ثابت نہیں ہے اس کو نہیں پڑھنا چاہئے، ہاں آخر میں "إنک لاتخلف الميعاد" بعض روایات میں ہے لہذا اس کا پڑھنا درست ہے۔

مواہب الجلیل شرح مختصر الخلیل میں ہے:

زاد بعضهم فى الحديث المذكور بعد قوله والفضيلة والدرجة الرفيعة، قال الحافظ السخاوى فى المقاصد الحسنة فى الأحاديث المشتهرة على الألسنة: لم أره فى شىء من الروايات، قال: وكان من زادها اغتر بما وقع فى بعض نسخ الشفاء فى الحديث المشار إليه لكن مع زيادتها فى هذه النسخة علم عليها كاتبها بما يشير إلى الشک فيها، ولم أرها فى سائر نسخ الشفاء بل عقد لها فى الشفاء فصلا فى معان آخر ولم يذكر فيه حديثاً صريحاً وهو دليل لغلطها انتهى. قلت: يشير إلى قوله: فصل فى تفضيله فى الجنة بالوسيلة والدرجة الرفيعة والكوثر والفضيلة انتهى. وقال الدميرى من الشافعية فى شرح المنهاج: وقع فى

Maktaba Tul Ishaat.com

الشرح والروضة والمحرر بعد "الفضيلة "زيادة والدرجة الرفيعة ولا وجود لها فى كتب الحديث. (مواهب الجليل: ۱۰٤/۲)

ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

وأما زيادة والدرجةالرفيعة المشتهرة على الألسنة فقال السخاوى لم أره فى شيء من الروايات. (مرقاة المفاتيح: ۱٦۳/۲)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال ابن حجر فى شرح المنهاج:وزيادة "والدرجة الرفيعة"وختمه بـ"يا أرحم الراحمين" لاأصل لهما. (الشامى:۳۹۸/۱،سعيد)

اعلاء السنن میں ہے:

وأما زياده يا أرحم الراحمين فلا وجود لها فى كتب الحديث،قلت:وكذلك زيادة وارزقنا شفاعته لم أرها فى حديث،وحكم مثل هذه الزيادة الغير الثابتة قد مرقريبا،وفى المقاصد الحسنة: (ص ۱۰):**حديث الدرجة الرفيعة المدرج فيها يقال بعد الأذان لم أره فى شيء من الروايات.** (اعلاء السنن: ۱۲۸/۲،ادارة القرآن كراچى)

بذل المجہود میں ہے:

وأما زيادة والدرجة الرفيعة المشتهرة على الألسنة فقال السخاوى:لم أره فى شيء من الروايت وزاد البيهقى فى روايته"إنک لاتخلف الميعاد" وأما زيادة يا أرحم الراحمين فلا وجود لها فى كتب الحديث. (بذل المجهود:۹٤/٤)

شیخ البانی ارواء الغلیل میں لکھتے ہیں:

تنبيه:وقع عند البعض زيادات فى متن هذا الحديث فوجب التنبيه عليها.....الرابعة عند ابن السنى والدرجة الرفيعه وهى مدرجة أيضا من بعض النساخ فقد علمت مما سبق أن الحديث عنده من طريق النسائى وليست عنده ولا عند غيره،وقد صرح الحافظ فى التلخيص: (ص۷۸) **ثم السخاوى فى المقاصد:** (ص۲۱۲) **انها ليست فى شيء من طرق الحديث.** (ارواء الغليل: ۲٦۱/۱، المكتب الاسلامى بيروت)

کفایت المفتی میں ہے:

والدرجة الرفيعه اور **وارزقنا شفاعته يوم القيامة** کا ثبوت نہیں، ہاں آخر میں **انک لاتخلف الميعاد** بیہقی کی روایت میں آیا ہے کذا فی الشامی، پس غیر ثابت الفاظ کو نہیں پڑھنا چاہئے لیکن اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں پڑھ لے تو مضائقہ بھی نہیں۔ (کفایت المفتی: ۳/۶۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اذان ختم ہونے کے بعد جواب دینے کا حکم:

سوال: اذان ختم ہوئی اور سامع نے ساتھ ساتھ جواب نہیں دیا تو بعد میں جواب دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اذان ختم ہونے کے بعد اگر زیادہ وقت نہیں گذرا تب بھی جواب دینا مستحب ہے۔ اگر زیادہ وقفہ ہوگیا تو جواب نہ دے۔

ملاحظہ ہو بحر میں ہے:

ولم أر حكم ما إذا فرغ المؤذن ولم يتابعه السامع هل يجيب بعد فراغه، وينبغي أنه إن طال الفصل لايجيب وإلايجيب. (البحر الرائق: ۱/۲۶۰، باب الاذان)

درمختار میں ہے:

ولولم يجبه حتى فرغ لم أره، وينبغي تداركه إن قصر الفصل وفي الشامية: (قوله لم أره) البحث لصاحب البحر، وصرح به ابن حجرؒ في شرح المنهاج حيث قال: فلوسكت حتى فرغ كل الأذان ثم أجاب قبل فاصل طويل كفيٰ في أصل سنة الإجابة كما هو ظاهر.

(الدرالمختار مع الشامی: ۱/۳۹۸، سعید کمپنی۔ وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۱۰۹ قدیمی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جنبی اور حائضہ کے لئے اذان کا جواب دینے کا حکم:

سوال: جنبی اور حائضہ اذان کا جواب دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: جنبی بالاتفاق اذان کا جواب دے سکتا ہے البتہ حائضہ کے بارے میں دو قول ہیں، لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک حائضہ اذان کا جواب نہیں دے گی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

درمختار میں ہے:

ویجیب وجوباً، وقال الحلوانی ندباً،.....ولو جنباً لاحائضاً ونفساء.....وفی الشامیة : (قولہ ولو جنباً) لأن إجابة المؤذن لیست بأذان بحرعن الخلاصة.(قولہ لاحائضاً ونفساء) لأنہما لیسا من أھل الإجابة بالفعل فکذا بالقول إمداد:أی بخلاف الجنب فإنہ مخاطب بالصلاة ولأن حدثہ أخف من الحیض والنفاس لإمکان إزالتہ سریعاً. (الدرالمختارمع الشامی: ۱/ ۳۹۶)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

علماء کرام نے لکھا ہے کہ حائضہ اور نفاس والی خواتین کو اذان کا جواب دینا صحیح نہیں۔(فتاوی حقانیہ:۳/۶۸)

مزید ملاحظہ ہو: الفتاوی الھندیة:۱/۳۸،والفقہ الاسلامی وأدلتہ:۱/۵۵۴،ومراقی الفلاح:ص ۱۱۰۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حالتِ جنابت میں اذان دینے کا حکم:

سوال: حالتِ جنابت میں اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب: حالتِ جنابت میں اذان دینا مکروہ ہے اور اگر ایسی حالت میں اذان دی گئی تو قابلِ اعادہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قولہ ویکرہ أذان جنب)لأنہ یصیر داعیاً إلی ما یجیب إلیہ، وإقامتہ أولیٰ بالکراھة، وصرح فی الخانیة بأنہ تجب الطھارة فیہ عن أغلظ الحدثین، وظاھرأن الکراھة تحریمیة بحر.(قولہ ویعاد أذان جنب) ندباً وقیل وجوباً وعلل الوجوب بأنہ غیرمعتد بہ والندب بأنہ معتد بہ إلاأنہ ناقص، قال:وھوالأصح کما فی التمرتاشی.(شامی:۱/۳۹۳،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وکرہ أذان جنب وإقامتہ باتفاق الروایات والأشبہ أن یعاد الأذان ولاتعاد الإقامة. (الفتاوی الھندیة:۱/۵۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حیی علی الصلاۃ اور حیی علی الفلاح کے وقت پورا جسم گھمانے کا حکم:

سوال: اذان میں حیی علی الصلاۃ اور حیی علی الفلاح کے وقت پورا جسم گھمائے یا صرف سر گھمانا کافی ہے؟

الجواب: صرف سر ہی کو گھمائے سینہ اور قدم کو نہ گھمائے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ويلتفت)أي يحول وجهه لاصدره قهستاني ولاقدميه نهر. (شامي: ۱/۳۸۷، سعيد)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا انتهى إلى الصلاة والفلاح حول وجهه يميناً وشمالاً وقدماه مكانهما..... (الفتاوى الهندية: ۱/۵۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مساجد میں سیٹیلائٹ کے ذریعہ ٹیلیکاسٹ کرنے کا حکم:

سوال: آج کل بعض ممالک میں صرف ایک ہی مسجد میں اذان دی جاتی ہے اور بقیہ مساجد میں اسی اذان کو سیٹیلائٹ (satellite) کے ذریعہ ٹیلیکاسٹ (telecast) کیا جاتا ہے۔ کیا یہ اذان دیگر مسجد کے لئے کافی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اذان صرف اعلان کا نام نہیں بلکہ اذان کے لئے شرائط وآداب ہیں استقبالِ قبلہ، کانوں میں انگلیاں ڈالنا وغیرہ یہ چیزیں سیٹیلائٹ والی اذان میں نہیں پائی جاتیں۔ اگر اذان کا مقصد صرف اعلان واطلاع ہوتی تو پھر منفرد اور سفر میں جب ساتھی جمع ہوں اذان نہیں کہنی چاہئے تھی۔ لیکن اذان تو مخصوص کلمات کے کہنے اور کسی مسلمان مؤذن کی زبان سے ادا ہونے کا نام ہے۔ جیسے پلاسٹک لڑکی بیوی کے قائم مقام نہیں ہوسکتی اسی طرح اسٹیل کے آلہ کی اذان اصل مؤذن کی اذان کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔

البحر الرائق میں ہے:

سن الأذان لصلوات الخمس والجمعة سنة مؤكدة قوية قريبة من الواجب حتى أطلق بعضهم عليه الوجوب ولهذا قال محمدؒ: واجتمع أهل بلد على تركه قاتلناهم عليه وعند أبي يوسفؒ يحبسون ويضربون وهويدل على تأكده لاعلى وجوبه...واختارفي فتح القدير

Maktaba Tul Ishaat.com

وجوبه لأن عدم الترک مرة دليل الوجوب و لا يظهر كونه على الكفاية وإلا لم يأثم أهل بلد ة بالإجماع على تركه إذا قام به غيرهم ولم يضربوا ولم يحبسوا... والظاهر كونه على الكفاية بمعنى أنه إذا فعل في بلد سقطت المقاتلة عن أهلها لا بمعنى أنه إذا أذن واحد في بلد سقط عن سائر الناس من غير أهل تلک البلدة إذا لم يحصل إظهار إعلام الدين.

(البحرالرائق:۱/۲۵۵)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ويكره أداء المكتوبة بالجماعة فی المسجد بغير أذان وإقامة كذا فی فتاوی قاضيخان ولا يكره تركهما لمن يصلی فی المصر إذا وجد فی المحلة ... وإذا لم يؤذن فی تلک المحلة يكره له تركهما. (الفتاوی الهندية:۱/۵٤)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

دو مسجدیں قریب قریب ہیں ایک کی اذان دوسری تک سنائی دیتی ہے تو کیا ایک ہی مسجد میں پڑھنا کافی ہے یا نہیں؟ اگر کافی نہیں تو دوسری مسجد والے کہ جس میں اذان نہیں ہوتی تھی گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: دونوں مسجدوں میں علیحدہ علیحدہ اذان مسنون ہے، صرف ایک پر اکتفاء کرنا خلافِ سنت ہے، جو لوگ ایسا کریں گے وہ تارکِ سنت ہوں گے۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۳۹۹، باب الاذان، جامعہ فاروقیہ)۔

چونکہ یہ مسئلہ آج کل عرب ممالک میں زیادہ پیش آتا ہے اس وجہ سے عرب علماء کے چند جوابات ملاحظہ کیجئے:

فتاوی اللجنة الدائمة میں ہے:

سوال: هل من الواجب الأذان فی جميع المساجد بمكبرات الصوت فی حيّ واحد مع العلم أن أذان مسجد واحد يسمعه جميع المسلمين ؟ وهل يكفی الأذان فی مسجد واحد من مساجد الحيّ؟

جواب: الأذان فرض كفاية فإذا أذن مؤذن فی الحيّ وأسمع سكانه أجزأهم، ويشرع لأهل كل مسجد أن يؤذنوا لعموم الأدلة. (اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء:٦/٧٣).

وفي موقع الإسلام سؤال والجواب للشيخ محمد صالح المنجد ...إنه لا يكفي فی الإذان المشروع للصلوات المفروضة أن يؤذن من الشريط المسجل عليه الأذان ، بل

الواجب أن يؤذن المؤذن للصلاة بنفسه ؛ لما ثبت من أمره عليه الصلاة والسلام بالأذان .

(السؤال من الفتاوى ،رقم: ٤٨٩٩٠).

وفي فتاوى اللجنة الدائمة: وقد قرر " مجلس المجمع الفقهي الإسلامي برابطة العالم الإسلامي " الدورة التاسعة ـ في مكة المكرمة ـ من يوم السبت لعام :١٤٠٦هـ ما يلي :

إن الاكتفاء بإذاعة الأذان في المساجد عند دخول وقت الصلاة بواسطة آلة التسجيل ، ونحوها ؛ لا يجزئ ، ولا يجوز في أداء هذه العبادة ، ولا يحصل به الأذان المشروع ، وأنه يجب على المسلمين مباشرة الأذان لكل وقت من أوقات الصلوات ، في كل مسجد ، على ما توارثه المسلمون من عهد نبينا ورسولنا محمد صلى الله عليه وسلم إلى الآن ، والله أعلم . (الموقع باشراف الشيخ محمد صالح المنجد حفظه الله). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسجد میں اذان دینے کا حکم:

سوال: بعض حضرات کہتے ہیں کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اس لئے کہ فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وينبغي أن يؤذن على المأذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ١/٥٥ـ وفي فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ١/٧٨)

آج کل مساجد میں لاؤڈ سپیکر (loud speaker) میں اذان دی جاتی ہے تو کیا مسجد میں محراب کے پاس یا کسی اور جگہ اذان دینا مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد میں لاؤڈ اسپیکر (loud speaker) پر اذان دینا درست ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں اور جن فقہاء نے مکروہ لکھا ہے اس کی علت فقط باہر آواز کا نہ پہونچنا ہے اور جب آواز ہر جگہ لاؤڈ اسپیکر سے پہنچ جاتی ہے تو یہ علت نہ پائی گئی، نفسِ مسجد سے کراہت کا کوئی تعلق نہیں۔

مفتی اعظم حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے اس مسئلہ کی بہت اچھی تحقیق کی ہے، مفتی صاحب کے کلام کی روشنی میں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں:

اذان کے معنی لغت میں اعلام کے ہے اور اصطلاحِ شرع میں اعلامِ مخصوص کو اذان کہتے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

درمختار میں ہے:

هو لغةً الإعلام، وشرعاً: الإعلام المخصوص. (الدرالمختار: ۱/۳۸۳، سعید)

اذان کی مشروعیت کتبِ احادیث سے اسی قدر ثابت ہے کہ نمازیوں کو اوقاتِ اذان کی اطلاع ہوجاوے اور مسجد میں حاضر ہوکر باجماعت نماز ادا کریں، **وهذا ما أخرجه مسلم عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ أنه قال: كان المسلمون حين قدموا المدينة فيتحيّنون الصلوات وليس ينادى بها أحد فتكلّموا يوماً في ذلك: فقال بعضهم.....إلى آخر الحديث.** (مسلم شريف: ۱/۱٦٤)

وفي السنن الكبرى للبيهقي عن أنس رضی اللہ عنہ قال: ذكروا أن يعلموا وقت الصلاة بشيء فيعرفونه فذكروا أن يضربوا ناقوساً.....الخ. (السنن الكبرى: ۱/۳۹۰، بيروت)

وفيه أيضاً عن بعض الأنصار اهتمّ النبي ﷺ للصلاة كيف يجمع الناس لها، فقيل له أنصب رأيةً.....الخ. (السنن الكبرى: ۱/۳۹۰ـ وسنن أبي داؤد: ۱/۷۱)

اذان کے کلمات پر غور کرو تو صرف ذکر اللہ ہے یا ذکر اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے۔

ان کلمات کو مسجد سے کسی قسم کی منافات نہیں، اور خارجِ مسجد سے کوئی خاص مناسبت نہیں بلکہ بظاہر تو معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مساجد کی بناء نماز و ذکر اللہ کے لئے ہے۔

وذلك ما أخرجه مسلم عن أنس رضی اللہ عنہ في قصة الأعرابي.....ثم أن رسول الله ﷺ قال له: إن هذه المساجد لاتصلح لشيء من هذا البول ولا القذر، إنما هي لذكر الله والصلاة وقراءة القرآن. (مسلم شريف: ۱/۱۳۸)

لیکن چونکہ اذان سے مقصود اعلام اور اطلاع عام ہے، اس لئے بلند جگہ اذان دینا اولیٰ ہوگا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلند مقام پر اذان دینے کا اہتمام تھا، لیکن مسجد یا خارج مسجد کا کوئی التزام نہ تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد اور خارجِ مسجد دونوں جگہ اذان دینا ثابت ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وينبغي أن يؤذن على المأذنة أو خارج المسجد، ولا يؤذن في المسجد كذا في فتاوى قاضي خان، والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه ويرفع صوته ولا يجهد نفسه كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۵ـ وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۵۵ـ ورد المحتار: ۱/۳۸٤)

شامی میں ہے:

قلت: والظاهر أن هذا في مؤذن الحي، أما من أذن لنفسه أو لجماعة حاضرين فالظاهر أنه لايسن له المكان العالي لعدم الحاجة تأمل. (شامی: ۱/۳۸٤، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ويكره الأذان قاعداً وإن أذن لنفسه قاعداً فلا بأس به. (الفتاوى الهندية: ۱/٥٤)

(ان عبارات سے یہ بات واضح ہے کہ جہاں اعلام اور اطلاعِ عام مقصود نہ ہو وہاں بلند جگہ اذان دینا ضروری نہیں)

شامی میں ہے:

وقال ابن سعد بالسند إلى أم زيد بن ثابت: كان بيتي أطول بيت حول المسجد، فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلى أن بني رسول الله ﷺ مسجده، فكان يؤذن بعد على ظهر المسجد، وقد رفع له شيء فوق ظهره. (شامی: ۱/۳۸۷، سعید)

والحديث أخرجه ابن سعد في الطبقات الكبرى حيث قال: انا محمد بن عمر، ثنى محمد عن يحيى بن عبد الله بن عبد الرحمن بن سعد بن زرارة قال: أخبرني من سمع النوار أم زيد بن ثابت تقول: كان بيتي أطول بيت حول المسجد، فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلى أن بني رسول الله ﷺ مسجده، فكان يؤذن بعد على ظهر المسجد وقد رفع له شيء فوق ظهره. (الطبقات الكبرى لابن سعد: ۸/ ٤٢٠ ـ ومن نساء بني عدي بن النجار، النوار دار صادر، بيروت)

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجدِ نبوی کی تعمیر سے پہلے امِ زید کے مکان پر جو مسجد سے متصل تھا اذان ہوتی رہی، اور تعمیر مسجد کے بعد مسجد کی چھت پر ہونے لگی اور چھت پر اذان دینے کے لئے اسے کچھ بلند کر دیا گیا۔

اذان کی ابتداء عبداللہ بن زید صحابی رضی اللہ عنہ کے خواب سے ہوئی، چنانچہ اکثر کتب صحاح میں احادیث طویلہ اس مضمون کی موجود ہیں، مثلاً ابوداؤد میں ہے:

فجاء رجل من الأنصار فقال: يا رسول الله، إني لمارجعت لما رأيت من اهتمامك، رأيت رجلاً كأن عليه ثوبين أخضرين فقام على المسجد فأذن. (أبوداؤد: ۱/۷٤)

اس حدیث میں انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے سبز پوش آدمی کو مسجد پر اذان دیتے ہوئے دیکھا۔

وفي سنن ابن ماجة برواية عبد الله بن زيد رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ قال له: فاخرج مع بلال إلى

Maktaba Tul Ishaat.com

المسجد فالقها عليه ولیناد بلال فانه أندی صوتاً منک قال: فخرجت مع بلال ﷺ إلی المسجد فجعلت ألقيها عليه وهو ينادی بها. (ابن ماجة: ۵۱)

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ بلال ﷺ کو مسجد میں لے جا کر ان کو الفاظِ اذان بتلاؤ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

احادیثِ مذکورہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان مسجد اور مسجد کی چھت پر ہوئی، اور ظاہر ہے کہ مسجد کی چھت جملہ احکام میں مسجد ہے، بلکہ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ سب سے پہلی اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حکم سے مسجد میں ہوئی، الغرض چونکہ اطلاع عام کے لئے اس لئے بلند جگہ ہونا انسب ہے خواہ مسجد ہو یا خارجِ مسجد۔

میرے نزدیک تو حضرات فقہاء جو اذان کو مسجد میں مکروہ یا نامناسب فرماتے ہیں، اسکا یہی مطلب ہے کہ اذان میں اعلام تام ہونا چاہئے، مسجد میں اذان دینے سے اعلام کافی نہ ہوگا، لہذا مسجد میں کسی اونچی جگہ یا خارج مسجد ہونی چاہئے، چنانچہ ارشادِ فقہاء "يؤذن على المسجد أو خارج المسجد" علی سبیل التردید ہے "أو" کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ "میذنة" پر ہونے کی صورت میں خارج المسجد ہونے کی ضرورت نہیں، اور یہ بات بھی واضح ہوئی کہ "میذنة" جزو مسجد ہے، اس لئے اگر معتکف "میذنة" یا مسجد کی چھت پر چڑھ جاوے تو اعتکاف باطل نہ ہوگا۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند، عزیز الفتاوی: جلد اول: ۲۷۹ جلد دوم ۱۸۰)

قولہ "اعتکاف باطل نہ ہوگا" **ذكره في المبسوط: وصعود المعتكف على المئذنة لايفسد اعتكافه.** (المبسوط: ٤/ ٢٠٤)

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو صعد المئذنة لم يفسد اعتكافه بلاخلاف. (بدائع: ٢/ ١١٥، سعيد)

قولہ "مئذنة مسجد کے حکم میں ہے" اس پر بہت سے جزئیات شاہد ہیں، مثلاً محیط میں مذکور ہے:

وإذا صلى في المئذنة مقتدياً بإمام في المسجد تجوز صلاته، وكذا لو صلى على سطح المسجد مقتدياً بإمام في المسجد تجوز صلاته. (المحيط: ١٢٠٢، داراحياء التراث)

مزید ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی: ٢/ ٢٩٤، ٢٩٥۔ واعلاء السنن: ٨/ ٨٦۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند: مکمل و مدلل: ٢/ ١٠٠۔ وبذل المجهود: ٦/ ٨٥۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اذان یا اقامت میں اگر کوئی کلمہ بھول جائے تو بعد میں یاد آنے پر اعادہ کا حکم:

سوال: اذان یا اقامت میں کوئی کلمہ بھول جائے اور بعد میں یاد آئے تو اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر فوراً یاد آ گیا تو جو کلمہ چھوٹ گیا تھا وہیں سے اعادہ کر لے، البتہ استیناف افضل ہے۔ اور اگر کچھ دیر بعد یاد آیا تو شروع سے لوٹائے۔

درمختار میں ہے:

ولو قدم فيهما مؤخراً أعاد ماقدم فقط. وفي الشامية: (قوله أعاد ما قدم فقط) كما لو قدم الفلاح على الصلاة يعيده فقط أي ولا يستأنف الأذان من أوله. (الدرالمختار مع الشامي: ۳۸۹/۱، سعيد)

وفي تقريرات الرافعي:

(قول الشارح أعاد ما قدم فقط) أي أجزأه ذلك لكن الاستئناف أفضل، حموي.

(تقريرات الرافعي على هامش الشامي: ٤٦/١، سعيد)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ويرتب بين كلمات الأذان الإقامة كما شرع، وإذا قدم في أذانه وإقامته بعض الكلمات على بعض نحو أن يقول: "أشهد أن محمداً رسول الله" قبل قوله: "أشهد أن لا إله إلا الله" فالأفضل في هذا أن ما سبق على أوانه لا يعتد به حتى يعيده في أوانه وموضعه. (الفتاوى الهندية: ٥٦/١، الفصل الثاني في كلمات الاذان والاقامة ـ وكذا في بدائع الصنائع: ١٤٩/١، سعيد)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اگر کوئی کلمہ بھول جائے یا تقدیم وتاخیر کرے تو اختتام سے قبل اس کا ازالہ کر کے آگے ترتیب سے اذان کہنا شروع کرے، البتہ اگر غلطی کا احساس اذان کے بعد ہوا اور باتوں کی وجہ سے تدارک ممکن نہ ہو تو اعادہ کیا جائے۔ (فتاوی حقانیہ: ۴۹/۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وقت کا داخل ہونا معلوم ہو تو اذانِ فاسق کا حکم:

سوال: اگر وقت کا داخل ہونا معلوم ہے تو فاسق کی اذان مکروہ ہوگی یا بلا کراہت جائز ہوگی؟

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: فاسق کو مستقل مؤذن بنانا مکروہ تحریمی ہے، یہ اذان کی اہمیت کم کرانے کے مترادف ہے، ہاں کبھی کبھی اذان دے اور وقت کا داخل ہونا معلوم ہو تو کوئی حرج نہیں۔

نورالایضاح میں ہے:

ویکرہ اقامة الفاسق واذانه. (نورالایضاح ص ٦٠)

درمختار میں ہے:

ویکرہ أذان جنب... وفاسق. وفی الشامی:(قوله ویعاد أذان جنب) زاد القهستانی: والفاجر... وعلل الوجوب بأنه غیرمعتد به، والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص قال وهو الأصح کما فی التمرتاشی... وینبغی أن لایصح أذان الفاسق بالنسبة إلی قبول خبره والاعتماد علیه أی لأنه لایقبل قوله فی الأمورالدینیة فلم یوجد الإعلام کماذکره الزیلعی وحاصله أنه یصح أذان الفاسق وإن لم یحصل به الإعلام:أی الاعتماد علی قبول قوله علی دخول الوقت...ثم الظاهرأن الإعادة إنما هی فی المؤذن الراتب، أما لوحضر جماعة عالمون بدخول الوقت وأذن لهم فاسق أوصبی یعقل لایکره ولایعاد أصلاً لحصول المقصود تأمل. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۱/۳۹۲،۳۹۳،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ویکرہ أذان الفاسق ولایعاد هکذا فی الذخیرة. (الفتاوی الهندیة: ۱/٥٤)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

فاسق کی اذان واقامت دیندار آدمی کی موجودگی میں مکروہ ہے، اور اس کو اذان واقامت کا عہدہ دینا جائز نہیں ہے مکروہ تحریمی ہے۔ جوہرہ نیرہ میں ہے:**ویکرہ ان یکون المؤذن فاسقاً.** یعنی فاسق کو مؤذن بنانا مکروہ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ:۳/۱۵)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

ڈاڑھی منڈانے والے کا اذان دینا مکروہ ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۵/۴۳۸، باب الاذان، جامعہ فاروقیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

فاسق کی اذان واقامت مکروہ تحریمی ہے، اس کی اذان کا اعادہ مستحب ہے اقامت نہ لوٹائی جائے۔ بحوالہ

شامی۔(احسن الفتاوی:۲/ ۲۸۷)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نومولود کے کان میں اذان واقامت کا حکم:

سوال: نومولود کے داہنے کان میں پیدائش کے بعد اذان دیتے ہیں اور بائیں کان میں اقامت حدیث اور فقہ کی کتابوں کی روشنی میں یہ سنت ہے یا مستحب یا واجب؟ اور اس حدیث کا کیا درجہ ہے جس میں داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کا ذکر ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ نومولود کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا احادیث اور کتبِ فقہ کی روشنی میں مستحب ہے، یعنی سنتِ غیر مؤکدہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل نہ ہونے کی وجہ سے سنتِ مؤکدہ نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبيد الله بن أبي رافع عن أبيه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن في أذن الحسن بن علي رضي الله عنه حين ولدته فاطمة رضي الله عنها بالصلاة . (رواه الترمذی،رقم:١٥١٤)، **وقال: هذا حديث حسن صحيح .**

وأخرجه أحمد في "مسنده" (٢٣٨٦٠/٢٩٧/٣٩)، **قال الشيخ شعيب: "إسناده ضعيف لضعف عاصم بن عبيد الله: وهو ابن عاصم بن عمر بن الخطاب ، وبقية رجال الإسناد ثقات رجال الشيخين .**

...وأخرجه أبو داود (٥١٠٥) **من طريق يحيى وحده ، به.**

وأخرجه عبدالرزاق (٧٩٨٦)، **والطبراني في "الكبير"** (٩٣١)، **والحاكم** (٤٨٢٧/١٧٩/٣) **والبيهقي في "السنن"** (٣٠٥/٩)، **وفي "شعب الإيمان"** (٨٦١٨) **من طرق عن سفيان الثوري ، به. قال الحاكم : هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ، فتعقبه الذهبي بقوله : عاصم ضُعِّفَ .**

اقامت کے بارے میں حدیث ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم : أذن في أذن الحسن بن علي يوم ولد

Maktaba Tul Ishaat.com

فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى . (رواه البيهقي في شعب الايمان،رقم:٨٢٥٥، وقال: في إسناده ضعف).

قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف فيه الحسن بن عمرو بن سيف السدوسي وهو متروك، واتهمه على ابن المديني والبخاري بالكذب. (تعليقات الشيخ شعيب على مسند احمد٣٩/٢٩٧).

[الملاحظة : قد وهِم فيه الإمام المزيّ ، كما نبه عليه الشيخ الدكتور بشارعواد في تعليقه على " تهذيب الكمال". راجع : (٦/٢٨٨،٢٨٩، مع التعليقات).]

عن الحسين بن علي ؓ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من ولد له مولود فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى رفعت عنه أم الصبيان. (رواه البيهقي في شعب الايمان، رقم:٨٢٥٤، وقال : في اسناده ضعف).

قال الشيخ شعب في تعليقاته على مسند أحمد (٣٩/٢٩٨): **وآخر أشد هلاكاً من الأول ، عند أبي يعلى** (٦٧٨٠)، **وعنه ابن السني في"عمل اليوم والليلة "**(٦٢٣) **من حديث حسين بن علي... وفي إسناده يحيى بن العلاء و مروان بن سالم ، وهما متهمان بالوضع . وشيخ أبي يعلى فيه جبارة بن مغلس ، وهو ضعيف .**

خلاصہ یہ ہے کہ نومولود کے کان میں اذان دینے کے بارے میں ابورافع کی روایت ضعیف ہے،لیکن دیگر شواہد کی وجہ سے حسن ہوگی۔

قال بشير محمد عيون في تعليقاته على " تحفة المودود" لابن القيم (ص٢٢): **وهو ضعيف لكن له شواهد يقوى بها .**

البتہ اقامت کے بارے میں ابن عباسؓ کی روایت ضعیف ہے ،اور حسین بن علی کی روایت تو انتہائی ضعیف ہے۔ہاں ابن عباسؓ کی روایت فضائل اعمال میں قابل استدلال ہے۔

قال الشيخ شعيب في تعليقاته على مسند أحمد (٣٩/٢٩٨):**قلنا: ومع ضعف الحديث الوارد في هذه المسألة ، فقد عمل به جمهور الأمة قديماً وحديثاً ، ... وقد أورده أهل العلم في كتبهم وبوبوا عليه واستحبوه .**

قال الحافظ ابن القيم في "تحفة المودود بأحكام المولود، (ص۲۲،ط:الرياض): **الباب الرابع في استحباب التأذين في أذنه اليمنى والإقامة في أذنه اليسرى .**

وفي شرح السنة: روى أن عمر بن عبدالعزيزؒ كان يؤذن في اليمنى ويقيم في اليسرى إذا ولد الصبي. (شرح السنة للامام البغويؒ: ۲۷۳/۱۱،باب الاذان فی اذن المولود،ط:المكتب الاسلامی) .

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله لايسن لغيرها، أى من الصلوات وإلا فيندب للمولود و في حاشية البحر للخير الرملي : رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة كما في أذان المولود. (رد المحتار: ۳۸۵/۱،سعيد).

تقریرات الرافعی میں ہے:

قال السندى فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن في أذنه ويقيم في اليسرى. (التحرير المختار: ٤٥/١،سعيد).

عمدۃ الفقہ میں ہے:

کچھ مواقع ایسے ہیں جب میں اذان واقامت یا صرف اذان مستحب ہے(۱)جب بچہ پیدا ہوتو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا۔(عمدۃ الفقہ :۲/۴۰)۔

بہشتی زیور میں ہے:

بچہ پیدا ہونے کے وقت یہ باتیں سنت ہیں کہ اس کو نہلا دھلا کر داہنے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہدی جائے...(بہشتی زیور،ص۴۶۰)۔

قال السيد السابق في " فقه السنة"(۳۲۹/۳): **ومن السنة أن يؤذن في أذن المولود اليمنى ، ويقيم في الأذن اليسرى ليكون أول ما يطرق سمعه اسم اللّٰه .**

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

السنة أن يؤذن في أذن المولود عند ولادته ذكراً كان أو أنثى...لحديث أبي رافع ... قال جماعة من أصحابنا يستحب أن يؤذن في أذنه اليمنى ويقيم الصلاة في أذنه اليسرى ... ونقل أصحابنا مثل هذا الحديث عن فعل عمر بن عبد العزيزؒ. (شرح المهذب:٤٤٣/٨).

Maktaba Tul Ishaat.com

کشاف القناع میں ہے:

وسن أن يؤذن في أذن المولود اليمنى ذكراً كان أو أنثى حين يولد وأن يقيم في اليسرى لحديث أبي رافع ...(كشاف القناع،لمنصور بن يونس البهوتي الحنبلي،۲۹/۳،ط:بيروت).

شیخ ابوالجزائری سلفیوں کے پیشوا منہاج المسلم میں لکھتے ہیں:

الأذان والإقامة في أذني المولود : استحب أهل العم إذا وضع المولود أن يؤذن في أذنه اليمنى ، ويقام في أذنه اليسرى ، رجاء أن يحفظه اللّٰه من أم الصبيان وهي تابعة الجان . لما روى : "من ولد له مولود فأذن في أذنه اليمنى، وأقام في أذنه اليسرى، لم تضره أم الصبيان". (منهاج المسلم،ص:۳۲۱).[جب کہ یہ حدیث شیخ البانی وغیرہ کے نزدیک موضوع ہے] **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ:

سوال: اگر کوئی شخص نومولود بچہ کے کان میں اذان دے تو اس کے لئے دائیں بائیں التفات کرنا مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب: نومولود بچہ کے کان میں اذان دیتے وقت بھی دائیں بائیں التفات کرنا مستحب ہے۔

درمختار میں ہے:

ويلتفت فيه يميناً ويساراً فقط.....بصلاة وفلاح ولووحده أولمولود لأنه سنة الأذان مطلقاً.وفي الشامية:وفي البحرعن السراج أنه من سنن الأذان.....حتى قالوا:في الذى يؤذن للمولود ينبغي أن يحول. (الدرالمختار مع الشامي:۱ / ۳۸۳،سعيد-وهكذا في مجمع الانهر: ۷۷/۱-وكذا في الطحطاوي على الدر:۱۸۵/۱-ودررالاحكام:۵۵/۱-والبحرالرائق:۲۵۸/۱-والبناية في شرح الهداية:۵٤۱/۱)

امدادالفتاوی میں ہے:

التفات یمین ویسار جیسا اذان میں مسنون ہے ویسا ہی اقامت میں اور ایسے ہی بچہ کے کان میں۔(امداد الفتاوی:۱/۱۰۸-واحسن الفتاوی:۲/۲۷۸)۔-**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان واقامت کا حکم:

سوال: فوت شدہ نمازوں میں سے پہلی نماز کے لئے اذان واقامت کا کیا حکم ہے؟ اور بقیہ

نمازوں کے لئے صرف اقامت کافی ہے یا نہیں؟ نیز یہ حکم جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے لئے ہے یا منفرد کے لئے بھی؟

الجواب: پہلی نماز کے لئے اذان واقامت دونوں سنت ہیں، البتہ بقیہ نمازوں کے لئے اختیار ہے، اور یہ حکم جماعت کے ساتھ پڑھنے والوں کے حق میں اور منفرد کے حق میں یکساں ہے، لیکن اگر قضاء نماز مسجد میں ادا کرنا چاہے تو بغیر اذان واقامت کے ادا کرے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن أبی عبیدة بن عبداللّٰہ بن مسعود ﷺ قال: قال عبداللّٰہ ﷺ إن المشرکین شغلوا رسول اللّٰہ ﷺ عن أربع صلوات یوم الخندق، حتی ذهب من اللیل ماشاء فأمر بلالاً ﷺ فأذن ثم أقام، ثم صلی الظهر، ثم أقام فصلی العصر، ثم أقام فصلی المغرب، ثم أقام فصلی العشاء.

(رواه الترمذی: ۱/۴۳، باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلوات بایتهن یبدأ)

البحر الرائق میں ہے:

ویؤذن للفائتة ویقیم لأن الأذان سنة للصلاة لاللوقت فإذا فاتته صلاة تقضی بأذان وإقامة لحدیث أبی داؤد وغیره أنه ﷺ أمر بلالاً ﷺ بالأذان والإقامة حین ناموا عن الصبح وصلوها بعد ارتفاع الشمس. (البحر الرائق: ۱/ ۳۶۱، کوئٹه)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن فاتته صلوات أذن للأولی وأقام وکان مخیرفی الباقی إن شاء أذن وأقام وإن شاء اقتصر علی الإقامة کذا فی الهدایة وإن أذن وأقام لکل صلاة فحسن لیکون القضاء علی سنن الأداء کذا فی الکافی وهکذا فی شرح المبسوط للسرخسی. (الفتاوی الهندیة ۱/۵۵۔ وکذا فی الشامی: ۱/۳۹۰، سعید)

البحر الرائق میں ہے:

وذکر الشارح الضابط عندنا أن کل فرض أداء کان أوقضاء یؤذن له ویقام سواء أدی منفرداً أوبجماعة. (البحر الرائق: ۱/۲۶۲، کوئٹه)

درمختار میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

ولافیما یقضی من الفوائت فی مسجد فیما لأن فیه تشویشاً وتغلیطاً. وفی الشامی: أی یظهر أن لو کان الأذان لجماعة،أماإذاکان منفرداً ویؤذن بقدرما یسمع نفسه فلا. (الدرالمختار مع الشامی: ۱/۳۹۱،سعید)

البحرالرائق میں ہے:

وإذاکانوا قد صرحوا بأن الفائتة لاتقضی فی المسجد لما فیه من إظهارالتکاسل فی إخراج الصلاة عن وقتها فالواجب الإخفاء فالأذان للفائتة فی المسجد أولی بالمنع. (البحرالرائق: ۱/۲۶۲، کوئٹه)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بوقت اذان سلام کرنے یا سلام کا جواب دینے کا حکم:

سوال: اذان کے وقت آپس میں سلام کرنا درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: بوقتِ اذان سامعین اذان کا جواب دیں گے، لہذا آپس میں کلام کرنا درست نہیں اور کوئی سلام کرے تو جواب دینا بھی ضروری نہیں۔

شامی میں ہے:

قال فی المعراج :وفی التحفة وینبغی للسامع أن لایتکلم ولایشتغل بشیء فی حالة الأذان والإقامة ولایرد السلام أیضاً لأن الکل یخل بالنظم،أقول: یظهرمن هذا أن قوله لایرد السلام لیس بواجب. (شامی: ۱/۳۷۱،سعید۔وکذا فی البحرالرائق: ۱/۲۵۹، کوئٹه)

امدادالفتاوی میں ہے:

سوال: سامعینِ اذان کوخواہ وہ اذان کا جواب دے رہے ہوں یا سکوت میں ہوں کسی آئندہ شخص کے سلام کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں اور کسی کو ایسے موقع پر سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟

جواب: ایسے وقت میں سلام نہ کرنا چاہئے۔اور اگر سلام کہا ہو تو جواذان کا جواب دے رہا ہے اس پر تو اس سلام کا جواب دینا واجب نہیں اور جو ساکت ہے ظاہر یہ ہے کہ اس پر بھی واجب نہیں۔**لأن سماع الذکر کالذکر، کما فی الدرالمختار.** (امدادالفتاوی: ۱/۱۱۰)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اذان کا جواب دینے کے بعد وقت ہو تو اس میں کلام کرنے کا حکم:

سوال: اگر اتنی لمبی اذان دی جاتی ہو کہ جس میں جواب دینے کے بعد بہت وقت بچتا ہو کیونکہ ایک کلمہ کے جواب میں تین سیکنڈ خرچ ہوتے ہیں اور مؤذن کی ادائیگی ۱۵/۲۰ سیکنڈ ہوتی ہے تو درمیان میں کوئی کلام کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اصل چیز اذان کا جواب دینا ہے۔اسی وجہ سے فقہاء نے اذان کے وقت سلام کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اجابت میں خلل واقع ہوگا۔لیکن اگر درمیان میں اتنا وقفہ ہے کہ جواب دینے کے بعد وقت بچ جاتا ہے تو اس وقفہ میں ذکر یا کوئی اور کلام کیا جاسکتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن النبی ﷺ قال: إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن. (رواه البخاری: ۱/۸۶)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

دنیا کی بات اثنائے سکوت مؤذن بھی درست ہے۔(فتاوی رشیدیہ:ص۲۹۰)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

کلمات کے درمیان وقفہ میں یہ امور یعنی سلام وجوابِ سلام کرلینا جواب دینے کے منافی نہیں۔(عمدۃ الفقہ:۲/۴۲)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

”الصلاۃ خیر من النوم“ کے جواب میں ”صدقت وبررت“ کہنے کا حکم:

سوال: اذانِ فجر میں ”الصلاۃ خیر من النوم“ کے جواب میں ”صدقت وبررت“ کہنا کسی روایت میں وارد ہے یا نہیں؟ نیز کہنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اذانِ فجر میں ”الصلاۃ خیر من النوم“ کے جواب میں ”صدقت وبررت“ کہنا کسی روایت میں وارد نہیں ہے اور بعض فقہاء نے جس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، محدثین کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔البتہ علامہ شرنبلالیؒ نے فرمایا ہے کہ بعض سلف سے منقول ہیں، لہذا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اسی طرح شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی کہنا مستحسن ہے۔لیکن مالکیہ کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔

محدثین کے اقوال ملاحظہ ہو:

Maktaba Tul Ishaat.com

قال ابن الملقنؒ فی تخریج أحادیث الرافعی:لم أقف علی أصله فی کتب الحدیث،وقال ابن حجرؒ:لاأصل له. (الجدالحثیث فی بیان مالیس بحدیث:۱/۱۲۳)

وقال القاریؒ:لاأصل له. (کذافی کشف الخفاء ومزیل الالباس عمااشتهرمن الأحادیث علی ألسنة الناس:۲/۲۱)

قال الألبانی فی إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منارالسبیل:۱/۲۵۹:لاأصل لها.

فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہو:

شامی میں ہے:

وفی:الصلاة خیرمن النوم فیقول:صدقت وبررت،لورودخبرفیه،ورد بأنه غیرمعروف وأجیب بأن من حفظ حجة علی من لم یحفظ. (الشامی:۱/۳۹۷،سعید)

وفی تقریرات الرافعی:قال الرحمتی:ویأتی فی هذاماتقدم فی الحیعلتین بل أولیٰ لأن حدیث قولوا مثل مایقول یشمله ولم یرد حدیث آخرفی"صدقت وبررت" بل نقلوه عن بعض السلفؒ،سندی. (تقریرات الرافعی:۱/۴۷،سعید)

علامہ شرنبلالیؒ امدادالفتاح میں فرماتے ہیں:

(وقال:صدقت وبررت) مروی ذلک عن بعض السلف کذافی التجنیس والمزید (۱/۳۹۱، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة)۔ (امدادالفتاح:ص۲۲۱،بیروت).

مذہبِ شافعیہ:

قال النوویؒ فی شرح مسلم فی باب الأذان:إذا ثوب المؤذن فی صلاة الصبح فقال: الصلاة خیرمن النوم قال سامعه: صدقت وبررت،هذا تفصیل مذهبنا.

مذہبِ حنابلہ:

کشاف القناع میں ہے:

ویقول المجیب عندالتثویب:أی قول المؤذن فی أذان الفجر:"الصلاة خیرمن النوم" صدقت وبررت. (کشاف القناع:۲/۱۷۹۔وکذافی فقه العبادات الحنبلی:۱/۱۴۶)

مذہبِ مالکیہ:

الشرح الکبیر میں ہے:

ولایحکی الصلاۃ خیر من النوم ولایبدلها بقوله: صدقت وبررت. (الشرح الکبیر: ۱/۱۹۷۔ کذافی حاشیة الدسوقی: ۲/۲۲۶۔ وحاشیة الصاوی: ۱/۴۳۱)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا:

سوال: اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہئے یا بغیر ہاتھ اٹھائے؟

الجواب: جن دعاؤں کے لئے مخصوص الفاظ وارد ہوئے ہیں اور ان میں خصوصیت سے رفع یدین ثابت نہیں وہ دعائیں اذکار کے حکم میں ہیں ان کے لئے ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے جیسے اذان کے بعد کی دعا اور کھانے پینے اور بیت الخلاء کی دعائیں۔

ملاحظہ ہو فیض الباری میں ہے:

(باب الدعاء عند النداء) والمسنون فی هذا الدعاء ألا ترفع الأیدی، لأنه لم یثبت عن النبی ﷺ رفعها والتشبث فیه بالعمومات بعد ما ورد فیه خصوص فعله ﷺ لغو، فإنه لم یرد فیه خصوص عادته ﷺ لنفعنا التمسک بها، وما إذا نقل إلینا خصوص الفعل فهو الأسوة الحسنة لمن کان یرجو اللّٰه والدار الآخرة. (فیض الباری: ۲/۱۶۷، باب الدعاء عند النداء)

احسن الفتاوی میں ہے:

دعا کی دو قسمیں ہیں: (۱) بدونِ توظیف الفاظ مخصوصہ مطلق کوئی حاجت طلب کرنا (۲) الفاظِ موظفہ خواہ کسی خاص وقت سے متعلق ہوں یا مطلق ہوں، رفعِ یدین کی احادیث قسمِ اول سے متعلق ہیں قسمِ دوم سے متعلق نہیں، **الا ما ورد فیه النص**، چنانچہ بعد وضو، مسجد میں دخول وخروج، گھر میں دخول وخروج، بیت الخلاء میں دخول وخروج وغیرہ ادعیہ ماثورہ میں کوئی بھی رفعِ یدین کا قائل نہیں۔ (احسن الفتاوی: ۲/۲۹۸)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر رفع یدین ثابت نہیں۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۲/۱۱۰، از مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

اقامت کا جواب دینے کا حکم:

سوال: اقامت کا جواب دینا سنت ہے یا نہیں اور اس کے الفاظ کیا ہیں؟

الجواب: اقامت کا جواب دینا مستحب ہے۔ اور ''قدقامت الصلاۃ'' کے جواب میں ''أقامها الله وأدامها'' کہنا چاہئے اور اس سے زائد الفاظ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن أبی أمامة أو بعض أصحاب النبی ﷺ أن بلالاً رضی اللہ عنہ أخذ فی الإقامة فلما أن قال: قد قامت الصلاة، قال النبی ﷺ أقامها الله وأدامها، وقال فی سائر الإقامة کنحو حدیث عمر رضی اللہ عنہ فی الأذان. (رواه ابو داؤد: ۱/۷۸، باب مایقول اذا سمع الاقامة)

البحر الرائق میں ہے:

وفی فتح القدیر أن إجابة الإقامة مستحبة وفی غیره أنه یقول إذا سمع قد قامت الصلاة: أقامها الله وأدامها. (البحر الرائق: ۱/۲۵۹، الماجدیة کوئته)

درمختار میں ہے:

ویجیب الإقامة ندباً إجماعاً کالأذان ویقول عند قد قامت الصلاة: أقامها الله وأدامها. (الدر المختار مع الشامی: ۱/۴۰۰، سعید۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/۵۷)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اقامت کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنے کا حکم:

سوال: اقامت کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب: اقامت کے وقت حی علی الصلوٰۃ میں دائیں طرف اور حی علی الفلاح میں بائیں طرف منہ پھیرنا مستحب ہے۔

درمختار میں ہے:

ویلتفت فیه وکذا فیها مطلقاً یمیناً ویساراً فقط وفی الشامی: (قوله وکذا فیها مطلقاً) أی فی الأقامة سواء کان المحل متسعاً أولا. (الدر المختار مع الشامی: ۱/۳۸۷، سعید)

البحر الرائق میں ہے:

رواه الدارقطنی عن بلال ﷺ قال: أمرنا رسول اللّٰه ﷺ إذا أذنا أو أقمنا أن لانزيل أقدامنا عن مواضعنا وأطلق في الالتفات ولم يقيده بالأذان وقدمنا عن القنية أنه يحول في الإقامة. (البحرالرائق: ۱/۲۵۸، الماجدية كوئٹة)

امدادالفتاوی میں ہے:

التفات یمین ویسار جیسا اذان میں مسنون ہے ویسا ہی اقامت میں اور ایسے ہی بچہ کے کان میں۔ (امداد الفتاوی: ۱/ ۱۰۸۔

نیز ملاحظہ ہو: کفایت المفتی: ۳/ ۴۶۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۸۹، مدلل ومکمل)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تہجد کے لئے اذان دینے کا حکم:

سوال: حرمین شریفین میں تہجد کے لئے اذان دی جاتی ہے دیگر ممالک میں کیوں نہیں دی جاتی؟

الجواب: اذان صرف فرائض کے ساتھ خاص ہے، تہجد وغیرہ کے لئے اذان مشروع نہیں ہے۔ ہاں زمانہ نبوی میں کچھ مصالح کے پیشِ نظر تہجد کے لئے اذان دی جاتی تھی احادیث میں اس کا تذکرہ ملتا ہے مثلاً تہجد میں مشغول حضرات کچھ آرام کرلیں، اور آرام کرنے والے کچھ نوافل پڑھلیں، نیز روزہ رکھنے والے سحری کھالیں وغیرہ، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل نہیں فرمایا، لہذا اب یہ اذان منسوخ ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن سالم عن أبيه أن النبي ﷺ قال: إن بلالاً رضی اللہ عنہ يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى تسمع تأذين ابن أم مكتوم. (روه الترمذی: ۱/ ۵۰، باب ماجاء في الاذان بالليل)

بخاری شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ قال: لايمنعن أحدكم أو أحداً منكم أذان بلال من سحوره فإنه يؤذن أو ينادي بليل ليرجع قائمكم ولينبه نائمكم. (رواه البخاری: ۱/ ۸۷/ ۶۱۳، باب الاذان قبل الفجر)

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن إبراهيم قال: شيعنا علقمة إلى مكة فخرج بليل فسمع مؤذناً يؤذن بليل فقال: أما

Maktaba Tul Ishaat.com

هذا فقد خالف سنة أصحاب رسول اللّٰه ﷺ لو كان نائماً لكان خيراً فإذا طلع الفجر أذن فأخبر علقمةؒ أن التأذين قبل الفجر خلاف لسنة أصحاب رسول اللّٰه ﷺ .(شرح معانی الآثار: ۱۰۶/۱، باب التأذين للفجر)

البحر الرائق میں ہے:

(قوله ولا يؤذن قبل وقت ويعاد فيه) أى فى الوقت إذا أذن قبله لأنه يراد للإعلام بالوقت فلا يجوز قبله بلا خلاف فى غير الفجر وعبر بالكراهة فى فتح القدير والظاهر أنها تحريمية وأما فيه فجوزه أبو يوسفؒ ومالكؒ والشافعیؒ لحديث الصحيحين أن بلالاً رضی اللہ عنہ يؤذن... وعند أبى حنيفةؒ ومحمدؒ لا يؤذن فى الفجر قبله لما رواه البيهقى أنه عليه الصلاة والسلام قال: يا بلال لا تؤذن حتى يطلع الفجر قال فى الامام رجال إسناده ثقات.

(البحر الرائق: ۲۶۲/۱، الماجدية كوئٹة)

درمختار میں ہے:

وهو سنة مؤكدة كالواجب فى لحوق الإثم للفرائض الخمس فى وقتها ولو قضاء لا يسن لغيرها كعيد... وفى الشامية: (قوله كعيد) أى وتروجنازة وكسوف واستسقاء وتراويح وسنن رواتب لأنها اتباع الفرائض.(الدر المختار مع الشامی: ۳۸۵/۱، سعيد)

بدائع الصنائع میں ہے:

لو أذن قبل دخول الوقت لا يجزئه ويعيده إذا دخل الوقت فى الصلوات كلها فى قول أبى حنيفةؒ ومحمدؒ وقد قال أبو يوسفؒ أخيراً لا باس بأن يؤذن للفجر فى النصف الأخير من الليل وهو قول الشافعیؒ واحتجّا بما روى سالم بن عبداللّٰه بن عمر رضی اللہ عنہ عن أبيه رضی اللہ عنہ أن بلالاً رضی اللہ عنہ كان يؤذن بليل... ولأبى حنيفةؒ ومحمدؒ ما روى شداد مولى عياض بن عامر أن النبى ﷺ قال لبلال: لا تؤذن حتى يستبين لك الفجر هكذا ومد يده عرضاً ولأن الأذان شرع للإعلام بدخول الوقت والإعلام بالدخول قبل الدخول كذب وكذا هو من باب الخيانة فى الأمانة والمؤذن مؤتمن على لسان رسول اللّٰه ﷺ ولهذا لم يجز فى سائر الصلوات ولأن الأذان قبل الفجر يؤدى إلى الضرر بالناس لأن ذلك وقت نومهم خصوصاً من تهجد فى

النصف الأول من الليل فربما يلتبس الأمر عليهم وذلك مكروه وروى أن الحسن البصريؒ كان إذا سمع يؤذن قبل طلوع الفجر قال: علوج فراغ لا يصلون إلا في الوقت لو أدركهم عمر ﷺ لأدبهم وبلال ﷺ ما كان يؤذن بليل لصلاة الفجر بل لمعان آخر لما روى عن ابن مسعود ﷺ عن النبي ﷺ أنه قال: لا يمنعنكم من السحور أذان بلال فإنه يؤذن بليل ليوقظ نائمكم ويرد قائمكم ويتسحر صائمكم فعليكم بأذان ابن أم مكتوم ﷺ وقد كانت الصحابة ﷺ فرقتين فرقة يتهجدون في النصف الأول من الليل وفرقة في النصف الأخير وكان الفاصل أذان بلال ﷺ، والدليل على أن أذان بلال ﷺ كان لهذه المعاني لا لصلاة الفجر أن ابن أم مكتوم ﷺ كان يعيده ثانياً بعد طلوع الفجر. (بدائع الصنائع: ۱/۱۵٤، سعيد كمپنی).

احسن الفتاوی میں ہے:

سوال: نماز تہجد کے لئے اذان مسنون ہے یا نہیں؟

جواب: حضرت بلال ﷺ صبح صادق سے کچھ قبل اذان دیا کرتے تھے تاکہ تہجد میں مشغول حضرات ذرا آرام کرلیں، اور سوئے ہوئے لوگ اُٹھ کر فجر کی تیاری کرلیں، مگر بعد میں یہ اذان منسوخ ہوگئی، اسی لئے حضرات صحابہ کرام ﷺ نے اس پر عمل نہیں فرمایا۔ (احسن الفتاوی: ۲/۲۹۱۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/۵۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

درس کے وقت اذان کا جواب دینے کا حکم:

سوال: ایک مدرس حدیث یا تفسیر یا فقہ پڑھا رہا ہے، درمیان میں اذان شروع ہوئی کیا مدرس وطلبہ سبق جاری رکھ سکتے ہیں یا سبق روک کر اذان کا جواب دیں گے، اور زبانی جواب دینا مستحب ہے یا سنت یا واجب؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اذان شعائر اسلام میں سے ہے اس کا احترام لازم اور ضروری ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ تلاوتِ قرآن کے درمیان اذان شروع ہو تو تلاوت موقوف کرکے اجابت باللسان مستحب ہے، ہاں نماز کے وقت اجابت بالقدم واجب یا سنتِ مؤکدہ ہے، البتہ فقہاء نے بعض چیزیں ان کی اہمیت کی وجہ سے مستثنیٰ فرمائی ہیں، مثلاً: علمِ شرعی کی تعلیم وتعلم کے وقت اذان شروع ہوجائے تو اس کو جاری رکھنے کی اجازت

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے۔ہاں درس ختم ہونے بعد زیادہ تاخیر نہ ہوئی ہو تو جواب دینا چاہئے۔

ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

ویجیب وجوباً وقال الحلوانی ندباً والواجب الإجابة بالقدم من سمع الأذان ولو جنباً لا حائضاً ونفساء وسامع خطبة وفی صلاة جنازة وجماع ، ومستراح وأكل وتعليم علم وتعلمه . وفی الشامية :قوله "وقال الحلوانی ندباً " أی قال الحلوانی : إن الإجابة باللسان مندوبة والواجبة هی الإجابة بالقدم...قوله" وتعليم علم"أی شرعی فيما يظهر، ولذا عبرفی الجوهرة بقراء ة الفقه . قوله" بخلاف قرآن "لأنه لايفوت جوهرة ، ولعله لأن تكرارالقراء ة إنما هو للأجرفلايفوت بالإجابة، بخلاف التعلم، فعلى هذا هذا لويقرأ تعليماً أوتعلماً لايقطع .

تنبيه: هل يجب بعد الفراغ من هذه المذكورات أم لا؟ ينبغی أنه إن لم يطل الفصل فنعم ، وإن طال فلا. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۱/۳۹۶،سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (البحرالرائق :۱/۲۶۰،کوئٹہ،ومراقی الفلاح،ص۲۰۳،بیروت).

عمدۃ الفقہ میں اس عنوان "جن صورتوں میں اذان کا جواب نہ دے" کے تحت حضرت مولانا زوار حسین صاحبؒ فرماتے ہیں: علم دین پڑھنے یا پڑھانے کی حالت میں۔(عمدۃ الفقہ :۲/۴۳)۔واللہ ﷻ اعلم۔

ذکر واذکار کے درمیان اذان کا جواب دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص ذکر کر رہا ہے اور اذان شروع ہوئی تو مخصوص تعداد پوری کرنے کے بعد اذان کا جواب دے یا ذکر چھوڑ کر جواب دینا بہتر ہے؟

الجواب: ذکر واذکار ہر وقت کر سکتا ہے اس کے لئے کوئی وقت مخصوص نہیں، اور اذان کا جواب زیادہ وقفہ کے بعد نہیں دے سکتا ہے لہذا فوت ہونے والی چیز کو مقدم کرے، نیز فقہاء نے تلاوتِ قرآن کو بھی قطع کر کے جواب دینا تحریر فرمایا ہے، اس وجہ سے پہلے جواب دینا افضل ہے بعد میں مخصوص تعداد پوری کر لے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویجیب وجوباً وقال الحلوانی ندباً والواجب الإجابة بالقدم من سمع الأذان ولو

جنباً.....وفی الشامی:(فیقطع قراء ة القرآن)الظاهرأن المراد المسارعة للإجابة وعدم القعود لأجل القراء ة لاخلال القعود بسعی الواجب وإلا فلامانع من القراء ة ماشیاً،إلا أن یراد یقطعها ندباً للإجابة باللسان أیضاً.(الدرالمختار مع الشامی:۱/۳۹۶،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولاینبغی أن یتکلم السامع فی خلال الأذان والإقامة ولایشتغل بقراء ة القرآن ولا بشیء من الأعمال سوی الإجابة ولوکان فی القراء ة ینبغی أن یقطع ویشتغل بالاستماع والإجابة کذا فی البدائع.(الفتاوی الهندیة:۱/۵۷،اجابة المؤذن)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإذا سمع المسنون منه أمسک حتی عن التلاوة لیجیب المؤذن ولوفی المسجد وهوالأفضل.....هذا مبنی علی ندب الإجابة باللسان، وقال فی الدرفلایرد سلاماً، ولایشتغل بشیء سوی الإجابة، والتفریع یندب الإمساک عن التلاوة.(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۲۰۲،قدیمی کتب خانه)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اقامت میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء کا اعراب:

سوال: اقامت میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء پر کیا اعراب ہونا چاہیے؟

الجواب: اقامت میں لفظِ ''اللہ اکبر'' کی راء ساکن ہوگی یا دوسرے کلمہ کے ساتھ ملاکر فتحہ دیں گے۔البتہ ضمہ پڑھنا خلافِ سنت ہے۔ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قلت: والحاصل أن التکبیرة الثانیة فی الأذان ساکنة الراء للوقف حقیقة ورفعها خطأ، وأما التکبیرة الأولی من کل تکبیرتین منه وجمیع تکبیرات الإقامة، فقیل محرکة الراء بالفتحة علی نیة الوقف، وقیل بالضمة إعراباً، وقیل ساکنة بلاحرکة علی ما هو ظاهر کلام الإمداد والزیلعی والبدائع وجماعة من الشافعیة.....ثم رأیت لسیدی عبد الغنی رسالة فی هذه المسئلة سماها '' تصدیق من أخبر بفتح راء اللّٰه أکبر''أکثرفیها النقل وحاصلها أن السنة أن یسکن الراء من اللّٰه أکبرالأول أویصلها باللّٰه أکبرالثانیة، فإن سکنها کفیٰ، وإن

Maktaba Tul Ishaat.com

وصلها نوی السکون فحرک الراء بالفتحة،فإن ضمها خالف السنة. لأن طلب الوقف علی أکبر الأول صیره کالساکن إصالة فحرک بالفتح. (الشامی:۱/۳۸٦، مطلب فی الکلام علی حدیث "الاذان جزم")

احسن الفتاوی میں ہے:

اذان اور اقامت میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے،اذان میں ہر دو تکبیروں میں سے پہلی تکبیر اور اقامت میں پہلی تین تکبیروں کی راء پر رفع پڑھنا خلافِ سنت ہے،اس کو ساکن پڑھنا چاہئے یا مفتوح کر کے دوسری تکبیر کے ساتھ ملایا جائے۔(احسن الفتاوی:۲/۲۹٦)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس طرح پڑھے ''اللہ اکبرُ اللہ اکبرُ ''یعنی دونوں جگہ راء کو ساکن کردے اس پر کوئی حرکت نہ پڑھے۔اگر پہلی راء پر حرکت پڑھنا ہے تو زبر پڑھے۔اس طرح ''اللہ اکبرُ اللہ اکبرُ ''پیش لگا کر پڑھنے کو رد المحتار میں خلافِ سنت لکھا ہے۔دوسرے ''اکبر'' کی راء کو بہر حال ساکن پڑھے۔(فتاوی محمودیہ:۵/۴۰۹،کلمات اذان کا بیان، جامعہ فاروقیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص دو مسجدوں میں اذان دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے سلف سے مروی نہیں ہے، ہاں اگر پہلی مسجد میں نماز نہیں پڑھی تو کراہت کم ہوگی۔ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ویکره له أن یؤذن فی مسجدین لأنه إذا صلی فی المسجد الأول یکون متنفلاً بالأذان فی المسجد الثانی والتنفل بالأذان غیرمشروع، ولأن الأذان للمکتوبة وهوفی المسجد الثانی یصلی النافلة، فلاینبغی أن یدعوالناس إلی المکتوبة وهولایساعدهم فیها. (شامی:۱/٤۰۰۔وکذا فی بدائع الصنائع:۱/۱۵۱،سعید کمپنی)

طحطاوی میں ہے: **(قوله أن یؤذن فی مسجدین) الکراهة مقیدة بماإذا صلی فی الأول کما فی البحر.** (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۱۸۹۔وکذا فی تقریرات الرافعی:۱/٤۷،سعید)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

ایک مؤذن دو مسجدوں میں اذان پڑھے یہ مکروہ ہے، لہذا دوسرے آدمی کا انتظام کیا جائے۔ **ویکرہ أن یؤذن فی مسجدین لأنه یکون داعیاً إلی مالایفعل.** شرح منیة المصلی: ۱/۳۶۱۔ (فتاوی رحیمیہ: ۳/۱۵)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان دینا اچھا نہیں ہے مکروہ ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲/۹۹)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز میں تاخیر کی وجہ سے اذان مؤخر کرنے کا حکم:

سوال: کیا اذان کا تعلق اول وقت سے ہے کہ جیسے ہی وقت ہو جائے اذان دینی چاہئے یا نماز سے ہے کہ اگر نماز میں تاخیر ہو تو اذان بھی تاخیر سے دے؟

الجواب: اذان کا تعلق نماز سے ہے نہ کہ وقت سے لہذا اگر نماز تاخیر سے پڑھی جارہی ہو تو اذان بھی تاخیر سے دی جائے گی اور اگر نماز عجلت سے ادا کی جارہی ہے تو اذان بھی عجلت سے دی جائیگی مگر وقت کے داخل ہونے کے بعد اذان دے وقت سے پہلے اذان ادا نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبی ذر رضی اللہ عنہ قال: کنا مع النبی ﷺ فی سفر فأراد المؤذن أن یؤذن فقال: أبرد ثم أراد أن یؤذن فقال له: أبرد ثم أراد أن یؤذن فقال له: أبرد، وفی روایة للبخاری أیضا: أوقال: انتظر انتظر حتی ساوی الظل التلول فقال النبی ﷺ: إن شدة الحر من فیح جهنم. (بخاری شریف: ۱/۸۶، فیصل)

شامی میں ہے: **وحکم الأذان کالصلاة تعجیلاً وتأخیراً.** (شامی: ۱/۳۸۴، سعید)

درمختار میں ہے:

وهو سنة للرجال فی مکان عال مؤکدة هی کالواجب فی لحوق الإثم للفرائض الخمس فی وقتها ولو قضاء لأنه سنة للصلاة حتی یبرد به لا للوقت. (الدرالمختار: ۱/۳۸۴۔ و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱۹۴، قدیمی)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
"صلوا کما رأیتمونی أصلی"
(رواہ البخاری)

باب.....﴿۳﴾

صفۃ الصلاۃ کا بیان

فصلِ اول

نماز کے شرائط، ارکان اور واجبات کے بیان میں

نجاست پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر ناپاک جگہ پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر نجاست تر ہے اور کپڑا اتنا موٹا ہے کہ دو تہہ بنا سکتے ہیں نیز نجاست کی تری اوپر کی طرف ظاہر نہیں ہوتی تو نماز کراہت کے ساتھ درست ہے، ورنہ نہیں، اور اگر نجاست خشک ہے تو کپڑا ایسا ہونا چاہئے کہ نجاست نظر نہ آئے تو نماز درست ہے، ورنہ نہیں۔ حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله فألقى عليها لبداً) المراد أنه ألقى عليها ذا جرم غليظ يصلح للشق نصفين كحجر ولبن وخشب كما في البدائع، والخانيه، ومنية المصلى، وقيد النجاسة بالرطبة لأنها إن كانت يابسة جازت على كل حال لأنها لاتلزق بالثوب الملقىٰ عليها بعد كونه يصلح ساتراً كذا في الخانية، وفي القهستاني: ينبغي أن تكون الصلاة أي على الملقىٰ على النجاسة الرطبة تكره ككراهتها على نحو الاصطبل كما في الخانية. (حاشيه الطحطاوی على مراقی الفلاح: ص۲۰۸، قديمی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كانت النجاسة رطبة فألقى عليها ثوباً وصلى إن كان ثوباً يمكن أن يجعل من عرضه ثوبان كالنهالي يجوز عند محمدؒ وإن كان لايمكن لايجوز وإن كانت يابسة جازت

Maktaba Tul Ishaat.com

إذا كان يصلح ساتراً كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/۶۲۔وكذا في البحرالرائق: ۱/۲۶۸،الماجدية كوئتة)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اگر مصلی پر ناپاک بچہ بیٹھ جائے تو نماز کا حکم:

سوال: ناپاک بچہ اگر کسی نمازی شخص پر بیٹھ گیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اگر وہ ناپاک بچہ اپنی قوت سے بیٹھا ہے نمازی کے تھامنے کا محتاج نہیں ہے، تو نجاست نمازی کی طرف منسوب نہیں ہوگی اور نماز ہوجائے گی، اور اگر اس ناپاک بچہ میں خود سنبھلنے کی سکت نہیں تو اگر وہ اتنی دیر تک نہیں بیٹھا جتنی دیر میں وہ ایک رکن ادا کرسکے تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر ایک رکن کی مقدار ٹھہرا تو مصلی حاملِ نجاست کہلائے گا اور نماز فاسد ہوجائے گی۔

ملاحظہ ہو البحرالرائق میں ہے:

فلو جلس الصبي المتنجس الثوب والبدن في حجر المصلي وهو يستمسك أو الحمام المتنجس على رأسه جازت صلاته لأنه الذي يستعمله فلم يكن حامل النجاسة.

(البحرالرائق: ۱/۲۲۸،باب الانجاس، كوئته)

نیز دوسری جگہ مذکور ہے:

وفي الظهيرية: الصبي إذا كان ثوبه نجساً أو هو نجس فجلس على حجر المصلي وهو يستمسك أو الحمام النجس إذا وقع على رأس المصلي وهو يصلي كذلك جازت الصلاة... لأن الذي على المصلي مستعمل له فلم يصر المصلي حاملاً للنجاسة. (البحر الرائق: ۱/۲۶۷،باب شروط الصلوٰة، كوئته)

عالمگیری میں ہے:

إذا وضع في حجر المصلي الصبي الغير المستمسك وعليه نجاسة مانعة إن لم يمكث قدر ما أمكنه أداء ركن لاتفسد صلاته وإن مكث تفسد بخلاف ما لو استمسك وإن طال مكثه وكذا الحمامة المتنجسة إذا جلست عليه هكذا في الخلاصة وفتح القدير. (الفتاوى الهندية: ۱/۶۳)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نماز میں قدمین یا رکبتین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہوتو نماز کا حکم:

سوال: اگر نماز میں قدمین یا رکبتین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہے تو نماز ہوگی یا نہیں اور اگر اس پر کوئی باریک یا موٹا کپڑا بچھادیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر قدمین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہے تو نماز درست نہیں ہوگی اور اصح قول کے مطابق رکبتین کی جگہ نجاست ہے تو بھی نماز درست نہ ہوگی۔ پھر اگر نجاست تر ہے اور کپڑا اتنا موٹا ہے کہ دوتہہ بنا سکتے ہیں، نیز نجاست کی تری اوپر کی طرف ظاہر نہیں ہوتی تو نماز کراہت کے ساتھ درست ہے، ورنہ نہیں، اور اگر نجاست خشک ہے تو کپڑا ایسا ہونا چاہئے کہ نجاست نظر نہ آئے تو نماز درست ہے، ورنہ نہیں۔

مراقی الفلاح میں ہے:

أنه يشترط طهارة موضع القدمين فتبطل الصلاة بنجس مانع تحت أحدهما أو بجمعه فيهما تقديراً في الأصح.....ومنها طهارة موضع اليدين والركبتين على الصحيح لافتراض السجود على سبعة أعظم واختاره الفقيه أبو الليث وأنكرما قيل من عدم افتراض طهارة موضعها ولأن رواية جواز الصلاة مع نجاسة موضع الكفين والركبتين شاذة، ومنها طهارة موضع الجبهة على الأصح من الروايتين عن أبي حنيفةؒ وهو قولهماؒ ليتحقق السجود عليها. (مراقي الفلاح:ص ۸۰،باب شروط الصلاة واركانها،مكة المكرمة۔وهكذا في الشامي:۱/ ٤٠٤،سعيد۔والفتاوى الهندية:۱/ ٦١)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كانت النجاسة رطبة فألقى عليها ثوباً وصلى إن كان ثوباً يمكن أن يجعل من عرضه ثوبان كالنهالي يجوز عند محمدؒ وإن كان لايمكن لايجوز وإن كانت يابسة جازت إذا كان يصلح ساتراً كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية:۱/ ٦٢،كذا في البحرالرائق:۱/ ٢٦٨،كوئتة۔ وكذا في حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح:ص ۲۰۸،قديمي)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

گریبان میں سے ستر دیکھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے گریبان میں سے اپنے ستر کو دیکھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں فقہاء کے دو قول ہیں بعض فقہاء کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور بعض کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی لیکن مکروہ تحریمی ہوگی، تاہم احتیاط پر عمل کرتے ہوئے نماز کے فاسد ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ بدائع الصنائع میں ہے:

ثم لم يذكر في ظاهر الرواية أن القميص الواحد إذا كان محلول الجيب والزرهل تجوز الصلاة فيه ذكر ابن شجاع: فيمن صلى محلول الأزرار وليس عليه أزار أنه إن كان بحيث لو نظر رأى عورة نفسه من زيقه لم تجز صلاته وإن كان بحيث لو نظر لم ير عورته جازت وروى عن محمدؒ في غير رواية الأصول إن كان بحال لو نظر إليه غيره يقع نظره عليه من غير تكلف فسدت صلاته وإن كان بحال لو نظر إليه غيره لا يقع بصره على عورته إلا بتكلف فصلاته تامة فكأنه شرط ستر العورة في حق غيره لا في حق نفسه وعن داؤد الطائي أنه قال: إن كان الرجل خفيف اللحية لم يجز لأنه يقع بصره على عورته إذا نظر من غير تكلف فيكون مكشوف العورة في حق نفسه وستر العورة عن نفسه وعن غيره شرط الجواز وإن كان كث اللحية جاز لأنه لا يقع بصره على عورته إلا بتكلف فلا يكون مكشوف العورة. (بدائع الصنائع: ۱/۲۱۹، سعید)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله ولا يضر نظرها من جيبه) لأنه يحل له مسها والنظر إليها ولكنه خلاف الأدب كما في النهر واختار البرهان الحلبي أن تلك الصلاة مكروهة وإن لم تفسد ومقابل الصحيح ما عن بعض المشايخ من اشتراط ستر عورته عن نفسه وفرع عليه أنها لو كانت لحيته كثيفة وستر بها زيقه صحت وإلا فلا. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۱۴۱۔ وكذا في الشامي: ۱/۴۱۰، سعيد۔ وكذا في الجوهرة النيرة: ۱/۵۴۔ وكذا في درر الحكام في شرح غرر الاحكام: ۱/۵۹۔ وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۹۵)

فتح باب العنایہ میں ہے:

وفی الخلاصة: لو صلی فی قمیص واحد محلول الجیب: إن کان بحال یقع بصره علی عورته لاتجوز صلاته وکذا لو کان بحال یقع بصر غیره علیه من غیر تکلف، کذا ذکره هشام عن محمدؒ، وعن أبی حنیفةؒ وأبی یوسفؒ: ان عورة الشخص لیست بعورة فی حقه. قلت: وهذا ضعیف جداً للإجماع علی بطلان من صلی صلاة فی بیت وحده أوفی ظلمة من غیر ستر عورة إذا لم یکن من عذر. (فتح باب العنایة: ۱/۲۰۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ستر کھل جانے سے نماز کا حکم:

سوال: نماز میں ستر کا کتنا حصہ کھلنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟

الجواب: ستر کھلنے کا علم ہونے کے باوجود غفلت کی وجہ سے ستر کا اہتمام نہیں کیا اور ربع عضو کھل گیا تو نماز نہیں ہوگی خواہ تھوڑی دیر ہی کے لئے ہو، اور اگر غیر اختیاری طور پر کھل گیا تو اگر ایک رکن کی ادائیگی یعنی تین مرتبہ "سبحان ربی الأعلی" کے بقدر ربع عضو کھلا رہا تو نماز نہیں ہوگی، اس سے کم مقدار یا کم وقت کھلا رہا تو نماز ہوجائے گی، تو عضو کا ربع حصہ معتبر ہے۔ اور ایک عضو متعدد جگہ سے کھلا ہو اور سب کا مجموعہ بقدر ربع ہے تو مفسد ہے اور اگر متعدد اعضاء کھل جائے تو سب کا مجموعہ ان اعضاء میں سے چھوٹے عضو کے بقدر ربع ہو تو مفسد ہے۔

درمختار میں ہے:

(ویمنع) حتی انعقادها (کشف ربع عضو) قدر أداء رکن بلا صنعه (من عورة غلیظة أوخفیفة) علی المعتمد... وتجمع بالأجزاء لوفی عضو واحد وإلافبالقدر فإن بلغ ربع أدناها کأذن منع. وفی الشامی: (قوله ویمنع)... أی صحة الصلاة حتی انعقادها والحاصل أنه یمنع الصلاة فی الابتداء ویرفعها فی البقاء. (قوله قدر أداء رکن) أی بسنته منیة، قال شارحها: وذلک قدر ثلاث تسبیحات... واعتبر محمدؒ أداء رکن حقیقة والأول المختار للاحتیاط کما فی شرح المنیة واحترز عما إذا انکشف ربع عضو أقل من قدر أداء رکن فلایفسد اتفاقاً لأن الانکشاف الکثیر من الزمان القلیل عفو کالانکشاف القلیل فی الزمن الکثیر وعما إذا أدی مع الانکشاف رکناً فإنها تفسد اتفاقاً... (الدرالمختار مع الشامی:

Maktaba Tul Ishaat.com

۱/۴۰۸،سعید۔وکذا فی بدائع الصنائع:۱/۱۱۷،سعید)

تبیین الحقائق میں ہے:

وإن انكشفت العورة من مواضع متفرقة تجمع لأن محمدٌ ذكرفي الزيادات:امرأة صلت وانكشف شيء من شعرها وشيء من ظهرها وشيء من فرجها وشيء من فخذها ولوجمع بلغ ربع أدنى عضومنها منع جوازالصلاة.....قال الراجي عفوربه ينبغي أن يعتبر بالأجزاء لأن الاعتباربالأدنى يؤدى إلى أن القليل يمنع وإن لم يبلغ ربع المنكشف.....

(تبیین الحقائق:۱/۹۷۔وکذا فی البحرالرائق:۱/۲۷۱،کوئتة)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسجد کے قبلہ کا رخ ۱۰ درجہ ہٹا ہوا ہے تو اس میں نماز کا حکم:

سوال: ایک مسجد کے قبلہ کا رخ ۱۰ درجہ ہٹا ہوا ہے تو اس میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر مسجد مکہ مکرمہ سے باہر ہو تو اس میں نماز درست ہے، کیونکہ پینتالیس درجہ تک گنجائش ہے۔ملاحظہ ہو شامی میں ہے

ولوأنه انتقل إلى جهة يمينه أوشماله بفراسخ كثيرة وفرضنا خطاً ماراً على الكعبة من المشرق إلى المغرب وكان الخط الخارج من جبين المصلى يصل على استقامة إلى هذا الخط المارعلى الكعبة فإنه بهذ الانتقال لاتزول المقابلة بالكلية،لأن وجه الإنسان مقوس، فمهما تأخريميناً أويساراً عن عين الكعبة يبقى شيء من جوانب وجهه مقابلاً لها ،ولاشك أن هذا عند زيادة البعد؛ أما عند القرب فلايعتبر كما مر؛..والحاصل أن المراد بالتيامن والتياسرالانتقال عن عين الكعبة إلى جهة اليمين أواليسارلا الانحراف، لكن وقع في كلامهم ما يدل على أن الانحراف لايضر؛ ففي القهستاني: ولا بأس بالانحراف انحرافاً لاتزول به المقابلة بالكلية، بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتاً للكعبة.....وفي منية المصلى عن أمالي الفتاوى:حدالقبلة في بلادنا يعني سمرقند:ما بين المغربين مغرب الشتاء ومغرب الصيف، فإن صلى إلى جهة خرجت من المغربين فسدت صلاته.....فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذى يبقى معه الوجه أوشيء من جوانبه مسامتاً لعين الكعبة

أولهوائها، بأن يخرج الخط من الوجه أومن بعض جوانبه ويمرعلى الكعبة أوهوائهامستقيماً،ولايلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجاً من جهة المصلى بل منها أومن جوانبها كما دل عليه قول الدررمن جبين المصلى، فإن الجبين طرف الجبهة وهما جبينان،وعلى ما قررناه يحمل ما فى الفتح والبحرعن الفتاوى من أن الانحراف المفسد أن يجاوزالمشارق إلى المغارب، فهذا غاية ماظهرلى فى هذا المحل، واللّٰه تعالىٰ أعلم. (شامی:۱/۴۲۹،باب شروط الصلاۃ،مبحث فی استقبال القبلۃ، سعید کمپنی)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے:

اس مسئلہ کے متعلق مذہبِ مختار حنفیہ کا یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ شریف کے سامنے ہو اس کے لئے عین کعبہ کا استقبال فرض ہے اور جو اس سے غائب ہے اس کے ذمہ جہتِ کعبہ کا استقبال فرض ہے عین کعبہ کا نہیں...پھر جہتِ قبلہ کے معنی یہ ہے کہ ایک خط جو کعبہ پر گذرتا ہوا جنوب وشمال پر منتہی ہو جاوے اور نمازی کے وسط جبہہ سے ایک خط مستقیم نکل کر اس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اس موقع تقاطع پر دو زاویہ قائمہ پیدا ہو جاویں۔وہ قبلہ مستقیم ہے اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کہ وسط جبہہ سے نکلنے والا خط تقاطع کر کے زاویہ قائمہ پیدا نہ کرے بلکہ حادہ یا منفرجہ پیدا کرے۔لیکن وسط جبہہ کو چھوڑ کر پیشانی کے اطراف میں کسی طرف سے نکلنے والا خط زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو یہ انحراف قلیل ہے اس سے نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر پیشانی کی کسی طرف سے بھی ایسا خط نہ نکل سکے جو خط مذکورہ پر زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو وہ انحراف کثیر ہے اس سے نماز نہ ہوگی۔اور علماء ہیئت وریاضی نے انحراف قلیل وکثیر کی تعیین اس طرح کی ہے کہ پینتالیس درجہ تک انحراف ہو تو قلیل اس سے زائد ہو تو کثیر اور کثیر مفسد صلاۃ ہے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند،امدادالمفتین،حصۂ اول ودوم:ص ۷۷،مکمل مبوب،امدادیہ دیوبند)

احسن الفتاوی میں ہے:

بیت اللہ سے پینتالیس درجہ تک انحراف مفسد نہیں،اس سے زیادہ ہو تو مفسد ہے۔(احسن الفتاوی:۲/۳۱۳،باب استقبال القبلۃ۔وکفایت المفتی:۳/۱۷۵)۔واللہ ﷻ اعلم۔

ٹرین میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:

سوال: ٹرین میں نماز پڑھتے وقت قیام اور استقبالِ قبلہ کا کیا حکم ہے؟

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: اگر ٹرین میں نماز پڑھتے وقت کھڑا ہونا مشقت سے خالی نہ ہو اور ٹرین سے باہر پڑھنے کا بھی امکان نہ ہو تو پھر بیٹھ کر پڑھنے کی گنجائش ہے، اور اگر نہ زیادہ ازدحام ہے اور نہ ہی زیادہ مشقت ہے تو قیام ضروری ہے، اور استقبالِ قبلہ تو ہر حال میں ضروری ہے۔ ابتداء میں بھی اور درمیان میں بھی جس طرح ٹرین گھومے اس طرح مصلی بھی گھوم جاوے۔

البتہ اگر اتنا زیادہ ہجوم ہے کہ رکوع وسجود کی حرکت بھی ممکن نہ ہو اور باہر ادا کرنے پر بھی قادر نہیں تو استقبالِ قبلہ اور قیام کے بغیر بھی نماز درست ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے:

والواجب فيها وهي جارية قاعداً بلاعذر به وهو يقدر على الخروج منها صحيحة عند الإمام الأعظم أبي حنيفةؒ لكن بالركوع والسجود لا بالإيماء لأن الغالب فيها دوران الرأس، والغالب كالمتحقق لكن القيام فيها والخروج أفضل إن أمكنه لأنه أبعد عن شبهة الخلاف وأسكن لقلبه وقالا أي أبو يوسفؒ ومحمدؒ لا تصح جالساً إلا من عذر وهو الأظهر لحديث ابن عمر رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ سئل عن الصلاة في السفينة فقال: صل فيها قائماً إلا أن تخاف الغرق. وقال: مثله لجعفر رضی اللہ عنہ ولأن القيام ركن فلا يترك إلا بعذر محقق لا موهوم ودليل الإمام أقوى فيتبع... (والعذر كدوران الرأس وعدم القدرة على الخروج ولا تجوز فيها بالإيماء لمن يقدر على الركوع والسجود)... ويتوجه المصلي فيها للقبلة لقدرته على فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة وكلما استدارت السفينة عنها أي القبلة يتوجه المصلي إليها في خلال الصلاة.

وفي حاشية الطحطاوي:

فصل في الصلاة في السفينة: أن السفينة لها شبه بالدابة لأنها مركب البحر والدابة مركب البر ولذا سقط القيام كما هو في صلاة الدابة، ولها شبه بالأرض من حيث الجلوس عليها بقرار، ولذا لزم الركوع، والسجود، والاستقبال... (قوله: ولو ترك الاستقبال لا تجزيه...) هذا ما أورده الشيخ أكمل الدين بقوله: وينبغي أن يتوجه إلى القبلة كيفما دارت السفينة سواء كان عند افتتاح الصلاة، أو في خلال الصلاة لأن التوجه فرض عند القدرة، وهذا قادر. كذا في الشرح قال بعض الحذاق: المتبادر أن لزوم التوجه منوط بالقدرة

علیه کما یشیر إلیه کلام المضمرات،والاسبیجابی إذ الاستقبال قد یسقط بالعذر ،ولوعند الإمکان کما فی الخائف من عدوه عدم الإمکان أولیٰ، والعلامة الأکمل لم یطلق لزوم الاستقبال، بل قید بالقدرة، وعند عدم القدرة علی الشیء کیف یتحقق لزومه ، وإلی ماذکرنا یشیر کلام الدرر حیث قال:لأنه یمکنه الاستقبال من غیر مشقة إذ مفهومه أنه عند عدم الإمکان، وعند المشقة لایلزمه الاستقبال، ومفاهیم الکتب حجة کما لایخفی... (حاشیة الطحطاوی مع المراقی: ص۴۰۸۔۴۱۰، فصل فی الصلاة فی السفینة، قدیمی۔وکذا فی الشامی: ۱۰۱/۲، مطلب فی الصلاة فی السفینة،سعید۔وکذا فی المبسوط للامام السرخسی:۲/۲،ادارة القرآن)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

البتہ اگر ہجوم اتنا ہو کہ رکوع وسجود کی حرکت ممکن نہ ہو اور ریل سے باہر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو پھر بلا استقبالِ قبلہ وقیام نماز ادا کرے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۲/۱۴۶۔وفتاوی حقانیہ:۳/۷۸،باب شروط الصلوٰۃ وارکانہا)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتا ہے تو چلتے چلتے نماز پڑھ سکتا ہے یا اترنا ضروری ہے اور ٹرین میں نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

الجواب: ٹرین اور گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھنا درست ہے اور استقبالِ قبلہ اور قیام پر قدرت کے وقت دونوں ضروری ہیں کسی کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی۔

مراقی الفلاح میں ہے:

وقالاأی أبویوسفؒ ومحمدؒ لاتصح جالساً إلامن عذروهوالأظهرلحدیث ابن عمرؓ أن النبیﷺ سئل عن الصلاة فی السفینة فقال:صل فیها قائماً إلا أن تخاف الغرق وقال مثله لجعفرؓ ولأن القیام رکن فلا یترک إلابعذرمحقق لاموهوم.....وإذاکانت سائرة یتوجه المصلی فیهما إلی القبلة لقدرته علی فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة وکلما استدارت السفینة عنها أی القبلة یتوجه المصلی باستدارتها إلیها أی القبلة فی خلال الصلاة. (مراقی الفلاح علی نور الإیضاح: ۱۵۸، فصل فی الصلاة فی السفینة،مکة المکرمة)

Maktaba Tul Ishaat.com

جدید فقہی مسائل میں ہے:

ٹرین اپنی وضع کے لحاظ سے اس نوعیت کی ہے کہ اس میں قبلہ کا استقبال کیا جاسکتا ہے اور اگر درمیان میں انحراف پیدا ہوجائے تو قبلہ درست بھی کیا جاسکتا ہے اس لئے ٹرین میں فرض نمازوں کے آغاز کے وقت بھی اور دورانِ نماز بھی قبلہ کا استقبال ضروری ہے اگر نماز قبلہ رخ ہوکر شروع کی درمیان میں ٹرین نے رخ بدلا تو اپنا رخ بھی بدل دینا چاہئے اور اس کی نظیر فقہ کا وہ جزئیہ ہے جس میں لنگر انداز کشتی کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے:

والمربوطة بلجة البحر إن كان الريح يحركها شديداً فكالسائرة وإلا فكالواقفة ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت. (جدید فقہی مسائل:۱/۱۲۷، نعیمیہ دیوبند)

نظام الفتاوی میں ہے:

ریل میں بھی نماز پڑھنے کا حکم ہے البتہ اگر یقین ہو کہ وقتِ نماز باقی رہتے ہوئے فلاں جگہ اتنی دیر ٹھیریگی کہ اتنی دیر میں نماز پڑھ سکوں گا تو اس وقت تک مؤخر کردے اور اگر مسافر شرعی ہے کم از کم فرض اور وتر پڑھ لیا کرے۔ (نظام الفتاوی:۱/۶۷)

احسن الفتاوی میں ہے:

اونٹ گاڑی پر فرض نماز بھی جائز ہے مگر استقبالِ قبلہ اور قیام شرط ہے، ریل گاڑی اور بس میں کھڑے ہوکر قبلہ رخ نماز پڑھیں۔ (احسن الفتاوی:۴/۸۸ باب صلاۃ المسافر)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بس میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر بس والے راستہ میں نماز کے لئے بس نہیں روکتے تو بس میں بیٹھ کر نماز پڑھے گا یا نماز قضا کرے گا؟

الجواب: بس میں نماز پڑھنا درست ہے اور استقبالِ قبلہ اور قیام ضروری ہے اگر ممکن نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے رکوع سجدہ کے ساتھ ورنہ اشارہ سے پڑھے اور بعد میں اعادہ کرلے۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وقالا أي أبو يوسفؒ ومحمدؒ لاتصح جالساً إلا من عذر وهو الأظهر لحديث ابن عمر رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ سئل عن الصلاة في السفينة فقال: صل فيها قائماً إلا أن تخاف الغرق وقال مثله

لجعفر رضی اللہ عنہ ولأن القيام ركن فلا يترك إلابعذرمحقق لاموهوم.....وإذاكانت سائرة يتوجه المصلي فيهما إلى القبلة لقدرته على فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة و كلما استدارت السفينة عنها أى القبلة يتوجه المصلي باستدارتها إليها أى القبلة فى خلال الصلاة. (مراقی الفلاح علی نور الإیضاح: ۱۵۸، فصل فی الصلاۃ فی السفینۃ،مکۃ المکرمۃ۔وفتح القدیر ۱/ ۲۷۰، دارالفکر۔ وشامی:۲/ ۴۰،سعید کمپنی۔والبحر الرائق:۲/ ۶۴)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

بَسوں کی ساخت ایسی ہوتی ہے کہ اگر بَس سمتِ قبلہ میں نہ جارہی ہوتو قبلہ کا استقبال نہیں کیا جاسکتا ایسی صورت میں اگر بس ٹھہری ہوئی ہوتو نیچے اتر کر نماز ادا کرے اور سوار رکوانے پر قادر نہ ہوتو استقبال کے بغیر بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔(جدید فقہی مسائل:۱/ ۱۲۸،نعیمیہ دیوبند)

احسن الفتاوی میں ہے:

ریل گاری اور بس میں کھڑے ہوکر قبلہ رخ نماز پڑھیں...اگر استقبالِ قبلہ اور قیام نہیں ہوسکتے تو اشارہ سے نماز ادا کرے اور بعد میں اعادہ کرلے۔(احسن الفتاوی:۴/ ۸۸۔وفتاوی محمودیہ:۵/ ۵۲۴،مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

البحرالرائق میں ہے:

ان العذرإن كان من قبل الله تعالىٰ لاتجب الإعادة وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحرالرائق:۱/ ۱۴۲،کوئٹۃ)

شرح منیۃ میں ہے:

والمقيد إذا صلى قاعداً لعدم قدرته على القيام بسبب القيد يعيد إذا زال ذلك السبب. (شرح منية المصلي: ۷۶،سهيل)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تختہ پوش پر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ہمارے گھروں میں پرانے زمانے سے لکڑی کا تختہ ہوتا تھا جس کو تختہ پوش کہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس پر نماز پڑھنا ثابت نہیں اس لیے نہیں پڑھنا چاہئے، کیا شریعت میں اس پر نماز پڑھنے کا ثبوت ہے یا نہیں؟

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: تختہ پوش چونکہ لکڑی سے بنتا ہے اور سخت ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے قیام، رکوع اور سجود پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، اس وجہ سے اس پر نماز پڑھنا صحیح اور درست ہے، بشرطیکہ پاک ہو اور زمین پر رکھا ہوا ہو۔ ملاحظہ فرمائیں امداد الفتاح میں ہے:

والسجود على ما يجد حجمه وتستقر عليه جبهته، وتفسير وجدان الحجم أن الساجد لو بالغ لاتتسفل رأسه أبلغ مما كان عليه حال الوضع فلايصح السجود على المارز والذرة و بزر الكتان ونحوه لعدم استقرار الجبهة عليها إلا أن يكون فى جوالق ونحوها لأنه يجد الحجم حينئذٍ وكذا الحشيش والتبن والقطب والثلج ، وكل محشو كالفراش والوسائد إن وجد حجم الأرض بكسبه صح وإلا فلا. (امداد الفتاح، ص ٢٥٤، احكام السجود، ط: بيروت).

فتاوی الشامی میں ہے:

قوله وأن يجد حجم الأرض تفسيره أن الساجد لوبالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلك فصح على طنفسة وحصير وحنطة وشعير وعجلة إن كانت على الأرض لا على ظهر حيوان كبساط مشدود بين أشجار. (فتاوى الشامى: ١/ ٥٠٠، سعيد).

البحر الرائق میں ہے:

والأصل كما أنه يجوز السجود على الأرض يجوز على ما هو بمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقر عليه ... (البحر الرائق: ١/ ٣١٩، ط: كوئته).

مزید ملاحظہ ہو: (شرح منیۃ المصلی، ص ۲۸۸، سہیل، وفتاویٰ حقانیہ: ۸۳/۳، وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۲/۲، واحسن الفتاویٰ: ۴۳۲/۳)۔

علاوہ ازیں چند احادیث سے بھی مسئلہ بالا کی تائید ہوتی ہے۔

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری شریف میں بعنوان "باب الصلاة فى السطوح والمنبر والخشب" باب قائم فرمایا ہے، اور اس کے تحت "الصلاة على المنبر" کی احادیث نقل فرمائی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

نا أبو حازم قال: سألوا سهل بن سعد من أى شيء المنبر فقال: مابقى فى الناس أعلم به منى هو من اثل الغابة عمله فلان مولى فلانة لرسول الله صلى الله عليه وسلم وقام عليه

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حین عمل ووضع فاستقبل القبلة کبر وقام الناس خلفه فقرأ ورکع ورکع الناس خلفه ثم رفع رأسه ثم رجع القهقری فسجد علی الأرض ثم عاد علی المنبر ثم قرأ ثم رکع ثم رفع رأسه ثم رجع قهقری حتی سجد بالأرض فهذا شأنه. (رواه البخاری :۱/۵۵، فیصل، والبیهقی فی السنن الکبری:۳/۱۰۸،باب ماجاء فی مقام الامام ،بیروت).

مذکورہ بالا روایت منتقی ابن جارود میں درجِ ذیل الفاظ میں مروی ہے:

أبو حازم قال سمعت سهل بن سعدؓ یقول: صلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم علی المنبر یوماً والناس وراء ہ ...(المنتقی لابن الجارود،رقم : ۳۱۲،والاوسط لابن المنذر:٤/١٦٤).

سنن کبری بیہقی میں ہے:

عن أبي سعید الخدریؓ أن حذیفةؓ بن الیمان أمهم بالمدائن علی دکان فجذبه سلیمان ثم قال له ما أدري أطال بل العهد أم نسیت أماسمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول : لایصلی الإمام علی نشز مماعلیه أصحابه . (السنن الکبری للبهقی:۳/۱۰۹،باب ماجاء فی مقام الامام).

اس روایت میں نماز کی صحت کا انکار نہیں ہے بلکہ اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ امام کے لیے مناسب نہیں کہ مقتدیوں سے اونچے مقام پر ہو۔

فتح الباری میں ابن رجب الحنبلی فرماتے ہیں:

وصلی جابر بن عبداللّٰہ وأبوسعید فی السفینة قیاماً. (فتح الباری :۲/۵،باب الصلاة علی الحصیر) .

اور سفینہ تختہ کی طرح ہے۔ حضرت مفتی تقی عثمانیؒ انعام الباری میں فرماتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات ایسی چیزوں پر نماز بھی پڑھی کہ جو جنس ارض سے نہیں تھیں مثلاً منبر اور خشب ۔(انعام الباری:۲/۲۱۴،باب الصلاۃ علی السطوح والمنبر والخشب)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہوائی جہاز میں نماز ہی نہیں ہوتی کیونکہ سجدہ زمین یا ایسی چیز پر ہونا

Maktaba Tul Ishaat.com

چاہئے جو زمین پر لگی ہوئی ہو جب کہ ہوائی جہاز ایسا نہیں ہے۔ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کے بارے میں بعض علماء کو یہ اشکال تھا کہ ہوائی جہاز زمین پر موضوع نہیں ہے اور سجدہ زمین پر یا کسی ایسی چیز پر ہو جو زمین پر موضوع ہو، اس وجہ سے وہ حضرات ناجائز کہتے تھے، لیکن شریعتِ مطہرہ کا اصل منشا یہ ہے کہ سجدہ ایسی چیز پر ہو جس پر پیشانی اچھی طرح ٹک سکے، لہذا اون کے گالے جن میں پیشانی دبتی چلی جائے اور کوئی مستقر نہ ملے تو اس پر نماز صحیح اور درست نہیں ہے، اور ہوائی جہاز زمین کے اجزاء سے بنایا گیا ہے اور زمین کے اجزاء زمین ہی ہیں، پھر اس پر پیشانی اچھی طرح ٹک جاتی ہے، بنابریں ہوائی جہاز میں نماز صحیح ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ ورنہ تو کشتی اور زمین کے درمیان بے پناہ پانی کا فاصلہ ہے اس کے باوجود احادیث اور کتبِ فقہ سے کشتی میں نماز پڑھنے کا جواز مترشح ہے۔ اور سجدہ کی تعریف "وضع الجبهة على الأرض" یہ غالب اور اکثر حالات کے اعتبار سے ہے۔

شرح وقایہ میں ہے:

فإن سجد على كور عمامته أوفاضل ثوبه أوشيء يجدحجمه ويستقرجبهته جاز وإن لم يستقر لا. (شرح الوقاية:١/١٤٧).

البحر الرائق میں ہے:

والأصل كما أنه يجوز السجود على الأرض يجوز على ما هو بمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقرعليه وتفسيروجدان الحجم أن الساجد لو بالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلك. (البحرالرائق:١/٣١٩، كوئته).

ويشترط في صحة السجود أن يكون على يابس تستقر جبهته عليه. (الفقه على المذاهب الاربعة:١/١٨٨).

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ومثل السفينة القطر البخارية البرية والطائرات الجوية ونحوها. (الفقه على المذاهب الاربعة:١/١٦٨).

المحیط البرهانی میں ہے:

ولأن السفينة في معنى الأرض لأنه يباح الجلوس عليها للقراءة كما على الأرض

فكانت السفينة كالسرير ولو صلى على السرير تجوز صلاته فكذلك هاهنا. (المحيط البرهاني: ١٦٦/٢).

وفي "الفقه الحنفي في ثوبه الجديد": ومثل الدابة السيارة والطائرة والسفينة ... وكذلك الحكم في الطائرة الكبيرة إذا أمكنه القيام ووجد مكاناً يتسع للصلاة وأمن من الاهتزاز والاضطراب فيصلي قائماً بركوع وسجود واستقبال قبلة. (الفقه الحنفي في ثوبه الجديد: ٣١٥/١).

"الصلاة في السفينة" سے متعلق چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

روى البيهقي في "سننه الكبرى" (٥٦٩٨/١٥٥/٣) **بسنده عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الصلاة في السفينة قال: كيف أصلي في السفينة؟ فقال: "صل قائماً إلا أن تخاف الغرق". ورواه الحاكم** (١٠١٩) **وقال: صحيح الإسناد على شرط مسلم.**

وفي رواية له عن ابن عمرؓ قال: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أصحابه حين خرجوا إلى الحبشة أن يصلوا قياماً مالم يخافوا الغرق كذا قال. (رواه البيهقي في الكبرى: ١٥٥/٣).

روى الطحاوي في شرح معاني الآثار (٢٢٥٣) **عن ابن سيرين قال: خرجنا مع أنس بن مالكؓ إلى شق سيرين فأمنا في السفينة على بساط فصلى الظهر ركعتين ثم صلى بعدها ركعتين.**

مزید آثار مصنف ابن ابی شیبہ (۲۶۶/۲)، ومصنف عبدالرزاق (۵۸۲/۲، باب الصلاۃ فی السفینۃ) میں ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ہوائی جہاز میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:

سوال: ہوائی جہاز میں نماز ادا کرتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ہوائی جہاز میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام ضروری ہے۔ ہاں اگر جگہ نہیں ہے یا کسی عارض کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا دشوار ہو تو بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ پڑھے۔ البتہ سیٹ پر بیٹھ کر

Maktaba Tul Ishaat.com

نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ اکثر علماء نے لکھا ہے کہ اس صورت میں اعادہ احوط ہے۔

نظام الفتاوی میں ہے:

شریعت کا اصل منشاء یہ ہے کہ سجدہ کرنے کے لئے کوئی ایسی چیز ہو جس پر پیشانی ٹک سکے جس طرح کشتی میں نماز ادا کرنا جائز ہے حالانکہ کشتی اور زمین کے درمیان بے پناہ پانی کا فاصلہ ہے، حاصل یہ ہے کہ زمین کی طرح ہوائی جہاز پر بھی نماز ادا کرنا درست رہے گا اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی، چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن جزریؒ نے ہوائی جہاز کو پانی کے جہاز کا حکم دیا ہے، موصوف فرماتے ہیں: **ومثل السفينة القطر البخارية والطائرات الجوية ونحوها**. الفقه على المذاهب الاربعة: ۱/۲۰۶۔ (نظام الفتاوی: ۱/۶۹، کتاب الصلاۃ)

مراقی الفلاح میں ہے:

والواجب فيها وهي جارية قاعداً بلاعذر به وهويقدرعلى الخروج منها صحيحة عند الإمام الأعظم أبى حنيفةؒ لكن بالركوع والسجود لا بالإيماء لأن الغالب فيها دوران الرأس ،والغالب كالمتحقق لكن القيام فيها والخروج أفضل إن أمكنه لأنه أبعد عن شبهة الخلاف وأسكن لقلبه وقالا أى أبويوسفؒ ومحمدؒ لاتصح جالساً إلا من عذروهو الأظهر لحديث ابن عمر رضی اللہ عنہ أن النبى ﷺ سئل عن الصلاة فى السفينة فقال: صل فيها قائماً إلا أن تخاف الغرق. وقال مثله لجعفر رضی اللہ عنہ ولأن القيام ركن فلايترك إلابعذرمحقق لاموهوم ودليل الأمام أقوى فيتبع.....(والعذركدوران الرأس وعدم القدرة على الخروج ولاتجوزفيها بالإيماء لمن يقدرعلى الركوع والسجود).....ويتوجه المصلى فيها إلى القبلة لقدرته على فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة وكلما استدارت السفينة عنها أى القبلة يتوجه المصلى إليها فى خلال الصلاة.

وفى حاشية الطحطاوى:

فصل فى الصلاة فى السفينة: أن السفينة لها شبه بالدابة لأنها مركب البحر والدابة مركب البر ولذا سقط القيام كما هوفى صلاة الدابة، ولها شبه بالأرض من حيث الجلوس عليها بقرار، ولذا لزم الركوع، والسجود، والاستقبال.....(قوله: ولوترك الاستقبال لاتجزيه.....) هذا ما أورده الشيخ أكمل الدين بقوله: وينبغى أن يتوجه إلى القبله كيفما

دارت السفينة سواء كان عند افتتاح الصلاة، أوفي خلال الصلاة لأن التوجه فرض عند القدرة، وهذا قادر. كذا في الشرح قال بعض الحذاق: المتبادرأن لزوم التوجه منوط بالقدرة عليه كما يشيرإليه كلام المضمرات،والاسبيجابي إذ الاستقبال قد يسقط بالعذر ، ولوعند الإمكان كما في الخائف من عدوه عدم الإمكان أولىٰ، والعلامة الأكمل لم يطلق لزوم الاستقبال، بل قيد بالقدرة، وعند عدم القدرة على الشيء كيف يتحقق لزومه،وإلى ماذكرنا يشير كلام الدررحيث قال: لأنه يمكنه الاستقبال من غير مشقة إذ مفهومه أنه عند عدم الإمكان، وعند المشقة لايلزمه الاستقبال، ومفاهيم الكتب حجة كما لايخفى..... (حاشية الطحطاوی مع المراقی:ص۴۰۸۔۴۱۰،فصل فی الصلاۃ فی السفینۃ، قدیمی۔وکذا فی الشامی:۲/۱۰۱، مطلب فی الصلاۃ فی السفینۃ۔وکذا فی المبسوط للامام السرخسی:۲/۲)

احسن الفتاوی میں ہے:

بوقتِ پرواز ہوائی جہاز میں نماز کا حکم چلتے ہوئے بحری جہاز کی طرح ہے یعنی اس میں بوجہ عذر نماز جائز ہے۔(احسن الفتاوی۴/۹۰)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

قیام اور استقبالِ قبلہ پر قدرت کے باوجود ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی ،سفر میں ہو یا حضر میں ،ریل میں ہو یا جہاز میں ،سب کا یہی حکم ہے۔(فتاوی محمودیہ ۷/۵۳۲،باب صلاۃ المسافر، جامعہ فاروقیہ)

نیز مذکور ہے:

مجبوری کی حالت میں اشارہ سے نماز پڑھ لی جائے پھر منزل پر پہونچ کر اعادہ کرلے کیونکہ یہاں مانع من جہۃ العباد ہے۔(فتاوی محمودیہ:۷/۵۳۲ باب صلاۃ المسافر، جامعہ فاروقیہ۔واحسن الفتاوی:۴/۸۸)

نظام الفتاوی میں ہے:

تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہوائی جہاز پر بھی نماز پڑھی جائے گی ۔اگر جماعت سے پڑھ سکتے ہوں تو جماعت سے پڑھنا بہتر ہوگا، ورنہ تنہا تنہا پڑھیں گے۔اگر حرکت وغیرہ کسی عارض کیوجہ سے کھڑے ہوکر پڑھنا دشوار ہو تو بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ پڑھیں گے اور سمتِ قبلہ کمپاس کے ذریعہ معلوم کریں گے۔اگر کمپاس نہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوتو تحری کر کے جس رخ پر قبلہ قرار پائے اس پر نماز پڑھیں گے غرض کہ جیسا عمل چلتی ریل میں کرتے ہیں اس میں بھی کریں گے اور نماز قضا نہ کریں گے۔ (نظام الفتاوی: ص ۴۸۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تکبیرِ تحریمہ کے بعد نیت بدل جائے تو نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے فرض نماز کے لئے ''اللہ اکبر'' کہہ یا اس کے بعد سنت کی نیت کر لی تو دوبارہ تکبیر کہنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: پہلی تکبیر کافی ہے دوبارہ تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ فرض سے نکلنے کا جو مشروع طریقہ ہے اس کا ترک لازم آتا ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

(الفصل الأول فی فرائض الصلاة) وهی ست(منها التحريمة) وهی شرط عندنا حتی أن من يحرم للفرائض كان له أن يؤدی بها التطوع هكذا فی الهدايه،ولكن يكره لترك التحلل عن الفرض بالوجه المشروع، وأما بناء الفرض علی تحريمة فرض آخر فلايجوزإجماعاً، وكذا بناء الفرض علی تحريمة النفل كذا فی السراج الوهاج. (الفتاوی الهندية: ۱/۶۸، الباب الرابع فی صفة الصلاة)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

پہلی رکعت میں نیت کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے ظہر کی نماز شروع کی، نیت کی طرف التفات نہیں رہا، دل میں بھی نہیں آیا کہ ظہر کی نماز ہے، پھر پہلی رکعت میں ظہر کی نیت کر لی، تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: فقہاء فرماتے ہیں کہ نیت کا محل ابتدائے صلوٰۃ ہے، نماز شروع کرنے کے بعد نماز کا ایک حصہ بلا نیت گزر چکا، اس لیے نماز درست نہیں ہونی چاہئے۔ جیسا کہ فتاوی شامی وغیرہ میں مرقوم ہے۔ لیکن صاحبِ فتاویٰ سراجیہ نے بعض فقہاء کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ اگر ابتدائے صلاۃ میں نیت کرنا بھول گیا، اور شروع کرنے کے بعد ثنا پڑھتے وقت یاد آیا اور نیت کر لی تو نماز صحیح ہے۔ اس قول کی روشنی میں اگر کوئی شخص ذہنی پریشانی یا کسی اور عذر کی بنا پر شروع صلوٰۃ میں نیت نہ کر سکا، اور پہلی رکعت میں ثنا میں نیت کر لی تو نماز درست ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہو الدر المختار میں ہے:

والخامس : النية بالإجماع، وهي الإرادة المرجحة لأحد المتساويين...وجاز تقديمها على التكبيرة ولوقبل الوقت...ولاعبرة بنية متأخرة عنها على المذهب، وجوزه الكرخيؒ إلى الركوع .

وفي الشامية: قوله ولاعبرة بنية متأخرة لأن الجزء الخالي عن النية لايقع عبادة، فلا يبني الباقي عليه...حتى لونوى عندقوله "اللّٰه"قبل أكبرلايجوز، لأن الشروع يصح بقوله "اللّٰه" فكانه نوى بعد التكبيرحلية عن البدائع. قوله"جوزه الكرخي إلى الركوع"فيه أن الكرخيؒ لم ينص على الركوع ولاغيره، وإنما اختلفوا في التخريج على قوله في أنه ينتهي إلى الثناء أوالركوع أوالرفع منه أوالقعود . (الدرالمختارمع فتاوى الشامي:۱/٤١٤،٤١٧،سعيد).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

تکبیر تحریمہ ختم ہونے سے پہلے نیت ضروری ہے۔(احسن الفتاویٰ:۳/۱۳)۔

جواز کی دلیل ملاحظہ ہو فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

إذا نسي نية الصلاة ، ثم نوى الشروع حال قراءة الثناء يصح شروعه، وبه أفتى بعضهم . (الفتاوى السراجية على هامش فتاوى قاضيخان:۱/٥). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تعدادِ رکعات کی نیت کا حکم:

سوال: دو رکعت نماز کی جگہ چار رکعت کی نیت باندھ لی اور صرف دو رکعت کو ادا کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: دو رکعت کو اگر چار رکعت کی نیت سے ادا کیا تو بھی نماز صحیح ہوگی، اس لئے کہ تعدادِ رکعات کی نیت شرط نہیں ہے۔ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولايشترط نية عدد الركعات هكذا في شرح الوقاية. (الفتاوى الهنديه:۱/٦٦۔وكذا في الشامي:۱/۳۹۰،سعيد)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بزبانِ فارسی تکبیرِ تحریمہ کہنے سے نماز کا حکم:

سوال: تکبیرِ تحریمہ فارسی زبان میں کہہ کر نماز شروع کرے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق فارسی زبان میں تکبیر تحریمہ کہنے سے نماز صحیح ہوجائے گی، لیکن صاحبینؒ کے نزدیک نماز درست نہ ہوگی، اگرچہ امام صاحبؒ کے مذہب کے مطابق نماز درست ہے پھر بھی خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے جو شخص عربی زبان پر قدرت رکھتا ہو اس کے لئے فارسی زبان میں تکبیر تحریمہ کہنا مکروہ تحریمی ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولو افتتح الصلاة بالفارسية بأن قال "خدای بزرگ تر" أو "خدای بزرگ" يصير شارعاً عند أبی حنيفةؒ وعندهما لايصير شارعاً إلا إذا كان لايحسن العربية. (بدائع الصنائع: ۱/۱۳۱، سعید کمپنی)

درمختار میں ہے:

(كما صح لو شرع بغير عربية.....قلت: وجعل العينی الشروع كالقراءة لاسلف له فيه) أی لم يقل به أحد قبله، وإنما المنقول أنه رجع إلى قولهما فی اشترط القراءة بالعربية إلاعند العجز، أما مسئلة الشروع فالمذكور فی عامة الكتب حكاية الخلاف فيها بلا ذكر رجوع أصلاً (قوله ولاسند له يقوى) أی ليس له دليل يقوى مدعاه، لأن الإمام رجع إلى قولهما فی اشترط القراءة بالعربية، لأن المأمور به قراءة القرآن.....أما الشروع بالفارسية فالدليل فيه للإمام أقوى، وهو كون المطلوب فی الشروع الذكر والتعظيم، وذلك حاصل بأی لفظ كان، وأی لسان كان، نعم لفظ "اللّٰه أكبر" واجب للمواظبة عليه لافرض. (الدرالمختار مع الشامی: ۱/۴۸۴، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كبر بالفارسية جاز هكذا فی المتون سواء كان يحسن العربية أولا إلا أنه إذا كان يحسنها يكره وعلى قول ابی يوسفؒ ومحمدؒ لايجوز إلا إذا كان يحسن العربية هكذا فی المحيط. (الفتاوی الهندية: ۱/۶۹، الباب الرابع فی صفة الصلاه)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

الصحيح أنه يصح الشروع عنده بغير العربية ولو كان قادراً عليها مع الكراهة التحريمية للقادر لأن الشروع يتعلق بالذكر الخاص وهو يحصل بكل لسان. (حاشية الطحطاوی

علی مراقی الفلاح:ص ۲۸۰،قدیمی)

اوجزالمسالک میں ہے:

والثابت بالخبر اللفظ المخصوص فيجب العمل به حتى يكره لمن يحسنه تركه. (أوجزالمسالك :۲/۷۶،باب افتتاح الصلاة ،دارالعلم دمشق)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کو جھٹکا دینے کا حکم:

سوال: بعض حضرات کہتے ہیں کہ تکبیرِ تحریمہ میں دنیا کو پس پشت ڈالنے کی طرف اشارہ ہے اس وجہ سے ہاتھوں کو کانوں کے قریب لے جا کر پیچھے کی طرف جھٹکا دینا چاہئے۔کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب: تکبیرِ تحریمہ میں دنیا کو پسِ پشت ڈالنے کی طرف اشارہ ہے یہ ایک حکایت اور لطیفہ ہے اس کی وجہ سے ہاتھوں کو جھٹکا دینا درست نہیں ہے بلکہ خلافِ سنت ہے۔سنت طریقہ کے مطابق نماز پڑھنی چاہئے۔ اوجزالمسالک میں ہے:

ثم اختلف العلماء فی حكمة الرفع، فقيل:.....إشارة إلى طرح الدنيا والإقبال بكليته إلى اللّٰه تعالىٰ. (أوجزالمسالك:۲/۸۰،باب افتتاح الصلاة،دار العلم دمشق۔هكذا فی امانی الاحبار: ۳/۳۔ وكذا فی تقرير أبی داؤد: ۲/۲۱۴)

طحطاوی میں ہے:

(فيحسن رفع اليدين للتحريمة حذاء أذنين للرجل)لأن رسول اللّٰه ﷺ كان إذا افتتح الصلاة كبر،ثم رفع يديه حتى يحاذی بإبهاميه أذنيه. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۲۵۶، قديمی كتب خانه)

شامی میں ہے:

واعتمد ابن الهمام التوفيق بأنه عند محاذاة اليدين للمنكبين من الرسغ تحصل المحاذاة للاذنين بالإبهامين.وهو صريح رواية أبی داؤد. (شامی:۱/۴۸۲،سعيد)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا أراد الدخول فی الصلاة كبرورفع يديه حذاء أذنيه حتى يحاذی بإبهاميه شحمتی

Maktaba Tul Ishaat.com

أذنيه وبرؤس الأصابع فروع أذنيه كذا فى التبين، قال الفقيه أبو جعفر: يستقبل ببطون كفيه القبلة وينتشر أصابعه ويرفعهما فإذا استقرتا فى موضع محاذاة الإبهامين شحمتى الأذنين يكبر قال شمس الائمة السرخسى: عليه عامة المشايخ كذا فى المحيط. (الفتاوى الهندیه: ۱/۷۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قومہ اور جلسہ میں اعتدال اور اطمینان کی واجب مقدار:

سوال: بعض حضرات قومہ میں طویل قیام کو اطمینان اور اعتدال کے مترادف سمجھتے ہیں اور اس کو واجب کہتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: قومہ میں طویل قیام کو اعتدال کے مترادف سمجھنا اور اس کو واجب کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ اعتدال کی واجب مقدار ایک تسبیح کے بقدر ہے جس سے اعضاء ساکن ہوجائے اس سے زیادہ واجب مقدار میں داخل نہیں ہے، ہاں بالکلیہ اعتدال ترک کرنا موجبِ سجدۂ سہو ہے لہذا واجب مقدار کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ويجب اطمئنان وهو التعديل فى الأركان بتسكين الجوارح فى الركوع والسجود حتى تطمئن مفاصله وهو الصحيح لأنه شرع لتكميل الركن فكان واجباً كقراءة الفاتحة لا ركناً ولا سنة كما قال الجرجانى: ليس سنة مؤكدة وأدناه مقدار تسبيحة واحدة وقال أبو يوسفؒ: هو فرض لقوله ﷺ لمن خفف الصلاة ويقال له المسيء صلاته: صل فإنك لم تصل، وسئل محمدؒ عن ترك الطمانينة فقال: إنى أخاف أن لا تجوز، وعن أبى حنيفةؒ فيمن لم يتم ركوعه وسجوده ولم يقم صلبه قال: أخشى أن لا تجوز صلاته. ومقتضى الدليل وجوب الطمانينة فى الأربعة ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة على ذلك كله ولأمر فى حديث المسيء صلاته وإليه ذهب المحقق الكمال ابن الهمامؒ وتبعه تلميذه ابن أمير الحاج وقال: إنه الصواب فليتنبه له. (امداد الفتاح: ص۲۷۶، فصل فی واجبات الصلاۃ، بیروت۔ وھکذا فی مراقی الفلاح: ص۹۲، مکۃ المکرمۃ)

طحطاوی میں ہے:

وهو التعديل أى التتميم والتكميل وهوفى اللغة التسوية قوله:حتى تطمئن مفاصله ويستقر كل عضوفى محله بقدرتسبيحة كمافى القهستانى هذا قول أبى حنيفةؒ ومحمدؒ على تخريج الكرخىؒ.(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:ص ۲۵۰،فصل فى واجبات الصلاة ،قديمى)

نیز ملاحظہ ہو:شامی:۱/۴۶۴، سعید۔والفتاوی الھندیۃ:۱/۸۱۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تعدیل ارکان کا حکم:

سوال: فقہائے حنفیہ کے نزدیک تعدیل ارکان یعنی قومہ اور جلسہ وغیرہ اطمینان سے ادا کرنا واجب ہے یا سنت؟ اور اس کی مقدار کیا ہے؟

الجواب: فقہائے حنفیہ کے ہاں اصح اور مفتی بہ قول کے مطابق تعدیل ارکان واجب ہے، اگرچہ ایک روایت سنت ہونے کی ہے لیکن بفحوائے احادیث وجوب مستفاد ہوتا ہے اور علامہ محقق ابن ہمامؒ نے وجوب والے قول کو مختار کہا ہے اور شامیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ پھر اس کی واجب مقدار بقدرِ تسبیحہ واحدہ ہے اور سنت مقدار تین تسبیحات کے بقدر ہے۔

ملاحظہ فرمائیں شرح نقایہ میں ہے:

وقال بعض المحققين: وينبغي أن تكون القومة والجلسة واجبتين للمواظبة ، ولعله كذلك عندهماويدل عليه إيجاب سجود السهوفيه كماذكر فى "فتاوى قاضيخان"فى فصل مايوجب السهو، قال: المصلى إذاركع ولم يرفع رأسه حتى خر ساجداً ساهياً، تجوز صلاته في قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ وعليه السهو. (فتح باب العناية:۱/۲۲۶،بيروت).

وفى الدرالمختار: وتعديل الأركان أى تسكين الجوارح قدرتسبيحة واحدة فى الركوع والسجود، وكذا فى الرفع منهماعلى مااختاره الكمال.وفى الشامية:قوله "وتعديل الأركان" هوسنة عندهما فى تخريج الجرجانىؒ، وفى تخريج الكرخىؒ واجب حتى تجب سجدتا السهو بتركه كذا فى الهداية، وجزم بالثانى فى الكنز والوقاية والملتقى، وهو مقتضى الأدلة قال فى البحر: وبهذا يضعف قول الجرجانى. قوله "وكذا فى الرفع منها" أى يجب التعديل أيضاً فى القومة من الركوع والجلسة بين السجدتين، وتضمن كلامه وجوب

Maktaba Tul Ishaat.com

نفس القومة والجلسة أيضاً لأنه يلزم من وجوب التعديل فيهما وجوبهما. قوله "على ما اختاره الكمال" قال في البحر: ومقتضى الدليل وجوب الطمانينة في الأربعة أي في الركوع والسجود وفي القومة والجلسة، ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة على ذلك كله وللأمر في حديث المسيء صلاته، ولما ذكره قاضيخان من لزوم سجود السهو بترك الرفع من الركوع ساهياً وكذا في المحيط فيكون حكم الجلسة بين السجدتين كذلك، لأن الكلام فيهما واحد، والقول بوجوب الكل هو مختار المحقق ابن الهمامؒ وتلميذه ابن أمير حاجؒ، حتى قال: إنه الصواب، واللّٰه الموفق للصواب ...

والحاصل أن الأصح رواية ودراية وجوب تعديل الأركان، وأماالقومة والجلسة وتعديلهما فالمشهور في المذهب السنية، وروى وجوبها، وهوالموافق للأدلة، وعليه الكمال ومن بعده من المتأخرين وقدعلمت قول تلميذه إنه الصواب. (الدرالمختار مع رد المحتار: ۱/٤٦٤، سعيد).

وفي شرح النقاية: ثم اعلم أن المراد من حديث المسيء صلاته ماورد في "الصحيحين" عن أبي هريرةؓ من قوله صلى اللّٰه عليه وسلم للأعرابي الذي دخل المسجد، فصلى ثم جاء فسلم عليه، فقال: "ارجع فصل فإنك لم تصل". حتى فعل ذلك ثلاث مرار فقال الرجل: "والذي بعثك بالحق ماأحسن غيرهذا فعلمني، فقال: إذا قمت إلى الصلاة فكبر، ثم اقرأ ماتيسر معك من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعاً، ثم ارفع حتى تعتدل قائماً، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً، ثم اجلس حتى تطمئن جالساً، ثم افعل ذلك في صلاتك كلها، فإذا فعلت هذا فقد تمت صلاتك". (شرح النقاية: ۱/۲۲٦، واجبات الصلاة، بيروت).

وفي شرح الوقاية: وواجبها... وتعديل الأركان خلافاً للشافعيؒ وأبي يوسفؒ فإنه فرض عندهما وهو الاطمينان في الركوع وكذا في السجود وقدر بمقدار تسبيحة وكذا الاطمينان بين الركوع والسجود وبين السجدتين. وفي عمدة الرعاية: قوله وقدر، أي قدر

الاطمينان الواجب بمقدار تسبيحة واحدة من تسبيحات الركوع والسجود . (شرح الوقاية مع عمدة الرعاية : ۱/۱٤۳،باب صفة الصلاة).

معارف السنن میں ہے:

ثم المكث قدر تسبيحة واجب، وقدرالثلاث سنة ، وهذا مذهب أبى حنيفةؒ ومالک والثورى والأوزاعىؒ وأبى يوسفؒ ومحمدؒ والشافعى وابن وهب وأحمد فى رواية .(معارف السنن:۳/۹). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

فصلِ دوم

نماز کی سنن اور آداب کا بیان

حالتِ قیام میں قدم سے قدم ملانے کا حکم:

سوال: غیر مقلدین اور عرب کے مشائخ نماز میں پاؤں کھول کر کھڑے ہوتے ہیں یعنی پیروں کو بہت زیادہ کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث میں قدم سے قدم ملانے کا حکم ہے کیا ان کا یہ عمل درست ہے یا ہمارا عمل درست ہے؟ اگر ہمارا عمل درست ہے تو کیا دلائل ہیں؟

الجواب: غیر مقلدین جو حدیث پیش کرتے ہیں اس میں دو لفظ آتے ہیں (۱) الصاق (۲) الزاق، ان دونوں الفاظ کے دو معنی ہیں (۱) حقیقی: یعنی مکمل طور پر ملانا اور چپکانا جیسے: ''به داء، به وسخ، به مرض'' (۲) مجازی ملانا کچھ فاصلہ کے ساتھ جیسے: ''مررت بزيد'' یعنی میں زید کے قریب سے گذرا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں پر حقیقی معنی مراد ہے یا مجازی، متعدد دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر مجازی معنی مراد ہے۔ یعنی قریب کھڑا ہونا اور درمیان میں زیادہ فاصلہ نہ ہو کہ اس میں ایک آدمی کی گنجائش ہو اور صفوف کو ٹھیک کرنا۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ میں ہے:

عن أبی هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا صلى أحدكم فلا يضع نعليه عن يمينه ولا عن يساره فتكون عن يمين غيره إلا أن لا يكون على يساره أحد وليضعهما بين رجليه. وفي رواية أو ليصل فيهما. رواه ابو داؤد وروى ابن ماجة معناه۔ (مشكوٰة شريف: ۱/۷۳)

وقال الشيخ ناصر الدين الألبانی عن هذا الحديث ''بإسنادين أحدهما حسن بالرواية

الأولى والآخر صحيح بالرواية الأخرى كما حققته في صحيح السنن ـ ٦٦١و٦٦٢ـ (تعليق الالبانی علی مشکوٰۃ:۱/۷٦۹)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دومصلیوں کے پاؤں کے درمیان کچھ فاصلہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر الزاق کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کریں تو جوتے رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر تو آپ ﷺ یوں فرماتے کہ دائیں بائیں جوتا مت رکھو کیونکہ جگہ نہیں۔

(۲) عن أبي مسعود الأنصاري رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ يمسح مناكبنا في الصلاة ويقول استووا ولاتختلفوا فتختلف قلوبكم .الحديث ـرواه مسلم .(مشکوٰۃ شریف:۱/۹۸)

(۳) ان رسول الله ﷺ قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل. (رواه أبو دؤد:۱/۹۷)

(۴) عن أبي القاسم الجدني قال سمعت النعمان بن بشير رضی اللہ عنہ يقول: أقبل رسول الله ﷺ على الناس بوجهه فقال: أقيموا صفوفكم ثلاثاً والله لتقيمنّ صفوفكم أوليخالفنّ الله بين قلوبكم قال: فرأيت الرجل يلزق منكبه بمنكب صاحبه وركبته بركبة صاحبه وكعبه بكعب صاحبه. (رواه أبو داؤد:۱/۹۷)

احادیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کندھوں اور گھٹنوں کا سیدھا اور برابر رکھنا بھی ضروری ہے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ الزاق کو اپنے مجازی معنی پر محمول کریں ورنہ کندھوں کو سیدھا رکھنا محالات میں سے ہے جب کہ مختلف القامۃ لوگ نماز میں کھڑے ہوں تو کندھوں اور گھٹنوں کو کیسے ملا سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ احادیث میں جس طرح اقامتِ صفوف اور اعتدالِ صفوف کا ذکر ہے اسی طرح استقامتِ بدن کا بھی حکم ہے۔اور استقامتِ بدن صرف اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ الزاق کو مجازی معنی پر محمول کیا جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ الزاق الکعب بالکعب کا حکم صرف حالتِ قیام کے لئے ہے یا رکوع اور سجدہ کے لئے بھی ہے۔اور رکوع اور سجدہ کے لئے بھی ہے تو غیر مقلدین حضرات اس پر کیوں عمل نہیں کرتے۔اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ الزاق سے حقیقی معنی مراد نہیں۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ غیر مقلدین حضرات جب اکیلے نماز پڑھتے ہیں تب بھی وہ پاؤں کو کشادہ رکھتے ہیں حالانکہ الزاق کا حکم جماعت کے ساتھ خاص ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اور اگر منفرد کے لئے بھی ہو تو پھر وہ صحیح مرفوع غیر متعارض حدیث پیش کریں۔

حاصل کلام احناف کے نزدیک حالت قیام میں پاؤں کے درمیان چار انگل کی مقدار کا فاصلہ ہونا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وينبغي أن يكون بينهما(أي القدمين) مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع. (شامي: ١/ ٤٤٤، بحث القيام، سعيد)

اور شوافع کے نزدیک ایک بالشت کی مقدار فاصلہ ہونا چاہئے۔

"الشافعية قدروا التفريج بينهما بقدر شبر.....فيكره أن يقرن بينهما أو يوسع أكثر من ذلك كما يكره تقديم إحداهما على الأخرى. (الفقه على مذاهب الأربعة: ١/ ٢٥٩)

یعنی شوافع حضرات نے حالت قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ کی مقدار ایک بالشت متعین کی ہے اور ان کے نزدیک پاؤں کو ملانا یا ایک بالشت سے زیادہ کشادہ رکھنا مکروہ ہے۔

المالكية قالوا: تفريج القدمين مندوب لا سنة، وقالوا: المندوب هو أن يكون بحالة متوسطة، بحيث لا يضمهما ولا يوسعهما كثيراً، حتى يتفاحش عرفاً ووافقهما الحنابلة على هذا التقدير إلا أنه لا فرق عند الحنابلة بين تسميته مندوباً أو سنة. (الفقه على مذاهب الأربعة: ١/ ٢٦٠)

یعنی مالکی حضرات کہتے ہیں کہ پاؤں کھلا رکھنا مستحب ہے نہ کہ سنت، اور مستحب یہ ہے کہ درمیانی حالت میں ہو نہ مکمل ملا دے اور نہ بہت زیادہ کشادہ اس طور پر کہ عرف میں برا محسوس ہو۔ اور حنابلہ اس مسئلہ میں مالکیہ کے ساتھ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ بھی الزاق کے مجازی معنی مراد لیتے ہیں نہ کہ حقیقی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی الزاق کے مجازی معنی پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ وہ حالت قیام میں پاؤں کو نہ زیادہ کشادہ رکھتے تھے نہ مکمل ملاتے تھے۔ جیسا کہ حضرت شیخ زکریاؒ نے تحریر فرمایا ہے:

"وقال المؤفق يكره أن يلصق إحدى قدميه بالأخرى في حال قيامه لما روى الأثرم عن عيينة بن عبد الرحمٰن قال: كنت مع أبي في المسجد فرأى رجلاً يصلي قد صف بين قدميه والزق أحداهما بالأخرىٰ فقال أبي: لقد أدركت في هذا المسجد ثمانية عشر رجلاً من

أصحاب النبی ﷺ ما رأیت أحداً منهم فعل هذا قط وکان ابن عمر رضی اللہ عنہ لایفرج بین قدمیه ولایمس أحدهما الأخریٰ ولکن بین ذلک لایقارب ولایباعد". (حاشیة لامع الدراری:۱/۲۸۰، سعید)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

ولایخفی أن فی إلزاق الأقدام بالأقدام مع إلزاق المناکب بالمناکب والرکب بالرکب مشقة عظیمة لاسیما مع إبقاء ها کذلک إلی آخر الصلاة کما هو مشاهد، والحرج مدفوع بالنص، فالمراد منه جعل بعضها فی مجازاة بعض.....قال الحافظ في الفتح تحت قول البخاری:باب إلزاق المنکب بالمنکب، والقدم بالقدم فی الصف: "المراد بذلک المبالغة فی تعدیل الصف وسدخلل". (۱۷۶/۲) وفی عون المعبود في شرح حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ مانصه:قوله:"وحاذوا بالمناکب"أي اجعلوا بعضها حذاء بعض بحیث یکون منکب کل واحد من المصلین موازیاً لمنکب الآخر ومسامتاً له فتکون المناکب والأعناق والأقدام علی سمت واحد. (۲۵۱/۱) قال الشیخ:ولو حمل الإلزاق علی الحقیقة، فالمراد منه إحداثه وقت الإقامة تسویة الصف، فإن إحداث الإلزاق بین تلک الأعضاء طریق تحصیل هذه التسویة ولادلالة فی الحدیث علی إبقاء ه فی الصلاة بعد الشروع فیها.....ومن ادعی ذلک فلیأت بحجة علیه. (اعلاء السنن:۳۶۰/٤،باب سنیة تسویة الصف ورصها،إدارة القرآن)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول بھی اس بات پر شاہد ہے کہ یہ فعل شروع میں تھا بعد میں ختم ہوگیا۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: أقیموا صفوفکم، فإني أراکم من وراء ظهري وکان أحدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه.(رواه البخاری:۱۰۰/۱)

حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب بیان فرماتے ہیں:

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

"**قلت:وقول أنس رضی اللہ عنہ:"کان أحدنا"وقوله:"وقدرأیت أحدنا"یفید أن الفعل**

Maktaba Tul Ishaat.com

المذکور کان في زمن النبی ﷺ، ولم یبق بعده کما صرح به قوله في روایة معمر: "ولو فعلت ذلک بأحدهم الیوم لنفر کأنه بغل شموس" فلو کان ذلک سنة مقصودة من سنن الصلاة لم یترکه الصحابة رضی اللہ عنہم ولم یتنفر منه أحد.....فالصحیح ماقلنا: إن ذلک کان للمبالغة فی تسویة الصف حین الإقامة لابعدها فی داخل الصلاة. (إعلاء السنن: ٤/ ١٣٢٥/٣٦٠، باب سنیة تسویة الصف ورصها، ادارة القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ ابتداء میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تسویۃ الصفوف کی نیت سے محاذات اور برابری کے لئے قدم ملاتے تھے کوئی سنتِ مقصودہ نہ تھی اور بعد میں یہ طریقہ ختم ہوگیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دعاء التوجہ میں "وأنا من المسلمین" پڑھنے کا حکم:

سوال: نماز شروع کرنے سے پہلے "إني وجهت....." پڑھتے ہیں اس میں "وأنا أوّل المسلمین" پڑھنا چاہئے جو کہ وارد ہے یا "وأنا من المسلمین" پڑھنا چاہئے؟

الجواب: "وأنا من المسلمین" ہی پڑھنا چاہئے، ہاں اگر تلاوت کی نیت سے "وأنا أوّل المسلمین" پڑھے تو اصح قول کے مطابق درست ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ثم اعلم أنه یقول فی دعاء التوجه "وأنا من المسلمین" ولو قال: "وأنا أوّل المسلمین" اختلف المشایخ فی فساد صلاته والأصح عدم الفساد، وینبغی أن لایکون فیه خلاف لما ثبت فی صحیح مسلم من الروایتین بکل منهما وتعلیل الفساد بأنه کذب مردود بأنه إنما یکون کذباً إذا کان مخبراً عن نفسه لا تالیاً وإذا کان مخبراً فالفساد عند الکل.

(البحر الرائق: ١/ ٣١٠، کوئته)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ثم إذا قرأ وجهت وجهی یقول فیه "وأنا من المسلمین" ولایقول "وأنا أوّل المسلمین" تحرزاً عن الکذب ولو قاله قیل تفسد صلاته وقیل لا، وهو الأصح لأنه تالٍ وحاکٍ لامخبر هکذا قالوا، فعلی هذا لو قصد به الإخبار تفسد صلاته قطعاً. (شرح منیة المصلی:

ص۳۰۳،سهيل۔وكذا فى رد المحتار:۱/۴۸۸،سعيد۔وكذا فى بدائع الصنائع:۱/۲۰۲،سعيد۔ و شرح العناية:۱/۲۸۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت:

سوال: مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنا کہاں سے ثابت ہے؟

الجواب: عورتوں کے لئے استر ہونے کی وجہ سے سینہ پر ہاتھ باندھنا متفق علیہ ہے، اور مردوں کے لئے مختلف روایات کی وجہ سے تحت السرۃ افضل ہے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ يضع يمينه على شماله فى الصلاة تحت السرة. وفى رواية عن أبى معشر، عن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله فى الصلاة تحت السرة. وفى رواية عن الحجاج بن حسان قال: سمعت أبامجلز ـ أوسألته ـ قال: قلت: كيف أصنع؟ قال: يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله، و يجعلها أسفل من السرة. وفى رواية عن على رضی اللہ عنہ قال: من سنة الصلاة وضع الأيدى على الأيدى تحت السرر. (مصنف ابن أبى شيبة:۱/۳۹۱،كتاب الصلاة،وضع اليمين على الشمال،ادارة القرآن كراتشى)

درمختار میں ہے:

وضع الرجل يمينه على يساره تحت سرته هوالمختار، وتضع المرأة والخنثى الكف على الكف تحت ثديها. وفى الشامى: (قوله تحت ثديها) كذا فى بعض نسخ المنية وفى بعضها على ثديها قال فى الحلية وكان الأولى أن يقول على صدرها. (الدرالمختارمع رد المحتار:۱/۴۸۷،فصل فى بيان تأليف الصلاة،سعيد)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويسن وضع المرأة يديهاعلى صدرهامن غيرتحليق لأنه أسترلها. (مراقى الفلاح: ص۹۵، فصل فى بيان سننها، مكة المكرمة۔وكذا فى السعاية: ۲/۱۵۶۔وامداد الفتاح ص ۲۸۳،بيروت۔ والبحرالرائق ۱/۳۰۳).

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث ''تحت السرۃ'' کی مزید تحقیق جلد اول ابواب الحدیث کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

ثناء سے متعلق چند مسائل:

سوال: ثناء پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز بعد میں شریک ہونے والا کب پڑھے گا؟ اگر کسی نے سہواً ثناء چھوڑ دیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر قصداً چھوڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: ثناء پڑھنا سنت ہے۔ منفرد اور امام ہر حال میں ثناء پڑھیں گے، اگر جہری نماز میں امام نے قراءت شروع کردی ہے تو بعد میں شامل ہونے والا ثناء نہ پڑھے، نیز سری نماز کا بھی یہی حکم ہے اصح قول کے مطابق ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ سری نماز میں بعد میں شریک ہونے والا ثناء پڑھے گا، مسبوق جب اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے گا تب ثناء پڑھے گا، اگر بھول سے چھوٹ گیا تو کوئی حرج نہیں ہے اور سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہے البتہ جان بوجھ کر چھوڑ دینا بہت برا ہے اور ملامت کا مستحق ہے اور عادت بنالی ہے تو گنہگار ہوگا، اور اگر سنت کو ہلکا سمجھ کر چھوڑتا ہے تو کفر کا اندیشہ ہے۔ ترمذی شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله عنها **قالت: كان النبي ﷺ إذا افتتح الصلاة قال: سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا إله غيرك.** (رواه الترمذي: ۵۷/۱، باب مايقول عندافتتاح الصلاة، فيصل)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويسن الثناء لما روينا لقوله ﷺ: إذا قمتم إلى الصلاة فارفعوا أيديكم ولاتخالف آذانكم ثم قولوا: سبحانك اللّٰهمّ وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا إله غيرك. (مراقي الفلاح: ص ۹۵، مكة المكرمة)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(مستفتحاً وهو أن يقول سبحانك اللّٰهمّ..... ويستفتح كل مصل سواء المقتدى وغيره مالم يبدأ الإمام بالقراءة، ولوسرية على المعتمد وإن أدركه راكعاً تحرى إن أكثر رأيه أنه إن أتى به أدركه في شيء منه أتى به وإلا لا، نهر. (حاشية الطحطاوي على المراقي: ص ۲۸۱، قديمي كتب خانه)

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله إلا إذا شرع الإمام) أفاد بالاستثناء أنه يأتي به الإمام والمنفرد والمقتدى قبل شروع الإمام في القراءة (قوله سواء كان إمامه يجهر) لما كان قضية المتن جواز الثناء في المخافتة وإن بدأ الإمام بالقراءة وكان ذلك ضعيف حول الشارح عبارة المصنف إلى القول الصحيح حلبي (قوله وقيل في المخافتة يثني) وجه ضعف هذا القيل أنه إذا امتنع على المأموم قراءة القرآن التي هي فرض في الصلاة عند قراءة الإمام القرآن سراً أو جهراً فلان يمتنع عليه الثناء وهو نفل أولىٰ بجامع التخليط والتغليط في كل حلبي. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۲۱۸)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

المسبوق إذا أدرك الإمام في القراءة في الركعة التي يجهر فيها لا يأتي بالثناء فإذا قام إلى قضاء ماسبق به يأتي بالثناء. (خلاصة الفتاوى: ۱/۱۶۵، مسائل المسبوق، رشيديه)

درمختار میں ہے:

ترك السنة لا يوجب فساداً ولا سهواً بل إساءةً لو عامداً غير مستخف.....وفي الشامي: (قوله لا يوجب فساداً ولا سهواً) أي بخلاف ترك الفرض فإنه يوجب الفساد وترك الواجب فإنه يوجب سجود السهو (قوله لو عامداً غير مستخف) فلو غير عامد فلا إساءة أيضاً بل تندب إعادة الصلاة.....ولو مستخفاً كفر، لما في النهر عن البزازية: لو لم ير السنة حقاً كفر لأنه استخفاف. (الدرالمختار مع الشامي: ۱/۴۷۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تکبیراتِ انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط کرنے کا حکم:

سوال: رکوع سجدہ میں جاتے وقت یا اٹھتے وقت جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس کو جلد ختم کرنا چاہئے یا پورے انتقال پر محیط اور شامل کرنا چاہئے؟

الجواب: تکبیراتِ انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط اور شامل کرنا مستحب ہے، اور اس کے خلاف کرنا خلافِ مستحب ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

قولہ: ثم یکبر حین یرکع.....دلیل علی مقارنة التکبیر لهذه الحرکات وبسط علیها فیبدأ بالتکبیر حین یشرع فی الانتقال إلی الرکوع ویمده حتی یصل إلی حد الراکعین ثم یشرع فی تسبیح الرکوع ویبدأ بالتکبیر حین یشرع فی الهوی إلی السجود ویمده حتی یضع جبهته علی الأرض ثم یشرع فی تسبیح السجود وفیه یبدأ فی قوله سمع الله لمن حمده حتی یشرع فی الرفع من الرکوع ویمده حتی ینصب قائما، وفیه أنه یشرع فی التکبیر للقیام من التشهد الأول ویمده حتی ینصب قائما. (عمدة القاری: ٤/٥٤٢، دارالحدیث ملتان)

بدائع الصنائع میں ہے:

وإذا فرغ من القراءة ینحط للرکوع ویکبر مع الانحطاط لما روی عن علی رضی الله عنه وابن مسعود رضی الله عنه وأبی موسی الأشعری رضی الله عنه وغیرهم أن النبی ﷺ کان یکبر عند خفض ورفع وروی أنه کان یکبر وهو یهوی والواو للحال ولأن الذکر سنة فی کل رکن لیکون معظماً لله تعالی فیما هو من أرکان الصلاة بالذکر کما هو معظم له بالفعل فیزداد معنی التعظیم والانتقال من رکن إلی رکن بمعنی الرکن لکونه وسیلة إلیه فکان الذکر فیه مسنونا. (بدائع الصنائع: ١/٢٠٧ سعید)

مرقات میں ہے:

قوله ثم یکبر حین یرفع رأسه أی من السجود قال ابن الهمام وفیه ترجیح مقارنة الانتقال بالتکبیر کما هو فی الجامع الصغیر. (مرقات المفاتیح: ٢/٢٦٠۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة: ١/٧٤)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ترک رفعِ یدین کی صحیح حدیث:

السؤال: ما هو تحقیق الحدیث الذی ورد فیه "أن النبی ﷺ کان لا یرفع یدیه إذا أراد أن یرکع أو یرفع رأسه من الرکوع"؟

الجواب: أما الحدیث: قال أبو عوانة یعقوب بن إسحاق: حدثنا عبد الله بن أیوب

المحرمی وسعدان بن نصرو شعیب بن عمروفی آخرین قالوا:حدثنا سفیان بن عیینة عن الزهری عن سالم عن أبیه قال:رأیت رسول اللهﷺإذا افتتح الصلاة رفع یدیه حتی یحاذی بهما وقال بعضهم:حذومنکبیه وإذا أراد أن یرکع وبعد مایرفع رأسه من الرکوع لایرفعهماوقال بعضهم :ولایرفع بین السجدتین والمعنی واحد،حدثنا الربیع بن سلیمان عن الشافعی عن ابن عیینة بنحوه:ولایفعل ذلک بین السجدتین حدثنی أبوداؤد قال:حدثنا علی قال حدثنا سفیان حدثنا الزهری أخبرنی سالم عن أبیه قال رأیت رسول اللهﷺ بمثله،حدثنا الصائغ بمکة قال حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان عن الزهری قال أخبرنی سالم عن أبیه قال رأیت رسول اللهﷺ مثله. (مسند أبی عوانة:۲/۹۹،باب رفع الیدین ،المعارف العثمانیة۔ومستخرجه:۳/۴۴۶/ ۱۲۵۱)

الکلام علی الحدیث من حیث السند:

عبد الله بن أیوب:صدوق، مات سنة خمس وستین ومئتین.(سیرأعلام النبلاء:۱۲/۳۵۹)

وله متابعان هنا أحدهما سعدان بن نصروهوصدوق کما فی الجرح والتعدیل: ۱۲۵۷،والثانی شعیب بن عمرووهوکذاب کما فی لسان المیزان: ۱/ ۴۸۰،وصرح عبد الله بن أیوب بالتحدیث هنا.والباقی من رواة البخاری ومسلم فالحدیث صحیح الإسناد.

وفی نسخة قدیمة للحمیدی: ۲/۲۷۷/ ۶۱۴،(دارالکتب العلمیة) :حدثنا الحمیدی قال ثنا الزهری قال أخبرنی سالم بن عبد الله عن أبیه قال:رأیت رسول اللهﷺ إذا افتتح الصلاة رفع یدیه حذومنکبیه وإذا أراد أن یرکع وبعد ما یرفع رأسه من الرکوع فلایرفع ولا بین السجدتین، وهذا فیه سقط سفیان بین الحمیدی والزهری،وهومذکورفی مسندأبی عوانة: حیث قال:حدثنا الصائغ بمکة قال حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان عن الزهری قال أخبرنی سالم عن أبیه قال رأیت رسول اللهﷺ مثله. (مسند أبی عوانة:۲/۹۹،باب رفع الیدین ،المعارف العثمانیة۔ومستخرجه:۳/۴۴۶/ ۱۲۵۱).

والتطبیق بین الرفع وترکه هوأن النبی کان یرفع أولا ثم ترکه کماکان یرفع أولا بین

Maktaba Tul Ishaat.com

السجدتين ثم ترک وکماکان فی کل خفض ورفع ثم ترک وبهذا أخذ مالکؒ وأبوحنيفةؒ وغيرهم كما هومفصل فی موضعه. واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم۔

مرداورعورت کے رکوع میں فرق:

سوال: رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کے سلسلہ میں مرداورعورت میں فرق ہے یانہیں؟

الجواب: دونوں میں فرق ہےاوروہ یہ کہ مردانگلیاں کھلی رکھےاور ہاتھ پرزوردیتے ہوئے مضبوطی سے گھٹنوں کو پکڑے۔اورعورت انگلیاں ملاکر ہاتھ گھٹنوں پررکھدےاور ہاتھ پرزورنہ دے۔

ملاحظہ ہومراقی الفلاح میں ہے:

ويسنّ أخذ ركبتيه بيديه حال الركوع ويسنّ تفريج أصابعه لقوله ﷺ لأنس رضی اللہ عنہ إذا ركعت فضع كفيك على ركبتيك وفرج بين أصابعك وارفع يديك عن جنبيك .....والمرأة لاتفرجها لأن مبنیٰ حالها على الستر. وفی الطحطاوی: ولاتفرج أصابعها فی الركوع، وتنحنی فی الركوع قليلاً بحيث تبلغ حد الركوع، فلاتزيد على ذلک لأنه أسترلها وتلزم مرفقيها بجنبيها فيه. (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی:ص۲۶۶،۲۵۹،قديمی)

شامی میں ہے:

قال فی المعراج وفی المجتبیٰ: هذا كله فی حق الرجل، أما المرأة فتنحنی فی الركوع يسيراً ولاتفرج ولكن تضم وتضع يديها على ركبتيها وضعاً وتحنی ركبتيها ولاتجافی عضديها لأن ذلک أسترلها. (شامی:۱/۴۹۴،فصل اذا اراد الشروع فی الصلاۃ کبر،سعید کمپنی)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

مرداورعورت کے رکوع میں چندباتوں میں فرق ہے(۱)مردرکوع میں اتنا جھکے کہ سرپیٹھ اورسرین برابر ہوجائے،اورعورت تھوڑی مقدار جھکے یعنی صرف اس قدر کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہونچ جائیں،پیٹھ سیدھی نہ کرے(۲)مرد گھٹنے پرانگلیاں کھلی رکھے اور ہاتھ پرزوردیتے ہوئے مضبوطی کے ساتھ گھٹنوں کو پکڑے،اور عورت انگلیاں ملاکر ہاتھ گھٹنوں پررکھدےاور ہاتھ پرزورنہ دےاور پاؤں جھکے ہوئے رکھے؛مردوں کی طرح خوب سیدھے نہ کرے(۳)مرداپنے بازوؤں کو پہلو سے بالکل الگ رکھےاورکھل کررکوع کرےاورعورت اپنے

بازوؤں کو پہلو سے خوب ملائے اور جتنا ہوسکے سکڑ کر رکوع کرے۔(فتاوی رحیمیہ:۶/۴۱۰،مسائل شتی ، مکتبہ رحیمیہ)۔واللہ ﷻ اعلم۔

سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم:

سوال: سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: صراحۃً کوئی جزئیہ اس بارے میں نہیں ملا، البتہ امت کا برابر تعامل پایا جاتا ہے اور اس میں سہولت بھی ہے اس وجہ سے سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ہاں کتب فقہ میں یہ مذکور ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھے پھر ہاتھ رکھے اور بطور استدلال "حدیث النهی عن البروک کبروک الإبل" پیش کرتے ہیں، یہ حدیث شریف ترمذی میں موجود ہے۔اور یہ صورت اسی وقت آسانی سے ہوسکتی ہے جب کہ ہاتھ گھٹنوں پر رکھے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا أراد السجود وضع أولاً ماكان أقرب إلى الأرض فيضع ركبتيه أولاً ثم يديه ثم أنفه ثم جبهته. (الفتاوى الهندية:۱/۷۵)

نیز مذکور ہے:

ويكره وضع اليد قبل الركبتين إذاسجد. (الفتاوى الهندية:۱/۱۰۷،الفصل الثانی فیمایکرہ فی الصلاۃ،بلوچستان)

بہشتی زیور میں ہے:

پھر تکبیر کہتا ہوا دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے ہوئے سجدے میں جائے۔(بہشتی زیور، گیارواں حصہ ص۸۸۴،فرض نماز کے بعض مسائل)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

صراحۃ یہ جزئیہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا معمول یہ ہے کہ ہاتھوں کو رانوں اور گھٹنوں پر رکھ کر یعنی سہارا لے کر قومہ سے سجدہ میں چلے جاتے ہیں، جیسے کہ سجدہ سے اٹھ کر رانوں اور گھٹنوں پر سہارا لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔**ويمكن أن يشم رائحة الاستدلال من حديث "استعينوا بالركب" الجامع الصغير.** (فتاوی محمودیہ:

Maktaba Tul Ishaat.com

۵/ ۶۱۸، نماز کی سنتوں کا بیان، جامعہ فاروقیہ)

''اللہ اکبر'' کہتا ہوا دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے ہوئے سجدے میں جائے۔ (رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نماز: ص۲۲۳، از قلم مفتی جمیل احمد نذیری)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سجدہ میں جاتے وقت پہلے ناک رکھے یا پیشانی؟

سوال: سجدہ میں جاتے وقت پہلے ناک زمین پر ٹیکے یا پیشانی؟

الجواب: علماء نے سجدہ کی کیفیت میں ذکر فرمایا ہے کہ جو اعضاء زمین سے زیادہ قریب ہیں ان کو پہلے رکھے اس اعتبار سے ناک پہلے رکھے پھر پیشانی اور اٹھاتے وقت پیشانی پہلے اٹھائے پھر ناک، نیز حدیث شریف میں بھی ناک کو پہلے ذکر کرنے میں غالباً اسی طرف اشارہ ہے، واو اگرچہ ترتیب کے لئے نہیں آتا لیکن کبھی تقدیم کے لئے آتا ہے یعنی جو چیز پہلے مذکور ہے وہ استحباباً مقدم ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ **إن الصفا والمروة من شعائر الله** ﴾ میں ''**تقديم فى الذكر تقديم فى العمل والبداءة**'' پر دال ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبى حميد الساعدى رضی اللہ عنہ أن النبى ﷺ كان إذا سجد أمكن أنفه وجبهته الأرض.....

(رواه الترمذى: ۱/۶۱، باب ماجاء فى السجود على الجبهة والأنف۔ وابن حبان: ۵/۱۸۹/۱۸۷۱۔ والطحاوى فى شرح معانى الآثار: ۱/۲۵۷، باب وضع اليدين فى السجود)

ہدایہ میں ہے:

وسجد على أنفه وجبهته لأن النبى ﷺ واظب عليه. (هدايه: ۱/۱۰۸، باب صفة الصلاة)

فتح القدیر میں ہے:

(قوله لأن النبى ﷺ واظب عليه) يفيده مارواه أبوداؤد، والنسائى واللفظ لهما والترمذى كما تقدم، وما رواه أبويعلى والطبرانى ''كان النبى ﷺ يضع أنفه على الأرض مع جبهته'' ومافى البخارى من حديث أبى حميد السابق فإن فيه ''ثم سجد فأمكن أنفه وجبهته من الأرض. (فتح القدير: ۱/۳۰۳، دارالفكر)

قال الشيخ محمد عوامة: لم أفز برواية البخارى لكنه فى رواية أبى داؤد باب افتتاح

الصلاة.(تعليق الشيخ محمدعوامة على نصب الراية:۱/۳۸۲،المكتبة المكية)

شرح عنایہ میں ہے:

(وسجد على أنفه وجبهته) تقديم الأنف على الجبهة باعتبار أن الأنف أقرب إلى الأرض فيضعه أولاً.(شرح العناية:۱/۳۰۳على هامش فتح القدير،دارالفكر)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

حالتِ سجدہ میں انگلیوں کو رکھنے کی کیفیت:

سوال: حالتِ سجدہ میں انگلیوں کو کیسے رکھنا چاہئے؟

الجواب: بحالتِ سجدہ انگلیوں کو ملا کر رکھنا چاہئے۔

صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه أن النبي ﷺ كان إذا سجد ضم أصابعه.(رواه ابن خزيمة فى صحيحه:۱/۳۴۷/۶۴۲،باب ضم أصابع اليدين فى السجود،المكتب الإسلامي)

مراقی الفلاح میں ہے:

(موجهاً أصابع يديه) ويضمها كل الضم لايندب إلا هنا لأن الرحمة تنزل عليه فى السجود وبالضم ينال الأكثر.(مراقى الفلاح:ص۱۰۵،مكة المكرمة۔وكذا فى الشامى:۱/۴۹۸۔ والبحرالرائق:۱/۳۱۵)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

صف کے درمیان حالتِ سجدہ میں بازوؤں کو کھولنے کا حکم:

سوال: سجدہ کی حالت میں بازوؤں کو کھولنا مسنون ہے تو کیا صف کے درمیان بھی کھولنا چاہئے؟

الجواب: صف کے درمیان اگر جگہ تنگ ہے اور ایذاء کا اندیشہ ہے تو بازوؤں کو کھول کر نہیں رکھنا چاہئے اور اگر تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے اور صف کے درمیان وسعت ہے تو کھول کر رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

(ويظهر عضديه) فى غير زحمة (ويباعد بطنه عن فخذيه) ليظهر كل عضو بنفسه، بخلاف الصفوف فإن المقصود اتحادهم حتى كأنهم جسد واحد. وفى الشامى:(قوله فى غير زحمة) جعله قيداً لإظهار العضدين فقط تبعاً للمجتبىٰ،قال:فى البحر أخذاً من الحلية

Maktaba Tul Ishaat.com

وهذا أولىٰ مما فی الهداية والكافی والزيلعی من أنه إذا كان فی الصف لايجافی بطنه عن فخذيه لأن الإيذاء لايحصل من مجرد المحاذاة، وإنما يحصل من إظهار العضدين. (الدرالمختارمع الشامی: ۱/۵۰۳، سعید)

آپ کے مسائل میں ہے:

جماعت میں زیادہ کہنیاں نہیں پھیلانی چاہئیں جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۱۹۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے سجدہ کی کیفیت:

سوال: عورتوں کو حالتِ سجدہ میں پاؤں ملانا چاہئے یا کھولنا چاہئے اور کتنا کھولے؟

الجواب: فقہاء نے عورتوں کے سجدہ کی جو کیفیت بیان فرمائی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ کہنیاں زمین پر بچھی ہوئی رکھنی چاہئیں، دونوں پیر انگلیوں کے بل کھڑے نہیں رکھنے چاہئیں بلکہ دونوں پیر داہنی طرف نکال لے اور خوب سمٹ کر اور دب کر سجدہ کرے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

والمرأة تنخفض فلا تبدی عضديها وتلصق بطنها بفخذيها لأنه أستر. وفی الشامی: و ذكر فی البحر أنها لاتنصب أصابع القدمين كماذكره فی المجتبىٰ. (الدرالمختارمع الشامی: ۱/۵۰۴، سعید)

امدادالفتاح میں ہے:

ويسن انخفاض المرأة ولزقها بطنها بفخذيها، لأنها عورة مستورة كما قدمناه وهذا أستر لها، وفی مراسيل أبی داؤد: أنه ﷺ مر علی امرأتين تصليان فقال: إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلی بعض فإن المرأة ليست فی ذلک كالرجل..... ولاتفتح إبطيها فی السجود... ولا تنصب أصابع القدمين. (امدادالفتاح: ص ۲۹۷۔ وكذا فی تبيين الحقائق: ۱/۱۱۸)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

الصاق بطن کا مسئلہ جلسہ کے متعلق نہیں بلکہ سجدہ کے متعلق ہے یعنی سجدہ میں پیر کھڑے کرنے سے الصاقِ بطن نہیں ہوتا، بلکہ داہنی طرف نکالنے سے ہوتا ہے، پس سجدہ میں عورت کو چاہئے کہ پیر کھڑے نہ کرے بلکہ داہنی

طرف نکال لے تاکہ الصاق بطن ہوجائے۔(فتاوی محمودیہ:۵/۶۲۴، باب صفۃ الصلاۃ۔وفتاوی حقانیہ:۳/۹۲)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت بحالتِ رکوع وسجود سرین اٹھانے کا حکم:

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع وسجود کی حالت میں سرین اٹھانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع کا اکمل طریقہ یہ ہے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل آجائے (حتی یحاذی جبهته رکبتیه) اوراس میں سرین اٹھانا لازم نہیں آتا۔اورسجدہ جس طرح عام طور پر کیا جاتا ہے اسی طرح کرے اوراس میں سرین کا اٹھنا لازمی چیز ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ویعتمد بیدیه علی الأرض لأن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ وصف صلاة رسول اللّٰه ﷺ فسجد وأدعم علی راحتیه ورفع عجیزته.....(الهداية:۱/۱۰۸، باب صفة الصلاة،شركة علمية)

البحرالرائق میں ہے:

(قوله:وجافی بطنه عن فخذیه) أی باعده لحدیث مسلم:کان إذا سجد جافی بین یدیه حتی لوأن بهمة أرادت أن تمر بین یدیه مرت ولحدیث أبی داؤد فی صفة صلاته علیه الصلاة و السلام : و إذا سجد فرج بین فخذیه غیر حامل بطنه علی شیء من فخذیه ... و المجافاة أن یظهر کل عضو بنفسه فلا تعتمد الأعضاء بعضها علی بعض...(البحر الرائق: ۱/۳۲۰، کوئتة).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن رکع جالساً ینبغی أن یحاذی بجبهته رکبتیه،أبوالسعود. (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۲۰۳،سعید)

شامی میں ہے:

(ومنها الرکوع).....وفی حاشیة الفتال عن البرجندی:ولوکان یصلی قاعداً ینبغی أن یحاذی جبهته قدام رکبتیه لیحصل الرکوع.قلت:ولعله محمول علی تمام الرکوع وإلا

Maktaba Tul Ishaat.com

فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أی مع انحناء الظهر تأمل. (شامی:۱/۴۴۷،باب صفة الصلاة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

فإن رکع جالساً ینبغی أن تحاذی جبهته رکبتیه لیحصل الرکوع. ولعل مراده انحناء الظهر عملاً بالحقیقة لاأنه یبالغ فیه حتی یکون قریباً من السجود. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح :ص۲۲۹،قدیمی)

آپ کے مسائل میں ہے:

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت اتنا جھکیں کہ سر گھٹنوں کے برابر آجائے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۲/۱۹۵)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ:

سوال: مرد اور عورت کے قعدہ میں بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: مرد کے بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے اور اپنے کھڑے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کرے نیز بچھے ہوئے پاؤں کی انگلیوں کو جس قدر ہوسکے قبلہ رخ رکھے اور دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھ کر انگلیاں اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها **قالت: کان رسول الله ﷺ یستفتح الصلاة بالتکبیر.....وکان یقول فی کل رکعتی التحیة وکان یفرش رجله الیسری وینصب رجله الیمنی وکان ینهی عن عقبة الشیطان.** (رواه مسلم:۱/۱۹۴،باب مایجمع صفة الصلاة)

ترمذی شریف میں ہے:

عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ **قال: قدمت المدینة قلت لأنظرن إلی صلاه رسول الله ﷺ فلماجلس یعنی للتشهد افترش رجله الیسری ووضع یده الیسری یعنی علی فخذه الیسری ونصب رجله الیمنی.** (رواه الترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح :۱/۶۵،باب کیف الجلوس فی التشهد،فیصل)

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إنما سنة الصلاة أن تنصب رجلک الیمنی وتثنی الیسری. (رواه البخاری:۱/۱۱٤/۸۱۹، باب سنة الجلوس فی التشهد)

امدادالفتاح میں ہے:

ویسن افتراش رجله أی:رجل الرجل الیسری، ونصب الیمنی وتوجیه أصابعها نحو القبلة حالة التشهد فی کل قعود فی فرض ونفل لقول ابن عمر رضی اللہ عنہ "من سنة الصلاة .....وفی حدیث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها **کان النبی ﷺ یفترش**.....(امدادالفتاح: ص۲۹۹۔وکذا فی مراقی الفلاح:ص۲٦۹۔و الهدایة۱/۱۱۱،باب صفة الصلاة،مکتبة شرکة علمیة)

عورت کے بیٹھنے کا طریقہ:

عورتوں کو بائیں سرین کے بل بیٹھنا چاہئے اور دونوں پیر داہنی طرف نکال دینا چاہئے اس طرح کہ داہنی ران بائیں ران پر آجائے اور داہنی پنڈلی بائیں پنڈلی پر۔

ہدایہ میں ہے:

وإن کانت امرأة جلست علی إلیتها الیسری وأخرجت رجلیها من الجانب الأیمن لأنه أسترلها.(هدایه:۱/۱۱۱)

مراقی الفلاح میں ہے:

(و) یسن (ترک المرأة) بأن تجلس علی إلیتهاوتضع الفخذ علی الفخذ وتخرج رجلهامن تحت ورکها الیمنی لأنه أسترلها.(مراقی الفلاح:ص۹۹۔وکذا فی امداد الفتاح: ص۲۹۹،بیروت)۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

سجدے میں ایڑیوں کو ملانے کا حکم:

سوال: فقہ کی روشنی میں یہ بتائیے کہ سجدے میں ایڑیوں کو ملانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: فقہائے احناف میں سے متقدمین کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا البتہ بعض متأخرین فقہاء نے ذکر فرمایا ہے تو اس کا مطلب ایڑیوں کو ملانا نہیں ہے بلکہ محاذات اور برابر رکھنا ہے، نیز رکوع میں بھی

Maktaba Tul Ishaat.com

یہی معنی مراد ہے۔

علامہ رافعی التحریر المختار میں فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن سندھی نے اپنی تعلیق میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ سنت بعض متأخرین نے ذکر فرمائی ہے صاحبِ مجتبیٰ کی پیروی کرتے ہوئے ورنہ متقدمین کی کتب مثلاً ہدایہ اور اس کی شروحات وغیرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے، لہذا بعض مشائخ کا گمان یہ ہے کہ یہ صاحبِ مجتبیٰ کے اوہام میں سے ہے۔

ملاحظہ ہو التحریر المختار میں ہے:

(قول الشارح ويسن أن يلصق كعبيه) قال الشيخ أبوالحسن السندى الصغير فى تعليقته على الدرهذه السنة إنماذكرها من ذكرها من المتأخرين تبعاً للمجتبىٰ وليس لها ذكرفى كتب المتقدمة كالهداية وشروحها وكان بعض مشايخنا يرى أنها من أوهام صاحب المجتبىٰ ولم ترد فى السنة على ماوفقناعليه وكأنهم توهموا ذلك مما ورد أن الصحابة ﷺ كانوا يهتمون بسد الخلل فى الصفوف.....قلت:ولعل الشيخ أبوالحسن لحظ إلى الآثارالواردة فى أن التراوح بين القدمين فى الصلاة مطلقاً أفضل من إلصاقهما. (التحرير المختارعلى ردالمحتار: ۱/ ٦١، سعيد كمپنى)

نیز مولانا عبدالحیؒ نے بھی اس کی تردید فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو سعایہ میں ہے:

ومنهاإلصاق الكعبين ذكره جمع من المتأخرين،وجمهورالفقهاء لم يذكروه ولاأثرله فى الكتب المعتبرة كالهداية وشروحها النهاية والعناية والبناية والكفاية وفتح القديروغيرها والكنزوشرحه للعينى وشرح النقاية لإلياس زاده والبرجندى والشمنى وفتاوى قاضيخان والبزازية.....وقال خيرالمتأخرين شيخ مشايخنا محمد عابد السندى المدنى فى طوالع الأنوارشرح الدرالمختارقوله:وإلصاق كعبيه أى حالة الركوع قال الشيخ الرحمتى:مع بقاء تفريج ما بين القدمين، قلت:لعله أراد من الإلصاق المحاذاة وذلك بأن يحاذى كل من كعبيه لآخرفلايتقدم أحدهما على الآخر.....قلت:لقد دارت هذه المسئلة فى سنة أربع وثمانين بعد الألف والمئتين بين علماء عصرنا فأجاب أكثرهم بأن إلصاق الكعبين فى الركوع والسجود ليس بمسنون ولاأثرله فى الكتب المعتبرة والقول الفصيل أن يقال إن

كان المراد بإلصاق الكعبين أن يلزق المصلي أحد كعبيه بالآخر ولايفرج بينهما كما هو ظاهر عبارة الدر المختار والنهر وغيرهما وسبق إليه فهم المفتي أبي السعود أيضاً فليس هو من السنن على الأصح، كيف وقد ذكر المحققون من الفقهاء أن الأولى للمصلي أن يجعل بين قدميه نحو أربعة أصابع لم يذكروا أنه يلزقهما في حالة الركوع والسجود، وقال العيني في البناية نقلاً عن الواقعات ينبغي أن يكون بين قدمي المصلي قدر أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع.....وإن كان المراد به محاذاة إحدى الكعبين بالآخر كما أبدع العلامة السندي فهو أمر حق ولا بعد في حمل الإلصاق على المحاذاة فإنه جاء استعماله في القرب، ويؤيد عدم سنية إلزاق الكعبين بالمعنى الأول أي ترك التفريج بينهما أنه يلزم فيه تحريك إحدى الكعبين إلى الأخرى وتحريك عضو من غير ضرورة ليس **بجائز عندهم**. (السعاية: ۲/ ۱۸۰ سهيل اكيڈيمی)

مزید ملاحظہ ہو: امداد الاحکام: ۱/ ۴۷۷، مکتبہ دارالعلوم۔ واحسن الفتاوی: ۳/ ۳۷۔۴۹۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۲۰۳)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سجدہ میں عقبین ملانے کے بارے میں روایت کی تحقیق:

سوال: نماز میں عقبین کا ملانا سجدہ کی حالت میں بعض احادیث میں وارد ہے مثلاً صحیح ابن خزیمہ، بیہقی، طحاوی، وغیرہ میں حدیث موجود ہے "فوجدته ساجداً راصاً عقبيه" اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: یہ حدیث مختلف طرق کے ساتھ مختلف کتب میں مذکور ہے لیکن یہ الفاظ "فوجدته ساجداً راصاً عقبيه" صرف یحیی بن ایوب نقل کرتے ہیں اور دوسرے ثقات کی مخالفت کرتے ہیں لہذا یہ زیادتی شاذ ہے۔ حدیث کی تحقیق ملاحظہ ہو:

یہ حدیث مندرجۂ ذیل کتابوں میں مذکور ہے:

(۱) **الإسناد الأول:** ابن خزيمة: (٦٥٤) ابن حبان: (١٩٣٣) شرح مشكل الآثار: (١٠٤/١) الحاكم: (٢٢٨/١) البيهقي في الكبير: (١١٦/٢) ابن عبد البر في التمهيد: (٣٤٨/٢٣) وإسناده عند جميعهم من طريق سعيد بن أبي مريم عن يحيى بن أيوب عن عمارة بن غزية عن أبي النضر عن عروة عن عائشة رضي الله تعالى عنها.

Maktaba Tul Ishaat.com

سعید بن أبی مریم	متفرد	
یحیی بن أیوب	علل الذهبی أحادیثه. رد أحمد روایته فی الوتر لیس بذلک القوی. قال أبوحاتم: لایحتج به وقال النسائی: لیس بالقوی وقال الدارقطنی: فی حدیثه اضطراب.	المستدرك:۲/۲۰۱۱۔ المستدرك: ۳/۹۷۔ الضعفاء للعقیلی:۲۱۱۔ تنقیح التحقیق:۲/۱۹۳۔ میزان الاعتدال:٤/۳٦۳۔

ولفظه راصاً عقبیه عند الکل، ویحییٰ بن أیوب لیس بذلک القوی وخالف الأقوی هنا فشذت روایته.

(۲)**الإسناد الثانی**: رواه مسلم:(۱/۳۵۲)وأحمد:(٦/۸۵،۲۰۱)و أبوداؤد:(۱/۵٤۷) والنسائی:(۱/۱۰۲)وابن عبد البر:(۲۳/۳٤۹)عن:

أبوبکربن أبی شیبة	ثقة	میزان الإعتدال:٤٥٤۹۔
أبواسامة	ثقة	لسان المیزان۔
عبید الله بن عمر	حجة من العدول	بیان مشکل الآثارتحتفة الأحوذی:۳/۲٤۰۔
محمد بن یحییٰ بن حبان	ثقة	التاریخ الکبیر۔
الأعرج	ثقة	الإکمال۔
أبو هریرةؓ	الصحابی	

ولفظه عند الکل "فوقعت یدی علی بطن قدمیه".

(۳)**الإسناد الثالث** :رواه مالک:(۱/۲۱٤)والترمذی:(۵/٤۸۹)و الطحاوی: (۳٤۱) والبغوی:(۵/۱٦٦)عن:

یحییٰ بن سعید الأنصاری	ثقة	ولفظه عند الکل "فوقعت یدی
محمد بن إبراهیم التمیمی	ثقة	علی قدمیه"
عائشة رضی الله تعالیٰ عنها	ام المؤمنین	

الخلاصة:الحدیث أصله صحیح فی صحیح مسلم:(۱/۳۵۲) وأحمد: (۶/۸۵،۲۰۱) **وأبوداؤد:**(۱/۵۴۷)**والنسائی:**(۱/۱۰۲)**وابن عبد البر:** (۲۳/۳۴۹) **ومالک:**(۱/۲۱۴)**والترمذی:**(۵/۴۸۹)**و الطحاوی:** (۳۴۱) **والبغوی:**(۵/۱۶۶) **ولیس عندهم رص العقبین، فهذا شاذ کماذکر الحاکم.** (ملخص من رسالة "لاجدید فی أحکام الصلاة").

"یحیی بن أیوب الغافقی" پرمزید کلام ملاحظہ ہو:

قال ابوزرعة الرازی : واهی الحدیث. (سؤلات البرذعی:۴۳۳).

وقال ابن سعد: منکر الحدیث. (طبقات ابن سعد:۷/۵۱۶).

وذکره العقیلي فی الضعفاء (۴/۳۹۱/۲۰۱۱) **وقال: حدثنا محمد بن إسماعیل، حدثنا ابن علی، سمعت ابن أبي مریم قال: حدثت مالکاً بحدیث حدثنا به یحیی بن أیوب عنه فسألته عنه ، فقال: کذب وحدثته بآخر عنه فقال: کَذَبَ ...وقال احمد سئ الحفظ .**

وللاستزادة انظر: (تحریرتقریب التهذیب:۴/۷۸/۷۵۱۰،و تهذیب الکمال مع التعلیقات: ۳۱/۲۳۶،۲۳۸۲۳۷،و کتاب الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی:۳/۱۹۱/۳۶۹۴).

الغرض یحیی بن ایوب مختلف فیہ راوی ہے،بعض حضرات نے کلام کیا ہے اور بعض نے توثیق فرمائی ہے، اگر ہم ضعیف تسلیم کریں علی سبیل التنزل تو یہ روایت منکر ہوگی،ضعیف راوی کے ثقات کی مخالفت کرنے کی وجہ سے،اور اگر مقبول مان لیں تب بھی اعلی درجہ کے روات کی مخالفت کی وجہ سے یہ روایت شاذ ہے۔

لیکن اس کو ثقہ کی زیادتی نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ اس حدیث میں یحیی بن ایوب نے دوسرے ثقات کی مخالفت کی ہے،دوسرے راوی "**فوقعت یدی علی قدمیه**" یا اس کے مترادف الفاظ نقل کرتے ہیں اور یحیی بن ایوب ان الفاظ کی جگہ "**راصاً عقبیه**" نقل کرتے ہیں۔اور قاعدہ یہ ہے ثقہ کی زیادتی مقبول ہے مخالفت ہو تو وہ مقبول نہیں ہے،مزید براں یحیی بن ایوب پر کلام بھی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قال ابن الحنبلی فی قفو الأثر: وعلی قیاس ما سبق : لا تقبل زیادة الضعیف إذا خالفت روایةَ الثقة. (ص ٦٠).

وقال في قواعد في علوم الحدیث: وقد قدمنا أن من اختلف فی توثیقه وتضعیفه حسن الحدیث أیضاً ، فتقبل زیادته لکونه من رواة الحسن ،...قلت: هذا مقید بما إذا لم تکن الزیادة منافیة کما هو الظاهر. (قواعدفی علوم الحدیث،ص۱۲۲).

وللمزید من البحث انظر: (شرح شرح النخبة للملاعلی القاری مع التعلیقات، ص: ۳۱۵۔۳۲۰، والتحریر لابن الهمام:۳۷۸/۲، وقفو الاثر لابن الحنبلی، مع التعلیقات ص:٦٠۔٦٢، وقواعد فی علوم الحدیث،ص:۱۲۳).

اگر بالفرض روایت ثابت بھی ہوتو "**راصاً**" کا مطلب یہ ہے کہ کچھ فاصلہ کے ساتھ برابر رکھنا، جیسے حدیث شریف میں "**تراصوا فی الصفوف**" کا مطلب صفوف کو برابر کرنا ہے، یہ مطلب نہیں کہ غیر مقلدین کی طرح ٹخنے کو ٹخنے سے ملادیں۔

المعجم الوسیط میں ہے:

ویقال: تراص القوم : تصافوا وتلاصقوا فی القتال أوالصلاة . (ص:۳٤۸).

اشکال: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ نے بکر بن عبداللہ ابوزید کے رسالہ کے مندرجات سے استدلال کیا جو سلفی ہیں؟

الجواب: جواباً عرض ہے کہ وہ بظاہر حنبلی ہے اور ایسے مسائل میں رسالہ لکھا ہے کہ جن میں بعض سلفی مذاہبِ اربعہ کی مخالفت کرتے ہیں مثلاً اسی مسئلہ میں وہ لکھتے ہیں: "**تَحَصَّل من هذا أنه لا ذکر لجمع العقبین حال السجود فی شيء من المذاهب الأربعة**". (لاجدیدفی احکام الصلاة،ص٦٩)؛

نیز اس رسالہ میں بعض دوسرے مسائل حسبِ ذیل ہیں:

(۱) نماز میں ٹخنوں کو پڑوسی کے ٹخنوں سے ملانے کی تردید۔

(۲) بعض سلفی قیام میں حلق کے نیچے ہاتھ رکھتے ہیں اس کی تردید۔

(۳) سجدہ میں ہاتھوں کو بہت پھیلانے کی تردید۔

(۴) بعض سلفی جلوس بین السجدتین میں اشارہ بالسبابۃ کرتے ہیں اس کی تردید۔

(۵) بعض لوگ تسبیحات کو صرف دائیں ہاتھ سے شمار کرنے کو مسنون سمجھتے ہیں اس کی تردید۔

(۶) ایک اور مسئلہ جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حدیث سے متعلق ہے۔

نیز ہم نے صرف ان کی تحقیق پر اعتماد نہیں کیا بلکہ حدیث کے راوی یحیی بن ایوب کے متعلق مزید تحقیق کی ہے۔

بالفرض اگر وہ سلفی ہوں تو یہ مقام شکر ہے کہ بکر بن عبداللہ نے اس مسئلہ میں ہمارے اکابر حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ اور حضرت تھانویؒ کی نگرانی میں لکھے ہوئے فتاویٰ امدادالاحکام کی موافقت فرمائی۔ امداد الاحکام کے اکثر فتاویٰ شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ کی نوک قلم کے مرہونِ منت ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قومہ اور جلسہ میں اذکار ماثورہ پڑھنے کا حکم:

سوال: قومہ اور جلسہ میں اذکار ماثورہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی شخص پڑھے تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: قومہ اور جلسہ میں اذکار پڑھنے کو فقہاء نے جائز یا مستحب لکھا ہے لہذا پڑھنا چاہئے اور جب مستحب ہے تو سجدۂ سہو بھی واجب نہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن علي بن أبي طالب ﷺ قال: كان رسول الله ﷺ إذا رفع رأسه من الركوع قال: "سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد ملأ السمٰوٰت والأرض وملأ مابينهما وملأ ماشئت من شيء بعد". (رواه الترمذی: ۱/۶۱)

وعن ابن عباس ﷺ أن النبي ﷺ كان يقول بين السجدتين: "اللّٰهمّ اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني". (رواه الترمذی: ۱/۶۳، باب مايقول بين السجدتين)

وقال العلامة الكشميريؒ في شرح هذا الحديث: وقال القاضي ثناء الله البانيؒ باستحباب الدعاء خروجاً عن الخلاف ونعم ما قال القاضي المرحوم لاسيما في هذا العصر فإن تحفظ الجلسة متعذر بدون تعيين الدعاء فيها. (العرف الشذی علی السنن الترمذی: ۱/۷۰)

شامی میں ہے:

أقول: بل فيه إشارة إلى أنه غير مكروه، إذ لو كان مكروهاً لنهى عنه كما ينهى عن القراءة

Maktaba Tul Ishaat.com

فی الرکوع والسجود وعدم کونه مسنوناً لاینافی الجواز کالتسمیة بین الفاتحة والسورة، بل ینبغی أن یندب الدعاء بالمغفرة بین السجدتین خروجاً من خلاف الإمام أحمد لإبطاله الصلاة بترکه عامداً ولم أرمن صرح بذلک عندنا،لکن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف، واللّٰه أعلم. (شامی:۱/۵۰۵،سعید)

نیز شامی میں ہے:

(قوله وما ورد محمول علی النفل).....وصرح به فی الحلیة فی الوارد فی القومة والجلسة وقال:علی أنه إن ثبت فی المکتوبة فلیکن فی حالة الإنفراد، أوالجماعة والمامومون محصورون لایتثقلون بذلک کما نص علیه الشافعیة، ولاضررفی التزامه وإن لم یصرح به مشایخنا فإن القواعد الشرعیة لاتنبوعنه،کیف والصلاة هی التسبیح والتکبیروالقراء ةکماثبت فی السنة. (شامی:۱/۵۰۶،سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

قومہ اور جلسہ میں دعاء ماثورہ پڑھنا مستحب ہے،فرائض اور نوافل میں کوئی فرق نہیں البتہ جماعت میں ضعفاء کی رعایت سے نہیں پڑھنا چاہئے۔(احسن الفتاوی:۳/۲۸)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مذہبِ احناف میں تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے کا ثبوت:

سوال: تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے کا ثبوت مذہبِ احناف میں ہے یا نہیں؟

الجواب: محققینِ احناف کے نزدیک تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا مستحب ہے۔امام محمدؒ نے مؤطا میں اشارہ والی روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا:حضور ﷺ کے طریقہ کو ہم اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ ملاحظہ فرمائیں مؤطا امام محمد میں ہے:

کان رسول اللّٰه ﷺ إذاجلس فی الصلاة وضع کفه الیمنی علی فخذه الیمنی وقبض أصابعه کلها وأشاربأصبعه التی تلی الإبهام ووضع کفه الیسری علی فخذه الیسری قال محمدؒ:وبصنیع رسول اللّٰه ﷺ نأخذ وهوقول أبی حنیفةؒ. (مؤطاامام محمد:۱/۱۰۸/۱۴۴،باب العبث بالحصی فی الصلاة،قدیمی کتب خانه)

مراقی الفلاح میں ہے:

وتسن الإشارة فی الصحیح لأنه ﷺ رفع أصبعه السبابة وقد أحناها شیئاً (رواه النسائی) **ومن قال: إنه لایشیر أصلاً فهو خلاف الروایة والدرایة وتکون بالمسبحة أی السبابة من الیمنی فقط یشیر بها عند انتهائه إلی الشهادة فی التشهد.....یرفعها عندالنفی أی نفی الألوهیة عما سوی اللّٰه تعالیٰ بقوله لاإلٰه ویضعها عندالإثبات أی إثبات الألوهیة للّٰه وحده بقوله إلا اللّٰه لیکون الرفع إشارة إلی النفی والوضع إلی الإثبات.** (مراقی الفلاح: ص۹۹،فصل فی سننها، مکة المکرمة)

بدائع الصنائع میں ہے:

وهل یشیر بالمسبحة إذا انتهیٰ إلی قوله:"أشهد أن لاإلٰه إلا اللّٰه" قال بعض مشایخنا : لایشیر لأن فیه ترک سنة الید وهی الوضع وقال بعضهم:یشیر فإن محمدؒاً قال فی کتابه : "حدثنا عن النبی ﷺ أنه کان یشیر بأصبعه فیفعل مثل مافعل النبی ﷺ ویصنع ماصنعه وهو قول أبی حنیفةؒ وقولنا. (بدائع الصنائع: ۱/۲۱۴،سعید)

درمختار میں ہے:

المعتمد ماصححه الشراح ولاسیما المتأخرون کالکمال والحلبی والبهنسی والباقانی وشیخ الإسلام الجد وغیرهم أنه یشیر لفعله ﷺ، ونسبوه لمحمدؒ والإمامؒ، بل فی متن دررالبحار وشرحه غررالأذکار: المفتی به عندنا أنه یشیر. وفی الشامی: (قوله ونسبوه لمحمدؒ والإمامؒ) وکذا نقلوه عن أبی یوسفؒ فی الأمالی، فهو منقول عن أئمة الثلاثة.....وفی المحیط أنها سنة، یمکن التوفیق بأنها غیر مؤکدة.....وفی القهستانی: وعن أصحابنا جمیعاً أنه سنة. (الدرالمختار مع الشامی: ۱/۵۰۸،سعید)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ذکره فی النهایة وغیرها قال نجم الدین الزاهدی: لما اتفقت الروایات عن أصحابنا جمیعاً فی کونها سنة وکذا عن الکوفیین والمدنیین وکثرت الأخبار والآثار وکان العمل بها أولیٰ. (شرح منیة المصلی: ص۳۲۸،سهیل اکیڈیمی)

Maktaba Tul Ishaat.com

مزید ملاحظہ ہو: فتح القدیر:۱/۳۱۳،باب صفة الصلاةدارالفکر۔وشرح العنایة:۱/۳۱۲۔والفتاوی التاتارخانیة:۱/۵۵۲،کیفیة الصلاة،ادارةالمعارف۔وتبیین الحقائق:۱/۱۲۱،امدادیة۔وفتاوی محمودیه:۵/۶۳۵۔وفتاوی دارالعلوم دیوبندمکمل ومدلل:۲/۱۸۸۔واحسن الفتاوی:۳/۳۰).

نیز ملاعلی قاریؒ اور علامہ شامیؒ کا رسالہ بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اشارہ بالسبابہ کا بہتر طریقہ:

سوال: تشہد میں اشارہ بالسبابہ کا بہتر طریقہ کیا ہے؟ اور انگلی کس وقت اٹھانا چاہئے؟

الجواب: اشارہ بالسبابہ کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ باندھ لے اور چھنگلیاں اور اس کے پاس کی انگلی کو مٹھی کی طرح بند کرلے اور کلمہ شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرے یعنی لاالٰہ پر انگلی اٹھائے اور الا اللہ پر جھکادے، بالکل گرانہ دے، پھر اخیر قعدہ تک اسی طرح حلقہ باندھے رکھے۔

ملاحظہ ہو نسائی شریف میں ہے:

عن مالک وهوابن نمیرالخزاعی رضی اللہ عنه عن أبیه قال:رأیت رسول اللّٰه ﷺ واضعاً یده الیمنی علی فخذه الیمنی فی الصلاة ویشیربأصبعه.وفی روایة له:قال:حدثنی مالک بن نمیرالخزاعی رضی اللہ عنه من أهل البصرة أن أباه حدثه أنه رأی رسول اللّٰه ﷺ قاعداً فی الصلاة واضعاً ذراعه الیمنی علی فخذه الیمنی رافعاً أصبعه السبابة قد أحناها شیئاً وهویدعو. وفی روایة له:کان إذا جلس فی الصلاة وضع کفه الیمنی علی فخذه وقبض یعنی أصابعه کلها وأشاربأصبعه التی تلی الإبهام ووضع کفه الیسری علی فخذه الیسری. (روی الثلاثة النسائی:۱/۱۸۷، باب احناء الاشارة بالسبابة ،قدیمی کتب خانه)

بدائع الصنائع میں ہے:

وذکرالفقیه أبوجعفرالهندوانی:أنه یعقد الخنصروالبنصرویحلق الوسطی مع الإبهام ویشیربالسبابة وقال:إن النبی ﷺ هکذاکان یفعل. (بدائع الصنائع:۱/۲۱۴،سعید)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

المروی عن محمدؒ فی کیفیة الإشارة قال:یقبض خنصره والتی تلیها ویحلق الوسطی

والإبهام ويقيم المسبحة وكذا عن أبي يوسفؒ في الأمالي وهذا فرع تصحيح الإشارة. (شرح منية المصلي: ص۳۲۸،سهيل)

امدادالفتاح میں ہے:

يرفعها عند النفي ويضعهاعند الإثبات. (امداد الفتاح:ص۲۳۲،بيروت)

مراقی الفلاح میں ہے:

يرفعها عندالنفي أي نفي الألوهية عما سوى اللّٰه تعالىٰ بقوله:"لاإلٰه"ويضعها عندالإثبات أي إثبات الألوهية للّٰه وحده بقوله:"إلا اللّٰه" ليكون الرفع إشارة إلى النفي والوضع إلى الإثبات. (مراقی الفلاح:ص۹۹،فصل فی سننها،مكة المكرمة)

مزید ملاحظہ ہو: شامی:۱/۵۰۸،سعید۔وفتاوی محمودیہ:۵/۶۳۵،مبوب ومرتب)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اشارے کے بعد اخیر تک انگلی اٹھائے رکھنا:

سوال: تشہد میں انگشتِ شہادت اٹھانے کے بعد انگلی مکمل رکھ دینا چاہئے یا اخیر تک اٹھائے رکھے؟

الجواب: محققین کے نزدیک مذہب مختار یہ ہے کہ انگلی اخیر تک اٹھائے رکھے یعنی مکمل نہ رکھدے بلکہ ہلکی سی جھکادے جس کو اٹھائے رکھنے سے تعبیر کیا ہے اور فقہاء کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے نیز نسائی شریف کی روایت کے موافق بھی ہے۔ملاحظہ ہو نسائی شریف میں ہے:

قال حدثني مالك بن نمير الخزاعي رضی اللہ عنہ من أهل البصرة أن أباه حدثه أنه رأى رسول اللّٰه ﷺ قاعداً في الصلاة واضعاً ذراعه اليمنى على فخذه اليمنى رافعاً أصبعه السبابة قد أحناها شيئاًوهويدعو. (رواه النسائي:۱//۱۸۷، باب احناء الاشارة بالسبابة،قديمی كتبخانه)

مراقی الفلاح میں ہے:

يرفعها عندالنفي أي نفي الألوهية عما سوى اللّٰه تعالىٰ بقوله:"لاإلٰه"ويضعها عندالإثبات أي إثبات الألوهية للّٰه وحده بقوله:"إلا اللّٰه"ليكون الرفع إشارة إلى النفي والوضع إلى الإثبات. (مراقی الفلاح:ص۹۹،فصل فی سننها،مكة المكرمة)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

تشہد پر انگشتِ شہادت کو اٹھادے اور سلام تک اٹھائے رکھے۔ (فتاوی رشیدیہ: ص ۳۳۱، مکتبہ رحمانیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

اشارہ کے بعد کی کیفیت کے متعلق عباراتِ فقہاء رحمہم اللہ رتعالیٰ میں "یضعھا" کے الفاظ ہیں اس سے انگلی کو بالکلیہ گرادینا مراد نہیں بلکہ قدرے جھکادینا مراد ہے، **صرح به الملاعلی القاریؒ لروایة أبی داؤد والنسائی رافعاً أصبعه السبابة وقد أحناها شیئاً أی أمالها**. (تزیین العبارة بتحسین الإشارة لعلی القاریؒ ص ۸) امدادالفتاوی میں اس کے متعلق مفصل بحث ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/۳۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عذر کے وقت بائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا ہو تو تشہد میں بائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کریگا یا اشارہ ساقط ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اشارہ ساقط ہے اس لئے کہ بائیں ہاتھ سے اشارہ ممنوع ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

فرع: لایشیر بغیر المسبحة حتی لو کانت مقطوعة أو علیلة لم یشر بغیرها من أصابع الیمنی ولا الیسری کما فی النووی علی مسلم. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۶۹، مبحث الإشارة بالسبابة۔ وشرح النووی علی صحیح مسلم: ۱/۲۱۹، باب صفة الجلوس فی الصلاة۔ والدرالمختار: ۱/۵۰۹، سعید)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اگر داہنے ہاتھ میں عذر ہے اور انگشت نہیں اٹھا سکتا ہے تو انگشت نہ اٹھائیں، بائیں ہاتھ کی انگشت اٹھانے کا حکم نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۹۲، دارالاشاعت)

خیر الفتاوی میں ہے:

اگر تکلیف کی وجہ سے انگشتِ شہادت سے اشارہ مشکل ہو تو اشارہ ترک کردیں کسی اور انگلی سے نہ کریں کیونکہ اشارہ اسی انگلی سے مستحب ہے۔ (خیر الفتاوی: ۲/۲۶۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حالتِ قیام میں موضع سجدہ پر نگاہ رکھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص مسجد حرام میں نماز پڑھ رہا ہے تو نماز کے دوران کعبہ کی طرف دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں مصلی کی نظر حالتِ قیام میں موضع سجدہ پر ہونی چاہئے، ہاں بعض علماء نے مکی مشاہد کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے اور اس کے لیے کعبہ کی طرف دیکھنے کو مسنون فرمایا ہے لیکن اصح قول یہ ہے مکی مشاہد بھی اس حکم سے مستثنیٰ نہیں ہے اس کے لیے بھی مسنون یہی ہے کہ حالتِ قیام میں موضع سجدہ پر نگاہ رکھے۔ اور اس کی چند وجوہات ہیں جو حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موضع سجدہ نگاہ رکھنے کا مطلق حکم فرمایا، اس حکم سے کسی کا استثناء منقول نہیں ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک بھی یہی تھا، یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں نماز ادا فرمائی تو آپ کی نگاہ حالتِ قیام میں موضع سجدہ سے متجاوز نہیں ہوئی تھی، جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا ہے۔

(۳) یہ حالت خشوع وخضوع میں معاون ہے اور خشوع وخضوع سے نماز پڑھنا مطلوب ومامور بہ ہے، اس کے بخلاف بیت اللہ کو دیکھنا قاطع خشوع وخضوع ہے، دورانِ نماز جس سے بچنے کی تاکید وارد ہوئی ہے۔

(۴) بالفرض والتقدیر اگر کسی مصلی کا یہ گمان ہو کہ وہ نفس کعبہ کو سجدہ کرتا ہے تو یہ کفر تک پہنچانے والا ہے۔

(۵) جنہوں نے مکی مشاہد کے لیے بیت اللہ کی طرف دیکھنے کا قول اختیار کیا، ان کا قول مراعاتِ قبلہ پر محمول کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ عین کعبہ سے سینہ پھرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

دلائل ملاحظہ فرمائیں:

سنن کبری بیہقی میں ہے:

عن أنسؓ قال: قال لی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : یا أنس اجعل بصرک حیث تسجد. (السنن الکبری للبیہقی:۲/۲۸٤).

درمختار میں ہے:

ولها(أی للصلاة)آداب : نظره إلی موضع سجوده حال قیامه ، وإلی ظهر قدمیه حال رکوعه ،....لتحصیل الخشوع . وفی الشامیة: قوله لتحصیل الخشوع ، علة للجمیع ، لأن

Maktaba Tul Ishaat.com

المقصود الخشوع وترک التکلیف ، فإذا ترکه صار ناظراً إلی هذه المواضع قصد أولا ، وفی ذلک حفظ له عن النظر إلی ما یشغله ، وفی إطلاقه شمول المشاهد للکعبة لأنه لا یأمن ما یلهیه . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۱/۴۷۷،سعید).

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

وقال الطیبیؒ:...قیل: یسن لمن بالمسجد الحرام النظر إلی الکعبة إلا حالة القول فی التشهد: لا إله إلا اللّٰه ، فلا یجاوز بصره سبابته ما دامت مرتفعة ، وعن المتقدمین من الشافعیة أنه یسن لمن بالمسجدالحرام أن ینظر إلی الکعبة ، وقیل: یجوز فی النفل دون الفرض ، ورده المتأخرون بأنه استثناء لم ینقل فکان فی حیز الطرح لمخالفته الحدیث، وکلام العلماء و بأنه یلهی عن الخشوع وبما صح عن عائشةؓ عجباً للمسلم إذا دخل الکعبة کیف یرفع بصره قبل السقف یدع ذلک إجلالاً للّٰه تعالیٰ دخلها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ما خلف بصره موضع سجوده ، وبما ثبت أنه صلی اللّٰه علیه وسلم نظرفی صلاته فیها لمحل سجوده فکذا خارجها إذ لا قائل بالفرق ، ولذا سن للطائف أن لا یجوز بصره محل مشیه لأنه الأدب الذي یحصل به اجتماع القلب ،...والصحیح فی مذهبنا ما تقدم من النظر إلی موضع السجود مطلقاً ، وقیل : ینظر إلی الکعبة ، ویمکن حمله علی مراعاة القبلة لأنه بأدنی انحراف یمیل عن الکعبة فیحتاج إلی الملاحظة. (مرقاۃ المفاتیح: ۳/ ۱۳، ملتان).

درمختار میں ہے:

والسادس: استقبال القبلة حقیقة أوحکماً ... وهوشرط زائد للابتلاء یسقط للعجز، حتی لو سجد للکعبة نفسها کفر. و فی الشامیة: قوله حتی لوسجد، تفریع علی کون الاستقبال شرطاً زائداً ، یعنی لما کان المسجود له هواللّٰه تعالیٰ والتوجه إلی الکعبة ما موراً به کما تقدم کان السجود لنفس الکعبة کفراً . (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۴۲۷،سعید).

وللاستزادة انظر: (المبسوط للامام السرخسی: ۱/۴۵، بیروت لبنان،وتبیین الحقائق: ۱/۱۰۸،ملتان، والفتاوی الهندیة: ۱/۷۲). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

رکوع، سجدہ اور سلام کی کے وقت مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہئے؟

سوال: رکوع، سجدہ اور سلام کی حالت میں مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہئے؟

الجواب: حالتِ سجدہ میں ناک کی طرف حالتِ رکوع میں ظاہر قدم پر اور داہنی طرف سلام پھیرتے وقت داہنے کندھے پر اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں کندھے پر نظر رکھنا یہ نماز کے آداب میں سے ہے اور تکمیلِ فرائض کے لئے وسیلہ ہے۔ درمختار میں ہے:

ولها آداب... (نظره إلى موضع سجوده حال قيامه وإلى ظهر قدميه حال ركوعه وإلى أرنبة أنفه حال سجوده وإلى حجره حال قعوده وإلى منكبه الأيمن والأيسر عند التسليمة الأولىٰ والثانية لتحصيل الخشوع. (الدرالمختار: ۱/۴۷۷، سعيد)

امدادالفتاح میں ہے:

ونظر المصلي إلى موضع سجوده قائماً وإلى ظاهر القدم راكعاً لأنه أدعى إلى الخشوع ونظره إلى أرنبة أنفه ساجداً لأن تصويب النظر إليها أقرب إلى الخشوع..... ولئلا ينظر إلى ما يشغله عما هو فيه من الخشوع استحضاراً لعظمة مولاه.....ويكون ملاحظاً قوله ﷺ "اعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك" وإلى المنكبين مسلماً فينظر إلى أيمنه في الأول، وإلى أيسره في الثاني، لأن المقصود الخشوع، وترك التكلف فإذا تركه صار ناظراً إلى هذه المواضع قصد أو لم يقصد. (امداد الفتاح: ص۳۰۶، بيروت۔ وكذا في البحر الرائق: ۱/۳۰۴، كوئٹة۔ ومراقي الفلاح: ص۱۰۲، مكة المكرمة۔ والطحطاوي: ص۲۷۷۔ وبدائع الصنائع: ۱/۲۱۵، سعيد۔ والفتاوى الهندية: ۱/۷۲)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ:

سوال: نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ لفظ سلام میں وبرکاتہ بھی کہے یا صرف السلام علیکم کہے؟ مذاہب اربعہ کی روشنی میں جواب عنایت کریں۔

الجواب: ائمہ ثلاثہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے داہنی طرف لفظ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہے پھر بائیں طرف "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہے نہ اس سے کم کرے اور نہ اس

Maktaba Tul Ishaat.com

میں اضافہ کرے یہی متوارث عمل ہے۔البتہ امام مالکؒ کے نزدیک صرف ''السلام علیکم'' سنت ہے ''ورحمۃ اللہ'' کی زیادتی مسنون نہیں۔

(۱) مذہبِ احناف:

ملاحظہ ہو مبسوط میں ہے:

ثم يسلم تسليمتين أحداهما عن يمينه''السلام عليكم ورحمة الله''والأخرى عن يساره مثل ذلك لقول النبي ﷺ ''وتحليلها التسليم''. (المبسوط للامام السرخسیؒ:۱/۳۰،مطلب فی حکم التسلیم،ادارۃ القرآن)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ويسلم عن يمينيه ويقول''السلام عليكم ورحمة الله''ولايقول فی هذا السلام ''وبركاته''كذا ذكرفی المحيط فإن المروی فيه عن ابن مسعودرضی اللہ عنہأن النبی ﷺكان يسلم عن يمينه''السلام عليكم ورحمة الله''حتی يری بياض خده الأيمن وعن يساره ''السلام عليكم ورحمة الله''حتی يری بياض خده اليسری رواه أصحاب السنن، وقال الترمذیؒ حديث حسن صحيح، ولايتوهم أن مراده هذا السلام الأول وأنه يقول فی السلام الثانی ''وبركاته''كمايفعله بعض الجهال لأن ذلك خلاف السنةكما فی هذا الحديث الصحيح وخلاف عمل الأمة. (شرح منیۃ المصلی:۳۳۶،سہیل۔وکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۲۷٤،قدیمی۔وفی الفتاوی الهندیة:۱/۷٦)

(۲) مذہبِ مالکیہ:

قال العلامة شمس الدين الدسوقی:وظاهر كلام المذهب أنها(ورحمة الله وبركاته) غيرسنة وإن ثبت بها الحديث لأنها لم يصحبها عمل أهل المدينة بل ذكرخاتمة المحققين محمد أمين:أن الأولی الاقتصارعلی''السلام عليكم''وإن زيادة ورحمة الله وبركاته خلاف الأولیٰ. (حاشیۃ الدسوقی:۱/۳۷۹،وکذافی مواہب الجلیل:۲/۲۱۹۔وفی شرح مختصرخلیل:۳/۳٤٤۔وفی المدونة الكبرى:۱/۲۲٦)

وقال الإمام مالكؒ:فی ''السلام'':يقول''السلام عليكم''بلا''ورحمة الله''.

(الاستذکار لابن عبدالبر:٤/٢٨٩)

(۳) مذہبِ شوافع:

ملاحظہ ہو کتاب الام میں ہے:

(قال الشافعیؒ) وبهذه الأحاديث كلها نأخذ فنأمر كل مصل أن يسلم تسليمتين إماماً كان أومأموماً أو منفرداً ونأمر المصلي خلف الإمام إذا لم يسلم الإمام تسليمتين أن يسلم هو تسليمتين ويقول في كل واحدة منهما "السلام عليكم ورحمة الله". (كتاب الام:١/١٤٦،باب السلام فی الصلاة،دارالفكر۔وكذا فی شرح المهذب:٣/٤٧٣، فرضية السلام فی الصلاة، دارالفكر)

(۴) مذہبِ حنابلہ:

المغنی میں ہے:

مسئلة:قال:(ثم يسلم عن يمينه فيقول:"السلام عليكم ورحمة الله"وعن يساره كذلك لما روى ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال:رأيت النبی ﷺ.....قال الترمذیؒ:حديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ حديث حسن صحيح. (المغنی لابن قدامه الحنبلی:١/٥٨٨،وكذا فی الشرح الكبير:١/٥٨٨،دارالكتب العلمية،لبنان)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

لفظِ سلام سے قبل تحویل الوجہ کا حکم:

سوال: سلام پھیرتے وقت تحویل الوجہ کس وقت کرنا چاہئے لفظ سلام کی ابتداء میں یا لفظ سلام سے پہلے؟ جب کہ معمول یہ ہے کہ سلام کہتے وقت چہرہ پھیرتے ہیں لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پہلے مکمل چہرہ پھیر لے اس کے بعد لفظ سلام کہے دونوں میں سے کونسا قول زیادہ صحیح ہے؟

الجواب: فقہاء کی عبارات کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اولاً چہرہ کو مکمل پھیر دے پھر اس کے بعد لفظ سلام کہے۔ ملاحظہ ہو الحقائق شرح منظومۃ النسفی میں ہے:

ويحول أولاً ثم يسلم. (الحقائق شرح منظومة النسفی،ص٢٦٣، لابی حامدمحمود بن محمدبن داود البخاری) .

طوالع الانوار میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

ثم يسلم عن يمينه ويساره، محولاً رأسه قبل السلام، كما في الحقائق. (طوالع الانوار شرح الدرالمختار: ۱/ ۷۱۰).

خزانۃ العلماء میں ہے:

ثم يحول المصلي وجهه أولاً كما في الحقائق. (خزانة العلماء للشيخ محمد رضاء بن الشيخ محمد صالح: ۱/ ۱۰۷).

مجموعۃ الغرائب میں ہے:

ينبغي للمسلم أن يحول وجهه أولاً ثم يسلم، كذا في صلاة النخشي. (مجموعة الغرائب، ص ۷۷).

جامع الرموز شرح النقایہ میں ہے:

ثم يحول المصلي وجهه أولاً كمافي الحقائق حتى يرى بياض خده كمافي المبسوط ثم يسلم . (جامع الرموز للقهستاني: ۱/ ۱۶۱).

مجمع المسائل میں ہے:

وتحويل الوجه ثم يسلم، قهستاني شرح مختصر الوقاية. (مجمع المسائل، ص ۴۷).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آثارِ سجود سے کیا مراد ہے:

سوال: آثارِ سجود سے کیا مراد ہے؟ بعض لوگوں کی پیشانی پر نشان لگا رہتا ہے کیا یہ مراد ہے یا کچھ اور؟

الجواب: آثارِ سجود کے چند معانی ہیں:

(۱) نماز کی وجہ سے انسان کے اندر تقوی اور اچھائی کا پیدا ہونا اس کی وجہ سے دنیا ہی میں چہرہ کا منور ہونا۔

(۲) شب بیداری کی وجہ سے دن میں چہروں پر پیلا پن اور بیداری کے اثرات مراد ہے۔

(۳) نمازی کے چہرے قیامت کے دن منور ہوں گے۔

(۴) وضو کے اثرات اعضاء وضو پر۔

پیشانی پر نشانات نظر آتے ہیں یہ اگر عمداً کسی نے کیا ہے تو برا ہے، اور اس کو تقویٰ کی علامت قرار دینا مفسرین کے نزدیک درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وقوله جل جلاله: ﴿سيماهم في وجوههم من أثر السجود﴾ قال علي بن أبي طلحة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: ﴿سيماهم في وجوههم﴾ يعني السمت الحسن. وقال مجاهد وغيرواحد: يعني الخشوع والتواضع. وقال ابن أبي حاتم: حدثنا أبي، حدثنا علي بن محمد الطنافسي، حدثناحسين بن جعفي عن زائدة عن منصورعن مجاهد ﴿سيماهم في وجوههم من أثر السجود﴾ قال: الخشوع. قلت: ماكنت أراه إلاهذا الأثرفي الوجه، فقال: ربماكان بين عيني من هوأقسى قلباً من فرعون. وقال السدى: الصلاة تحسن وجوههم، وقال بعض السلف: "من كثرت صلاته بالليل حسن وجهه بالنهار" وقد أسنده ابن ماجة في سننه عن إسماعيل بن محمد الصالحي عن ثابت بن موسىٰ عن شريک، عن الأعمش، عن أبي سفيان عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: "من كثرت صلاته بالليل حسن وجهه بالنهار" والصحيح أنه موقوف. وقال بعضهم: إن للحسنة نوراً في القلب وضياءً في الوجه وسعةً في الرزق ومحبةً في قلوب الناس. وقال أمير المؤمنين عثمان رضی اللہ عنہ: ما أسرّأحد سريرة إلا أبداه الله تعالىٰ على صفحات وجهه وفلتات لسانه، والغرض أن الشيء الكائن في النفس يظهرعلى صفحات الوجه، فالمؤمن إذاكانت سريرته صحيحة مع الله تعالىٰ أصلح الله عزّوجلّ ظاهره للناس. (تفسيرابن كثير: ٤/ ٢١٥، سورة الفتح، مكتبة دارالسلام)

معارف القرآن میں ہے:

﴿سيماهم في وجوههم من أثر السجود﴾ یعنی نمازان کا ایسا وظیفہ زندگی بن گیا ہے کہ نماز اور سجدہ کے مخصوص آثاران کے چہروں سے نمایاں ہوتے ہیں، مراد آثار سے وہ انوار ہے جو عبدیت وخشوع وخضوع سے ہر متقی عبادت گذار کے چہرے پر مشاہدہ کئے جاتے ہیں، پیشانی میں جو نشان سجدہ کا اثر پڑجاتا ہے وہ مراد نہیں، خصوصاً نمازِ تہجد کا یہ اثر بہت زیادہ واضح ہوتا ہے، جیسا کہ ابن ماجہ میں بروایت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "من كثرت صلاته بالليل حسن وجهه بالنهار" یعنی جو شخص رات میں نماز کی کثرت کرتا ہے دن میں اس کا چہرہ حسین پُرنور نظر آتا ہے اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد نمازیوں کے چہروں کا وہ نور ہے جو قیامت میں نمایاں ہوگا۔ (معارف القرآن: ۸/ ۹۳)

Maktaba Tul Ishaat.com

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تفسیر مظہری:۹/۳۶۔تفسیر طبری:۱۱/۳۷۰۔ تفسیر قرطبی ۱۶/۲۹۳۔روح المعانی: ۲۶/۱۲۵۔تفسیر عثمانی: ص ۶۸٤)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز میں جمائی آنے پر منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو نماز میں جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اور کونسا ہاتھ رکھنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نماز میں حتی الامکان جمائی کو دفع کرنا چاہئے اگر ممکن نہ ہو تو حالتِ قیام میں داہنے ہاتھ کی پشت کا حصہ منہ پر رکھے اور قیام کے علاوہ کوئی اور رکن میں ہو تو بائیں ہاتھ کی پشت کا حصہ منہ پر رکھے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

(قوله وكظم فمه عندالتثاؤب)أى أمسك فمه والمراد به سده لقوله ﷺ التثاؤب فى الصلاة من الشيطان فإذا تثاء ب أحدكم فليكظم مااستطاع وفى الظهيرية:فإن لم يقدر غطاه بيده أوكمه للحديث. (البحر الرائق:۱/۳۰٤،كوئتة)

درمختار میں ہے:

فإن لم يقدرغطاه بظهريده اليسرى، وقيل باليمنى لوقائماً.....(الدرالمختار:۱/۵۱۵،سعيد)

وفى الطحطاوى على الدر:

(قوله بظهر يده اليمنى) هذا حكمه فى الصلاة لقلة العمل أما خارجها فبظهر كفه اليسرى كما وردت به الآثار(قوله وقيل باليمنى لوقائماً)لأن التغطية ينبغى أن تكون باليسرى كالامتخاط فإذاكان قاعداً يسهل عليه ذلك ولم يلزم منه حركة اليدين بخلاف ما إذاكان قائماً فإنه يلزم من التغطية باليسرى حركة اليمنى أيضاً لأنها تحتها حلبى. (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:۱/۲۱٤۔وكذا فى الشامى:۱/۵۱۵،سعيد۔وفى شرح منية المصلى: ص۳۲۵،سهيل)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے

ٹوپی کوسترہ بنایا تھا کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: بغیرٹوپی کے نماز پڑھنا مکروہ ہے،اورٹوپی کوسترہ بنانے والی حدیث ضعیف ہے اس سے استدلال درست نہیں، نیز مختلف روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف امتؒ کا عمل بھی ٹوپی پہن کرنماز پڑھنا منقول ہے۔ملاحظہ ہودرمختار میں ہے:

(فی باب مکروهات الصلاة):(وصلاته حاسراً) أی کاشفاً(رأسه للتکاسل) وفی الشامی:(للتکاسل)أی لأجل الکسل بأن استثقل تغطیته ولم یرهاأمراً مهماً فی الصلاة فترکها لذلک... (الدرالمختارمع الشامی:۱/۶۴۱،مکروهات الصلاة،سعید۔وکذا فی شرح منیة المصلی: ص۳۴۸،سهیل)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

کھلے سر پھرنا آج کل فیشن ہوگیا ہے اوراس کوفساق وفجار نے اختیار کیا ہے اور یہ بہت قبیح ہے، علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:" **ولایخفی علی عاقل أن کشف الرأس مستقبح وفیه إسقاط مروة وترک أدب**" عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ سرکھولنا قبیح ہے اورمروت کوختم کرنا ہے اورادب اورشریفانہ تہذیب کے خلاف ہے۔(تلبیس ابلیس: ص۳۷۳)

قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:"**ویکره کشف الرأس بین الناس**". لوگوں کے درمیان سرکھولنا مکروہ ہے۔غنیة الطالبین: ۱/۱۳۔(فتاوی رحیمیہ:۶/۳۵۱)

سترہ بنانے والی روایت ضعیف ہے۔

ملاحظہ ہومقالات الکوثری میں ہے:

وأما ما یروی من أنه ﷺ کان ربما نزع قلنسوته فجعلهاسترة بین یدیه وهویصلی فضعیف کما فی شرح الشمائل وغیره فلایعرج علیه ولیس له ذکرفی دواوین الحدیث المعتبرة فلایمکن أن یناهض العمل المتوارث والسنة المتوارثة فی تغطیة الرأس. (مقالات الکوثری:ص۱۷۲،کشف الرؤوس،دارشمسی للنشر)

ٹوپی پہن کرنماز پڑھنے کا ثبوت:

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

عن الحسنؒ كان أقوام يسجدون على العمامة والقلنسوة. (بخاری شریف:۱/۵۶،باب السجود علی الثوب فی شدة الحر)

عن إبراهيم النخعیؒ قال: كانوا (الصحابةؓ) يصلون فی مساتقهم وبرانسهم. (مصنف عبدالرزاق:باب الرجل يسجد لايخرج يديه)

زادالمعاد میں ہے:

كانت له عمامة تسمى السحاب كساهاعلياًؓ وكان يلبسها ويلبس تحتها القلنسوة.

(زادالمعاد:۱/۱۳۵،فصل فی ملابسه،مؤسسة الرسالة)

ترمذی شریف میں ہے:

عن عمربن الخطابؓ سمعت رسول اللّٰهﷺ يقول:ثم الشهداء أربعة رجل مؤمن جيدالإيمان.....هكذا ورفع رأسه حتى وقعت قلنسوته قال:ماأدرى أقلنسوة عمرؓ أراد أم قلنسوة النبیﷺ. (رواه الترمذی:۱/۲۹۴،مطبعه دیوبند)

مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن عمرؓ قال: كان رسول اللّٰهﷺ يلبس قلنسوة بيضاء.رواه الطبرانی وعنه كان رسول اللّٰهﷺ يلبس كمة بيضاء.رواه الطبرانی فی الأوسط. (مجمع الزوائد:۵/۱۲۱، دارالریان۔وشعب الایمان:۵/۱۷۵)

عن أبی هريرةؓ قال:رأيت على رسول اللّٰهﷺ قلنسوة خماسية طويلة. (مسندأبی حنيفةؒ:۱/۱۳۷،باب العين،الكوثر)

عن أبی سليطؓ أنه رأى على رسول اللّٰهﷺ قلنسوة اسماط لها آذان. (الآحاد والمثانی:۳/۳۰۳، دارالراية)

عن أبی هريرةؓ قال:رأيت رسول اللّٰهﷺ وعليه قلنسوة بيضاء شامية. (اخلاق النبیﷺ ص۱۱۹)

فقد ثبت من هذه الأحاديث أن رسول اللّٰهﷺ لبس قلنسوة فی عامة الأحوال والأوقات وكذلک عدة أحاديث تدل على أن الصحابةؓ كانوايلبسون القلنسوة فی الصلاة كما مر.

مقالاتِ کوثری میں ہے:

والحاصل:أنه لم يثبت عن النبی ﷺ فی کشف الرأس من غیرعذرحتی نقتدی به ﷺ فی کشف الرأس فی الصلاة وقد سبق بیان عادة النصاری من کشف الرؤوس فی صلاتهم بل هم یفعلون کذلک فی کل موقف احترام یقفونه.(مقالات الکوثری:ص۱۷۳)

قال الشیخ رشیدرضاء فی مقالة طبعت فی مجلة"المنار":وتکره فی أحوال ثلاثة:

الأول:لویتعود علی کشف الرأس.

والثانی:یحسرعن رأسه حال کونه یصلی بالجماعة مع أناس یغطون رؤوسهم.

الثالث:یصرعلی کشف رأسه فی المسجد بمحضرمن یکره کشف الرأس ثم ینقده علی ذلک فحینئذ تکره الصلاة.

والوجه فی حالة الأولی للکراهة أنه یتعود علی شیء لاثبوت له من النص بل فعله ذلک یخالف السنة المتوارثة المقبولة من القرون.

العلة فی حالة الثانیة أنه یخالف الإجماع وهومحظورفی الإسلام.

وسبب الکراهة فی الحالة الثالثة أن هذا الرجل یکون مسبباً للغیبة والجدال.(السنن والبدعات:ص۵۰)

الخلاصة : تکره الصلاة مکشوف الرأس.لأننا أثبتناأن لبس القلنسوةکانت سنة مستمرة ولم یثبت أن النبیﷺ صلی حاسرالرأس بلاضرورة وکذلک هومعمول به من بدایة الإسلام إلی هذا العصروکشف الرأس فی جمیع الأحوال مکروه.واللہ تعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

فصلِ سوم

مرداورعورت کی نماز کے فرق کا بیان

مرداورعورت کی نماز کا فرق اوراحادیث وکتبِ فقہ سے اس کا ثبوت:

سوال: مرداورعورت کی نماز میں کیا فرق ہے؟ نیز اس پر دلالت کرنے والی احادیث کی کیا حیثیت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مرداورعورت کی جسمانی ساخت کے اعتبار سے جوفرق پایا جاتا ہے ،شرعی احکام اور مسائل میں جگہ جگہ ان کا پاس ولحاظ کیا گیا ہے۔طہارت کے مسائل ہوں یاروزہ وحج کے،عورت کے عورت ہونے کا کسی نہ کسی جگہ اظہار ہوہی جائے گا۔

اسی طرح اسلام کی سب سے مہتم بالشان عبادت نماز میں بھی مرداورعورت کے درمیان کچھ نہ کچھ فرق موجود ہے

وجہ صرف یہی ہے کہ اس کے پردہ کا لحاظ کیا جائے ،اس کے اعضائے نسوانی کا اعلان واظہار نہ ہو۔

ملاحظہ ہونماز سے متعلق چند مخصوص مسائل:

عورتیں بھی مردوں کی طرح نماز پڑھیں صرف چند مقامات میں ان کو مردوں کے خلاف کرنا چاہئے جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱)عورتوں کوخواہ سردی وغیرہ کا عذر ہو یا نہ ہو ہر حال میں چادر یا دوپٹہ وغیرہ کے اندر ہی سے ہاتھ اٹھانے چاہئیں باہر نہیں نکالنے چاہئیں۔

(۲) صرف کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھانے چاہئیں۔

(۳) تکبیر تحریمہ کے بعد سینہ پر پستانوں کے نیچے ہاتھ رکھنے چاہئیں۔

(۴) عورتوں کو دا ہنی ہتھیلی بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھ دینا چاہئے حلقہ بنانا اور بائیں کلائی کو پکڑنا نہ چاہئے۔

(۵) رکوع میں زیادہ جھکنا نہیں چاہئے بلکہ صرف اس قدر جھکیں جس میں ان کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔

(۶) رکوع میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بغیر کشادہ کئے ہوئے یعنی ملا کر رکھنی چاہئیں۔

(۷) رکوع میں اپنے ہاتھوں پر سہارا نہ دے۔

(۸) رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لے ان کو پکڑے نہیں۔

(۹) رکوع میں اپنے گھٹنوں کو جھکائے رکھے۔

(۱۰) رکوع میں اپنی کہنیاں اپنے پہلوؤں سے ملی ہوئی رکھنی چاہئیں یعنی سمٹی ہوئی رہیں۔

(۱۱) سجدہ میں کہنیاں زمین پر بچھی ہوئی رکھنی چاہئیں۔

(۱۲) سجدہ میں دونوں پیر انگلیوں کے بل کھڑے نہیں رکھنے چاہئیں بلکہ دونوں پیر دا ہنی طرف نکال دے اور خوب سمٹ کر اور دب کر سجدہ کرے، اور سرین نہ اٹھائے۔

(۱۳) سجدہ میں پیٹ رانوں سے ملا ہوا ہونا چاہئے۔

(۱۴) بازو پہلو سے ملے ہوئے ہوں۔

(۱۵) التحیات میں بیٹھتے وقت مردوں کے برخلاف دونوں پیر دا ہنی طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھنا چاہئے۔

(۱۶) التحیات میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رکھے۔

(۱۷) جب کوئی امر نماز میں پیش آوے مثلاً کوئی آگے سے گذرنا چاہے تو تالی بجائے، مردوں کی طرح سبحان اللہ نہ کہے۔

(۱۸) مردوں کی امامت نہ کرے۔

(۱۹) نماز میں صرف عورتوں کا جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۲۰) عورتیں اگر جماعت کریں تو جو عورت امام ہو وہ بیچ میں کھڑی ہو آگے بڑھ کر کھڑی نہ ہو۔

(۲۱) عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

(۲۲) مردوں کی جماعت میں عورت مردوں کے پیچھے کھڑی ہو۔

(۲۳) عورتوں پر جمعہ فرض نہیں لیکن اگر پڑھ لیں تو ظہر ساقط ہو جائے گی۔

(۲۴) عورت پر عیدین کی نماز واجب نہیں۔

(۲۵) عورت پر ایامِ تشریق میں فرض نمازوں کے بعد تکبیر جہراً واجب نہیں۔

(۲۶) عورتوں کے لئے نمازِ فجر میں اسفار مستحب نہیں۔

(۲۷) عورت کو کسی بھی نماز میں جہراً قراءت کرنے کی اجازت نہیں۔

(۲۸) عورت اذان نہ دے۔

(۲۹) عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے۔ (ماخوذ از عمدۃ الفقہ ص۱۱۴، حصہ دوم، کتاب الصلوٰۃ، ادارہ مجددیہ، از مولانا سید زوار حسین صاحب)۔

کتبِ فقہ کی عبارات ملاحظہ ہو: (۱) مذہب احناف۔

مراقی الفلاح میں ہے:

ورفع اليدين حذاء المنكبين للحرة على الصحيح لأن ذراعيها عورة ومبناه على الستر... وتسن وضع المرأة يديها على صدرها من غير تحليق لأنه أستر لها... والمرأة لاتفرجها (في الركوع) لأن مبنىٰ حالها على الستر... ويسن انخفاض المرأة ولزقها بطنها بفخذيها لأنه ﷺ مر على امرأتين تصليان فقال: "إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى بعض فإن المرأة ليست في ذلك كالرجل" لأنها عورة مستورة... ويسن تورك المرأة بأن تجلس على اليتها وتضع الفخذ على الفخذ وتخرج رجلها من تحت وركها اليمنى لأنه أستر لها. (مراقی الفلاح: ص ۹۴-۹۹، فصل فی سننها)۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(ويسن وضع المرأة يديها) المرأة تخالف الرجل في مسائل منها هذه ومنها أنها لاتخرج كفيها من كميها عند التكبير وترفع يديها حذاء منكبيها، ولاتفرج أصابعها في

الركوع، وتنحنى فى الركوع قليلاً بحيث تبلغ حد الركوع، فلا تزيدعلى ذلك وتجلس متوركة فى كل قعود بأن تجلس على اليتها اليسرى وتخرج كلتارجليها من الجانب الأيمن وتضع فخذيها على بعضهما، وتجعل الساق الأيمن على الساق الأيسر كما فى مجمع الأنهرولاتؤم الرجال، وتكره جماعتهن ويقف الإمام وسطهن و لاتجهرفى موضع الجهر، ولايستحب فى حقها الإسفاربالفجر، والتتبع ينفى الحصر. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص۲۵۹، فصل فى بيان سننها،قديمى۔والبحرالرائق:۱/۳۲۱۔ والشامى:۱/۵۰۴،سعيد۔وفتاوى بينات : ۲/۳۱۶، كتاب الصلاة، مكتبة بينات)

(۲) مذہبِ مالکیہ۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الدسوقی میں ہے:

ومفهوم رجل أن المرأة يندب كونها منضمة فى ركوعها وسجودها.(قوله يندب كونها منضمة) أى بحيث تلصق بطنها بفخذيها ومرفقيها بركبتيها. (حاشية الدسوقى: ۱/۳۹۳، دارالفكر)

(۳) مذہبِ شافعیہ۔

ملاحظہ ہو شرح المہذب میں ہے:

وإن كانت امرأة ضمت بعضها إلى بعض لأن ذلك أستر لها. (شرح المهذب:۳/۴۲۹، دارالفكر)

کتاب الام میں ہے:

(قال الشافعیؒ) وقد أدب اللّٰه تعالىٰ النساء بالاستتاروأدبهنّ بذلك رسوله ﷺ وأحب للمرأة فى السجود أن تضم بعضها إلى بعض وتلصق بطنها بفخذيها وتسجدكأسترما يكون لها وهكذا أحب لها فى الركوع والجلوس وجميع الصلاة أن تكون فيهاكأسترمايكون لها وأحب أن تكفت جلبابها وتجافيه راكعة وساجدة عليها لئلا تصفها ثيابها. (كتاب الام:۱/۱۳۸،باب التجافى فى السجود،دارالفكر)

(۴) مذہبِ حنابلہ۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ملاحظہ ہو المغنی میں ہے:

مسئلة: قال: (والرجل والمرأة فی ذلک سواء إلا أن المرأة تجمع نفسها فی الرکوع والسجود وتجلس متربعة أوتسدل رجليها فتجعلهما فی جانب يمينها. الأصل أن يثبت فی حق المرأة من أحكام الصلاة ماثبت للرجال لأن الخطاب يشملها غير أنها خالفته فی ترک التجافی لأنها عورة فاستحب لها جمع نفسها ليكون أستر لها فإنه لايؤمن أن يبدؤ منها شیء حال التجافی وذلک فی الافتراش، قال أحمدؒ: والسدل أعجب إلی واختاره الخلال. قال علیؓ: إذا صلت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذيها. وعن ابن عمر ؓ أنه كان يأمر النساء أن يتربعن فی الصلاة. (المغنی لابن قدامة الحنبلی: ۱/۵۹۹، دارالکتب العلمیة)

احادیث سے فرق کا ثبوت:

چند احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں مرد اور عورت کے فرق کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور اس کی بنیاد عورت کی نسوانیت اور اس کے پردہ کو قرار دیا گیا ہے۔

مراسیل ابی داؤد میں ہے:

حدثنا سليمان بن داؤد، حدثنا ابن وهب، أخبرنا حيوة بن شريح، عن سالم بن غيلان عن يزيد بن أبی حبيب، أن رسول اللّٰه ﷺ مر علی امرأتين تصليان، فقال: "إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلی الأرض، فإن المرأة ليست فی ذلک كالرجل". (رواه أبوداؤد فی مراسيله: ص ۱۱۷/۸۷، مؤسسة الرسالة)

وقال شعيب الأرناؤوط فی تعليقه علی المراسيل: رجاله ثقات. (تعليق شعيب الأرناؤوط: ص ۱۱۸، مؤسسة الرسالة)

بیہقی سنن کبری میں چند روایتیں مذکور ہیں بعض ان میں سے ضعیف ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عن الحارث قال قال علیؓ: إذا سجدت المرأة فلتضم فخذيها.

وعن أبی سعيد الخدری ؓ صاحب رسول اللّٰه ﷺ عن رسول اللّٰه ﷺ أنه قال: "خير صفوف الرجال الأول وخير صفوف النساء الآخر وكان يأمر الرجال أن تجافوا فی سجودهم ويأمر النساء أن ينخفضن فی سجودهن وكان يأمر الرجال أن يفرشوا اليسری

وينصبوا اليمنى فى التشهد ويأمر النساء أن يتربعن. (یہ حدیث ضعیف ہے)

وعن مجاهدؒ عن عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ إذا جلست المرأة فى الصلاة وضعت فخذها على فخذ ها الأخرى وإذا سجدت ألصقت بطنها فخذيها كأسترما يكون لها. (یہ حدیث بھی ضعیف ہے). (بيهقى سنن كبرى: ۲۲۲/۲، باب ما يستحب للمرأة من ترك التجافى فى الركوع والسجود، دارالمعرفة)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں چند آثار مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أنه سئل عن صلاة المرأة؟ فقال: تجتمع وتحتفز.

وعن إبراهيمؒ قال: إذا سجدت المرأة فلتضم فخذيها ولتضع بطنها عليها.

وعن مجاهدؒ: أنه كان يكره أن يضع الرجل بطنه على فخذيه إذا سجد كما تصنع المرأة.

وعن إبراهيمؒ قال: إذا سجدت المرأة فلتلزق بطنها بفخذيها ولاترفع عجيزتها ولاتجافى كما يجافى الرجل. (مصنفِ ابن ابی شیبة: ۵۰۴/۲، المرأة كيف تكون فى سجودها)

نیز مذکور ہے:

عن خالد بن اللجلاجؒ قال: كن النساء يؤمرن أن يتربعن إذا جلسن فى الصلاة ولايجلسن جلوس الرجال على أوراكهن، يتقى ذلك على المرأة مخافة أن منها الشيء.

عن نافع: أن صفية رضی اللہ تعالیٰ عنہا **كانت تصلى وهى متربعة.** (مصنفِ ابن ابی شیبة: ۵۰۵/۲، فى المرأة كيف تجلس فى الصلاة)

نیز مذکور ہے:

عن عبد ربه بن زيتونؒ قال: رأيت أم الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا **ترفع يديها حذو منكبيها حين تفتتح الصلاة.**

وعن عطاءؒ سئل عن المرأة: كيف ترفع يديها فى الصلاة؟ قال: حذو ثديها.

وعن حمارؒ: أنه كان يقول فى المرأة إذا استفتحت الصلاة: ترفع يديها إلى ثديها.

(مصنف ابن أبى شيبة: ۴۲/۲، فى المرأة اذا افتتحت الصلاة إلى اين ترفع يديها، المجلس العلمى)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

سلفی حضرات کا استدلال اوراس کا جواب:

سوال: سلفی حضرات مرداورعورت کی نماز کے فرق کے قائل نہیں ہے اور استدلال میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں "صلوا کما رأیتمونی أصلی" اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: حدیث بالا کا جواب یہ ہے کہ اس میں دواحتمال ہیں (۱) یا تو اس حدیث میں مرداور عورت دونوں کی نماز کا بیان ہے۔ (۲) یا صرف مرد کی نماز کا بیان ہے۔ اور یہ دوسرا معنی متعین ہے ان احادیث وآثار کی وجہ سے جو مرداورعورت کی نماز کے فرق پر دلالت کرتی ہیں جو پہلے ذکر کی جا چکی۔

نیز مرداورعورت کی نماز کا فرق بہت ساری چیزوں میں پایا جاتا ہے حتی کہ شرائط میں بھی جس کا انکار سلفی حضرات بھی نہیں کر سکتے۔

ملاحظہ ہو: (۱) مردعورت کے ستر میں فرق ہے۔ اور ستر کا چھپانا شرائط نماز میں سے ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **قالت: قال رسول اللّٰہ** ﷺ: **"لایقبل اللّٰہ صلاة حائض إلابخمار" رواہ الترمذی وقال: حدیث عائشة** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **حدیث حسن، والعمل علیه عندأهل العلم أن المرأة إذا أدرکت فصلت وشیء من شعرها مکشوف لاتجوز صلاتها.**

(ترمذی شریف: ۱/۸۶، باب ماجاء لاتقبل صلاة حائض إلابخمار۔ ورواہ ابوداؤد: ۱/۹۴، باب المرأة تصلی بغیرخمار)

نیز مردوں کے لئے اسبالِ ازار مکروہ تحریمی ہے اور عورتوں کے لئے ضروری ہے تاکہ قدمین کے اوپر کا حصہ چھپا رہے۔ ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **أنها سألت النبی** ﷺ **أتصلی المرأة فی درع وخمار لیس علیها إزار قال: إذا کان الدرع سابغاً یغطی ظهور قدمیها.** (رواہ ابوداؤد: ۱/۹۴، باب فی کم تصلی المرأة)

(۲) مردوں کے لئے نماز باجماعت مسجد میں سنتِ مؤکدہ ہے واجب کے قریب، اورعورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے، بلکہ اس زمانہ میں تو گھر ہی میں پڑھنا ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **قالت: قال رسول اللّٰہ ﷺ: صلاة المرأة فی بیتها خیر من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی حجرتها خیر من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها خیر من صلاتها خارج. رواه الطبرانی فی الأوسط ورجاله رجال الصحیح خلا زید بن مهاجر.** (مجمع الزوائد: ۲/۳٤، باب خروج النساء الی المساجد)

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ **قال: صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی حجرتها أفضل من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها أفضل من صلاتها فیما سواها ثم قال: إن المرأة إذا خرجت استشرفها الشیطان. رواه الطبرانی فی الکبیر ورجاله رجال الصحیح.** (مجمع الزوائد: ۲/۳٤، باب خروج النساء الی المساجد، دارالفکر)

(۳) نماز جمعہ مردوں کے لئے ہے نہ کہ عورتوں کے لئے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال: الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة إلا أربعة عبد مملوک أو امرأة.....قال أبو داؤد: طارق بن شهاب قد رأی النبی ﷺ ولم یسمع منه شیئاً. (رواه ابو دواؤد: ۱/۱۵۳، باب الجمعة للمملوك والمرأ، سعید)

وفی التعلیق المحمود علی سنن أبی داؤد: وقال البیهقیؒ: فی المعرفة هذا هو المحفوظ مرسل وهو مرسل جید وقد أسنده عبید اللّٰہ بن محمد العجلی فقال: عن طارق عن موسیٰ. (التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد: ۱/۱۵۳)

(۴) عورت نہ اذان دے سکتی ہے نہ اقامت۔

قال ابن عمر رضی اللہ عنہ **لیس علی النساء أذان.** (مصنفِ ابن ابی شیبة: ۳/۱۲۷)

(۵) تنبیہ کے لئے مرد تسبیح پڑھے اور عورت تسبیح نہ پڑھے بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مارے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ **عن النبی ﷺ قال: التصفیق للنساء والتسبیح للرجال.** (رواه البخاری: ۱/۱۶۰/۱۱۸۹، باب التصفیق للنساء، فیصل)

(۶) نبی پاک ﷺ مغرب عشاء اور فجر میں جہراً قراءت فرماتے تھے۔ تو کیا ان اعتراض کرنے والوں

Maktaba Tul Ishaat.com

کی عورتیں بھی جہر کرتی ہیں؟ اگر کرتی ہیں تو کیا یہ صحابیات سے ثابت ہے؟ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حالتِ قیام میں عورتوں کا قدمین کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم:

سوال: حالتِ قیام فی الصلاۃ میں عورتیں دونوں قدموں کو ملا کر رکھیں یا بقدر چہار انگشت فاصلہ رکھیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عورتوں کے لئے بھی مناسب یہ ہے کہ دونوں قدموں کے درمیان بقدر چہار انگشت فاصلہ رکھیں جیسا کہ کتبِ فقہ میں مذکور ہے اور اس مقام پر مرد وعورت میں فرق نہیں کیا گیا۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

ویسن تفریج القدمین فی القیام قدر أربع أصابع لأنه أقرب إلی الخشوع. وفی الطحطاوی: نص علیه فی کتاب الأثر عن الإمام ولم یحک فیه خلافاً. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص ۲۶۲، فصل فی بیان سننها، قدیمی۔ وکذا فی الشامی: ۱/۴۴۴، بحث القیام، سعید۔ والفتاوی الهندیة: ۱/۷۳، الفصل الثالث فی کیفیة الصلاة)

امداد الاحکام میں ہے:

قال فی الدر المختار: وینبغی أن یکون بینهما مقدار أربع أصابع الید لأنه أقرب إلی الخشوع هکذا روی عن أبی النصر الدبوسی أنه کان یفعله کذا فی الکبری .....اس سے معلوم ہوا کہ بحالتِ قیام دونوں پیروں میں چار انگل کا فصل مناسب ہے، اور اسی حکم سے کسی جگہ عورتوں کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا پس ان کے لئے بھی یہی مناسب ہے ہاں رکوع وسجود کی کیفیت مرد وعورت کی مختلف ہے، واللہ اعلم۔ (امداد الاحکام: ۱/۴۶۶، دارالعلوم کراچی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تحریمہ کے وقت عورت کے لئے ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ:

سوال: عورت نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھائے گی؟

الجواب: عورت کے لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت کندھوں تک ہاتھ اٹھائے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن وائل بنحجر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ یا ابن حجر إذا صلیت فاجعل یدیک

حذاء أذنيک والمرأة تجعل يديها حذاء ثديها. رواه الطبرانی فی حديث طويل فی مناقب وائل من طريق ميمونة بنت حجرعن عمتها أم يحيى بنت عبد الجبارولم أعرفها وبقية رجاله ثقات. (مجمع الزوائد:۲/۱۰۳،دارالفکر۔وکذا فی اعلاء السنن:۲/۱۸۳،ادارة القرآن)

مصنف ابن أبی شیبہ میں ہے:

عن عبد ربه بن زيتون قال:رأيت أم الدرداء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها**ترفع كفيها حذو منكبيها حين تفتح الصلاة.** (مصنف ابن أبی شيبة: ۲/۴۲۱،المجلس العلمی)

جزء رفع الیدین للبخاری میں ہے:

عن عبد ربه بن سليمان بن عمير قال:رأيت أم الدرداء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها**ترفع يديها فی الصلاة حذو منكبها.** (جزء رفع اليدين للبخاری:ص)

بدائع الصنائع میں ہے:

وروی محمد بن مقاتل الرازی عن أصحابنا أنها ترفع يديها حذو منكبيها. (بدائع الصنائع :۱/۱۹۹،سعيد۔وكذا فی البحر الرائق:۱/۳۰۵،كوئتة)

ہدایہ میں ہے:

(والمرأة ترفع يديها حذاء منكبيها)هو الصحيح لأنه أستر لها. (هداية:۱/۱۰۰)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مرد اور عورت کے رکوع میں فرق:

سوال: رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کے سلسلہ میں مرد اور عورت میں فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ مرد انگلیاں کھلی رکھے اور ہاتھ پر زور دیتے ہوئے مضبوطی سے گھٹنوں کو پکڑے۔اور عورت انگلیاں ملا کر ہاتھ گھٹنوں پر رکھدے اور ہاتھ پر زور نہ دے۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

ويسنّ أخذ ركبتيه بيديه حال الركوع ويسنّ تفريج أصابعه لقوله ﷺ لأنس رضی اللہ عنہ إذا ركعت فضع كفيك على ركبتيك وفرج بين أصابعك وارفع يديك عن جنبيك .... و المرأة لا تفرجها لأن مبنیٰ حالها على الستر. و فی الطحطاوی : و لا تفرج أصابعها فی

Maktaba Tul Ishaat.com

الركوع ، وتنحنى فى الركوع قليلاً بحيث تبلغ حد الركوع، فلاتزيد على ذلك لأنه أسترلها وتلزم مرفقيها بجنبيها فيه. (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی:ص۲۶۶،۲۵۹،قديمی)

شامی میں ہے:

قال فی المعراج وفی المجتبیٰ:هذا كله فی حق الرجل، أما المرأة فتنحنی فی الركوع يسيراً ولاتفرج ولكن تضم وتضع يديها على ركبتيها وضعاً وتحنی ركبتيها ولاتجافی عضديها لأن ذلك أسترلها. (شامی:۱/۴۹۴،فصل اذا اراد الشروع فی الصلاة كبر،سعيد كمپنی)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

مرد اور عورت کے رکوع میں چند باتوں میں فرق ہے (۱) مرد رکوع میں اتنا جھکے کہ سر پیٹھ اور سرین برابر ہوجائے، اور عورت تھوڑی مقدار جھکے یعنی صرف اس قدر کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہونچ جائیں، پیٹھ سیدھی نہ کرے (۲) مرد گھٹنے پر انگلیاں کھلی رکھے اور ہاتھ پر زور دیتے ہوئے مضبوطی کے ساتھ گھٹنوں کو پکڑے، اور عورت انگلیاں ملا کر ہاتھ گھٹنوں پر رکھدے اور ہاتھ پر زور نہ دے اور پاؤں جھکے ہوئے رکھے؛ مردوں کی طرح خوب سیدھے نہ کرے (۳) مرد اپنے بازوؤں کو پہلو سے بالکل الگ رکھے اور کھل کر رکوع کرے اور عورت اپنے بازوؤں کو پہلو سے خوب ملائے اور جتنا ہوسکے سکڑ کر رکوع کرے۔ (فتاوی رحیمیہ:۶/۴۱۰،مسائل شتی،مکتبہ رحیمیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:﴿ادعونی استجب لکم﴾
و عن أبی أمامۃؓ قال:قیل یارسول اللّٰہ أیّ الدعاء
أسمع قال:"جوف اللیل الآخر
ودبر الصلوات المکتوبات"

باب .....﴿۴﴾

نماز کے بعد دعا

اور

ذکر کا بیان

Maktaba Tul Ishaat.com

باب.....۴

نماز کے بعد دعا اور ذکر کا بیان

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:

سوال: فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی جہری دعاء کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فرائض کے بعد اجتماعی انفرادی دعا کرنے کا ثبوت احادیث اور کتب فقہ میں ملتا ہے، لہذا فرض نمازوں کے بعد دعا کرنا اولیٰ اور افضل ہے، البتہ اجتماعی جہری دعا سے اجتناب کرنا چاہئے تاکہ مسبوقین کو خلل نہ ہو، اور دعا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا مانگیں اور دعاء سے فارغ ہو کر ہاتھ منہ پر پھیریں۔ (اعدل قول یہ ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان نمازوں کے بعد امام مختصر سی دعا کر کے سنتوں میں مشغول ہو جائے زیادہ دیر نہ کرے۔)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿**أدعوا ربكم تضرعاً و خفية**﴾ (سورة الأعراف:الآية:٥٥)

ترجمہ: تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی۔ (معارف القرآن:٣/٥٧٦، ادارة المعارف)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿**أدعونی استجب لكم**﴾ (سورة المؤمن: الآية: ٦٠)

ترجمہ: تم مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ (معارف القرآن: ٧/٦٠٩)

وقال تعالیٰ: ﴿**أجيب دعوة الداع إذا دعان**﴾ (سورة البقرة:الآية:١٨٦)

ترجمہ: قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے۔ (معارف القرآن: ١/٤٥٠)

اجتماعی دعا کی طرف سننِ ابن ماجہ کی اس حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔

عن ثوبان ﷺ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: لایؤم عبد فیخص نفسه بدعوة دونهم فإن فعل فقد خانهم. (ابن ماجه شریف: ص٦٦، باب لایخص الإمام نفسه بالدعاء، قدیمی)

یعنی کوئی آدمی امامت کرنے کے بعد اپنے آپ کو دعا کے ساتھ خاص نہ کرے اگر ایسا کیا تو اس نے مقتدیوں کے ساتھ خیانت کی اس سے نماز کے اندر کی دعا مراد نہیں کیوں کہ اس میں مفرد کے الفاظ ہیں بلکہ اس کے بعد اجتماعی دعا کی طرف اشارہ ہے۔

فرائض کے بعد دعا کرنے کا ثبوت احادیث سے:

بخاری شریف میں ہے:

کتب المغیرة ﷺ إلی معاویة بن أبی سفیان ﷺ أن رسول اللّٰہ ﷺ کان یقول فی دبر صلاته إذا سلم: "لاإله إلا اللّٰه وحده لاشریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر اللّٰهمّ لامانع لما أعطیت ولامعطی لما منعت ولاینفع ذا الجد منک الجد". (رواه البخاری: ٢/٩٣٧/٦٠٨٥، باب الدعاء بعد الصلاة، فیصل)

ترمذی شریف میں ہے:

عن أبی أمامة ﷺ قال: قیل یارسول اللّٰه أیّ الدعاء أسمع قال: "جوف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات". (رواه الترمذی: وقال: هذا حدیث حسن: ٢/١٨٧، باب ماجاء فی جامع الدعوات، فیصل)

بخاری شریف میں ہے:

کان سعد ﷺ یعلم بنیه هؤلاء الکلمات کمایعلم المعلم الغلمان الکتابة یقول: إن رسول اللّٰه ﷺ کان یتعوذ منهن دبر الصلاة "اللّٰهمّ إنی أعوذبک من الجبن وأعوذ بک أن أرد إلی أرذل العمر وأعوذ بک من فتنة الدنیا وأعوذبک من عذاب القبر" فحدثت به مصعباً فصدقه. (رواه البخاری: ١/٣٩٦/٢٧٣٨، کتاب الجهاد، فیصل)

مسلم شریف میں ہے:

عن ثوبان ﷺ قال: کان رسول اللّٰه ﷺ إذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثاً وقال: "اللّٰهمّ

Maktaba Tul Ishaat.com

أنت السلام ومنک السلام تبارکت یاذا الجلال والإکرام''قال الولید فقلت للأوزاعی:کیف الاستغفارقال:یقول:استغفراللّٰہ،استغفراللّٰہ،استغفراللّٰہ. (رواہ مسلم:۲۱۸/۱،باب استحباب الذکربعدالصلاۃ،فیصل)

ابوداؤدشریف میں ہے:

عن أبی الزبیرقال:سمعت عبداللّٰہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ علی المنبریقول:کان النبی ﷺ إذا انصرف من الصلاۃ یقول:''لاإلہ إلا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیرلاإلہ إلااللّٰہ مخلصین لہ الدین ولوکرہ الکافرون أھل النعمۃ والفضل والثناء الحسن لاإلہ إلا اللّٰہ مخلصین لہ الدین ولوکرہ الکافرون''.

وفی روایۃ لہ: عن زیدبن أرقم رضی اللہ عنہ قال:سمعت نبی اللّٰہ ﷺ یقول دبرصلاتہ:''اللّٰھمّ ربنا ورب کل شیء أنا شھید أنک أنت الرب وحدک لاشریک لک.....

وفی روایۃ لہ:عن علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ قال:کان النبی ﷺ إذا سلم من الصلاۃ قال:''اللّٰھمّ اغفرلی ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أسرفت وما أنت أعلم بہ منی أنت المقدم وأنت المؤخرلاإلہ إلا أنت''. (روی الثلاثۃ أبوداؤد:۲۱۱/۱،باب مایقول الرجل اذاسلم، سعید)

عمل الیوم واللیلۃ میں ہے:

أم سلمۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **تقول:کان رسول اللّٰہ ﷺ إذا صلی الصبح قال:''اللّٰھمّ إنی أسألک علماً نافعاً وعملاً متقبلاً ورزقاً طیباً''.**

وعن مسلم بن أبی بکرۃ قال:کان أبی یقول فی دبرالصلاۃ:''اللّٰھمّ إنی أعوذ بک من الکفروالفقروعذاب القبر''وکنت أقولھن فقال لی أبی:أی بنی عمن أخذت ھذا؟ قلت:عنک، قال:إن رسول اللّٰہ ﷺ کان یقولھن فی دبرالصلاۃ.

وعن أبی أمامۃ رضی اللہ عنہ قال:مادنوت من رسول اللّٰہ ﷺ فی دبرصلاۃ مکتوبۃ ولاتطوع إلاسمعتہ یقول:''اللّٰھمّ اغفرلی ذنوبی وخطایای کلھا اللّٰھمّ انعشنی واجبرنی واھدنی لصالح الأعمال والأخلاق إنہ لایھدی لصالحھا ولایصرف سیئھا إلاأنت''.

عن أنس بن مالک ﷺ قال: کان مقامی بین کتفی النبی ﷺ حتی قبض فکان یقول إذا انصرف من الصلاة "اللّٰهم اجعل خیرعمری آخره وخیرعملی خواتمه واجعل خیرأیامی یوم ألقاک".

عن عبادة بن الصامت ﷺ قال: کان رسول اللّٰه ﷺ یدعوبهذه الدعوات کلما سلم "اللّٰهمّ لاتخزنی یوم القیٰمة ولاتخزنی یوم البأس فإن من تخزه یوم البأس فقدأخزیته". (عمل الیوم واللیلة لابن السنیؒ: ص ۳۱۔۳۶، باب مایقول فی دبرصلاة الصبح)

دعا میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت:

بخاری شریف میں ہے:

عن یحییٰ بن سعید وشریک سمعا أنساً ﷺ عن النبی ﷺ رفع یدیه حتی رأیت بیاض إبطیه. (رواه البخاری: ۲/۸۳۹/۶۰۹۶، باب رفع الأیدی فی الدعاء، فیصل)

ترمذی شریف میں ہے:

عن عمربن الخطاب ﷺ قال: کان رسول اللّٰه ﷺ إذارفع یدیه فی الدعاء لم یحطهما حتی یمسح بهماوجهه. (رواه الترمذی: ۲/۱۷۶، باب ماجاء فی رفع الأیدی عندالدعاء، فیصل)

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن سلمان ﷺ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ إن ربکم حي کریم یستحي من عبده إذا رفع یدیه إلیه أن یردهما صفراً.

وفی روایة له: عن السائب بن یزید عن أبیه أن النبي ﷺ کان إذا دعا فرفع یدیه مسح وجهه بیدیه.

وفی روایة له: عن ابن عباس ﷺ أن رسول اللّٰه ﷺ قال: .....سلوا اللّٰه ببطون أکفکم ولاتسئلوه بظهورها فإذا فرغتم فامسحوا بها وجوهکم.

وفی روایة له: عن ابن عباس ﷺ قال: المسئلة أن ترفع یدیک حذومنکبیک أو نحوهما. (روای الأحادیث الأربعة أبوداؤد: ۱/۲۰۹، باب الدعاء، سعید)

عمل الیوم واللیلہ میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

عن أنس بن مالک ﷺ عن النبي ﷺ أنه قال: مامن عبد بسط كفيه فی دبر كل صلاة ثم يقول: "اللّٰهمّ إلٰهی وإلٰه إبراهيم وإسحاق ويعقوب... إلا كان حقاً على اللّٰه عزّوجلّ أن لايرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة: ص۱۳۸/۳۸، باب مايقول فی دبر صلاة الصبح، دائرة المعارف)

مجمع الزوائد میں ہے:

عن سلمان ﷺ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: مارفع قوم أكفهم إلى اللّٰه عزّوجلّ يسألونه شيئاً إلا حقاً على اللّٰه أن يضع فی أيديهم الذی سألوا. رواه الطبرانی ورجاله رجال الصحيح۔ (مجمع الزوائد: ۱۰/۱۶۹، باب ماجاء فی الإشارة فی الدعاء ورفع اليدين، دارالفكر)

قال الشيخ أحمد الصديق الغماری فی رسالته "المنح المطلوبة": نص الحافظ السيوطیؒ فی شرحه على "تقريب النواوی" المسمى بـ "تدريب الراوی" على أن أحاديث رفع اليدين فی الدعاء تواترت عن رسول اللّٰه ﷺ تواتراً معنوياً، فقال فی مبحث المتواتر مانصه: "ومنه ما تواتر معناه، كأحاديث رفع اليدين فی الدعاء، فقدروي عنه ﷺ نحو مئة حديث فيه رفع يديه فی الدعاء. وقد جمعتها فی جزء لكنها فی قضايا مختلفة، فكل قضية منها لم تتواتر، والقدر المشترک فيها وهو الرفع عند الدعاء تواتر باعتبار المجموع". (المنح المطلوبة فی استحباب رفع اليدين فی الدعاء بعد الصلوات المكتوبة: وهی مندرجة فی ثلاث رسائل فی استحباب الدعاء .....: ص۵۳، حلب)

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت:

ترمذی شریف میں ہے:

عن الفضل بن عباس ﷺ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: الصلاة مثنىٰ مثنىٰ تشهد فی كل ركعتين وتخشع وتضرع وتمسكن وتقنع يديک يقول ترفعهما إلى ربک مستقبلاً ببطونهما وجهک وتقول يارب يارب ومن لم يفعل ذلک فهو كذا وكذا. قال أبوعيسىٰ: وقال: غير ابن المبارک فی هذا الحديث من لم يفعل ذلک فهو خداج. (رواه الترمذی: ۱/۸۷، باب ماجاء فی التخشع فی الصلاة، فيصل).

وأيضاً رواه أبوداود: (۱/۱۸۳)، **وابن ماجه،** (ص۹۴، رقم: ۱۳۲۵)، **فی باب ماجاء فی**

صلاة الليل مثنى مثنى. وإسناده ضعيف لجهالة عبد الله بن نافع . انظر: (التعليقات على ابن ماجه للشيخ شعيب وبشارعواد).

عمل الیوم واللیلہ میں ہے:

عن أنس بن مالک ﷺعن النبي ﷺ أنه قال:ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلاة ثم يقول:"اللّٰهمّ إلٰهي وإلٰه إبراهيم وإسحاق ويعقوب...إلاكان حقاً على الله عزّوجلّ أن لايرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة:ص۱۳۸/۳۸، باب مايقول في دبرصلاة الصبح،دائرة المعارف).

قلت: إسناده ضعيف ؛ فيه : خصيف الجزرى لم يسمع من أنس بن مالکؓ ، و عبد العزيز بن عبد الرحمن البالسي روى عن خصيف أباطيل فالبلاء من عبد العزيز. انظر: ("الكامل" لابن عدى (۷۲/۳)، و"تهذيب الكمال" للامام المزى) .

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن محمد بن يحيىٰ قال:رأيت عبدالله بن الزبير ﷺ ورأى رجلاً رافعاً يديه يدعو قبل أن يفرغ من صلاته فلمافرغ منها قال:إن رسول الله ﷺ لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته. رواه الطبراني وترجم له فقال محمد بن أبي يحيىٰ الأسلميعن عبدالله بن الزبير ﷺ ورجاله ثقات۔ (مجمع الزوائد: ۱۶۹/۱۰،باب ماجاء في الإشارة في الدعاء ورفع اليدين،دارالفكر).

قال الشيخ عبد الفتاح ابوغدةؒ في تعليقاته على ثلاث رسائل (ص:۱۳۹): **وسليمان العطار شيخ الطبراني هوابن الحسن بن المنهال العطارالبصرى .روى عنه الاسماعيلى في "معجمه"**رقم:۲۷۸، **وقال الدارقطني : لا باس به، "سولات السهمي"**رقم:۲۹۶،**وشيخه ابوكامل الجحدرى هوالفضيل بن الحسين بن طلحة الجحدرى البصرى من رواة مسلم وابي داود والنسائي والبخارى في التعليق قال احمد: ابوكامل بصير بالحديث متقن يشبه الناس وله عقل . وقال ابن المدينى :ثقة ،كما في "تهذيب التهذيب"**(۲۹۱/۸)**ووصفه الذهبى في"السير"**(۱۱۱/۱۱) **بالحافظ وقال ابن حجر في"التقريب"ثقة حافظ. وشيخه الفضيل بن سليمان هوالنميرى من رجال الكتب الستة ، ولكنهم تكلموا فيه من جهة حفظه وله في البخارى عدة احاديث توبع عليها ، ذكرها الحافظ في مقدمة فتح البارى** (ص:۴۳۵)

Maktaba Tul Ishaat.com

وقال فی التقریب صدوق له خطأ کثیر .انتهی. ومثله یحسن حدیثه خاصة فی هذا الموضوع .وشیخه محمدبن ابی یحیی الاسلمی هوابوعبدالله المدنی ... وثقه العجلی ، وابوداود ، والخلیلی، ...وزاد المحقق فی الحاشیة توثیق ابن سعد ، وابن معین ، واحمد ، ...الی قوله : وان من شواهد حدیث عبدالله بن الزبیر المذکور ما سبق تعلیقاً ... من قول الامام مالک : "رأیت عامر بن عبد الله بن الزبیر یرفع یدیه ، وهو جالس بعد الصلاة یدعو". فالظاهر ان عمل عامر هذا اخذه من حدیث ابیه عبدالله بن الزبیر الذی رواه الاسلمی. انتهی کلام الشیخؒ.

معجم صغیر میں ہے:

قال أنسؓ:فلقدرأیت رسول اللّٰهﷺ کلما صلی الغداة رفع یدیه یدعوعلیهم... (المعجم الصغیرللطبرانی:۲/۱۹۵،دارالفکر)

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے:

عن أبی هریرةؓ أن رسول اللّٰه ﷺ رفع یده بعد ماسلم وهومستقبل القبلة، فقال: "اللّٰهمّ خلص الولید بن الولید... (اخرجه ابن ابی حاتم فی تفسیره:۲۰/۳۶۸/۵۹۰۷،تحت قوله تعالیٰ: ﴿لایستطیعون حیلة﴾(سورة:النساء: الآیة:۹۸)

قلت: وفی اسناده : علی بن زید بن جدعان وهوضعیف . قال الشیخ عبدالفتاح ابوغدة فی تعلیقاته علی "ثلاث رسائل" (ص:۱۳۵): **اسناده کالشمس ، لا مغمز فیه الا من جهة علی بن زید ، وهوابن جُدعان ، تکلموا فیه من جهة حفظه لکن روی له البخاری فی"الادب المفرد" ومسلم والاربعة، وقال ابن عدی بعد ان طال فی ترجمته فی"الکامل"** (۵/۱۸۴۰-۱۸۴۵): **لعلی بن زید احادیث صالحة ، ولم أر احداً من البصریین وغیرهم امتنعوا من الروایة عنه، وکان یغالی فی التشیع فی جملة اهل البصرة ومع ضعفه یکتب حدیثه". وقال یعقوب بن شیبة: ثقة صالح الحدیث والی اللین ماهو ، وقال العجلی: یکتب حدیثه، فمثله یحتمل فی الشواهد وابواب الفضائل من غیر تردد . انتهی کلام الشیخ . واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

دعا کے اختتام پر ”سبحان ربک “کی جگہ ”ربنا“ کہنے کا حکم:

سوال: بہت سے حضرات نماز کے بعد دعا کے اختتام پر ”سبحان ربک رب العزة...“ کی جگہ ”سبحان ربنا رب العزة...“ پڑھتے ہیں کیا ان الفاظ سے دعا ختم کرنا درست ہے؟ اگر درست ہے تو ”ربنا“ میں تبدیلی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیثِ مبارکہ اور نصوص میں کلماتِ مذکورہ بالا: ”سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العٰلمین“ کے پڑھنے کی بہت فضیلت آئی ہے۔ نیز احادیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام مثلاً نماز، دعا اور مجلس وغیرہ کا اختتام ان کلمات سے ہو تو اس کی بہت فضیلت ہے۔ البتہ لفظ ربک کو ربنا میں تبدیل کرنا فی نفسہ جائز ہے لیکن منصوص کی رعایت کرنا زیادہ اولیٰ اور افضل ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع بھی ہے کہ آپ ﷺ ربک پڑھتے تھے جیسا کہ روایات میں مذکور ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰہ بن زید بن أرقم عن أبیہ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: من قال فی دبر صلاة ”سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العٰلمین“ ثلاث مرات فقد اکتال بالجریب الأوفیٰ من الأجر. (رواہ الطبرانی فی معجمہ الکبیر: ۵/۲۱۱، مکتبة العلوم والحکم)

عمل الیوم واللیلۃ میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ کان إذا فرغ من صلاتہ قال: لاأدری قبل أن یسلم أو بعد أن یسلم یقول: ”سبحان ربک رب العزة عمایصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العٰلمین“. (رواہ ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة: ص۳۳، باب مایقول فی دبر صلاة الصبح، دائرة المعارف العثمانیة)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ ﷺ غیر مرة ولا مرتین یقول فی آخر صلاتہ أو حین ینصرف ”سبحان ربک رب العزة عمایصفون وسلام علی المرسلین

Maktaba Tul Ishaat.com

والحمد للّٰہ رب العٰلمین". (مصنفِ ابن أبی شیبة: ۲۶۹/۱)

تفسیر ماوردی میں ہے:

روی الشعبي قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ "من سره أن یکتال بالمکیال الأوفیٰ من الأجر یوم القیامة فلیقل فی آخر مجلسه حین یرید أن یقوم "سبحان ربک رب العزة عمایصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العٰلمین". (تفسیر ماوردی: ۷۴/۵۔ وتفسیر ابن ابی حاتم: ۱۸۳۲۲/۳۲۳۴/۱۰)

مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

قال علی رضی اللہ عنہ: من سره أن یکتال بالمکیال الأوفی فلیقل عند فراغه من صلاته "سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العٰلمین". (مصنفِ عبد الرزاق: ۳۱۹۶/۲۳۶/۲)

طبرانی میں ہے:

کنا نعرف انصراف رسول اللّٰہ ﷺ بقوله: "سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العٰلمین". (المعجم الکبیر: ۱۱۵/۱۱)

حلیۃ الاولیاء میں ہے:

عن علی رضی اللہ عنہ قال: من أحب أن یکتال بالمکیال الأوفی فلیقرأ آخر مجلسه أو حین یقوم "سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للّٰہ رب العٰلمین". (حلیة الاولیاء: ۱۲۳/۷، دارالکتاب العربی)

مزید تفصیل ملاحظہ ہو: احکام القرآن للقرطبی: ۱۴۱/۱۵، سورة الصافات۔ والدرالمنثور: ۱۴۱/۷، دارالفکر۔ وروح المعانی: ۱۵۹/۲۳، دارالتراث)

ان الفاظ کا پڑھنا بطورِ حکایت ہوگا یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی بات نقل کرتے ہیں انہوں نے سبحان ربک فرمایا ہے اوران کے فرمان کے مطابق ہم ان کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، جیسے حدیث میں "وأنا أول المسلمین" اور "وأنا من المسلمین" دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

حدیث کے الفاظ سے اقتباس جائز ہے۔ ملاحظہ ہو مختصر المعانی میں ہے:

وأما الاقتباس فهو أن يضمن الكلام نظماً كان أو نثراً شيئاً من القرآن أو الحديث لا على أنه منه.....ولا بأس بتغييريسير في اللفظ المقتبس للوزن وغيره. (مختصر المعاني: ۱/۴۵۶).

شیخ جمل نے حاشیہ جلالین میں لکھا ہے: **و يغتفر في الاقتباس تغير يسير في اللفظ المقتبس كقول بعض المغاربة لما مات له صاحب:**

قد كان ما خفت أن يكونا ☆ إنا إلى الله راجعونا

(الفتوحات الالهية حاشية تفسير الجلالين: ۲/۶۷۰).

فتاوی فریدیہ میں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرح متین آیتِ ذیل کے بارے میں۔ ﴿**فاطر السموٰت والأرض أنت ولي في الدنيا والآخرة توفني مسلماً وألحقني بالصٰلحين**﴾. اگر اس آیت کو کوئی دعا کی جگہ میں جمع کے صیغوں سے پڑھے۔ یعنی "**توفنا مسلماً وألحقنا بالصالحين**"۔ تو کیا اس سے کوئی گناہ ہوتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمع کا صیغہ استعمال کرنا کفریہ کلمات بن جاتے ہیں، تو حکمِ شرع کو تحریر فرما کر مشکور وممنون فرمادیں۔

الجواب: یہ اقتباس کی ایک قسم جو کہ اجماعاً جائز ہے۔ **قال في خزانة الأدب ثم اعلم أنه يجوز أن يغير لفظ المقتبس منه بزيادة ونقصان أو تقديم أو تأخير أو إبدال الظاهر من المضمر أو غير ذلك.** (هكذا في هوامش عقود الدرر: ص ۴۵۰)۔ فقط (فتاوی فریدیہ: ۱/۲۴۰، ما یتعلق بالقرآن والتفسیر)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تراویح کے بعد قبل الوتر دعا کرنے کا حکم:

سوال: رمضان مبارک میں ہماری مسجد میں وتر کے بعد اجتماعی دعا ہوتی ہے اور بعض احباب نوافل میں مشغول ہوتے ہیں، تو کیا ان کا انتظار کرنا ضروری ہے؟

الجواب: ہمارے اکابر کا طریقہ تراویح کے بعد وتر سے پہلے دعا کرنے کا ہے نہ کہ وتر کے بعد نیز ختم قرآن کے بعد دعا قبول ہوتی ہے لہذا اگر آپ حضرات وتر کے بعد دعا کرنے کے بجائے تراویح کے بعد کرلیں تو زیادہ بہتر ہوگا اور اس میں تمام احباب کی دلجوئی بھی ہوگی اور انتظار کی ضرورت اور مشقت بھی پیش نہیں آئے گی۔ تاہم اگر کوئی شخص دعا میں شریک نہ ہو تو لعن طعن اور اختلاف نہیں کرنا چاہئے اس سے بچنا چاہئے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

بعد ختم تراویح دعا مانگنا درست ہے اور مستحب ہے اور معمول سلف وخلف ہے۔ پھر وتر کے بعد دعا ضروری نہیں ایک بار کافی ہے۔ یعنی ختم تراویح کے بعد کافی ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۵۳)

نیز مذکور ہے:

صحیح یہ ہے کہ ختم قرآن کے بعد اور ہمیشہ نماز تراویح کے بعد دعا مسنون ومستحب ہے اور حدیث میں ہے کہ یہ وقت اجابتِ دعا کا ہے اس لئے معمول ہمارے اکابر کا اور مشائخ کا دعا بعد التراویح وبعد الختم ہے۔ (دارالعلوم دیوبند: ۴/۲۷۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے پہلے مختصر مسئلہ بیان کرنے کا حکم:

سوال: بعض مساجد میں فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے پہلے مختصر مسئلہ یا حدیث سنائی جاتی ہے بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ سنتوں میں تاخیر کا باعث ہے اور بدعت ہے لہذا اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے قبل مختصر مسئلہ بیان کرنے یا حدیث سنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کو بدعت کہنا درست نہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی پاک ﷺ فرض نمازوں کے بعد اذکار وادعیہ وغیرہ پڑھتے تھے جس کا ذکر پہلے گذر چکا۔ نیز فرض نماز کے بعد نصیحت کرنا بھی ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

باب يستقبل الإمام الناس إذاسلم: عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ إذاصلى صلاةً أقبل علينا بوجهه.

وعن زيدبن خالد الجهني رضي الله عنه أنه قال: صلى رسول الله ﷺ صلاة الصبح بالحديبية على أثر سماء كانت من الليل فلما انصرف أقبل على الناس فقال: هل تدرون ماذا قال ربكم عزوجل قالوا: الله ورسوله أعلم قال: أصبح من عبادى مؤمن بى وكافربالكوكب فأما من قال: مطرنا بفضل الله ورحمته فذلك مؤمن بى كافربالكوكب وأما من قال: مطرنا بنوء كذا وكذا فذلك كافربى مؤمن بالكوكب. (رواهما البخارى: ۱/۱۱۷/۸۳۷، ۸۳۸، فيصل)

علامہ عینیؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والحكمة في استقبال المأمومين أن يعلمهم ما كانوا يحتاجون إليه، كذا قيل قلت: فعلى هذا كان ينبغي أن يفعل هذا من كان حاله مثل حال النبي ﷺ من قصد التعليم والموعظة. (عمدة القاري: ٤/٦١٨، دار الحديث، ملتان۔ وهكذا في فتح الباري: ٢/٣٣٤، دار نشر الكتب الإسلامية) ۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت عائشہ "رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا" کی روایت کا مطلب:

سوال: حدیث شریف میں ہے "**كان النبي ﷺ لا يقعد بعد السلام إلا مقدار ما يقول: "اللّٰهمّ أنت السلام .....**" اس روایت کا کیا جواب ہے؟ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ دیر نہیں بیٹھنا چاہئے۔

الجواب: علماء نے اس کے چند جوابات دئے ہیں جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

(۱) یہ روایت ان روایاتِ صحیحہ کثیرہ کے مخالف ہے جو بکثرت آنحضرت ﷺ سے اس کے خلاف منقول ہیں۔

(۲) یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی سند میں تین راویوں پر کلام ہے (۱) ابوخالد الاحمر (۲) ابومعاویہ الضریر (۳) عاصم بن سلیمان الاحول۔

(۳) اس حدیث شریف میں لفظ "لا یقعد" ہے "لم یقرأ" نہیں ہے تو ہوسکتا ہے کہ اتنی مقدار بیٹھ کر پڑھتے ہو اور بقیہ اذکار کھڑے ہونے کی حالت میں پورے کرتے ہو۔

(۴) اس حدیث میں حقیقی مساوات مراد نہیں ہے، بلکہ ایک اندازہ ہے لہذا اس کے بقدر دوسرے اذکار کا پڑھنا جائز ہوگا۔

(۵) یہ بھی ممکن ہے کہ جانبِ قبلہ میں اتنی مقدار بیٹھتے تھے پھر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر باقی اذکار پورے فرماتے تھے۔

ملاحظہ ہو التحفۃ المرغوبۃ میں ہے:

إن قيل: ورد في حديث مسلم عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا..... **فما الجواب عنه؟**

قلت: لنا أجوبة أربعة:

الجواب الأول: إن هذا الحديث سنده ضعيف، لأن مداره على ثلاثة رجال:

الأول: أبو خالد الأحمر: ..... **اتفق أهل العلم بالنقل أن أباخالد لم يكن حافظاً وأنه روى**

Maktaba Tul Ishaat.com

أحاديث عن الأعمش وغيره لم يتابع عليها،وقال ابن معين:أبوخالد صدوق لكنه ليس بحجة، وقال أبوهشام الرفاعي:هوفي الأصل صدوق لكنه إنماأتى من سوء حفظه فيغلط ويخطيء.

والثاني:أبومعاوية الضرير،.....قال:عبدالله بن أحمد سمعت أبي يقول:أبومعاوية الضريرفي غيرحديثه عن الأعمش مضطرب،لايحفظها حفظاً جيداً، وقال ابن معين:كان يروى عن عبدالله بن عمرمناكير، وقال أبوداؤد:كان أبومعاوية مرجئاً وقال مرة :كان رئيس المرجئة بالكوفة،.....

قلت:ومعلوم أن هذا الحديث لم يروه أبومعاوية عن الأعمش، بل عن عاصم الأحول فيكون مضطرباً.

الثالث:عاصم بن سليمان الأحول.....عن يحيى بن سعيد القطان:لم يكن بالحافظ وقال إدريس:أنالاأروى عنه شيئاً، وتركه وهيب لأنه أنكربعض سيرته.

الجواب الثاني:إن لفظه أنه لم يقعد، وليس أنه لم يقرأ، فجازأن يكون يقعد هذا القدرثم يأتي بالأذكارقائماً.

الجواب الثالث:إن هذا الحديث معارض لجميع الأحاديث الواردة في الذكر والدعاء بعد المكتوبة، المتقدم ذكرها.....فترجح تلك الأحاديث لكون كثيرمنها مخرجة في"الصحيحين"ومافي"الصحيحين"أصح مما في"صحيح مسلم".

الجواب الرابع: إن قولها:"إلامقدارما يقول:"اللّٰهمّ أنت السلام" ليس المراد به المساواة التحقيقية بل التقريبية..... (مختصرالتحفة المرغوبة فی أفضلية الدعاء بعدالمكتوبة للشيخ محمد هاشم السندی:ص ٤٤،المطبوعات الاسلامية بحلب)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وقول عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **مقدارما يقول.....يفيد أن ليس المراد أنه كان يقول ذلك بعينه بل كان يقعد زماناً يسع ذلك المقدارونحوه من القول تقريباً فلاينافي ما في الصحيحين عن المغيرة** رضی اللہ عنہ **أنه** ﷺ **كان يقول في دبر صلاة مكتوبة:"لاإله إلااللّٰه وحده**

لاشریک لہ.....''لأن المقدار المذکور من حیث التقریب دون التحدید قد یسع کل واحد من نحو هذه الأذکار لعدم التفاوت الکثیر بینهما و کون التقدیر بالتقریب فی التخمین دون التحدید و التحقیق. و اللّٰه أعلم. (شرح منیة المصلی:ص ۳۴۲،سهیل اکیڈیمی)

مزید ملاحظہ ہو:''النفائس المرغوبة فی حکم الدعاء بعد المکتوبة''ص ۱۲،فصلِ سوم،ازمفتی کفایت اللّٰہ صاحبؒ، کراچی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فرض نماز کے بعد امام کس طرف رخ کر کے چلا جائے؟

سوال: فرض نماز کے بعد امام کس طرف رخ کر کے چلا جائے؟

الجواب: امام کو اختیار ہے جس طرف چاہے رخ کرے مگر داہنی طرف سے افضل ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ ہر کارِ خیر میں داہنی جانب پسند فرماتے تھے۔ مگر گاہے گاہے ترک بھی مناسب ہے تاکہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھیں۔

ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: کان النبی ﷺ ینصرف عن یمینه. رواه مسلم۔

وعن عبداللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: لایجعل أحدکم للشیطان شیئاً من صلاته یری أن حقاً علیه أن لاینصرف إلاعن یمینه لقد رأیت رسول اللّٰه ﷺ کثیراً ینصرف عن یساره. متفق علیه۔

وعن البراء رضی اللہ عنہ قال: کنا إذا صلینا خلف رسول اللّٰه ﷺ أحببنا أن نکون عن یمینه یقبل علینا بوجهه قال: فسمعته یقول: ''رب قنی عذابک یوم تبعث أوتجمع عبادک. رواه مسلم۔(مشکوٰۃ شریف: ۸۷/۱،باب الدعاء فی التشهد،قدیمی)

ترمذی شریف میں ہے:

عن قبیصة بن هلب عن أبیه رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللّٰه ﷺ یؤمنا فینصرف علی جانبیه جمیعاً علی یمینه وعلی شماله.....قال أبوعیسیٰ: حدیث هلب حدیث حسن والعمل علیه عند أهل العلم أنه ینصرف علی أي جانبیه شاء إن شاء عن یمینه وإن شاء عن یساره وقد صح الأمران عن رسول اللّٰه ﷺ. (ترمذی شریف: ۶۶/۱،باب ماجاء فی الانصراف عن یمینه وعن

Maktaba Tul Ishaat.com

یساره،فیصل)

درمختار میں ہے: **وخیره فی المنیة:بین تحویله یمیناً وشمالاً وأماماً وخلفاً وذهابه لبیته، واستقباله الناس بوجهه ولودون عشرة.وفی الشامی:لکن التخییرفی المنیة هوأنه إن کان فی صلاة لاتطوع بعدها، فإن شاء انحرف عن یمینه أویساره أوذهب إلی حوائجه واستقبل الناس بوجهه، وإن کان بعدها تطوع وقام یصلیه یتقدم أویتاخرأوینحرف یمیناً أوشمالاً أو یذهب إلی بیته فیتطوع ثمه،.....بل فی شرح المنیة إن انحرافه عن یمینه أولیٰ، وأیده بحدیث فی صحیح مسلم.....وذکره النووی أنه عنداستواء الجهتین فی الحاجة وعدمها ، فالیمین أفضل لعموم الأحادیث المصرحة بفضل الیمین فی باب المکارم ونحوهاکما فی الحلیة.**(الدرالمختارمع ردالمحتار:۱/۵۳۱، سعید)۔**واللہ تعالیٰ اعلم۔**

امام کامصلیوں کی طرف پھرنے کاحکم:

سوال: فتاویٰ دارالعلوم زکریا(۲/۱۷۰)میں یہ مسئلہ تحریرشدہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ امام بجانبِ راست مقتدیوں کی طرف پھرجائے،کیاراست سے مصلیوں کی جانبِ راست مراد ہے یاقبلہ کی جانبِ راست مراد ہے جوفقہاء کے نزدیک مصلیوں کی جانبِ چپ ہے؟

الجواب: یادرہے کہ کسی جانب کواپنے اوپرلازم کرنادرست نہیں، بلکہ دونوں جانب پھرنے کودرست سمجھناچاہئے،عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکورہے کہ جس نے ایک جانب کولازم کردیایعنی جانبِ راست اس نے اپنی نماز میں شیطان کاحصہ رکھا آنحضورصلی اللہ علیہ وسلم چپ وراست دونوں جانب سے مڑتے اورتشریف لے جاتے تھے،(مسلم شریف:۱/۲۴۷،شرح مسلم:۱/۲۴۷)بیہقی کی سنن کبریٰ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیرجوتے اورجوتوں سمیت اورکھڑے ہوکراوربیٹھ کرنمازپڑھتے تھے،اوردائیں اوربائیں جانب سے تشریف لے جاتے تھے،(سنن کبریٰ۔۲/۲۹۵)ابن ماجہ شریف (ص۶۶)میں بھی یہی مضمون ہے،حضرت انس رضی اللہ عنہ کایہی عمل تھااورجوجانبِ یمین کوبہت زیادہ اہمیت دیتے تھے ان پراعتراض کرتے تھے۔(بخاری شریف:۱/۱۱۸)،واسع بن حبان کہتے ہیں کہ ابن عمررضی اللہ عنہ دیوارسے تکیہ لگائے بیٹھے تھے میں نمازسے فارغ ہوکربائیں جانب سے مڑکران کے پاس آیاانہوں نے سبب پوچھاکیوں یمین سے نہیں آئے میں نے کہاآپ کی طرف

مڑنے کا ارادہ تھا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک کیا بعض لوگ دائیں جانب کو لازم سمجھتے ہیں، یہ تو آپ کی مرضی ہے دائیں جانب سے مڑے یا بائیں جانب سے۔ (موطا مالک ۱۵۵) ترمذی میں بھی یہی مذکور ہے۔ (۱/۶۶)، لیکن بایں ہمہ بہتر یہ ہے کہ یمین کو ترجیح دے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جانبِ یمین سے مڑتے تھے، (مسلم ۱/۲۴۷) امام نوویؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ یمین بہتر ہے کیونکہ عام احادیث کا یہی مدلول ہے، (شرح مسلم: ۱/۲۴۷) اوجز میں ہے کہ حسن نماز سے بجانب یمین مڑنے کو پسند کرتے تھے، (اوجز: ۳/۴۹۷) اب یمین سے کونسی جانب مراد ہے تو شامی کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ شرح منیہ میں ہے کہ مصلی کے یمین کا اعتبار ہے: **في شرح المنية: أن انحرافه عن يمينه أولىٰ وأيده بحديث في صحيح مسلم .** (شامی: ۱/۵۳۱).

مسلم میں ہے: **عن البراء رضی اللہ عنہ قال: كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه .** (مسلم ۱/۲۴۷).

مراقی الفلاح میں ہے:

وإن شاء انحرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره، وهذا أولىٰ. (مراقی الفلاح: ص۱۱۷).

اس کے بعد اگر گھر جانا چاہتا ہے تو کس طرف سے جانا چاہئے تو امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اگر دونوں جانب اس کے لیے برابر ہوں کسی ایک جانب حاجت نہیں تو یمین بہتر ہے اور شامی نے اس کو نقل کر کے تسلیم کیا ہے۔ (۱/۵۳۱)، احسن الفتاوی میں بھی لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جانے میں اور مقتدیوں کی طرف انصراف میں تیامن پسند فرماتے تھے۔ (احسن الفتاوی: ۳/۳۶۸)۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مقتدیوں کی طرف رخ فرماتے وقت جانبِ یمین سے مڑتے تھے، اور گھر تشریف لے جاتے وقت جانبِ یسار یعنی مصلیوں کے یسار کو اختیار فرماتے۔ ''چونکہ مکانات اس طرف تھے'' اور یہی یمین قبلہ اور یسارِ مصلی ہے تو حضرت کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی گھر میں سنت پڑھنا چاہتا ہو تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت اختیار کر کے قبلہ کے یمین جو مصلیوں کا یسار ہے اس کو اختیار کرنا بہتر ہے۔ (اعلاء السنن: ۳/۱۸۶-۱۹۱۳) . واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

نماز کے بعد دعا کے لئے مقتدیوں کی طرف رخ کرنے کا حکم:

سوال: فرض نمازوں کی دو قسمیں ہیں بعض وہ ہیں جن کے بعد سنتیں ہیں بعض وہ ہیں جن کے بعد سنتیں نہیں، ان دونوں کے بعد امام کو مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہئے یا قبلہ رخ بیٹھنا چاہئے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کو تمام نمازوں کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم.....عن سمرة رضی اللہ عنہ قال: كان النبي ﷺ إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه. (رواه البخاري: ۱/۱۸۱، فيصل)

قال العلامة العينيؒ في شرح هذا الحديث:

والحكمة في استقبال المأمومين أن يعلمهم ما كانوا يحتاجون إليه، كذا قيل قلت: فعلى هذا كان ينبغي أن يفعل هذا من كان حاله مثل حال النبي ﷺ من قصد التعليم والموعظة، وقيل: الحكمة فيه تعريف الداخل بأن الصلاة انقضت إذ لو استمر الإمام على حاله لأوهم أنه في التشهد مثلا. (عمدة القاري: ٤/٦١٨ دار الحديث، ملتان)

وقال في موضع آخر في شرح هذا الحديث:

وفيه استحباب إقبال الإمام بعد سلامه على أصحابه. (عمدة القاري: ٦/٢٩٩، دار الحديث ملتان)

فیض الباری میں ہے:

اعلم أن الإمام إن أراد الانصراف إلى بيته سلم وانصرف وإن أراد القعود فالسنة له أن يستقبل القوم جزماً، وبه جزم المصنفؒ وصرح به الجوزجاني في مبسوطه. (فيض الباري: ۲/۳۱٦)

حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے خزائن السنن میں فرمایا:

نماز سے سلام پھیرنے کے بعد امام سیدھا مقتدیوں کی طرف رخ پھیر کر بیٹھے۔

قال في البحر الرائق: إن كان إماما وكانت صلاة يتنفل بعدها فإنه يقوم ويتحول عن

مکانه إما یمنة أویسرة أو خلفه والجلوس مستقبلا بدعة وإن کان لایتنفل بعدها یقعد مکانه وإن شاء انحرف یمیناً وإن شاء استقبله بوجهه إلاأن یکون بحذائه مصل سواء کان فی الصف الأول أوفی الأخیروالاستقبال إلی المصلی مکروه. (البحر الرائق: ۱/۳۳۵، کوئٹة)

اورجن ادعیہ کا ذکر حدیث میں آتا ہے امام ان کو مقتدیوں کی طرف بیٹھ کر پڑھے۔

المتانة فی مرمة الخزانة: (ص ۱۷۹) میں ہے: **وقد ثبت أنه ﷺ کان إذا صلی أقبل علی أصحابه بوجهه فیحمل ما ورد من الدعاء بعد السلام علی أنه کان یقوله بعد أن یقبل علی أصحابه بوجهه الشریف فقدکان علیه الصلاة والسلام یسرع الاستقبال إلی المأمومین فکان ینصرف عن یمینه ویساره.** (خزائن السنن: ۱۳۴، ۱۳۵)

ترمذی شریف میں ہے:

ولایؤم قوماً فیخص نفسه بدعوة دونهم فإن فعل فقد خانهم. (رواه الترمذی: ۱/۸۲)

اس روایت سے بھی اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں کی طرف توجہ کرکے دعا میں سب کو شامل کرے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فرض نماز کے بعد "اللّٰهمّ أنت السلام..." کے علاوہ دعا کا حکم:

سوال: اگر فرض نماز کے بعد بیٹھ کر "اللّٰهمّ أنت السلام" الخ کے علاوہ کوئی اور دعا پڑھے مثلاً "اللّٰهم إنی أعوذبک من عذاب جهنم" تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ فرض نماز کے بعد مختصر دعا فرماتے تھے اس میں کبھی "اللّٰهمّ انت السلام" اور کبھی دوسری دعا لہٰذا "اللّٰهم إنی أعوذبک من عذاب جهنم" بھی پڑھ سکتے ہیں، نیز اس کے علاوہ بھی دیگر ادعیہ پڑھنا جائز ہے اور ماثور کا اتباع اولیٰ ہے بعض شارحین نے یہ تاویل کی ہے کہ "اللّٰهمّ أنت السلام" کی مقدار میں قبلہ کی طرف متوجہ رہتے تھے بعد میں مصلیوں کی طرف چہرہ مبارک پھیرتے تھے۔ معارف السنن میں ہے:

وحدیث عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها **لم یقعد إلا مقدارما یقول: "اللّٰهمّ أنت السلام" نص صریح فی المراد وما یتخایل أنه لم یخالفه لم یقوقوته أولم تلزم دلالته علی ما یخالفه فوجب اتباع هذا النص، ثم إن ذلک تقریب، فقد یزید قلیلا وقد ینقص قلیلا، وقد یدرج**

Maktaba Tul Ishaat.com

وقد یرتل ثم إنه لم یثبت مواظبته علی ذکر خاص، فکان یقول تارةً هذا وتارةً ذلک.....

(معارف السنن:۳/۱۱۹،بیان الأذکار بعدالسلام ،سعید کمبنی)

بخاری شریف میں ہے:

عن مغیرة بن شعبة رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ کان یقول فی دبر کل صلاة مکتوبة:"لاإله إلا الله وحده لاشریک له له الملک وله الحمد وهوعلی کل شیء قدیر اللّٰهم لامانع لما أعطیت ولامعطی لما منعت ولاینفع ذا الجد منک الجد".(بخاری شریف:۱/۱۱۶، باب الذکر بعد الصلاة)

ترمذی شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها **قالت: کان رسول الله ﷺ إذا سلم لایقعد إلامقدارما یقول اللّٰهمّ أنت السلام.....الخ، وفی روایة عن النبی ﷺ أنه کان یقول بعد التسلیم:"لا إله إلاالله وحده..... اللّٰهمّ لامانع لما أعطیت....."وروی أنه کان یقول:"سبحان ربک رب العزة عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد لله رب العلمین"**. (ترمذی شریف:۱/۶۶، باب ما یقول إذا سلم)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فرائض کے بعد سنن میں مشغول ہونا اولیٰ ہے:

سوال: جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں بعض ائمہ حضرات اس کے بعد لمبی لمبی جہری دعائیں کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان فرائض کے بعد مختصر دعا پر اکتفاء کر کے سنن ونوافل میں مشغول ہونا اولیٰ ہے، لہذا جو ائمہ لمبی لمبی دعائیں کرتے ہیں ان کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے تاکہ سنت اور فرائض میں زیادہ فاصلہ نہ ہو نیز مسبوقین کی نماز میں خلل بھی نہ ہو۔

ملاحظہ ہو محدث العصر علامہ حضرت بنوریؒ معارف السنن میں فرماتے ہیں:

قال الشیخ فی فتح القدیر فی "باب النفل ۱/۳۱۳،۳۱۴" **ما ملخصه:أن المسنون عدم الفصل بین الفریضة والسنن إلا قدرما یقول:" اللّٰهمّ أنت السلام کما فی حدیث عائشة** رضی اللہ تعالیٰ عنها **عند مسلم والترمذی وهوالذی ذکره فی شرح الحاکم الشهید وذکره**

البقالی...وماثبت عنه أنه ﷺ أنه كان يقول:"لاإله إلاالله وحده لاشريک له الخ"وأنه أرشد فقراء المهاجرين إلى التسبيحات وأخواتها ثلاثاً وثلاثين وغيرذلک دبرالصلاة فلايقتضى وصلها بالفريضة بل يصح كونهادبرالصلاة إذاكان عقيب السنة من غيراشتغال بما هوليس من توابع الصلاة... وما ذكره الحلوانى من أنه لابأس بأن يقرأ الأوراد بين الفريضة والسنة فمفاده أيضا أن الأولى أن لايقرأها...انتهى ملخصا... وتحقيق الشيخ ابن الهمام هذا يطمئن إليه القلب أكثرمما يطمئن إلى ما أفاده الشاه ولى اللهؒ فى"حجة الله البالغة" فى أذكارالصلاة من الجزء الثانى من ذكره أذكاراً كثيرةً ثم قال:الأولىٰ أن يأتى بها قبل الرواتب الخ...(معارف السنن: ۱۱۸/۳-۱۱۹، باب ما يقول إذا سلم،سعيد كمبنى)

درمختار میں ہے:

ويكره تأخيرالسنة إلابقدراللّٰهمّ أنت السلام الخ قال الحلوانى:لابأس بالفصل بالأوراد واختاره الكمال،قال الحلبى إن أريد بالكراهة التنزيهية ارتفع الاختلاف قلت:و فى حفظى حمله على القليل، وفى الشامى:قوله لابأس بالفصل الوارد أى القليلة التى بمقداراللّٰهمّ أنت السلام. (الدرالمختارمع الشامى:۵۳۱/۱،سعيد-وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۳۱۱، قديمى-وفتاوى محمودية:۶۸۰/۵، جامعه فاروقيه)-واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فرائض اور سنن کے درمیان اذکار مسنونہ پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا اکابر میں سے کسی نے فرائض کے بعد سنتوں سے پہلے تسبیحاتِ فاطمی اور اذکارِ مسنونہ پڑھنے کو ترجیح دی ہے یا نہیں؟

الجواب: ہمارے بزرگوں میں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ محمد ہاشم تتوی سندی، اور حضرت شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہم اللہ تعالیٰ، ان حضرات نے فرائض کے بعد سنتوں سے پہلے اذکارِ مسنونہ پڑھنے کو ترجیح دی ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت شاہ ولی اللہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں فرماتے ہیں:

والأدعية كلها بمنزلة أحرف القرآن، من قرأ منها شيئاً فازبالثواب الموعود، والأولىٰ

Maktaba Tul Ishaat.com

أن يأتى بهذه الأذكارقبل الرواتب، فإنهاجاء فى بعض الأذكارمايدل على ذلك نصاً، كقوله:من قال قبل أن ينصرف ويثنى رجليه من صلاة المغرب والصبح:"لاإله إلا الله .....الخ، وكقول الراوى:كان إذا سلم من صلاته يقول بصوته الأعلىٰ:لاإله إلا الله..... الخ، قال ابن عباس رضی اللہ عنہ:كنت أعرف انقضاء صلاة رسول الله ﷺ بالتكبير، وفى بعضها مايدل ظاهراًكقوله:دبر كل صلاة، وأماقول عائشةرضی اللّٰہ تعالیٰ عنها:كان إذا سلم لم يقعد إلامقدارمايقول:"اللّٰهمّ أنت السلام.....الخ، فيحتمل وجوهاً:

منها:أنه كان لايقعد بهيئة الصلاة إلاهذا القدر، ولكنه يتيامن ويتياسر،أويقبل على القوم بوجهه، فيأتى بالأذكار، لئلايظن الظان أن الأذكارمن الصلاة.

ومنها:أنه كان حيناً بعدحين يترك الأذكارغيرهذه الكلمات، يعلمهم أنهاليست فريضة، وإنمامقتضى هذاكان وجود هذا الفعل كثيراً،لامرة ولامرتين، ولاالمواظبة، والأصل فى الرواتب أن يأتى بهافى بيته،والسرفى ذلك كله أن يقع الفصل بين الفرض والنوافل بماليس من جنسها، وأن يكون فصلاً معتداً به يدرك بادى الرأى، وهوقول عمر رضی اللہ عنہ لمن أراد أن يشفع بعد المكتوبة:اجلس فإنه لم يهلك أهل الكتاب إلاأنه لم يكن بين صلواتهم فصل، فقال النبى ﷺ:"أصاب اللّٰه بك يابن الخطاب"وقوله ﷺ:" اجعلوهافى بيوتكم". (حجة الله البالغة:۲/۵۱۔۵۲،مكتبة حجازديوبند)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ "فتح الملہم" میں شاہ ولی اللہؒ کی مذکورہ بالا عبارت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلت: فالإتيان بشيء من الأذكاروالأدعية المأثورة بعدالفرائض متصلاً بها هو الراجح فى نظرى، فإنه يفيدفصلاً زمانياً بين الفريضة والنافلة،كما أن التحول من موضع الفريضة يفيد فصلاً مكانياً،والله أعلم. (فتح الملهم:٤/٢٤٨،باب استحباب الذكربعدالصلاة)

شیخ محمد ہاشم تتوی سندی "مختصر التحفۃ المرغوبۃ" میں فرماتے ہیں:

قد علمت مماذكرنافى الباب الأول أن أصل الدعاء بعد المكتوبة سنة مستحبة، بقى الكلام فى أن الدعاء بعد المكتوبة قبل السنة هل هومكروه أم لا؟

فنقول: الأحاديث التي قدمناها في الباب الأول كلها تدل بظاهرها أن دعاء النبي ﷺ كان بعد السلام مباشرة، قبل أن يصلي السنن الرواتب، كما هو المتبادر من قول رواة تلك الأحاديث: (إذا سلم)، (إذا انصرف)، و(إذا) هذه للمتبادرة، (دبر كل صلاة مكتوبة)، ونحو ذلك من الألفاظ.

وكثير من تلك الأحاديث يصرح رواتها من الصحابة بأنهم سمعوا النبي ﷺ يدعو بتلك الدعوات بعد المكتوبة، ومعلوم أن النبي ﷺ كان من هديه أداء السنن الرواتب والنوافل في البيت، دون المسجد، فلولا أن النبي ﷺ أتى بتلك الدعوات بعد المكتوبة مباشرة، قبل أن ينصرف إلى بيته لما سمعوها من النبي ﷺ، كما هو ظاهر.

وأما أن النبي ﷺ كان يصلي السنن والنوافل في البيت فتدل عليه أحاديث: ذكر منها أربعة. (مختصر التحفة المرغوبة للشيخ محمد هاشم التتوي السندي: ص ٤١ ـ ٤٦، الباب الثاني في أن الدعاء بعد المكتوبة قبل السنة جائز بلا كراهة بل هو أفضل من أن يكون بعد السنة، مندرجة في "ثلاث رسائل في استحباب الدعاء ورفع اليدين فيه بعد الصلوات المكتوبة" حلب)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنے کا ثبوت:

سوال: نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعاء پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعاء پڑھنا: "بسم اللّٰه الذی لا إله إلا هو الرحمٰن الرحيم، اللّٰهمّ اذهب عني الهمّ والحزن" نبی پاک ﷺ سے ثابت ہے اور پڑھنا چاہئے اگرچہ حدیث ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو حلیۃ الاولیاء میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: كان رسول اللّٰه ﷺ إذا سلم من صلاته مسح جبهته بيده اليمنى وقال: "بسم اللّٰه الذي لا إله إلا هو الرّحمٰن الرّحيم، اللّٰهمّ اذهب عني الهمّ والحزن" غريب من حديث معاوية تفرد به عنه زيد العمي وهو أبو الحواري زيد بن الحواري بصري فيه لين. (حلية الاولياء: ۳۰۱/۲، في ترجمة معاوية بن قرة، دار الفكر)

مزید ملاحظہ ہو: عمل اليوم والليلة: ص ۳۱، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح۔ ومجمع الزوائد: ۱۰

Maktaba Tul Ishaat.com

/۱۱۰، باب الدعاء فی الصلاۃ وبعدھا،وقال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الأوسط والبزاربنحوہ بأسانید وفیہ زید العمی وقد وثقہ غیرواحد وضعفہ الجمھور،وبقیۃ رجال أحدإسنادی الطبرانی ثقات، وفی بعضھم خلاف،دارالفکر۔ والدعاء للطبرانی:۱/۲۱۰۔ومعجم الأوسط للطبرانی: ۳/۲۴۳/۲۵۲۰،مکتبۃ المعارف الریاض۔(اس روایت کی تحقیق جلداول کے ''ابواب الحدیث'' میں گذر چکی)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

فرائض کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھنا ''بسم اللہ.....حصن حصین میں ہے اور حدیث اس بارے میں منقول ہے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۲/۲۱۱، مدلل ومکمل، دارالاشاعت۔وفتاوی حقانیہ:۳/۱۰۲، باب سنن الصلاۃ، دارالعلوم حقانیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دعا میں بحق فلان کہنے کا حکم:

سوال: دعا میں بحق فلان کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دعا میں بحق فلان کہنا دو اعتبار سے ہے ایک یہ ہے کہ بحق فلان سے یہ مراد لیں کہ جو عقلاً وذاتاً اللہ تعالیٰ پر واجب اور لازم ہے، تو یہ ناجائز ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا کوئی حق واجب اور لازم نہیں، بلکہ ''ہمارا وجود بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں''۔فقہاء کی عبارات بھی اسی پر محمول ہیں۔لیکن اگر بحق فلان سے یہ مراد لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے خود اپنے اوپر جو لازم کیا ہے یا حق سے برکت وحرمت مراد لیں تو پھر یہ توسل اور وسیلہ کے قبیل سے ہوگا، اور دعا میں توسل ہمارے علماء کے ہاں جائز بلکہ '' أرجی للإجابۃ '' ہے۔

بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اگرچہ روایات کمزور اور ضعیف ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

أخرج ابن ماجه في '' سننه'' (۷۷۸) عن أبي سعيد الخدري ؓ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : من خرج من بيته إلى الصلاة ، فقال: اللّٰهم إني أسألک بحق السائلين عليک وأسألک بحق ممشاي هذا ، فإني لم أخرج أشراً ولا بطراً ولارياء ولا سمعة ، خرجت اتقاء سخطک وابتغاء مرضاتک ، فأسألک أن تعيذني من النار وأن تغفرلي ذنوبي ؛ إنه لايغفر الذنوب إلا أنت . أقبل اللّٰه بوجهه واستغفر له سبعون ألف ملک. قال

محمد فؤاد عبد الباقي في تعليقه : في" الزائد " هذا إسناد مسلسل بالضعفاء ،عطية هوالعوفي وفضيل بن مرزوق والفضل بن الموفق كلهم ضعفاء لكن رواه ابن خزيمة في صحيحه من طريق فضيل بن مرزوق فهو صحيح عنده .

وأخرج أيضاً أحمد في "مسنده" (١١١٧٢)، قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف، وابن أبي شيبة في"مصنفه" (٢٩٨١٢)، وابن بشران في"أماليه" (٧٥٣)، وابن الجعد في"مسنده" (٢٠٣١)، وابن المنذر في"الأوسط" (١٧٤٥)، والعراقي في" تخريج الإحياء" (١/٣٣٢،الباب الخامس في الادعية) وحسنه .

قلت: إسناده ضعيف جداً ، آفته عطية العوفي. قال ابن الجوزي في"الضعفاء" (٢/١٨٠): عطية بن سعيد، أبوالحسن ، الكوفي: ضعفه الثورى ، وهشيم ، ويحيى، وأحمد، والرازى ، والنسائى. وقال ابن حبان : سمع من أبي سعيد الخدرى أحاديث فلما مات جعل يجالس الكلبى فإذا قال الكلبى: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ،حفظ ذلک ورواه عنه وكناه أبا سعيد فيظن أنه أراد "الخدرى" وإنما أراد "الكلبى" لايحل كتب حديثه إلا على التعجب .

وفي رواية عن عمروبن عطية العوفى عن أبيه عن أبي سعيد أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يقول إذا قضى صلاته: " اللّٰهم إني أسألک بحق السائلين عليک فإن للسائلين عليک حقاً أيما عبد أو أمة من أهل البر والبحر تقبلت دعوتهم واستجبت دعاء هم أن تشركنا في صالح ما يدعونک وأن تشركهم في صالح ماندعوک وأن تعافينا وإياهم وأن تقبل منا ومنهم وأن تجاوز عنا وعنهم فإنا آمنا بما أنزلت واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين "؛ وكان يقول: لايتكلم بها أحد من خلق الله إلا أشركه الله في دعوة أهل بحرهم وأهل برهم وهو مكانه. الديلمى، قال : فى المغنى : عمرو بن عطية العوفى ضعفه الدارقطنى . (جامع الاحاديث للامام السيوطى،رقم:٤١٨٠٢).

قلت: إسناده ضعيف ، لضعف عطية وابنه عمرو.

وفي رواية عن عمرؓ وعليؓ: إذا شجاک شيطان أوسلطان فقل يا من يكفي من كل

Maktaba Tul Ishaat.com

أحد ولايكفي منه أحد يا أحد من لا أحد له يا سند من لا سند له انقطع الرجاء إلا منک فاكفني مما أنا فيه وأعني ما أنا عليه مما قد نزل بي بجاه وجهک الكريم وبحق محمد صلى الله عليه وسلم عليک آمين. (كنزالعمال،رقم:٣٤٢٥، عن الديلمى).

وكذا فى "الفردوس بمأثور الخطاب" (١٢٨٢)، **وجامع الأحاديث للإمام السيوطى** (٢١٧٢) **وعزاه السيوطى للديلمى عن عمر وعلى معاً .**

فتح باب العنايه میں ہے:

قيل : و يحرم أن يقول في دعائه: بحق فلان ، نبياً كان أو ولياً أو بحق البيت أو المشعر الحرام ، لأنه لا حق للخلق على الله، لكن قد يقال: إنه لا حق لهم وجوباً من أصله، لكن الله سبحانه جعل لهم حقاً من فضله ، أو يراد بالحق الحرمة والعظمة ، فيكون من باب الوسيلة ، وقد قال الله تعالىٰ: ﴿ وابتغوا إليه الوسيلة ﴾ (المائدة:٣٥) **وقد عد من آداب الدعاء: التوسل بالأنبياء والأولياء على ما فى "الحصن الحصين" : وجاء فى رواية : اللّٰهم إني أسألک بحق السائلين...الخ.** (فتح باب العناية:٤/٥).

فتاوی شامی میں ہے:

وقال السبكى: يحسن التوسل بالنبي إلى ربه ولم ينكره أحد من السلف ولا الخلف إلا ابن تيمية فابتدع مالم يقله عالم قبله. (ردالمحتار: ٦/٣٩٧،سعيد).

علامہ شامیؒ نے اگرچہ اس قسم کی چند عبارات نقل فرمائی ہے لیکن خود علامہ شامیؒ کا رجحان دعا میں لفظ "**بحق فلان**" کے استعمال میں کراہت کی جانب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

أقول: لكن هذه كلها احتمالات مخالفة للظاهر المتبادر من هذا اللفظ ومجرد إيهام اللفظ مالايجوز كاف فى المنع . (فتاوى شامى: ٦/٣٩٧،سعيد).

تكملة عمدة الرعاية میں ہے:

قوله: ولا حق لأحد على الله تعالىٰ...وقلنا ليس للمخلوق العاجز على الخالق القادر حق لكنه بكمال لطفه عبر العطيات بالحق أى كائنة ثابتة واجبة كالحقوق وقال العلامة الشامى: أراد بالحق الحرمة والعظمة فيكون من باب والوسائل قد أمرنا بها بـ ابتغوا إليه

الوسيلة ، وعد صاحب الحصن التوسل من آداب الدعاء والآثار فيه كثيرة معمولة. (تكمة عمدة الرعاية: ٤/٥٩، كتاب الكراهية).

اکثر فقہائے کرام نے مکروہ تحریر فرمایا ہے۔ درجِ ذیل کتب میں ملاحظہ فرمائیں:

(البحر الرائق: ٨/٢٠٧، كوئته، والاختيار لتعليل المختار: ٤/١٧٥، كتاب الكراهية، والفتاوى الهندية: ٥/٣١٨، والفتاوى السراجية، ص ٣١٧، كتاب الكراهية، والهداية: ٤/٤٧٥، كتاب الكراهية، وتبيين الحقائق: ٦/٣١، دار الكتب الاسلامي، وفتح القدير، والعناية، كتاب الكراهية).

ان فقہاء کے کراہت کے قول کی وجہ فتاویٰ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ میں درج ہے، ملاحظہ ہو:

فتاویٰ شیخ الاسلام میں ہے:

معتزلہ چونکہ عدل اور اصلح کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب قرار دیتے ہیں اس لیے غفران اہل توحید اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب کہتے ہیں اور یہ حق بندوں کا اس پر لازم باللزوم العقلی قرار دیتے ہیں، اور اہل سنت والجماعت کسی فعل کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً اور ذاتاً واجب نہیں کہتے، اس لیے یہ دعا کرنا "**اللّٰهم إني أسألك بحق فلان يا بحق الأنبياء ، والمرسلين**" اہل اعتزال کے عقائد کے موافق ہوگا، اہل سنت والجماعت کے خلاف ہوگا، قرون تابعین اور تبع تابعین میں معتزلہ کا بہت زور شور تھا اس لیے فقہاء کرام نے "سداً للذريعة" منع فرمایا تھا، اب جب کہ وہ اور ان کے عقائد معدوم ہوگئے تو اس کا اشتباہ بھی معدوم ہوگیا، تو اس لفظ کے استعمال میں پہلے معنی کے ارادہ کرنے کا احتمال ہی نہیں رہا بلکہ دوسرے معانی ہی مراد لیے جاتے ہیں اس لیے اس میں کوئی حرج نہ ہوگا ...اہل سنت جب دعا میں یہ کلمہ کہتے ہیں تو واجب عقلی مراد نہیں لیتے بلکہ ایسے معانی لیتے ہیں جن سے توسل سمجھا جاتا ہو جو کہ "أرجى للإجابة" ہے۔ (فتاویٰ شیخ الاسلام، ص: ۸۸، ۸۹)۔

فتاویٰ بینات میں ہے:

...ان الفاظ سے دعا کرنا جائز اور حضراتِ مشائخ کا معمول ہے، حصن حصین اور الحزب الاعظم، ماثورہ دعاؤں کے مجموعے ہیں ان میں بعض روایات میں "بحق السائلين..." وغیرہ الفاظ منقول ہیں جن سے اس کے جواز واستحسان پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ (فتاوی بینات: ۲/۱۸۸، کتاب الاذکار والادعیہ)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ:

﴿ورتل القرآن ترتیلاً﴾

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

"زینوا القرآن باصواتکم"

(رواہ أبوداود)

باب.....﴿۵﴾

قراءت وتجوید

اور

قاری کی لغزشوں کا بیان

باب.....۵

قراءت وتجوید اور قاری کی لغزشوں کا بیان

قراءت کے درمیان میں سجدۂ تلاوت کے بعد استعاذہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص تلاوت کے درمیان سجدۂ تلاوت کرلے پھر تلاوت جاری رکھنا چاہے تو استعاذہ پڑھے گا یا نہیں؟

الجواب: تلاوت کے درمیان قراءت سے متعلق کام میں مشغول ہو تو پھر استعاذہ کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر قراءت سے متعلق نہیں تو دوبارہ استعاذہ پڑھنا سنت ہے۔ اور سجدۂ تلاوت بظاہر قراءت سے متعلق ہے اس لئے کہ تلاوت ہی سے واجب ہوا ہے لہذا دوبارہ استعاذہ پڑھنا سنت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

والتعوذ يستحب مرة واحدة مالم يفصل بعمل دنيوى. (شرح منية المصلى:ص ٤٩٥،مسائل زلة القارى،سهيل اكيڈمى)

معارف القرآن میں ہے:

تلاوتِ قرآن نماز میں ہو یا خارج نماز دونوں صورتوں میں تلاوت سے پہلے ''اعوذ باللہ.....'' پڑھنا سنت ہے، مگر ایک دفعہ پڑھ لیا تو آگے جتنا پڑھتا رہے وہی ایک تعوذ کافی ہے۔ البتہ تلاوت کو درمیان میں چھوڑ کر کسی دنیوی کام میں مشغول ہو گیا اور پھر دوبارہ شروع کیا تو اس وقت پھر دوبارہ تعوذ اور بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔ (معارف القرآن:۵/۳۸۹،سورۃ النحل،از مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

Maktaba Tul Ishaat.com

الاتقان میں ہے:

قال: وإذا قطع القراءة إعراضاً أو بكلام أجنبي ولورد السلام استأنف (الاستعاذة) ولو يتعلق بالقراءة فلا. (الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۲۹۳، آداب التلاوة، بیروت)

النشر میں ہے:

إذا قطع القارى القراءة لعارض من سوال أو كلام يتعلق بالقراءة لم يعد الاستعاذة و ذلك بخلاف ما إذا كان الكلام أجنبياً ولورد السلام فإنه يستأنف الاستعاذة وكذا لو كان القطع إعراضاً عن القراءة كما تقدم، والله أعلم. (النشر فی القراءات العشر: ۱/۲۵۹)۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

﴿الرّحمٰن الرّحيم﴾ کو ﴿ربّ العٰلمين﴾ کے ساتھ ملا کر پڑھنے کا حکم:

سوال: سورۂ فاتحہ میں ﴿الرّحمٰن الرّحيم﴾ کو ﴿ربّ العٰلمين﴾ کے ساتھ ملا کر پڑھنا بہتر ہے یا ہر آیت پر وقف کرنا چاہئے؟

الجواب: یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض کے نزدیک ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے، اس میں نبی پاک ﷺ کے طریقہ کی اتباع ہے اور جمہور کے ہاں وصل افضل ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا **قالت: كان رسول الله ﷺ يقطع قراءته يقرأ: ﴿الحمدلله رب العٰلمين﴾ ثم يقف ﴿الرحمٰن الرحيم﴾ ثم يقف.....** (رواه الترمذی: ۲/۱۲۰، ابواب القراءت، فيصل)

فی عرف الشذی: ويدل حديث الباب على الوقف على كل آية ويقال: لهذه الأوقاف أوقاف النبی ﷺ، والوقف على هذه الأوقاف مستحب وذكر الجزریؒ أن الوقف مستحب. (العرف الشذی علی سنن الترمذی: ۲/۱۲۰)

مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ **عن النبی ﷺ.....قال اللّٰه تعالیٰ: قسمت الصلاة بينی وبين عبدی نصفين ولعبدی ماسأل، فإذا قال العبد: ﴿الحمد لله رب العٰلمين﴾ قال الله تعالیٰ: حمدنی**

عبدی وإذا قال: ﴿الرحمٰن الرحیم﴾ قال اللّٰہ تعالیٰ: أثنی علی عبدی..... (رواہ مسلم: ۱/ ۱۷۰، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، فیصل)

جمع الوسائل میں ہے:

(ثم یقول: ﴿الرحمٰن الرحیم﴾ ثم یقف) والحاصل أنه کان یقف علی رؤس الآی تعلیماً للأمة ولوفیه قطع الصفة عن الموصوف ومن ثمه قال البیهقی: والحلیمی وغیرهما یسن أن یقف علی رؤس الآی وإن تعلقت بما بعدها للاتباع فقدح بعضهم فی الحدیث بأن محل الوقف یوم الدین غفلة عن القواعد المقررة فی کتب القراء إذ أجمعوا علی أن الوقف علی الفواصل وقف حسن ولوتعلقت بما بعدها وإنماالخلاف فی أن الأفضل هل الوصل أوالوقف فالجمهور کالسجاوندی وغیره علی الأول والجزری علی الثانی وکذا صاحب القاموس حیث قال: صح أنه ﷺ وقف علی رأس کل آیة وإن کان متعلقاً بمابعده وقول بعض القراء الوقف علی ماینفصل فیه الکلام أولیٰ غفلة عن السنة وأن اتباعه ﷺ هوالأولیٰ والأعدل عدم العدول عما وردفی خصوص الوقف متابعة. (جمع الوسائل فی شرح الشمائل: ۲/ ۱۱۲، باب ماجاء فی قراءۃ رسول اللّٰہ ﷺ، ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ وکذافی المرقاۃ: ۵/ ۱۱، مکتبہ امدادیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۸۲، باب القراءۃ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

آیت کے معنی پورے نہ ہو اس کے باوجود وقف کرنا:

سوال: جب آیت کے معنی پورے نہ ہو تو اس پر وقف کرنے کا کیا حکم ہے؟ مثلاً والعصر پر وقف کرنا وغیرہ

الجواب: ملا علی قاریؒ نے جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں حدیثِ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تحت فرمایا ہے کہ رأس الآیۃ پر بعض کے نزدیک وقف بہتر ہے اس لئے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے ہاں جمہور کے نزدیک وصل بہتر ہے۔ ملاحظہ ہو جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں ہے:

(ثم یقول: ﴿الرحمٰن الرحیم﴾ ثم یقف) والحاصل أنه کان یقف علی رؤس الآی

Maktaba Tul Ishaat.com

تعلیماً للأمة ولوفيه قطع الصفة عن الموصوف ومن ثمه قال البيهقي والحليمي وغيرهما: يسن أن يقف على رؤس الآى وإن تعلقت بما بعدها للاتباع فقدح بعضهم في الحديث بأن محل الوقف يوم الدين غفلة عن القواعد المقررة في كتب القراء إذ أجمعوا على أن الوقف على الفواصل وقف حسن ولوتعلقت بما بعدها وإنماالخلاف في أن الأفضل هل الوصل أوالوقف فالجمهور كالسجاوندي وغيره على الأول والجزري على الثاني وكذا صاحب القاموس حيث قال: صح أنه ﷺ وقف على رأس كل آية وإن كان متعلقاً بمابعده وقول بعض القراء الوقف على ماينفصل فيه الكلام أولىٰ غفلة عن السنة وأن اتباعه ﷺ هوالأولىٰ والأعدل عدم العدول عما وردفي خصوص الوقف متابعة. (جمع الوسائل فی شرح الشمائل:۲/۱۱۲،باب ماجاء فی قراءة رسول اللّٰہ ﷺ،ادارہ تالیفات اشرفیہ۔وکذافی المرقاۃ:۵/۱۱،مکتبہ امدادیہ)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نمازِ جمعہ میں قراءتِ مستحبہ:

سوال: نمازِ جمعہ میں کونسی سورتیں پڑھنا مستحب ہے؟

الجواب: نمازِ جمعہ میں پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ یا پہلی میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ منافقون اسی طرح پہلی میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ غاشیہ پڑھنا احادیث میں وارد ہے اور مستحب ہے۔ نیز گاہے گاہے ترک بھی مناسب ہے البتہ اکثر مستحب کی رعایت کرنا اولیٰ اور افضل ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

وعن ابن أبي رافع قال: استخلف مروان أباهريرة رضی اللہ عنہ على المدينة وخرج إلى مكة فصلى لنا أبوهريرة رضی اللہ عنہ يوم الجمعة فقرأ بعد سورة الجمعة في الركعة الآخرة إذا جاءك المنافقون، قال: فأدركت أباهريرة رضی اللہ عنہ حين انصرف فقلت له: إنك قرأت بسورتين كان علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ يقرأ بهما بالكوفة فقال أبوهريرة رضی اللہ عنہ: إني سمعت رسول الله ﷺ يقرأ بهمايوم الجمعة.

عن النعمان بن بشير رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ يقرأ في العيدين وفي الجمعة

بسبح اسم ربک الأعلیٰ وهل أتاک حدیث الغاشیة. وعن عبیداللّٰه بن عبداللّٰه قال: کتب الضحاک بن قیس إلی النعمان بن بشیر ﷺ یسئله أیّ شئ قرأ رسول اللّٰه ﷺ یوم الجمعة سوی سورة الجمعة فقال: کان یقرأ هل أتاک حدیث الغاشیة. (صحیح مسلم شریف: ۲۸۷/۱-۲۸۸، فیصل-وکذافی جامع الترمذی: ۱۱۷/۱، باب ماجاء فی القراءة فی صلاة الجمعة، فیصل-وسنن أبی داود: ۱۵۹/۱، باب مایقرأ فی الجمعة، فیصل-وسنن النسائی: ۲۰۹/۱، کتاب الجمعة، قدیمی-وسنن ابن ماجة: ص۷۸، قدیمی-والسنن الکبری للبیهقی: ۲۰۰/۳، باب القراءة فی صلاة الجمعة، دارالمعرفة- ومصنف ابن ابی شیبة: ۱۳۶/٤، مایقرأ به فی صلاة الجمعة، المجلس العلمی)

عمدۃ القاری شرح البخاری میں ہے:

قلت: أکثر العلماء علی أن: کان لایقتضی المداومة، والدلیل علی ذلک مارواه مسلم من حدیث النعمان بن بشیر ﷺ قال: الخ..... قلت: الکوفیون مذهبهم کراهة قراءة شیء من القرآن مؤقتة لشیء من الصلوات أن یقرأ سورة السجدة وهل أتی فی الفجر کل جمعة. وقال الطحاویؒ: معناه إذا راٰه حتماً واجباً لایجزیء غیره أو رأی القراءة بغیرها مکروهة، أما لو قرأها فی تلک الصلاة تبرکاً أو تأسیاً بالنبی ﷺ، أو لاجل التیسیر فلاکراهة، وفی المحیط: بشرط أن یقرأ غیر ذلک أحیاناً لئلایظن الجاهل أنه لایجوز غیره. (عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ۳٦/٥، باب مایقرأ فی صلاة الفجر یوم الجمعة، دارالحدیث)

درمختار میں ہے:

ویکره التعیین کالسجدة وهل أتی لفجر کل جمعة، بل یندب قراءتهما أحیاناً..... وفی الشامی: وعلله فی الهدایة بقوله لمافیه من هجر الباقی وایهام التفضیل (قوله بل یندب قراءتهما أحیاناً) وفی فتح القدیر: لأن مقتضی الدلیل عدم المداومة لا المداومة علی العدم کما یفعله حنفیة العصر، فیستحب أن یقرأ ذلک أحیاناً تبرکاً بالمأثور، فإن لزوم الایهام ینتفی بالترک أحیاناً. (شامی: ٥٤٤/١، فصل فی القراءة، سعید)

مزید ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع: ۲٦۹/۱ فصل فی مقدارالقراءة، سعید- واوجزالمسالک: ٤۸۹/۲، کتاب الجمعة، دارالقلم- **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پر مداومت کرنے کا حکم:

سوال: کیا جمعہ کے دن فجر کی نماز میں صرف سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر ثابت ہے اس کے علاوہ ثابت نہیں؟ نیز اس پر مداومت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر کا پڑھنا مستحب ہے اور حدیث سے ثابت ہے البتہ مداومت ثابت نہیں ہے اس کے علاوہ سورتیں پڑھنا بھی ثابت ہے بلکہ علامہ شامیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ مستحب پر مداومت مکروہ ہے لہذا کبھی کبھی ترک بھی مناسب ہے۔ نیز دیگر روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ ہر وہ سورت پڑھنا بھی ثابت ہے جس میں آیتِ سجدہ ہو۔

بخاری شریف میں ہے:

عن أبی هريرةؓ قال: كان النبیﷺ يقرأ فی الفجر يوم الجمعة الٓمٓ تنزيل وهل أتى على الإنسان. (رواه البخاری: ۱/۱۲۲/۸۸۱، باب مايقرأ فی صلاة الفجر يوم الجمعة ومسلم عنه ؓ: ۱/۲۸۸، باب فی قراءة الٓمٓ تنزيل وهل أتى فی صلاة الفجر يوم الجمعة۔ والترمذی عن ابن عباس ؓ: وقال: حديث ابن عباس ؓ حديث حسن صحيح، ۱/۱۱۷، باب ماجاء فی مايقرأ فی صلاة الصبح يوم الجمعة۔ وابوداؤد عن ابن عباس ؓ: ۱/۱۵۴، باب مايقرأ فی صلاة الصبح يوم الجمعة۔ والنسائی عن ابی هريرة ؓ وابن عباس ؓ: ۱/۱۵۱، القراءة فی الصبح يوم الجمعة۔ وابن ماجه عن ابن عباس ؓ وابی هريرة ؓ وابن مسعود ؓ وسعد ؓ: ص ۵۹، باب القراءة فی صلاة الفجر يوم الجمعة۔ وأحمد فی مسنده عن ابن عباس ؓ: ۷/۴۰۹/۳۳۸۳۔ وابن أبی شيبة: ۴/۱۳۴/۵۴۹۰، المجلس العلمی)

عرف الشذی میں ہے:

السورة المأثورة فی الصلوات مستحبة اعتيادها عندنا كما فی البحر والحلية ويدعها مرة أو مرتين كيلا يفسد عقائد من خلفه من عدم صحة هذه الصلاة بدون هذه السور. (العرف الشذی علی هامش الترمذی: ۱/۱۱۶)

عمدۃ القاری شرح البخاری میں ہے:

قلت: أكثر العلماء على أن: كان لايقتضى المداومة،.....قلت: الكوفيون مذهبهم كراهة قراءة شيء من القرآن مؤقتة لشيء من الصلوات أن يقرأ سورة السجدة وهل أتى في الفجر كل جمعة. وقال الطحاوىؒ: معناه إذا راٰه حتماً واجباً لايجزىء غيره أو رأى القراءة بغيرها مكروهة، أما لو قرأها في تلك الصلاة تبركاً أو تأسياً بالنبى ﷺ، أو لاجل التيسير فلا كراهة، وفي المحيط: بشرط أن يقرأ غير ذلك أحياناً لئلا يظن الجاهل أنه لايجوز غيره. (عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ۳۶/۵، باب مایقرأ فی صلاۃ الفجر یوم الجمعۃ، دارالحدیث)

درمختار میں ہے:

ويكره التعيين كالسجدة وهل أتى لفجر كل جمعة، بل يندب قراءتهما أحياناً..... وفي الشامي: وعلله في الهداية بقوله لمافيه من هجر الباقي وايهام التفضيل (قوله بل يندب قراءتهما أحياناً) وفي فتح القدير: لأن مقتضى الدليل عدم المداومة لا المداومة على العدم كما يفعله حنفية العصر، فيستحب أن يقرأ ذلك أحياناً تبركاً بالمأثور، فإن لزوم الايهام ينتفي بالترك أحياناً. (شامی: ۱/۵۴۴، فصل فی القراءۃ، سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بعض روایات میں مداومت کا ذکر ہے اس کا جواب:

سوال: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ وسورۂ دہر ہمیشہ پڑھتے تھے۔

ملاحظہ ہو حافظ ابن حجرؒ نے بلوغ المرام میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

عن أبي هريرة ﷺ كان رسول الله ﷺ يقرأ في صلاة الفجر يوم الجمعة الٓمٓ تنزيل وهل أتى على الإنسان، وللطبراني من حديث ابن مسعود ﷺ، يديم ذلك. (بلوغ المرام: ۲۸۸/۸۶، باب صفة الصلاۃ۔ ومجمع الزوائد: ۱۶۸/۲، دارالفکر)

جبکہ فقہاء اس کو مستحب کہتے ہیں اور کبھی کبھی چھوڑنے کو کہتے ہیں، فقہاء کی اصل دلیل اس میں کیا ہے اور اس روایت کا کیا جواب ہے؟

الجواب: مداومت ثابت نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کی فجر میں دیگر سورتیں پڑھنے کا

Maktaba Tul Ishaat.com

ثبوت ملتا ہے مثلاً بعض روایات میں ہے کہ سورۂ روم پڑھی اور بعض میں ہے سورۂ تبارک پڑھی۔

ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: "کان النبی ﷺ یقرأ فی صلاة الجمعة ﴿بسورة الجمعة وسبح اسم ربک الأعلی﴾ وفی صلاة الصبح یوم الجمعة ﴿الٓمٓ تنزیل وتبارک الذی بیده الملک﴾". (مصنف عبد الرزاق:۳/۱۸۱/۵۲۳۸،باب القراءة یوم الجمعة ،المجلس العلمی)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن عبد الملک بن عمیر أن النبی ﷺ قرأ فی الفجر یوم الجمعة بسورة الروم. (مصنف عبد الرزاق:۲/۱۱۷/۲۷۳۰،باب القرائة فی صلاة الصبح)

اسی وجہ سے فقہاء نے مستحب لکھا ہے ورنہ دوام تو وجوب یا سنت مؤکدہ ہونے کی علامت ہے، اور مستحب کا درجہ دونوں کے بعد ہے۔

روایت کا جواب:

اس بارے میں دو روایتیں ملتی ہیں: (۱) **کان یقرأ فی کل جمعة** (۲) **یدیم ذلک.**

پہلی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک راوی انتہائی ضعیف ہے اور دوسری روایت میں دوام سے کثرت مراد ہے، یعنی اکثر جمعہ کی فجر میں ان سورتوں کو آپ ﷺ تلاوت فرماتے تھے۔

ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللہ ﷺ یقرأ فی کل جمعة فی صلاة الغداة الٓمٓ تنزیل الکتاب وهل أتی علی الإنسان. قلت: هو الصحیح خلا قوله فی کل جمعة، رواه الطبرانی فی الکبیر وفیه حماد بن سعید وهو ضعیف جدا. (مجمع الزوائد:۲/۱۶۸،باب ما یقرأ فیهما،دار الفکر)

سنتِ مؤکدہ اور واجب کی تعریف:

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قال فی البحر: والذی ظهر للعبد الضعیف أن السنة ماواظب علیه النبی ﷺ لکن إن کانت لامع الترک فهی دلیل السنة المؤکدة، وإن کانت مع الترک أحیاناً فهی دلیل غیر المؤکدة، وإن اقترنت بالإنکار علی من لم یفعله فهی دلیل الوجوب، فافهم هذا فإن به

یحصل التوفیق. (شامی: ۱/۱۰۵۔مطلب فی السنة وتعریفها،سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

جمعہ کی فجر میں سجدہ والی سورت پڑھنے کا ثبوت:

مصنفِ ابن ابی شیبۃ میں ہے:

عن إبراهیمؒ قال: کان یستحب أن یقرأ یوم الجمعة بسورة فیها سجدة. وعن سعید بن جبیرؒ قال: ماصلیت خلف ابن عباس رضی اللہ عنہ یوم الجمعة الغداة إلاقرأسورة فیهاسجدة. وعن ابن عون قال: کانوا یقرؤون یوم الجمعة بسورة فیهاسجدة،فسألت محمداً، فقال: لاأعلم به بأساً. (مصنفِ ابن ابی شیبة: ۱۳۳/٤،باب من کان یستحب ان یقرأ فی الفجریوم الجمعة بسورة فیهاسجدة)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ فجر میں مختلف سورتیں پڑھنے کا ثبوت:

سوال: فجر کی نماز میں مختلف سورتیں پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ فجر میں مختلف سورتیں پڑھنا روایات سے ثابت ہے مثلاً سورۂ ق سورۂ ذاریات سورۂ تکویر سورۂ فتح سورۂ مؤمنین سورۂ انبیاء سورۂ کہف سورۂ یوسف سورۂ بقرہ سورۂ آل عمران سورۂ بنی اسرائیل سورۂ روم سورۂ یونس سورۂ ہود وغیرہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں لہذا نماز فجر میں قرآن میں سے مختلف سورتیں پڑھنا چاہئے۔ نیز فقہاء نے طوالِ مفصل (یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک) میں سے پڑھنے کو بھی مستحب لکھا ہے۔ نسائی شریف میں ہے:

عن سعید بن یسارأن ابن عباس رضی اللہ عنہ أخبره أن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی رکعتی الفجرفی الأولیٰ منهما الآیة التی فی البقرة﴿قولوا آمنا باللّٰه وماأنزل الینا الخ﴾وفی الأخریٰ﴿آمنا باللّٰه واشهد بأنامسلمون﴾وعن رجل من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه صلی صلاة الصبح فقرأ الروم.....وعن أم هشام بنت حارثة ابن النعمان قالت: ماأخذت قٓ والقرآن المجید إلامن وراء رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بها فی الصبح. وعن زیاد بن علاقة قال: سمعت عمی یقول: صلیت مع رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم الصبح فقرأ فی إحدی الرکعتین ﴿والنخل باسقات لها طلع نضید﴾وعن عمروبن حریث رضی اللہ عنہ قال: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الفجر﴿إذا الشمس کورت﴾. (نسائی شریف: ۱۵۱/۱،قدیمی)

Maktaba Tul Ishaat.com

ترمذی شریف میں ہے:

روی عن النبی ﷺ أنه قرأ فی الصبح بالواقعة. (ترمذی شریف:۱/۶۷،باب ماجاء فی القراءة فی الصبح)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ أن أبا بکر رضی اللہ عنہ قرأ فی صلاة الصبح بالبقرة. وعن الأحنف قال: صلیت خلف عمر رضی اللہ عنہ الغداة فقرأ بیونس وهود ونحوهما. وعن زید بن وهب: أن عمر رضی اللہ عنہ قرأ فی الفجر بالکهف. وعن عبد اللّٰه بن عامر بن ربیعة قال: سمعت عمر رضی اللہ عنہ یقرأ فی الفجر بسورة یوسف. وعن أبی عمرو الشیبانی قال: صلی بنا عبداللّٰه رضی اللہ عنہ الفجر فقرأ بسورتین الآخرة منهما بنو اسرائیل. وعن أبی هریرة رضی اللہ عنہ قال: صلیت خلف علی رضی اللہ عنہ صلاة الغداة فقرأ بیونس وهود. وعن عمرو بن میمون أن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ صلی الصبح بالیمن فقرأ بالنساء. وعن عبیدة رضی اللہ عنہ: أنه کان یقرأ فی الفجر الرحمٰن ونحوها. وعن توبة العنبری: أنه سمع أبا سوار القاضی قال: صلیت خلف ابن الزبیر رضی اللہ عنہ الصبح فسمعته یقرأ ﴿ألم ترکیف فعل ربک بعاد. إرم ذات العماد﴾ وعن الولید بن جمیع قال: صلیت خلف إبراهیمؒ، فکان یقرأ فی الصبح بـ﴿یٰسٓ﴾ وأشباهها. (مصنفِ ابن ابی شیبة:۳/۲۱۸،باب مایقرأ فی صلاة الفجر،المجلس العلمی)

نمازِ فجر میں طوالِ مفصل میں سے پڑھنے کا ثبوت:

ترمذی شریف میں ہے:

وروی عن عمر رضی اللہ عنہ أنه کتب إلی أبی موسی رضی اللہ عنہ أن اقرأ فی الصبح بطوال المفصل. (ترمذی شریف:۱/۶۷،باب ماجاء فی القراءة فی الفجر)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

وعن الضحاک بن عثمان قال: رأیت عمر بن عبد العزیزؒ قرأ فی الفجر بسورتین من طوال المفصل. (مصنفِ ابن ابی شیبة:۳/۲۲۲،باب مایقرأ فی صلاة الفجر،المجلس العلمی)

مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

عن الحسنؒ وغیره قال: کتب عمر رضی اللہ عنہ إلی أبی موسیٰ رضی اللہ عنہ أن اقرأ فی المغرب بقصار

المفصل وفی العشاء بوسط المفصل وفی الصبح بطوال المفصل. (مصنفِ عبدالرزاق: ۱۰۴/۲،باب مایقرأ فی الصلاۃ)

نیز کتبِ فقہ ملاحظہ ہو: ھدایہ:۱۲۰/۱،فصل فی القراءۃ۔وبدائع الصنائع:۲۰۵/۱،بیان مقدار المستحب من القراءۃ،سعید۔والفتاوی الھندیہ:۷۷/۱،الفصل الرابع فی القراءۃ۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سورۂ فاتحہ کے بعد صرف ﴿فإذا فرغت فانصب الخ﴾ پڑھنا:

سوال: ایک شخص نے نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد اتنا ہی پڑھا ﴿فإذا فرغت فانصب وإلیٰ ربک فارغب﴾ تو کیا نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟

الجواب: سورہ فاتحہ کے بعد کم از کم قراءت جس سے واجب ادا ہو جائے، تین چھوٹی آیتیں ہیں یا ایک بڑی آیت، اگر تین آیات سے کم پڑھا تو کم از کم تیس حروف ہونا چاہئے، چنانچہ صورتِ مسئولہ میں صرف دو آیتیں پڑھیں جن کے حروف کا مجموعہ ۲۶ ہوتا ہے لہذا واجب مقدار ادا نہیں ہوئی، نماز واجب الاعادہ ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ویجب ضم سورۃ قصیرۃ أو ثلاث آیات قصار لقولہ ﷺ "لاصلاۃ لمن لم یقرأ بالحمد و سورۃ فی فریضۃ أو غیرھا". (أخرجہ الترمذی فی أبواب الصلاۃ،باب ماجاء فی تحریم الصلاۃ و تحلیلھا:۲۳۸/۳/۳)۔ (امدادالفتاح مع الحاشیۃ:ص۲۷۵،فصل فی واجبات الصلاۃ۔وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۲۴۸،فصل فی بیان واجبات الصلاۃ،وکذافی الفتاوی الھندیۃ:۷۱/۱،الفصل الثانی فی واجبات الصلاۃ)

درمختار میں ہے:

وضم أقصر سورۃ کالکوثر أو ماقام مقامھا وھو ثلاث آیات قصار نحو:﴿ثم نظر ثم عبس وبسر ثم أدبر واستکبر﴾ وکذالو کانت الآیۃ أو الآیتان تعدل ثلاثاً قصاراً ذکرہ الحلبی.وفی الشامی:(قولہ تعدل ثلاثاً قصاراً) أی مثل ثم نظر.....وھی ثلاثون حرفاً فلو قرأ آیۃ طویلۃ قدر ثلاثین حرفاً یکون قد أتی بقدر ثلاث آیات..... (الدرالمختار مع الشامی:۴۵۸/۱)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

ایک سورت ملائے یا تین چھوٹی آیت ملائے کہ مجموعہ تین آیات میں کم از کم تیس حروف ہوں جیسے ﴿ثم نظر ثم عبس وبسر ثم أدبر واستكبر﴾ یا ایک بڑی آیت ملائے.....اگر اتنی مقدار پڑھی کہ تیس حروف ہو جائے تب بھی کفایت ہو جائے گی۔ (فتاوی محمودیہ:۷/۳۰، باب القراءت، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ ۴/۳۱۰۔ وفتاوی حقانیہ ۳/۲/۱۷۱، باب القراءت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

فارسی زبان میں قراءت کرنے کا حکم:

سوال: اگر فارسی زبان میں کچھ قراءت کی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: فارسی کے ساتھ اتنا عربی پڑھ لیا ہے کہ جس سے نماز درست ہو جاتی ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ قاضیخان وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ صاحبین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ ابن ہمامؒ نے دونوں اقوال میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ اگر قصہ یا امر و نہی کی آیات پڑھی تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ذکر و تسبیح کی آیات ہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

اختار هذا التفصيل في الفتح توفيقاً بين القولين وهما ماقاله في الهداية من أنه لا خلاف في عدم الفساد إذا قرأ معه بالعربية ما تجوز به الصلاة، وماقاله النجم النسفي وقاضيخان من أنها تفسد عندهما فقال في الفتح: والوجه إذا كان المقروء من مكان القصص والأمر والنهي أن تفسد بمجرد قراءته لأنه حينئذٍ متكلم بكلام غير القرآن، بخلاف ما إذا كان ذكراً أو تنزيهاً فإنها تفسد إذا اقتصر على ذلك بسبب إخلاء الصلاة عن القراءة. وتبعه في البحر وقواه في النهر فلذا جزم به الشارح. (شامي: ۱/۴۸۵، سعيد)

امداد الفتاح میں ہے:

وتأويل ماروي عن علمائنا أنه: تفسد صلاته إذا قرأ هذا، أو لم يقرأ شيئاً، مما في مصحف العامة، ولو قرأ على طريق التفسير تفسد بالإجماع، لأنه غير مقطوع به، ولا يمكن رعايته، كذا في الدراية عن المبسوط وغيره، قلت: ولعله فيما إذا اقتصر عليه، أما لو قرأ معه قدر المفروض صحت إذا لم يكن فيما قاله من التفسير ما يقتضي الفساد من

الألفاظ. انتهى. (امدادالفتاح:ص۳۱۲،فصل فی کیفیة ترتیب افعال الصلاة۔وکذا فی الفتاوی الهندیة:۱/۶۹،الباب الرابع فی صفة الصلاة)۔**واللہ تعالیٰ اعلم۔**

سورۃ العصر میں فلهم أجر غير ممنون پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: سورۃ العصر میں ﴿إلاالذين آمنوا وعملوا الصلحات وتواصوا بالحق﴾ کی جگہ ﴿فلهم أجر غير ممنون﴾ پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز مقتدی کیا کرے لقمہ دے یا خاموش رہے؟

الجواب: چونکہ آیتِ کریمہ کا معنی درست ہے لہذا نماز صحیح ہوگئی۔البتہ مقتدی کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایسی حالت میں لقمہ دے تاکہ قرآنِ کریم کی تصحیح ہوجائے۔حدیث شریف میں اس کی تائید ملتی ہے،ایک مرتبہ آپ ﷺ سے نماز میں سہواً ایک آیتِ کریمہ چھوٹ گئی بعد میں آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:آپ نے کیوں یاد نہ دلادی،معلوم ہوا کہ لقمہ دینا بہتر ہے۔

ملاحظہ ہوابوداؤد شریف میں ہے:

عن يحيى الكاهلي عن المسوربن يزيد المالكي أن رسول الله ﷺ قال يحيىٰ وربما قال:شهدت رسول الله ﷺ يقرأ في الصلاة فترك شيئاً لم يقرأه فقال له رجل:يارسول الله تركت آية كذاوكذا فقال رسول الله ﷺ:هلا أذكرتنيها،وفي رواية له عن عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ صلى صلاة فقرأ فيها فلبس عليه فلماانصرف قال لأبي أصليت معنا؟ قال:نعم،قال:فمامنعك. (ابوداؤد شريف:۱/۱۳۱،باب الفتح على الامام في الصلاة،سعيد)

درمختار میں ہے:

بخلاف فتحه على إمامه فإنه لايفسد مطلقاً لفاتح وآخذ بكل حال.....وفي الشامية: قوله بكل حال:سواء قرأ الإمام قدرما تجوزبه الصلاة أم لا، انتقل إلى آية أخرى أم لا، تكرر الفتح أم لا،هوالأصح،نهر. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۱/۶۲۲،سعيدوفي الفتاوى الهندية:۱/۹۹الباب السابع فيمايفسدالصلاة ومايكره فيها)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وضع حرف موضع حرف آخرفإن كانت الكلمة لاتخرج عن لفظ القرآن ولم يتغير به

Maktaba Tul Ishaat.com

المعنی المراد لاتفسد. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۳٤۰،تکمیل فی زلة القاری، قدیمی۔وکذافی شرح منیة المصلی:ص٤٧٦،فصل فی بیان احکام زلة القاری،سهیل اکیڈمی۔وکذافی الفتاوی الهندیة: ۱/ ۸۰،الفصل الخامس فی زلة القاری)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

نماز میں لکنود کی جگہ "لکبیر" پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے ﴿إنّ الإنسان لربه لكنود﴾ کی جگہ " إنّ الإنسان لربه لكبير" پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نماز صحیح اور درست ہے اس لئے کہ کنود کے معنی نافرمان کے ہیں اور کبیر میں کبر کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی نافرمانی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومنهاذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل إن كانت الكلمة التى قرأهامكان كلمة يقرب معناها وهى فى القرآن لاتفسدصلاته نحوإن قرأ مكان العليم الحكيم وان لم تكن تلك الكلمة فى القرآن لكن يقرب معناها عن أبى حنيفةؒ ومحمدؒ لاتفسد. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ۸۰،الفصل الخامس فی زلة القاری)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وضع حرف موضع حرف آخرفإن كانت الكلمة لاتخرج عن لفظ القرآن ولم يتغيربه المعنى المراد لاتفسد. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۳٤۰،تکمیل فی زلة القاری،قدیمی۔وکذافی شرح منیة المصلی:ص٤٧٦،فصل فی بیان احکام زلة القاری،سهیل اکیڈمی)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فرض یا نفل میں سورت کو مکرر پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے فرض یا نفل میں سورت مکرر پڑھی تو کیا حکم ہے؟

الجواب: فرض میں بلاضرورت تکرار سورۃ مکروہ ہے اور نفل میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ویکرہ تکرار السورۃ فی رکعۃ واحدۃ من الفرض ذکرہ قاضیخان، وکذا تکرارھا فی رکعتین من الفرض إذا کان لغیر ضرورۃ بأن کان یقدر علی قراءۃ سورۃ أخری، أما اذا لم یقدر فلا یکرہ لوجوب ضم سورۃ إلی الفاتحۃ فی الثانیۃ أیضاً وھذا إذا وقع عن قصد أما إذا کان لاعن قصد کما إذا قرأ ﴿قل أعوذ برّب النّاس﴾ فی الأولیٰ فإنہ لایکرہ أن یکررھا فی الثانیۃ،.....ولایکرہ تکرار السورۃ فی رکعۃ أوفی رکعتین من النفل؛ لأن باب التطوع أوسع وقد ورد "أنہ ﷺ قام إلی الصباح بآیۃ واحدۃ یکررھا فی تھجدہ" (أخرجہ ابن ماجہ فی کتاب إقامۃ الصلاۃ:باب:ماجاء فی القراءۃ فی صلاۃ اللیل من حدیث سیدنا أبی ذر رضی اللہ عنہ قال:قام النبی ﷺ بآیۃ حتی أصبح یرددھا،والآیۃ :﴿إن تعذبھم فإنھم عبادك وإن تغفرلھم فإنك أنت العزیزالحکیم﴾"ورواہ النسائی فی الافتتاح ،باب ترديدالآية(۱۰۰۹) **فدل علی جوازالتکرارفی التطوع کذافی شرح المنیۃ وقدثبت عن جماعۃ من السلف أنھم کانوا یحیون لیلتھم بآیۃ العذاب، أوآیۃ الرحمۃ، أوآیۃ الرجاء، أوآیۃ الخوف.وإن کان ذلک فی الفرائض فھومکروہ إن لم ینقل عن أحد من السلف أنہ فعل مثل ذلک کذافی التجنیس والمزید.** (امدادالفتاح مع الحاشیۃ:ص ۳۸۱،فصل فیمایکرہ فی الصلاۃ۔وکذا فی الدرالمختارمع الشامی:۱/۵٤٦، سعید۔وحاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۲۳۸)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

نوافل میں تکرار سورۃ جائز لیکن غیر اولیٰ ہے۔البتہ فرائض میں تکرار سورۃ مکروہ تنزیہی ہے اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔(فتاوی حقانیہ:۳/۱٦٦)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فرض کی دو اخیری رکعت میں قراءت کا حکم:

سوال: فرض کی اخیری رکعت میں قراءت فرض ہے یا واجب؟لوگوں کا آپس میں اختلاف ہو رہا ہے۔

الجواب: فرض کی اخیری دو رکعت میں قراءت نہ فرض ہے اور نہ واجب، بلکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا سنت اور مستحب ہے،لیکن بعض دوسرے مذاہب والے یہ گمان کرتے ہیں کہ احناف اخیری دو رکعتوں میں سورۂ

Maktaba Tul Ishaat.com

فاتحہ نہیں پڑھتے، یہ صحیح نہیں ہے احناف سورۂ فاتحہ ہمیشہ پڑھتے ہیں، لیکن اس کو سنت یا مستحب سمجھتے ہیں نہ کہ فرض اور واجب۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

و یقرأ فی الرکعتین الأخیرین بفاتحة الکتاب وحدها لحدیث أبی قتادة رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ فی الأخیرین بفاتحة الکتاب، وهذا بیان الأفضل هو الصحیح لأن القراءة فرض الرکعتین. (هدایه: ۱/۱۱۱، باب صفة الصلاة)

طحطاوی میں ہے:

وتسن قراءة الفاتحة فیما بعد الأولیین یشمل الثلاثی والرباعی قوله الصحیح هو ظاهر الروایة کما فی الحلبی.....ولذا قال القهستانی: ولعل المذکور بیان السنة أو الأدب وإلا فالفرض علی روایة الأصول مطلق القیام کما مر. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۷۰ فصل فی بیان سننها، قدیمی)

نیز ملاحظہ ہو: شرح البنایة علی الهدایة للعلامة العینیؒ: ۱/۶۷۶، صفة الصلاة، فیصل آباد۔ وبدائع الصنائع: ۱/۲۹۵، بیروت۔ واحسن الفتاوی: ۳/۷۱۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نماز میں خلاف ترتیب قراءت کرنے کا حکم:

سوال: اگر پہلی رکعت میں ﴿قل أعوذ برّب الفلق﴾ پڑھی اور دوسری رکعت میں بھول سے ﴿قل هو اللّٰه أحد﴾ شروع کر دی اب اس کو پورا کرے یا اس کو چھوڑ کر ﴿قل أعوذ برّب الناس﴾ پڑھے؟

الجواب: دوسری رکعت میں ﴿قل هو اللّٰه أحد﴾ پوری کر لے اس لئے کہ شروع کرنے کے بعد چھوڑنا مکروہ ہے۔ نیز بھول سے اس طرح خلافِ ترتیب قراءت کر لی تو کوئی حرج نہیں البتہ قصداً خلاف ترتیب قراءت کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویکره الفصل بسورة قصیرة وأن یقرأ منکوساً إلا إذا ختم فیقرأ من البقرة، وفی القنیة: قرأ فی الأولیٰ الکافرون وفی الثانیة ألم تر أو تبت ثم ذکر یتم.....وفی الشامیة: أفاد أن التنکیس أو الفصل بالقصیرة إنما یکره إذا کان عن قصد فلو سهواً فلا کما فی شرح المنیة،

وإذا انتفت الكراهة فإعراضه عن التى شرع فيها لاينبغى، وفى الخلاصة: افتتح سورة وقصده سورة أخرى فلما قرأ آية أو آيتين أرادأن يترك تلك السورة ويفتتح التى أرادها يكره، وفى الفتح: ولو كان المقروء حرفاً واحداً. (الدرالمختارمع الشامى: ۱/۵٤٦، سعيد۔ وكذافى الفتاوى الهندية: ۱/۸۹، الفصل الرابع فى القراءة)

امدادالفتاح میں ہے:

وكذا لايكره لوأراد أن يقرأ غيرالتى قرأها فى الأولىٰ فافتتحها فلما قرأ منهاآية أو آيتين تذكرفأراد أن يتركها ويفتح السورة التى أرادها يكره ذلك لقوله ﷺ "إذا افتتحت سورة فاقرأها على نحوها" كذافى التجنيس والمزيد، ووجه الكراهة عدم وروده..... ويكره قراءة سورة فوق التى قرأها لما فيه من قلب التلاوة، وقال عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ "من قرأ القرآن منكوساً فهومنكوس" كذا فى التجنيس. (امدادالفتاح: ص ۳۸۱، فصل فيمايكره فى الصلاة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

قرآن مجید کو الٹا پڑھنا یعنی ایک رکعت میں ایک سورۃ مثلاً سورۃ الاخلاص پڑھی اور دوسری رکعت میں یا اسی رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ یعنی تبت یدا پڑھی تو مکروہ ہے، خواہ نماز کے اندر ہو یا باہر اس لئے کہ سورتوں کی ترتیب تلاوت کے واجبات میں سے ہے لیکن اگر بھولے سے ایسا ہو جائے تو مکروہ نہیں۔ (عمدۃ الفقہ: ۲/۱۱۹، کتاب الصلوۃ، چوتھی فصل قرائت کا بیان، مجددیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

نماز میں تکرارِ آیت کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سورۂ فاتحہ کی ایک آیت مکرر پڑھی تو کیا حکم ہے؟ نیز دوسری سورتوں کی ایک آیت مکرر پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: سورۂ فاتحہ اور دوسری سورتوں کی کسی ایک آیت کا تکرار نوافل میں ہو تو کوئی حرج نہیں البتہ فرائض میں بلا عذر مکروہ ہے۔

امدادالفتاح میں ہے:

ولايكره تكرارالسورة فى ركعة أوفى ركعتين من النفل؛ لأن باب التطوع أوسع وقد

Maktaba Tul Ishaat.com

ورد"أنه ﷺ قام إلى الصباح بآية واحدة يكررها فى تهجده"(أخرجه ابن ماجه فى كتاب اقامة الصلاة، باب:ماجاء فى القراءة فى صلاة الليل من حديث سيدنا ابى ذر رضی اللہ عنہ قال:قام النبى ﷺ بآية حتى اصبح يرددها، والآية :﴿ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزيزالحكيم﴾" ورواه النسائى فى الافتتاح،باب ترديدالآية(١٠٠٩)**فدل على جوازالتكرارفى التطوع كذا فى شرح المنية وقدثبت عن جماعة من السلف أنهم كانوا يحيون ليلتهم بآية العذاب، أوآية الرحمة، أوآية الرجاء، أوآية الخوف.وإن كان ذلك فى الفرائض فهومكروه إن لم ينقل عن أحد من السلف أنه فعل مثل ذلك كذافى التجنيس والمزيد.** (امدادالفتاح مع الحاشية: ص ٣٨١،فصل فيمايكره فى الصلاة ـوكذافى مراقى الفلاح ص١٢٨،فصل فى المكروهات،مكة المكرمة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذاكررآية واحدة مراراً فإن كان فى التطوع الذى يصلى وحده فذلك غير مكروه وإن كان فى الصلاة المفروضة فهومكروه فى حالة الاختياروأما فى حالة العذر والنسيان فلابأس هكذا فى المحيط. (الفتاوى الهندية:١/١٠٧،الفصل الثانى فيمايكره فى الصلاة)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

ایک رکعت میں ایک آیت یا سورت مکرر پڑھنا:

جواب: نماز ہوجاتی ہے لیکن فرض نماز میں قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے نفل میں مکروہ نہیں۔(فتاوی محمودیہ:۷/۹۵، باب القراءۃ، جامعہ فاروقیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دوسورتوں کے درمیان فصل کی مقدار:

سوال: دوسورتوں کے درمیان کتنی سورتیں چھوڑنے کی گنجائش ہے؟

الجواب: دوسورتوں کے درمیان ایک چھوٹی سورت قصداً چھوڑنا مکروہ ہے سہواً مکروہ نہیں ہے نیز اگر درمیان میں اتنی بڑی سورت ہو کہ اس کے پڑھنے سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے مقدار قراءت میں بڑھ جائے گی تو اس کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح درمیان میں دو چھوٹی سورتیں چھوڑنا مکروہ نہیں۔

ملاحظہ ہو امدادالفتاح میں ہے:

ویکره فصله بسورة بین سورتین قرأهما فی رکعتین وقال بعضهم:إن کانت السورة طویلة لایکره کما لوکان بینهما سورتان قصیرتان وذلک لمافیه من شبهة التفضیل والهجر. (امدادالفتاح:ص۳۸۲، فصل فیمایکره فی الصلاة،داراحیاء التراث)

شامی میں ہے:

(قوله ویکره الفصل بسورة قصیرة) أمابسورة طویلة بحیث یلزم منه إطالة الرکعة الثانیة إطالة کثیرة فلایکره شرح المنیة کماإذاکانت سورتان قصیرتان. (شامی:۱/۵٤٦، فصل فی القراءة، سعید۔ وکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۵۲، فصل فی مکروهات الصلاة ، قدیمی ۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة ۱/۷۸،الفصل الرابع فی القراءة)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

﴿ووجدک ضالاً فهدی﴾ کی جگہ ﴿فأغنیٰ﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے نماز میں ﴿ووجدک ضالاً فهدیٰ﴾ کی جگہ "ووجدک ضالاً فأغنی" پڑھ لیا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس صورت میں معنی فاسد نہ ہونے کی وجہ سے نماز صحیح اور درست ہے۔اس لئے کہ فأغنی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت سے سرفراز فرما کر غنی کر دیا لہذا معنی میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومنهاذکر کلمة مکان کلمة علی وجه البدل إن کانت الکلمة التی قرأهامکان کلمة یقرب معناها وهی فی القرآن لاتفسدصلاته نحوإن قرأ مکان العلیم الحکیم وإن لم تکن تلک الکلمة فی القرآن لکن یقرب معناها عن أبی حنیفةؒ ومحمدؒ لاتفسد. (الفتاوی الهندیة:۱/۸۰،الفصل الخامس فی زلة القاری۔وکذافی المحیط البرهانی:۲/٦٦)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

المسألة الثالثة:وضع حرف موضع حرف آخرفان کانت الکلمة لاتخرج عن لفظ القرآن ولم یتغیربه المعنی المراد لاتفسد کما قرأ.....والأرض وما دحاها مکان طحاها. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۳٤۰، تکمیل فی زلة القاری، قدیمی۔وکذافی شرح منیة

Maktaba Tul Ishaat.com

المصلی:ص٤٧٦، فصل فی بیان احکام زلة القاری،سهیل اکیڈمی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

﴿عذاباً مهيناً﴾ کی جگہ ﴿أجراً عظيماً﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک حافظ صاحب نے فجر کی نماز میں دوسری رکعت میں سورۂ احزاب کی آیت ۵۷ میں ﴿عذاباً مهيناً﴾ کی جگہ ﴿أجراً عظيماً﴾ پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قراءت میں فاحش غلطی کی وجہ سے نماز فاسد ہوجاتی ہے مثلاً اہل جنت کو جہنمی بنادے یا اہل جہنم کو جنتی بنادے تو نماز فاسد ہوجائے گی لہذا صورتِ مسئولہ میں بھی فاحش غلطی کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی۔

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو قرأ "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات أولئک أصحاب الجحيم" أو "أولئک هم شر البرية" أو قرأ "والذين كفروا وكذبوا بآياتنا أولئک أصحاب الجنة هم فيها خالدون" وما أشبه ذلک ممافيه تغيير حكم الله تعالىٰ على أحد الفريقين بضده.....ووصل قال: عامة المشايخ: تفسد صلاته لأنه أخبر بخلاف ما أخبر الله تعالىٰ به ولو اعتقده يكون كفراً. (شرح منية المصلي:ص٤٨٧ فصل فی بیان احکام زلة القاری،سهیل اکیڈمی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن تغير المعنى نحو أن يقرأ "إن الأبرار لفي جحيم وإن الفجار لفي نعيم" فأكثر المشايخ على أنها تفسد وهو الصحيح هكذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ١/ ٨٠،الفصل الخامس فی زلة القاری۔ وكذافی الشامی: ١/ ٦٣١،مسائل زلة القاری،سعید)

نیز ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی: ۱/۲۹۳، باب مایفسد الصلاۃ، دارالعلوم کراچی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

" الضاد مشتبه الصوت بالظاء أو الدال"

حرفِ ضاد کو دال کے ساتھ زیادہ تعلق نہیں اور یہ ظا کے ساتھ اپنی اکثر صفات میں مشابہ ہے مگر ظا سے بھی وہ جداگانہ حقیقت رکھتا ہے پس جو شخص اس کو خالص ظا پڑھے وہ اور جو شخص خالص دال پڑھے وہ دونوں تبدیل حرف کے مرتکب ہیں اور جو شخص ضاد کے ادا کرنے کے قصد سے پڑھے اور اس کی آواز دال پُر کی نکلے یا ظا

کے مشابہ نکلے ان دونوں کی نماز صحیح ہوگی، اور ظا مشابہ پڑھنے والا اُقرب الی الصحۃ ہوگا۔

خالص دال کی آواز سے ادا کرنا غلط ہے ضاد کی آواز اصل حقیقت کے اعتبار سے ظا کے مشابہ ہے دال کے مشابہ نہیں۔

ضاد کا مخرج: "الضاد من أصل حافة اللسان ومايليها من الأضراس" یعنی ضاد کا مخرج زبان کو پورا کنارہ اور دائیں یا بائیں طرف کی داڑھ ہے۔

ظا کا مخرج: ظا کا مخرج اوپر کے دونوں دانتوں اور زبان کی نوک ہے۔

دال کا مخرج: دال کا مخرج زبان کی نوک اور اوپر کے دونوں دانتوں (ثنایا علیا) کی جڑ ہے۔

صفات حروفِ ثلاثہ:

''ض'' کی صفت کے متعلق کتبِ تجوید میں لکھا ہے: **الرخاوة والجهر والاستعلاء والإطباق والتفخيم والاستطالة والإصمات من صفات الضاد المعجمة والتفشي عند البعض أيضاً كذا في جهد المقل.**

نیز بعض کتبِ تجوید میں ''ض'' کی صفات میں سے سکون کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

''ظا'' کی صفت کے متعلق علامہ محمد مرعشی لکھتے ہیں: **الإصمات والجهر والرخاوة والاستعلاء والإطباق والتفخيم من صفات الظا المعجمة، كذا في جهد المقل وشرحه وفي منهاج النشر السكون أيضاً.**

اس کتاب میں صفاتِ دال کے متعلق یوں مرقوم ہے:

القلقلة والشدة والإصمات والانفتاح والتوفيق والاستفال من صفات الدال المهملة.

علامہ محمد بن محمد جزریؒ لکھتے ہیں:

والناس يتفاوتون في النطق بالضاد فمنهم من يجعله ظاء لأن الضاد يشارك الظاء في صفاتها كلها ويزيد على الظاء بالاستطالة ولولا الاستطالة واختلاف المخرجين لكانت ظاء وهم أكثر الشاميين وبعض أهل الشرق.

مشہور و معروف مؤرخ ابن خلکان اپنی تاریخ میں زیر ترجمہ ابن العربی اللغوی لکھتے ہیں:

وكان (أي ابن العربي) يقول جائز في كلام العرب أن يعاقبوا بين الضاد والظاء فلا يخطئ

Maktaba Tul Ishaat.com

من یجعل هذه فی موضع هذه و ینشد:

إلی الله أشکو من خلیل أوده ثلاث خلا ل کلها لی غائض

بالضاد ویقول هکذا سمعته من فصحاء العرب.

نیز فتاوی قاضی خان میں ہے:

لو قرأ الضالین بالظاء أو الذال لاتفسد صلا ته و لو قرأ بالدال تفسد صلا ته.

خلاصہ: حرفِ ضاد و ظا دونوں آٹھ صفات میں متحد ہیں جبکہ حرف ضاد اور دال میں کوئی مناسبت و مشابہت نہیں، بلکہ انمیں تباین ہے، غور کیجئے: ضاد میں رخاوت ہے تو دال میں شدت، ضاد ساکنہ ہے دال قلقلہ ہے، ضاد مطبقہ ہے دال منفتحہ، ضاد مستعلیہ ہے دال مستفلہ، ضاد میں تفخیم ہے دال میں ترقیق، ضاد مستطیلہ ہے دال آنی، ضاد میں تفشی ہے دال میں عدم تفشی، نیز اہلِ عرب کے کلام اور علمائے تجوید کے کلام اور فقہائے عظام کے فتاوے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضاد کو مشتبہ الصوت بالظاء پڑھ سکتے ہیں۔ (ملخص از فتاوی ثنائیہ: ۲/۱۰ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری ''غیر مقلد''، اسلامک پبلشنگ لاہور)۔

مزید ملاحظہ ہو: ("رفع التضاد عن احکام الضاد" از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، وامداد الفتاوی: ۱/ ۲۳۷-۲۴۴، وفتاوی فریدیہ: ۲/ ۴۴۸-۴۵۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قراءت میں مفسدِ نماز غلطی کی لیکن درمیان میں وقف تام کیا تھا تو نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے عشاء کی نماز میں سورۃ البلد کی آیت ﴿و تواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة﴾ کے بعد وقف کیا پھر ﴿أولئک أصحاب المشئمة﴾ پڑھا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بظاہر آیتِ کریمہ کا معنی بدل گیا، نماز فاسد ہونی چاہئے لیکن فقہاء نے تفصیل فرمائی ہے کہ اگر درمیان میں وقف تام کر دیا یعنی سانس توڑ کر ٹھہر گیا پھر دوسری آیت پڑھی تو نماز فاسد نہیں ہوگی، لہذا صورتِ مسئولہ میں بھی نماز فاسد نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو قرأ: ''إن الذین آمنوا وعملوا الصالحات'' ووقف وقرأ بعد الوقف التام ''أولئک أصحاب الجحیم'' ''أولئک هم شر البریة'' أو قرأ ''والذین کفروا و کذّبوا بآیاتنا أولئک أصحاب الجنة هم فیها خالدون'' وما أشبه ذلک مما فیه تغییر حکم الله علی أحد الفریقین

بضده لاتفسد لصيرورة الكلام الثاني مبتدأ به غير متصل بالأول فلم يتعين الحكم بالضد. (شرح منية المصلي :٤٨٧،فصل في بيان احكام زلة القاري،سهيل اكيڈمی لاهور)

فتح القدیر میں ہے:

ولو بني بعض آية على أخرى إن لم يغير نحو "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات فلهم جزاء الحسنى" مكان "كانت لهم جنات الفردوس نزلا" لاتفسد، وإن غير فإن وقف وقفاً تاماً بينها فكذلك لو كان قرأ "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات" ووقف ثم قال: "أولئك هم شر البرية" وإن وصل تفسد عند عامة المشايخ وهو الصحيح، وحينئذ هذا مقيد لما ذكر في بعض المواضع من أنه إذا شهد بالجنة لمن شهد الله له بالنار أو بالقلب تفسد، والله سبحانه وتعالىٰ أعلم. (فتح القدير: ١/٣٢٤،فصل في القراءة،دارالفكر)

شامی میں ہے:

(قوله كما لو بدل الخ) هذا على أربعة أوجه، لأن الكلمة التي أتى بها، إما إن تغير المعنى أولا، وعلى كل فإما أن تكون في القرآن أولا، فإن غيرت أفسدت لكن اتفاقاً في نحو فلعنة الله على الموحدين وعلى الصحيح في مثال الشارح لوجوده في القرآن، وقيد الفساد في الفتح وغيره بما إذا لم يقف وقفاً تاماً، أما لو وقف ثم قال: لفي جنات فلا تفسد. (شامي: ١/٦٣٤،مسائل زلة القاري،سعيد)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

غلط پڑھ کر فوراً تصحیح کر لینے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نماز میں غلط قراءت کی پھر اسی وقت تصحیح کر لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نماز میں غلط پڑھ کر تصحیح کر لینے سے نماز ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

وفي المضمرات: قرأ في الصلاة بخطأ فاحش ثم أعاد وقرأ صحيحاً فصلاته جائزة.

(حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ١/٢٦٧،باب مايفسدالصلاة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

ذکر فی الفوائد: لو قرأ فی الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحیحاً قال: عندی صلاته جائزة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۸۲، فی زلة القاری)

نیز ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی: ۱/۱۶۸، باب القراءۃ، دارالعلوم کراچی۔ وامداد المفتین: جلد دوم ص ۳۵۷۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/۱۷۷، باب القراءۃ۔ وفتاوی رحیمیہ: ۴/۳۰۹ باب صفۃ القراءۃ، مکتبہ رحیمیہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پہلی رکعت میں فحش غلطی کی اصلاح دوسری رکعت میں کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر امام نے پہلی رکعت میں فحش غلطی کی پھر دوسری رکعت میں مقتدی نے لقمہ دیا اور امام نے تصحیح کر لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ نیز تیسری یا چوتھی رکعت میں تصحیح کرلے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: فحش غلطی کے بعد تصحیح کرنے سے نماز درست ہوجاتی ہے اگرچہ دوسری یا تیسری یا چوتھی رکعت میں تصحیح کرے اس لئے کہ پوری نماز ایک مجلس کی طرح ہے اگر پہلی رکعت میں قراءت نہیں کی تو تیسری رکعت میں کرسکتا ہے، اسی طرح پہلی رکعت میں واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو سے تلافی اخیر میں ہے، نیز نماز کا کوئی سجدہ بھول جائے تو آخری رکعت میں ہوسکتا ہے لہذا قراءت کی تصحیح بھی دیگر رکعات میں ہوسکتی ہے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

وفی المضمرات: قرأ فی الصلاة بخطأ فاحش ثم أعاد وقرأ صحیحاً فصلاته جائزة.

(حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۶۷، باب مایفسدالصلاة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ذکر فی الفوائد: لو قرأ فی الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحیحاً قال: عندی صلاته جائزة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۸۲، فی زلة القاری)

امداد الفتاح میں ہے:

روی أن عمر رضی اللہ عنہ ترک القراءة فی رکعة من المغرب فقضاها فی الثالثة. (امدادالفتاح: ص ۲۷۶، فصل فی واجبات الصلاة)

درمختار میں ہے:

ولو تذکر فی رکوعه أو سجوده أنه ترک سجدة صلبیة أو تلاویة فسجدها أعادهما

ندباً.....وفی الشامیة:(قوله فسجدها)أفاد أن سجودها عقب التذکر غیر واجب لما فی البحر عن الفتح:له أن یقضی السجدة المتروکة عقب التذکر، وله أن یؤخرها إلی آخر الصلاة فیقضیها هناک. (الدرالمختارمع الشامی:۱/۶۱۲،باب الاستخلاف)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

المصلی إذا نسی سجدة التلاوة فی موضعها ثم ذکرها فی الرکوع أوفی السجود أوفی القعود فإنه یخرلهاساجداً ثم یعود إلی ماکان فیه فیعیده استحساناً وإن لم یعد جازت صلاته وإن أخرها إلی آخر صلاته أجزأه لأن الصلاة واحدة. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة:۱/۱۲۷، فصل فیمایوجب السهووما لایوجب السهو)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

”رب ابن لی عندکِ بیتاً فی الجنة“ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے ﴿رب ابن لی عندکَ بیتاًفی الجنة﴾ کی جگہ ”رب ابن لی عندکِ بیتاًفی الجنة“ نماز میں پڑھا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں متقدمین اور متأخرین کا اختلاف ہے۔ متقدمین کے نزدیک نماز فاسد ہوجاتی ہے اور متأخرین کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی۔ قاضیخانؒ نے فرمایا کہ متأخرین کے یہاں گنجائش اور وسعت ہے اور متقدمین کے قول پر عمل کرنے میں احتیاط ہے خصوصاً عبادات میں احتیاط پر عمل کرنا اولیٰ ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں اعادہ افضل ہے۔ شامی میں ہے:

والقاعدة عندالمتقدمین أن ماغیرالمعنی تغیراً یکون اعتقاده کفراً یفسد فی جمیع ذلک.....واماالمتأخرون کابن مقاتل وابن سلام.....فاتفقوا علی أن الخطأ فی الإعراب لایفسد مطلقاً ولواعتقاده کفراً لأن أکثرالناس لایمیزون بین وجوه الإعراب، قال قاضیخانؒ: وماقاله المتأخرون أوسع وماقاله المتقدمون أحوط. (شامی:۱/۶۳۱،فی زلة القاری،سعید۔وکذافی شرح منیة المصلی:ص۴۷۶،فی بیان احکام زلة القاری،سهیل۔والفتاوی الهندیة:۱/۸۱،الفصل الخامس فی زلة القاری۔وفتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیة:۱/۱۴۰،فصل فی قراءة القرآن خطأ)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

رحمته کی جگہ رحمتی پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سورۂ دہر میں آیتِ کریمہ ﴿یدخل من یشآء فی رحمته﴾ میں "رحمته" کی جگہ "رحمتی" پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز درست ہوجائے گی۔ علمِ بلاغت کا مشہور قاعدہ ہے جسے التفات کہتے ہیں یعنی غائب کے بعد مخاطب یا متکلم یا بالعکس لانا۔ "یدخل" میں اللہ ﷻ کا ذکر ضمیر غائب سے ہوا اور "رحمتی" میں متکلم سے ہوا۔ جس طرح ﴿الحمد للّٰه رب العلمین﴾ میں صیغہ غائب کے ساتھ اور ﴿إیاک نعبد﴾ میں مخاطب کے ساتھ۔ ملاحظہ ہو تفسیر بیضاوی میں ہے:

ومن عادة العرب التفنن فی الکلام والعدول من أسلوب إلی آخر تطریةً له وتنشیطاً للسامع، فیعدل من الخطاب إلی الغیبة، ومن الغیبة إلی التکلم وبالعکس، کقوله ﷻ: ﴿حتی إذا کنتم فی الفلک وجرین بهم﴾ وقوله ﷻ: ﴿واللّٰه الذی أرسل الریاح فتثیر سحاباً فسقناه﴾ وقول امرء القیس:

تطاول لیلک بالإثمد.....ونام الخلی ولم ترقد

وبات وباتت له لیلة.....کلیلة ذی العائر الأرمد

وذلک من نبأ جاء نی.....وخبرته عن أبی الاسود

(تفسیر البیضاوی ۱/۷ تحت الآیة: ایاک نعبد وایاک نستعین)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

"لایسمعون فیها لغواً الا کذاباً" پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: نماز میں ﴿لایسمعون فیها لغواً ولا کذابا﴾ کی جگہ "لایسمعون فیها لغواً الا کذاباً" پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں معنی کے فاسد ہونے کی وجہ سے نماز نہیں ہوئی لہٰذا اعادہ کرلیا جائے۔ ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

فالأصل فیها عند الإمامؒ ومحمدؒ تغیر المعنی تغیراً فاحشاً، وعدمه للفساد، وعدمه مطلقاً سواء کان اللفظ موجوداً فی القرآن أولم یکن. (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۳۳۹، تکمیل

فی زلة القاری،قدیمی)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

إن الخطأ فی القرآن.....أوالحروف یوضع حرف مکان آخرأوزیادته أونقصه أوتقدیمه أوتأخیره أوفی الکلمات أوفی الجمل کذلک.....فإن الأصل فیه أنه إن لم یکن مثله فی القرآن والمعنی بعید من معنی لفظ القرآن متغیرتغیراً فاحشاً قویاً بحیث لامناسبة بین المعنیین أصلاً تفسدصلا ته.....(شرح منیة المصلی:ص ٤٧٥،فی بیان احکام زلة القاری،سهیل)

عالمگیری میں ہے:

ومنهاذکر کلمة مکان کلمة علی وجه البدل.....ولایتقاربان فی المعنی تفسدصلا ته بلاخلاف إذا لم تکن الکلمة تسبیحاً ولاتحمیداً ولاذکراً.(الفتاوی الهندیة:۱/۸۰،الفصل الخامس فی زلة القاری۔وکذافی الشامی: ۱/٦٣٤،فی زلة القاری،سعید)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

قراءت میں "لاتحبون العاجلة" پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے "**بل تحبون العاجلة وتذرون الآخرة**" کی جگہ" **لاتحبون العاجلة**" پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ معنی کی تبدیلی کی وجہ سے نماز کا اعادہ کرلینا چاہئے،اگرچہ بعض حضرات عدم فساد کے قائل ہیں۔فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولوقرأ ان هولاء یحبون العاجلة یکذبون العاجلة تفسد صلاته. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیة:۱/۱٤۲).

وفیه أیضاً: وإن أخطأ ولم تکن المسئلة فیماذکرنا من المسائل ینظرإن کان الخطأ فی الإعراب فقد ذکرنا أنه إن لم یفحش لاتفسد عندالکل کما لوقرأ: إن المسلمین والمسلماتَ بنصب التاء، وإن فحش بأن قرأ: مالوتعمد به یکفر فکذلک عندالمتأخرین والإعادة أحوط ، و إن أخطأ بذکرحرف مکان حرف ولم یختلف المعنی والتی قرأها تکون فی القرآن جازت صلاته عندالکل کمالوقرأ: إن المسلمون إن الظالمون. وإن لم یختلف

Maktaba Tul Ishaat.com

المعنى لكن ما قرأ ليس في القرآن كما لوقرأ كونوا قيامين بالقسط ولاتذر على الأرض من الكافرين دوّاراً ، وقرأ: الحي القيام فسدت صلاته في قول أبي يوسفؒ وفي قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ لاتفسد. وإن اختلف المعنى ولم تكن التي قرأها في القرآن نحو أن يقرأ فسحقاً لأصحاب الشعير تفسد صلاته عندالكل ولايميزبين حرف وحرف بخلاف ماقاله منصور العراقي. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:١/١٥٠).

وفيه أيضاً: وإن تغيرالمعنى بترك الكلمة بأن قرأ: فمالهم لايؤمنون وترك لا، أو قرأ وإذا قرئ عليهم القرآن لايسجدون وترك لا،تفسدصلاته عندالعامة،لأنه أخبربخلاف ما أخبرالله به، لواعتقد ذلک يكفر فإذا أخطأ تفسدصلاته وقيل: لاتفسد صلاته لأن فيه بلوى وضرورة والصحيح هوالأول. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:١/١٥٤).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

دعائے قنوت میں غلطی کی وجہ سے فسادِ نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نماز پڑھا رہا تھا نماز میں بعض ملکی حالات کی وجہ سے قنوتِ نازلہ پڑھنا شروع کیا اس میں بعض کلمات تبدیل ہوگئے جس سے معنی بدل گئے مثلاً "وقنا شرما قضيت" کی جگہ "وقنا خير ما قضيت" پڑھا کیا اس کی وجہ سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ قراءتِ قرآن میں بندہ کو مسئلہ معلوم ہے کہ معنی بدل جانے سے نماز فاسد ہوتی ہے، کیا یہ قاعدہ دعاؤں میں بھی جاری ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کی بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ معنی کے بدلنے سے نماز کا فاسد ہونا قراءت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دعاؤں اور تسبیحات میں بھی فحش غلطی سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، بایں وجہ بصورتِ مسئولہ نماز فاسد ہوگئی اعادہ کرلیا جائے۔

(وقنت فيه) ويسن الدعاء المشهور، ويصلى على النبى صلى الله عليه وسلم به يفتى ... ونحفد بدال مهملة بمعنى نسرع فإن قرأ بذال معجمه فسدت خانية لأنه كلمة مهملة .

وفى الشامية: كذا فى البحر لكن فيه أنه ورد صفة البراق "له جناحان يحفذبهما" أى يستعين على السير .وفى تقريرات الرافعى: قلت: الذى فى صفة البراق إنما هو بزاى معجمة فى آخره كما فى مجمع بحار الأنوار وغيره لا بذال منقوطة. (الدرالمختارمع

ردالمحتارمع التحریرالمختار:۲/۷، سعید).

فتاوی شامی میں ہے:

السنة فی تسبیح الرکوع سبحان ربی العظیم إلا إن کان لایحسن الظاء فیبدل به الکریم لئلا یجری علی لسانه العزیم فتفسد به الصلاة کذا فی شرح دررالبحار فلیحفظ فإن العامة عنه غافلون حیث یأتون بدل الظاء بزای مفخمة. (ردالمحتار: ۱/۴۹۴،سعید).

نیز فقہاء نے زلۃ القاری کے تحت تشہد اور دعاؤں سے متعلق بعض جزئیات ذکر فرمائی ہیں اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ فسادِ صلوٰۃ کا حکم قراءت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

نوع آخر فی زلة القاری، وسئل الوبری عمن قرأ فی صلاته: ربنا لک الهمد بالهاء فقال: لا تفسد صلاته إن شاء اللّٰه تعالیٰ. (الفتاوی التاتارخانیة:۲، رقم المسئلة:۱۸۲۶،ط:دیوبند).

فتاوی قاضیخان میں ہے:

وإذا قرأ التحیات للّٰه بالطاء أو قرأ الدحیات للّٰه بالدال قال القاضی الإمام : لاتفسد صلاته،... و لو قرأ: اللّٰهم صل بالسین لا تفسد صلاته. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة:۱/۱۴۱، ۱۴۳، فصل فی قراءة القرآن خطأ). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

”یاأیهاالذین آمنوالاتلهکم أموالکم ولاأولادَکم“ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے جہری نماز میں آیتِ کریمہ ﴿یاأیهاالذین آمنوالاتلهکم أموالکم وأولادُکم﴾ کی جگہ ”أولادَکم“ پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں معنی فاسد نہ ہونے کی وجہ سے نماز ہوگئی۔ نیز اس کی تاویل بھی ہوسکتی ہے کہ ”لاتلهکم اموالکم مع اولادکم“ یہ مفعول معہ بن جائے جیسے ”سرت وزیداً أی مع زید“۔

عالمگیری میں ہے:

ومنهاحذف حرف.....وإن لم یکن علی وجه الإیجازوالترخیم فإن کان لایغیرالمعنی لاتفسد.....(الفتاوی الهندیة:۱/۷۹، الفصل الخامس فی زلة القاری)

Maktaba Tul Ishaat.com

فتاوی قاضیخان میں ہے:

أما الخطأ فی الإعراب إذا لم یغیر المعنی لاتفسد الصلاة عندالکل.....لأن الخطأ فی الإعراب ممالایمکن الاحترازعنه فیعذر. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة:۱/۱۳۹۔وکذافی شرح منیة المصلی:ص۴۷۶،سهیل)

طحطاوی میں ہے:

وفی النهروأحسن من لخص من کلامهم فی زلة القاری الکمال فی زاد الفقیه فقال: إن کان الخطأ فی الإعراب،ولم یتغیربه المعنی ککسرقوامامکان فتحهاوفتح باء نعبد مکان ضمهالاتفسد. (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۳۴۰،قدیمی)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ایک طویل آیت میں سے کچھ حصہ چھوٹ گیا تو نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے لمبی آیت ﴿محمد رسول اللّٰه الخ﴾ پڑھی پھر اس میں سے کچھ حصہ بھول گیا مثلاً ﴿وعد اللّٰه الذین آمنوا﴾ کے بعد ﴿وعملوا الصا لحات منهم﴾ بھول گیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نماز درست ہے اس لئے کہ اگر ایک لمبی آیت کا اتنا حصہ پڑھا جو چھوٹی تین آیات کے بقدر ہو تو صحتِ نماز کے لئے کافی ہے اور تین چھوٹی آیات کی مقدار بعض حضرات کے قول کے مطابق ۱۰ کلمات اور ۳۰ حروف ہیں۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولوقرأ آیة طویلة فی الرکعتین فالأصح الصحة اتفاقاً لأنه یزیدعلی ثلاث آیات قصارقاله الحلبی.....وفی الشامی:(قوله لأنه یزید علی ثلاث آیات) تعلیل للمذهبین لأن نصف الآیة الطویلة إذاکان یزید علی ثلاث آیات قصاریصح علی قولهما فعلی قول أبی حنیفةؒ المکتفی بالآیة أولیٰ.قال فی البحر:وعلم من تعلیلهم أن کون المقروء فی کل رکعة النصف لیس بشرط بل یکون البعض یبلغ مایعد بقراء ته قارئاً عرفاً.....وفی التاتارخانیة والمعراج وغیرهما:لوقرأ آیة طویلةکآیة الکرسی أوالمداینة البعض فی رکعة والبعض فی رکعة اختلفوا فیه علی قول أبی حنیفةؒ.....وعامتهم علی أنه یجوزلأن بعض هذه الآیات یزید علی ثلاث قصارأویعدلها فلاتکون قراء ته أقل من ثلاث آیات..... وقدرها من حیث

الكلمات عشر، ومن حيث الحروف ثلاثون..... (الدرالمختارمع الشامی: ۱/۵۳۷،فصل فی القراءة، سعید)

عالمگیری میں ہے:

إذا قرأ آية طويلة في الركعتين نحو آية الكرسي وآية المداينة البعض في ركعة والبعض في أخرى عامتهم على أنه يجوز كذا في المحيط. وهو الأصح كذا في الكافي ومنية المصلي. (الفتاوی الهندية: ۱/۶۹،الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الأول فی فرائض الصلاة)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

آمین اگر پاس والا سن لے تو جہر میں شامل نہیں:

سوال: اگر کسی نے آمین اس طرح کہی کے پاس والے نے سن لی تو یہ جہر میں شامل ہے یا نہیں؟

الجواب: آمین اگر پاس والا سن لے تو جہر میں شامل نہیں سر ہی کے حکم میں ہے اس سے نماز صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وأدنى المخافتة إسماع نفسه ومن بقربه؛ فلو سمع رجل أو رجلان فليس بجهر والجهر أن يسمع الكل.....وفي الشامي: ولذا قال في الخلاصة والخانية عن الجامع الصغير: أن الإمام إذا قرأ في صلاة المخافتة بحيث سمع رجل أو رجلان لايكون جهراً، والجهر أن يسمع الكل أي كل الصف الأول لا كل المصلين، بدليل مافي القهستاني عن المسعودية أن جهر الإمام إسماع الصف الأول. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۱/۵۳۴،فصل فی القراءة، سعید)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر ایک دو آدمی کو سنائی دے تو نماز میں کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ سر ہی ہے امام کی آواز کو پہلی صف عموماً سن لے تو یہ جہر ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/۳۹،الفصل الثانی فی کیفیة الجهر والسر)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

صلاۃِ کسوف وخسوف میں سراً یا جہراً قراءت کا حکم:

سوال: صلاۃِ کسوف وخسوف میں قراءت سراً ہوگی یا جہراً؟

الجواب: صلاۃ الکسوف باجماعت پڑھیں گے سری قراءت کے ساتھ، اور صلاۃ الخسوف تنہا تنہا

Maktaba Tul Ishaat.com

پڑھیں گے اور قراءت بھی سراً ہوگی۔ ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

سن رکعتان کهیئة النفل للکسوف بإمام الجمعة.....ولاجهرفی القراء ة فیهما عنده خلافاً لهما. (مراقی الفلاح:ص ۲۰۲،باب صلاة الکسوف،مکة المکرمة)

درمختار میں ہے:

یصلی بالناس عندالکسوف رکعتین ولاجهر.....وفی الشامی:(قوله ولاجهروقال أبویوسفؒ:یجهروعن محمدؒ روایتان جوهرة. (شامی:۱۸۲/۲،باب الکسوف،سعید)

عالمگیری میں ہے:

وأجمعوا أنها تؤدی بجماعة ولایجهربالقراء ة فی صلاة الجماعة فی کسوف الشمس فی قول أبی حنیفةؒ کذا فی المحیط والصحیح قوله کذا فی المضمرات..... ویصلون فی خسوف القمروحداناً هکذا فی محیط السرخسی. (الفتاوی الهندیة:۱۵۳/۱،الباب الثامن عشرفی صلاة الکسوف)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خلافِ ترتیب قرآن پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام نے پہلی رکعت میں سورۂ کافرون پڑھی پھر دوسری رکعت میں سورۂ کوثر پڑھی تو نماز کا کیا حکم ہے؟ اگر سورۂ کوثر شروع کرنے کے بعد چھوڑ کر دوسری سورت پڑھنا چاہے تو کیا حکم ہے؟ اسی طرح نماز میں خلافِ ترتیب قراءت کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بھول سے خلافِ ترتیب قراءت کرلے تو کوئی حرج نہیں ہے نماز صحیح ہوگئی، لیکن سورت شروع کرنے کے بعد اس کو چھوڑنا مکروہ ہے، نیز نماز میں خلافِ ترتیب قراءت کرنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ البتہ قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویکره الفصل بسورة قصیرة وأن یقرأ منکوسا إلاإذاختم فیقرأ من البقرة،وفی القنیة:قرأ فی الأولیٰ الکافرون وفی الثانیة ألم ترأوتبت ثم ذکریتم.....وفی الشامیة:أفاد أن التنکیس أوالفصل بالقصیرة إنمایکره إذاکان عن قصد فلوسهواً فلاکما فی شرح المنیة،

وإذا انتفت الكراهة فإعراضه عن التى شرع فيها لاينبغى، وفى الخلاصة: افتتح سورة وقصده سورة أخرى فلما قرأ آية أوآيتين أرادأن يترك تلك السورة ويفتتح التى أراد ها يكره، وفى الفتح: ولوكان المقروء حرفاً واحداً. (الدرالمختارمع الشامى: ۱/۵٤٦، سعيد۔ وكذافى الفتاوى الهندية: ۱/۸۹، الفصل الرابع فى القراءة)

امدادالفتاح میں ہے:

وكذا لايكره لوأراد أن يقرأ غيرالتى قرأها فى الأولىٰ فافتتحها فلما قرأ منهاآية أوآيتين تذكرفأراد أن يتركها ويفتح السورة التى أرادها يكره ذلك لقوله ﷺ "إذا افتتحت سورة فاقرأها على نحوها" كذافى التجنيس والمزيد، ووجه الكراهة عدم وروده، ..... ويكره قراءة سورة فوق التى قرأها لما فيه من قلب التلاوة، وقال عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ "من قرأ القرآن منكوساً فهومنكوس" كذا فى التجنيس. (امدادالفتاح: ص ۳۸۱، فصل فيمايكره فى الصلاة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

قرآن مجید کو الٹا پڑھنا یعنی ایک رکعت میں ایک سورۃ مثلاً سورۃ الاخلاص پڑھی اور دوسری رکعت میں یا اسی رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ یعنی تبت یدا پڑھی تو مکروہ ہے، خواہ نماز کے اندر ہو یا باہر اس لئے کہ سورتوں کی ترتیب تلاوت کے واجبات میں سے ہے لیکن اگر بھولے سے ایسا ہوجائے تو مکروہ نہیں۔ (عمدۃ الفقہ: ۲/۱۱۹، کتاب الصلوۃ، چوتھی فصل قرائت کا بیان، مجددیہ)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی ۳/۴۴۳ مسائل زلۃ القاری، امداد الفتاوی ۱/۱۷۰۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فرض نماز کی ایک رکعت میں دوسورتوں کو جمع کرنے کا حکم:

سوال: دوسورتوں کو فرض کی ایک رکعت میں جمع کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث میں مختلف قسم کی روایت وارد ہیں، جن کے مابین فقہاء نے تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہیں کہ دوسورتوں کا ایک رکعت میں جمع کرنا جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے، خصوصاً امام کے لئے افضل یہ ہے کہ قراءتِ مسنونہ پر اکتفاء کرے اور نماز کو طویل نہ کرے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا أبو أسامة قال: حدثنا عبد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر ﷺ أنه كان يقرن بين السورتين فى ركعة من الصلاة المكتوبة.

حدثنا ابن مهدى عن سفيان عن وِقاء قال: رأيت سعيد بن جبير يجمع بين سورتين فى كل ركعتين فى الفريضة.

حدثنا وكيع قال: حدثنا الأعمش عن إبراهيم عن علقمة أنه كان يقرأ فى الفجر فى الركعة الأولى بحٰمٓ الدخان والحشر ويقرأ فى الثانية بآخر البقرة وآخر آل عمران و بالسورة القصيرة. (مصنف ابن ابى شيبة: ۲۵۵/۳-۲۵۶، فى الرجل يقرن السور فى الركعة، من رخص فيه، المجلس العلمى)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

حدثنا عبد الرزاق عن محمد بن مسلم عن إبراهيم بن ميسرة عن ابن طاؤوس قال: كان أبى يجمع بين ﴿سبح اسم ربك الأعلى﴾ و ﴿والليل إذا يغشى﴾ فى ركعة وبين ﴿و الضحى﴾ و ﴿ألم نشرح﴾ فى ركعة فى المكتوبة. (مصنف عبد الرزاق: ۱۴۹/۲)

مؤطا امام مالکؒ میں ہے:

أخبرنا مالك عن نافع عن ابن عمر ﷺ أنه كان إذا صلى وحده يقرأ فى الأربع جميعاً فى كل ركعة بأم القرآن وسورة من القرآن قال: وكان يقرأ أحياناً بالسورتين والثلاث فى الركعة الواحدة فى صلاة الفريضة. (مؤطا امام مالك: ۶۳)

اس روایت کے تحت محشی مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

وكان ابن عمر ﷺ أحياناً أى فى بعض الأوقات يقرأ بالسورتين والثلث فى الركعة الواحدة من صلاة الفريضة، قال الزرقانى: وبجواز ذلك قالت الأئمة الأربعة لرواية ابن مسعود ﷺ: لقد عرفت النظائر التى كان النبى ﷺ يقرن بينهن، الحديث. قال العينى فى حديث ابن مسعود ﷺ فى النظائر: فيه جواز الجمع بين السورتين فى ركعة واحدة وإليه ذهب النخعىؒ والثورىؒ وأبو حنيفةؒ ومالكؒ والشافعىؒ وأحمدؒ فى رواية..... وفى المغنى: لا بأس بالجمع بين السور فى صلاة النافلة الخ..... وأما الفريضة فالمستحب أن يقتصر على

سورة مع الفاتحة من غير زيادة عليها لأن النبی ﷺ هكذا كان يصلی أكثر صلاته وأمر معاذاً رضی اللہ عنہ أن يقرأ فی صلاته كذلك وإن جمع بين السورتين ففيه روايتان: أحدهما يكره والثانية لايكره لأن حديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ مطلق فی الصلاة فيحتمل الفرض وقد روی الخلال بسنده عن ابن عمر أنه كان يقرأ فی المكتوبة بالسورتين فی ركعة. (حاشية مؤطاامام مالكؒ: ۱/۶۳، رقم ۵، آرام باغ كراچی)

اعلاء السنن میں ہے:

عن نافع قال: ربما أمنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بالسورتين والثلاث فی الفريضة. (اعلاء السنن: ۴/۱۳۳)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دو سورتوں کو ایک رکعت میں جمع کرنا اچھا نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا عبيد الله بن موسى عن عيسى عن الشعبی عن زيد بن خالد الجهنی قال: ما أحب أنی قرنت سورتين فی ركعة و لوأن لی حمر النعم. (مصنف ابن ابی شيبة: ۳/۲۴، المجلس العلمی)

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن أبی العالية قال: أخبرنی من سمع النبی ﷺ يقول: "لكل سورة ركعة".

حدثنا أبوبكرة قال: ثنا أبوداؤد قال: ثنا شعبة عن يعلى بن عطاء قال: سمعت ابن لبيبة قال: قال رجل لابن عمر رضی اللہ عنہ انی قرأت المفصل فی ركعة أوقال فی ليلة، فقال ابن عمر رضی اللہ عنہ إن الله لوشاء لأنزله جملة واحدة ولكن فصله لتعطی كل سورة حظها من الركوع والسجود. (شرح معانی الآثار: ۱/۲۴۰، باب جمع السورفی ركعة، فيصل)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا وكيع عن إسرائيل عن عبد الأعلى عن أبی عبد الرحمن أنه كان لايقرن بين السورتين فی ركعة.

حدثنا عبد الله بن موسى عن عثمان بن الأسود عن عكرمة بن خالد قال: كان أبوبكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام لايجمع بين السورتين فی ركعة ولايجاوزسورة إذا ختمها. (مصنف ابن أبی شيبة: ۳/۲۵۸)

Maktaba Tul Ishaat.com

فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فی شرح المنیة: الأولی أن لایفعل فی الفرض ولوفعل لایکرہ إلاأن یترک بینهما سورة أو أکثر. (رد المحتار: ۱/۵۱، سعید)

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وإذا جمع بین السورتین فی رکعة رأیت فی موضع أنه لابأس به وذکرشیخ الإسلام أنه لاینبغی له أن یفعل هکذا علی ماهوظاهرالروایة. (الفتاوی التاتارخانیة: ۱/۴۵۲)

احسن الفتاوی میں ہے:

فرض نماز کی ایک رکعت میں دو سورتیں جمع کر کے پڑھنا خلاف اولیٰ ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/۷۶)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

فرائض میں نامناسب، نوافل میں مضائقہ نہیں۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/۹۰، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

امام کے لئے قراءتِ مسنونہ پر اکتفاء کرنا افضل اور بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ قال: إذا أم أحدکم الناس فلیخفف فإن فیهم الصغیر والکبیر والضعیف والمریض، فإذا صلی وحده فلیصل کیف شاء. (مسلم شریف: ۱/۱۸۸)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولایزید علی القراءة المستحبة ولایثقل علی القوم ولکن یخفف بعد أن یکون علی التمام والاستحباب کذا فی المضمرات ناقلاً عن الطحاوی. (الفتاوی الهندیه: ۱/۷۸)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

قراءتِ مسنونہ ومستحبہ پر زیادتی نہ کرے اور نماز کو جماعت پر بھاری نہ کرے لیکن پوری سنت اور مستحب قراءت ادا کرنے کے بعد تخفیف کا لحاظ رکھے۔ (عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۱۱۶، چوتھی فصل قراءت کا بیان، مجددیہ)

لیکن چونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جمع کرنا ثابت ہے اس لئے کبھی کبھی جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں اور امام بخاریؒ نے اس پر باب باندھا ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت شیخؒ "الأبواب والتراجم" میں "باب الجمع بین السورتین فی رکعة" کے تحت فرماتے ہیں:

قال العلامة العینیؒ فی حدیث أنس ﷺ: جواز الجمع بین السورتین فی رکعة واحدة وإلیه ذهب أبو حنیفةؒ ومالکؒ والشافعیؒ وأحمدؒ فی روایة.....وقال ابن عابدینؒ: عن أبی حنیفةؒ أنه قال: لاأحب أن یقرأ سورتین بعد الفاتحة فی المکتوبات ولوفعل لایکره وفی النوافل لابأس به. (الأبواب والتراجم: ص۹۳، باب الجمع بین السورتین فی رکعة، سعید)

نیز مرفوع روایت سے بھی ثابت ہے ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن عبداللّٰه بن مسعود ﷺ.....کان النبی ﷺ یقرن بین کل سورتین فی کل رکعة. (رواه الترمذی: ۱/۱۳۱، باب ماذکر فی قراءة سورتین فی رکعة)

معارف السنن میں ہے:

یجوز قراءة السورتین فی رکعة واحدة من غیر کراهة، کما فی "شرح معانی الآثار" للطحاوی (۱-۲۰۶) (باب جمع السورفی رکعة) وذکر أن هذا مذهب أبی حنیفة وأبی یوسف ومحمد رحمهم اللّٰه تعالیٰ. وذکر فی "البحر": إن الجمع بین السورتین بینهما سور أوسورة واحدة مکروه. ثم إن جواز الجمع بین سورتین فی رکعة واحدة حکاه العینیؒ فی "العمدة" (۳-۱۰۲) عن الأئمة الأربعة و عن کثیر من الصحابة و التابعین. (معارف السنن: ۵/۱۳۸، سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں شوافع حضرات کے لئے لمحۂ فکریہ:

سوال: اکثر شوافع کو دیکھا گیا ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے فاتحہ کے بعد یا ان کے ساتھ ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں، کیا شوافع حضرات کو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ کی اچھی تحقیق استاذ محترم حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے "أحسن الکلام فی ترک القراءة خلف الإمام" میں فرمائی ہے، ہم اس تحریر کی روشنی میں مختصراً ترمیم واضافہ کے ساتھ شوافع حضرات کی خدمت میں یہ تحقیق پیش کرتے ہیں:

امام شافعیؒ نے کتاب الام کی کتاب الصلاۃ میں امام اور منفرد کے لئے سورۂ فاتحہ کے ضروری ہونے کو

Maktaba Tul Ishaat.com

بیان فرمایا ہے:

حیث قال:فواجب علی من صلی منفرداً أوإماماً أن یقرأ بأم القران فی کل رکعة لایجزیه غیرها وأحب أن یقرأ معها شیئاً آیة أوأکثروسأذکرالمأموم، إن شاء الله تعالیٰ .(کتاب الأم: ۲۱۰/۱، باب القراءة بعد التعوذ)

وقال فی موضع آخر:والعمد فی ترک القراءة بأم القران والخطأ سواء فی أن لاتجزئ رکعة إلابهاأوبشیء معها إلاما یذکرمن المأموم، إن شاء الله تعالیٰ. (کتاب الأم:۲۰۳/۱،باب من لایحسن القراءة ،دارالکتب العلمیة)

مذکورہ بالاعبارات میں حضرت امام شافعیؒ نے مقتدی کے حکم کے بارے میں جو وعدہ فرمایا ہے وہ وعدہ امام شافعیؒ نے کتاب الحدود کے بعد محل غیر مظان میں پورا فرمایا ہے:

حیث قال:ونحن نقول کل صلاة صلیت خلف الإمام والإمام یقرأ قراءة لایسمع فیها قرأ فیها. (کتاب الأم:۲۵۶/۷،اختلاف علی ابن مسعود رضی الله عنه ،دارالکتب العلمیة،بیروت لبنان)

چونکہ یہ وعدہ امام شافعیؒ نے غیر مظان میں پورا فرمایا ہے اس لئے بہت سے اکابر نے تحریر فرمایا کہ ان کو کتاب الام میں اس وعدہ کی تکمیل نہیں ملی، چنانچہ حضرت شیخ زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں:

ثم لم أجد ذکرالمأموم فیما تتبعت. (أوجزالمسالك:۱۶۸/۲)

نیز شیخ بنوریؒ فرماتے ہیں:

والنسخة المطبوعة لم نجد فیها حکم المأموم. (معارف السنن: ۱۸۶/۳،سعید).

اشکال: امام مزنیؒ نے "مختصر المزنی" میں امام شافعی سے جہری نمازوں میں قرات فاتحہ کا وجوب نقل فرمایا ہے اور اسی کو قولِ جدید قرار دیا ہے:

قال المزنیؒ:قد روی أصحابنا علی الشافعی أنه قال:یقرأمن خلفه وإن جهربأم القران. (مختصر المزنی: ۲۶،باب صفة الصلاة وما یجوزمنها،دارالکتب العلمیة)

الجواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ کتاب الام ربیع بن سلیمانؒ کی روایت سے ہے اور امام مزنیؒ کے مقابلہ میں وہ زیادہ قابل اعتماد اور ثقہ ہیں، چنانچہ امام خلیلیؒ فرماتے ہیں:

ثقة متفق علیه والمزنی مع جلالته استعان علی ما فاته عن الشافعی بکتاب الربیع وقال

مسلمة: كان من كبار أصحاب الشافعي .(تهذيب التهذيب:۳/۲۲۱،بيروت)

امام ابوالحسنؒ فرماتے ہیں:

البويطي كان يقول: الربيع أثبت في الشافعي مني. (تهذيب التهذيب۳/۲۲۱،بيروت)

مولی احمد بن مصطفیٰ المعروف بطاش کبری زادہ لکھتے ہیں:

الربيع بن سليمان الثقة الثبت فيما يرويه حتى رجحوا روايته عند تعارض المزني مع علو قدر المزني علماً و ديناً و جلالةً. (أحسن الكلام:۸۲ بحواله مفتاح السعادة: ۲/۱۶۲)

خلاصہ یہ ہوا کہ امام بویطی اور محدثین کے فیصلے کی رو سے امام ربیع بن سلیمانؒ کی روایت کو تاریخی اور صریح حوالوں کے پیشِ نظر ترجیح حاصل ہے، لہذا شافعی مقتدی کو جہری نمازوں میں امام کے ساتھ یا بعد میں فاتحہ نہیں پڑھنا چاہئے اور یہی مسلک باقی ائمہ ثلاثہ کا بھی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فرض نماز میں مفصلات کے علاوہ قراءت کا حکم:

سوال: بعض علماء کرام فجر کی نماز میں طوالِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل اور عشاء میں اوساطِ مفصل کو مسنون سمجھتے ہیں اور اگر کوئی مسلسل چند دن اس کے خلاف پڑھ لے تو اس سے ناراض ہو جاتے ہیں، فقہ اور احادیث کی روشنی میں اس کے خلاف پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور شرعی مسئلہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ نمازِ فجر اور ظہر میں طوالِ مفصل، عصر و عشاء میں اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل کا پڑھنا بہتر ہے، لیکن احادیث اور آثار اور فقہی عبارات سے پتا چلتا ہے کہ ان کے علاوہ کا پڑھنا بھی بکثرت ثابت ہے اس لیے مفصلات کے علاوہ بھی کبھی کبھی پڑھنا چاہئے، مفتی ولی حسن صاحبؒ فرماتے تھے طوالِ مفصل فجر میں اور قصار مغرب میں آسانی اور مقدار بتلانے کے لیے ہے، اس لیے طوالِ مفصل اور اوساطِ مفصل اور قصارِ مفصل کے علاوہ دوسری سورتیں پڑھنے والا امام قابل ملامت نہیں بلکہ ہمیشہ طوال و اوساط و قصار پڑھنے سے بقولِ مفتی ولی حسن صاحبؒ نماز میں باقی قرآن کے ترک و ہجران کا شبہ ہوگا۔ محقق ابن ہمامؒ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ (فتح القدیر:۱/۳۳۷، دارالفکر)۔

مفصلات کے بارے میں روایات ملاحظہ کیجئے:

(۱) أخرج الإمام النسائي بإسناد صحيح ، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: ما صليت وراء

Maktaba Tul Ishaat.com

أحد أشبه صلاة برسول الله صلى الله عليه وسلم من فلان قال سليمان: كان يطيل الركعتين الأوليين من الظهر و يخفف الأخريين ويخفف العصر و يقرأ فى المغرب بقصارالمفصل ويقرأ فى العشاء بوسط المفصل ويقرأ فى الصبح بطوال المفصل . (رواه النسائى: رقم: ٩٨٢).

وأيضاً أخرجه ابن حبان في صحيحه (رقم: ١٨٣٧) قال الشيخ شعيب: إسناده حسن ، وابن خزيمة في صحيحه (رقم: ٥٢٠) وأحمد في مسنده (رقم: ٧٩٩١).

(٢) وعن الحسن وغيره قال: كتب عمر رضي الله عنه إلى أبي موسى أن اقرأ فى المغرب بقصار المفصل و فى العشاء بوسط المفصل و فى الصبح بطوال المفصل . (اخرجه عبدالرزاق فى مصنفه :٢٦٧٢).

وأيضاً أخرجه ابن أبي داود فى المصاحف (٤٢٨).

وعن الضحاک بن عثمان قال: رأيت عمر بن عبد العزيز قرأ فى الفجر بسورتين من طوال المفصل . (مصنف ابن ابى شيبة :٣/٢٢٢/٣٥٨٢).

قال في رد المحتار: ذكر فى النهر أن القراء ة من المفصل سنة والمقدار المعين سنة أخرى ثم قال و فى الجامع الصغير: يقرأ فى الفجر فى الركعتين سورة الفاتحة وقدر أربعين أو خمسين واقتصر فى الأصل على الأربعين وفى المجرد ما بين الستين إلى المائة والكل ثابت من فعله عليه الصلاة والسلام ويقرأ فى العصر والعشاء خمسة عشر فى الركعتين فى ظاهر الرواية كذا في شرح الجامع لقاضيخان وجزم به فى الخلاصة ، وفى المحيط وغيره: يقرأ عشرين و فى المغرب خمس آيات في كل ركعة ، أقول: كون المقروء من سور المفصل على الوجه الذى ذكره المصنف هو المذكور فى المتون كالقدورى والكنز والمجمع والوقاية والنقاية وغيرها وحصرالمقروء بعدد على ما ذكره فى النهر والبحر مما علمته مخالف لما فى المتون من بعض الوجوه ...

فالذي ينبغى المصير إليه أنهما روايتان متخالفتان اختار أصحاب المتون أحدهما ويؤيده أنه في متن الملتقى ذكر أولاً أن السنة فى الفجر حضراً أربعون آية أوستون ثم قال: واستحسنوا طوال المفصل فيها وفى الظهر الخ . فذكر أن الثاني استحسان فيترجح على

الرواية الأولى لتأيده بالأثر الوارد عن عمر رضی اللہ عنہ أنه كتب إلى أبي موسى...قال في الكافي: وهو كالمروي عن النبي صلى الله عليه وسلم لأن المقادير لا تعرف إلا سماعاً . (فتاوى الشامي : ۱/ ۵٤۱،سعيد).

وللاستزادة راجع: (السعاية :۲/ ۲۸۰۔ ۲۸۶،ط:سهيل اكيڈمی، وحاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح ، ص:۲۶۳،ط: قديمی، والجامع الصغير،ص ۹۶،،ط: عالم الكتب).

قال المحقق ابن الهمامؒ في فتح القدير: والحق أن المداومة مطلقاً مكروهة سواء رآه حتماً يكره غيره أولا لأن دليل الكراهة لا يفصل وهو إيهام التفضيل وهجر الباقي...ثم مقتضى الدليل عدم المداومة لا المداومة على الترك كما يفعله حنفية العصر بل يستحب أن يقرأ بذلك أحياناً تبركاً بالمأثور فإن لزوم الإيهام ينتفي بالترك أحياناً . (فتح القدير: ۱/ ۳۳۷، دارالفكر).

مزید ملاحظہ کیجئے: (الفتاوی الہندیۃ:۱/ ۴۸،والہدایۃ:۱/ ۱۲۰،فصل فی القراءۃ ،وبدائع الصنائع :۱/ ۲۰۵،سعید،والبحر الرائق : ۱/ ۵۹۳، وتبیین الحقائق:۱/ ۳۳۳،وکفایت المفتی :۴/ ۴۸۶،وفتاویٰ محمودیہ:۷/ ۷۶،وفتاویٰ رحیمیہ:۳/ ۱۰۱،واحسن الفتاویٰ: ۳/ ۷۲)۔

علامہ شامیؒ کی عبارت سے پتا چلتا ہے کہ بعض فقہاء نے مقدارِ قراءت کو مسنون فرمایا اور بعض نے مفصلات کو لیکن پھر علامہ شامیؒ نے مفصلات کو مستحسن بالاثر فرما کر کر ترجیح دی ہے۔حاصل یہ ہے اکثر و بیشتر مفصلات کی رعایت کرنی چاہئے تاہم اس کے علاوہ کا پڑھنا بھی بکثرت ثابت ہے۔

مفصلات کے علاوہ قراءت سے متعلق چند احادیث وآثار ملاحظہ کیجئے:

عن عبدالله بن السائب رضی اللہ عنہ قال: صلى لنا النبي صلى الله عليه وسلم الصبح بمكة فاستفتح سورة المؤمنين ...(رواه مسلم ،رقم: ٤٥٥،باب القراءة في الصبح).

مفصلات کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط مشہور ہے اور خود ان سے اس کے خلاف بھی ثابت ہے۔ملاحظہ کیجئے:

وعن حفصة بنت سيرين أن عمر رضی اللہ عنہ قرأ في الفجر بسورة يوسف . (مصنف عبد الرزاق: ۲/ ۱۱۳، وابن ابی شيبة : ۳/ ۲۱۹).

Maktaba Tul Ishaat.com

وعن صفية بنت أبي عبيد: أن عمر ﷺ قرأ في صلاة الفجر بالكهف . (مصنف عبد الرزاق:۲/۱۱۳، وابن ابی شیبة :۳/۲۱۹).

وعن أنس بن مالک قال: صليت خلف أبي بكر فاستفتح البقرة فی الفجر. (مصنف عبد الرزاق:۲/۱۱۳).

وعنه قال صليت خلف أبي بكر ﷺ فاستفتح بسورة آل عمران . (مصنف عبد الرزاق:۲/۱۱۳).

وعن أبی العالية قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم رمقوه فی الظهر فحزروا قراءته فی الركعة الأولى من الظهر بـ تنزيل السجدة . (مصنف عبدالرزاق: ۲/۱۰۵/۲۶۷۷).

وعن مورق العجلي، قال: صليت خلف ابن عمر ﷺ الظهر، فقرأ بسورة مريم . (مصنف ابن ابی شیبة ،رقم: ۳۵۹۶).

وعن مجاهد ، قال: سمعت عبد الله بن عمرو يقرأ فی الظهر بـ كهيعص . (مصنف ابن ابی شیبة : ۲۲۷،رقم:۳۵۹۷).

وعن مورق قال: صلينا مع ابن عمر ﷺ العصر فقرأ بـ المرسلات . (مصنف عبد الرزاق: ۲/۱۰۷).

عن محمد بن جبير بن مطعم، عن أبيه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ فی المغرب بـ الطور . (ابن ابی شیبة ، رقم:۳۶۰۹، مایقرأ به فی المغرب).

وعن مروان بن الحكم قال: قال لي زيد بن ثابت ﷺ: ما لک تقرأ فی المغرب بقصار المفصل ؟ وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ فی المغرب بطولى الطوليين ، قال: قلت: وما طولى الطوليين ؟ قال : الإعراف . (مصنف عبدالرزاق: ۲/۱۰۷).

وعن ابن عباس ﷺ ، عن أمه ؛ أنها سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ فی المغرب : والمرسلات . (ابن ابی شیبة ،رقم: ۳۶۱۰).

عن عبد الله بن الحارث أن ابن عباس ﷺ قرأ الدخان فی المغرب . (ابن ابی شیبة ، رقم:

.(٣٦١٦

وعن عبد الرحمن بن يزيد قال : صلى بنا ابن مسعودؓ صلاة العشاء الآخرة فاستفتح بسورة الانفال . (عبدالرزاق:٢/١١١).

وعن علقمة بن أبي وقاص قال: كان عمر بن الخطابؓ يقرأ في العشاء الآخرة سورة يوسف . (عبدالرزق: ٢/١١١).

وفي صحيح البخاري في باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفانؓ...عن عمروبن ميمون قال: رأيت عمر بن الخطاب ؓ قبل أن يصاب بأيام بالمدينة وقف على حذيفة بن اليمان وعثمان بن حنيف (وساق الإمام البخاري حديثاً طويلاً وفيه)...وكان إذا مر بين الصفين قال: استووا حتى إذا لم ير فيهن خللاً تقدم فكبر وربما قرأ سورة يوسف أو النحل أو نحو ذلك في الركعة الأولى حتى يجتمع الناس ... (رواه البخارى:١/٨١٠،رقم: .(٥٣٦٨

احادیث وآثار کی مزید تفصیل ماقبل مسئلہ ''بعنوان: نماز فجر میں مختلف سورتیں پڑھنے کا ثبوت'' کے تحت گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شبِ جمعہ نمازِ مغرب میں سورۂ کافرون واخلاص کا حکم:

سوال: شبِ جمعہ نمازِ مغرب میں بعض حضرات سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پر مداومت کرتے ہیں اور اس کو سنت کہتے ہیں، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو روایت کا درجہ کیا ہے؟ اور فقہاء نے اس بارے میں کیا لکھا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مسئلہ مذکورہ سے متعلق کتبِ حدیث میں تین قسم کی روایات دستیاب ہوتی ہیں: (۱) حضرت جابر بن سمرہؓ کی حدیث، اس میں لیلۃ الجمعہ کے الفاظ موجود ہیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ جمعہ میں مغرب کی نماز میں سورۂ کافرون وسورۂ اخلاص پڑھی، لیکن یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند میں سعید بن سماک بن حرب متروک الحدیث ہیں اور ان کے والد سماک بن حرب مختلف فیہ ہے۔ روایت ملاحظہ ہو:

أخرج ابن حبان في صحيحه (رقم:١٨٤١) **فقال: حدثنايعقوب بن يوسف بن عاصم**

Maktaba Tul Ishaat.com

ببخاری حدثنا أبوقلابة عبد الملک بن محمد بن عبدالله الرقاشي حدثني أبي حدثني سعيد بن سماک (متروك الحديث) **بن حرب حدثني أبي سماک بن حرب** (مختلف فيه) **قال: ولا أعلم إلا جابر بن سمرة**رضی اللہ عنہ **قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في صلاة المغرب ليلة الجمعة بـ﴿قل يا أيها الكافرون﴾ و﴿قل هو الله أحد﴾ويقرأ فی العشاء الآخرة ليلة الجمعة الجمعة والمنافقين .**

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط في تعليقاته على صحيح ابن حبان: إسناده ضعيف . وأيضاً أخرجه البيهقي في سننه الكبرى (٤٢٠١)، **والصغرى** (٦٣٩).

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت؛ اس میں لیلۃ الجمعہ کا لفظ نہیں ہے فقط **فی المغرب** ہے، یعنی عام دنوں میں نمازِ مغرب میں یہ قراءت پڑھی لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام ابن ماجه في سننه (٨٣٣) **فقال: حدثنا أحمد بن بديل، حدثنا حفص بن غياث ، حدثنا عبيد الله عن نافع عن ابن عمر** رضی اللہ عنہ **قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ فی المغرب ﴿قل يا أيها الكافرون﴾ و ﴿قل هو الله أحد﴾ .**

قال السندی : هذا الحديث فيما أراه من الزوائد وما تعرض له ، ويدل على ما ذكرت قول الحافظ في شرح البخاري ولم أر حديثاً مرفوعاً فيه التنصيص على القراء ة فيها بشيء من قصار المفصل إلا حديثاً في ابن ماجة عن ابن عمر رضی اللہ عنہ **نص فيه على (الكافرون والإخلاص) وظاهر إسناده الصحة ، إلا أنه معلول، قال الدارقطني أخطأ بعض رواته .**

للمزيد راجع : (العلل الواردة فی الاحاديث النبوية للدارقطنی :٢٦/١٣).

وأخرجه الحسن الخلال أيضاً في كتابه" فضائل سورة الإخلاص" (٣٤) **وأبونعيم الأصبهاني في " أخبار أصبهان"** (١٠٠٤).

یہ حدیث دوسرے طریق سے بھی مروی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو: **قال أبوطاهر المُخَلِّص في كتابه " المخلصيات "**(٤٤٣/١،ط:وزارة الاوقاف) : **حدثنا أحمد حدثنا عمر حدثنا أبوعاصم حدثنا ياسين الزيات** (ضعيف)، **عن أبي إسحاق، عن ابن عمر** رضی اللہ عنہ **قال: صليت خلف النبي صلى الله عليه وسلم عشرين صلاة أو خمسة وعشرين صلاة ، كلها يقرأ**

فی المغرب فی الرکعتین ﴿قل یا أیها الکافرون﴾ و ﴿قل هو اللّٰه أحد﴾ .

إسناده ضعیف ؛ یاسین الزیات، قال ابن معین : لیس بثقة ، وقال أبوزرعة : ضعیف الحدیث، وقال عبد الرحمن : سألت أبي عنه فقال: کان رجلاً صالحاً لایعقل ما یحدث به لیس بقوی منکر الحدیث. (الکامل :۳/۵۱۶، والجرح والتعدیل :۹/۳۱۳).

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت؛ لیکن اس میں مغرب کے بعد کی دوسنتوں میں پڑھنے کا تذکرہ ہے، نہ کہ فرض نماز میں چنانچہ حدیث میں رکعتین بعد المغرب کے الفاظ موجود ہیں، اور شعیب الارنؤوط کی تحقیق کے مطابق یہ روایت صحیح ہے۔ روایت ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام أحمد في مسند (رقم: ٤٧٦٣) قال: حدثنا وکیع ، حدثنا إسرائیل، عن أبي إسحاق عن مجاهد ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قرأ فی الرکعتین قبل الفجر والرکعتین بعد المغرب ، بضعاً وعشرین مرة أو بضع عشرة مرة: قل یا أیها الکافرون وقل هو اللّٰه أحد .

قال الشیخ شعیب الأرنؤوط: إسناده صحیح علی شرط الشیخین . یہ حدیث قوی ہے اور دیگر کتبِ حدیث میں بھی موجود ہے بسببِ طوالت مزید حوالوں کو حذف کر دیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
"اجعلوا أئمتکم خیارکم
فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم"

باب.....﴿۶﴾

إمامت کا بیان

فصلِ اول
امام سے متعلق احکام

امام کا مقتدیوں کے ساتھ کھڑا ہونا:

سوال: امام دوسرے مقتدیوں کے ساتھ ایک صف میں کھڑا ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بغیر عذر کے امام کا مقتدیوں کی صف میں کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر عذر ہے مثلاً جگہ ناکافی ہے اور صحن میں جگہ نہیں ہے یا جگہ ہے لیکن بارش یا شدید گرمی کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں تو پھر بلا کراہت جائز ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھے کہ مقتدی امام سے آگے نہ ہو ورنہ مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہو طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وفی السید وإن کثر القوم کرہ قیام الإمام وسطهم تحریماً لترک الواجب، وتمامه فیه. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۳۰۶، فصل فی بیان الاحق بالإمامة، قدیمی)

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بیان مقام الإمام والمأموم فنقول: إذا کان سوی الإمام ثلاثة یتقدمهم الإمام لفعل رسول اللّٰه ﷺ وعمل الأمة بذلک وروی عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ أنه قال: إن جدتی ملیکة دعت رسول اللّٰه ﷺ إلی طعام فقال رسول اللّٰه ﷺ: "قوموا لأصلی بکم فأقامنی والیتیم من وراء ہ وأمی أم سلیم من وراء نا" ولأن الإمام ینبغی أن یکون بحال یمتازبها عن غیره

Maktaba Tul Ishaat.com

ولايشتبه على الداخل ليمكنه الاقتداء به ولايتحقق ذلك إلا بالتقدم ولوقام فى وسطهم أوميمنة الصف أوميسرته جازوقد أساء، أما الجوازفلان الجوازيتعلق بالأركان وقد وجدت وأما الإساء ة فلتركه السنة المتوارثة. (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۸، سعید)

شامی میں ہے:

(والزائد يقف خلفه فلوتوسط اثنين كره تنزيهاً وتحريماً لوأكثرأفاد أن تقدم الإمام أمام الصف واجب كما أفاده فى الهداية والفتح. (شامی: ۱/۵۶۷، سعید)

امدادالفتاح میں ہے:

وتقدم الإمام بعقبه عن عقب المأموم شرط لصحة اقتداء ه. (امدادالفتاح: ص۳۳۳، بیروت)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

ایک مقتدی ہوتو امام کے برابر کھڑا ہو دو مقتدی ہوں تو امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے اور دو سے زائد ہوں تو امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے.....البتہ اگر پیچھے جماعت خانہ میں یا برآمدہ اور صحن میں بھی جگہ نہ ہو، اگر ہو تو بارش یا شدید دھوپ کی وجہ سے کھڑا ہونا دشوار ہو تو پھر کراہت نہیں ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۳/۴۵)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی: ۳/۲۹۸، باب الامامۃ۔ وفتاوی محمودیہ: ۶/۴۹۳۔ وعمدۃ الفقہ: ۲/۲۰۶۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام کا کرتہ یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ہونا:

سوال: نماز کی حالت میں امام کا کرتہ یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہو تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ٹخنوں سے نیچے کرتہ یا پاجامہ لٹکانا خارج نماز بھی مکروہ ہے اور دورانِ نماز کراہت میں شدت ہوگی لہذا نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور اگر امام ہمیشہ یہی رویہ اختیار کرتا ہے تو فاسق ہے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبى هريرة رضی اللہ عنہ عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم قال: ماأسفل من الكعبين من الإزار ففى النار. (رواه البخارى: ۲/۸۶۱/۵۵۵۹، باب ماأسفل من الكعبين ففى النار)

طحطاوی میں ہے:

(ولذاكره إمامة الفاسق) والمراد الفاسق بالجارحة لابالعقيدة، والفسق لغة خروج عن

الاستقامة وهو معنى قولهم خروج الشيء عن الشيء على وجه الفساد وشرعاً خروج عن طاعة اللّٰه تعالىٰ بارتكاب كبيرة،قال القهستاني:أي أوإصرارعلى صغيرة..... (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۳۰۳،قدیمی۔والفتاوی الهندية:۱/۸۵۔والشامی:۱/۵۶۰،سعید۔امداد الفتاح: ص۳۴۲،بیروت)

بیہقی میں ہے:

عن جابربن عبد اللّٰهﷺ قال:سمعت رسول اللّٰهﷺ على منبره يقول:ياأيهاالناس توبوا إلى اللّٰهﷻ قبل أن تموتوا وبادروا بالأعمال الصالحة وصلوا الذى بينكم وبين ربكم بكثرة ذكركم له.....ولايؤمن فاجرمؤمنا إلاأن يقهره السلطان يخاف سيفه وسوطه. (رواه البيهقی فی سننه الكبرى: ۳/۱۷۱،كتاب الجمعة،دارالفكر۔وابن ماجه:۱/۷۵،باب فی فرض الجمعة)

نیز بیہقی میں ہے:

وعن ابن عمر ﷺ قال:قال رسول اللّٰهﷺ:اجعلوا أئمتكم خياركم فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم. (رواه البيهقی فی سننه الكبرى:۳/۹۰،باب اجعلوا ائمتكم خياركم)

طبرانی کبیر میں ہے:

عن مرثد بن أبی مرثد الغنوی ﷺ وكان بدرياً قال:قال رسول اللّٰهﷺ:إن سركم أن تقبل صلاتكم، فليؤمكم خياركم، فإنهم وفدكم فيمابينكم وبين ربكم. (المعجم الكبير للطبرانی:۱۵/۲۶۰/۱۷۱۶۵، مااسندابن ابی مرثدﷺ)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے فاسق وہ ہے جو کبائر کا مرتکب ہو یا صغائر کا عادی ہو۔(فتاوی رحیمیہ:۱/۱۶۳)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

امام مذکور کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اول تو ٹخنوں سے نیچا پاجامہ خارجِ نماز پہننا بھی ممنوع ہے، یہ امر موجبِ فسق امام ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اور امام بنانا فاسق کو بدونِ توبہ کے مکروہ ہے اور ثانیاً نماز میں بار بار ایسی حرکت کرنا بھی نہیں چاہئے کہ اس میں بھی کراہت ہے، اور بعض صورتوں میں خوف فسادِ صلاۃ ہے بہرحال امام مذکور کو فعل مذکور سے روکنا چاہئے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند مدلل ومکمل:۳/۱۱۷،باب الامامۃ،دارالاشاعت)

Maktaba Tul Ishaat.com

مزید ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی:۳/۲۹۶۔فتاوی محمودیہ:۶/۹۵،فاسق کی امامت کا بیان۔وفتاوی رحیمیہ:۱/۱۷۵۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت کا حکم:

سوال: ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایک مشت سے پہلے ڈاڑھی کٹانے والا یا چھوٹی رکھنے والا فاسق وفاجر ہے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے لہذا دیندار متقی شخص کو امام بنانا چاہئے۔

فتح القدیر میں ہے:

وأما الأخذ منها وهي دون ذلك أي بقدر المسنون وهو القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد. (فتح القدير:۲/۳٤۸،كتاب الصوم ،باب مايوجب القضاء والكفارة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

أوتطويل اللحية إذاكانت بقدر المسنون، وهو القبضة، والأخذ من اللحية وهودون ذلك كما يفعله بعض المغاربة،ومخنثة الرجال لم يبحه أحد، وأخذكلها فعل يهود الهند، ومجوس الأعاجم. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص٦٨١،كتاب الصوم، فصل فيمايكره للصائم،قديمی۔وهكذافی الشامی:۲/٤١٨،كتاب الصوم ،مطلب فی الاخذمن اللحية،سعيد)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لوقدموا فاسقاً يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بأمور دينه وتسهله فی الإتيان بلوازمه فلايبعد منه الإخلال ببعض شروط الصلاة وفعل ما ينافيها بل هو الغالب بالنظرإلى فسقه. (شرح منية المصلی:ص٥١٣، فصل فی الامامة،سهيل۔وكذافی الفتاوی الهندية:۱/۸٥،الباب الخامس فی الامامة،الفصل الثالث فی بيان من يصلح اماماً لغيره)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

ڈاڑھی ایک مشت رکھنا ضروری ہے۔شارحِ مشکوٰۃ حضرت شاہ عبدالحق محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں: وگذاشتنِ آں بقدرِ قبضہ واجب است یعنی ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب ہے،مسنون اس لئے کہتے ہیں کہ دینی دستور اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت یعنی ان کا طریقہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔(اشعۃ اللمعات:۱/۲۸۸)

یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا درجہ بھی سنت کا ہے جس کے ترک پر گناہ ہو بلکہ اس کا ترک کرنا اور مسلسل ترک کرتے رہنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ امام فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/۱۷۵)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی: ۳/۲۶۰، باب الامامۃ والجماعۃ۔ وفتاوی محمودیہ: ۶/۱۲۴، فاسق کی امامت کا بیان۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مذاہبِ اربعہ میں ڈاڑھی کی شرعی حیثیت اور اس کے کاٹنے والے پر فسق کا حکم:

مذہبِ احناف:

فتاوی بزازیہ میں ہے:

لایحل للرجل أن یقطع اللحیة. (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة، کتاب الاستحسان: ۳/۳۷۹)

فتح القدیر میں ہے:

وأما الأخذ منها وهی دون ذلک کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه أحد. (فتح القدیر: کتاب الصوم، باب ما یوجب القضاء والکفارة: ۲/۳٤، دارالفکر)

مذہبِ مالکیہ:

مواہب الجلیل میں ہے:

وحلق اللحیة لایجوز وکذلک الشارب وهو مثلة وبدعة ویؤدب من حلق لحیته أو شاربه. (مواهب الجلیل لشرح مختصر خلیل، کتاب الطهارة، فصل فی فرائض الوضوء: ۱/۳۱۳)

حاشیۃ العدوی میں ہے:

فإن قلت: وما حکم القصّ عند عدم الطول أو الطول قلیل؟ قلت: صرح بعض الشراح بأنه یحرم القصّ ان لم تکن طالت کالحلق. (حاشیة العدوی باب فی بیان الفطرة: ۲/۵۸۱)

مذہبِ شافعیہ:

حواشی الشروانی میں ہے:

قال الشیخان یکره حلق اللحیة واعترضه ابن الرفعة فی حاشیة الکافیة بأن الشافعیؒ نص فی الأم علی التحریم قال الزرکشی و کذا الحلیمی فی شعب الإیمان وأستاذه القفّال الشاشی فی محاسن الشریعة وقال الأذرعی الصواب تحریم حلقها جملة لغیر علة بها کما

Maktaba Tul Ishaat.com

يفعله القلندرية. (حواشی الشروانی علی تحفة المحتاج شرح المنهاج،فصل فی العقیقة:۹/۴۳۶)

فتح الباری میں ہے:

ثم حكى الطبرى اختلافاً فيما يؤخذ من اللحية هل له حد أم لا؟فأسند عن جماعة الاقتصارعلى أخذ الذى يزيد منها على قدر الكف،وعن الحسن البصرى أنه يؤخذ من طولها وعرضها ما لم يفحش وعن عطاءؒ نحوه. (فتح الباری:۱۰/۳۵۰، باب تقلیم الأظفار،دار النشرللکتب الإسلامیة)

شرحِ مہذب میں ہے:

سبق فى الحديث أن إعفاء اللحية من الفطرة فالإعفاء بالمد:قال الخطابى وغيره هوتوفيرها وتركها بلا قص،كره لنا قصها كفعل الأعاجم،قال وكان من زى كسرى قص اللحى وتوفيرالشوارب. (المجموع شرح المهذب،مسائل مستحبة من خصال الفطرة ۱/۲۹۰،دارالفکر)

مذہبِ حنابلہ:

کشاف القناع میں ہے:

وإعفاء اللحية بأن لايأخذ منها شيئاً،قال فى المذهب ما لم يستجهن طولهاويحرم حلقها ذكره الشيخ تقى الدين ولايكره أخذ ما زاد على القبضة. (كشّاف القنّاع عن متن الإقناع ، كتاب الطهارة،ويسن الإمتشاط...:۱/۷۵)

بخاری شریف میں ہے:

حدثنا محمد بن منهال قال حدثنا يزيد بن زريع حدثنا عمربن محمد بن زيد عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبى ﷺ قال:خالفوا المشركين وفّروا اللحى واحفوا الشوارب وكان ابن عمر رضی اللہ عنہ إذا حجّ أواعتمرقبض على لحيته فما فضل أخذه. (صحيح البخارى ،كتاب اللباس ،باب تقليم الأظفار:۲/۸۷۵،یاسر)

علامہ عینیؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قوله خالفوا المشركين"أراد بهم المجوس ،يدل عليه رواية مسلم :خالفوا المجوس لأنهم كانو ا يقصّرون لحاهم و منهم من كان يحلقها. (عمدة القاری ۱۵/۹۰)

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

"قوله خالفوا المشركين" في حديث أبي هريرة رضی اللہ عنہ عند مسلم خالفوا المجوس، وهو المراد في حديث ابن عمر رضی اللہ عنہ فإنهم كانوا يقصرون لحاهم ومنهم من كان يحلقها. (فتح الباری: ۱۰/۳۴۹، دارنشرالكتب الإسلامية)

علامہ نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

أما إعفاء اللحية فمعناه توفيرها وهو معنى أوفوا اللحى في الرواية الأخرى وكان من عادة الفرس قص اللحية نهى الشرع عن ذلك. (شرح الصحيح لمسلم للنووی، ۱/۱۲۹، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، فيصل)

مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من تشبه بقوم فهو منهم. (مشكاة المصابيح: ۳۷۵، كتاب اللباس، الفصل الثانی، قديمی)

مرقاۃ میں ہے:

أی من شبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار (فهو منهم) أی في الإثم والخير قال الطيبی هذا عام في الخلق والخلق والشعار ولما كان الشعار أظهر في الشبه ذكر في هذا الباب، قلت بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير فإن الخلق الصورى لا يتصور فيه التشبه والخلق المعنوى لا يقال فيه التشبه بل هو التخلّق. (مرقاة المفاتيح على مشكاة المصابيح: ۸/۲۵۵، كتاب اللباس، الفصل الثانی، مسئلة التشبه، امداديه)

مذکورہ بالا حدیث اور فقہی عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک داڑھی کا منڈانا حرام ہے، اور اس کا کاٹنا جو کہ کفار کے مشابہ ہو بعض کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے، پھر مکروہ پر اصرار کرنے والا فاسق ہوگا، کیونکہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ کبیرہ کا حکم لے لیتا ہے، جیسے کہ علامہ شامیؒ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے: **لأن الصغيرة تأخذ حكم الكبيرة بالإصرار.** (رد المحتار، ۵/۴۷۳، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه، سعيد)

اور ائمہ اربعہ کے نزدیک فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ملاحظہ ہو ''الفقہ علی الذاہب الاربعۃ'' میں ہے:

تکرہ إمامة الفاسق إلا إذا کان إماماً لمثله باتفاق الحنفیة والشافعیة،أما الحنابلة قالوا:إمامة الفاسق ولولمثله،غیر صحیحة إلا فی صلاة الجمعة والعید إذا تعذرت صلا تهما خلف غیره،فتجوزإمامته للضرورة، والمالکیة قالوا:إمامة الفاسق مکروهة ولولمثله. (الفقه علی المذاهب الأربعة ،۱/۳٤۷،مبحث مکروهات الصلاة)

خلاصہ: باتفاقِ ائمۂ اربعہ داڑھی منڈانے والے یا ایک مشت سے اوپر کترانے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام کا قراءت ختم ہونے سے پہلے ہی رکوع کے لئے ہاتھ چھوڑ دینا:

سوال: ایک امام صاحب رکوع میں جانے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ قراءت اب تک جاری ہے تو اس طرح کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ذکر مسنون میں ہاتھ باندھنا بھی مسنون ہے لہذا دورانِ قراءت ہاتھ چھوڑ دینا قبل از وقت ہے اور خلافِ سنت ہے۔ امام صاحب کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے سنت کے مطابق نماز پڑھانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ امداد الفتاح میں ہے:

ویسن وضع الرجل یده الیمنی علی الیسری تحت سرته.لحدیث علی رضی اللہ عنہ إن من السنة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة. (امدادالفتاح: ص۲۸۲،بیروت)

ہدایہ میں ہے:

الاعتماد سنة القیام عندأبی حنیفةؒ وأبی یوسفؒ حتی لایرسل حالة الثناء والأصل ان کل قیام فیه ذکرمسنون یعتمد فیه ومالا فلا هوالصحیح، فیعتمد فی حالة القنوت وصلاة الجنازة ویرسل فی القومة وبین تکبیرات الأعیاد. (هدایه:۱/۱۰۲،باب صفة الصلاة)

شرح العنایہ میں ہے:

وعند محمدؒ أنه سنة القراء ة...والصحیح ما قاله شمس الائمة الحلوانی وهو الذی أشار إلیه فی الکتاب أن کل قیام... (شرح العنایة علی هامش فتح القدیر:۱/۲۸۷،باب صفة الصلاة،

دارالفکر). **نیز ملاحظہ ہو:** البحرالرائق:۱/۳۰۸،کوئتة۔وکذافی الشامی:۱/۴۸۷،سعید۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

امام کا محراب کو چھوڑ کر درمیانِ مسجد کھڑا ہونا:

سوال: امام اگر محراب کو چھوڑ کر درمیانِ مسجد کھڑا ہو کر امامت کرائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: نبی پاک ﷺ کا محراب میں کھڑا ہونا بعض روایات سے ثابت ہے، اور سلف صالحین اور تعامل امت سے بھی یہی منقول ہے لہذا بلا ضرورت محراب کو چھوڑنا اچھا نہیں، ہاں محراب میں قیام ضروری بھی نہیں ہے، فقہاء جب یہ بحث کرتے ہیں کہ امام محراب کے اندر مکمل طور پر کھڑا نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ محراب مطلوب ہے لیکن جوفِ محراب میں کھڑا ہونا اچھا نہیں مگر گرمی یا دوسرے اعذار کی وجہ سے درست ہے۔

ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

عن سعید بن عبد الجباربن وائل عن أبیه عن أمه عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال: حضرت رسول اللّٰہ ﷺ إذا أوحین نهض إلی المسجد فدخل المحراب ثم رفع یدیه بالتکبیر..... (رواه البیهقی فی سننه الکبری:۲/۳۰،دارالمعرفة)

طبرانی میں ہے:

عن سهیل بن سعد رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللّٰہ ﷺ یصلی إلی خشبة فلما بنی له المحراب تقدم إلیه. (رواه الطبرانی فی الکبیر:۶/۱۲۶)

شامی میں ہے:

ویقف وسطاً قال فی المعراج: وفی مبسوط بکر: السنة أن یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان، ولوقام فی أحد جانبی الصف یکره،.....تنبیه: یفهم من قوله أوإلی سارية کراهة قیام الإمام فی غیرالمحراب، ویؤیده قوله قبله السنة أن یقوم فی المحراب وکذا قوله فی موضع آخر: السنة أن یقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألاتری أن المحاریب ما نصبت إلا وسط المساجد وهی قد عینت لمقام الإمام. والظاهرأن هذا فی الإمام الراتب لجماعة کثیرة لئلا یلزم عدم قیامه فی الوسط، فلولم یلزم ذلک لایکره. (شامی:۱/۵۶۸، باب الامامة،سعید)

دوسری جگہ مذکور ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

ومقتضاه أن الإمام لوترک المحراب وقام فی غیره یکره ولوکان قیامه وسط الصف لأنه خلاف عمل الأمة. (شامی: ۱/۶۴۶، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وینبغی للامام أن یقف بإزاء الوسط فإن وقف فی میمنة الوسط أوفی میسرته فقد أساء لمخالفة السنة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۸۹)

نیز ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی: ۱/۲۸۳۔ وفتاوی محمودیہ: ۶/۵۰۸۔ واحسن الفتاوی: ۳/۲۹۳۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/۱۴۲۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام کا جوفِ محراب میں کھڑا ہونا:

سوال: امام کے لئے جوفِ محراب میں کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امام کے لئے جوفِ محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ لیکن اگر امام محراب سے باہر کھڑا ہو اور سجدہ جوفِ محراب میں کرے تو یہ درست ہے، نیز امام کے ساتھ دو تین حضرات کھڑے ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح تنگی یا کسی اور وجہ سے امام اندر کھڑا ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویکره قیام الإمام فی المحراب لاسجوده فیه.....وفی الشامی: وحاصله أنه صرح محمدٌ فی الجامع الصغیر بالکراهة ولم یفصل، فاختلف المشایخ فی سببها فقیل کونه یصیر ممتازاً عنهم فی المکان لأن المحراب فی معنی بیت آخر وذلک صنیع أهل الکتاب، واقتصر علیه فی الهدایة واختاره الإمام السرخسی وقال: إنه الأوجه، وقیل: اشتباه حاله علی من فی یمینه ویساره، فعلی الأول یکره مطلقاً وعلی الثانی لایکره عند عدم الاشتباه، وأید الثانی فی الفتح بأن امتیاز الإمام فی المکان مطلوب، وتقدمه واجب وغایته اتفاق الملتین فی ذلک وارتضاه فی الحلیة وأیده، لکن نازعه فی البحر بأن مقتضی ظاهر الروایة الکراهة مطلقاً، وبأن امتیاز الإمام المطلوب حاصل بتقدمه بلا وقوف فی مکان آخر.....وهذا کله عند عدم العذر کجمعة وعید فلو قاموا علی الرفوف والإمام علی الأرض أوفی المحراب لضیق المکان لم یکره لو کان معه بعض القوم فی الأصح، وبه جرت العادة فی جوامع

المسلمین. (الدرالمختار مع الشامی: ۱/۶۴۵، سعید۔ وکذافی الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۷۲۔ والفتاوی الهندیة: ۱/۱۰۸، الفصل الثانی فیمایکره فی الصلاة)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے یعنی کراہتِ تنزیہی ہے، جگہ کی قلت اور جگہ کی دشواری اور نمازیوں کی کثرت کے وقت خود محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۶/۵۰۴، ۵۰۶، باب تسویۃ الصفوف، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی: ۳/۳۱۰، باب الامامۃ۔ وامداد الاحکام: ۱/۵۱۱، کتاب الصلاۃ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام کے لئے "ربنا ولک الحمد" کہنے کا حکم:

سوال: امام کے لئے "سمع اللہ لمن حمدہ" کے بعد "ربنا ولک الحمد" کہنا مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب: متأخرین کے قول کے مطابق امام کو بھی "سمع اللہ لمن حمدہ" کے بعد "ربنا ولک الحمد" کہنا افضل اور مستحب ہے۔ اور صرف تسمیع پر اکتفاء کرنا بھی بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ثم رفع رأسه، واطمأن قائلاً "سمع اللّٰه لمن حمده، ربنالک الحمد" لو إماماً أی لو کان إماماً هذا قولهما وهو روایة عن الإمام.....ووجه قولهما وهو روایة عن الإمام واختارها فی الحاوی القدسی وفی الدرایة عن الظهیریة کان الفضلی والطحاوی وجماعة من المتأخرین یمیلون إلی قولهما، وهو قول أهل المدینة فاختاروا قولهما الموافق لتلک الروایة عن الإمام فاتبعناها، فقلنا: إن الإمام یجمع بینهما قول أبی هریرة رضی اللہ عنہ: کان رسول اللّٰه ﷺ حین یفرغ من صلاة الفجر من القراءة یکبر و یرفع رأسه من الرکوع ویقول: "سمع اللّٰه لمن حمده، ربناولک الحمد" أنج الولیدبن الولید" الحدیث. (اخرجه البخاری فی الادب باب تسمیة الولید: (۶۲۰۰) ومسلم فی المسجدومواضع الصلاة، والنسائی، وابن ماجة) **وقوله "أناأشبهکم صلاة برسول اللّٰه ﷺ وکان إذا قال: "سمع اللّٰه لمن حمده" قال: "ربنالک الحمد" وقول**

Maktaba Tul Ishaat.com

عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: خسفت الشمس فی حیاة رسول اللّٰہ ﷺ وصلی بالناس، فلما رفع رأسه من الرکوع قال: "سمع اللّٰہ لمن حمده، ربنالک الحمد" رواه الطحاوی (اخرجه مسلم فی الکسوف۔ وابوداود فی باب صلاة الکسوف۔ والنسائی فی الکسوف) **ولأنه داع إلی الحمد فلا یتأخر عنه بنفسه تحرزاً عن دخوله تحت قوله تعالیٰ: ﴿أتأمرون الناس بالبر وتنسون أنفسکم﴾** البقرة: ٤٤، **وقوله تعالیٰ: ﴿لم تقولون مالاتفعلون﴾** الصف: ٢۔ (امدادالفتاح: ص٣١٨ فصل فی کیفیة ترکیب الصلاة)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

أما الإمام فیأتی بعد التسمیع بالتحمید أیضاً علی قولهما..... وفی المحیط: قال شمس الأئمة الحلوانی: کان شیخنا القاضی الإمام یحکی عن أستاذه أنه کان یمیل إلی قولهما وکان یجمع بین التسمیع والتحمید حین کان إماماً والطحاوی کان یختار قولهما أیضاً وهکذا نقل عن جماعة من المتأخرین أنهم اختاروا قولهما وهو قول أهل المدینة انتهی.

(شرح منیة المصلی: ص٣١٨، سهیل۔ وکذافی الشامی: ١/٤٩٧، سعید)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں توسع ہے، اگر پڑھ لے تو نماز میں کوئی زیادتی نہیں آتی اور بہت سے علماء کا یہی مسلک ہے، اگر نہ پڑھے تو اس سے نماز میں کوئی کمی نہیں آتی، البتہ پڑھنا بہتر ہے۔ (فتاوی حقانیہ: ٣/١٢٦۔ واحسن الفتاوی: ٣/٣١٢)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ٹیلیویژن دیکھنے والے کی امامت کا حکم:

سوال: کیا ایسے عالم یا حافظ کے پیچھے فرائض یا تراویح پڑھ سکتے ہیں جو ٹیلیویژن اور فلمیں پابندی کے ساتھ دیکھتا ہو؟

الجواب: ٹیلیویژن اور فلمیں دیکھنے والا شخص فاسق وفاجر ہے اور فاسق وفاجر کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے لہذا ایسے شخص کو امام نہیں بنانا چاہئے۔ ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ ﷺ علی منبره یقول: یاأیها الناس توبوا إلی

اللّٰہ ﷻ قبل أن تموتوا وبادروا بالأعمال الصالحة وصلوا الذی بینکم وبین ربکم بکثرة ذکرکم له.....ولایؤمن فاجرمؤمنا إلاأن یقهره السلطان یخاف سیفه وسوطه. (رواه البیهقی فی سننه الکبری:۳/۱۷۱،کتاب الجمعة،دارالفکر۔وابن ماجه:۱/۷۵،باب فی فرض الجمعة)

نیز بیہقی میں ہے:

وعن ابن عمر ؓ قال:قال رسول اللّٰہ ﷺ:اجعلوا أئمتکم خیارکم فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم. (رواه البیهقی فی سننه الکبری:۳/۹۰،باب اجعلوا ائمتکم خیارکم)

طبرانی کبیر میں ہے:

عن مرثد بن أبی مرثد الغنوی ؓ وکان بدریاً قال:قال رسول اللّٰہ ﷺ:إن سرکم أن تقبل صلاتکم، فلیؤمکم خیارکم، فإنهم وفدکم فیمابینکم وبین ربکم. (المعجم الکبیر للطبرانی:۱۵/۲۶۰/۱۷۱۶۵، مااسندابن ابی مرثدؓ)

طحطاوی میں ہے:

(ولذاکره إمامة الفاسق) والمراد بالفاسق بالجارحة لابالعقیدة، والفسق لغة خروج عن الاستقامة وهومعنی قولهم خروج الشیء عن الشیء علی وجه الفساد وشرعاً خروج عن طاعة اللّٰہ تعالیٰ بارتکاب کبیرة،قال القهستانی:أی أوإصرارعلی صغیرة..... (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۳۰۳،قدیمی۔والفتاوی الهندیة:۱/۸۵۔والشامی:۱/۵۶۰،سعید۔امداد الفتاح: ص۳۴۲،بیروت)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لوقدموا فاسقاً یأثمون بناء علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم لعدم اعتنائه بأموردینه وتسهله فی الإتیان بلوازمه فلایبعد منه الإخلال ببعض شروط الصلاة وفعل ما ینافیها بل هوالغالب بالنظرإلی فسقه. (شرح منیة المصلی: ص۵۱۳، فصل فی الامامة،سهیل۔وکذافی الفتاوی الهندیة:۱/۸۵،الباب الخامس فی الامامة،الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیره)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے فاسق وہ ہے جو کبائر کا مرتکب ہو یا صغائر کا عادی ہو۔(فتاوی رحیمیہ:۱/۱۶۳)

Maktaba Tul Ishaat.com

احسن الفتاوی میں ہے:

ٹیلیویژن دیکھنا ناجائز ہے، اور ایسے امام کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے مگر نماز ہوجائے گی لوٹانا ضروری نہیں ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۲۸۸، باب الامامۃ۔ وفتاوی محمودیہ: ۶/ ۲۱۱، باب الامامۃ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام کو "قد قامت الصلاۃُ" کے وقت شروع کرنے کا حکم:

سوال: بعض متون کی کتابوں میں یہ مسئلہ تحریر شدہ ہے کہ امام "قدقامت الصلاۃُ" کے وقت شروع کرے گا۔ "ویشرع الإمام والقوم معه عند" قدقامت الصلاة" فی قول أبی حنیفةؒ ومحمدؒ وعند الفراغ من الإقامة فی قول أبی یوسفؒ "نقایة۔ اس مسئلہ میں قولِ مختار کونسا ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں مختار قول امام ابو یوسفؒ کا ہے، یعنی جب اقامت ختم ہوجائے تب امام شروع کرے۔ امام کو "قد قامت الصلاۃ" کے وقت شروع کرنے کا حق حاصل ہوجاتا ہے البتہ اقامت کہنے والے کی رعایت کرتے ہوئے افضل اور بہتر یہ ہے کہ اقامت ختم ہوجائے تب شروع کرے۔

ملاحظہ ہو شرح نقایہ میں ہے:

والجمهور علی قول أبی یوسفؒ لیدرک المؤذن أول صلاة الإمام وعلیه عمل أهل الحرمین. (شرح النقایة: ۱/ ۱۳۸، باب الاذان، سعید)

طحطاوی میں ہے:

وقال أبویوسفؒ یشرع إذا فرغ من الإقامة أی بدون فصل وبه قالت الأئمة الثلاثة وهو أعدل المذاهب شرح المجمع وهو الأصح قهستانی عن الخلاصة، وهو الحق نهر.

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۲۷۸، فصل فی آدابها، قدیمی)

درمختار میں ہے:

وشروع الإمام فی الصلاة مذ قیل "قد قامت الصلاة" ولو أخر حتی أتمها لا بأس به إجماعاً وهو قول الثانی (أبی یوسفؒ) والثلاثة، وهو أعدل المذاهب کما فی شرح المجمع لمصنفه، وفی القهستانی معزیاً للخلاصة أنه الأصح. (شامی: ۱/ ۴۷۹، صفة الصلاة سعید)

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

(قوله أنه الأصح) أی فالأخذ به أولیٰ لأنه لایقع اشتباه علی المصلین. (طحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۱۵، باب صفة الصلاة).

مزید ملاحظہ ہو: ("رفع الملامة عن القیام عند اول الاقامة" از حضرت مفتی شفیع صاحبؒ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام کے لئے تسبیحات کی مقدار اور جلسہ میں دعا کا ثبوت:

سوال: امام کو رکوع سجدہ میں کتنی مرتبہ تسبیحات پڑھنا چاہئے اور جلسہ میں کیا پڑھے؟

الجواب: امام کے لئے رکوع سجدہ میں پانچ مرتبہ تسبیحات پڑھنا افضل ہے۔ تین مرتبہ پر اکتفا کرنا بھی درست ہے۔ اور جلسہ میں دعاء پڑھنا بہتر ہے اگر مقتدیوں پر شاق نہ ہو ورنہ ترک اولیٰ ہے۔

دعا جو حدیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے: "اللّٰھمّ اغفرلی وارحمنی واجبرنی واھدنی وارزقنی"۔ یا مختصر پڑھ لے جیسے "اللّٰھمّ اغفرلی"۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ونقل فی الحلیة عن عبد اللّٰه بن المبارکؒ وإسحاقؒ وإبراهیمؒ والثوریؒ أنه یستحب للإمام أن یسبح خمس تسبیحات لیدرک من خلفه الثلاث. (شامی: ۱/۴۹۵، سعید)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

ولو زاد علی الثلاث فذلک أفضل بعدأن یختم علی وترخمس أوسبع أوتسع ولکن إن کان إماماً لایطول وقال سفیان الثوریؒ ینبغی أن یقول خمساً حتی یتمکن القوم أن یقولوا ثلاثاً. (خلاصة الفتاوی: ۱/۵۴، الفصل الثانی سنن الصلاة وآدابها، رشیدیه)

نیز ملاحظہ ہو: شرح منیة المصلی: ص ۲۸۲، سهیل ۔ وفتح القدیر: ۱/۲۹۸۔ واحسن الفتاوی: ۳/۲۹۵)

جلسہ میں دعا پڑھنے کا ثبوت:

ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ کان یقول بین السجدتین: "اللّٰھمّ اغفرلی وارحمنی واجبرنی واھدنی وارزقنی". (رواه الترمذی: ۱/۶۳، باب مایقول بین السجدتین)

مولانا انور شاہ کشمیریؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

Maktaba Tul Ishaat.com

وقال القاضی ثناء اللّٰہ البانی بتیؒ باستحباب الدعاء خروجاً عن الخلاف ونعم ماقال القاضی المرحوم لاسیما فی ھذا العصرفإن تحفظ الجلسة متعذربدون تعیین الدعاء فیھا. (العرف الشذی علی سنن الترمذی: ۱/ ۷۰)

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

بل ینبغی أن یندب الدعاء بالمغفرة بین السجدتین خروجاً من خلاف الإمام أحمدؒ لإبطاله الصلاة بترکه عامداً ولم أرمن صرح بذلک عندنا، لکن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف.....ولاضررفی التزامه وإن لم یصرح به مشایخنا فإن القواعد الشریعة لاتنبوعنه، کیف والصلاة ھی التسبیح والتکبیروالقراء ةکما ثبت فی السنة. (شامی: ۱/ ۵۰۵ - ۵۰۶، سعید)

ہاں امام کو طویل دعاؤں سے احتراز کرنا چاہئے جو مقتدیوں کے لئے باعثِ کلفت بنے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جہری نماز میں امام کو جہر کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص عشاء کی فرض نماز تنہا پڑھ رہا تھا دوسرے شخص نے آکر اس کی اقتداء کرلی امام نے نماز میں جہر نہیں کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ کیا امام کو جہری نماز میں جہر کرنا ضروری ہے؟

الجواب: امام نے اگر امامت کی نیت کرلی تو جہر کرنا ضروری تھا لیکن اگر امامت کی نیت نہیں کی تو جہر ضروری نہیں لہذا نماز ہوگئی۔ امام کو جہری نماز میں جہر کرنا واجب اور ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویجھرالإمام وجوباً بحسب الجماعة، فإن زاد علیه أساء، ولوائتم به بعد الفاتحة أوبعضھا سراً أعادھاجھراً، بحر، لکن فی آخرشرح المنیة:ائتم به بعد الفاتحة، یجھر بالسورة إن قصد الإمامة وإلا لا فلایلزمه الجھر. وفی الشامی:(قوله إن قصد الإمامة)عزاه فی القنیة إلی فتاوی الکرمانی. ووجھه أن الإمام منفرد فی حق نفسه، ولذا لایحنث فی لایؤم أحداً ما لم ینوالإمامة، ولایحصل ثواب الجماعة إلابالنیة. (الدرالمختارمع الشامی: ۱/ ۵۳۲، فصل فی القراء ة، سعید)

طحطاوی میں ہے:

ویجب جهر الإمام الواجب منه أدناه وهو أن يسمع غيره، ولو واحداً وإلا كان إسراراً.

(طحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۲۵۲،فصل فی بیان واجبات الصلاۃ،قدیمی)

امدادالفتاح میں ہے:

ویجب جهر الإمام بقراءة ركعتي الفجر وقراءة أولیي العشائين للمواظبة عليه. (امداد الفتاح:ص۲۷۸،فصل فی واجبات الصلاۃ)

بہشتی گوہر میں ہے:

اگر کوئی شخص تنہا فجر یا مغرب یا عشاء کا فرض آہستہ آواز سے پڑھ رہا ہو اسی اثناء میں کوئی شخص اس کی اقتداء کرے تو اس میں دو صورتیں ہیں (۱) ایک یہ کہ یہ شخص دل میں قصد کرے کہ میں اب امام بنتا ہوں تاکہ نماز جماعت سے ہو جاوے (۲) دوسری صورت یہ کہ قصد نہ کرے بلکہ بدستور اپنے کو یہی سمجھے کہ گویہ میرے پیچھے آ کھڑا ہوا لیکن میں امام نہیں بنتا بلکہ بدستور تنہا پڑھتا ہوں پس پہلی صورت میں تو اس پر اسی جگہ سے بلند آواز سے قراءۃ کرنا واجب ہے پس اگر سورۂ فاتحہ یا کسی قدر دوسری سورت بھی آہستہ آواز سے پڑھ چکا ہو تو اس کو چاہئے کہ اسی جگہ سے بقیہ کو بلند آواز سے پڑھے، اس لئے کہ امام کو فجر و مغرب و عشاء کے وقت بلند آواز سے قراءت کرنا واجب ہے، دوسری صورت میں بلند آواز سے قراءت کرنا واجب نہیں ہے اور اس مقتدی کی نماز بھی درست رہے گی کیونکہ صحتِ صلوٰۃ مقتدی کے لئے امام کا نیتِ امامت کرنا ضروری نہیں۔

(اصلی بہشتی گوہر گیارواں حصہ:ص۵۸، مقتدی اور امام کے متعلق مسائل، مسئلہ۲۰، المدنیہ لاہور)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصنوعی دانت والے امام کے پیچھے نماز کا حکم:

سوال: ایک صاحب کے کچھ دانت گر گئے ہیں ان کی جگہ مصنوعی دانت لگائے ہیں جو علیحدہ کیے جاسکتے ہیں، اور مصنوعی دانت نہ ہونے کی وجہ سے بعض حروف مثلاً شین، صاد اچھی طرح ادا نہیں ہوتے ہیں، اگر یہ صاحب دانتوں کو نہ لگائے جب کہ دانت گھر پر یا جیب میں موجود ہوں اور اسی حالت میں نماز پڑھادے تو کیا نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مصنوعی دانت نہ لگانے پر قراءت میں لحن جلی کا مرتکب ہوتا ہے تو دانت لگا

Maktaba Tul Ishaat.com

کرنماز پڑھانا لازم اور ضروری ہے اس کے بغیر معنی بدل جانے سے نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر مصنوعی دانت کے بغیر لحن خفی کا مرتکب ہوتا ہے تو دانت لگا کر نماز پڑھانا افضل اور بہتر ہے ضروری لیکن نہیں۔ لحن جلی اور لحن خفی کی تفصیل فقہ کی کتابوں سے معلوم کی جاسکتی ہے یا کسی عالم قاری سے زبانی سمجھا جاسکتا ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

سئل الخیر الرملی عما إذا کانت اللثغة یسیرة . فأجاب بأنه لم یرها لائمتنا، وصرح بها الشافعیة بأنه لو کانت یسیرة بأن یاتی بالحرف غیر صاف لم توثر، قال : وقواعدنا لاتأباه ، وبمثله أفتی تلمیذ الشارح المرحوم الشیخ إسمعیل الحائک مفتی دمشق الشام.

(فتاوی الشامی: ۱/۵۸۲،سعید).

نیز مذکور ہے:

قوله إلاما یشق، قال فی الخانیة والخلاصة : الأصل فیما إذا ذکر حرفاً مکان حرف وغیر المعنی إن أمکن الفصل بینهما بلا مشقة تفسد، وإلا یمکن إلا بمشقة کالظاء مع الضاد المعجمتین والصاد مع السین المهملتین والطاء مع التاء قال أکثرهم لاتفسد، وفی خزانة الأکمل قال القاضی أبوعاصم: إن تعمد ذلک تفسد، وإن جری علی لسانه أو لایعرف التمییز لاتفسد، وهوالمختارحلیة وفی البزازیة : وهو أعدل الأقاویل ، وهو المختار. وفی التتارخانیة عن الحاوی : حکی عن الصفار أنه کان یقول: الخطأ إذا دخل فی الحروف لایفسد ، لأن فیه بلوی عامة الناس لأنهم لایقیمون الحروف إلا بمشقة ...

قلت: فینبغی علی هذا عدم الفساد فی إبدال الثاء سیناً والقاف همزة کما هو لغة عوام زماننا، فانهم لایمیزون بینهما ویصعب علیهم جداً کالذال مع الزای ولا سیما علی قول القاضی أبی عاصم وقول الصفار، وهذا کله قول المتأخرین ، وقد علمت أنه أوسع وأن قول المتقدمین أحوط قال فی شرح المنیة : وهو الذی صححه المحققون وفرعوا علیه، فاعمل بما تختار، والاحتیاط أولی سیما فی أمر الصلاة التی هی أول ما یحاسب العبد علیها. (فتاوی الشامی: ۱/۶۳۳،سعید). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بریلوی عقیدہ رکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو بریلوی عقیدہ رکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوجائے تو جماعت ترک کرے یا شریک جماعت ہوجائے؟ اور اگر نماز پڑھنے پر مجبور ہو تو کیا کرے؟

الجواب: بریلوی عقائد بہت مختلف ہیں۔ اگر ان کے عقائد میں سے مثلاً آپ ﷺ کو عالم الغیب تسلیم کرنا، حاضر ناظر سمجھنا، مختار کل ماننا، متصرف فی الامور جاننا، مشکل کشا وحاجت روا کہنا، باری تعالیٰ کا عکس بتانا، یہ تمام عقائد کفر تک پہنچانے والے ہیں لہذا اگر کسی شخص کے یہ مذکورہ بالا عقائد ہیں تو اس کے پیچھے نماز صحیح اور درست نہیں ہے، اگر پڑھنے پر مجبور ہو تو اعادہ لازم ہے، نیز اگر فتنہ وغیرہ کا خوف ہو تو تشبہ بالمصلین کرلے اور پھر اعادہ کرلے یہ صورت زیادہ مناسب ہے۔ درمختار میں ہے:

ومبتدع أی صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول ﷺ..... لایکفر بها .....وإن أنکر بعض ماعلم من الدین ضرورة کفر بها.....فلایصح الاقتداء به أصلاً، فلیحفظ. (الدرالمختار: ۱/ ۵۶۰، باب الامامة، سعید)

البحرالرائق میں ہے:

وأطلق المصنف فی المبتدع فشمل کل مبتدع وهو من أهل قبلتنا وقیده فی المحیط والخلاصة والمجتبی وغیرها بأن لاتکون بدعته تکفره فإن کانت تکفره فالصلاة خلفه لاتجوز وعبارة الخلاصة هکذا. (البحرالرائق: ۱/ ۳۴۹، باب الامامة، الماجدیة)

تبیین الحقائق میں ہے:

(والمبتدع) أی صاحب الهوی قال المرغینانی تجوز الصلاة خلف صاحب الهوی وبدعة ولاتجوز خلف الرافضی والجهمی والقدری والمشبه ومن یقول بخلق القرآن، حاصله إن کان هوی لایکفر به صاحبه یجوز مع الکراهة وإلافلا. (تبیین الحقائق: ۱/ ۱۳۴، باب الامامة، امدادیة)

امدادالفتاح میں ہے:

والمراد المبتدع الذی لاتکفره بدعته فإن کفر بها لاتصح إمامته کما قدمناه. فإذا تبین له ذلک لزمه إعادة ما صلاه خلفه. (امدادالفتاح: ص ۳۴۳، ۳۳۱، بیان من تکره امامتهم)

Maktaba Tul Ishaat.com

عمدۃ الفقہ میں ہے:

ایسے بدعتی کے پیچھے جس کی بدعت کفر تک پہنچ جائے کسی شخص کی نماز درست نہیں ہے۔(عمدۃ الفقہ: حصہ دوم کتاب الصلاۃ: ص۱۸۴، شرائط امامت، مجددیہ، کراچی)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے لئے علم غیب جو خاصہ خدا ہے ثابت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز نادرست ہے۔(فتاوی رشیدیہ: ۳۳۷)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

اگر کوئی جناب سرور کائنات ﷺ کو غیب داں جانتا ہے تو یہ عقیدہ باطل اور غلط ہے اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے اور اس میں پوری احتیاط کرنی چاہئے اور اگر کسی وجہ سے پڑھ لی تو اس کا اعادہ کرنا چاہئے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۳/۱۷۰، باب الامامۃ مدلل ومکمل، دارالاشاعت)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

جس شخص کا عقیدہ کفریہ ہو اس کو امام بنانا جائز نہیں اور اس کی اقتداء کرنا ہرگز جائز نہیں، اس کے پیچھے نماز ہرگز درست نہیں۔(فتاوی محمودیہ ۶/۲۶۰، باب الامامۃ، الفصل الثالث فی امامۃ المبتدع، جامعہ فاروقیہ)

فتاوی عثمانی میں ہے:

حضور ﷺ کو عالم الغیب اور حاضر ناظر ماننے والے کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔(فتاوی عثمانی ۱/ ۴۲۷، ۴۴۴)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

جب کہ امام مذکور کے عقائد کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں تو اس کی امامت جائز نہیں اور اس کے پیچھے نماز صحیح نہ ہوگی، اور ایسے بدعقیدہ امام کی اقتداء میں جو جماعت ہوگی اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا وہ کالعدم ہے، لہذا اس کے بعد اہل حق کا جماعت سے نماز پڑھنا جماعتِ ثانیہ کے حکم میں نہ ہوگا۔(فتاوی رحیمیہ: ۴/۳۶۰، باب الامامۃ)

التشبہ بالمصلین کے شواہد:

یعنی اگر مجبوراً نماز پڑھنا پڑے تو نمازیوں کے ساتھ تشبہ کرلے اور بعد میں اپنی نماز پڑھ لے۔ شریعت میں اس کی مثالیں موجود ہیں ملاحظہ ہو:

پانی اور مٹی نہ پانے والے کو تشبہ کا حکم ہے، پھر اعادہ ضروری ہے۔ اسی طرح مریض جو وضو اور تیمّم پر قادر نہ ہو۔

درمختار میں ہے:

والمحصور فاقد الماء والتراب الطهورين بأن حبس في مكان نجس ولايمكنه إخراج تراب مطهر وكذا العاجز عنهما لمرض يؤخرها عنده، وقالا: يتشبه بالمصلين وجوباً فيركع ويسجد.....ثم يعيد الصلاة كالصوم وبه يفتى وإليه صح رجوعه أى الإمام كما فى الفيض.

(الدرالمختار: ۱/۲۵۲، سعيد)

مرقات میں ہے:

وفي شرح الشمني والمحبوس الذى لايجد طهوراً لايصلى عندهما وعند أبي يوسفؒ يصلى بالإيماء ثم يعيد وهو رواية عن محمدؒ تشبهاً بالمصلين قضاء لحق الوقت. (المرقاة شرح المشكاة: ۱/۳۳٤)

الفقہ الاسلامی میں ہے:

حكم فاقد الطهورين: الحنفية: المفتى به عندهم ما قاله الصاحبان وهو أن فاقد الطهورين يتشبه بالمصلين وجوباً..... (الفقه الاسلامى وادلته: ۱/٤٥٢، دارالفكر)

الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:

الحنفية قالوا: من فقد الطهورين الماء والصعيد الطاهر.....فإنه يصلى عند دخول وقت الصلاة صلاة صورية بأن يسجد.....بدون قراءة أوتسبيح وهذه الصلاة الصورية لاتسقط الفرض عنه بل تبقى ذمته مشغولة.

(الفقه على مذاهب الاربعة: ۱/۱٦٦)

نیز کسی شخص کا وضو ٹوٹ گیا اور وہ جماعت میں ہے نکلنا مشکل ہے یا شرم محسوس کرتا ہے تو بقیہ نماز میں تشبہ بالمصلی کرے۔ ملاحظہ ہو فتاوی اللکنوی میں ہے:

الاستفسار: رجل يصلى مع قوم وأحدث، فاستحيىٰ من أن يظهر ذلك، فكتم وصلى كذلك مع الحدث هل يحكم بكفره؟

الاستبشار: لايكفر؛ لأنه غير مستهزىء ومن ابتلى بذلك بضرورة أولحياء، ينبغى أن

Maktaba Tul Ishaat.com

لایقصد بذلک الصلاۃ، بل یقوم ولایقرأ شیئاً، وإذا انحنیٰ لایرید الرکوع، ولایسبح، ولایفعل شیئاً من أعمال الصلاۃ؛ لئلا یقع فی أداء الصلاۃ مع الحدث. کذا فی "خزانۃ الروایات". (فتاوی اللکنوی:ص ۱۷۱، کتاب الصلوات،دارابن حزم)

فقہاء نے حائضہ کے بارے میں فرمایا کہ اگر رمضان میں پاک ہوتو تشبہ بالصائم کرے اور مسافر افطار کرے پھر مقیم ہوجائے تو بقیہ دن تشبہ بالصائم کرے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قولہ کالصوم)أی فی مثل الحائض إذا طھرت فی رمضان، فإنھا تمسک تشبھاًبالصائم لحرمۃ الشھرثم تقضی، وکذا المسافرإذا أفطرفأقام. (شامی:۱/۲۵۳،مطلب فاقدالطھورین،سعید)

نیز اخرس جو قراءت وتلبیہ وغیرہ پر قادر نہ ہوتو تشبہ بالقاری یعنی تحریک الشفتین کرے گا۔

ملاحظہ ہو فتاوی اللکنوی میں ہے:

الاستفسار:الأمی والأخرس إذا لم یقدرعلی أداء فرض القراء ۃ ھل یجب علیہ تحریک الشفتین؟

الاستبشار:قیل:یجب تحریک الشفۃ واللسان کتلبیۃ الحج وقیل لایجب. (فتاوی اللکنوی:ص۳۳۸،مایتعلق بالاعذارالمسقطۃ لارکان الصلاۃ،دارابن حزم۔وکذافی الشامی:۱/۴۸۳،قراء ۃ فی الصلاۃ،سعید۔ولباب المناسك :ص۱۱۳،فصل وشرط التلبیۃ،بیروت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

فسادِ نماز کی خبر دینا امام کے ذمہ ہے:

سوال: اگر امام کی نماز خون نکلنے کی وجہ سے فاسد ہوگئی اور امام کو نماز کے بعد معلوم ہوا تو امام پر اطلاع دینا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی وجہ سے نماز صحیح نہ ہوتو امام کے ذمہ مقتدیوں کو اطلاع دینا لازم ہے، پھر اگر امام عادل ہوتو مقتدیوں پر اعادہ واجب ہے ورنہ مستحب ہے۔ لیکن اگر مقتدی متعین نہ ہو یا خبر دینا مشکل ہوتو اطلاع دینا لازم نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وإذاظھرحدث إمامہ وکذاکل مفسد فی رأی مقتد بطلت فیلزم إعادتھا لتضمنھا صلاۃ

المؤتم صحةً وفساداً كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث أو جنب أو فاقد شرط أو ركن، وهل عليهم إعادتها، إن عدلا نعم، وإلا ندبت.....بالقدر الممكن بلسانه أو بكتاب أو رسول على الأصح لو معينين أي معلومين وقال ح: وإن تعين بعضهم لزمه إخباره وإلا أي وإن لم يكونوا معينين كلهم بعضهم لا يلزمه. (الدر المختار مع الشامی: ۱/۵۹۱، ۵۹۲، سعید)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

سوال: امام نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھادی تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئلہ میں امام اور مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کو تنہا تنہا خبر کردے یا نماز کے وقت اعلان کردے کہ فلاں دن فجر کی نماز میں جو جو حضرات تھے وہ اپنی نماز کا اعادہ کرلیں جن مقتدیوں کو اس کی اطلاع نہ ہوسکے وہ معذور ہیں۔ (فتاوی رحیمیہ: ۴/۳۶۴)

امداد الاحکام میں ہے:

سوال: امام نے سہواً بلا وضو نماز پڑھادی تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: امام پر لازم ہے کہ جن اشخاص کے متعلق معلوم ہو کہ وہ نماز میں شریک تھے ان سب کو جس طرح ممکن ہو اطلاع کردے اور امام عادل ہو تو ان پر اطلاع سے اعادہ ضروری ہے، اور اگر امام عادل نہ ہو تو اعادہ مستحب ہے۔ (امداد الاحکام: ۱/۵۲۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مدتِ طویلہ کے بعد فسادِ نماز کی خبر دینے کا حکم:

سوال: ایک صاحب ایک مسجد میں امامت کراتے تھے، اس واقعہ کو کافی مدت گزر چکی ہے، ایک دو مرتبہ ایسا ہوا کہ نماز کے درمیان پیشاب کا قطرہ گرنے کا احتمال ہوا، یا غالب گمان ہوا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رمضان کی پہلی رات چاند کا اعلان اب تک نہیں ہوا تھا اور امام نے اپنی وتر پڑھ لی پھر چاند کے اعلان کے بعد اس نے تراویح کے بعد دوبارہ لوگوں کو وتر پڑھادی، جب کہ تراویح کسی اور صاحب نے پڑھائی تھی، اس وقت پیشاب کے قطرہ کی وجہ سے جو مشکوک یا مظنون تھا، امام نے نماز کے اعادہ کا اعلان نہیں کیا، اب اس مقام کے ساتھ امام کا کوئی رابطہ نہیں ہے، اور اس وقت کے اکثر مصلی یا وفات پاچکے ہوں گے یا کسی اور جگہ منتقل ہوچکے ہیں، یہ واقعہ ۳۰ سال پہلے کا ہے، اب اطلاع کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے، اب امام کی گلوخلاصی کی کیا صورت ہوسکتی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ جب امام کے وضو کا ٹوٹنا قطرہ کی وجہ سے مشکوک یا مظنون تھا، تو امام کو اس وقت اعلان کرنا چاہئے تھا، تاکہ نماز کا اعادہ ہوجاتا، احناف کا اصل مذہب تو یہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے، اس کی تشریح دوسری جلد ص ۲۳۴، پر گزر چکی ہے، لیکن مذکورہ صورت حال میں مشکلات کے پیش نظر فقہاء کے ہاں ایک جزئیہ ملتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اعلان ضروری نہیں ہے۔

ملافرمائیں تحفۃ الملوک میں ہے:

ولو ظهر حدث الإمام أعاد المأموم لقوله صلى الله عليه وسلم: أيما رجل صلى بقوم ثم تذكر جنابةً أعاد، وأعادوا .(فصل فی الجماعة:۱/۸٤٦)

اس کی شرح میں محمد بن عبداللطیف بن عبدالعزیز بن ملک لکھتے ہیں: **هذا إذا علم المأموم حدث إمامه وإن لم يعلموا لايجب عليهم الإعادة ولا على الإمام الإعلام بأنه صلى على غير طهارة ولايأثم بتركه الإعلام** . (شرح تحفة الملوك: ۱/۸٤۷۔ بتعليق عبد المجيد الدرويش).

درمختار اور شامی نے بھی عدم اخبار کا قول بعض فقہاء سے نقل کیا ہے۔

وصحح في مجمع الفتاوى عدمه أى الإخبار مطلقاً لكونه عن خطأ معفو عنه لأنه لم يتعمد ذلك .(ص:۱/۵۹۱).

متن میں جس حدیث کا حوالہ دیا گیا" **أيما رجل صلى بقوم ثم تذكر جنابةً أعاد، وأعادوا** "۔اس کے متعلق صاحب تعلیق الدکتور عبدالمجید الدرویش نے نصب الرایہ سے نقل کیا کہ یہ روایت غریب ہے اور ابن حجر نے لم اجدہ مرفوعاً فرمایا۔ ہاں سعید بن مسیّب سے مرسلاً مروی ہے:

" **أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى بالناس وهو جنب وأعاد وأعادوا** " یہ روایت مرسل ہے اور اس کی سند میں ابوجابر البیاض متروک ہے، یحی بن معین نے ان کو کذاب کہا، اس کے بالمقابل دارقطنی میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيما إمام سها فصلى بالقوم وهو جنب فقد مضت صلاتهم ثم ليغتسل هو ثم ليعد صلاته الخ۔

مگر یہ روایت بھی ضعیف ہے اس میں جویبر متروک ہے۔(تعليق عبدالمجيدالدرويش على شرح تحفة

الملوك: ١/٨٤٦).

شرح تحفۃ الملوک کے مصنف محمد بن عبداللطیف المتوفی ۸۵۴، جو ابن ملک کے نام سے معروف ہیں، سائد بکداش مدظلہ العالی منیۃ الصیادین کے مقدمہ میں ان کے حالات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

" هو الإمام المحدث الفقيه الحنفي المعتبر محمد بن عز الدين عبد اللطيف بن عبد العزيز بن أمين الدين بن فرشته الرومي".

جو صاحبِ تصانیف عالم تھے، جن کی چند تصانیف یہ ہیں: **(۱) شرح مصابيح السنة للبغوي، (۲) شرح الوقاية، (۳) شرح تحفة الملوك للرازي، (۴) منية الصيادين في تعلم الاصطياد وأحكامه، (۵) روضة المتقين في مصنوعات رب العلمين في المواعظ والعبادات.**

ان کے حالات کا حوالہ منیۃ الصیادین کی تعلیقات میں درج ذیل کتابوں سے دیا ہے۔ **(۱) كتائب اعلام الاخيار من فقهاء مذهب النعمان المختار للكفويؒ، (۲) الشقائق النعمانية في علماء الدولة العثمانية، (۳) كشف الظنون لحاجي خليفة، (۴) الفوائد البهية في تراجم الحنفية لعبدالحي اللكنويؒ، السعاية، وعمدة الرعاية، (۵) هدية العارفين لاسماعيل باشا البغدادي، (۶) الاعلام للزركلي، (۷) معجم المؤلفين لعمر رضا كحالة وغيره.** (مقدمة منية الصيادين لسائد بكداش، ص ١١).

ان کے والد عزالدین عبداللطیف بھی صاحب تصانیف محقق عالم گزرے ہیں شرح تحفۃ الملوک کے مقدمہ میں بھی محقق نے ان کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

یہ تعارف اس لیے لکھا گیا کہ ایک دفعہ ایک فتویٰ میں بندہ نے شرح تحفۃ الملوک کا حوالہ دیا تو بعض مفتیوں نے اشکال کیا کہ یہ غیر معروف کتاب حوالہ کے لیے کہاں سے آگئی، مصنفؒ کی بعض تصانیف جیسے منیۃ الصیادین تو شاہکار تصنیف سمجھی جاتی ہے، یاد رہے کہ متن تحفۃ الملوک محمد بن ابی بکر الرازی المتوفی ۶۶۶، کی کتاب ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مصلیوں کو خبر دیدے اگر بالکل مشکل ہو تو اس قول پر عمل ہوسکتا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کی امامت کا حکم:

سوال: کیا عورت مردوں کی امامت کرسکتی ہے یا نہیں؟

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: عورت مردوں کی امامت نہیں کرسکتی۔

دلائل ملاحظہ ہوں: (۱) **قال اللّٰہ تعالیٰ:** ﴿**الرجال قوّمون علی النساء الخ**﴾(سورۃ النساء:الآیۃ:۳٤)

علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں فرماتے ہیں:

أی شأنهم القيام عليهن قيام الولاة على الرعية بالأمر والنهی ونحو ذلک.....ولذا خصوا بالرسالة والنبوة على الأشهر، وبالإمامة الكبرى والصغرى، وإقامة الشعائر كالأذان والإقامة والخطبة والجمعة.....(روح المعانی:۵/۲۳،القاهرة)

علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں:

يقومون عليهن آمرين ناهين كما يقوم الولاة على الرعايا وسموا قواماً لذلک ..... يعنی إنما كانوا مسيطرين عليهن لسبب تفضيل اللّٰه بعضهم وهم الرجال على بعض وهم النساء بالعقل والعزم والحزم والرأی والقوة والغزو وكمال الصوم والصلاة والنبوة والخلافة والإمامة والأذان والخطبة والجماعة والجمعة.....(تفسیرالنسفی:۱/۲۲۳،دارالفکر)

(۲) حدیث شریف میں:

عن جابر بن عبداللّٰہ رضی اللہ عنہ قال: خطبنا رسول اللّٰہ ﷺ فقال: "يآايها الناس توبوا إلى اللّٰه قبل أن تموتوا.....ألا لاتؤمنّ امرأة رجلاً....." (رواه ابن ماجة:۱/۷۵،باب فی فرض الجمعة۔والبيهقی فی سننه الكبرى:۳/۱۷۱،كتاب الجمعة،دارالمعرفة۔والطبرانی فی الاوسط:۲/۱۵۲/۱۲۸۳،الرياض)

یہ حدیث طویل ہے مطلب یہ ہے کہ: خبردار کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرے۔

(۳) مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: خير صفوف الرجال أولها وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها وشرها أولها. (رواه مسلم:۱/۱۸۲،باب تسوية الصفوف،فيصل)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن إبراهيمؒ عن أبی معمرؒ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: "كان الرجال والنساء فی بنی إسرئيل يصلون جميعاً، فكانت المرأة لها الخليل، تلبس القالبين تطول بهما لخليلها، فألقى عليهنّ الحيض" فكان ابن مسعود رضی اللہ عنہ يقول: "أخروهن حيث أخرهن اللّٰه". إسناده صحيح. (مصنف

عبدالرزاق:۳/۱۴۹/۵۱۱۵،باب شهود النساء الجماعة،المجلس العلمی۔اعلاء السنن ۲/۲۲۴۔نصب الراية:۲/۳۶)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا مقام مردوں سے پیچھے ہے۔

تنبیہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اگرچہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم ہے۔

(۴) ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: صلى رسول اللّٰه ﷺ بامرأة من أهله وبى فأقامنى عن يمينه وصلت المرأة خلفنا. (رواه ابن ماجه:۱/۶۹،باب الاثنان جماعة)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ عن النبى ﷺ صلى بهم وامرأة من أهله فجعل أنساً عن يمينه والمرأة خلفه. وعن ثابتؒ قال: صليت مع أنس رضی اللہ عنہ فقمت عن يمينه وقامت أم ولده خلفنا. وعن هشامؒ قال: جئت إلى عروة رضی اللہ عنہ وهو يصلى وخلفه امرأة فأقامنى عن يمينه والمرأة خلفه. (مصنفِ ابن ابی شیبة: ۳/۶۸ ۵اذاكان الامام ورجل وامرأة ،كيف يصنعون،المجلس العلمی)

خلاصہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے مجھے اور ایک عورت کو اپنے اہل میں سے نماز پڑھائی اور مجھے داہنی جانب کھڑا کر دیا اور عورت کو پیچھے کھڑا کر دیا۔ معلوم ہوا کہ عورت کا یہی مقام ہے۔

(۴) بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: صليت أنا واليتيم فى بيتنا خلف النبى ﷺ وأمى أم سليم خلفنا. (رواه البخارى:۱/۱۰۱/۷۱۸،باب المرأة وحدها تكون صفاً)

یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور دو رکعات نماز پڑھائی میں اور یتیم حضور ﷺ کے پیچھے اور میری والدہ پیچھے صف میں کھڑی رہیں۔ معلوم ہوا کہ عورت کی تو صف بھی پیچھے ہونی چاہئے چہ جائیکہ امامت کرے۔

(۶) نیز آنحضور ﷺ نے مدۃ العمر کسی عورت کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھی اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پڑھیں۔

(۷) نیز عورتوں کی افضل نماز گھر کے کونہ میں ہے نہ مسجد میں نہ امامت کرنے میں۔

ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے:

عن عبداللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبى ﷺ قال: صلاة المرأة فى بيتها أفضل من صلاتها فى

Maktaba Tul Ishaat.com

حجرتها وصلا تهافی مخدعها أفضل من صلا تهافی بیتها. وفی هامشه : مخدعهاهوالبیت الصغیرالذی یکون فی داخل البیت،وقال السندی :هوالبیت الذی یخبأ فیه خیرالمتاع وهوالخزانة داخل البیت۔(ابوداؤدشریف مع الحاشیة:۱/۸٤،باب التشدیدفی خروج النساء الی المسجد)

(۸) نماز میں کوئی چیز پیش آئے تو عورتوں کو تصفیق کا حکم دیا گیا نہ کہ تسبیح کا کیونکہ آواز فتنہ کا باعث ہے اور امامت میں تو زیادہ فتنہ ہے لہذا بدرجہ اولی ممنوع ہوگی۔

ملاحظہ ہو: بخاری شریف میں ہے:

عن أبی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال:التصفیق للنساء والتسبیح للرجال. (رواه البخاری: ۱/۱۶۰/۱۱۸۹، باب التصفیق للنساء،فیصل)

عورت کی امامت کے سلسلہ میں بعض حضرات ابوداؤد شریف کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔جس میں ام ورقہ کی امامت کا ذکر ہے۔

ملاحظہ ہوابوداؤد شریف میں ہے:

عن أم ورقة بنت عبدالله بن الحارث رضی الله عنه.....وکان رسول الله ﷺ یزورها فی بیتها وجعل لها مؤذناً یؤذن لها وأمرها أن تؤم أهل دارها. (رواه ابوداؤد:۱/۸۷،باب إمامة النساء)

مذکورہ بالا حدیث کا جواب:

(۱) یہ حدیث ضعیف ہے۔اس حدیث کے رواۃ میں سے (۱) ولید بن جمیع (۲) عبدالرحمٰن بن خلاد (۳) ولید ابن جمیع کی دادی۔یہ سب مجروح اور مجہول رواۃ ہیں۔

ملاحظہ ہواعلاء السنن میں ہے:

قال المنذری فی مختصره:الولید بن جمیع فیه مقال، وقال ابن القطان فی کتابه:الولید ابن جمیع وعبد الرحمٰن بن خلاد لایعرف حالهما. (اعلاء السنن:٤/۲٤٥،ادارة القرآن۔وفتح القدیر:۱/۳٥٤،باب الامامة،دارالفکر)

قال الحافظ ابن حجرؒ فی التقریب:الولیدبن جمیع صدوق یهم ورمی بالتشیع. (تقریب التهذیب:ص۳۷۰)

وقال أیضاً:عبد الرحمٰن بن خلاد مجهول الحال. (تقریب التهذیب:ص۲۰۱)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بھی "بذل المجهود" میں ان راویوں پر کلام فرما کر ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (بذل المجهود: ٤/ ٢١٠)

نیز مذکور ہے:

وأما ما استدل به بعض العلماء على جواز إمامة المرأة للنساء والرجال فغير صحيح.

(بذل المجهود ٤/ ٢١٠)

بالفرض اگر روایت ثابت ہو جائے تب بھی اس میں مردوں کی امامت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ام ورقہ عورتوں کی ہی امام بنی ہوگی۔

عورتوں کی امامت اگر چہ ناپسندیدہ ہے لیکن بعض احوال اور ضرورتوں کی وجہ سے قابلِ برداشت ہے۔

تنبیہ: ام ورقہ کی اس روایت کو البانی صاحب نے حسن کہا ہے یہ ان کا وہم ہے۔

ملاحظہ ہو: حاشية صحيح ابن خزيمه: ٢/ ٨٠٢/ ١٦٧٦، المكتب الاسلامی۔

عورت کی امامت کے عدم جواز پر کتبِ فقہ کی عبارات ملاحظہ ہو:

مذہبِ احناف:

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

المرأة تخالف الرجل في مسائل منها.....ولا تؤم الرجال. (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح: ص ٢٥٩، فصل فی بيان سننها، قديمی۔ وهكذا فی الشامی: ١/ ٥٠٤، سعيد۔ والبحر الرائق: ١/ ٣٢١، الماجديه)

نیز شامی میں ہے:

إذا استخلفها الإمام وخلفه رجال ونساء فتفسد صلاة الكل أما الرجال والإمام فلعدم صحة اقتداء الرجال بالمرأة. (شامی: ١/ ٥٦٥، سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

وفسد اقتداء رجل بامرأة ونقل في المجتبى الإجماع عليه. (البحر الرائق: ١/ ٣٥٩، كوئتة)

مذہبِ مالکیہ:

المدونہ میں ہے:

وقال مالكؒ: لاتؤم المرأة. (المدونة: ١/ ٨٥، كتاب الصلاة، في الصلاة خلف السكران.....)

Maktaba Tul Ishaat.com

الثمر الدانی میں ہے:

ولاتؤم المرأة فی فریضة ولانافلة لارجالاً ولانساء.....قوله ولاتؤم المرأة.....وكما لاتؤم المرأة لايؤم الخنثى المشكل فإن ائتم بهما أحد أعاد أبداً على المذهب سواء كان من جنسهما أولا،.....فاعلم أن الذكورة المحققة شرط فی صحة الإمامة. (الثمرالدانی: ص ۱۰۰،باب الامامة،دارالفکر)

مذہبِ شافعیہ:

کتاب الام میں ہے: **قال الشافعیؒ:وإذا صلت المرأة برجال ونساء وصبيان ذكور فصلاة النساء مجزئة وصلاة الرجال والصبيان الذكور غير مجزئة لأن اللّٰه ﷻ جعل الرجال قوّٰمين على النساء و قصرهنّ عن أن يكن أولياء وغير ذلک ولايجوز أن تكون امرأة أمام رجل فی صلاة بحال أبداً**.....(کتاب الام:۱/۱۹۱،باب صفة الائمة،امامة المرأة للرجال۔وروضة الطالبین: ۱/۳۵۱،باب صفة الائمة،المکتب الاسلامی)

مذہبِ حنابلہ:

المغنی میں ہے: **وأما المرأة فلايصح أن يأتم بها الرجل بحال فی فرض ولانافلة فی قول عامة الفقهاء .....ولنا قول النبی ﷺ:"لاتؤمنّ امرأة رجلاً"ولأنها لاتؤذن للرجال فلم يجز أن تؤمهم كالمجنون، وحديث أم ورقة.....ولوقدرثبوت ذلک لأم ورقة لكان خاصاً بها بدليل أنه لايشرع لغيرها من النساء أذان ولاإقامة فتختص بالإمامة لاختصاصها بالأذان والإقامة.** (المغنی:۲/۳۳،احکام امامة المشرك والمرأة والخنثی،دارالکتب العلمیة)۔**واللہ ﷻ اعلم۔**

فصلِ دوم

جماعت کے احکام

خدمتگارانِ تبلیغ کا اجتماع گاہ میں جماعت کرنے کا حکم:

سوال: آنے والے مسئلہ کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

اجتماع کی تیاری کے لئے تقریباً ۶، ۷ ہفتے قبل کام شروع ہوجاتا ہے بہت سے لوگ مختلف علاقوں سے آتے ہیں ،عام طور پر ہم لوگ اجتماع گاہ میں نماز پڑھتے ہیں چاہے کوئی مسجد نزدیک ہو یا نہ ہو اور اس کی چند وجوہات ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) اس میں زیادہ سہولت ہے اور وقت کی زیادہ بچت بھی ہے۔

(۲) ہر نماز کے بعد مذاکرہ، ترغیبی اور تعلیمی بیانات ہوتے ہیں، مشورہ بھی ہوتا ہے حسبِ ضرورت فجر کے بعد ختم یٰسٓ، دعاء، ذکر اور دوسرے معمولات ہوتے ہیں، اکثر نمازوں کے بعد ضروری تقاضے مجمع کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

(۳) شام کے وقت بکثرت لوگ آتے ہیں حتی کہ بعض مرتبہ ۴۰۰ سے ۷۰۰ تک ہوجاتے ہیں لہذا نماز، کھانا، پینا اور رہنا ہر لحاظ سے انتظام کرنا پڑتا ہے۔

(۴) سامان کی حفاظت بھی مطلوب ہے اسی وجہ سے جمعہ بھی اجتماع گاہ میں پڑھتے ہیں تاکہ ہر وقت ایک جماعت حفاظت کی خاطر مقرر رہو۔

قریب زمانے میں ہمیں یہ بتایا گیا کہ جمعہ کی نماز اجتماع گاہ میں مسنون نہیں ہے جب کہ مسجد قریب ہو اور مسجد

Maktaba Tul Ishaat.com

میں وسعت بھی ہو، نیز حفاظت کرنے والوں کے علاوہ تمام کو پانچوں نمازوں کے لئے مسجد جانا ضروری ہے، کیا صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بہتر اور فضیلت کی بات تو یہ ہے کہ نماز باجماعت مسجد میں پڑھی جائے لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے اپنے طور پر جماعت کرلی جائے تو جماعت کی فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

چونکہ تبلیغی حضرات اجتماع گاہ میں کام کاج وغیرہ میں مصروف رہتے ہیں اور وہاں بکثرت لوگ آتے ہیں سب کا جانا مسجد میں مشکل ہوجاتا ہے نیز بعض کو سامان کی حفاظت کے لئے بھی رہنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے اپنی جماعت کرسکتے ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

واختلف العلماء فی إقامتها فی البیت والأصح أنها کإقامتها فی المسجد إلا فی الأفضلیة. (شامی: ۱/۵۵٤، سعید)

یعنی علماء نے گھر میں جماعت کرنے کے بارے میں اختلاف کیا ہے اصح قول یہ ہے کہ مسجد میں جماعت کرنے کی طرح ہے ہاں افضل وبہتر مسجد ہے۔

درمختار میں مرقوم ہے:

والجماعة سنة مؤکدة للرجال.....وأقلها اثنان مع الإمام ولو ممیزاً أو ملکاً أو جنیاً فی المسجد أو غیره.

طحطاوی علی الدر میں ہے:

فلو صلی فی بیته بزوجته أو جاریته أو ولده فقد أتی بفضیلة الجماعة. (طحطاوی علی الدر المختار: ۱/۲٤۰)

یعنی جماعت میں کم سے کم دو آدمی امام کے ساتھ ہوں اگرچہ ہوشیار بچہ یا فرشتہ یا جن ہو مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر ہو پس اگر کوئی بیوی بچوں یا باندی کے ساتھ جماعت کرلے تو اس نے جماعت کی فضیلت حاصل کی۔

علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں تحریر فرمایا ہے:

اختلف العلماء فی إقامتها فی البیت والأصح أنها کإقامتها فی المسجد إلا فی الأفضلیة وهو ظاهر مذهب الشافعیؒ قلت: ویظهر أن ما سیأتی عن الحلوانی مبنی علی ما مر منه من

وجوب الإجابة بالقدم وتقدم أن الظاهر خلافه فلذا صححوا خلاف ماقاله هنا . (منحة الخالق حاشية البحرالرائق: ۱/ ۳٤٥، كوئتة)

یعنی علماء نے جماعت گھر پر کرنے میں اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ مسجد کی طرح ہے مگر فضیلت میں اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب بھی ہے اور شمس الائمہ حلوانیؒ نے مسجد کے باہر جماعت کو بدعت کہا ہے یہ ان کے اس مذہب پر مبنی ہے کہ چلنا مسجد تک واجب ہے اور یہ خلافِ ظاہر ہے۔

بہرحال تبلیغی حضرات کو کوشش کرنا چاہئے کہ بعض ساتھی مسجد میں پہونچیں لیکن اجتماع گاہ میں بھی جماعت اور جمعہ جائز ہے، نیز معلوم ہوا کہ مسجد ایک کیلومیٹر دور بھی ہے، فقہاء لکھتے ہیں کہ ایک میل کی دوری پر پانی کے لئے جانا بھی ساقط ہوجاتا ہے اور تیمّم کرسکتا ہے لہذا اس صورت میں مسجد میں جانا بھی زیادہ ضروری نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسجد چھوڑ کر میدان میں جماعت کا حکم:

سوال: بعض حضرات تبلیغی جماعت پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ مسجد چھوڑ کر باہر اجتماع گاہ میں جماعت کرتے ہیں معترضین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسجد میں جماعت سنتِ مؤکدہ ہے باہر کی جماعت میں کوئی فضیلت نہیں ہے کیا ان کی یہ بات درست ہے یا نہیں؟ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت پیش کرتے ہیں جس میں مسجد کی جماعت کو سنن ہدیٰ فرمایا گیا ہے۔

الجواب: اگر مسجد سے باہر جماعت کرلی جائے تو جماعت کا ثواب مل جاتا ہے ہاں مسجد میں جماعت کا ثواب اس سے زیادہ ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں مرقوم ہے:

قوم تخلفوا عن المسجد وصلوا فی البیت بجماعة فإنهم ینالون فضل الجماعة لکن دون ما ینالون فی المسجد . (الفتاوی السراجیة:،قبیل باب الامامة، ص۷۸).

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

حتی لو صلی في بیته بزوجته أوجاریته أو ولده فقد أتی بفضیلة الجماعة ،کذا فی الشرح ، لکن فضیلة المسجد أتم . (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۲۸۷، باب الامامة).

فتاویٰ قاضیخان میں مذکور ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

والصحیح أن للجماعة فی البیت فضیلة وللجماعة فی المسجد فضیلة أخری فإذا صلی فی البیت بجماعة فقد حاز فضیلة أدائها بالجماعة وترک الفضیلة الأخری . یہ بات انہوں نے تراویح کے بارے میں لکھی ہے پھر بعد میں فرماتے ہیں: **وکذلک فی المکتوبات.** (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۱/۲۳۳، باب التراویح).

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لو صلی جماعة فی البیت علی هیئة الجماعة فی المسجد نالوا فضیلة الجماعة وهي المضاعفة بسبع وعشرین درجة لکن لم ینالوا فضیلة الجماعة الکائنة فی المسجد فالحاصل أن کل ما شرع فیه الجماعة فالمسجد فیه أفضل لما اشتمل علیه من شرف المکان وإظهار الشعائر وتکثیر سواد المسلمین . (یہ کلام انہوں نے تراویح کے بارے میں فرمایا ہے لیکن اس سے قبل لکھا ہے) **وهکذا فی المکتوبات أی الفرائض.** (شرح منیة المصلی ،ص ۴۰۲، ابواب التراویح، سهیل).

مذکورہ بالا عباراتِ فقہیہ سے بخوبی واضح ہوا کہ تبلیغی حضرات کو اجتماع گاہ میں جماعت کا ثواب ملتا ہے اور سنت ادا ہو جاتی ہے ہاں مسجد بہتر ہے لیکن بعض مصالح کی وجہ سے سب مسجد نہیں جا سکتے ،اور اجتماع والے لوگ مسجدوں میں سما بھی نہیں سکتے۔ باقی یہ بات کہ مسجد کے کیا فضائل ہیں تو وہ آپ مساجد کے فضائل میں بآسانی دیکھ سکتے ہیں، مثلاً سات آدمی عرش کے سایہ میں ہوں گے، ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کا دل مسجد کے ساتھ اٹکا ہوا ہو جب نکلتے ہیں تو واپس آنے کا سوچتے ہیں، اور ان دو صحابہ کا واقعہ تو مشہور ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد سخت اندھیرے میں ان کی لاٹھیوں سے روشنی نکلتی تھی، اور جو صبح و شام مسجد میں جاتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمانی کا انتظام فرمائیں گے، اور جب صرف نماز کی نیت سے مسجد کی طرف نکلتا ہے تو اس کا درجہ بلند ہوتا ہے اور گناہ مٹایا جاتا ہے پھر جب نماز پڑھ کر فارغ ہو جاتا ہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا مانگتے ہیں، یہ سب فضائل کتبِ احادیث میں مذکور و مشہور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا بھی یہی مطلب ہے کہ جماعت سنت ہے اس کو چھوڑنا نفاق کی علامت ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: **"من سره أن یلقی اللّٰه غداً مسلماً فیلحافظ علی هؤلاء الصلوات الخمس حیث ینادی بهن فإن اللّٰه شرع لنبیکم صلی اللّٰه علیه وسلم سنن الهدی**

وأنهن " أى الصلوات الخمس بالجماعة " (فتح المهلم) من سنن الهدى " أى من طريق الهدى" (فتح الملهم) ولو أنكم صليتم في بيوتكم كما يصلى هذا المتخلف في بيته لتركتم سنة نبيكم ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم. (رواه مسلم:۱/۲۳۲).

اس روایت میں " کمایصلی هذا المتخلف" سے پتہ چلتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ منفرد متخلف کو قابل وعید سمجھتے ہیں جس کے مقابلہ میں جماعت سے نماز پڑھنا قابل مدح وستائش ہے، ہاں دوسری روایت جو مسلم شریف میں مذکور ہے اس میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

لقد رأيتنا وما يتخلف عن الصلاة إلا منافق قد علم نفاقه أو مريض ان كان المريض ليمشي بين رجلين حتى يأتى الصلاة وقال : إن رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا سنن الهدى وإن من سنن الهدى الصلاة فى المسجد الذي يؤذن فيه . (رواه مسلم :۱/۲۳۲).

اس روایت کی ابتداء میں بھی متخلف منافق کا ذکر ہے جو جماعت کو چھوڑتا ہے تو اس کے مقابلہ میں نماز باجماعت ہی قابل مدح ولائق ثواب ہے، ہاں چونکہ جماعت شہروں اور آبادی میں عموماً مسجد میں ہوتی ہے اس لیے بنابر غالب مسجد کا ذکر فرمایا، لہذا بظاہر یہ قید احترازی نہیں دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کی نماز کو منفرد کی نماز سے ۲۷ درجہ فضیلت والی بتلایا ہے، اس میں مسجد کا ذکر نہیں ہے، نیز حدیث میں ہے: " الصلاة مع الإمام أفضل من خمس وعشرين صلاة يصليها وحده . (مسلم ۱/۲۳۱) . یہاں منفرد کے مقابلہ میں جماعت کی فضیلت وارد ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رمضان میں نمازِ عشاء مقامِ تراویح پر پڑھنے کا حکم:

سوال: رمضان میں ایک علاقہ میں متعدد مقامات پر نمازِ تراویح پڑھی جاتی ہے، مثلاً درس گاہوں میں، ہال میں، اور مختلف گھروں میں پڑھی جاتی ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا ان حضرات کو عشاء کی فرض نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے بعد اپنی اپنی جگہوں پر تراویح کے لیے جانا چاہئے یا فرض نماز بھی اپنے مقام پر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں؟ اس مسئلہ میں ہمارے یہاں کچھ اختلاف کی شکل ہو رہی ہے صحیح حکمِ شرعی بیان فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ نمازِ عشاء مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنے کے

Maktaba Tul Ishaat.com

بعد تراویح کے لیے اپنے مقام تراویح پر چلے جائیں، کیونکہ یہاں دو علیحدہ سنتیں ہیں؛ (۱) فرض نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا۔ (۲) فرض کی جماعت مسجد میں ہونا۔ لہذا بلا عذر فرض نماز مسجد میں باجماعت نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک سنت متروک ہوگی اور اس کا ثواب نہیں ملے گا، ہاں اگر کوئی عذر ہے۔ مثلاً: مقام تراویح مسجد سے کافی دور ہے اور سواری کا انتظام نہیں ہے یا قریب ہے لیکن رات کے وقت چل کر جانا خطرے سے خالی نہیں ہے، یا فرض نماز کے بعد مسجد سے نکلنا انتشار کا باعث بنتا ہو تو ان صورتوں میں مقام تراویح پر نمازِ عشاء باجماعت پڑھنے سے ان شاء اللہ پورا ثواب مل جائیگا۔

ہاں نمازِ تراویح باجماعت مسجد میں پڑھنا سنت علی الکفایہ ہے اس وجہ سے بعض حضرات مسجد میں پڑھ لیں گے تو سنت علی الکفایہ ادا ہو جائے گی، پھر دوسرے حضرات اپنے اپنے مقام پر تراویح کی جماعت کر سکتے ہیں اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ہاں مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔

ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

اختلف العلماء في كونها سنة أومتطوعاً ...روى الحسن عن أبى حنيفةؒ أن التراويح لايجوز تركها وقال الشهيد: هوالصحيح وفى جوامع الفقه التراويح سنة موكدة والجماعة فيها واجبة وكذا فى المكتوبات قال: وذكر فى الروضة أن الجماعة فضيلة وفى الذخيرة عن أكثر المشايخ أن إقامتها بالجماعة سنة على الكفاية ومن صلى فى البيت فهو تارك فضيلة المسجد وفى المبسوط لوصلى إنسان فى بيته لايأثم فعلها ابن عمرؓ وسالم والقاسم وإبراهيم ونافع فدل هذا على أن الجماعة فى المسجد سنة كفاية أى لايظن بابن عمرؓ ومن معه ترك السنة وهذا هوالصواب . (البناية فى شرح الهداية: ۱/۸٦۷، ط: فيصل آباد، پاكستان).

فتاوی قاضیخان میں ہے:

والحاصل أن الجماعة سنة على الكفاية ، إن ترك أهل المسجد كلهم فقد أساؤوا وتركوا السنة ، وإن أقيمت التراويح فى المسجد بالجماعة وتخلف رجل من آحاد الناس وصلى فى بيته ، يكون تاركاً للفضيلة ، ولا يكون مسيئاً ولا تاركاً للسنة . وفيه بعد أسطر: وإن صلى بجماعة فى البيت اختلف فيه المشايخ ، والصحيح أن للجماعة فى البيت فضيلة وللجماعة فضيلة أخرى ، فإذا صلى فى البيت بجماعة فقد حاز فضيلة أدائها بالجماعة ،

وترک الفضیلة الأخری ، هکذا قاله الإمام أبوعلی النسفیؒ ، والصحیح أن أدائها بالجماعة فی المسجد أفضل ، لأن فیه تکثیراً للجماعة، وکذلک فی المکتوبات. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة:۱/۲۳۳، باب التراویح).

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وإن صلی أحد فی بیته بالجماعة حصل لهم ثوابها وأدرکوا فضلها، ولکن لم ینالوا فضل الجماعة التی تکون فی المسجد لزیادة فضیلة المسجد وتکثیر جماعته وإظهار شعائر الإسلام ، وهکذا فی المکتوبات أی الفرائض ، لوصلی جماعة فی البیت علی هیئة الجماعة فی المسجد نالوا فضیلة الجماعة وهی المضاعفة بسبع وعشرین درجة . (شرح منیة المصلی ،ص:۴۰۲،سهیل،وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ۲۸۶، باب الامامة). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

جماعت سے نماز نکلنے کے خوف سے وضو میں تخفیف کا حکم:

سوال: اگر جماعت سے نماز شروع ہوگئی اور تین تین مرتبہ وضو کرنے میں جماعت کے ساتھ نماز نکلنے کا خطرہ ہے تو جماعت کو ترجیح دینا چاہئے یا سنتِ وضو کے مطابق وضو کو ترجیح دینی چاہئے کیونکہ وضو میں تثلیث سنت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جماعت سے نماز کو ترجیح دینا چاہئے اور وضو میں تخفیف کرلے،فقہاءؒ کی عبارات میں اس کی نظیر ملتی ہے جماعت فوت ہونے کے خوف سے سنت کو ترک کیا جائیگا۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

ذکر أن له الاقتصار علی الفاتحة وتسبیحة وحدة وترک الثناء والتعوذ فی سنة الفجر أوالظهر لوخاف فوت الجماعة لأنه إذا جاز ترک السنة لإدراک الجماعة فترک سنة السنة أولیٰ. (فتاوی الشامی:۱/۵۴۰،سعید).

وفی تقریرات الرافعی: قال : المناسب أن یقول: فترک سنة السنة أو واجبها أولی حتی یتم الاستدلال علی جواز الاقتصار علی الفاتحة. (التحریرالمختار:۱/۶۶،سعید).

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

Maktaba Tul Ishaat.com

وظاهر التفرقة بين سنة الفجر وغيرها أنه ليس له ترک صلاة الجماعة لأنها من الشعائر فهي آكد من سنة الفجر ولذا يتركها لوخاف فوت الجماعة . (ردالمحتار:۲/۱۵،سعید).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

قوله: إلا سنة الفجر إذا أمن فوت الجماعة إنما خصت سنة الفجر لأن لها فضيلة عظيمة قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:"ركعتا الفجرخير من الدنيا وما فيها وروى صلوهما وإن طردتم الخيل أو أن فيها الرغائب ولكن لماكانت للجماعة فضيلة أيضاً يعمل بها بقدرالإمكان عند التعارض فإن خشي فوت الجماعة دخل مع الإمام لأنه لما تعذر إحرازهما يحرز أفضلهما وهوالجماعة لأنه إن ورد الوعد في سنة الفجر لم يرد الوعيد بتركها وقد ورد الوعد والوعيد في الجماعة فعنه صلى اللّٰه عليه وسلم يد اللّٰه مع الجماعة من شذ شذ في النار ، وسئل ابن عباسؓ عن رجل يقول بالليل ويصوم بالنهار ولايحضر الجماعة ،قال: هو في النار وأيضاً الجماعة مكملة ذاتية والسنة مكملة خارجية. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص:۱۹۰،قدیمی).

فتح القدیر میں ہے:

قالوا: أول ما يبدأ به داخل المسجد محرماً كان أولا الطواف لا الصلاة اللهم إلا إن دخل في وقت منع الناس من الطواف أوكان عليه فائتة مكتوبة أوخاف فوت المكتوبة أوالوتراوسنة راتبة اوفوت الجماعة في المكتوبة فيقوم كل ذلک على الطواف ثم يطوف.

(فتح القدیر: ۲/۴۴۸،دارالفکر).

البتہ فتاویٰ حقانیہ میں یہ مرقوم ہے کہ وضو کی سنن کی تکمیل کرے اگرچہ جماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

شریعتِ مقدسہ میں اسباغِ وضو کا حکم ہے یعنی وضو کے جملہ فرائض، سنن اور آداب کو پورا کرنے کا حکم ہے، اس لیے جماعت کے فوت ہونے کے خوف سے سنن وضو ترک نہ کی جائیں اگرچہ جماعت فوت ہوجائے۔ (فتاویٰ حقانیہ:۲/۵۱۲)۔

یہ فتویٰ دراصل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند سے منقول ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سنن وضو کا پورا کرنا ضروری ہے اگر چہ جماعت ختم ہو جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کبیر: ۱/۱۰۲)۔

لیکن اس مسئلہ کا صریح جزئیہ کتبِ احناف میں دستیاب نہیں ہوا، ہاں کتبِ شافعیہ میں یہ جزئیہ بصراحت موجود ہے، اور جب کسی مسئلہ کا صریح جزئیہ کتبِ احناف میں موجود نہ ہو اور وہ مسئلہ اصولِ مسلمہ کے خلاف بھی نہ تو ہمارے فقہاء اس جزئیہ پر فتویٰ دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں: " **وقواعدنا لا تأباه** " ۔ اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں بطورِ "مشتے نمونہ از خروارے" چند درج ذیل ہیں:

(۱) **ينبغي أن يكون المسح واجباً في مواضع ...منها إذا خاف فوت الوقوف بعرفة لو غسل رجليه ولم أرمن صرح بهذا من أئمتنا لكني رأيته في كتب الشافعية وقواعدنا لاتأباه.** (البحرالرائق: ۱/۱۶۵، کوئٹہ).

(۲) **والموطوئة بشبهة ...ومنه ما في كتب الشافعية إذا أدخلت منياً فرجها ظنته مني زوج أو سيد عليها العدة كالموطوئة بشبهة قال في البحر : و لم أره لأصحابنا والقواعد لاتأباه لأن وجوبها لتعرف براء ة الرحم.** (ردالمحتار: ۳/۵۱۷، سعید).

(۳) **سئل الخيرالرملي عما إذا كانت اللثغة يسيرة . فأجاب بأنه لم يرها لائمتنا، وصرح بها الشافعية بأنه لوكانت يسيرة بأن ياتي بالحرف غير صاف لم توثر، قال : وقواعدنا لاتأباه ، وبمثله أفتى تلميذ الشارح المرحوم الشيخ إسمعيل الحائک مفتي دمشق الشام.** (فتاوی الشامی: ۱/۵۸۲، سعید).

(۴) **وأما تقبيل الخبز فحرر الشافعية أنه بدعة مباحة وقيل حسنة وقالوا: يكره دوسه لا بوسه ذكره ابن قاسم في حاشيته على شرح المنهاج لابن حجرفي بحث الوليمة وقواعدنا لاتأباه .** (الدرالمختار: ۶/۳۸۴، سعید). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسجدِ محلّہ میں جماعت فوت ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد جانے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو اپنے محلے کی مسجد میں دو رکعت مل سکتی ہو اور دوسری جگہ جو محلّہ کی مسجد نہیں ہے پوری نماز باجماعت مل رہی ہے تو دور جانا چاہئے یا اپنی مسجد ہی میں دو رکعت میں شامل ہو جائے؟

الجواب: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب یا سنتِ مؤکدہ ہے۔ کما فی الدر: والجماعة سنة

Maktaba Tul Ishaat.com

مؤكدة للرجال،قال الزاهدى:أرادوا بالتأكيد الوجوب وقيل واجبة وعليه العامة أى عامة مشائخنا. (الدر المختار ۱/۵۵۲،سعيد)

نیز اپنے ہی محلے کی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا افضل ہے اور اس محلے کا حق ہے۔ **كما فى الشامى: قوله ومسجد حيه أفضل من الجامع.....لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن فانه يذهب إليه ويؤذن فيه ويصلى ولوكان وحده لأن له حقاً عليه فيؤديه.** (الشامى:۱/۶۵۹،سعيد)

اور اگر جماعت کے ساتھ نماز اپنے محلّہ کی مسجد میں فوت ہوجائے تو دوسری مسجد میں تلاش کرنا ضروری نہیں۔ **كما فى بدائع الصنائع:إذا فاتته الجماعةلايجب عليه الطلب فى مسجد آخر.** (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۶،سعيد)

مذکورہ بالا عبارات سے پتہ چلا کہ اگر اپنے محلّہ کی مسجد میں جماعت سے نماز مل جانے کی امید ہے اگرچہ چند رکعات فوت ہوجائیں تب بھی بہتر یہ ہی ہے کہ اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز ادا کرے ہاں اگر جماعت کلیۃً فوت ہوچکی ہو اور دوسری مسجد میں جماعت کی نماز ملنے کی امید ہو تو اس کو اختیار ہے چاہے تو تنہا نماز اپنی مسجد میں پڑھ لے اور چاہے تو دوسری مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ **كما فى بدائع الصنائع:إذا فاتته الجماعة فى مسجد حيه فإن أتى مسجداً آخر يرجو إدراك الجماعة فيه فحسن وإن صلى فى مسجد حيه فحسن.** (بدائع الصنائع:۱/۱۵۶،سعيد)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسجدِ محلّہ کے علاوہ دوسری مسجد قریب ہے اور اس میں جماعت ملنا یقینی ہے تو پھر دوسری مسجد جانا چاہئے تاکہ جماعت اور مسجد دونوں کا ثواب مل جائے اور دوسری مسجد کا مقام صلاۃ قیامت کے دن اس کے لئے گواہی دیدے، احادیث میں جماعت کی فضیلت وارد ہے اپنی مسجد کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نجاست کا تھیلا ساتھ رکھ کر مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی بیمار ہے اس کے پیٹ کے ساتھ ایک تھیلا لگا دیا گیا جس میں فضلہ نلکی کے ذریعہ آتا ہے، جو عموماً مقعد کے راستہ سے نکلتا ہے، اس آدمی کا مسجد میں آنا اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ یہ نجاست کو مسجد میں داخل کرنے کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اور بدبو ہونے یا نہ ہونے سے مسئلہ میں فرق پڑے گا یا نہیں؟

الجواب: عام حالات میں بدبودار چیز یا نجاست مسجد میں داخل کرنا مکروہِ تحریمی ہے خصوصاً جب کہ تلویثِ مسجد کا اندیشہ ہو، لیکن جو شخص معذور ہے جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں تو یہ تھیلا اس کے پیٹ اور معدہ کے حکم میں ہوگا، لہذا اگر بدبو نہ ہو اور چھپا ہوا ہو اور لوگوں کے لئے باعثِ نفرت نہ ہو تو اس کا مسجد جانا جائز اور درست ہے۔ ہاں تھیلے میں خروجِ نجاست ناقض وضو ہے لیکن چونکہ یہ آدمی معذور ہے اس کے معدے سے نجاست برابر نکلتی رہتی ہے اس لیے اس کا وضو وقت کے نکلنے سے ٹوٹیگا الا یہ کہ دوسرا ناقض پایا جائے۔

نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں مستحاضہ عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا ثابت ہے اگرچہ نجاست ساتھ تھی لیکن چھپی ہوئی تھی اور بدبو وغیرہ بھی نہیں تھی لہذا آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نکیر نہیں فرمائی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا قالت: اعتکفت مع رسول اللّٰہ ﷺ إمرأة من أزواجه مستحاضة فکانت تری الحمرة والصفرة فربما وضعنا الطست تحتها وهی تصلی. (رواه البخاری: ۱/۲۷۳/۱۹۹۱، باب اعتکاف المستحاضة، فیصل)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ کپڑے یا مسجد ملوث نہ ہو تو ٹھیک ہے اسی طرح جو مستحاضہ کے معنی میں ہے یعنی معذور وغیرہ ان کے لئے بھی مسجد میں داخل ہونے اور اعتکاف کرنے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

ومما یستنبط منه: جواز اعتکاف المستحاضة، وجواز صلاتها لأن حالها حال الطاهرات وإنها تضع الطست لئلا یصیب ثوبها أو المسجد وأن دم الاستحاضة رقیق لیس کدم الحیض، ویلحق بالمستحاضة مافی معناها کمن به سلس البول والمذی والودی ومن به جرح یسیل فی جواز الاعتکاف. (عمدة القاری: ۳/۱۳۰، کتاب الحیض، باب الاعتکاف للمستحاضة، دار الحدیث، ملتان)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تنہا عورتوں کی جماعت کا حکم:

سوال: کیا عورتیں تنہا جماعت بنا کر نماز پڑھ سکتی ہیں؟

الجواب: عورتوں کا انفراداً نماز پڑھنا افضل ہے جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

لیکن آج کل ضرورت کی وجہ سے مثلاً حافظہ کو قرآن یاد رکھنا ہے تو گھر کی عورتیں یا چند عورتیں یا حافظات جمع ہو کر جماعت کریں تو بلا کراہت جائز ہونا چاہئے، ہاں فتنہ وغیرہ کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے۔

کراہت والے قول کے دلائل ملاحظہ ہوں: فتاویٰ شامی میں ہے:

ذکر الزیلعی أنها تخالف الرجل فی عشر، وقد زدت أکثر من ضعفها:.....وتکره جماعتهن. (شامی: ۱/۵۰۴، سعید)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

المرأة تخالف الرجل فی مسائل منها.....وتکره جماعتهن. (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۵۹، فی بیان سننهاقدیمی)

البحر الرائق میں ہے:

إن المرأة تخالف الرجل فی عشر خصال.....وتکره جماعتهن. (البحرالرائق: ۱/۳۲۱، کوئٹة)

درمختار میں ہے:

و یکره تحریما جماعة النساء ولو التراویح. (شامی ۱/۵۶۵ باب الامامة)

عالمگیری میں ہے:

ویکره إمامة المرأة للنساء فی الصلوات کلها من الفرائض والنوافل إلافی صلاة الجنازة وکذا فی النهایة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۸۵)

شرح عنایہ میں ہے:

(ویکره للنساء أن یصلین جماعة لأنهن فی ذلک لا یخلون عن ارتکاب محرم)أی مکروه لأن إمامتهن إما أن تتقدم علی القوم أوتقف وسطهن وفی الأول زیادة الکشف و هی مکروهة، وفی الثانی ترک الإمام مقامه وهومکروه، والجماعة سنة وترک ما هوسنة أولی من ارتکاب مکروه.وفی أن الأفضل بکل من النساء والعراة أن یصلی وحده . (شرح عنایة علی الهدایة: ۱/۳۵۲ ،باب الامامة علی هامش فتح القدیر۔وکذا فی فتح القدیر: ۱/۳۵۲ ،باب الامامة)

البحر الرائق میں ہے:

وکره جماعة النساء لأنها لاتخلوعن ارتکاب محرم وهو قیام الإمام وسط الصف

فیکرہ کالعراۃ کذا فی الھدایۃ وھویدل علی أنھا کراھۃ تحریم لأن التقدم واجب علی الإمام للمواظبۃ من النبی ﷺ وترک الواجب موجب لکراھۃ التحریم المقتضیۃ للاثم.

(البحرالرائق: ۱/ ۳۵۱،باب الامامۃ،کوئتۃ)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

عورت حافظہ ہے قرآن نہ سنانے کی وجہ سے بھول جانے کا احتمال ہے تب بھی تراویح باجماعت کی اجازت نہیں تنہا تنہا پڑھ لیں،عورتوں کے لئے جماعت مکروہ تحریمی ہے اگرچہ تراویح ہو۔

مالابدمنہ میں ہے:

جماعتِ زنان تنہا نزد امام ابوحنیفہؒ مکروہ است ونزد دیگر ائمہ جائز است۔(فتاوی رحیمیہ:۴/ ۳۹۸)

دوسری جگہ مرقوم ہے:

عورتوں کو چاہئے کہ پنجگانہ نماز اور نمازِ تراویح اور وتر منفرداً (تنہا تنہا) پڑھیں ان کے لئے جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔بحوالہ شامی،(فتاوی رحیمیہ:۱/ ۳۴۷)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

نماز میں صرف عورتوں کا جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔(عمدۃ الفقہ:۲/ ۱۱۵،مجددیہ)

بلاکراہت جائز کہنے والوں کے دلائل:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عورتوں کی امامت کرتی تھیں۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبۃ میں ہے:

(۱) **حدثنا سفیان بن عیینۃ ،عن عمار الدھنی، عن امرأۃ من قومہ اسمھا حجیرۃ قالت:أمتنا أم سلمۃ**رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا**قائمۃً وسط النساء.**

(۲)**حدثنا علی بن مسھر،عن سعید عن قتادۃ،عن أم الحسن:أنھا رأت أم سلمۃ** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا **زوج النبی ﷺ تؤم النساء: تقوم معھن فی صفھن.**

(۳)**حدثنا علی بن ھاشم،عن ابن أبی لیلی ،عن عطاء،عن عائشۃ** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا : **أنھا کانت تؤم النساء: تقوم معھن فی الصف.**

(۴)**حدثنا ھشیم قال:أخبرنا یونس،عن الحسن و مغیرۃ،عن إبراھیم وحصین،عن**

Maktaba Tul Ishaat.com

الشعبی قال:تؤم المرأة النساء فی صلاة رمضان:تقوم معهن فی صفهن.

(۵)حدثنا ابن نمیر، عن حریث، عن حمید بن عبد الرحمن أنه قال:لابأس أن تؤم المرأة النساء:تقوم معهن فی الصف. (مصنف ابن أبی شیبة:۳/ ۵۷۰،۵۶۹،المجلس العلمی)

نیز محقق ابن ہمامؒ نے بھی بلا کراہت جواز کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

ولکن یبقی الکلام بعد هذا فی تعیین الناسخ،إذ لابد فی إدعاء النسخ منه، ولم یتحقق فی النسخ إلاماذکربعضهم من إمکان کونه ما فی أبی داؤد وصحیح ابن خزیمة، صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلا تها فی حجرتها، وصلا تها فی مخدعها أفضل من صلا تها فی بیتها یعنی الخزانة التی تکون فی البیت.وروی ابن خزیمة عنه ﷺ:إن أحب صلاة المرأة إلی الله فی أشد مکان فی بیتها ظلمة،وفی حدیث له ولابن حبان:وأقرب ما تکون من وجه ربها وهی فی قعربیتها،ومعلوم أن المخدع لایسع الجماعة، وکذا قعربیتها وأشده ظلمة ولایخفی ما فیه، وبتقدیرالتسلیم فإنما یفید نسخ السنیة، وهو لایستلزم ثبوت کراهة التحریم فی الفعل بل التنزیه ومرجعها إلی خلاف الأولی، ولاعلینا أن نذهب إلی ذلک فإن المقصود اتباع الحق حیث کان. (فتح القدیر:۱/ ۳۵۴،دار الفکر)

حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے مجموعۃ الفتاوی میں بلا کراہت جواز تحریر فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو:

اکثر حنفیہ کے نزدیک عورتوں کی جماعت مکروہ ہے،مگر کوئی معتد بہ دلیل کراہت پر پائی نہیں جاتی اور جو دلیلیں فقہاء نے کراہت پر قائم کی ہیں وہ مخدوش ہیں چنانچہ فتح القدیر اور بنایہ شرح ہدایہ کے دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے اور اخبار وآثار سے اس جماعت کی مشروعیت ثابت ہے جس میں عورتیں ہی عورتیں ہوں،محمد بن حسنؒ نے کتاب الآثار میں لکھا ہے:**أخبرنا أبوحنیفة نا حماد عن ابراهیم عن عائشة** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **أنها کانت تؤم النساء فی شهررمضان فتقوم وسطهن.** خبردی ہم کو ابوحنیفہؒ نے ان کو حماد نے بروایت ابراہیمؒ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ماہِ رمضان میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں اور ابن حجر عسقلانیؒ تخریج احادیث شرح رافعی میں لکھتے ہیں:**أخرج ابن أبی شیبةؒ ثم الحاکم من طریق أبی لیلی عن عطاء عن عائشة** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **أنها کانت تؤم النساء فتقوم معهن فی الصف وأخرج الشافعی**

وابن أبی شیبة وعبد الرزاق عن أم سلمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها أنها أمت النساء فقامت وسطهن. ابن ابی شیبہؒ اور حاکمؒ نے بسند حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور ان کے ساتھ صف میں کھڑی ہوتی تھیں اور شافعی اور ابن ابی شیبہؒ اور عبدالرزاقؒ نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ انھوں نے عورتوں کی امامت کی اور درمیان میں کھڑی ہوئیں، اور مستدرک حاکم میں مروی ہے: إن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها كانت تؤذن وتقيم وتؤم النساء فتقوم وسطهن. حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اذان دیتی تھیں اور اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں، اس کو علامہ عینیؒ نے بنایہ میں بیان کیا ہے، ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جو عورتوں کی امام ہو تو بیچ میں کھڑی ہو مردوں کے امام کی طرح آگے نہ کھڑی ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب عورت امام ہوسکتی ہے تو اس کو قراءت اور تکبیر بالجہر بھی کرنا مشروع ہے کیونکہ بغیر اس کے اقتداء نہیں ہوسکتی اور عورتوں کی آواز اگر چہ بعضوں کے نزدیک ستر ہے لیکن وہ مردوں کے حق میں ہے نہ کہ عورتوں کے حق میں اور اس مبحث کی پوری تحقیق جیسی ہونی چاہئے میں نے اپنے رسالہ ''تحفة النبلاء فيما يتعلق بجماعة النساء'' میں کی ہے جو چاہے مطالعہ کرلے۔ (مجموعۃ الفتاوی: ۲۶۸، میر محمد کتب خانہ)

مزید ملاحظہ ہو: البنایۃ فی شرح الھدایۃ: ۱/ ۲۵، باب الامامۃ فیصل آباد۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لئے مسجد جانے کا حکم:

سوال: قرآن اور سنت کی روشنی میں عورتوں کا مسجد میں نماز کے لئے جانا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: قرآن اور سنت کی روشنی میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو گھر میں بلکہ گھر کے کونے میں نماز پڑھنا افضل ہے، مساجد جانا جب کہ زمانہ پُرفتن ہے اور فحاشیاں عام ہیں پردہ نشین خواتین کے لئے زیبا نہیں نیز شریعت مطہرہ نے اس کو پسند نہیں کیا۔

دلائل ملاحظہ ہوں:

(۱) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ازواجِ مطہرات (جو کہ تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں) کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وقرن فی بیوتکن﴾ یعنی گھر میں قرار سے رہو، لہذا دوسری خواتین کو کہاں لائق ہے کہ مساجد میں نماز کے لئے جائیں جب کہ وہاں مردوں کا اختلاط بھی ہوتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

نیز احادیث میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات عورتوں کے حق میں بھی یہی ہیں کہ گھر کے کونے میں نماز پڑھیں یہ شریعت کا منشاء ہے اور آپ نے گھر میں نماز پڑھنے کو پسند فرمایا ہے، اسی میں آپ ﷺ کی سنت کی اقتداء ہے اور اتباعِ سنت میں کامیابی ہے جیسا کہ حضرت ام حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ نے آپ ﷺ کی تعلیم پر عمل کیا اور پوری زندگی گھر میں نماز پڑھی۔

(۲) ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

(۱) **عن أم سلمة** رضی اللہ تعالیٰ عنہا **قالت: قال رسول الله ﷺ: صلاة المرأة فی بیتها خیر من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی حجرتها خیر من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها خیر من صلاتها خارج.** رواه الطبرانی فی الأوسط ورجاله رجال الصحیح خلا زید بن مهاجر. (مجمع الزوائد: ۲/۳٤، باب خروج النساء الی المساجد، دارالفکر)

(۲) **عن ابن مسعود** رضی اللہ عنہ **قال: صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها أفضل من صلا تها فیما سواها ثم قال: إن المرأة إذا خرجت استشرفها الشیطان.** رواه الطبرانی فی الکبیر و رجاله رجال الصحیح. (مجمع الزوائد: ۲/۳٤، باب خروج النساء الی المساجد، دار الفکر)

(۳) ابوداؤد شریف میں ہے:

عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ **عن النبی ﷺ قال: صلاة المرأة فی بیتها أفضل من صلا تها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها أفضل من صلاتها فی بیتها. و فی هامشه:** مخدعها هو البیت الصغیر الذی یکون فی داخل البیت، وقال السندی: هو البیت الذی یخبأ فیه خیر المتاع وهو الخزانة داخل البیت). (رواه أبو داؤد: ۱/۸٤ باب التسدید فی ذلك)

(۴) **عن أم حمید** رضی اللہ تعالیٰ عنہا **امرأة أبی حمید الساعدی** رضی اللہ عنہ **عن النبی ﷺ أنه قال لها: قد علمت أنک تحبین الصلاة معی وصلا تک فی بیتک خیر من صلا تک فی حجرتک وصلا تک فی حجرتک خیر من صلا تک فی دارک وصلا تک فی دارک خیر من صلا تک فی مسجد قومک وصلا تک فی مسجد قومک خیر من صلا تک فی مسجدی. فأمرت، فبنی لها مسجد فی أقصی شیء من بیتها وأظلمه، فکانت تصلی فیه حتی**

لقيت الله عزوجل. إسناده حسن۔ (صحيح ابن خزيمة: ۲/۸۱۵/۱۶۸۹، المكتب الاسلامی۔ورواه الامام أحمد۔وابن حبان ،كذا فی كنز العمال:۷/۶۷۶)

(۵) صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنها **زوج النبی ﷺ قال:خيرمساجد النساء قعربيوتهن.** إسناده حسن.(صحيح ابن خزيمة:۲/۸۱۳/۱۶۸۳، المكتب الاسلامی)

(۶)عن عبد اللّٰه رضی اللہ عنہ **عن النبی ﷺ قال:إن المرأة عورة،فإذاخرجت استشرفهاالشيطان وأقرب ما تكون من وجه ربها وهی فی قعربيتها.** إسناده صحيح۔(صحيح ابن خزيمة: ۲/۸۱۳/۱۶۸۵،المكتب الاسلامی)

(۷)عن عبد اللّٰه رضی اللہ عنہ **عن النبی ﷺ قال:"إن أحب صلاة تصليها المرأة إلى الله فی أشد مكان فی بيتها ظلمة.** قال الهثيمی:رواه الطبرانی فی الكبيرورجاله موثوقون وإسناده حسن. (صحيح ابن خزيمة:۲/۸۱۶/۱۶۹۱، باب اختيار صلاة المرأة فی أشد مكان من بيتها ظلمة،المكتب الاسلامی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا منشاء بھی یہی تھا کہ فتنہ وفساد کی وجہ سے عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنا چاہئے، چنانچہ فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے آج کل عورتوں نے کیا نئی چیزیں شروع کردی ہیں تو ضرور منع فرماتے۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عمرة قالت:سمعت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها **تقول:لورای رسول الله ﷺ ما أحدث النساء بعده لمنعهن المساجدكما منعت نساء بنی إسرائيل، فقلت ما هذه؟أومنعت نساء بنی إسرائيل؟قالت:نعم.** (صحيح ابن خزيمه:۲/۸۱۸/۱۶۹۸،المكتب الاسلامی۔ورواه البخاری:۱/۱۲۰ ۔ والمسلم:۱/۱۸۳)

علامہ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہؒ نے مستقل باب قائم کیا جس کا عنوان یہ ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اگرچہ نماز کی بہت فضیلت ہے لیکن عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے اور فضیلت والی حدیث میں مرد مراد ہیں نہ کہ عورتیں۔ملاحظہ ہو:

باب اختيارصلا ة المرأة فی حجرتها على صلاتهافی دارها وصلا تها فی مسجد قومها على صلا تها فی مسجد النبی ﷺ وإن كانت صلاة فی مسجد النبی ﷺ تعدل ألف صلاة فی

Maktaba Tul Ishaat.com

غیرها من المساجد، والدلیل علی أن قول النبی ﷺ: صلاة فی مسجدی هذا أفضل من ألف صلاة فیما سواه من المساجد" أراد به صلاة الرجال دون صلاة النساء:

أخبرنا أبوطاهر.....عن عبد الله بن سوید الأنصاری عن عمته امرأة ابن حمید الساعدی أنها جاء ت النبی ﷺ فقالت: یا رسول الله إنی أحب الصلاة معک فقال.....الخ کما مر. (رواه ابن خزیمة: ۱۶۷۹/۸۱۵/۲، وإسناده حسن ،المکتب الاسلامی)

ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنے کے بجائے اکیلے نماز پڑھنے میں پچیس درجہ زیادہ ثواب ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"**صلاة المرأة تفضل علی صلا تها فی الجمع خمساً وعشرین درجةً.** (الفردوس بمأثور الخطاب: ۳۸۲۶/۳۸۹/۲، عن ابن عمر،دارالکتب العلمیة)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اشکال: اگر کوئی اشکال کرے کہ زمانہ نبوی میں تو عورتیں مساجد میں جایا کرتی تھیں پھر موجودہ دور میں روکنے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: یقیناً دورِ نبوی میں عورتیں مساجد میں نماز وغیرہ کے لئے جایا کرتی تھیں، لیکن موجودہ دور میں چند وجوہات کی بنا پر روکا جاتا ہے:

(۱) دورِ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کا سلسلہ جاری تھا مسجد نبوی تعلیمِ دین کا مرکز تھی اور احکام اسلام بتدریج نازل ہوتے تھے اور جس طرح احکام نازل ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیان فرماتے اور صحابہ ان کو عمل میں لاتے، جس طرح مرد مکلّف ہیں اسی طرح عورتیں بھی مکلّف ہیں لہذا ان کو بھی احکامِ اسلام جاننے کی ضرورت تھی اس وجہ سے نماز میں شامل ہوتیں تاکہ جو نئے احکام نازل ہوں وہ آپ کی زبانی سنیں اور عمل میں لائیں اور امت کی دیگر آنے والی خواتین تک پہنچائیں، چنانچہ اسی طرح ہوا کہ صحابیات اور ازواجِ مطہرات کے ذریعہ دین کا بڑا حصہ امت تک پہنچا جو احادیث پڑھنے پڑھانے والوں پر مخفی نہیں ہے۔

لہذا یہ مقصدِ عظیم پوشیدہ تھا، اس زمانہ میں تعلیم وتبلیغ گھر گھر ہو رہی ہے اور وسائل بھی بے شمار مہیا ہو چکے ہیں اب خواتین کو مسجد تک جانے اور تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

(۲) زمانہ نبوی خیر القرون کا زمانہ تھا افشاءِ شر سے اطمینان تھا، فتنہ وفساد کا سدِ باب تھا اس وقت مسجد میں جانا

پرامن تھا کسی خطرہ کا اندیشہ نہ تھا لہذا دورِ نبوی کو موجودہ دور پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا؟

جب کہ روزانہ نئے نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں عریانی اور فحاشی کا سیلاب موجزن ہے افشاءِ شر کے وسائل زیادہ ہیں خیر کی امیدیں کم ہیں فساق وفجار کا غلبہ زیادہ ہے، نیز عورتوں کے فیشن دن بدن ترقی کرتے جارہے ہیں، ایسے دور میں مسجد جانے کے لئے گھر سے نکلنا فتنہ سے خالی نہیں، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس زمانہ کی عورتوں کو دیکھ لیتے کہ کیا کیا ایجاد کیا ہے تو ضرور منع فرماتے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زمانہ بھی دورِ نبوی سے قریب کا تھا اگر اس زمانہ کا حال ماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوجائے تو ایک سیکنڈ کی اجازت گوارہ نہ فرمائیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ زمانہ جاہلیت پلٹ کر آرہا ہے تو خلافِ صواب نہ ہوگا۔

(۳) زمانہ نبوی میں صحابیات مساجد میں جاتی تھیں وہ بہت اہتمام کے ساتھ جایا کرتی تھیں اور ہر جگہ پر ان کی رہنمائی ہوتی تھی مثلا:

(۱) پردہ کا کافی لحاظ ہوتا تھا روایت میں آتا ہے کہ سوتی موٹی چادریں اس طرح لپیٹ لیتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لئے نظر آتی تھی اور پورا جسم موٹی چادر میں پوشیدہ ہوتا تھا اور موجودہ دور کی خواتین کا پردہ ایک تزیین ہے۔

(۲) بناؤ سنگار کے ساتھ آنے کی اجازت نہ تھی بلکہ میلی کچیلی مسجد جایا کرتی تھیں۔

ملاحظہ ہو: صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: ولیخرجن إذا خرجن تفلات، إسناده حسن. (صحیح ابن خزیمة: ۲/۸۱۱/۱۶۷۹، باب الأمر بخروج النساء الی المساجد تفلات، المکتب الاسلامی)

خوشبو لگا کر جانا ممنوع تھا۔ ملاحظہ ہو صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن زینب امرأة عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: "إذا شهدت أحداكن المسجد فلا تمس طيبا". (۲/۸۱۱/۱۶۸۰)

وعن أبی موسی الأشعری رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: "أيما امرأة استعطرت فمرت علی قوم ليجدوا ريحها فهی زانية، وكل عين زانية" إسناده حسن۔ (۲/۸۱۲/۱۶۸۱)

اس روایت میں ہے کہ اگر عورت عطر لگا کر باہر نکلی اور کسی اجنبی مرد کو خوشبو پہنچی تو وہ عورت زانیہ ہے۔ کتنی سخت وعید

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ عورت عطر لگا کر مسجد جائے تو نماز ہی نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو:

عن أبی هريرة ﷺ قال مرت بأبی هريرة ﷺ امرأة وريحها تعصف،فقال لها:إلى أين تريدين ياأمة الجبارقالت:إلى المسجد،قال:تطيبت؟قالت:نعم قال:فارجعی فاغتسلی فإنی سمعت رسول الله ﷺ يقول:"لا يقبل الله من امرأة صلاة خرجت إلى المسجد وريحها تعصف حتى ترجع فتغسل"إسناده حسن.(صحيح ابن خزيمة:۲/۸۱۲/۱۶۸۲،المكتب الاسلامی)

(۴) اختلاط سے روکا گیا تھا، مردوں کو حکم تھا کہ نماز کے بعد کچھ انتظار کرلیں تاکہ عورتیں نکل جائیں اس کے بعد مرد نکلیں تاکہ راستہ میں اختلاط نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے: **كان رسول الله ﷺ إذا سلم يمكث فی مكانه يسيراً قال ابن شهاب: فنری والله أعلم لكی ينفذ من ينصرف من النساء.**(رواه البخاری:۱/۱۱۷/۸۴۱)

(۳) فقہاء کی عبارات اور اکابرین کے فتاوی:

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ولا يحضرن الجماعات لما فيه من الفتنة والمخالفة لقوله ﷺ:"صلاة المرأة فی بيتها أفضل فی صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها أفضل من صلاتها فی بيتها" فالأفضل لها ماكان أستر لها لافرق بين الفرائض وغيرها كالتراويح إلاصلاة الجنازة..... قوله(والمخالفة)أی مخالفة الأمرلأن الله تعالیٰ أمرهن بالقرارفی البيوت فقال تعالى:﴿و قرن فی بيوتكن﴾ الاحزاب۳۳. **وقال ﷺ:"بيوتهن خيرلهن لوكن يعلمن".** (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح:۱/۳۰۴،فصل فی بيان الاحق بالامامة ،قديمی كتب خانه)

امداد الفتاح میں ہے:

ولايحضرن الجماعات مطلقاً فی كل الأوقات والعجوزكالشابة فی المنع من حضورالجمع والأعياد وغيرها،لأنها ممنوعة عن البروزولذلک كانت صلاتها فی جوف بيتها أفضل من صلاتها فی صحن دارها.(امداد الفتاح:۳۴۵ بيان من تكره امامتهم ،بيروت)

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

أما فی زماننا فالمفتی به منع الكل فی الكل حتى فی الوعظ ونحوه(قوله لفساد

الزمان) و لذا قالت عائشةرضی اللہ تعالیٰ عنہا **للنساء حين شكون إليها من عمر** ﷺ **لنهيه لهن عن الخروج إلى المساجد:لوعلم النبی** ﷺ **ما علم عمر** ﷺ **ما أذن لكن فی الخروج،قهستانی.**(حاشية الطحطاوی علی الدر المختار:۱/۲۴۵،باب الامامة ،کوئٹه)

عالمگیری میں ہے:

والفتوى اليوم على الكراهة فی كل الصلوات لظهورالفساد،كذا فی الكافی، وهوالمختار كذا فی التبيين. (فتاوی عالمگيری:۱/۸۹ الباب الخامس فی الامامة ،الفصل الخامس فی بيان مقام الامام والماموم)

شامی میں ہے:

(قوله على المذهب المفتی به)أی مذهب المتأخرين،قال فی البحر:وقد يقال هذه الفتوى التی اعتمدها المتأخرون مخالفة لمذهب الإمام وصاحبيه،فإنهم نقلوا أن الشابة تمنع مطلقاً اتفاقاً، وأما العجوزفلها حضورالجماعة إلافی الظهروالعصروالجمعة أی و عندهما مطلقاً،فالإفتاء بمنع العجائزفی الكل مخالف للكل،فالاعتماد على مذهب الإمام قال فی النهر:وفيه نظر،بل هومأخوذ من قول الإمام وذلک أنه إنما منعها لقيام الحامل وهوفرط الشهوة بناء على أن الفسقة لاينشرون فی المغرب لأنهم بالطعام مشغولون و فی الفجروالعشاء نائمون،فإذا فرض انتشارهم فی هذه الأوقات لغلبة فسقهم كما فی زماننا بل تحريهم إياهاكان المنع فيها أظهرمن الظهر.نهر.(شامی:۱/۵۶۶،باب الامامة ،سعيد كمپنی)

تقریرات الرافعی میں ہے:

(قول الشارح:واستثنى الكمال بحثا العجائز)لكن من أطلق قال لكل ساقطة لاقطة، وإذاكانت الفساق تتبع البهائم والموتی فی القبورفلان تتبع العجائزالمتفانية أولی،فكل من تكلم على حسب حاله وما يشاهد فی أهل عصره ومن اتسع إطلاعه منع الكل وهو الصواب ويشهد له حديث عائشةرضی اللہ تعالیٰ عنہا **حيث قالت:"لو رأى رسول الله** ﷺ **ما أحدث النساء لمنعهن المساجد"ولم يفصل.رحمتی.**(التحريرالمختار:۱/۷۲،باب الامامة ،سعيد كمپنی)

Maktaba Tul Ishaat.com

فتح القدیر میں ہے:

لایقال:هذا حینئذ نسخ بالتعلیل.لأنا نقول:المنع یثبت حینئذ بالعمومات المانعة من التفتین،أوهومن باب الإطلاق بشرط فیزول بزواله کانتهاء الحکم بانتهاء علته،وقد قالت عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **فی الصحیح:"لوأن رسول الله ﷺ رأی ما أحدث النساء بعده لمنعهن"... بل عمم المتأخرون المنع للعجائزوالشواب فی الصلوات کلهالغلبة الفساد فی سائر الأوقات.** (فتح القدیر:۱/۳۶۵،باب الامامة،دارالفکر)

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

والفتوی الیوم علی کراهة حضورهن فی الصلوات کلها لظهورالفساد. (عنایه علی هامش فتح القدیر:۱/۳۶۶،دار الفکر)

جوہرہ میں ہے:

والفتوی الیوم علی الکراهة فی الصلاة کلها لظهورالفسق فی هذا الزمان. (الجوهرة النیرة:۷۲،باب صفة الصلاة،مکتبه امدادیه ملتان)

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے:

والمختارفی زماننا أن لایجوزشیء من ذلک لفساد الزمان والتظاهربالفواحش.

(الاختیارلتعلیل المختار:۵۹،دارالدعوة استنبول)

مجمع الانہر میں ہے:

الأحکام قد تختلف باختلاف الزمان،ألایری أن النساء کن یخرجن إلی الجماعات فی زمانه علیه الصلوة والسلام وزمان أبی بکرالصدیق رضی اللہ عنہ حتی منعهن عمر رضی اللہ عنہ واستقر الأمرعلیه وکان ذلک هوالصواب کما فی التبیین. (مجمع الانهرفی شرح ملتقی الابحر: ۲/۳۸۴، باب الاجرة الفاسدة تحت کتاب الاجارة ،احیاء التراث العربی)

بدائع الصنائع میں ہے:

أماالنساء فلأن خروجهن إلی الجماعات فتنة. (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع :۱/۱۵۵/فصل فی بیان من تجب علیه الجماعة،سعید)

مبسوط میں ہے:

إن العجوز إذا كان لا يشتهيها شاب يشتهيها شيخ مثلها وربما يحمل فرط السبق الشاب على أن يشتهيها.....كما في زماننا فلهذه العلة منعت في الصلوات كلها. (المبسوط للسرخسي: ۲/ ٤١، باب صلاة العيدين، ادارة القرآن كراچی)

علامہ عینیؒ نے بھی فتنہ وفساد کی وجہ سے منع فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

قال أصحابنا: لأن في خروجهن خوف الفتنة وهو سبب للحرام، وما يفضي إلى الحرام فهو حرام، فعلى هذا قولهم: يكره مرادهم يحرم، لاسيما في هذا الزمان لشيوع الفساد في أهله. (عمدة القاري: ٤/ ٦٤٦، باب خروج النساء الى المساجد)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

قلت: لو شاهدت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها **ما أحدث نساء هذا الزمان من أنواع البدع والمنكرات لكانت أشد انكاراً، ولاسيما نساء مصر، فإن فيهن بدعاً لا توصف ومنكرات لا تمنع، منها ثيابهن من أنواع الحرير المنسوجة أطرافها من الذهب والمرصعة باللآلي وأنواع الجواهر، وما على رؤوسهن من الأقراص المذهبة المرصعة والجواهر الثمنية، والمناديل الحرير المنسوج بالذهب والفضة الممدودة، وقمصانهن من أنواع الحرير الواسعة الأكمام جداً، السابلة أذيالها على الأرض مقدار أذرع كثيرة بحيث يمكن أن يجعل من قميص واحد ثلاثة قمصان وأكثر. ومنها: مشيهن في الأسواق في ثياب فاخرة وهن متبخرات متعطرات مائلات متبخترات متزاحمات مع الرجال مكشوفات الوجوه في غالب الأوقات. ومنها: ركوبهن على الحمير الغرة وأكمامهن سابلة من الجانبين في ازر رفيعة جداً. ومنها: غلبتهن على الرجال وقهرهن إياهم وحكمهن عليهم بأمور شديدة، ومنهن نساء يبعن المنكرات بالاجهار، ويخالط الرجال فيها، ومنهن قوادات يفسدن الرجال والنساء ويمشين بينهن بما لا يرض به الشرع، ومنهن: صنف بغايا قاعدات متوصلات للفساد، ومنهن صنف دائرات على أرجلهن يصطدن الرجال.....و منهن: مغنيات تغنين بأنواع الملاهي بالأجرة للرجال والنساء، ومنهن: صنف خطابات يخطبن للرجال نساء لها**

Maktaba Tul Ishaat.com

أزواج بفتن يوقعنها بينهم،وغيرذلک من الأصناف الكثيرة الخارجة عن قواعد الشرعية،فانظرإلى ما قالت الصديقةرضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا**من قولها: لوأدرک رسول الله ﷺ ما أحدث النساء،وليس بين هذا القول و بين وفاة النبی ﷺ إلامدة يسيرة،على أن نساء ذلک الزمان ماأحدثن جزأ من ألف جزء مما أحدثت نساء هذا الزمان.** (عمدة القاری:٤/٦٤٩/٨٦٩،باب انتظار الناس قيام الامام العالم تحت ابواب صفة الصلاة،دارالحديث ملتان)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو فتح الباری میں ہے:

ووجه كون صلاتها فی الإخفاء أفضل تحقق الأمن فيه من الفتنة،ويتأكد ذلک بعد وجود ما أحدث النساء من التبرج والزينة، ومن ثم قالت عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **ما قالت.**

(فتح الباری:٢/٣٥٠/٨٦٩،باب انتظارالناس قيام الامام،دارنشر الكتب الاسلامية لاهور)

اکابرین کے فتاوی سے بھی عورتوں کو مسجد جانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے:

فتح الملهم میں ہے:

وبالنظرإلى التعليل المذكورمنعت غيرالمزنية أيضاً لغلبه الفساق وليلا وإن كان النص يبيحه لأن الفساق فی زماننا أكثرانتشارهم و تعرضهم بالليل وعلى هذا ينبغی على قول أبی حنيفةؒ تفريع منع العجائزليلا أيضاً،بخلاف الصبح فإن الغالب نومهم فی وقته، بل عمم المتأخرون المنع للعجائزوالشوا ب فی الصلوات كلها لغلبة الفساد فی سائر الأوقات. (فتح الملهم:٣/٥٢٦،باب خروج النساء الى المساجد)

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الفتوى فی زماننا على أنهن لايخرجن، وإن كن عجائزإلى الجماعات،لافی الليل ولافی النهار، لغلبة الفتنة والفساد وقرب يوم المعاد.

قال مفتی الثقلين:الفتوى اليوم على الكراهة فی كل الصلوات،ومتى كره حضورهن المساجد للصلاة فلأن يكره حضورهن فی مجلس الوعظ أولى،انتهى.

و فی النهاية:الجملة فی هذه المسئلة أن النساء كان يباح لهن الخروج إلى الصلاة ثم منعن بعد ذلک لما صارخروجهن سبباً للفتنة.

و فی الکفایة:والفتوی الیوم علی الکراهة فی الصلوات کلها لظهورالفساد، فمتی کره حضورهن المساجد لأن یکره مجالس العلم خصوصا عند هؤلاء الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء أولی،کذا فی مبسوط فخرالإسلام،انتهی.

وقال بحرالعلوم مولاناعبد الحی فی"رسائل الأرکان"بعد تطویل الکلام فی إفتاء منعهن عن الخروج إلی المساجد:وإنما أطنبنا الکلام لماکان یزعم البعض أنهم أبطلوا النص بالتعلیل،وقالوا:إن الحاکم هواللّٰه تعالی،وکان عالماً بما أحدثته النساء،فلا یظهر لقول أم المؤمنینرضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **وجه.ولیس الأمرکما زعموا، وکون الحاکم هواللّٰه تعالیٰ مسلم، وعلمه بما أحدثته النساء کان متحققاً أیضاً،لکنا نقول:إن حکم اللّٰه تعالیٰ علی لسان رسوله ﷺ بعدم المنع عن خروجهن للمساجدکان مؤقتاًإلی عدم احتمال الفتنة،فانتفی بانتفائه،ومقصود أم المؤمنین** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **لوکانت النساء أحدثن فی الزمان الشریف ما أحدثنه الآن لما حکم رسول اللّٰه ﷺ بالخروج ،لانتفاء ما أناط اللّٰه الحکم به،انتهی.**

وقال الزیلعی فی" تبیین الحقائق فی شرح کنزالدقائق"ولاینکرتغییرالأحکام بتغییر الزمان،کغلق المساجد یجوزفی زماننا،انتهی. (فتاوی اللکنوی:ص۳۱۴-۳۱۷مایتعلق بالجماعة، بیروت)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اس زمانہ میں بلکہ بہت پہلے سے عورتوں کا جماعت میں شریک ہونے کے لئے مسجد وعیدگاہ میں جانا ممنوع و مکروہ ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے ہی میں یہ ممنوع ہو چکا تھا،کما ورد فی الحدیث.(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۳/۴۹، باب الجماعۃ،مدلل ومکمل)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

فتنہ وفساد کی زیادتی کی وجہ سے ممنوع ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:''عورتوں کی یہ حالت اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تو مسجد میں جانے سے منع فرمادیتے''بعض اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تو تدبیروں سے اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکا ہے۔(فتاوی محمودیہ:۶/۴۷۴،باب الجماعۃ ،جامعہ فاروقیہ)

Maktaba Tul Ishaat.com

احسن الفتاوی میں ہے:

عورتوں کے لئے جماعت میں شریک ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ بحوالہ ردالمحتار (احسن الفتاوی:۳/۲۸۳، باب الامامۃ و الجماعۃ)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔ (عمدۃ الفقہ:۲/۱۱۵، کتاب الصلوۃ)

فتاوی بینات میں ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں جب عورتوں کا داخلہ مسجد میں بند کیا اور عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے پسند کیا اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، البتہ بعض عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کی شکایت کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فاروقی فیصلہ سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو دیکھتے جو اب عورتوں میں نظر آتی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ بھی عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرماتے۔ صحیح بخاری۔ (فتاوی بینات:۲/۳۲۷، کتاب الصلوۃ، مکتبہ بینات)

درس ترمذی میں ہے:

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو نماز کے لئے نکلنے کا حکم ابتداءِ اسلام میں دشمنانِ اسلام کی نظروں میں مسلمانوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے دیا گیا تھا اور یہ علت اب باقی نہیں رہی، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس علت کی وجہ سے بھی اجازت ان حالات میں تھی جبکہ امن کا دور تھا اب جبکہ دونوں علتیں ختم ہوچکی ہیں لہذا اجازت نہ ہونی چاہئے۔ چنانچہ علماء متاخرین کا فتوی اسی پر ہے کہ اس زمانہ میں ان کا مساجد کی طرف نکلنا درست نہیں۔ (درس ترمذی:۲/۳۲۱، باب فی خروج النساء فی العیدین)

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بابرکت زمانہ چونکہ شر و فساد سے خالی تھا، ادھر عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام سیکھنے کی ضرورت تھی اس لئے عورتوں کو مساجد میں حاضری کی اجازت تھی اور اس میں یہ قیود تھیں کہ باپردہ جائیں، میلی کچیلی جائیں، زینت اختیار نہ کریں اس کے باوجود عورتوں کو ترغیب دی جاتی تھی کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں..... لیکن جن قیود و شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت دی جب عورتوں نے ان قیود و شرائط کو ملحوظ نہیں رکھا تو اجازت بھی باقی نہیں رہے

گی۔اس بناء پر فقہائے امت نے جو درحقیقت حکمائے امت ہیں عورتوں کی مساجد میں حاضری کو مکروہ قرار دیا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳۰۲/۲،عورتوں کی نماز کے چند مسائل،مکتبہ لدھیانوی)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حرمین شریفین میں عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا:

سوال: آج کل عورتیں حرمین شریفین میں نماز پڑھتی ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: افضل اور بہتر یہ ہے کہ عورتیں حرمین شریفین میں نماز پڑھنے کے لئے نہ آئیں۔البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً خوف وغیرہ تو آسکتی ہے،نیز طواف اور زیارتِ روضۂ مبارک کے لئے آنا درست ہے اور نماز کا وقت ہو جائے تو وہیں نماز پڑھنے کی گنجائش ہے،عام حالات میں کمرے میں ہی نماز پڑھنا افضل ہے احادیث سے بھی اس کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

(۴)**عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي** رضی اللہ تعالیٰ عنها **عن النبي ﷺ أنه قال لها: قد علمت أنك تحبين الصلاة معي وصلاتك في بيتك خير من صلاتك في حجرتك وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك وصلاتك في دارك خير من صلاتك في مسجد قومك وصلاتك في مسجد قومك خير من صلاتك في مسجدي. فأمرت، فبني لها مسجد في أقصى شيء من بيتها وأظلمه، فكانت تصلي فيه حتى لقيت الله عزوجل.** إسناده حسن۔ (صحيح ابن خزيمة: ۱۶۸۹/۸۱۵/۲، المكتب الاسلامي۔ورواه الامام أحمد ۔ وابن حبان ۔كذا في كنز العمال:۶۷۶/۷)

علامہ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہؒ نے مستقل باب قائم کیا جس کا عنوان یہ ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اگرچہ نماز کی بہت فضیلت ہے لیکن عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے اور فضیلت والی حدیث میں مرد مراد ہیں نہ کہ عورتیں۔ملاحظہ ہو:

باب اختيار صلاة المرأة في حجرتها على صلاتها في دارها وصلاتها في مسجد قومها على صلاتها في مسجد النبي ﷺ وإن كانت صلاة في مسجد النبي ﷺ تعدل ألف صلاة في غيرها من المساجد، والدليل على أن قول النبي ﷺ: صلاة في مسجدي هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه من المساجد" أراد به صلاة الرجال دون صلاة النساء:

Maktaba Tul Ishaat.com

أخبرنا أبو طاهر.....عن عبد الله بن سويد الأنصاری عن عمته امرأة ابن حميد الساعدی أنها جاء ت النبی ﷺ فقالت: يا رسول الله إنی أحب الصلاة معک فقال..... الخ كما مر. (رواه ابن خزيمة: ۲/۸۱۵/۱۶۷۹، واسناده حسن ،المكتب الاسلامی)

احسن الفتاوی میں ہے:

مکہ مکرمہ میں عورت کو گھر میں نماز پڑھنے پر وہی اجر ملے گا جو مردوں کے لئے مسجد حرام میں نماز پر ہے۔ نیز مذکور ہے: مسجد نبوی میں چالیس نمازیں ادا کرنے پر جہنم، عذاب اور نفاق سے بشارت صرف مردوں کے لئے نماز جماعت کے ساتھ مخصوص ہے، عورتوں کے لئے مسجد نبوی کی بجائے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/۳۴، باب صفۃ الصلاۃ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصل سوم

جماعتِ ثانیہ کے احکام

مسجد کی حدود میں جماعتِ ثانیہ کرنے کا حکم:

سوال: مسجد کی حدود میں جماعتِ ثانیہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسجد کی حدود میں جس مسجد کا امام اور مؤذن مقرر ہوں جماعتِ ثانیہ ہیئتِ اولیٰ پر مکروہ تحریمی ہے اور اگر ہیئت بدل دی جائے یعنی بغیر اذان کے اور محراب یا محاذاتِ محراب سے ہٹ کر ہو تو کراہتِ تنزیہی کے ساتھ جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ مسجد کے ساتھ ملحقہ کمرہ یا مدرسہ وغیرہ ہو تو اس میں جماعتِ ثانیہ کرلی جائے، نیز جماعتِ اولیٰ میں شرکت کا اہتمام کرنا چاہئے، جماعتِ ثانیہ کی عادت بنالینا اچھا نہیں ہے اس سے جماعتِ اولیٰ کی وقعت اور عظمت دلوں سے ختم ہوجاتی ہے، البتہ اگر مسجد طریق ہے یا جس مسجد کا امام ومؤذن مقرر نہ ہوں تو اس میں جماعتِ ثانیہ بلا کراہت جائز ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

و یکرہ تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة لافی مسجد طریق أومسجد لا إمام له ولامؤذن.....وفی الشامیة:(قوله و یکره)أی تحریما لقول الکافی لایجوز، و المجمع لایباح.وشرح الجامع الصغیر أنه بدعة کمافی رسالة السندی(قوله بأذان و إقامة) عبارته فی الخزائن:جمع مما هنا و نصبها:یکره تکرار الجماعة فی مسجد محلة بأذان وإقامة إلا إذا صلی بهما فیه أولاغیر أهله أوأهله لکن بمخافتة الأذان،ولو کرر أهله بدونهما أوکان مسجد طریق جاز إجماعاً،کما فی مسجد لیس له إمام ولامؤذن ویصلی الناس فیه

Maktaba Tul Ishaat.com

فوجاً فوجاً.....(شامی:۱/۵۵۲،باب الامامة،سعید)

عالمگیری میں ہے:

المسجد إذا كان له إمام معلوم وجماعة معلومة فی محلة فصلی أهله فيه بالجماعة لا يباح تكرارها فيه بأذان ثان،أما إذا صلوا بغير أذان يباح إجماعاً وكذا فی مسجد قارعة الطريق كذا فی شرح المجمع للمصنف. (فتاوی هندية:۱/۸۳،الفصل الاول فی الجماعة)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وإذا لم يكن للمسجد إمام ومؤذن راتب فلا يكره تكرار الجماعة فيه بأذان وإقامة عندنا وعن أبی حنيفةؒ لو كانت الجماعة الثانية أكثر من ثلاثة يكره التكرار وإلا فلا، وعن أبی يوسفؒ إذا لم تكن علی الهيئة الأولی لايكره وإلا يكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا فی فتاوی البزازی. (شرح منية المصلی:٦١٤،فصل فی أحكام المسجد الثالث فی مسائل متفرقة تتعلق بالمسجد،سهيل اكيڈمی لاهور) **مزید ملاحظہ ہو:** (البحرالرائق:۱/۳٤٦، باب الامامة۔منحة الخالق حاشية البحرالرائق:۱/۳٤٦،باب الامامة،الماجديه كوئٹه)۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر ہر روز کے مقررہ امام ومقتدیوں نے اذان وجماعت وقتِ مقرر پر کی ہے تو اب اس مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے۔حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک روایت میں مکروہ نہ ہوگی،مگر ظاہر الروایۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً مکروہ ہے،البتہ تبدیلِ ہیئت اور بلاتبدیلِ ہیئت میں تنزیہی وتحریمی کا فرق ہوجائے گا۔ (فتاوی محمودیہ:۶/۴۳۵،باب الجماعۃ،جامعہ فاروقیہ۔وفتاوی حقانیہ:۳/۱۲۶،باب الجماعۃ)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی:۳/۳۲۲،مسجد میں جماعتِ ثانیہ کا حکم،فتاوی رحیمیہ:۳/۲۷،کفایۃ المفتی:۳/۱۳۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسجد کے صحن میں جماعتِ ثانیہ کا حکم:

سوال: محلّہ کی مسجد میں چند آدمی جماعت ہوجانے کے بعد پہنچے،اگر وہ لوگ مسجد کے صحن میں نماز پڑھیں تو جماعت کے ساتھ پڑھیں یا علیحدہ علیحدہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: محلّہ کی مسجد میں جماعتِ ثانیہ کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ مکروہ تحریمی ہے اور ہیئت بدل دی جائے تو کراہتِ تنزیہی کے ساتھ جائز ہے، اس کی وجہ یہ کہ اگر تکرارِ جماعت کی عام اجازت دیدی جائے تو پھر جماعتِ اولیٰ کی اہمیت باقی نہیں رہے گی، لہذا علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، ہاں مسجد کے صحن (جو مسجد سے خارج ہو) میں جماعت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اس کی عادت نہ بنالی جائے۔

ملاحظہ ہو شمس الائمۃ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

قال وإذا دخل القوم مسجداً قد صلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة بأذان و إقامة ولكنهم يصلون وحداناً بغير أذان ولا إقامة لحديث الحسنؒ قال: كانت الصحابة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم **إذا فاتتهم الجماعة فمنهم من اتبع الجماعات ومنهم من صلى في مسجده بغير إذان ولا إقامة، وفي الحديث أن النبي ﷺ خرج ليصلح بين الأنصار فاستخلف عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرجع بعد ماصلى فدخل رسول الله ﷺ بيته وجمع أهله فصلى بهم بأذان وإقامة فلو كان يجوز إعادة الجماعة في المسجد لما ترك الصلاة في المسجد والصلاة فيه أفضل ووهذا عندنا.** (المبسوط للسرخسی: ۱/۱۳۵، باب الاذان)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی الشامی: ۱/۵۵۲ باب الامامۃ، والفتاوی الھندیۃ: ۱/۸۳ الفصل الاول فی الجماعۃ، ومنحۃ الخالق حاشیۃ البحرالرائق: ۱/۳۴۶ باب الامامۃ الماجدیہ، کوئٹہ)

امدادالاحکام میں ہے:

مسجدِ محلّہ جس میں امام ومؤذن مقرر ہیں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے مگر ہیئت کے تغیر کے ساتھ امام ابو یوسفؒ کے قول پر گنجائش ہے۔ لیکن ہمارے مشائخ نے انتظام عوام کے لئے اس پر فتوی نہیں دیا، بلکہ مسجدِ محلّہ میں جہاں امام ومؤذن مقرر ہوں مطلقاً کراہت کا فتوی دیا ہے۔ (امدادالاحکام: ۱/۴۹۷)

اسلامی فقہ میں ہے:

جس کسی مسجد میں امام ومؤذن مقرر ہوں اور باقاعدہ وہاں پنج وقتہ نماز باجماعت ہوتی ہے اسی میں اگر جماعت ختم ہوجائے اور جماعت کے بعد اسی مسجد کے نمازیوں میں سے دو تین نمازی آجائیں تو ان کو دوبارہ جماعت نہ کرنی چاہئے بلکہ الگ الگ نماز پڑھنی چاہئے، البتہ اگر جہاں جماعت ہوچکی ہو تو اس سے ذرا ہٹ کر دوبارہ جماعت سے نماز پڑھی گئی تو کوئی حرج نہیں۔ (اسلامی فقہ: ۱/۲۴۵)

Maktaba Tul Ishaat.com

کفایت المفتی میں ہے:

جماعتِ ثانیہ اگر جماعتِ اولیٰ کی ہیئت پر ہو اور ایسی مسجد میں ہو کہ جس میں جماعت معینہ ہوتی ہے مکروہ تحریمی ہے اور اگر یہ بتبدیل ہیئت ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، اول لفظ ''لا بأس'' یا لفظ جواز مکروہ تنزیہی کے منافی نہیں۔ (کفایت المفتی: ۳/۱۳۴)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

فرادی بلا اذان واقامت نماز ادا کی جائے کہ مسجد میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے۔ بحوالہ مبسوط. (فتاوی رحیمیہ: ۳/۲۷، کتاب الصلاۃ)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ ۶/۴۳۷ باب الجماعۃ، جامعہ فاروقیہ وفتاوی حقانیہ ۳/۱۲۶، باب الجماعۃ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جس مسجد میں امام متعین ہو لیکن مقتدی متعین نہیں اس میں جماعتِ ثانیہ کا حکم:

سوال: راستہ کے کنارے پر ایک مسجد ہے اس کے مقتدی اور محلّہ متعین نہیں ہیں لیکن امام متعین ہے تو اس مسجد میں جماعتِ ثانیہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ امام متعین ہے لہذا یہ مسجد محلّہ کی مسجد کے حکم میں ہے اس میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے، ہاں مسجد سے ملحقہ کسی کمرہ یا مدرسہ یا باہر کسی جگہ پر جماعت کرنا چاہئے۔ اگر امام بھی متعین نہیں تو جائز ہے۔

شمس الائمہ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

قال وإذا دخل القوم مسجداً قد صلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة بأذان و إقامة ولكنهم يصلون وحداناً بغير أذان ولا إقامة لحديث الحسنؒ قال: كانت الصحابة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم **إذا فاتتهم الجماعة فمنهم من اتبع الجماعات ومنهم من صلى في مسجده بغير إذان ولا إقامة، وفي الحديث أن النبي ﷺ خرج ليصلح بين الأنصار فاستخلف عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرجع بعد ماصلى فدخل رسول الله ﷺ بيته وجمع أهله فصلى بهم بأذان وإقامة فلو كان يجوز إعادة الجماعة في المسجد لما ترك الصلاة في المسجد والصلاة فيه أفضل ووهذا عندنا.** (المبسوط للسرخسی: ۱/۱۳۵، باب الاذان)

شامی میں ہے:

قوله إلافی مسجد علی طریق هوما لیس له إمام ومؤذن راتب. (شامی: ۱/۳۹۵، سعید)

البحرالرائق کے حاشیہ میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

أقول: ومفاد هذه النقول کراهة التکرار مطلقاً أی ولوبدون أذان وإقامة، وإن معنی قول قاضیخان: الماریصلی بغیرأذان وإقامة أنه یصلی منفرداً لابالجماعة بدلیل التعلیل و الاستدلال بالمروی عن الصحابة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم **ویؤیده قوله فی الظهیریة، وظاهرالروایة أنهم یصلون وحداناً، وتمامه فیه.** (منحة الخالق حاشیة البحرالرائق: ۱/۳۴۶، باب الامامة، کوئٹه)

عالمگیری میں ہے:

المسجد إذاکان له إمام معلوم وجماعة معلومة فی محلة فصلی أهله فیه بالجماعة لا یباح تکرارها فیه بأذان ثان، أما إذا صلوا بغیرأذان یباح إجماعاً وکذا فی مسجد قارعة الطریق کذا فی شرح المجمع للمصنف. (فتاوی هندیة: ۱/۸۳، الفصل الاول فی الجماعة)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

مسجد قارعۃ الطریق سے مراد یہ ہے کہ اس میں امام ومؤذن مقرر نہ ہوں، جس مسجد میں امام ومؤذن مقرر نہ ہوں اس میں جماعتِ ثانیہ جائز ہے مکروہ نہیں ہے اور مسجد محلّہ میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے۔ (فتاوی دارالعلوم: ۳/۶۴، باب الجماعۃ۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/۱۲۶، باب الجماعۃ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جماعتِ ثانیہ میں اذان واقامت کا حکم:

سوال: اگر جماعتِ ثانیہ کرنی ہو تو اس کے لئے اذان واقامت ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد سے باہر صحراء میں جماعتِ ثانیہ کرنا ہو تو اذان واقامت کے ساتھ کرنا چاہئے اور اگر محلّہ یا بستی میں ہو تو صرف اقامت پر اکتفا کرلیا کریں لیکن مسجد میں جماعتِ ثانیہ اذان واقامت کے ساتھ مکروہ ہے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولایکره ترکهما لمن یصلی فی المصر إذا وجد فی المحلة.....وإذا لم یؤذن فی تلک المحلة یکره له ترکهما ولوترک الأذان وحده لایکره کذا فی المحیط ولوترک الإقامة یکره کذا فی التمرتاشی، ویکره للمسافر ترکهما وإن کان وحده هکذا فی المبسوط،

Maktaba Tul Ishaat.com

ولو صلی فی بیته فی قریة، إن کان فی القریة مسجد فیه أذان وإقامة فحکمه حکم من صلی فی بیته فی المصر وإن لم یکن فیها مسجد فحکمه حکم المسافر کذا فی الشمنی شرح النقایة، وإن کان فی کرم أوضیعة یکتفی بأذان القریة أوالبلدة إن کان قریباً وإلافلا، وحد القرب أن یبلغ الأذان إلیه منهاکذا فی مختارالفتاوی. (الفتاوی الهندیة: ۱/۵٤، الباب البابالثانی الاذان،سعید)

درمختار میں ہے:

وکره ترکهما معاً للمسافر.....بخلاف مصل ولوبجماعة فی بیته بمصرأوقریة لها مسجد فلایکره ترکهما إذ أذان الحي یکفیه.وفی الشامی قوله فی بیته أی فیما یتعلق بالبلد من الداروالکرم وغیرهما قهستانی.وفی التفاریق وإن کان فی کرم أوضیعة یکتفی بأذان القریة أوالبلدة إن کان قریباً وإلا فلا وحد القرب أن یبلغ الأذان إلیه منها..... والظاهرأنه لایشترط سماعه بالفعل تأمل. (الدرالمختار مع الشامی:۱/۳۹۵ ،باب الاذان،سعید)

نیز درمختار میں ہے:

ویکره تکرارالجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة. (الدرالمختار:۱/۵۵۲،باب الامامة ، سعید۔وکذافی بدائع الصنائع:۱/۱۵۳،سعید)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اگر جماعتِ ثانیہ کسی ایسی مسجد میں ہو جہاں پر قوم نے باقاعدہ اپنی نماز اقامت اور اذان سے پڑھی ہو تو شرائطِ رخصت کی رعایت کرتے ہوئے دوبارہ جماعت کے لئے اذان واقامت مکروہ ہے،البتہ مسجد سے باہر یا راستہ کی ایسی مسجد جہاں قوم وامام دونوں نہ ہوں تو وہاں جماعتِ ثانیہ کے لئے اذان واقامت مسنون ہے۔ (فتاوی حقانیہ:۳/ ۵۷، باب الاذان)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصلِ چہارم

صفیں درست کرنے کے احکام

مردوں کی صف اور بچوں کی صف کے درمیان خلا چھوڑنے کا حکم:

سوال: بعض مساجد میں دو تین صفوں کو چھوڑ کر بچوں کو کھڑا کر دیا جاتا ہے تاکہ آنے والے مرد اگلی صفوں میں کھڑے ہوسکیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ یا بچے مردوں کی صف کے متصل دوسری صف میں کھڑے ہوجائیں پھر آنے والے مردان کے ساتھ یا ان کے پیچھے کھڑے ہوجائیں۔

الجواب: عام طور پر مسجد میں مردوں کی جتنی صفیں ہوتی ہیں اتنی صفوں کے پیچھے بچوں کی صف بنادی جائے اس کے بعد اگر بالغ لوگ آجائیں اور آگے جگہ نہ ہو تو پیچھے کھڑے ہوجائیں۔

امداد الفتاح میں ہے:

وإذا اجتمع الرجال وغيرهم يصف الرجال خلف الإمام لقوله ﷺ ليلني منكم أولو الأحلام والنهى.....ثم يصف الصبيان لقول أبى مالك الأشعرى رضي الله عنه أن النبى ﷺ صلى وقام الرجال وأقام الصبيان خلف ذلك وأقام النساء خلف ذلك وإن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبى بين الرجال. (ذكره الزيلعى فى نصب الراية:۲/۳۶۔واخرجه بنحوه الطبرانى فى معجمه الكبير: ۳۴۱۶۔وذكره الهيثمى فى مجمع الزوائد:۱/۱۲۹) .(امداد الفتاح مع الحاشية:ص۳۴۹، ترتيب صفوف الصلاة۔وهكذا فى الفتاوى الهندية:۱/۸۹، الفصل الخامس فى بيان مقام الامام والماموم۔ والشامى:۱/۵۷۱ باب الامامة،سعيد)

Maktaba Tul Ishaat.com

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اگر لڑکوں کے آگے کو جا کر یا صف کو چیر کر بالغوں کی جماعت میں مل سکے تو چلا جاوے اور بالغوں کی جماعت میں شریک ہوجاوے اور اگر کچھ ممکن نہ ہو اور لڑکوں کی ہی جماعت میں کھڑا ہوجاوے تب بھی نماز صحیح ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۳/۳۳۹)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

جب اگلی صف میں جگہ ہو تو اس کو پُر کرنے کے لئے لڑکوں کی صف کے سامنے سے گذرنا پڑے تو اس میں حرج نہیں جائز ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/۱۹۴)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

بچوں کی صف جب بڑی ہو اور کوئی بالغ آدمی آکر بالغین کی صف میں کھڑا ہونا چاہئے تو بچوں کے سامنے سے گذر کر آگے بڑھ جائے۔ بچوں کی صف میں کھڑا نہ ہو۔ (فتاوی محمودیہ: ۶/۴۹۰ باب تسویۃ الصفوف)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کمسن بچے کو بالغوں کی صف میں کھڑا کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنے نابالغ بچہ کو جماعت میں پہلی صف میں کھڑا کرتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ نیز شریعت کی نگاہ میں نابالغ بچوں کی جگہ صف میں کونسی ہے؟ وضاحت کے ساتھ مع الدلیل جواب عنایت فرمادیں؟

الجواب: اگر مسجد کی پہلی صف عام طور پر بالغین سے پُر ہوتی ہے تو پھر کمسن بچے کو پہلی صف میں کھڑا کرنا خلافِ سنت اور مکروہ ہے، ہاں عام طور پر پہلی صف بالغین سے پُر نہیں ہوتی تو تنہا کھڑا نہ رہے مردوں کے ساتھ شامل ہوجائے، لیکن زیادہ بچے ہیں تو کمسن بچوں کی صف مردوں کی صف کے پیچھے ہونا چاہئے شریعت میں یہی مقام ہے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ویقتضی أیضاً أن الصبی الواحد لایکون منفرداً عن صف الرجال بل یدخل فی صفهم، وأن محل هذا الترتیب إنما عند حضور جمع من الرجال وجمع من الصبیان فحینئذ تؤخر الصبیان. (البحر الرائق: ۱/۳۵۳، باب الامامة، کوئتة۔ وکذا فی الشامی: ۱/۵۷۱ باب الامامة، سعید۔ وبدائع الصنائع: ۱/۱۵۹، سعید)

امداد الفتاح میں ہے:

وإذا اجتمع الرجال وغيرهم يصف الرجال خلف الإمام لقوله ﷺ"ليلني منكم أولوا الأحلام والنهى" (اخرجه مسلم، والترمذی، وابوداؤد،وابن حبان،والبيهقی،وابن خزيمة،وعبد الرزاق) **ثم بصف الصبيان لقول أبی مالک الأشعری رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ"صلی وقام الرجال يلونه وأقام الصبيان خلف ذلک وأقام النساء خلف ذلک وإن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبی بين الرجال.** (ذكره الزيلعی فی نصب الراية:۲/۳۶۔واخرجه بنحوه الطبرانی فی معجمه الكبير:۳٤۱٦۔وذكره الهيثمی فی مجمع الزوائد:۱/۱۲۹). (امداد الفتاح مع الحاشية:۳٤۹، ترتيب صفوف الصلاة،بيروت)

وفی مسند الحارث: كان النبی"يصفهم فی الصلاة فيجعل الرجال قدام الغلمان، والغلمان خلفهم.....(ذكره الزيلعی فی نصب الراية من حديث أبی مالك الاشعری رضی اللہ عنہ وقال:رواه الحارث بن أبی اسامة فی مسنده:(۲/۳۷). (امداد الفتاح مع الحاشية: ۳٤۹،بيروت۔وفتاوی حقانية:۳/۱۲۱،باب تسوية الصفوف)

امداد المفتیین میں ہے:

حدیث شریف اور عام کتبِ فقہ کی عباراتِ مشہورہ سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکوں کا مردوں کی صف میں کھڑا کرنا خلافِ سنت ہے۔جس شخص کے پاس لڑکے کھڑے ہوں اس کو چاہئے کہ انہیں پیچھے ہٹائے ،ورنہ نماز مکروہ ہوگی۔(امداد المفتیین:۲/۳۳۷)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

صفوں کی ترتیب یہ ہے کہ نابالغوں کی مستقل صف بالغین کی صف سے پیچھے ہو.....اگر نابالغ لڑکا صرف ایک ہوتو وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہوجائے۔(فتاوی محمودیہ:۶/۴۸۹ باب تسویۃ الصفوف۔وفتاوی رحیمیہ:۱/۱۹۰)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بچے کو مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا رکھنے کا حکم:

سوال: بچوں کی صف مردوں کے پیچھے ہونی چاہئے لیکن اگر صرف ایک بچہ ہوتو کیا وہ مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا ہوسکتا ہے؟

الجواب: اصل تو یہ ہے کہ بچے مردوں کی صفوں کے پیچھے ہوں،لیکن زیادہ شرارت کرتے ہوں تو ایک ایک دو دو کو صفوں کے کنارے کھڑا کرسکتے ہیں،بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے،لہذا اگر ایک ہوتو

Maktaba Tul Ishaat.com

اس کو مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

درمختار میں ہے:

(ثم الصبیان)ظاهره تعددهم فلو واحداً دخل الصف،وفی الشامی:(قوله:فلو واحداً دخل الصف)ذکره فی البحر بحثاً. (الدرالمختارمع رد المحتار:۱/۵۷۱، باب الامامة،سعید)

تقریراتِ رافعی میں ہے:

(قوله ذکره فی البحر بحثاً)قال الرحمتی:ربما یتعین فی زماننا إدخال الصبیان فی صفوف الرجال لأن المعهود منهم إذا اجتمع صبیان فأکثر تبطل صلاتهم بعضهم ببعض وربما تعدی ضررهم إلی إفساد صلاة الرجال انتهی، سندی. (التقریراتِ الرافعی:۷۳،سعید)

نیز حدیث میں ہے:"**لیلنی منکم أولو الأحلام والنهی**" اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام کے قریب بالغ اور عقلمند کھڑے ہوں گے،تو ایک بچہ کنارے پر کھڑا ہوگا نہ کہ بیچ میں امام کے قریب۔

امدادالفتاح میں ہے:

ثم یصف الصبیان لقول أبی مالک الأشعری ﷺ أن النبی ﷺ صلی وقام الرجال یلونه وأقام الصبیان خلف ذلک وأقام النساء خلف ذلک وإن لم یکن جمع من الصبیان یقوم الصبی بین الرجال. ذکره الزیلعی فی نصب الرایة:(۲/۳۶) وأخرجه بنحوه الطبرانی فی معجمه الکبیر: (۶/۳۴)وذکره الهیثمی فی مجمع الزوائد:(۱/۱۲۹). (امداد الفتاح مع الحاشیة: فصل فی بیان الأحق بالإمامة وفی بیان ترتیب الصفوف:۳۴۹،بیروت). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

عورت کا مردوں کی صف میں کھڑا ہونا:

سوال: عورت مرد کے ساتھ صف میں کھڑی ہوکر نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز میں عورت کا مقام مرد کے پیچھے ہے لہذا عورت مرد کے ساتھ صف میں کھڑی ہوکر نماز نہیں پڑھ سکتی۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک ﷺ أن جدته ملیکة دعت رسول الله ﷺ لطعام صنعته له فأکل منه ثم قال:قوموا فلأصلی لکم قال أنس ﷺ فقمت إلی حصیر لنا قد اسود من طول ما لبس

فنضحته بماء فقام رسول اللہ ﷺ وصففت واليتيم وراءه والعجوز من ورائنا فصلى لنا رسول اللہ ﷺ ركعتين ثم انصرف. (رواه الخاری:۱/۵۵۔والترمذی:۱/۵۵)

دوسری حدیث میں ہے:

فكان ابن مسعود رضی اللہ عنہ يقول: أخّروهن من حيث أخّرهن الله. (مصنف عبد الرزاق:۳/۱۴۹/۵۱۱۵،باب شهود النساء الجماعة)

ہاں اگر گھر میں بیوی شوہر کے برابر کھڑی ہوکر اپنی اپنی نماز پڑھ لیں تو یہ جائز ہے، لیکن اجنبی مرد کے ساتھ کھڑا ہونا یا باجماعت نماز میں ایک امام کی اقتداء میں برابر کھڑے رہنے کی اجازت نہیں۔

آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مردوں کی صفوں میں پہلی صف اچھی اور آخری صف بری اور عورتوں کی صفوں میں پہلی صف بری اور آخری صف اچھی۔ ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

"خير صفوف الرجال أولها وشرها آخرها وشر صفوف النساء أولها وخيرها آخرها"

(رواه مسلم:۱/۱۸۲،باب تسوية الصفوف واقامتها۔والبيهقی فی سننه الكبرى:۳/۹۰،باب لايأتم رجل بامرأة)

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو فتنہ کی وجہ سے یہ فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کا شر ملاحظہ فرماتے تو بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح مسجد میں باجماعت نماز سے منع فرماتے یعنی اس کا تصور بھی نہیں کہ کہیں عورت مرد کے ساتھ نماز باجماعت میں کھڑی ہوجائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کوئی لڑکی لڑکا بن جائے تو مردوں کی صف میں کھڑے رہنے کا حکم:

سوال: ایک لڑکی نے اپنے آپ کو لڑکا بنالیا تو کیا وہ مردوں کی صف میں کھڑی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی داڑھی بھی نکلی ہے۔

الجواب: فقہاء نے خنثی کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے کہ اگر مرد کی علامت ظاہر ہوجائے تو مرد کے حکم میں ہے اور مردوں کے ساتھ صف میں کھڑا ہونا بھی درست ہے لہذا جس لڑکی نے اپنے آپ کو لڑکا بنا لیا اور لڑکے کی علامات ظاہر ہوگئی تو مردوں کی صف میں کھڑے رہنے کی گنجائش ہے اور نماز سب کی صحیح ہوجائیگی۔ البتہ ایسا فعل قبیح ہے اور تغییر لخلق اللہ میں داخل ہے اور حرام ہے اس سے باز آنا چاہئے اور غضبِ الٰہی سے ڈرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

فإن بال من الذكر فغلام.....هذا قبل البلوغ فإن بلغ وخرجت لحيته أو وصل إلى امرأة أو احتلم كما يحتلم الرجل فرجل. (الدرمختار:٦/٧٢٧، كتاب الخنثى، سعيد)

علامہ شامیؒ خنثی مشکل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ مردوں کی صف میں نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہے لہذا جس میں مردوں کی علامات غالب ہوں اس کی نماز مردوں کی صف میں بدرجۂ اولی صحیح ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں: **وإن قام في صف الرجال فصلاته تامة.** (الشامي:٦/٧٢٨، كتاب الخنثى، سعيد۔ وكذا في الطحطاوي على الدرالمختار:٤/٣٥٠ ۔والفتاوى الهندية:٦/٤٣٧ ۔والهداية:٤/٧٠١ ۔وكنزالدقائق: ٤٨٩ ۔والبحرالرائق:٨/٤٧٢)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ فرماتے ہیں:

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جسم اللہ کی امانت اور اس کا پیکر اللہ کی تخلیق کا مظہر ہے جس میں کسی شرعی اور فطری ضرورت کے بغیر کوئی خود ساختہ تبدیلی درست نہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنوعی طور پر بال لگانے خوبصورتی کے لئے دانتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے کو ناجائز قابلِ لعنت اور اللہ کی خلقت میں تغیر قرار دیا ہے۔اس لئے ظاہر ہے کہ محض زینت اور فیشن کی غرض سے اس قسم کا کوئی آپریشن اور جسم میں کوئی تغیر قطعاً درست نہ ہوگا جیسا کہ آج کل ناک پستان وغیرہ کے سلسلہ میں کیا جاتا ہے۔(جدید فقہی مسائل:۲/۱۷۱)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دوستونوں کے درمیان صف بنانے کا حکم:

سوال: دوستونوں کے درمیان صف بنانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بلاضرورت جبکہ مسجد میں وسعت بھی ہو تو دوستونوں کے درمیان صف بنانا مکروہ ہے، احادیث میں نہی وارد ہے البتہ تنگی اور ضرورت ہے تو جائز ہے جیسا کہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ دو ستونوں کے درمیان صف بلا کراہت جائز ہے نیز اس قول کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ کراہت تحریمی نہیں ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن عبد الحميد بن محمود قال: صلينا خلف أمير من الأمراء فاضطرنا الناس فصلينا بين الساريتين فلما صلينا قال أنس بن مالك رضي الله عنه: كنا نتقي هذا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم .....قال أبو عيسى: حديث أنس رضي الله عنه حديث حسن صحيح وقد كره قوم من أهل العلم أن يصف بين

السواری.....وقدرخص قوم من أهل العلم فی ذلک. (رواه الترمذی:۱/۵۳، باب ما جاء فی کراهية الصف بين السواری ، فيصل)

ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن معاوية بن قرة عن أبيه قال: كنا ننهى أن نصف بين السواری على عهد رسول الله ﷺ ونطرد عنها طرداً. (رواه ابن ماجة: ۷۰ باب الصلاة بين السواری فی الصف)

شیخ عبدالغنی دہلویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

لعل سبب النهی أنه موجب للفرقة والجماعة سبب الجمعية وهذا إذا كان المكان واسعاً، وأما إذا ضاق المكان وازدحم الناس فلا بد من الصفوف بين السواری. (انجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجة: ۷۰)

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

إذا كان منفرداً لا بأس بالصلاة بين الساريتين، إذا لم يكن فی جماعة لأن ذلک يقطع الصفوف، وتسوية الصفوف فی الجماعة مطلوبة. (عمدة القاری:۳/۵۸۰، باب الصلاة بين السواری)

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

والاصطفاف بين الأسطوانتين غير مكروه لأنه صف فی حق كل فريق وإن لم يكن طويلا وتخلل الأسطوانة بين الصف كتخلل متاع موضوع أو كفرجة بين رجلين وذلک لا يمنع صحة الاقتداء ولا يوجب الكراهة. (المبسوط للسرخسی:۲/۳۵ ،باب صلاة الجمعة)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

مبسوط سرخسی میں موجود ہے کہ اگر ستون درمیان میں ہو تو اس سے نہ اقتداء ممنوع ہوتا ہے نہ کراہیت پیدا ہوتی ہے۔ والاصطفاف بين الاسطوانتين غير مكروه..... اگر مسجد میں وسعت ہو تو اچھا یہ ہے کہ اس جگہ اصطفاف سے احتراز کیا جائے جہاں ستون بیچ میں آجائے، کیونکہ بعض اہلِ علم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے۔ (فتاوی محمودیہ:۶/۵۱۲ باب تسویۃ الصفوف، جامعہ فاروقیہ وامداد الاحکام ۱/۵۲۳)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

Maktaba Tul Ishaat.com

فصلِ پنجم

محاذات کا بیان

مسئلہ محاذات کی وضاحت:

محاذات کی تعریف:

نماز میں عورت کا مرد کے آگے کھڑا ہونا یا مرد کے محاذی یعنی برابر میں اس طرح کھڑا ہونا کہ عورت کا قدم نماز کے دوران میں کسی وقت بھی مرد کے کسی عضو کے مقابل ہوجائے تو اس سے مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی۔قدم کے برابر ومقابل ہونے سے پنڈلی اور ٹخنہ کا برابر ہونا مراد ہے۔صحیح قول کے موافق یہی معتبر ہے پس اگر عورت کا ٹخنہ اور پنڈلی مرد کے ٹخنہ اور پنڈلی کے برابر میں ہوگی تو محاذات ثابت ہونے کی وجہ سے مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی۔اگرچہ عورت کا پیر مرد کے پیر سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے عورت کے پیر کا اگلا کچھ حصہ مرد کے پیر سے پیچھے رہے،اور اگر عورت کا پیر مرد کے پیر سے اس قدر پیچھے ہو کہ دونوں ٹخنے اور پنڈلی بالکل برابر میں نہیں رہتے بلکہ عورت کے ٹخنے اور پنڈلی مرد کے ٹخنے اور پنڈلی سے پیچھے ہوں تو اصح قول کی بنا پر نماز فاسد نہیں ہوگی۔اس طرح قدم کے علاوہ کسی اور عضو کے مقابل ہونے سے نماز فاسد ہوگی۔

محاذات کی شرطیں:

(۱) عورت حدِ شہوت کو پہنچ گئی ہو اور جماع کے لائق ہو اگرچہ نابالغ ہو۔

(۲) مطلق نماز ہو یعنی رکوع سجدہ والی نماز ہو۔

(۳) تحریمہ میں دونوں مشترک ہوں یعنی ایک ہی امام کی اقتداء میں ہو یا عورت نے اپنے محاذی مرد

کی تحریمہ باندھی ہو۔

(۴) مرد مکلّف ہو یعنی عاقل بالغ ہو۔

(۵) عورت بھی عاقلہ ہو، امداد الاحکام میں ہے: مجنونہ عورت کی محاذات مفسد نہیں ہے۔ (بحوالہ شامی ۱/۵۶۱)

(۶) امام نے عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو۔

(۷) ایک کامل رکن میں محاذات پائی جائے۔

(۸) دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

(۹) نماز شروع کرنے کے بعد شامل ہونے والی عورت کو مرد نے پیچھے ہٹنے کا اشارہ نہ کیا ہو۔

(۱۰) دونوں کا ایک مکان میں ہونا۔

محاذات کے مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ مرتب ہونے والی چند صورتیں حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) عورت کا امام کے آگے یا برابر ہونا اس سے امام اور اس عورت اور تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۲) عورت کا امام اور مقتدی مردوں کی صف کے درمیان میں یا مقتدی مردوں کی صفوں کے درمیان میں کھڑا ہونا اس صورت میں ایک عورت اپنے پیچھے والی صرف پہلی صف کے محاذی ایک مرد کی نماز فاسد کرے گی اور دو عورتیں صرف پیچھے والی پہلی صف کے دو محاذی مردوں کی نماز فاسد کریں گی اور تین عورتیں پیچھے والی تمام صفوں کے تین تین محاذی مردوں کی نماز فاسد کریں گی اور تین سے زیادہ عورتیں صف تام کے حکم میں ہونے کی وجہ سے پیچھے والی تمام صفوں کے تمام آدمیوں کی نماز فاسد کریں گی۔

ایک یا دو عورتیں آگے ہونے کی صورت میں اگر ان کے اور مردوں کے درمیان سترہ بقدر ایک ہاتھ حائل ہوگا تو مانع فساد ہوگا اس سے کم مانع فساد نہیں اور تین یا زیادہ عورتیں آگے ہونے کی صورت میں سترہ حائل ہونے کا اعتبار نہیں اور فسادِ نماز کا حکم بدستور برقرار رہے گا۔

(۳) عورت کا مردوں کی صف میں کھڑا ہونا پس ایک عورت تین آدمیوں کی نماز فاسد کرے گی ایک اپنے دائیں اور ایک بائیں اور ایک پیچھے والی پہلی صف کے اپنی سیدھ والے آدمی کی اور دو عورتیں چار آدمیوں کی یعنی ایک دائیں اور ایک بائیں اور دو پیچھے والی پہلی صف کے اپنی سیدھ والے دو آدمیوں کی نماز فاسد کریں گی اور تین

Maktaba Tul Ishaat.com

عورتیں ایک ایک دائیں بائیں والے آدمی کی اور پیچھے والی ہر صف کے تین تین محاذی آدمیوں کی آخر صفوں تک نماز فاسد کریں گی اور تین سے زیادہ عورتیں دائیں اور بائیں والے ایک ایک آدمی کی اور پیچھے والی تمام صفوں کے تمام آدمیوں کی نماز فاسد کریں گی۔

(۴) ایک ہی صف میں ایک طرف آدمی ہوں اور ایک طرف عورتیں ہوں اور ان کے درمیان میں کوئی حائل نہ ہو تو صرف اس ایک آدمی کی نماز فاسد ہوگی جو عورت کے متصل محاذی ہوگا اور باقی آدمیوں کی نماز درست ہوجائے گی کیونکہ یہ آدمی باقی آدمیوں اور عورتوں کے درمیان بمنزلہ سترہ ہوجائے گا۔

(۵) قدِ آدم یا زیادہ اونچا چبوترہ یا سائبان یا بالا خانہ وغیرہ ہے اور اسکے اوپر مرد ہیں اور نیچے ان کے محاذی عورتیں ہیں یا اس کے برعکس یعنی عورتیں اوپر ہیں اور نیچے ان کے محاذی مرد ہیں تو یہ قدِ آدم اونچائی مانع فسادِ نماز ہوجائے گی اور مردوں کی نماز فاسد نہ ہوگی، قدِ آدم سے کم اونچائی مانع فساد نہ ہوگی۔ (ماخوذ از عمدۃ الفقہ حصہ دوم ۲۰۹۔۲۱۵، کتاب الصلاۃ)

احادیث وکتبِ فقہ سے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ أن جدته ملیکة دعت رسول اللہ ﷺ لطعام صنعته له فأکل منه ثم قال قوموا فلأصلی لکم.....فقام رسول اللہ ﷺ وصففت والیتیم وراء ہ والعجوزمن ورائنا فصلی لنارسول اللہ ﷺ رکعتین ثم انصرف. (بخاری شریف:۱/۵۵/۳۷۸، باب الصلاة علی الحصیر۔وکذا فی مسند أحمد: ۱۲۶۷۴۔والسنن الکبری:۳/۹۶۔والنسائی:۱/۲۸۵۔ومؤطا مالك رقم:۳۶۳ ومسلم رقم:۱۵۳۱۔وأبوداود رقم: ۶۱۲۔والترمذی رقم: ۲۳۴)

مصنف ابن ابی شیبۃ میں ہے:

حدثنا ابن مهدی عن سفیان عن الأعمش عن إبراهیم أنه کان یکره أن یصلی بصلاة الإمام إذاکان بینهما طریق أونهرأونساء. (مصنف ابن أبی شیبة:۴/۳۲۸۔وهکذا فی مصنف عبد الرزاق ۳/۸۲)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

فکان ابن مسعود رضی اللہ عنہ یقول:أخروهن من حیث أخّرهن الله. (مصنف عبد الرزاق: ۳/۱۴۹/۵۱۱۵

باب شهود النساء الجماعة ،المجلس العلمی۔وصحیح ابن خزیمة: ۲/۸۱۹/۱۷۰۰۔والمعجم الکبیر للطبرانی:رقم:۹۳۷۲)

امدادالفتاح میں ہے:

(أن لایفصل بین الإمام والمأموم صف من النساء)لما روی عن عمر ﷺ موقوفاً ومرفوعاً للنبی ﷺ:أنه قال:من کان بینه وبین الإمام نهرأوطریق أوصف من النساء فلا صلاة له. (امداد الفتاح :۳۳٤ شروط صحة الاقتداء۔وکذا فی تبیین الحقائق:۱/۱۳۹،باب الامامة،امدادیة)

امدادالفتاح میں ہے:

ومحاذات المشتهاةولوفی الماضی کالعجوزالشوهاء فی أداء رکن علی ما قاله محمدؒ أومقداره علی قول أبی یوسفؒ والمراد أن تحاذی رجلا بساقها وکعبها فی الأصح،ولوکانت محرماً له أوزوجة ولامعتبربالسن فی الصغیرة إنما العبرة بالضخامة و العبالة لتکون صالحة للجماع فتحاذیه وفی صلاة مطلقة هی ذات الرکوع والسجود .....مشترکة تحریمة المستلزم للاشتراک تادیة والاشتراک یتحقق باتحاد فرضها و ارتباط صلاتهما بابتناء تحریمتهما علی تحریمة الإمام أویکون هوإماماً لها فی مکان متعد حتی لوکان أحدهما علی مکان والآخر علی الأرض والدکان قدرقامة الرجل لا تفسد صلاته لاختلاف المکان بلا حائل بینهما مثل مؤخرة الرحل فی الطول وغلظ الأصبع فإن کان لا تضرالمحاذاة لأن أدنی الأحوال القعود فقدرالحائل بقدره، والفرجة تقوم مقام الحائل وأدناها قدرما یقوم به المصلی ولم یشرإلیها لتتأخرفان أشارإلیها فلم تتأخرهی فسدت صلاتها دون صلاته لاتیانه بما فی وسعه، وتقدمه عنها بالمشی مکروه فاذا ترک الإشارة فسدت بالمحاذاة صلاته،والتاسع من شروط المحاذاة المفسدة أن یکون الامام قد نوی إمامتها لأنه شرط لصحة اقتدائهاکما قدمناه فاذا لم ینوها لاتفسد محاذاتها،وفی الجمعة والعدین قال أکثرهم:لایصح أیضاً اقتداؤها ما لم ینوإمامتها بالخصوص. (امداد الفتاح:۳٦٤ باب ما یفسد الصلاة۔وکذا فی شرح منیة المصلی:۵۲۱، فصل فی الامامة ،سهیل اکیڈمی۔وفی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۳۲۹ ،باب ما یفسد الصلاة،قدیمی ۔و فی الشامی: ۱/۵۷۲ باب الامامة ،

Maktaba Tul Ishaat.com

سعید۔وحاشیة الطحطاوی علی الدر المختار:۱/۲٤۷ باب الامامة ، العربیة کوئٹہ۔وھکذا فی الفتاوی الھندیة:۱/۸۹ الفصل الخامس فی بیان مقام الامام والمأموم۔ والبحر الرائق:۱/۳٥٤۔۳٥۸ باب الامامة ، الماجدیة کوئٹہ۔ وتبیین الحقائق:۱/۱۳۷ باب الامامة)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بالاخانہ پر عورتیں امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو محاذات کا حکم:

سوال: اگر مسجد کی دوسری منزل پر بہت ساری عورتیں امام کے پیچھے نماز پڑھتی ہیں اور عورتوں کے پیچھے مرد نمازی ہیں لیکن زمین کی سطح پر ہیں تو مردوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: عورتوں کی صف اگر مسجد کی دوسری منزل پر ہو اور مردوں کی صف زمین کی سطح پر ہو اور عورتیں مردوں کی صف پر مقدم نہ ہوں تو نماز ادا ہوجائے گی ،اور مقدم ہونے کی صورت میں فقہاء کا تھوڑا سا اختلاف ہے لیکن چونکہ متون میں حائل کی صورت میں صلاۃِ رجال کو فاسد نہیں کہا بلکہ صحیح کہا ہے لہذا اس صورت میں بھی مردوں کی نماز صحیح ہوجائے گی۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

السابع اتحاد المکان حتی لو کان احدھما علی دکان علو قامة والآخر علی الأرض لاتفسد صلاته. (شرح منیة المصلی:۵۲۲ فصل فی الامامة ، سهیل اکیڈمی۔وامداد الفتاح:۳٦٤،بیروت۔وفتح القدیر:۱/۳٦٤، باب الامامة۔والفتاوی الهندیة:۱/۸۹ الفصل الخامس فی بیان مقام الامام والمأموم۔والشامی: ۱/٥۷٦، باب الامامة)

التحریر المختار میں ہے:

(قوله فهذا صریح فی أن الحائل غیر معتبر)هو صریح فی أن الصف الأول من الرجال لایعد حائلا ولایمکن أن یقال غیره من الحوائل مثله لنقل أهل المذهب أن الحائل یمنع الفساد کعبادة مفتاح السعادة وما نقله طحطاوی عن أبی السعود فی أول مسئلة المحاذاة بقوله ولو کان ورائهن حائط خلفه صفوف لاتفسد صلاتهم علی الأصح و حینئذ یفید اطلاق ما فی الخانیة وغیرهما بما فی مفتاح السعادة. (التحریر المختار:۱/۸٦ علی هامش الشامی)

ملا علی قاریؒ نے شرح نقایہ میں نقل فرمایا ہے:

والحاصل أنه لایصح رفعه لکنه ثبت عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ وقفه رواه الطبرانی..... والحدیث مع کونه موقوفاً لادلالة له فیه إلا علی الاستحباب فأخروهن عن الرجال کتأخر الأطفال وفق ما ثبت فی الأحادیث المرفوعة وعلی تسلیم أن الأمر للوجوب بناء علی أنه فی حکم المرفوع فلا دلالة فیه علی ابطال الصلاة حال المحاذاة. (شرح النقایة: ۱/۲۰٤، سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حرم شریف میں عورتوں کی محاذات کے مسئلہ کا حل:

سوال: حرم شریف میں عورتوں کی محاذات کا مسئلہ لاینحل سا ہے اس میں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے یا کسی اور کے مذہب پر فتوی کی گنجائش ہے یا نہیں؟ فقہاء نے اس مسئلہ کی صراحت کی ہے یا نہیں؟

الجواب: محاذات سے فسادِ صلاۃ کا مسئلہ صرف مذہبِ احناف کے مطابق ہے ورنہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محاذات کوئی چیز نہیں۔ پھر احناف کی دلیل اس مسئلہ میں صرف عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "أخّروهن من حیث أخرهن الله" ملاعلی قاریؒ نے شرح نقایہ میں فرمایا مرفوعاً حدیث صحیح نہیں ہے لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً صحیح ہے تب بھی صرف استحباب ثابت ہوسکتا ہے کہ عورتوں کو پیچھے نماز پڑھنا مستحب ہے جیسے بچوں کے لئے پیچھے مستحب ہے اگر تسلیم بھی کرے کہ امر وجوب کے لئے اور موقوف مرفوع کے حکم میں ہے تب بھی حالتِ محاذات میں نماز فاسد ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فسادِ نماز کے لئے مضبوط دلیل چاہئے جو یہاں موجود نہیں ہے لہذا نماز فاسد نہ ہونی چاہئے، لیکن ملاعلی قاریؒ کی عبارت متون شروح وفتاوی سے مختلف ہے لہذا اعتبار متون وشروح وفتاوی کا ہونا چاہئے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ عام حالات میں تو متون وغیرہ ہی کا اعتبار ہوگا یعنی محاذات مفسد ہے لیکن حرم شریف میں چونکہ محاذات سے بچنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن سا ہے لہذا ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ملاعلی قاریؒ کی اس عبارت پر فتوی دیا جائے تو مناسب ہوگا۔

کیونکہ علامہ شامیؒ وغیرہ نے تو صراحت فرمائی ہے کہ مفتی اگر غیر مشہور قول پر فتوی دے مواضع ضرورت میں آسانی کا پہلو سامنے رکھتے ہوئے تو ٹھیک ہے اور گنجائش ہے۔ اس کے برخلاف ہم یہ کہیں کہ حرم میں بھی نماز فاسد ہوجائے گی تو اس میں بہت تنگی اور حرج ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بعض علماء نے یہ جواب مرحمت فرمایا ہے کہ چونکہ ائمۂ حرم عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے لہذا عورتوں کی نماز ہی نہ ہوگی اور محاذات کا تحقق نہ ہوگا، لیکن اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ائمہ کے مذہب کے مطابق عورتوں کی علیحدہ نیت کی ضرورت نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ائمہ نے خود بتایا کہ ہم عورتوں کی امامت کی نیت کرتے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا علاء الدین صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود شیخ سبیل سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم عورتوں کی بھی نیت کرتے ہیں، لہذا یہ کہنا کہ عورتوں کی نیت نہیں کرتے تو محاذات نہ ہوگی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

حاصل کلام: حرم شریف میں مسئلہ محاذات کا حل یہی ہوسکتا ہے کہ ملا علی قاریؒ کی عبارت پر فتوی دے، علامہ شامیؒ کے قول کے مطابق ضرورت کے وقت آسانی کا پہلو سامنے رکھتے ہوئے۔

ملا علی قاریؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وأما قول صاحب الهداية لقوله ﷺ أخّروهن من حيث أخّرهن الله فغير معروف رفعه و أغرب منه أنه جعله من المشاهير وهذا خلاف ما عليه الجماهير، والحاصل أنه لايصح رفعه لكنه ثبت عن ابن مسعود رضي الله عنه ووقفه رواه الطبراني.....والحديث مع كونه موقوفاً لا دلالة له فيه إلاعلى الاستحباب فأخّروهن عن الرجال كتأخر الأطفال وفق ما ثبت فى الأحاديث المرفوعة وعلى تسليم أن الأمر للوجوب بناء على أنه فى حكم المرفوع فلا دلالة فيه على إبطال الصلاة حال المحاذاة. (شرح النقاية: ۱/ ۲۰۴، ترتيب الصفوف، سعيد)

ملاحظہ ہو علامہ شامی کا قول مواضعِ ضرورت میں غیر مشہور روایت پر فتوی دینا:

وفى المعراج عن فخر الأئمة: لوأفتى مفت بشىء من هذه الأقوال فى مواضع الضرورة طلباً للتيسير كان حسناً. (شامى: ۱/۲۸۹ باب الحيض، مطلب لوأفتى مفت الخ، سعيد- ورسم المفتى: ٤٤)

نیز علامہ ابن نجیم مصریؒ نے بھی یہ قول البحر الرائق میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وفى معراج الدراية معزياً إلى فخر الأئمة لوأفتى مفت بشىء من هذه الأقوال فى مواضع الضرورة طلباً للتيسير كان حسناً. (البحر الرائق: ۱/۱۹۳، باب الحيض، الماجديه)

نیز قواعد شریعت اور مزاجِ شریعت کے بھی موافق ہے: یعنی حرج اور تنگی نہیں ڈالنا چاہئے بلکہ آسانی کا پہلو اختیار کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو:

قال الله تعالى:﴿وماجعل عليكم فى الدين من حرج﴾و﴿يريد الله بكم اليسرولايريد بكم العسر﴾

عن أبى بردة قال بعث النبىﷺ جده أبا موسى ومعاذ إلى اليمن فقال:"يسّرا ولاتعسّرا وبشّرا ولاتنفّرا وتطاوعا ولاتختلفا"متفق عليه.(مشكاة: ۳۲۳/۲ باب ما على الولاة من التيسير)

شرح مجلۃ میں ہے:

المشقة تجلب التيسير.المادة ۱۷:(شرح المجلة ۲۷ـ ۲۸)

إن الصعوبة تصيرسبباً للتسهيل ويلزم التوسيع فى وقت المضايقة.....اعلم أن أصل الشرع مبناه على اليسروالتسهيل، قال الله تعالى:﴿يريد الله بكم اليسرولايريد بكم العسر﴾ و﴿وما جعل عليكم فى الدين من حرج﴾وقالﷺ :"أحب الدين إلى الله الحنفية السمحة".المادة۱۷:(شرح المجلة:۱/۴۸،رشيديه ، محمد خالد الاتاسى)

مفتی اعظم پاکستان ہمارے استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ بھی حرم میں محاذات کے باوجود نماز کی صحت کا فتوی دیتے تھے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدیث:"أخّروهن من حيث أخّرهن الله" کی تحقیق:

سوال: کتبِ حدیث میں مشہور ہے کہ یہ حدیث ابن مسعودؓ سے موقوفاً مروی ہے حالانکہ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ رزین یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے پھر علمائے کرام کیوں اس کو موقوف فرماتے ہیں اور مرفوع کی نفی کرتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ذكرالبغوى فى مشكاة المصابيح فى الرقاق عن حذيفةؓ قال:سمعت رسول اللهﷺ يقول فى خطبته الخمرجماع الاثم.....وسمعته يقول:" أخّروا النساء حيث أخّرهنّ الله".رواه رزين.(مشكاة المصابيح: ۲۸۶/۹)

قال الألبانىؒ:لاأصل له مرفوعاً.(مشكاة:۱۳۰/۳/۵۲۱۵)

وفى المرقاة:(رواه رزين)وفى التمييزلابن الربيع حديث " أخّروا النساء حيث أخّرهنّ الله" يعنى النساء قال شيخنا فى مصنف عبد الرزاقؒ:وذكرأحاديث بمعناه من طريق الطبرانى ثم قال:ولانطيل

Maktaba Tul Ishaat.com

بها.....فالحديث مشهورعند المحدثين لكن بالمعنى اللغوى لا بالمعنى الاصطلاحى. (مرقاة المفاتيح ۲۸٦/۹)

وفى مصنف عبد الرزاق:عبد الرزاق عن الثورى عن الأعمش عن إبراهيم عن أبى معمرعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال:كان الرجال.....فكان ابن مسعود رضی اللہ عنہ يقول:" أخّروا النساء حيث أخّرهنّ الله". (مصنف عبد الرزاق: ۱٤۹/۳)

وفى المقاصد الحسنة:حديث:" أخّروا النساء حيث أخّرهنّ الله" قال الزركشى عزوه الى الصحيحين غلط وكذا من عزاه لدلائل النبوة للبيهقى مرفوعاً ولمسند رزين،ولكنه فى مصنف عبد الرزاق ومن طريقه الطبرانى من قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ فى حديث أوله:كان فى بنى إسرائيل الرجل و المرأة يصلون جميعا.(المقاصد الحسنة: ۱٥/۱ ـوكذا فى كشف الخفاء ٦۷/۱)

قال الزيلعىؒ فى نصب الراية:الحديث: ٦۹:قال رسول الله ﷺ:" أخّروهن من حيث أخّرهنّ الله"قلت:حديث غريب مرفوعاً.وهوفى مصنف عبد الرزاق موقوف على ابن مسعود رضی اللہ عنہ.فقال: أخبرنا سفيان الثورى عن الأعمش عن إبراهيم عن أبى معمرعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال:كان الرجال و النساء فى بنى إسرائيل يصلون جميعاً فكانت المرأة تلبس القالبين فتقوم عليها فتواعد خليلها فألقى عليهن الحيض فكان ابن مسعودرضی اللہ عنہ يقول:" أخّروهن من حيث أخّرهنّ الله".....انتهى.

ومن طريق عبد الرزاق رواه الطبرانى فى معجمه:قال السروجى فى الغاية:كان شيخنا الصدرسليمان يرويه:"الخمرأم الخبائث،والنساء حبائل الشيطان،وأخّروهن من حيث أخّرهن الله"ويعزوه إلى مسند رزين وقد ذكرهذا الجاهل أنه فى دلائل النبوة للبيهقى..... وقد تتبعته فيه فلم أجده فيه لامرفوعاً ولاموقوفاً.والذى فيه مرفوعاً:الخمرجماع الإثم والنساء حبالة الشيطان والشباب شعبة من الجنون،ليس فيه أخّروهن من حيث أخّرهن الله أصلا.(نصب الراية فى تخريج أحاديث الهداية: ۳٦/۲ جدّة)

*خلاصہ:عام طور پر مصنف عبدالرزاق کا حوالہ اس حدیث کا دیا جاتا ہے،مصنف عبدالرزاق میں یہ موقوفاً ہے مرفوعاً نہیں۔*فكان ابن مسعود ص يقول.

(۲) صاحب مشکاۃ نے رزین کا حوالہ دیا ہے،مگر علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی نسبت رزین کی طرف

کرنا صحیح نہیں۔(مقاصد حسنہ)

(۳)علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ صدر سلیمان نے فرمایا اس حدیث کے کل چار اجزاء میں سے پہلے تین اجزاء وہاں موجود ہیں، مگر چوتھا جزء جو ہمارے مسئلہ سے متعلق ہے "أخّروهن من حيث أخّرهن الله" اس کا وہاں بالکل وجود نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

فصلِ ششم

اقتدا کے احکام

عورتیں ہوں اور پیچھے والے کمرے میں مرد کی اقتدا کا حکم:

سوال: امام کے پیچھے آگے والے کمرے میں عورتیں ہیں اور پیچھے والے کمرے میں مرد ہیں تو اقتدا درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر عورتیں آگے والے کمرہ میں ہیں اور مرد پیچھے والے کمرہ میں ہیں تو مردوں کی اقتدا صحیح ہونے اور نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ احتیاط اس میں ہے کہ اقتدا درست نہ ہو؛ جیسے علامہ شامیؒ نے اسی کو مختار کہا ہے، نیز اس میں ضرورت بھی نہیں اس لئے کہ مرد اگلے کمرہ میں کھڑے ہو سکتے ہیں اور عورتیں پچھلے کمرہ میں کھڑی ہو سکتی ہیں۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویمنع من الاقتداء صف من النساء بلا حائل.....وفی الشامی:(قوله صف من النساء)المراد به ما زاد علی ثلاث نسوة فانه یمنع اقتداء جمیع من خلف.....ولو کان صف من النساء بین الرجال والإمام لایصح اقتداء الرجال بالإمام ویجعل حائلاً.....وفی المعراج عن المبسوط:فان کان صف تام من النساء وورائهن صفوف الرجال فسدت تلک الصفوف کلها استحساناً،والقیاس أن لاتفسد إلاصلاة صف واحد،ولکن استحسن لحدیث عمر رضی اللہ عنہ مرفوعاً وموقوفاً علیه"من کان بینه وبین الإمام نهرأوطریق أوصف من النساء فلاصلاة له"فهذا صریح فی أن الحائل غیرمعتبرفی صف النساء والا فسدت صلاة

الصف الأول من الرجال فقط لكونه صار حائلا بين من خلفه وبين صف النساء كما هو القياس، فظهر أن ما ذكره الشارح من اعتبار الحائل أو الارتفاع انما هو فيما دون الصف التام من النساء كالواحدة والثنتين، أما الصف فهو خارج عن القياس اتباعاً للأثر، هذا ماظهر فتدبر، والله أعلم. (شامی: ۱/۵۸٤، باب الامامة سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا كان صف تام من النساء خلف الإمام وورائهن صفوف من الرجال فسدت صلاة تلك الصفوف كلها استحساناً كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۷، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء ومالا يمنع)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام کے پیچھے دوسرے کمرے میں اقتدا کا حکم:

سوال: اگر امام ایک کمرہ میں ہو اور اس کے ساتھ چند مقتدی ہیں اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے بعض مقتدی دوسرے الگ کمرے میں اقتدا کرتے ہیں تو ان کی اقتداء درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر دونوں کمرے ساتھ ہیں اور درمیان میں بڑا راستہ یا دو صف کے بقدر خالی جگہ نہیں ہے تو دوسرے کمرے والوں کی اقتدا صحیح ہے ورنہ نہیں۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وأما ماصححه في الظهيرية في مسألة السطح فالظاهر أنه بناء على ما إذا كان السطح متصلاً بالمسجد فحينئذ يصح الاقتداء ويكون مافي الخانية مبنياً على عدم الاتصال المذكور بدليل أنه في الخانية علل للمنع بكثرة التخلل واختلاف المكان: أي لكون صحن الدار فاصلاً بين السطح والمسجد فيفيد أنه لولا ذلك لصح الاقتداء ويؤيده ما في البدائع حيث قال: لو كان على سطح بجنب المسجد متصل به ليس بينهما طريق فاقتدى به صح اقتداء ه عندنا، لأنه إذا كان متصلاً به صار تبعاً لسطح المسجد وسطح المسجد له حكم المسجد فهو كاقتداء ه في جوف المسجد إذا كان لايشتبه عليه حال الامام.....وقد جزم صاحب الهداية في مختارات النوازل بأن العبرة للاشتباه ثم قال بعده: وإن قام على سطح داره واقتدى بالإمام إن لم يكن بينها حائل ولو شارع يصح، فيتعين حمل مافي الظهيرية

Maktaba Tul Ishaat.com

علی ما إذا لم یکن حائل کماقلنا،فیصح لاتحاد المکان وما نقله الشرنبلالی عن البرهان فلیس فیه تصحیح الاقتداء مع اختلاف المکان،لأنه بتخلل الحائط لایختلف المکان کما قدمناه عن قاضیخان، وفی التتارخانیة:وإن صلی علی سطح بیته المتصل بالمسجد ذکرشمس الأئمة الحلوانیؒ أنه یجوز.....(شامی: ۱/۵۸۷،سعید وهکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۹۳،قدیمی)

امدادالفتاح میں ہے:

المانع من الاقتداء فی الفلاة فاصل یسع صفین علی المفتی به کما فی التجنیس والمزید.....**ویشترط أن لایفصل بینهما حائط کبیریشتبه معه العلم بانتقالات الامام، فان لم یشتبه العلم بانتقالات العلم لسماع أورؤیة ولولم یمکن الوصول الیه صح الاقتداء به فی الصحیح وهواختیارشمس الأئمة الحلوانیؒ لماروی أن النبی ﷺ:کان یصلی فی حجرة عائشة** رضی اللہ تعالیٰ عنها **والناس فی المسجد یصلون بصلاته**(أخرجه البیهقی فی سننه: ۱۰۹/۳)**وعلی هذا الاقتداء فی الأماکن المتصلة بالمسجد الحرام وأبوابها من خارجه صحیح إذا لم یشتبه حال الإمام بسماع أورؤیة ولم یتخلل إلاالجدر**.....(امداد الفتاح: ۳۳۵ شروط صحة الاقتداء،بیروت)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اقتدا دوسرے مکان میں درست ہے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۳/ ۳۶۷،مدلل ومکمل،دارالاشاعت)

نیز ملاحظہ ہو:احسن الفتاوی:۳/ ۳۰۶،فصل مانع اقتداء۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسجد سے متصل مکان کی چھت پر یا صحن میں اقتدا کا حکم:

سوال: اگر کسی مسجد سے کوئی مکان متصل ہو صرف درمیان میں دیوار حائل ہو اور امام کی تکبیرات بھی سنائی دیتی ہو تو کیا اس مکان کی چھت پر یا صحن میں اقتدا کرنا درست ہے؟

الجواب: مسجد سے متصل مکان کی چھت پر یا صحن میں اقتدا درست ہے جبکہ صفوف متصل ہوں اور درمیان میں خالی جگہ یا بڑا راستہ نہ ہو۔ ملاحظہ ہو امدادالفتاح میں ہے:

المانع من الاقتداء فی الفلاة فاصل یسع صفین علی المفتی به کما فی التجنیس والمزید.....**و یشترط أن لایفصل بینهما حائط کبیریشتبه معه العلم بانتقالات الامام، فان لم یشتبه العلم بانتقالات العلم لسماع أورؤیة ولولم یمکن الوصول الیه صح الاقتداء به فی الصحیح وهواختیارشمس الأئمة الحلوانیؒ لماروی أن النبی ﷺ: کان یصلی فی حجرة عائشة** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **والناس فی المسجد یصلون بصلاته**(أخرجه البیهقی فی سننه: ۱۰۹/۳)**وعلی هذا الاقتداء فی الأماکن المتصلة بالمسجد الحرام وأبوابها من خارجه صحیح إذا لم یشتبه حال الإمام بسماع أورؤیة ولم یتخلل إلاالجدر**..... (امداد الفتاح:۳۳۵

شروط صحة الاقتداء۔وکذافی الشامی:۵۸۷/۱،سعید۔وهکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۹۳،قدیمی)

درمختار میں ہے:

ویمنع من الاقتداء.....**طریق أی نافذ أبوالسعود عن شیخه.قلت:ویفهم ذلک من التعبیرعنه فی عدة کتب بالطریق العام، وفی التتارخانیة :الطریق فی مسجد الرباط و الخان لایمنع،لأنه لیس بطریق عام**.....(الدرالمختار مع الشامی:۵۸٤/۱،سعید)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جس مکان کی چھت مسجد سے بالکل متصل ہواس طرح کہ بیچ میں راستہ نہ ہوتواس چھت پر سے اقتدا درست ہے اوراگر درمیان میں راستہ ہوتو اقتداء درست نہیں مگر جبکہ راستہ میں صفیں کھڑی ہوکر مسجد کی صفوں سے متصل ہوجائیں تواس مکان کی چھت پر سے اقتدا درست ہے۔(عمدۃ الفقہ:۲/۱۹۷)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسجد سے متصل مکان کی چھت پر اقتدا کا حکم:

سوال: اگرمکان مسجد سے متصل ہوتواس کی چھت پر کھڑے ہوکرامام کی اقتدا جائز ہے یانہیں؟

الجواب: جومکان مسجد سے متصل ہےاور درمیان میں خالی جگہ بھی نہیں ہےاورامام کی تکبیرات کا علم بھی ہوتا ہےتواقتدا جائزاوردرست ہےتاہم اقتدانہ کرنے میں احتیاط ہے، کیونکہ اتحادِمکان نہیں پایاجاتا۔

ملاحظہ ہومراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے:

الاقتداء فی الأماکن المتصلة بالمسجدالحرام وأبوابها من خارجه صحیح إذا لم یشتبه

Maktaba Tul Ishaat.com

حال الإمام عليهم لسماع أورؤية ولم يتخلل إلا الجدار كما ذكره شمس الأئمةؒ فيمن صلى على سطح بيته المتصل بالمسجد أوفي منزله بجنب المسجد وبينه وبين المسجد حائط مقتدياً بإمام في المسجد وهويسمع التكبيرمن الإمام أومن المكبرتجوز صلاته كذا في التجنيس والمزيد. (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح: ۱۰۹، باب الامامة ،مكة المكرمة)

طحطاوی میں ہے:

وفي حاشية الدررللمؤلف: الصحيح اعتبارالاشتباه فقط، وقواه في الدربالنقل عن المعتبرات خلافاً لما في الدرر، والبحروغيرهما من اشتراط عدم اختلاف المكان،فلو اقتدى من بمنزله بمن في المسجد وان انفصل عنه صح ان لم يوجد مانع من نحوطريق، ولم يشتبه حال الإمام. (طحطاوی علی مراقی الفلاح:۲۹۳،باب الامامة،قديمی)

نیز ملاحظہ ہو: شامی: ۵۸۷/۱۔وفتاوی دارالعلوم دیوبند:۳۶۷/۳۔وامداد الاحکام: ۵۲۷/۱۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسجدِ کبیر میں بلا اتصالِ صفوف اقتدا کا حکم:

سوال: بڑی مساجد میں بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اتصالِ صفوف کے بغیر لوگ نماز پڑھتے ہیں، یعنی درمیان میں بہت خلا رہتا ہے، اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟ حرمین میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔

الجواب: مسئلہ بالا کے بارے میں فتاوی میں مختلف عبارتیں ملتی ہیں، بعض فتاوی میں مرقوم ہے کہ مسجد کبیر میں فصل کثیر مانع اقتدا ہے، اور دیگر بعض میں یہ قید مذکور نہیں ہے، فی زمانا حالات پر مدِ نظر رکھتے ہوئے مسجدِ کبیر میں بلا قید نماز درست ہوجانی چاہئے، کیونکہ حرمین کی مساجد، مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کافی وسیع ہیں، اور عام دنوں میں صفوف میں اتصال نہیں ہوتا، تو ہزاروں آدمیوں کی نماز خراب ہوجائیگی، پھر علامہ طحطاویؒ نے اس کی اچھی توجیہ فرمائی ہے کہ جب امام کی حالت مقتدیوں پر واضح ہو تو اتحادِ مکان کی وجہ سے اقتدا صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی شامی میں ہے:

والمسجد وإن كبر لايمنع الفاصل إلا في الجامع القديم بخوارزم فإن ربعه كان على أربعة آلاف أسطوانة ، وجامع القدس الشريف أعني مايشتمل على المساجد الثلاثة الأقصى والصخرة والبيضاء. (فتاوی الشامی: ۵۸۵/۱،سعيد).

فتاوی عالمگیری میں ہے:

والمسجد وإن كبر لايمنع الفاصل فيه...ولو اقتدى بالإمام في أقصى المسجد والإمام فى المحراب فإنه يجوز. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۸،الباب الخامس فى الامامة).

امدادالفتاح میں ہے: **والمسجد وإن كبر لايمنع الفاصل** ... (امدادالفتاح:ص۳۳۵).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

والفضاء الواسع فى المسجدلايمنع وإن وسع صفوفاً لأن له حكم بقعة واحدة كذا فى الأشباه من الفن الثاني، فلواقتدى بالإمام في أقصى المسجد، والإمام فى المحراب جاز كما فى الهندية ، قال البزازى : المسجد وإن كبر لايمنع الفاصل فيه إلا فى الجامع القديم بخوارزم فإن ربعه كان على أربعة آلاف أسطوانة ، وجامع القدس الشريف أعني ما يشتمل على المساجد الثلاثة ، الأقصى والصخراء ، والبيضاء كما فى الحلبي والشرح ، والظاهر أن ذلك لاشتباه حال الإمام على المأموم لا لاختلاف المكان . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:۲۹۳). و للاستزادة انظر : (الدررعلى الغرر:۱/۹۲۔وشرح منية المصلى:ص۵۲۴۔والفتاوى البزازية : ۴/۵۵) . واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مقتدی کی نماز امام کی نماز سے مختلف ہوتو اقتدا کا حکم:

سوال: اگرامام کی فجر اتوار کی ہواور مقتدی کی فجر سنیچر کی ہوتو اقتدا جائز ہے یانہیں؟

الجواب: مقتدی کا فرض امام کے فرض سے مختلف ہوتو اقتدا درست نہیں۔

ملاحظہ ہومختصر القدوری میں ہے:

ولامن يصلى فرضاً خلف من يصلى فرضاً آخر. (مختصرالقدوری:ص۴۲،باب الجماعة،سعيد)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

لأن الاقتداء شركة وموافقة فلابد من الاتحاد وسواء تغايرالفرضان أى وصفة كمن صلى ظهرامس خلف من يصلى ظهراليوم فإنه لايجوز. (الجوهرة النيرة:۷۳)

نورالایضاح میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

وأن لايكون الإمام مصلياً فرضاً غيرفرضه. وقال المحشیؒ:قوله غيرفرضه:مثل أن يصلي المأموم صلاة الظهرمن يوم السبت والإمام من صلاة الظهرمن يوم الأحد. (نور الايضاح مع الحاشية:٧٦ باب الامامة،مجيديه)

نیز ملاحظہ ہو: مراقی الفلاح :١٠٨ باب الامامة،مكة المكرمة_امداد الفتاح:٣٣٤، باب الامامة شروط صحة الاقتداء،بيروت_ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

صلوٰۃ القائم خلف القاعد علی الکرسی کا حکم:

سوال: اگرکوئی حنفی امام ہوجس کے گھٹنوں میں سخت درد ہو(ARTHRITIS) کا شکار ہووہ کھڑے ہوکررکوع بھی ٹھیک سے کرسکتا ہے،لیکن مسلمان ماہرطبیب نے کہا ہے کہ اگروہ سجدہ میں جائیگا تو ہمیشہ کے لیے اس کے گھٹنے خراب ہوجائیں گے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیاوہ شخص کرسی پر بیٹھ کرسجدہ اشارہ سے کرکے امامت کراسکتا ہے؟ نیز یہ بھی بتلایئے کہ اس کے لیے کتنی رخصت ہےاوراس کے لیےحل کیا ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ امام مومی یعنی اشارہ سے سجدہ کرتا ہے،اورمومی کے پیچھے غیرمومی کی نماز صحیح اوردرست نہیں ہوتی۔لأنه أدنى حالاً من المأمومين۔ہاں امام اگرزمین پر بیٹھ کررکوع،سجدہ زمین پرکرتا ہے تو پھراس کے پیچھے قائم مقتدی کی نماز درست ہوگی،لأن صلاة القائم خلف القاعدالذي يركع ويسجد صحيح۔لہذاامام ماہرطبیب کے مشورہ سے زمین پر بیٹھ کررکوع وسجد کے ساتھ نماز پڑھالے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ويصلي القائم خلف القاعد وقال محمدؒ: لايجوز، وهوالقياس لقوة حال القائم ونحن تركناه بالنص . وهوماروي أنه عليه الصلاة والسلام صلى آخر صلاته قاعداً والقوم خلفه قيام...ولايصلي الذى يركع ويسجدخلف المومى لأن حال المقتدى أقوى . (الهدايةمع فتح القدير:١/٣٦٨،٣٧١،دارالفكر).

درمختار میں ہے:

وصح اقتداء ...وقائم بقاعد يركع ويسجد ، لأنه صلى الله عليه وسلم صلى آخر صلاته قاعداً وهم قيام وأبوبكر يبلغهم تكبيره. وفي الشامية: قوله "وقائم بقاعد"... وقيد

القاعد بكونه يركع ويسجد، لأنه لو كان مومياً لم يجز اتفاقاً. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۵۸۸،سعید).

نیز مذکور ہے:

ولا قادر على ركوع وسجود بعاجز عنهما لبناء القوى على الضعيف . وفى الشامية: قوله بعاجزعنهما أى بمن يؤمى بهما قائماً أوقاعداً ، بخلاف ما لوأمكناه قاعداً فيصح قال ط (الطحطاوى): والعبرة للعجز عن السجود، حتى لو عجز عنه وقدر على الركوع أومأ.

(الدرالمختارمع ردالمحتار:۵۷۹،سعید).

وللاستزادة انظر: (البحرالرائق:۱/۳٦٤،المكتبة الماجدية،وشرح منية المصلى ،ص: ٥١٦، سهيل، وفتاوىٰ قاضيخان على هامش الهندية:۱/۸۹،وفتح باب العناية:۱/۲۸۱،بيروت). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اقتداء المعذوربالمعذور کاحکم:

سوال: اگرامام کوخروجِ ریح کا عذر ہے اور مقتدی کوسلس البول کا عذر ہے تو اقتدا درست ہوگی یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اختلافِ عذر کے وقت اقتدا صحیح نہیں ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں سلس البول والے کی اقتدا خروجِ ریح والے کے پیچھے صحیح قول کے مطابق درست نہیں؛ جیسا کہ علامہ شامیؒ اور علامہ طحطاویؒ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

وإن اختلف لم يجز كما فى الزيلعى والفتح وغيرهم،وفى السراج ما نصه:ويصلى من به سلس البول خلف مثله وأما إذا صلى خلف من به سلس البول وانفلات ريح لايجوز لأن الإمام صاحب عذرين والمؤتم صاحب عذرواحد ومثله فى الجوهر.....لكن اعترض فى النهرذلك بأنه يقتضى جوازاقتداء ذى سلس بذى انفلات وليس بالواقع لاختلاف عذرهما، وهومبنى على أن المراد بالاتحاد اتحاد العين، وهوظاهرما فى شرح المينة الكبيروكذا صرح فى الحلية بأنه لايصح اقتداء ذى سلس بذى جرح لايرقأ أوبالعكس، وقال:كما هوظاهرالمذهب، فإنه يجوزاقتداء معذوربمثله إذا اتحد عذرهما لا إن

Maktaba Tul Ishaat.com

اختلف.(شامی:۱/۵۷۸،سعید)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله لأن مع الإمام حدثاً ونجاسةً)قال فی النهر:مقتضی هذا التعليل أن يجوزاقتداء من به سلس البول بمن به انفلات ريح وليس بالواقع لاختلاف عذرهما فالأولى أی يعلل بمحض اختلاف عذرهما لابكون الإمام صاحب عذرين والمقتدی صاحب عذرواحد فتدبر.(حاشية الطحطاوی علی الدر المختار:۱/۲۴۹،باب الامامة۔وكذافی شرح منية المصلی:۵۱۶،سهيل اكيڈمی۔وكذافی الفتاوی الهندية:۱/۸۴،الفصل الثالث فی بيان من يعلم امامه لغيره۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

دوعذر والے کے پیچھے ایک عذر والے کی اقتدا کا حکم:

سوال: اگرامام کوخروجِ ریح اورسلس البول دوعذرہوں اورمقتدی کوصرف خروجِ ریح کا عذر ہوتو اقتدا جائز ہے یانہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اقتدا جائزنہیں ہے،اس لئے کہ امام مقتدی سے ادنیٰ حال والا ہے۔

ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

وأماإذا صلی خلف من به السلس وانفلات ريح لايجوزلأن الإمام صاحب عذرين والمؤتم صاحب عذرواحد.....(شامی:۱/۵۷۸باب الامامة،سعيد)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولايجوزأن يصلی خلف من به سلس البول وانفلات ريح لأن الإمام صاحب عذرين والمأموم صاحب عذرواحد.(الجوهرة النيرة:۸۲،امدادية ملتان)

امدادالفتاح میں ہے:

ولايكون أدنی حالاً من المأموم كان يكون.....معذوراً والمقتدی خالياً عنه.(امداد الفتاح:۳۳۳، شروط صحة الاقتداء،بيروت)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

جماعتِ اعادہ میں نئے آنے والے کی اقتدا کا حکم:

سوال: ایک شخص کی نمازترکِ واجب کی وجہ سے فاسد ہوگئی کیونکہ سجدۂ سہونہیں کیا تھااب اعادہ کررہا

ہے تو تین نئے آدمی جنہوں نے نماز نہیں پڑھی اس کی اقتدا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں فقہاء کے دونوں قول مروی ہیں کہ پہلی نماز سے فرض ادا ہوا یا دوسری سے لہذا آسانی کے خاطر نئے آدمی کی اقتدا صحیح ہے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ اقتدا نہ کرے۔

امدادالفتاح میں ہے:

وإن كا ن تر كه للشيء من الواجبات عمداً أثم ولايسجد للسهو لأنه شرع تخفيفاً لمن سها وهذا المعتمد وجب عليه إعادة الصلاة تغليظاً عليه لجبر نقصانها إذ لايتمكن من جبره إلا بإعادتها فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولىٰ وقيل: تكون الثانية فرضاً فهي المسقطة. (امداد الفتاح: ۵۵۱، باب سجود السهو، دار احياء التراث)

شامی میں ہے:

قوله المختار أنه أى الفعل الثانى جابر للأول بمنزلة الجبر بسجود السهو وبالأول يخرج عن العهدة وإن كان على وجه الكراهة على الأصح، كذا فى شرح الأكمل على أصول البزدوى، ومقابله ما نقلوه عن أبى اليسر من أن الفرض هو الثانى، واختار ابن الهمامؒ الأول قال: لأن الفرض لايتكرر، وجعله الثانى يقتضى عدم سقوطه بالأول..... لأن كون الفرض هو الثانى دون الأول يلزم منه عدم سقوطه بالأول وليس كذلك، لأن عدم سقوطه بالأول إنما يكون بترك فرض لابترك واجب وحيث استكمل الأول..... (شامی: ۱/۴۵۷، واجبات الصلاة۔ وايضاً: شامی ۲/۶۳۔۶۵، باب قضاء الفوائت، سعيد)

امدادالفتاوی میں ہے:

فى رد المحتار باب الجنائز فإذا أعادها (الولى) وقعت فرضاً مكملاً للفرض الأول من نظير إعادة الصلاة المؤداة بكراهة فإن كلاً منهما فرضا كما حققناه فى محله، اس سے ثابت ہوا کہ نو وارد کا فرض شریک ہونے سے ادا ہوگا۔ (امداد الفتاوی: ۱/۳۶۴، باب السهو فى الصلاة)

احسن الفتاوی میں ہے:

صلاۃِ معادہ میں شریک ہونے والے کی نماز کی صحت کا قول ارجح واوسع ہے اور قولِ عدمِ صحت احوط، کثرت جماعت کی حالت میں نو وارد مقتدیوں کے لئے علم حاصل کرنا متعسر ہے کہ یہ جماعت اولیٰ ہے یا معادہ لہذا ایسی

Maktaba Tul Ishaat.com

صورت میں قول عدمِ صحت میں تنگی اور حرج ظاہر ہے البتہ کسی مقتدی کو اس کا علم ہو جائے تو اس کے لئے عمل بالاحوط اولیٰ ہے۔(احسن الفتاوی:۳/۳۵۲،باب الامامۃ والجماعۃ).

کفایت المفتی میں ہے:

اس نماز میں دوسرے لوگ جو پہلی جماعت میں شریک نہیں تھے شریک نہیں ہو سکتے،اگر شریک ہوں گے تو ان کے فرض ادا نہ ہوں گے۔(کفایت المفتی:۳/۱۳۸،امامت و جماعت،دارالاشاعت)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا قول احتیاط پر مبنی ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ فجر میں شافعی کا حنفی کی اقتدا کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ فجر میں کسی شافعی نے حنفی امام کی اقتدا کی اور امام نے قنوت نہیں پڑھا تو شافعی مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نمازِ فجر میں شافعی مقتدی کی نماز حنفی امام کے پیچھے درست ہے ہاں شافعی کو چاہئے کہ قنوت پڑھے پھر سجدہ میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے اور اگر نہیں پڑھا تو سجدہ سہو کر لے لیکن سجدہ سہو بھی نہیں کیا تب بھی ایک قول کے مطابق نماز درست ہے۔ ملاحظہ ہو شرح المہذب میں ہے:

وصلی شافعی الصبح خلف حنفی ومکث الإمام بعد الرکوع قلیلاً وأمکن المأموم القنوت قنت وإلا تابعه وترک القنوت ویسجد للسهو علی الأصح وهو اعتبار اعتقاد المأموم ولو اعتبرنا اعتقاد الإمام لم یسجد. (شرح المهذب للامام النوویؒ:٤/٢٩٠،باب صفة الأئمة، دارالفکر)

شرح الوجیز میں ہے:

فلو صلی الشافعی الصبح خلف حنفی،ومکث الحنفی بعد الرکوع قلیلاً وأمکنه أن یقنت فیه فعل وإلاتابعه،وهل یسجد للسهو؟إن اعتبرنااعتقاد المأموم:نعم،فإن اعتبرنااعتقاد الإمام فلا. (شرح الوجیز:۲/۱۵۶،الفصل الثانی فی صفات الأئمة،دارالکتب العلمیة بیروت۔ وکذا فی روضة الطالبین۔وعمدة المفتیین:۱/۳۴۸،باب صفة الأئمة، المکتب الاسلامی۔وکذا فی أسنی المطالب:۲/۲۵، باب صفة الأئمة فی الصلاة،دارالکتب العلمیة)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

امام سے پہلے تحریمہ کہنے والے کی اقتدا کا حکم:

سوال: اگر کسی نے امام سے پہلے لفظ "اللہ أکبر" کہا تو نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: مقتدی امام کی تکبیر تحریمہ سے قبل فارغ ہوجائے تو اس کی اقتدا صحیح نہیں ہوئی لہذا صورتِ مسئولہ میں بھی اس شخص کی اقتدا صحیح نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو افتتح أی کبّر مع الإمام وفرغ من قوله "اللہ" قبل فراغ الإمام من قوله "اللہ" لایصیر شارعاً فی الصلاة فی أظهر الروایات کذا فی الفتاوی.....ولو قال "اللہ" مع قول الإمام "اللہ" أو بعده ولکن فرغ من قوله "أکبر" قبل فراغ الإمام من قوله "أکبر" فالأصح أنه لایجوز شروعه أیضاً لأنه إنما یصیر شارعاً بالکل أی بمجموع "أللہ أکبر" لا بقوله "أللہ" فقط فیقع الکل فرضاً وإذا کان کذلک یکون قد أوقع فرض التکبیر قبل الإمام وکل فرض أوقعه قبل الإمام فهو غیر معتد به فکان کأنه لم یکبّر فلایصح شروعه. (شرح منیة المصلی: ۲۶۰، فرائض الصلاة الأول تکبیرة الافتتاح، سهیل)

امداد الفتاح میں ہے:

فإن غلب علی أنه کبّر قبل الإمام لایجزئه. (امداد الفتاح: ۲۸۲ فصل فی سننها، بیروت)

درمختار میں ہے:

ولایصیر شارعاً بالمبتدأ فقط کـ"اللہ" ولا بـ"أکبر" فقط هو المختار، فلو قال "اللہ" مع الإمام و"أکبر" قبله أو أدرک الإمام راکعاً فقال "اللہ" قائماً و"أکبر" راکعاً لم یصح فی الأصح، کما لو فرغ من "اللہ" قبل الإمام، وفی الشامی: (قوله فی الأصح) أی بناء علی ظاهر الروایة، وأفاد أنه کما لایصح اقتداء ه لایصیر شارعاً فی صلاة نفسه أیضاً وهو الأصح کما فی النهر عن السراج. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۴۸۰ فصل فی بیان تالف الصلاة، سعید۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/۱۶۸، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الأول فی فرائض الصلاة۔ وکذا فی نفع المفتی والسائل: ۲۷۳، ما یتعلق بالقعود والرکوع والسجود والقیام، دار ابن حزم)

احسن الفتاوی میں ہے:

مقتدی نے امام کی تکبیرِ تحریمہ ختم ہونے سے پہلے تکبیر ختم کرلی تو اس کی نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ تکبیرِ تحریمہ

Maktaba Tul Ishaat.com

پوری ہونے کے بعد نماز شروع ہوتی ہے، تو جس نے امام کی تکبیر تحریمہ پوری ہونے سے قبل اپنی تکبیر پوری کر لی وہ امام سے پہلے نماز میں شروع ہو گیا لہذا اس کی اقتدا صحیح نہیں ہوگی۔ بحوالہ شامی۔ (احسن الفتاوی: ۳/۳۰۵، باب الامامۃ والجماعۃ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز ظہر میں مقیم حنفی کا مسافر شافعی کے پیچھے اقتدا کا حکم:

سوال: حنفی اگر مسافر شافعی کی اقتدا کرے نمازِ ظہر میں اور شافعی اتمام کرے تو حنفی مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں ہمارے اکابرؒ کا اختلاف ہے مثلاً حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے امداد المفتیین میں تحریر فرمایا ہے کہ حنفی مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔ لیکن دوسرے بعض حضرات کے نزدیک نماز درست ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں حنفی مقتدی کی نماز صحیح ہونی چاہئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سفر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں اتمام کرتے تھے حالانکہ ان کے نزدیک قصر ضروری تھا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن إبراهيم قال: سمعت عبدالرحمٰن بن زيد يقول: صلى بناعثمان رضی اللہ عنہ بمنى أربع ركعات فقيل فى ذلك لعبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ فاسترجع ثم قال: صليت مع رسول الله ﷺ بمنىٰ ركعتين وصليت مع أبى بكر الصديق رضی اللہ عنہ بمنى ركعتين وصليت مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بمنى ركعتين فليت حظى من أربع ركعات ركعتان متقبلتان. (رواه البخارى: ۱۰۷۳/۱۴۷/۱، باب الصلاة بمنى)

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ نے معارف السنن میں تحریر فرمایا ہے ملاحظہ ہو:

قال شيخنا (مولانا أنورشاه الكشميرىؒ): والحق أنه لاعبرة لرأى المأموم بل للإمام حيث توارثت عن السلف والقدماء كلهم الاقتداء خلف أئمة مخالفين لهم فى الفروع. فالصحابة رضی اللہ عنہم والتابعونؒ وكذا الأئمة المتبوعين كانوا يصلون خلف إمام واحد مع أنهم مجتهدون أصحاب المذاهب والآراء فى الفروع مع كثرة الاختلاف والتباين فى آرائهم وأقوالهم، ولم ينقل عن أحد منهم نكيرأوخلاف فى ذلك. نعم هم إذا صلوا منفردين كانوا يتبعون مذاهبهم إن كانوا أهل مذهب أويتبعون أهل المذاهب إن كانوامقلدين لهم. (معارف

السنن:۱/۱۶۰،سعید)

حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی فیض الباری میں فرمایا ہے کہ اقتدا جائز ہے اور نماز صحیح ہے ملاحظہ ہو:

قلت:هذه المسئلة مجتهد فيهاوالاقتداء فی جنس هذه المسائل يجوزمن واحد لآخر كمافی الدرالمختارعند تعديد الواجبات فصرح فی ضمنه أن المتابعة تصح عندنا فی الاجتهاديات كلها وأوضحه الشافعیؒ ونقله الحافظ ابن تيميةؒ عن الأئمة الأربعة قلت:فهذا باب عندناوسيع.....وقد قدمنا الكلام فيه مبسوطاً ويدل عليه أن الخليفة هارون الرشيد افتصد مرة فقام إلى الصلاة ولم يتوضأ فاقتدى به أبويوسفؒ وماذلک إلا ليكون الاقتداء جائزاً ولولاذلک لماكان أبويوسفؒ ليقتدی به فإنه أورع من ذلک ..... (فيض الباری علی صحيح البخاری:۲/۳۹۶،باب الصلاة،بمنی المكتبة العزيزية)

عمدۃ القاری میں ہے:

ويؤيده ما رواه أبوداؤد أن ابن مسعودؓ صلی أربعاً فقيل له:عبت علی عثمانؓ ثم صليت أربعاً؟ فقال:الخلاف شر، وفی رواية البيهقی إنی أكره الخلاف. (عمدة القاری:۵/۳۸۰/۱۰۸۴،باب الصلاة بمنی دارالحديث ملتان)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف سے بچتے ہوئے امام کے اعتقاد کے مطابق اقتدا درست ہے اور نماز بھی صحیح ہے۔

نیز علامہ شامیؒ نے بھی ایک قول نقل فرمایا ہے کہ امام کی رائے کا اعتبار ہے۔ملاحظہ ہو:

وقال الهندوانی وجماعة:لايجوزورجّحه فی النهاية بأنه أقيس،لأن الإمام ليس بمصل فی زعمه وهوالأصل فلايصح الاقتداء به. (شامی:۲/۸،باب الوترو النوافل،سعيد)

نیز فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مقتدی کے نزدیک امام ایسا عمل کر رہا ہے جو مقتدی کے مذہب میں ترکِ واجب کے زمرہ میں آتا ہے تو مقتدی کی اقتداء صحیح ہوگی، جیسے مسافر امام چار رکعات پڑھائے تو مقتدی کے مذہب میں ترکِ واجب ہوا عملِ مفسد نہیں اس لئے مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے یعنی نفل کو فرض کے ساتھ ملایا۔

اقتداء بالمخالف کے سؤال کے جواب میں امداد الفتاوی میں مذکور ہے:

امرِ اول:اس لئے کہ اس مسئلہ میں منجملہ اقوالِ مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے جو درمختار میں بحر

Maktaba Tul Ishaat.com

سے نقل کی ہے: ''بقوله أن يتقن المراعات لم يكره أوعدمها لم يصح وإن شک کره'' اور جس کی ترجیح رد المحتار میں حلبی سے نقل کی ہے: ''بقوله هذا هو المعتمد لأن المحققين جنحوا إليه وقواعد المذهب شاهدة عليه الخ'' البتہ اس تفصیل کے جزو ثالث کو میں مؤول ومقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلافِ اولیٰ ہے، تقیید یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور اعراض عن الجماعۃ وغیرہ کے میسر ہو: ومبنی التأويل ما نقله في رد المحتار عن حاشية الرملي على الأشباه: الذي يميل إليه خاطري القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسد. ووجه التقييد ظاهر. نیز مراعات کا محل صرف فرائض ہیں۔ كما في رد المحتار أي المراعات في الفرائض من شروط وأركان في تلك الصلاة وإن لم يراع في الواجبات والسنن كما هو ظاهر سياق كلام البحر وظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال :وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز مالم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي عليه الإجماع إنما اختلف في الكراهة. قلت: في التمثيل بالشافعي الذي الأصل فيه عدم التعصب... (امداد الفتاوی: ۱/۳۰۶)۔

لہذا مقتدی کی نماز امام کے پیچھے اس وقت صحیح ہوگی جبکہ مقتدی کے نزدیک امام مفسداتِ صلوٰۃ کا ارتکاب نہیں کر رہا ہے، اور اگر مقتدی کے نزدیک امام مفسداتِ صلوٰۃ کا ارتکاب کر رہا ہو تو اقتدا جائز نہ ہوگی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اقتدا بالموافق ومخالف کے احکام:

سوال: اگر کوئی حنفی کسی شافعی یا حنبلی امام کے پیچھے سفر میں چار رکعت ظہر کی نماز پڑھ لے تو آپ کے فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں اس کو جائز کہا گیا ہے، جب کہ بہت سارے مفتی حضرات اس کو واجب الاعادہ کہتے ہیں اور بعض رسائل میں اس پر مضامین بھی آئے ہیں۔

الجواب: ہم نے تفصیلی فتویٰ لکھا تھا جس کو اختصار کے پیش نظر کتاب میں مختصر کیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا مسئلہ میں اقتدا کی دو قسمیں ہیں: (۱) اقتدا بالموافق۔ (۲) اقتدا بالمخالف۔

اقتدا بالموافق میں چونکہ امام اور مقتدی دونوں کے نزدیک نفل وفرض مخلوط ہوئے اس لیے نماز واجب الاعادہ ہے، اور اقتدا بالمخالف میں فقہا کی عبارات اس پر شاہد ہیں کہ مقتدی کے مذہب میں امام مفسدات اور ترکِ فرائض کا ارتکاب نہ کرے، تو نماز صحیح اور درست ہے اگرچہ مقتدی کے مذہب میں ترکِ واجب کا مرتکب ہو، اور مسئلہ بالا میں خلط النفل بالفرض ترکِ واجبات کے قبیل سے ہے، مفسدات کے ذیل میں نہیں آتا، اس لیے نماز

صحیح ہے،اوراس کی نظیر یہ ہے کہ مسجد نبوی میں بعض ائمہ آمین کے بعد فاتحہ کے لیے وقفہ دیتے ہیں یا کافی دیر خاموش رہتے ہیں جو احناف کے نزدیک تاخیر واجب کے ذیل میں آتا ہے لیکن کسی نے نماز کو واجب الاعادہ نہیں کہا نیز صحابہ کرام حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے سفر اور موسم حج میں اقتداء کرتے تھے حالانکہ بعض صحابہ کا مسلک سفر میں قصر کا تھا لیکن بغیر کسی تذبذب کے ان کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے۔حوالہ جات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں: اقتدا بالموافق میں نماز واجب الاعادہ ہے۔ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

فلو أتم مسافر إن قعد فی القعدة الأولی تم فرضه ولكنه أساء لو عامداً لتأخير السلام وترک واجب القصر وواجب تكبيرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وهذا لايحل كما حرره القهستاني،وكذا صرح فی البحر بتأثيمه فعلم أن الإساء ة هنا كراهة التحريم.

(شامی:۲/۱۲۸،باب صلاة المسافر،سعيد).

البحر الرائق میں ہے:

وأما الثالث أعني حكم السفر فهو تغيير بعض الأحكام فذكر المصنف منها قصر الصلاة والمراد وجوب قصرها حتی لو أتم فإنه آثم عاصٍ... فلو أتم وقعد فی الثانية صح وإلالا أی وإن لم يقعد علی رأس الركعتين لم يصح فرضه لأنه إذا قعد فقد تم فرضه وصارت الأخريان له نفلاً كالفجر وصار آثماً لتأخير السلام. (البحر الرائق:۲/۱۳۰،كوئتة۔ وكذافی الهداية مع الفتح:۲/۳۲، دارالفكر۔والفتاوی الهندية: ۱/۱۳۹).

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والقصر عزيمة عندنا فإذا أتم الرباعية والحال أنه قعد القعود الأول قدر التشهد صحت صلا ته لوجود الفرض فی محله وهو الجلوس علی الركعتين وتصير الأخريان نافلة له مع الكراهة لتأخير الواجب وترک واجب القصر وترک افتتاح النفل وخلطه بالفرض وكل ذلک لايجوز .(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۴۲۵،باب صلاة المسافر،قديمی)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

عمداً چار رکعت پڑھنے والا گنہگار ہوگا اور نماز کا اعادہ ضروری ہے،اگرچہ سجدۂ سہو بھی کرلیا ہو اس لئے کہ عمداً کی صورت میں سجدۂ سہو کافی نہیں ہوتا۔(فتاوی رحیمیہ:۳/۵۱۔واحسن الفتاوی:۴/۷۷)۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مخالف مذہب کی اقتداء کی صحت کے دلائل ملاحظہ ہو:

عن عبد الرحمٰن بن زيد قال: صلى عثمان رضی اللہ عنہ بمنى أربعاً. فقال عبد الله: صليت مع رسول الله ﷺ ركعتين، ومع أبي بكر رضی اللہ عنہ ركعتين، ومع عمر رضی اللہ عنہ ركعتين زاد عن حفص، ومع عثمان صدراً من إمارته، ثم أتمها زاد من ههنا عن أبي معاوية، ثم تفرقت بكم الطرق فلوددت أن لي من أربع ركعات ركعتين متقبلتين. قال الأعمش فحدثني معاوية بن قرة عن أشياخه: أن عبدالله صلى أربعاً قال: فقيل له عبت على عثمان ثم صليت أربعاً قال: الخلاف شر. (رواه ابوداود ،رقم:١٩٦٢،والبيهقى فى الكبرى، رقم:٥٦٤١).

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف سے بچتے ہوئے امام کے ساتھ فرائض میں موافقت کرتے ہوئے اقتداء درست ہے اور نماز بھی صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں بھی اسی طرح مروی ہے:

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن ابن عمرؓ قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين وأبوبكر بعده وعمر بعد أبي بكر وعثمان صدراً من خلافته ثم صلى أربعاً فكان ابن عمر إذا صلى مع الإمام صلى أربعاً وإذا صلاها وحده صلاها ركعتين. (مصنف ابن ابی شیبة:٣٤٢/٨).

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

فحاصله أن صاحب الهداية جوز الاقتداء بالشافعي بشرط أن لايعلم المقتدى منه ما يمنع صحة صلاته في رأي المقتدى كالفصد نحوه...فصار الحاصل أن الاقتداء بالشافعى على ثلاثة أقسام الأول أن يعلم منه الاحتياط في مذهب الحنفى فلاكراهة فى الاقتداء به وفي حاشيته لابن عابدين الشامىؒ: انظر هل المراد بالاحتياط الاتيان بالشروط والأركان أومايشمل ترك المكروه عندنا كترک رفع اليدين عند الانتقالات وتأخير القيام عن محله فى القعود الأول بسبب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم وظاهر كلام الشيخ إبراهيم فى شرح المنية الأول فإنه قال: وأما الاقتداء بالمخالف فى الفروع كالشافعى فيجوز مالم يعلم منه مايفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع إنما اختلف فى الكراهة.

(البحرالرائق مع منحة الخالق:۲/۴۵،۴۶،کوئته).

الدرالمختار میں ہے:

إن تيقن المراعات لم يكره أوعدمها لم يصح وإن شک كره. وفی حاشية ابن عابدين: قال: المراعاة فی الفرائض من شروط وأركان في تلک الصلاة وإن لم يراع فی الواجبات والسنن...وظاهر كلام شرح المنية أيضاً حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف فی الفروع كالشافعي فيجوز مالم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع إنما اختلف فی الكراهة، فقيد بالمفسد دون غيره كما ترى ...وفی حاشية الأشباه للخير الرملی: الذی يميل إليه خاطری القول بعدم الكراهة ، إذا لم يتحقق منه مفسد . (الدر المختارمع ردالمحتار: ۱/۵۶۳، ط:سعيد).

شرح منية المصلی میں ہے:

وأما الاقتداء بالمخالف فی الفروع كالشافعی فيجوز مالم يعلم منه مايفسد على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع وإنما اختلف فی الكراهة قيل يكره وقيل لايكره حتى قالوا: لو شاهد من الشافعی أنه افتصد ثم غاب عنه ثم رأه يصلی يجوز له الاقتداء أما لوعلم منه المقتدى مايفسد الصلاة فی اعتقاد الإمام كما لو رأى الشافعی مس ذكره أوامرأة ثم يصلی ولم يتوضأ هل يجوز الاقتداء به فالأكثرعلى أنه يجوز وهوالأصح. (شرح منية المصلی، ص۵۱۶، سهيل).

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ امدادالفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

" أی المراعاة فی الفرائض من شروط وأركان فی تلک الصلاة وإن لم يراع فی الواجبات والسنن" اوراس سے پہلے تحریرفرمایا: **الذی يميل اليه خاطری القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسد۔**(امدادالفتاویٰ:۱/۳۰۶).

رمزالحقائق میں ہے:

والطريق في هذا أن يقال: يجوز اقتداء الحنفی بالشافعی والشافعی بالحنفی وكذا بالمالكی والحنبلی مالم يتحقق من إمامه مايفسد صلاته فی اعتقاده.(رمزالحقائق: ۱/۷۹).

Maktaba Tul Ishaat.com

نیز مسئلہ مذکورہ بالا میں ان علماء کی آراء کو مدِ نظر رکھا جائے جو فرماتے ہیں کہ امام کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے جیسے: حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ (فیض الباری:۱/۳۵۱)، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، (معارف السنن:۱/۱۶۰) اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (امداد الفتاویٰ:۱/۳۰۶) تو پھر اقتدا اور صحتِ نماز میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

اگر چہ بعض حضرات نے فرمایا کہ فرائض وشرائط کی رعایت کرے پھر بھی نماز مکروہِ تحریمی ہوگی۔ ملاحظہ ہو تقریرات الرافعی میں علامہ شامیؒ کی عبارت پر کلام کرنے کے بعد بحوالہ علامہ سندھی مذکور ہے:

قال السندی: فصار الحاصل أن الشافعی إن راعی مذهب الماموم فی الشرائط والفرائض والواجبات والسنن من کل وجه فتصح صلاة الماموم من غیر کراهة...وإن راعی فی الشرائط والفرائض دون الواجبات فالصلاة مکروهة تحریماً...وإن راعی فی الشرائط والفرائض دون السنن فالصلاة مکروهة تنزیهاً ، هذا ما أدین اللّٰه به. (التحریر المختار: ۱/۷۲، ط: سعید، وحاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲٤٤).

یعنی شافعی امام مقتدی کے مذہب کے مطابق فرائض وشرائط واجبات اور سنن کی رعایت کرتا ہے تو مقتدی نماز بلا کراہت صحیح اور درست ہوگی، اور اگر فقط فرائض وشرائط کی رعایت کرتا ہے واجبات کا خیال نہیں کرتا تو نماز مکروہِ تحریمی ہوگی، اور اگر فرائض وشرائط کے ساتھ واجبات کی رعایت بھی کرتا ہے لیکن سنن کی رعایت نہیں کرتا تو نماز مکروہِ تنزیہی ہوگی۔

لیکن حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے علامہ شامیؒ کی عبارت کو ترجیح دے کر واجبات کی رعایت نہ کرنے پر بھی نماز کو بلا کراہت صحیح اور درست قرار دیا ہے، مزید براں سابقہ آثار بھی اسی کے مؤید ہیں۔ اور اسی پر عمل درآمد بھی ہے۔ بنابریں بلا کراہت والا قول راجح ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والذي یمیل إلیه القلب عدم کراهة الاقتداء بالمخالف مالم یکن غیر مراع فی الفرائض ، (ای ماکان مراعی فی الفرائض فقط دون الواجبات) لأن کثیراً من الصحابة والتابعین کانوا أئمة مجتهدین وهم یصلون خلف إمام واحد مع تباین مذاهبهم . (فتاوی الشامی: ۱/٥٦٤، سعید).

ہاں علامہ سندیؒ کا اصول اس صورت میں کارآمد ہے جب کہ کوئی آدمی خود نماز میں کراہتِ تحریمی کا ارتکاب کرے لیکن یہاں امام نے مقتدی کے نزدیک مکروہ کا ارتکاب کیا جو امام کے نزدیک مکروہ نہیں ہے، بالفاظ دیگر یہ کراہت متفقہ نہیں۔

نیز سب مسلمان سوائے چند بریلویوں کے ائمہ حرم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، اور ہمارے اکابرؒ بھی پڑھتے رہے اور تاہنوز پڑھتے ہیں، حالانکہ ان میں اکثر سورۂ فاتحہ کے بعد مقتدی کی فاتحہ کے لیے وقفہ کرتے ہیں جو احناف کے نزدیک تاخیر فرض یا ترکِ واجب کے زمرے میں آتا ہے تو ہمارے فتوے کی روشنی میں اس میں کوئی حرج نہیں، نیز اگر مقتدی کے نزدیک امام کا ترکِ واجب کراہتِ تحریمی کا سبب ہوتا تو پھر شافعیہ کے پیچھے ہر حال میں فقہاء نماز کو مکروہ فرماتے کیونکہ وہ مقتدیوں کو سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ فاتحہ کا وقفہ دیتے ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تارکِ سجدۂ سہو شافعی امام کے پیچھے نماز کا حکم:

سوال: ایک شافعی امام نے قعدۂ اولیٰ کو ترک کیا اور سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، اور حنفی مقتدی بھی ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں بتلایا کہ شافعیہ کے ہاں سجدۂ سہو مسنون ہے لازم نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حنفیوں کی نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں لکھا ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کی موافقت صرف فرائض میں ضروری ہے اگر مقتدی کے اعتقاد کے مطابق ترکِ واجب کرے تو نماز ہو جاتی ہے، مثلاً امام نے فاتحہ کے بعد وقفہ کیا تو احناف کے ہاں واجب میں تاخیر ہوئی اور سجدۂ سہو واجب ہوا لیکن سجدۂ سہو لازم نہیں ہوا کیونکہ امام کے ساتھ فرائض میں موافقت ہوئی، کیا یہ مسئلہ بھی اسی طرح ہے؟ اور شافعیہ کے ہاں سجدۂ سہو مسنون ہونے کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: مذہبِ احناف میں مختار اور مفتی بہ قول اس سلسلہ میں یہ ہے کہ مقتدی کی نیت کا اعتبار ہے اور شافعیہ کے نزدیک بھی مقتدی کی نیت کا اعتبار ہے، ہاں احناف میں سے بعض محققین امام کی نیت کا اعتبار کرتے ہیں، اس قول کی بنا پر حنفی مقتدیوں کی نماز ہو جائیگی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سفر میں حضرت عثمانؓ کی اقتدا میں اتمام کرتے تھے حالانکہ ان کے نزدیک قصر ضروری تھا۔

ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

عن إبراهيم قال سمعت عبدالرحمن بن زيد يقول: صلى بنا عثمانؓ بمنى أربع

Maktaba Tul Ishaat.com

ركعات فقيل فى ذلك لعبد الله بن مسعودؓ فاسترجع ثم قال : صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنى ركعتين وصليت مع أبي بكر الصديق بمنى ركعتين وصليت مع عمر بن الخطابؓ بمنى ركعتين فليت حظي من أربع ركعات ركعتان متقبلتان. (رواه البخارى: ١/١٤٧).

حضرت علامہ بنوریؒ فرماتے ہیں:

قال شيخنا: والحق أنه لاعبرة لرأي المأموم بل للإمام حيث توارثت عن السلف والقدماء كلهم الاقتداء خلف أئمة المخالفين لهم فى الفروع . (معارف السنن:١/١٦١).

لیکن عام فقہاء اس پر فتویٰ نہیں دیتے بلکہ مقتدی کی نیت کا اعتبار کرتے ہیں۔

عمدۃ القاری میں ہے:

ويؤيده ما روى أبوداود أن ابن مسعودؓ صلى أربعاً فقيل له عبت على عثمان ثم صليت أربعاً فقال: الخلاف شر و رواية البيهقي إني أكره الخلاف. (عمدة القارى:٥/٣٨٠).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والذي يميل إليه القلب عدم كراهة الاقتداء بالمخالف مالم يكن غير مراع فى الفرائض (أى ماكان مراع فى الفرائض فقط دون الواجبات)، لأن كثيراً من الصحابة والتابعين كانوا أئمة مجتهدين وهم يصلون خلف إمام واحد مع تباين مذاهبهم . (فتاوى الشامى: ١/٥٦٤، باب الامامة،سعيد).

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

مراعات کا محل صرف فرائض ہیں **كما فى ردالمحتار: أى المراعاة فى الفرائض من شروط وأركان في تلك الصلاة وإن لم يراع فى الواجبات والسنن كما هو ظاهر سياق كلام البحر وظاهر كلام شرح المنية أيضاً حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف فى الفروع كالشافعي فيجوز مالم يعلم منه مايفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع.** (امداد الفتاویٰ:١/٣٠٦)۔

(باء) شافعیہ کے ہاں سجدۂ سہو سنن میں سے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شافعی امام سجدۂ سہو چھوڑ دے

تو نماز واجب الاعادہ نہیں ہوگی، ہاں ترکِ سنت کی وجہ سے نماز مکروہِ تنزیہی ہوگی۔

ملاحظہ ہو نہایۃ المحتاج میں ہے:

سجود السهو سنة موكدة ولو في نافلة. (نهاية المحتاج:٢/٦٦).

العزیز شرح الوجیز میں ہے:

قال الغزالي وهي (السجدات) ثلاثة : الأولى سجدة السهو ، وهي سنة عند ترك التشهد الأول ... سجدة السهو و ليست بواجبة و إنما هي سنة ... لنا أن الصلاة لاتبطل بتركها ، فلا تجب كالتشهد الأول. (العزيز شرح الوجيز:٢/٦٢).

مغنی المحتاج میں ہے:

فإن سلم عمداً أي ذاكراً للسهو فات السجود في الأصح لأنه قطع الصلاة بالسلام والثاني: أن العمد كالسهو، ...أو سهواً وطال الفصل عرفاً فات السجود في الجديد...وإلا أي وإن لم يطل الفصل ولم يرد السجود فلا سجود لعدم الرغبة فيه فصار كالمسلم عمداً في أنه فوته على نفسه بالسلام. (مغني المحتاج:١/٤٣٩). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسافر امام کے پیچھے بقیہ نماز میں قراءت کا حکم:

سوال: اگر مقیم نے مسافر کے پیچھے دو رکعت پڑھی پھر اپنی بقیہ دو رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو اب ان دونوں رکعتوں میں قراءت کرے گا یا نہیں؟

الجواب: بعض کتبِ فقہ میں عدمِ قراءت والا قول مرقوم ہے، البتہ دیگر بعض کتب کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منفرد کی طرح ہے لہذا قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ قراءت مستحب ہونی چاہئے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولا قراءة على المقتدى في بقية صلاته إذا كان مدركاً، أي لايجب عليه لأنه شفع أخير في حقه ومن مشائخنا من قال: ذكر في الأصل ما يدل على وجوب القراءة فإنه قال: إذا سها يلزمه سجود السهو والاستدلال به إلى العكس أولىٰ لأنه ألحقه بالمنفرد في حق السهو فكذا في حق القراءة . (بدائع الصنائع:١/١٠٢، صلاة المسافر،سعيد)

Maktaba Tul Ishaat.com

شرح النقایہ میں ہے:

إذا سلم المسافر أتم المقيم منفرداً لأنه التزم الموافقة فی الرکعتین فصار کالمسبوق فی التزام بعض الصلاة مع الإمام وأداء باقیها منفرداً فیقرأ وقیل: لایقرأ لأنه لاحق أدرک أول الصلاة. (شرح النقایة: ۱/۲۸٤، صلاة المسافر)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله فی الأصح) وقال الحلوانی: یقرأ، قهستانی. (طحطاوی علی الدر: ۱/۳۳۵)

مزید ملاحظہ ہو: فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة: ۱/۱٦۹۔ والفتاوی الهندیة: ۱/۱٤۳۔ والشامی: ۲/۱۲۹، سعید۔ والبحر الرائق: ۲/۱۳۵۔ والهدایة مع الفتح: ۲/٤۰۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

جنات کے پیچھے اقتدا کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص جنات کے پیچھے اقتدا کرے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر جنات انسانی شکل میں ہے تو اس کے پیچھے اقتدا درست ہے اور نماز صحیح ہے ورنہ نہیں۔ ملاحظہ ہو علامہ بدرالدین شبلی الحنفی اپنی کتاب "آکام المرجان فی أحکام الجان" میں تحریر فرماتے ہیں:

نقل ابن أبی الصیر فی الحرانی الحنبلی فی قواعده عن شیخه أبی البقاء العسکری الحنبلی أنه سئل عن الجنی هل تصح الصلاة خلفه؟ فقال نعم لأنهم مکلفون والنبی ﷺ مرسل إلیهم. والله أعلم. (آکام المرجان فی غرائب الأخبار وأحکام الجان: ص٦۲، الباب السادس والعشرون فی بیان هل تصح الصلاة خلف الجنی، آرام باغ کراچی)

انسانی شکل میں ہونا اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے بغیر حرکات وسکنات کا پتہ چلنا مشکل ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وتصح إمامة الجنی أشباه ...وفی الشامی: (قوله وتصح إمامة الجنی) لأنه مکلف... (قوله أشباه)... إنما یستلزم أحکامها إذا کانوا علی صورة ظاهرة ولهذا لو جامع امرأة ووجدت لذة لایلزمها الاغتسال کما فی الخانیة إلا إذا أنزلت کما فی الفتح أو جاء ها علی صورة آدمی کما فی الحلیة وکذا یقال فی إمامة الجنی. والله أعلم. (الدرالمختار مع الشامی:

۱/۵۵٤،باب الامامة،سعید)

نیز جنات کے ذبیحہ کے بارے میں علامہ شامیؒ نے انسانی شکل کی قید لگائی ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله وجنى)لما فى الملتقط"نهى رسول الله عن ذبائح الجن"أشباه،والظاهر أن ذلك محله ما لم يتصور بصورة الآدمى ويذبح وإلافتحل نظراً إلى ظاهر الصورة ويحرر.

(شامی: ٦/٢٩٨ كتاب الذبائح،سعيد۔وكذا فى الطحاطاوى:٤/١٥٢،كتاب الذبائح،العربية كوئٹه)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

"الأشباه والنظائر للعلامة ابن نجيم الحنفيؒ: ٢/٩٦،أحكام الجان، ادارة القرآن كراچى .وكذا فى الأشباه والنظائر للسيوطيؒ :٢/٦٦ ،القول فى أحكام الجان، الثالث:هل تنعقد الجماعة بالجن،دارالكتب العلمية.وكذا فى مجموعة الرسائل اللكنوى: تدوير الفلك فى حصول الجماعة بالجن والملك،الفصل الأول فى حصول الجماعة بالجن: ١/٣٧٢ ،ادارة القرآن كراچى.وفتاوى اللكنوى:ص٣٢٥،بيروت". واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

فصلِ ہفتم

مسبوق اور لاحق کے احکام

امام کے سلام پھیرتے وقت مسبوق نے تحریمہ کہی تو اقتدا کا حکم:

سوال: ایک شخص امام کے سلام پھیرتے وقت شاملِ نماز ہوا یا اس سے پہلے لیکن قعدہ میں بیٹھنے سے قبل امام نے سلام پھیر دیا تو اس شخص کی اقتداء صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور صحیح نہ ہو تو نیت توڑے گا یا سابقہ نماز جاری رکھے گا؟

الجواب: مسبوق مقتدی نے امام کے سلام سے پہلے تحریمہ کہی تو اقتدا صحیح ہوگی اور اگر امام نے ایک جانب سلام پھیر دیا اس کے بعد تحریمہ کہی تو اقتدا صحیح نہیں ہوئی، اب یہ شخص نئی تحریمہ کے ساتھ علیحدہ نماز پڑھے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله وتنقضی قدوة بالأول)أی بالسلام الأول، قال فی التجنیس: الإمام إذا فرغ من صلاته فلما قال: السلام جاء رجل واقتدی به قبل أن یقول علیکم لایصیر داخلاً فی صلاته. (شامی: ۱/۴۶۸ واجبات الصلاة، سعید۔ وکذافی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۵۱، فصل فی بیان واجبات الصلاة، قدیمی)

درمختار میں ہے:

وإذا فسد الاقتداء بأی وجه کان لایمنع شروعه فی صلاة نفسه لأنه قصد المشارکة و هی غیر صلاة الانفراد علی الصحیح، محیط، وادعی فی البحر أنه المذهب. (الدرالمختار: ۱/

۵۸۲، باب الامامة،سعید)

بدائع الصنائع میں ہے:

الاقتداء عبارة عن المتابعة والشركة فيقتضي المساواة. (بدائع الصنائع: ۱/۱۲۸،سعید)

کفایۃ المفتی میں ہے:

جب مسبوق مقتدی نے امام کے سلام سے پہلے امام کی نماز میں شریک ہونے کی نیت سے تکبیر تحریمہ ادا کر لی تو وہ امام کی نماز میں داخل ہوگیا صحتِ اقتداء کے لئے تحریمہ بہ نیت اقتدا کہنا کافی ہے اقتدا کی صحت صرف نیت اقتداء کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہنے سے ہوجاتی ہے، پس اگر مقتدی کے بیٹھنے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی اسی تحریمہ سے مسبوق کی طرح نماز ادا کرے۔ (کفایت المفتی: ۳/ ۴۳۸، کتاب الصلاۃ، دارالاشاعت)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اقتدا بعد لفظ السلام: یہ اقتدا صحیح نہیں ہوئی۔ (فتاوی محمودیہ: ۶/ ۵۴۷، باب المسبوق واللاحق، جامعہ فاروقیہ)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

امام کے سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ دی ہے تو جماعت میں شامل ہونے والا شمار ہوگا۔ تکبیر تحریمہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور امام نے لفظ السلام کہا علیکم نہیں بولا اور کسی نے اقتداء کی یہ اقتداء معتبر نہیں ہے دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے۔ بحوالہ شامی۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/ ۲۰۵ مزید وضاحت: ۵/ ۱۳۵)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی: ۳/ ۲۷۰، باب الامامۃ والجماعۃ۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۳/ ۶۹، باب الالجماعۃ، مدلل ومکمل، دار الاشاعت۔ وامداد الاحکام: ۱/ ۵۴۹، فصل فی المسبوق واللاحق، مکتبہ دارالعلوم کراچی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسبوق کا امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیرنے سے نماز کا حکم:

سوال: مسبوق اگر امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مسبوق نے امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیرا یا امام کے سلام سے پہلے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور اگر امام کے سلام کے بعد سلام پھیرا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہے اور عامۃً امام کے بعد ہی سلام پھیرتے ہیں لہذا سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ درمختار میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

ولو سلم ساهياً إن بعد إمامه لزمه السهو وإلا لا..... وفي الشامي: (قوله وإلا لا) أي وإن سلم معه أو قبله لا يلزمه لأنه مقتد في هاتين الحالتين، وفي شرح المنية عن المحيط: إن سلم في الأولىٰ مقارناً لسلامه فلا سهو عليه لأنه مقتد به، وبعده يلزم لأنه منفرد ثم قال: فعلى هذا يراد بالمعية حقيقتها وهو نادر الوقوع، قلت: يشير إلى أن الغالب لزوم السجود لأن الغالب عدم المعية وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس فليتنبه له. (الدرالمختار مع الشامي: ۱/۵۵۹، سعید۔ وکذا فی الطحطاوی: ۱/۲۵۵)

بدائع الصنائع میں ہے:

و لا يسلم مع سلام الإمام لأن هذا السلام للخروج عن الصلاة وقد بقي عليه أركان الصلاة فإذا سلم مع الإمام فإن كان ذاكراً لما عليه من القضاء فسدت صلاته لأنه سلام عمد وإن لم يكن ذاكراً له لا تفسد لأنه سلام سهو فلم يخرجه عن الصلاة وهل يلزمه سجود السهو لأجل سلامه ينظر إن سلم قبل تسليم الإمام أو سلما معاً لا يلزمه لأن سهوه سهو المقتدي وسهو المقتدي متعطل وإن سلم بعد تسليم الإمام لزمه لأن سهوه سهو المنفرد فيقضي ما فاته ثم يسجد للسهو في آخر صلاته. (بدائع الصنائع: ۱/۱۷۶، سعید)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام کی پانچویں رکعت میں مسبوق مقتدی کی اقتدا کا حکم:

سوال: امام اگر غلطی سے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور ایک شخص نے آکر اس کی اقتداء کی تو درست ہے یا نہیں؟ نیز امام واپس آ گیا اور قعدہ میں بیٹھ گیا تو کیا حکم ہے؟ اور اگر واپس نہیں آیا اور چھٹی رکعت بھی ملالی تو کیا حکم ہے؟

الجواب: پانچویں رکعت میں مسبوق مقتدی کی اقتدا اس وقت صحیح اور درست ہے جبکہ امام پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے واپس آجائے۔ اور اگر امام نے چھٹی رکعت ملالی تو مسبوق مقتدی کی اقتدا صحیح اور درست نہیں اس لئے کہ اس صورت میں "اقتداء المفترض خلف المتنفل" ہوگی اور یہ فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان میں ہے:

إذا صلى الإمام الظهر أربع ركعات وقعد على الرابعة وقام إلى الخامسة ساهياً وجاء

إنسان واقتدى به في صلاة الظهر قال الشيخ الإمام أبوبكر بن الفضلؒ: يصح اقتداء الرجل لأن الإمام ما لم يقيد الخامسة بالسجدة يكون في تحريمة تلك الصلاة. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۱/۱۰۲، فصل في المسبوق).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

امام اگر چوتھی رکعت میں بقدر تشہد بیٹھ کر سہواً کھڑا ہوگیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کرلیا تو چھٹی رکعت ملالے اور سجدہ سہو کرلے فرض اس کے پورے ہوگئے۔ اگر کوئی شخص پانچویں یا چھٹی رکعت میں اس امام کا مقتدی ہوا تو مقتدی کی نماز نہ ہوگی کیونکہ امام کی دو رکعت نفل ہیں۔ (دارالعلوم دیوبند، مدلل ومکمل: ۴/۴۱۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسبوق کا پانچویں رکعت میں امام کی متابعت کا حکم:

سوال: مسبوق اگر پانچویں رکعت میں امام کی متابعت کرے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟ اور مسبوق کے حق میں یہ مزید رکعت فرض ہوگی یا نفل؟

الجواب: اگر امام پانچویں رکعت کے لیے بھول کر کھڑا ہوگیا اور مسبوق نے اس کی متابعت کی تو اگر امام چوتھی رکعت میں بیٹھا تھا تو مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی، کیونکہ مسبوق حالتِ انفراد میں ہے اور مسبوق کو کسی دوسرے کی اقتدا کرنا مفسدِ نماز ہے۔ (البتہ فتاویٰ قاضیخان میں مرقوم ہے کہ چوتھی رکعت پر امام بیٹھا ہو تب بھی مسبوق کی نماز فاسد نہ ہوگی)۔ اور اگر امام چوتھی رکعت میں نہیں بیٹھا تھا تو جب تک امام پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے تب تک اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور جب امام نے پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو سب کی نمازِ فرض ختم ہوکر نفل ہوجائے گی۔ پس اگر امام نے چھٹی رکعت بھی ملالی تو مسبوق امام کی متابعت کرے گا، پھر اپنی باقی نماز ادا کرلے، اور یہ نماز اس کے حق بھی نفل ہوجائے گی جیسا کہ امام کے حق میں ہوئی ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو قام إمامه لخامسة فتابعه تفسد وإلا لا حتى يقيد الخامسة بسجدة، ولو ظن الإمام السهو فسجد له فتابعه فبان أن لاسهو فالأشبه الفساد لاقتداء ه في موضع الانفراد. وفي الشامية: قوله إن بعد القعود، أى قعود الإمام القعدة الأخيرة قوله تفسد، أى صلاة المسبوق لأنه اقتداء في موضع الانفراد، ولأن اقتداء المسبوق بغيره تفسد، قوله وإلا، أى

Maktaba Tul Ishaat.com

وإن لم يقعد وتابعه المسبوق لا تفسد صلاته ، لأن ما قام إليه الإمام على شرف الرفض ولعدم تمام الصلاة فإن قيدها بسجدة انقلبت صلاته نفلاً ، فإن ضم إليها سادسة ينبغي للمسبوق أن يتابعه ثم يقضي ما سبق به وتكون له نافلة كالإمام، ولاقضاء عليه لو أفسده لأنه لم يشرع فيه قصداً . (الدرالمختار مع ردالمحتار:۱/۵۹۹،سعید).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

إذا صلى الإمام الظهر أربع ركعات وقعد على الرابعة وقام إلى الخامسة ساهياً وجاء إنسان واقتدى به في صلاة الظهر قال الشيخ الإمام أبوبكر بن الفضلؒ: يصح اقتداء الرجل لأن الإمام ما لم يقيد الخامسة بالسجدة يكون في تحريمة تلك الصلاة . (فتاوی قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندیة:۱/۱۰۲،فصل فی المسبوق).

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جب تک امام پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے تب تک اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور جب امام نے پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو سب کی نماز فرض جاتی رہے گی اور نفل ہوجائے گی، پس اگر امام نے چھٹی رکعت ملالی تو مسبوق بھی اس کی متابعت کرے پھر مسبوق نہ کو ادا کرے اور یہ اس کے لیے بھی نفل ہوجائیں گے جیسا کہ امام کے حق میں ہوئے ہیں۔(عمدۃ الفقہ:۲/۲۲۵)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسبوق فوت شدہ نماز کے لئے کب کھڑا ہوگا؟

سوال: مسبوق امام کے سلامِ اول کے بعد کھڑا ہوگا یا سلامِ ثانی کے بعد؟

الجواب: مسبوق کو فوت شدہ نماز کے لئے اس وقت کھڑا ہونا چاہئے جبکہ اس کو یقین ہوجائے کہ امام نماز سے فارغ ہوچکا ہے اور اس کے ذمہ کچھ باقی نہیں ہے، اور عامۃً یہ سلامِ ثانی کے وقت ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو تبیین الحقائق کے حاشیہ میں ہے:

ثم إذا سلم الإمام لايعجل بالقيام وينظرهل يشتغل الإمام بقضاء ما نسيه فإذا تيقن فراغه يقوم إلى قضاء ما سبق ولايسلم مع الإمام، وفيه حكاية وهي أن أبايوسفؒ كان على مائدة الرشيد فقال لزفرؒ ما تقول يا أبا هزيل متى يقوم المسبوق إلى قضاء ما سبق به فقال زفر: بعد

سلام الإمام فقال له أبويوسفؒ: أخطأت فقال زفرؒ:بعد ما يسلم تسليمة فقال: أخطأت فقال زفرؒ: قبل سلام الإمام فقال:أخطأت،ثم قال أبويوسفؒ:إنما يقوم بعد تيقنه أن الإمام فرغ من صلاته فقال زفرؒ:أحسنت أيد الله القاضي. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۱/۱۲٤،فصل في بيان الشروع في الصلاة،امداديه)

امدادالفتاح میں ہے:

وفي المحيط وغيره:ينبغي للمسبوق أن يمكث ساعة بعد فراغ الإمام ثم يقوم لجوازأن يكون على الإمام سهواً ليتابعه فيه انتهى. (امداد الفتاح:٥١٤،باب سجود السهو۔وكذافي مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي:٤٦٤، باب سجود السهو،قديمي كتب خانه۔وهكذا في البحرالرائق: ۲/۱۰۰، باب سجود السهو،الماجديه)

احسن الفتاوی میں ہے:

مسبوق امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد بھی اتنا تاخیر سے اٹھے کہ امام کے ذمہ سجدہ سہو نہ ہونا معلوم ہوجائے۔**قال في الهندية:و ينبغي للمسبوق أن يمكث ساعة بعد سلام الإمام لجواز أن يكون على الإمام سهو،عالمكيري.**(احسن الفتاوی: ۳/۳۷۷ ،باب المسبو ق واللاحق)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ علم۔**

مسبوق کا امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں عمداً سلام پھیرنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں عمداً سلام پھیر دے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی اگر عمداً سلام پھیر دیا، ورنہ فاسد نہیں ہوگی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله والمسبوق يسجد مع إمامه)قيد في السجود لأنه لايتابعه في السلام بل يسجد معه ويتشهد فإذا سلم الإمام قام إلى القضاء فإن سلم فإن كان عامداً فسدت وإلالا.

(شامی:۲/۸۲،باب سجود السهو،سعيد)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومنها أن يتابع الإمام في السهو ولايتابعه في التسليم والتكبيروالتلبية فإن تابعه في

Maktaba Tul Ishaat.com

التسلیم والتکبیر فسدت. (الفتاوی الهندیة: ۹۲/۱)

البحر الرائق میں ہے:

ثم المسبوق إنما یتابع الإمام فی السجود لافی السلام فیسجد معه.....فإن سلم فإن کان عامداً فسدت وإلا فلا. (البحر الرائق: ۱۰۰/۲، باب سجود السهو، الماجدیه)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

مسبوق کا امام کے ساتھ سجدہ سہو تو کرنا ضروری ہے لیکن سجدہ سہو کے لئے سلام میں امام کا اتباع ناجائز ہوتا ہے، اگر قصداً امام کے ساتھ سلام پھیرے گا تو مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی اور سہوا پھیرنے سے فاسد نہ ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ: ۵۵۶/۶، باب المسبوق واللاحق، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسبوق کی اقتدا کا حکم:

سوال: امام کے سلام کے بعد مسبوق بقیہ نماز پڑھ رہا تھا ایک شخص نے آکر اس کی اقتداء کرلی تو یہ اقتداء صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: مسبوق واجب الانفراد ہوتا ہے امام نہیں بن سکتا ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں یہ اقتداء صحیح نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

فمن جملة أحکام المسبوق ما ذکروا من جملتها أنه فیما یقضی کالمنفرد إلا فی أربع مسائل إحداهما لایجوز اقتداء ه ولا الاقتداء به لأنه بان من حیث التحریمة. (شرح منیة المصلی: ۴۳۷، سهیل اکیڈمی۔ والفتاوی الهندیة: ۹۲/۱۔ والشامی: ۵۹۷/۱، سعید۔ وفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة: ۱۰۱/۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسبوق کا دوسرے مسبوق کو دیکھ کر فوت شدہ نماز پوری کرنا:

سوال: ایک مسبوق اپنی فوت شدہ رکعات اکثر بھول جاتا ہے اور جب ادا کرتا ہے تو اپنے قریب والے کو دیکھ کر اپنی فوت شدہ رکعات پوری کرتا ہے تو اس طرح کرنے سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: دوسرے مسبوق کو دیکھ کر نماز پڑھنا درست ہے، لیکن اس کی اقتدا کرنا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

أما لو نسی أحد المسبوقین المتساوین کمیة ما علیه فقضی ملاحظاً للآخر بلااقتداء به صح. (فتح القدیر:۱/۳۹۰، باب الحدث فی الصلاة،دارالفکر۔وکذافی البحرالرائق:۱/۳۷۸،باب الحدث فی الصلاة،کوئتة)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

إذا قضی المسبوقان ملاحظاً أحدهما الآخر لیعلم عدد ماعلیه من فعله،فلابأس به.

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۲۹۲،باب الامامة،قدیمی۔وکذا فی الدرا لمختارمع الشامی:۱/۵۹۷،باب الامامة، سعید۔وکذا فی الفتاوی الهندیة:۱/۹۲، الفصل السابع).

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ:۱/۱۳۷،مکتبہ رحیمیہ۔وفتاوی محمودیہ:۶/۵۶۴،باب المسبوق واللاحق،جامعہ فاروقیہ۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسبوق کا فوت شدہ رکعات میں جہر کرنا:

سوال: کیا مسبوق کے لئے جائز ہے کہ فجر کی نماز میں فوت شدہ رکعت ادا کرتے وقت جہر کرے؟

الجواب: مسبوق فوت شدہ رکعت میں منفرد کے حکم میں ہے اور منفرد کو جہری نماز میں اختیار ہے لہذا مسبوق کو بھی اختیار ہے کہ جہری نماز کی فوت شدہ رکعت جہر سے ادا کرے، بشرطیکہ دوسرے مسبوقین کی نماز میں خلل نہ ہو۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قوله(کمن سبق رکعة من الجمعة)أی أنه إذا قام لیقضیها لایلزمه المخافتة بل له أن یجهرفیها لیوافق القضاء الأداء.(شامی:۱/۵۳۴، فصل فی القراءة،سعید)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمسبوق وهومن سبقه الإمام بکلها أوبعضها وحکمه أنه یقضی أول صلاته فی حق القراءة وآخرها فی حق القعدة وهومنفرد فیما یقضیه. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۰۹، فصل فیما یفعله المقتدی)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله کمن سبق برکعة من الجمعة)والمغرب والعشاء والفجر کذلک لأن المسبوق منفرد فی الأقوال. (طحطاوی علی الدر المختار:۱/۲۳۴، فصل یجهرالامام۔وکذ افی امداد الفتاح:فصل فی

Maktaba Tul Ishaat.com

واجبات الصلاۃ۔وفی الفتاوی الھندیۃ:۱/۷۲، واجبات الصلاۃ)

درمختار میں ہے:

والمسبوق من سبقه الإمام بها أوببعضها وهومنفرد حتى يثنى ويتعوذ ويقرأ. (الدر المختار :۱/۵۹۶،سعید)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

فجر میں مسبوق بقیہ رکعت قراءتِ جہری سے پوری کرے تو یہ درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۳/۳۸۹ مدلل ومکمل)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسبوق نمازِ مغرب میں فوت شدہ دو رکعت کس طرح پوری کرے؟

سوال: مغرب کی نماز میں کسی کی دو رکعت چھوٹ گئی تو ادا کرتے وقت دو رکعات کے درمیان قاعدہ کرے گا یا نہیں کریگا اور اگر نہیں کیا تو سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مغرب کی فوت شدہ دو رکعات کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں میں قراءت بھی کرے اور دونوں کے درمیان قعدہ بھی کرے لیکن اگر قعدہ نہیں کیا تو بھی استحسانا جائز ہے اور نماز صحیح ہے نہ سجدہ سہو لازم ہے اور نہ اعادہ لازم ہے۔ مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ أن جندباً ومسروقاً أدركا ركعة يعنى من صلاة المغرب فقرأ جندب ولم يقرأ مسروق خلف الإمام فلما سلم الإمام قاما يقضيان فجلس مسروق فى الثانية والثالثة وقام جندب فى الثانية ولم يجلس فلما انصرف تذاكرا ذلك فأتيا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فقال: كل قد أصاب أوقال: كل قد أحسن واصنع كما يصنع مسروق. رواه الطبرانى فى الكبيربأسانيد بعضها ساقط منه رجل وفى هذه الطريق جابرالجعفى والأكثرعلى تضعيفه۔ (مجمع الزوائد: ۲/۸۶ ،باب فيما يدرك مع الامام وما فاته،دارالفكر)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لوأدرك مع الإمام ركعة من المغرب فإنه يقرأ فى الركعتين الفاتحة والسورة ويقعد فى أوليهما لأنها ثنائية ولولم يقعد جازاستحساناً لاقياساً ولم يلزمه سجود السهولوسهواً

لكونها أولىٰ من وجه. (شرح منية المصلي:٤٦٨،فصل في سجود السهو،سهيل)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمسبوق وهو من سبقه الإمام بكلها أو بعضها وحكمه أنه يقضي أول صلاته في حق القراءة وآخرها في حق القعدة وهو منفرد فيما يقضيه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٣٠٩، فصل فيما يفعل المقتدي۔وكذا في الشامي:١/٥٩٧،باب الإمامة،سعيد)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مقیم مسبوق مسافر کے پیچھے کس طرح نماز پوری کرے؟

سوال: مسبوق مقتدی مسافر امام کے پیچھے آخری تشہد میں شریک ہوا تو نماز کیسے پوری کرے؟

الجواب: اس مسئلہ میں ہمارے اکابر کا اختلاف رہا ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ مسافر امام کی فراغت کے بعد لاحق مسبوق ہے پس پہلی دو رکعتیں بلا قراءت ادا کرے گا کیونکہ یہ لاحق ہے، اور تیسری اور چوتھی رکعت قراءت کے ساتھ ادا کرے گا یہی جواب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دیوبند نے تحریر فرمایا ہے اس پر شیخ الہندؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے دستخط ہیں، یہ حضرات شامی کی عبارت سے استدلال فرماتے ہیں: **ومقيم ائتم بمسافر قوله ومقيم أي فهو لاحق بالنظر للأخيرتين وقد يكون مسبوقاً أيضا كما إذا فات أول صلاة إمامه المسافر.** (شامي:١/٥٩٤، أحكام المسبوق واللاحق)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی رائے یہ ہے یہ شخص صرف مسبوق ہے لاحق نہیں ہے لہذا امام کے فارغ ہونے کے بعد پہلی رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھ لے اور آخری دو رکعتوں کے درمیان قعدہ نہ کرے۔ حضرتؒ نے اس سلسلہ میں مفصل فتوی تحریر فرمایا ہے جس کی تفصیلات اور دلائل فتاوی خلیلیہ: ص ۹۹۔۱۱۳ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

دلائل میں سے کچھ حسبِ ذیل درج ہیں:

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن كان الإمام مسافراً والقوم مقيمين ومسافرين صلى الإمام بالطائفة الأولىٰ ركعة ثم انصرفوا بإزاء العدو وجاءت الطائفة الثانية وصلى بهم ركعة فمن كان مسافراً خلف الإمام بقي إلى تمام صلاته ركعة ومن كان مقيما بقي إلى تمام صلاته ثلاث ركعات ثم ينصرفون

Maktaba Tul Ishaat.com

بإزاء العدو وترجع الطائفة الأولیٰ إلی مکان الإمام فمن کان مسافراً یصلی رکعة بغیر قراء ة لأنه مدرک أول الصلاة ومن کان مقیماً یصلی ثلاث رکعات بغیر قراء ة فی ظاهر الروایة فإذا أتمت الطائفة الأولیٰ صلاتهم ینصرفون بإزاء العدو وتجیء الطائفة الثانیة إلی مکان صلاتهم فمن کان مسافراً یصلی رکعة بقراء ة لأنه مسبوق ومن کان مقیماً یصلی ثلاث رکعات الأولیٰ بفاتحة الکتاب وسورة لأنه کان مسبوقاً فیها وفی الأخریین بفاتحة الکتاب علی الروایات کلها. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۵۵، الباب العشرون فی صلاة الخوف، بلوچستان)

شامی میں ہے:

(قوله والمقیم) ذکر فی البحر أن المقیم المقتدی بالمسافر کالمسبوق فی أنه یتابع الإمام فی سجود السهو ثم یشتغل بالإتمام، وأما إذا قام إلی إتمام صلاته وسها فذکر الکرخی: أنه کاللاحق فلا سجود علیه بدلیل أنه لایقرأ، وذکر فی الأصل: أنه یلزمه السجود وصححه فی البدائع لأنه إنما اقتدی بالإمام بقدر صلاة الإمام، فإذا انقضت صار منفرداً وإنما لایقرأ فیما یتم لأن القراء ة فرض فی الأولیین وقد قرأ الإمام فیهما. (شامی: ۲/۸۳، باب سجود السهو۔ وفی الشامی أیضا: ۱/۵۹۴، أحکام المسبوق)

محقق علماء نے حضرت سہارنپوریؒ کے فتوے کو اختیار فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں مسافر امام کے پیچھے تشہد میں شریک ہونے والا مقیم مقتدی صرف مسبوق کے حکم میں ہے لہذا یہ مقتدی اقتداء سے علیحدہ ہوکر منفرد ہوجائے گا، اب اس کو چاہئے کہ پہلی دو رکعات سورۂ فاتحہ اور سورت کے ساتھ ادا کرے، اور آخری دو رکعت میں صرف فاتحہ پڑھے اور دو رکعات پر قعدہ بھی کریگا۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: فتاوی خلیلیہ: ۱/۹۹۔۱۱۳، فصل فی حکم اللاحق والمسبوق، مکتبۃ الشیخ۔ واحسن الفتاوی: ۳/۳۸۶۔۳۹۷، باب المسبوق۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسافر امام کے پیچھے مقیم مسبوق کس طرح نماز پوری کرے؟

سوال: مسبوق مقتدی مسافر امام کے پیچھے نمازِ ظہر میں دوسری رکعت میں شریک ہوا تو بقیہ نماز کیسے پوری کرے؟

جواب: یہ مسئلہ علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے البتہ محققین کے نزدیک مقیم مقتدی اقتداء سے علیحدہ ہوکر منفرد ہوجائے گا، لہذا مسبوق کی طرح تینوں رکعات ادا کرے گا پہلی رکعت قراءتِ فاتحہ وسورۃ کے ساتھ ادا کرے گا اور قعدہ کرے گا اور آخری دو رکعات صرف فاتحہ کے ساتھ ادا کرے اور دونوں کے درمیان قعدہ نہ کرے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

والمسبوق من سبقه الإمام بها أوببعضها وهومنفرد حتى يثنى ويتعوذ ويقرأ وإن قرأ مع الإمام لعدم الاعتداد بها لكراهتها مفتاح السعادة. فيما يقضيه أى بعد متابعته لإمامه، ويقضى أول صلاته فى حق قراءة وآخرها فى حق تشهد، وفى الشامى قوله يقضى أول صلاته فى حق قراءة. (الدرالمختارمع الشامی: ۱/۵۹۶، باب الامامة، سعید)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفتاوی الهندية، باب صلاة الخوف۔ وفتاوی خلیلیه: ۱/۹۹۔۱۱۳۔ واحسن الفتاوی: ۳/۳۸۶، کما مر۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

لاحق کی نماز کا طریقہ:

سوال: ایک شخص کا دوسری رکعت میں وضو ٹوٹ گیا اور جب وضو کرنے گیا تو دو رکعتیں نکل گئیں، اب امام کے سلام کے بعد نماز کیسے ادا کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں وضو کرنے کے بعد اسے فوت شدہ نماز بلا قراءت پڑھنی چاہئے جو حدث کی وجہ سے فوت ہوچکی تھی، پھر اگر امام نماز میں ہو تو اس کے ساتھ شریک ہوجائے ورنہ اکیلا اپنی نماز پوری کرے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

والـلاحق من فاتته الركعات كلها أوبعضها لكن بعد اقتدائه بعذر.....وحكمه كمؤتم فلايأتى بقراءة.....ويبدأ بقضاء مافاته عكس المسبوق ثم يتابع إمامه إن أمكنه أدراكه و إلا تابعه.

وفى الشامى: ففى شرح المنية: وحكمه أن يقضى مافاته أولاثم يتابع الإمام إن لم يكن قد فرغ. وفى النتف: إذا توضأ ورجع يبدأ بما سبقه الإمام به ثم إن أدرك الإمام فى شىء من الصلاة يصليه معه. و فى البحر: و حكمه أنه يبدأ بقضاء مافات بالعذرثم يتابع الإمام إن لم

Maktaba Tul Ishaat.com

يفرغ و هذا واجب لاشرط،حتى لوعكس يصح،فلونام فى الثالثة واستيقظ فى الرابعة فإنه يأتى بالثالثة بلا قراء ة،فإذا فرغ منها صلى مع الإمام الرابعة،وإن فرغ منها الإمام صلاها وحده بلا قراء ة أيضا، فلوتابع الإمام ثم قضى الثالثة بعد سلام الإمام صح و أثم ، و مثله فى الشرنبلالية وشرح الملتقى للباقانى.وهذا العمل مما أغفل التنبيه عليه جميع محشى هذا الكتاب،والحمد لله ملهم الصواب. (الدرالمختارمع رد المحتار:۱/۵۹۵،أحكام المسبوق واللاحق،سعيد۔

وكذافى الفتاوى الهندية:۱/۹۲،الفصل السابع فى المسبوق واللاحق)

احسن الفتاوی میں ہے:

لاحق اولاً فوت شدہ رکعات ادا کرے اس کے بعد اگر امام کو نماز میں پالے تو اس کے ساتھ شریک ہوجائے ورنہ تنہا ادا کرے۔(احسن الفتاوی:۳/۳۸۰،باب المسبوق واللاحق۔وفتاوی حقانیہ:۳/۱۹۳،باب المسبوق واللاحق)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصلِ ہشتم

حدث اور استخلاف کے مسائل

سلامِ اول کے بعد امام کو حدث لاحق ہو تو استخلاف کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو ایک سلام پھیرنے کے بعد حدث لاحق ہوا تو اس کی نماز پوری ہوئی یا نہیں یا وضو کر کے واپس آ کر دوسرا سلام پھیرے اور اگر امام ہے تو کیا حکم ہے کسی کو خلیفہ بنائے گا یا نہیں؟

الجواب: سلامِ ثانی اصح قول کے مطابق واجب ہے لہذا شخص مذکور وضو کر کے واپس آئے اور دوسرا سلام پھیرے اور اگر امام ہے تو خلیفہ بنائے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولفظ السلام مرتين فالثاني واجب على الأصح. (الدرالمختار: ۱/۴۶۸، واجبات الصلاة)

طحطاوی میں ہے:

ويجب لفظ السلام مرتين وهو الأصح. (طحطاوی على مراقی الفلاح: ص ۲۵۱، واجبات۔ وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۹۴، سعيد)

درمختار میں ہے:

سبق الإمام حدث.....ولو بعد التشهد ليأتي بالسلام استخلف. وفي الشامي: قوله ليأتي بالسلام: قال ابن الكمال: صرح بذلك في الهداية وهذا صريح في أنه لا خلاف للإمامين هنا إذ لا خلاف لهما في وجوب التسليم، وقوله استخلف: أشار إلى أن الاستخلاف حق الإمام. (الدرالمختار مع الشامي: ۱/۶۰۰ باب الاستخلاف، سعيد)

Maktaba Tul Ishaat.com

وفی تقریرات الرافعی:

قوله وقد یجاب الخ:یبعد هذا الجواب تعلیل ابن ملک للوجوب بقوله صیانة الخ فإنه یدل علی التعمیم. (التحریرالمختارللرافعی علی الشامی:۱/۷۸ باب الاستخلاف،سعید)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی قاضی خان:۱/۱۱۵، فصل فی الاستخلاف۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

امام کے استخلاف کے بغیر کسی مقتدی کا از خود خلیفہ بننا:

سوال: اگر کسی امام کا وضو ٹوٹ گیا اور چلا گیا پھر از خود ایک آدمی دوسری یا تیسری صف سے آیا اور نماز پوری کر دی تو نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟

الجواب: اگر مقتدی امام کے مسجد سے باہر نکلنے سے پہلے امام کی جگہ پر آ گیا اور نماز پوری کر دی تو نماز صحیح ہوگئی، جو بھی عمل کثیر ہوا وہ اصلاحِ صلاۃ کے لئے تھا اس لئے مفسد نہیں ہے ہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ استدبارِ قبلہ لازم نہ آئے ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان میں ہے:

وإن تقدم رجل من غیر تقدیم أحد وقام مقام الأول قبل أن یخرج الإمام من المسجد جاز،ولوخرج الإمام من المسجد قبل أن یصل هذا الرجل إلی المحراب ویقوم مقامه فسدت صلاة الرجل والقوم ولاتفسد صلاة الإمام الأول. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۱/۱۱۵، فصل فی الاستخلاف)

شامی میں ہے:

وإن قدم القوم واحدا أوتقدم بنفسه لعدم استخلاف الإمام جازإن قام مقام الأول قبل أن یخرج من المسجد ولوخرج فسدت صلاة الکل دون الإمام. (شامی:۱/۶۰۱، باب الاستخلاف،سعید۔ والفتاوی التاتارخانیة:۱/۵۸۴،ادارة القرآن)

شامی میں ہے:

ویفسد کل عمل کثیر لیس من أعمالها ولالإصلاحها(قوله ولالإصلاحها)خرج به الوضوء والمشی لسبق الحدث فإنهما لایفسدانها. (شامی:۱/۶۲۴،سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
"إن ھذہ الصلاۃ لایصلح فیھا شئ من کلام الناس
إنما ھی التسبیح والتکبیر وقراءۃ القرآن"
(مشکاۃ)

باب.....﴿۷﴾

فیما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا

Maktaba Tul Ishaat.com

فصلِ اول

مفسداتِ نماز کا بیان

قرآن کریم میں دیکھ کر تلاوت کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: کیا قرآن دیکھ کر پڑھنا نماز میں جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کس امام کے نزدیک؟

الجواب: احناف کے نزدیک بحالتِ نماز قراءت من المصحف مفسدِ نماز ہے اس سے نماز فاسد ہوجائے گی، چاہے فرض نماز ہو یا نفل یا تراویح۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

قوله وقراءة مالايحفظه أى مطلق سواء كان قليل أو كثيروهوظاهرالرواية عن الإمام .....ولأبى حنيفةؒ فى فسادها وجهان:أحدهما أن حمل المصحف،والنظرفيه، وتقليب الأوراق عمل كثيروالثانى أنه تلقن من المصحف فصاركما لوتلقن من غيره وهومناف للصلاة وهذا يوجب التسوية بين المحمول وغيره فتفسد بكل حال، وهوالصحيح كذا فى الكافى، ولولم يكن قادراً إلا على القراءة من المصحف لايجوزله ذلك ويصلى بغيرقراءة لأنه أمى ولافرق بين الإمام والمنفرد. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:٣٣٦،باب ما يفسد الصلاة، قديمى۔وكذا فى تبيين الحقائق:١/١٥٨،باب ما يفسد الصلاة،امداديه)

درمختار میں ہے:

وقراءته من مصحف أى ما فيه قرآن مطلق لأنه تعلم.....وفى الشامى:(قوله أى ما فيه قرآن)عممه ليشمل المحراب،فإنه إذا قرأ مافيه فسدت فى الصحيح بحر(قوله مطلقا)أى

قلیلاً أو کثیراً، إماماً أو منفرداً، أمیاًلایمکنه القراءة إلامنه أولا (قوله لأنه تعلم) ذکروا لأبی حنیفةؒ فی علة الفساد وجهین..... (الدرالمختار مع رد المحتار: ۱/ ۶۲۴، باب ما یفسد الصلاة، سعید۔ وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۱۰، باب ما یفسد الصلاة، الماجدیه کوئٹه۔ والفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۰۱، الباب السابع فیما یفسد الصلاة، بلوچستان۔ والفقه الاسلامی وأدلته: ۲/ ۸، دارالفکر)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۶۸، باب مفسداتِ نماز مدلل ومکمل، دارالاشاعت۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/ ۲۱۹، باب مفسدات الصلاۃ، دارالعلوم حقانیہ۔ واحسن الفتاوی: ۳/ ۴۴۵، مسائل زلۃ القاری۔

دیگر ائمہ کا مذہب:

امام شافعی کے نزدیک قراءۃ من المصحف مطلقاً جائز ہے، اور مالکیہ کے نزدیک صرف نوافل میں گنجائش ہے، اور حنابلہ کے نزدیک اگر امام حافظ ہو تو مکروہ ہے اور فرائض میں علی الاطلاق مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو شرح المہذب میں ہے:

لوقرأ القرآن من المصحف لم تبطل صلاته سواء کان یحفظه أم لابل یجب علیه ذلک إذا لم یحفظ الفاتحة کما سبق ولوقلب أوراقه أحیاناً فی صلاته لم تبطل. (شرح المهذب للامام النوویؒ: ۴/ ۹۵، فرع لوقرأ القرآن من المصحف، دارالفکر)

مواہب الجلیل میں ہے:

فأجازمالک أن یؤم الإمام فی المصحف فی قیام رمضان وکره ذلک فی صلاة الفرض. (مواهب الجلیل: ۲/ ۳۸۲۔ وکذافی التاج والإکلیل: ۲/ ۳۸۲۔ ومنح الجلیل: ۱/ ۳۴۵)

حاشیۃ الدسوقی میں ہے:

وکره نظربمصحف فی فرض وفی أثناء نفل لافی أوله لأنه یغتفرفی النفل مالا یغتفر فی الفرض. (حاشیة الدسوقی: ۱/ ۴۹۶۔ وکذا فی المدونة۔ والذخیرة)

المغنی میں ہے:

قال أحمد لابأس أن یصلی بالناس القیام وهوینظرفی المصحف قیل له فی الفریضة قال لم أسمع فیه شیئاً، وقال القاضی: یکره فی الفرض ولابأس به فی التطوع إذالم یحفظ فإن کان حافظاً کره أیضاً، قال: وقد سئل أحمد عن الإمامة فی رمضان فقال: إذا اضطروا إلی

Maktaba Tul Ishaat.com

ذلک نقله علی بن سعید وصالح بن منصور. (المغنی:۱/ ۶۱۲ ،دار الکتب العلمیة بیروت)

الشرح الکبیر میں ہے:

(ویجوزله النظرفی المصحف)یجوزله النظرفی المصحف فی صلاة التطوع قال أحمد:لابأس أن یصلی بالناس القیام وهویقرأ فی المصحف قیل له الفریضة؟قال:لم أسمع فیها بشیء،وسئل الزهری عن رجل یقرأ فی رمضان فی المصحف فقال:کان خیارنا یقرؤون فی المصاحف،روی عن عطاء ویحیی الأنصاری،ورویت کراهته عن سعید بن المسیب والحسن ومجاهد وإبراهیم لأنه یشغل عن الخشوع فی الصلاة،وقال القاضی: لابأس به فی التطوع إذا لم یحفظ، فإن کان حافظاًکره لأن أحمد سئل عن الإمامة فی المصحف فی رمضان قال:ان اضطرإلی ذلک. (الشرح الکبیر علی هامش المغنی:۱/۶۳۷،دار الکتب العلمیة بیروت)

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

وأجازالحنابلة القراء ة فی أثناء الصلاة فی المصحف،ویکره ذلک لمن یحفظ لأنه یشغل عن الخشوع فی الصلاة والنظرإلی موضع السجود لغیرحاجةکما یکره فی الفرض علی الإطلاق لأن العادة أنه لایحتاج إلی ذلک فیها. (الفقه الاسلامی وأدلته:۲/۱۱ مفسدات الصلاة عند الفقهاء،دارالفکر)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سیلولرفون بجنے پرعملِ کثیر سے بند کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگرسیلولرفون بند کرنے کے لئے عملِ کثیر کی ضرورت پڑے تو نماز فاسد ہوگی یانہیں؟

الجواب: عمل کثیر مفسدِ نماز ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں سیلولرفون بند کرنے کے لئے عملِ کثیر پایا گیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

والعمل الکثیرلاالقلیل، واختلفوا فی الفاصل بینهما علی خمسه أقوال:

منها أن لایشک الناظرإلیه أنه لیس فی الصلاة، وإن اشتبه علی الناظرفهوقلیل علی الأصح.

والثانی:أن ما یقام بالیدین عادة کثیروإن فعله بید واحدة کالتعمم ولبس القمیص وشد السراویل وما یقام بید واحدة قلیل.

والثالث:الحرکات الثلاث المتوالیات کثیر.

والرابع:أن الکثیرما یکون مقصوداً للفعل.

والخامس:أن یفوض إلی رأی المبتلی به وهوالمصلی.....قال الزیلعی:وهذا أقرب الأقوال إلی رأی أبی حنیفةؒ.(امداد الفتاح:۳۵۹ فصل مایفسد الصلاة،بیروت۔وکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۳۲۳، باب ما یفسد الصلاة،قدیمی۔وکذا فی الشامی:۱/۶۲۴،باب ما یفسد الصلاة)

نیز ملاحظہ ہو:احسن الفتاوی:۳/۴۱۸،باب مفسدات الصلاۃ۔واللہ ﷻ اعلم۔

چھینکنے والے کو"یرحمک اللہ"کہنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص کو نماز میں چھینک آئی اس نے"الحمد للہ"کہا دوسرے نے اس کے جواب میں"یرحمک اللہ"کہا تو دونوں کی نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چھینکنے والے نے"الحمد للہ"کہا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی،البتہ قصداً نہیں کہنا چاہئے اور اس کے جواب میں"یرحمک اللہ"کہنے والے کی نماز فاسد ہوگئی۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

قوله خطاب عاطس أی خطاب المصلی العاطس، وإنماقید بالخطاب من المصلی لأنه لوقاله العاطس لنفسه لاتفسد لأنه بمنزلة قوله یرحمنی الله وبه لاتفسد ظهیریه، ولوقال"الحمد لله"فمن العاطس لنفسه لاتفسد وکذا من غیره.....(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۳۲۵، باب ما یفسد الصلاة)

امداد الفتاح میں ہے:

وتشمیت عاطس بـ"یرحمک الله"عند أبی حنیفةؒ،وقال أبویوسفؒ:لاتفسد لأنه دعاء بالمغفرة و الرحمة کما لو قال العاطس: الحمد لله علی أصح الروایتین.....وجه قول أبی حنیفةؒ مارویناه من قوله ﷺ"إن هذه الصلاة لایصلح فیها شیء من کلام الناس

Maktaba Tul Ishaat.com

الحدیث. قال لقائله أی: لتشمیت معاویة بن الحکم ﷺ، ولأنه یجری فی مخاطبات الناس فکان من کلامهم. (امداد الفتاح: ۳٦۲، فصل ما یفسد الصلاة، بیروت)

احسن الفتاوی میں ہے:

یرحمک اللہ کہنے والے کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ (احسن الفتاوی: ۳/۴۴۱)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

شافعی امام نے قعدۂ اخیرہ چھوڑ دیا اور پانچویں رکعت پر سجدۂ سہو کرلیا تو حنفی مقتدی کی نماز کا حکم:

سوال: ایک حنفی شافعی امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا تھا شافعی امام چوتھی رکعت پر نہیں بیٹھا اور پانچویں رکعت پر سجدۂ سہو کرلیا تو حنفی مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ شافعی امام نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا جو حنفی کے نزدیک مفسدات میں سے ہے لہذا حنفی مقتدی کی نماز فاسد ہوگئی، فرض دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

وظاهر کلام شرح المنیة أیضا حیث قال: وأما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی فیجوز ما لم یعلم منه ما یفسد الصلاة علی اعتقاد المقتدی علیه الاجماع. (شامی: ۱/۵٦۳، فی الاقتداء بالشافعی، سعید)

تحریر المختار میں ہے:

وإذا علم المقتدی منه ما یزعم به فساد صلاته کالفصد ونحوه لایجزیه ثم قال فحاصله أن صاحب الهدایة جوز الاقتداء بالشافعی بشرط أن لایعلم المقتدی منه ما یمنع صحة صلاته فی رأی المقتدی. (تقریرات الرافعی علی هامش الشامی: ۱/۷۱، سعید)

طحطاوی میں ہے:

(قوله وکذا کل مفسد) ولو ظهر أن بإمامه مایمنع صحة الصلاة أعادها وما لو أخل برکن أو شرط کظهور أنه توضأ بماء مستعمل أو خرج منه بعد وضوئه دم أو قیح أو قیء فإن الوضوء صحیح عند الإمام مالک فی جمیعها باطل عندنا (قوله بطلت) فیلزم إعادتها. (طحطاوی علی

الدرالمختار:۱/۲۵۳، باب الامامة)

نورالایضاح میں ہے:

وإن سهـا عـن الـقـعود الأخيرما لم يسجد وسجد لتأخيره فرض القعود فإن لم يعد حتى سـجد للزائد على الفرض صارفرضه نفلاً..... ولا يسجد للسهولترک القعود فی هذا الضم فـی الأصح لأن النقصان بالفساد لاينجبربالسجود. (نورالایضاح مع مراقی الفلاح:۱۸۰، باب سجود السهو،مکة المکرمة۔وکذا فی الدر المختارمع الشامی:۲/۸۵،باب سجود السهو)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مقتدیہ عورت کے لقمہ دینے سے نماز کا حکم:

سوال: اگرکسی امام کے پیچھے عورت مقتدیہ تھی اس نے امام کولقمہ دیا توامام کولیناچاہئے یانہیں؟

الجواب: جب عورت مقتدیہ ہواورامام صاحب نے حالتِ نماز میں غلطی کی توعورت کوتصفیق کرنا چاہئے یعنی تالی بجائے نہ کہ لقمہ دے اگرلقمہ دیدیا توامام صاحب کولینے سے احتراز کرنا چاہئے اوراگرلقمہ لےلیا تو نماز میں کوئی فسادلازم نہیں آئے گا، کیونکہ اصح قول کے مطابق عورت کی آواز ستر نہیں ہے۔

امدادالفتاح میں ہے:

وتـدفـعـه المرأة بالإشارة أوالتصفيق بظهرأصابع يدها اليمنى على صفحةكف اليسرى لأن لهـن التـصـفـيـق ولاتـرفع صوتها بالقراء ة أوبالتسبيح لأنه فتنة فلايطلب منهن التسبيح للدرء. (امداد الفتاح:۴۰۱،بیروت)

البحرالرائق میں ہے:

وفـی شـرح الـمـنية:الأشبـه أن صـوتهـا ليـس بـعورة،وإنما يؤدی إلى الفتنةكماعلل به صـاحـب الهـداية وغيـره فـی مسئلة التلبية ولعلهن إنما منعن من رفع الصوت بالتسبيح فی الـصـلاة لهـذا الـمـعنی،ولايلزم من حرمة رفع صوتها بحضرة الأجانب أن يكون عورةكما قدمناه. (البحر الرائق:۱/۲۷۰، باب شروط الصلاة)

فتاوی شامی میں ہے:

(قـوله وصوتها)يعنی أنه ليس بعورة(قوله)على الراجح عبارة البحرعن الحلية أنه الأشبه

Maktaba Tul Ishaat.com

وفی النهر وهو الذی ینبغی اعتماده.(فتاوی شامی:۱/۶۰۴، مطلب فی ستر العورة)

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اس آیت اور حدیث مذکور سے اتنا ثابت ہوا کہ عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں، لیکن اس پر بھی احتیاطی پابندی یہاں بھی لگادی اور تمام عبادات اور احکام میں اس کی رعایت کی گئی ہے کہ عورتوں کا کلام جہری نہ ہو جو مرد سنیں، امام کوئی غلطی کرے تو مقتدیوں کو لقمہ زبان سے دینے کا حکم ہے، مگر عورتوں کو زبان سے لقمہ دینے کے بجائے یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے ہاتھ کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر تالی بجادیں، جس سے امام متنبہ ہو جائے، زبان سے کچھ نہ کہیں۔(معارف القرآن:۷/۱۳۲)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سلام کے جواب میں یہ الفاظ ''اللّٰھمّ اجعل السلام علی من سلم علیّ'' کہنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے مصلی کو سلام کیا اس کے جواب میں مصلی نے یہ الفاظ کہے ''اللّٰھمّ اجعل السلام علی من سلم علیّ''، تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: چونکہ یہ دعائیہ جملہ محلِ جواب میں صادر ہوا ہے اور عرفاً دوسروں کے حوالہ سلام پہنچاتے ہیں لہذا احتیاطاً نماز فاسد ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ أنه قال:''كنا نسلم على النبی ﷺ وهو فی الصلاة فيرد علينا فلما رجعنا من عند النجاشی سلمنا عليه فلم يرد علينا وقال:إن فی الصلاة شغلاً''. (بخاری شریف:۱/ ۱/ ۱۱۹۹، باب ما ینهی من الکلام فی الصلاة)

امداد الفتاح میں ہے:

وكل شیء قصد به الجواب كـ''يا يحيى خذ الكتاب''ويفسدها جواب مستفهم عن نداللہ سبحانه؛أی قال قائل:هل مع اللہ إله آخر؟فأجاب المصلی:بـ''لاإله إلااللہ''فسدت صلاته عندهما خلافا لأبی يوسفؒ ولهما أنه أخرجه مخرج الجواب وهو صالح له لأنه يستعمل فی موضعه عرفاً فيجعل جواباً لأن الكلام يبنى على قصد المتكلم فإن من رأى

رجلاً اسمه یحیی وبین یدیه کتاب وقال:یا یحیی خذ الکتاب بقوة وأراد خطابه لم یشکل علی أحد أنه متکلم لا قارئ. (امداد الفتاح:۳۶۲،باب ما یفسد الصلاة۔وکذا فی حاشیة الطحطاوی:۳۲۶،باب ما یفسد الصلاة،قدیمی)

شامی میں ہے:

(قوله تفسد إن قصد جوابه)ذکرفی البحرأنه لوقال مثل ما قال المؤذن،إن أراد جوابه تفسد وهکذا لولم تکن له نیة لأن الظاهرأنه أراد به الإجابة،وکذلک إذا سمع اسم النبیﷺ فصلی علیه فهذا إجابة. (شامی:۱/۶۲۱،باب ما یفسد الصلاة،سعید)

تبیین الحقائق میں ہے:

ولوسمع اسم النبیﷺ فصلی علیه تفسد ولوسمع الأذان فأجاب وأراد به الجواب أو لم یکن له نیة تفسد لأن الظاهرأنه أراد به الجواب. (تبیین الحقائق:۱/۱۵۷،باب ما یفسد الصلاة،امدادیه ملتان) نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ ۶/۶۳۱۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

”أستغفر اللہ العظیم“ پڑھنے سے فسادِ نماز کا حکم:

سوال: ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا امام کے پیچھے یا اکیلے اور ”أستغفر اللہ العظیم“ پڑھنا شروع کیا اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ خطا اور عمد میں فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں استغفر اللہ العظیم اگر بقصد جواب پڑھا یا کسی کو تنبیہ کرنے کے لئے تو نماز فاسد ہوجائے گی، چاہے عمداً ہو یا خطأً اور اگر وساوس کو دور کرنے کے لئے پڑھا یا برائے ذکر پڑھا تو دونوں صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ عمداً ہو۔ ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

أخبربما یسوء ه فاسترجع أوبما یسره فحمد اللہ وأراد به جوابه تفسد صلاته، وإذا أخبربما یعجبه فقال:سبحان اللہ أولا إله إلا اللہ أواللہ أکبرإن لم یرد به الجواب لاتفسد صلاته عند الکل وإن أراد به الجواب فسدت عند أبی حنیفةؒ ومحمدؒ. (الفتاوی الهندیة: ۱/۹۹ ۲۔وکذافی الشامی: ۱/۶۶۰،سعید)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

ولو تعوذ لدفع الوسوسة لاتفسد مطلقاً. إذ لافرق بينها وبين الحوقلة. (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۶۲، فصل ما يفسد الصلاة)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

منہ میں چوینگم رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نماز کی حالت میں منہ میں چوینگم رکھی ہے اور تھوڑی بہت حلاوت حلق میں جاری ہے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نماز فاسد ہوگئی، نیز منہ میں کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھنے کی چند صورتیں ہیں:

(۱) اگر میٹھی چیز ہے اور حلاوت پیٹ میں پہنچتی ہے تو مفسدِ نماز ہے۔

(۲) اگر حلاوت ختم ہوگئی اور بار بار چباتا ہے تو بھی مفسدِ نماز ہے۔

(۳) اگر منہ میں چھوٹی چیز ہے جو مانعِ قراءت نہیں تو مفسدِ نماز نہیں لیکن نماز مکروہ ہوگی۔

(۴) اگر بڑی چیز ہے جو مانعِ قراءت ہے تو مفسدِ نماز ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله أما المضغ فمفسد) أی إن كثر وتقديره بالثلاث المتواليات كما فی غيره كذا فی شرح المنية، وفی البحر عن المحيط وغيره: ولو مضغ العلک كثيراً فسدت، وكذا لو كان فی فمه اهليلجة فلاكها، فإن دخل فی حلقه منها شیء يسير من غير أن يلوكها لا تفسد، وإن كثر ذلک لاتفسد (قوله كسكر) أفاد أن المفسد أما المضغ الكثير أو وصول عين المأكول إلى الجوف بخلاف الطعم، قال فی البحر عن الخلاصة: ولو أكل شيئاً من الحلاوة وابتلع عينها فدخل فی الصلاة فوجد حلاوتها فی فيه وابتلعها لاتفسد صلاته، و لو أدخل الفانيد أو السكر فی فيه ولم يمضغه لكن يصلی والحلاوة تصل إلى جوفه تفسد صلاته. (شامی: ۱/۶۲۳، باب ما يفسد الصلاة۔ وكذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۲۴، قديمی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو أدخل الفانيد أو السكر فی فيه ولم يمضغه لكن يصلی والحلاوة تصل إلى جوفه

تفسد صلاته كذا في الخلاصة. وهو المختار كذا في الظهيرية، ولو مضغ العلك كثيراً فسدت كذا في المحيط السرخسي، إذا لاك الفوفلة فلم ينفصل منها شيء إن كثر ذلك فسدت من أجل أنه عمل كثير وإن انفصل عنها شيء ودخل حلقه فسدت ولو قل، وأما إذا لم يلكها ودخل ريقه لم تفسد. (الفتاوى الهندية: ۱۰۲/۱، الباب السابع فيما يفسد الصلاة)

درمختار میں ہے:

وأخذ درهم ونحوه في فيه لم يمنعه من القراءة فلو منعه تفسد. وفي الشامي: (قوله لم يمنعه من القراءة) قال في الحلية: الأولى أن يقول بحيث يمنعه من سنة القراءة كما ذكره في الخلاصة، حتى لو كان لا يخل بها لا يكره كما في البدائع، ثم قول قاضيخان: ولا بأس أن يصلي وفي فيه دراهم أو دنانير لا تمنعه من القراءة يشير إلى أن الكراهة تنزيهية (قوله فلو منعه) بأن سكت أو تلفظ بألفاظ لا تكون قرآناً، شرح المنية. (الدر المختار مع الشامي: ۶۴۱/۱، مكروهات الصلاة، سعيد)

نورالایضاح میں ہے:

ووضع شيء في فمه يمنع القراءة المسنونة. (نور الايضاح: ۹۱، فصل في المكروهات)

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

ولو يصلي وفي فيه دراهم أو دنانير لا يمنعه عن القراءة، وإن منعه لم تجز صلاته، وفي موضع آخر: إن منعه عن أداء الحروف أفسد الصلاة، وإن لم يمنعه عن عين القراءة وإنما منعه عن سنة القراءة لا تفسد صلاته ولكن يكره له، وإن لم يمنعه شيئاً فلا بأس به. (التاتارخانية: ۵۶۵/۱، الفصل الرابع في بيان ما يكره للمصلي، ادارة القرآن) ۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم** ۔

پیشاب کی بوتل جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی کی جیب میں خون سے بھرا ہوا خراب انڈا موجود ہے یا پیشاب سے بھری ہوئی بوتل ہے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: نجاست اور ناپاکی جب تک اپنے محل اور معدن میں ہو تو مفسدِ صلاۃ نہیں ہے لیکن اپنے

Maktaba Tul Ishaat.com

محل میں نہ ہو تو مفسد ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں پیشاب کی بوتل جیب میں رکھ کر نماز پڑھی تو نماز فاسد ہوگئی ،لیکن خون سے بھرا ہوا خراب انڈا جیب میں رکھ کر نماز پڑھی تو نماز ہو جائے گی کیونکہ نجاست اپنے محل میں ہے۔

شامی میں ہے:

کما لو صلی حاملاً بیضة مذرة صار مخها دماً جاز،لأنه فی معدنه، والشیء مادام فی معدنه لایعطی له حکم النجاسة،بخلاف ما لو حمل قارورة مضمومة فیها بول فلا تجوز صلاته لأنه فی غیر معدنه کمافی البحر عن المحیط. (شامی: ۱/۴۰۳،باب شروط الصلاة،سعید)

البحر الرائق میں ہے:

ونجاسة باطنة فی معدنه فلایظهر حکمها کنجاسة باطن المصلی ولو صلی وفی کمه قارورة مضمومة فیها بول لم تجز صلاته لأنه فی غیر معدنه ومکانه ولو صلی وفی کمه بیضة مذرة قد صار مخها دماً جازت لأنه فی معدنه و الشیء ما دام فی معدنه لا یعطی له حکم النجاسة الکل فی المحیط. (البحر الرائق: ۱/۲۶۷،باب شروط الصلاة، کوئتة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا صلی و فی کمه بیضة مذرة قد حال مخها دماً جازت صلاته و کذا البیضة التی فیها فرخ میت کذا فی فتاوی قاضیخان،فی النصاب رجل صلی وفی کمه قارورة فیها بول لاتجوز الصلاة سواء کانت ممتلئة أولم تکن لأن هذا لیس فی مظانه ومعدنه بخلاف البیضة المذرة لأنه فی معدنه ومظانه وعلیه الفتوی کما فی المضمرات. (الفتاوی الهندیة: ۱/۶۲، الفصل الثانی وطهارة ما یستر به العورة)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورت کے کچھ بال کھلے رہ جانے سے نماز کا حکم:

سوال: عورت نے نماز اس حالت میں پڑھی کہ اس کے کچھ بال ظاہر تھے تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چوتھائی حصہ کے بقدر بال کھلے رہے تو نماز فاسد ہوگئی لیکن اگر چوتھائی سے کم کھلے رہے تو نماز فاسد نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ویفسدها أداء رکن.....وهو قدر ثلاث تسبیحات أما لو حصل الانکشاف المانع أقل من

ذلک أو الانکشاف الیسیر فی الزمن الکثیر فإنه غیر مفسد(قوله مع کشف عورة) مراده به مایعم کشف ربع عضو منها فإنه مانع. (حاشیة الطحطاوی علی الدر:۱/۲۶۶،باب ما یفسد الصلاة۔وکذا فی الشامی:۱/۴۰۸،سعید)

شامی میں ہے:

وللحرة.....جمیع بدنها حتی شعرها النازل فی الأصح (قوله النازل)أی عن الرأس بأن جاوز الأذن، وقید به إذ لاخلاف فیما علی الرأس. (شامی:۱/۴۰۵،سعید۔وکذا فی الفتاوی الهندیة:۱/۵۸، الفصل الاول فی الطهارة وستر العورة)

فتاوی لکھنوی میں ہے:

الساق من المرأة وشعرها النازل وبطنها وفخذها کل ذلک عضو علی حدة.....فلو انکشف منها الربع فی الصلاة لم تجز وإلایجوز عندهما،وعند أبی یوسفؒ:والأکثر ما فوق النصف،وفی النصف عنه روایتان کذ افی الهدایة.....لاتفسد الصلاة بانکشاف القلیل من العورة، وإن طال إلی أداء رکن...(فتاوی اللکھنوی:۲۴۵،۲۴۸، التشریح الثانی فی سترالعورة،دارابن حزم)

احسن الفتاوی میں ہے:

قاعدہ یہ ہے کہ اگر سہواً ربع عضو تین بار "سبحان ربی الأعلی" کہنے کی مقدار تک کھلا رہے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے اور قصداً ربع عضو سے کم ستر کھلنا خواہ سہواً ہو یا عمداً تین تسبیح کی مقدار سے کم ہو یا زیادہ بہرحال مفسد نہیں۔(احسن الفتاوی:۳/۴۰۲، باب مفسدات الصلاۃ۔وامداد الفتاح:۱/۲۸۹ باب مایفسد الصلاۃ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مرد عورت نماز میں ایک دوسرے کا بوسہ لیں تو فسادِ نماز کا حکم:

سوال: عام فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ تحریر شدہ ہے کہ اگر مرد نماز میں ہو اور عورت بوسہ لے تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر عورت نماز میں ہو اور مرد بوسہ لے تو عورت کی نماز فاسد ہوجائے گی، اگر یہ مسئلہ صحیح ہے تو دونوں میں فرق کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں محقق ابن ہمامؒ نے فرمایا "واللہ أعلم بوجه الفرق" یعنی دونوں میں فرق کی وجہ اللہ کو معلوم ہے۔علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے فرمایا کہ قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ دونوں کی نماز فاسد ہونی چاہئے لیکن

Maktaba Tul Ishaat.com

عورت کی نماز اس وجہ سے فاسد ہوئی کہ مرد کا بوسہ اس کے لئے جماع کے حکم میں ہے کیونکہ عورت تو پہلے سے تیار ہے برخلاف عورت کا بوسہ۔ دوسری وجہ یہ ذکر فرمائی کہ عام طور پر عورتوں میں شہوت کا غلبہ بنسبت مردوں کے زیادہ ہوتا ہے لہذا جب مرد بوسہ لے گا تو عورت کو بھی شہوت ہوگی اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔

لیکن مرد کا بوسہ مفسدِ صلاۃ ہو یہ بات بندہ کی سمجھ میں نہیں آتی ہے جیسے کہ محقق ابن ہمامؒ کی سمجھ میں نہیں آئی، میرے خیال میں شرح زاہدی کا قول بہتر ہے جس سے دونوں کے بوسہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی، نیز عورت پر شہوت غالب ہے یہ بات تو عقلاً نقلاً قیاساً تجربۃً ہر لحاظ سے درست نہیں۔ اور بوسہ جماع کے معنی میں ہے یہ بھی حنفیہ کے اصول کے خلاف ہے کیونکہ حنفیہ بوسہ لینے کو ناقضِ وضو نہیں سمجھتے معلوم ہوا کہ بوسہ جماع کے معنی میں نہیں۔ ملاحظہ ہو فتاوی لکھنوی میں ہے:

قلت: لعل وجه الفرق هو أن القياس أن لاتفسد في الصورتين لأن فعل غير لايفسد صلاة المصلي.

أما ترى إلى أنه لو أخذ رجل ثياب المصلي أو وضع اليد على بدنه لايفسد لكن إنما يفسد بسبب كونه في معنى الجماع، وهو فعل الرجل فلما قبل المصلية كأنه وجد الجماع فتفسد صلاتها، بخلاف ما لو قبلته ولم توجد الشهوة من قبله.

ووجه آخر أن الشهوة على النساء غالبة فلما قبلها فكأنها وجدت الشهوة من جانبها أيضاً فتفسد صلاتها بهذا السبب، بخلاف ما لو قبلته ولم توجد الشهوة فيه. والله أعلم.

(فتاوی اللکھنوی: ۲۸۶، ما یتعلق بما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، دارابن حزم)

فتح القدیر میں ہے:

ولو مس المصلية بشهوة أو قبلها ولو بغير شهوة تفسد ولو قبلت المصلي ولم يشتهها تفسد كذا في الخلاصة، والله أعلم بوجه الفرق. (فتح القدیر: ۱/۴۰۴، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، دارالفکر)

عدمِ فساد والوں کے اقوال ملاحظہ ہوں:

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

وإن قبلت المصلي امرأته ولم يقبلها هو لاتفسد صلاته.....وكذا لو كانت هي تصلي

فقبلها لاتفسد صلاتها. (الجوهرة النيرة:۷۷،مكتبة امداديه)

البحرالرائق میں ہے:

وأما قولهم كما فى الخانية والخلاصة لوكانت المرأة هى المصلية دونه فقبلها فسدت بشهوة أوبغيرشهوة ولوكان هوالمصلى فقبلته ولم يشتهها فصلاته تامة فمشكل إذ ليس من المصلى فعل من الصورتين فمقتضاه عدم الفساد فيهمافى شرح الزاهدى ولوقبل المصلية لاتفسد صلاتها. (البحر الرائق: ۱۲/۲، باب مايفسد الصلاة،الماجدية۔وكذا فى الشامى: ۶۲۹/۱، مطلب فى المشى فى الصلاة،سعيد)

طحطاوی میں ہے:

ورده فى الفتح حيث قال والله أعلم بوجه الفرق وذلك لأنه لاصنع للمصلى فى الوجهين فمقتضاه عدم الفساد فيهما.....والذى فى شرح الزاهدى التسوية فى عدم الفساد بالتقبيل. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۲۶۶/۱،ما يفسدالصلاة). **واللہ تعالیٰ اعلم**۔

نماز میں غیرعربی میں اورکلام الناس کے مشابہ دعا کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک عورت جب نماز پڑھتی ہے تو سجدہ یا قعدہ میں انگریزی زبان میں یہ دعا پڑھتی ہے ''یا اللہ میرے شوہر اور بچوں کی حفاظت فرمائے'' اس عورت کی نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نماز میں غیرعربی میں دعا کرنا مکروہ تحریمی ہے پھر جو دعا لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو وہ مفسدِ نماز ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں عورت کی نماز فاسد ہوگئی اور اعادہ کرنا چاہئے۔ فتاوی قاضیخان میں ہے:

إذا قرأ القرآن فى الصلاة بالفارسية عند أبى حنيفةؒ يجوزوإن كان يحسن العربية لايجوزوتفسد صلاته كذاذكرشمس الأئمة الحلوانىؒ وعلى هذا الخلاف جميع أذكارالصلاة من التشهد والقنوت والدعاء وتسبيحات الركوع والسجود فإن قال بالفارسية ''يارب بيامرزمرا'' (اے اللہ مجھے بخش دے) إذاكان يحسن العربية تفسد صلاته وكذاكل ماليس بعربية كالتركية والزنجيه والحبشية والنبطية. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۸۶/۱، باب افتتاح الصلاة،بلوچستان)

Maktaba Tul Ishaat.com

امدادالفتاح میں ہے:

ویفسدها الدعاء بمایشبه کلامنا نحو: اللّٰهم ألبسنی ثوب کذا أوزوجنی امرأة ..... وذکرفی البحرعن المرغینانی ضابطاً فقال: الحاصل أنه إذا دعا بماجاء فی الصلاة أوفی القرآن أوفی المأثورلاتفسد صلاته وإن لم یکن فی القرآن أوالمأثورولایستحیل سؤاله من العباد تفسد. انتهی. (امداد الفتاح: ۳۵۸ مایفسد الصلاة)

شامی میں ہے:

لکن المنقول عندنا الکراهة فقد قال فی غررالأفکارشرح دررالبحارفی هذا المحل: وکره الدعاء بالعجمیة لأن عمر رضی اللہ عنہ نهی عن رطانة الأعاجم.....وقدم أول الفصل أن الإمام رجع إلی قولهما بعد جوازالصلاة بالقراء ة بالفارسیة إلاعند العجزوأما صحة الشروع بالفارسیة وکذا جمیع أذکارالصلاة فهی علی الخلاف فعنده تصح الصلاة بها مطلقاً خلافاً لهماکما حققه الشارح هناک.....ولایبعد أن یکون الدعاء بالفارسیة مکروهاً تحریماً فی الصلاة. (شامی: ۱/ ۵۲۱، الدعاء بغیرالعربیة، سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

نماز میں غیرعربی میں دعا کے بارے میں تین قول ہیں: حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، کراہتِ تحریمیہ کا قول ارجح واوسط ہے لہذا نماز کا اعادہ واجب ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۴۳۲، باب مفسدات الصلاۃ والمکروہات)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر فسادِ نماز کے شبہ کا ازالہ:

سوال: بعض حضرات لاؤڈ اسپیکر پر جہری نماز کو ناجائز یا مشکوک قرار دیتے ہیں کیا لاوڈ اسپیکر پر نماز درست ہے یا نہیں، اور اس میں جو تعلیم من الغیر کا شبہ پایا جاتا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب: جدید فقہی مسائل میں ہے:

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ نماز درست ہے یا نہیں؟ ابتداء میں علماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف تھا۔ بعض حضرات کی رائے تھی کہ لاؤڈ سپیکر کی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں بلکہ اس آواز کی بازگشت ہے۔ اس طرح اس آواز پر مقتدیوں کی نقل وحرکت گویا امام کی بجائے ایک دوسری آواز کی بناء پر ہوگی اور یہ بات جائز نہیں ہے کہ مقتدی

امام کی بجائے کسی اور کی آواز پر نقل وحرکت کرے۔

اس کے مقابلے میں کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اس کے باوجود نماز کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال صحیح ہے اور شریعت میں اس کی نظیر موجود ہے کہ نماز کے باہر کے ایک شخص کی تلقین پر نمازیوں نے نقل وحرکت کی، چنانچہ جب بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ بنایا گیا اور مدینہ کے مضافات کی بعض مساجد میں جہاں بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے لوگ نماز ادا کر رہے تھے، قبلہ کی تبدیلی کی ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اطلاع دی تو سب نے اپنا رخ بدل لیا۔ ظاہر ہے یہ نقل وحرکت ایک ایسے شخص کی آواز پر عمل میں آئی جو نماز سے باہر تھا۔

اب یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی نقل اور اس کا چربہ نہیں ہے بلکہ بعینہ امام کی وہی آواز ہے جو اس کی زبان سے نکلتی ہے، اس طرح اب لاؤڈ اسپیکر سے نماز وامامت کے جواز پر علماء کا اتفاق ہو چکا ہے۔

بعض علماء اس کے استعمال میں ایک گونہ کراہت سمجھتے ہیں اور ناگزیر ضرورت ہی پر اس سے کام لینے کو درست سمجھتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے بلا ضرورت امام کی آواز کو تقویت دینے والی مکبرین کے تقرر کو مکروہ قرار دیا ہے۔ لہذا یہی حکم لاؤڈ اسپیکر کا بھی ہوگا، مگر یہ استدلال قابلِ غور ہے، مکبرین کی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں ہوتی جب کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز کا بعینہ امام کی آواز ہونا ثابت ہو چکا ہے، اس لئے ان دونوں کو ایک درجہ نہیں دیا جا سکتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کو حسبِ ضرورت اس طرح استعمال کرنا چاہئے کہ اس کی آواز مناسب حدود اور مسجد میں رہے اور مسجد سے باہر اپنے کاموں میں مصروف لوگوں تک پہنچانے سے گریز کیا جائے کہ اس سے قرآن مجید کی طرف سے بے توجہی ہوتی ہے جس میں قرآن کی اہانت کا اندیشہ ہے۔ (جدید فقہی مسائل :۱/۱۳۴، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی: ۴/۶۴۔ فتاوی حقانیہ: ۳/۲۲۰۔ امداد الفتاوی: ۱/۶۰۵، ۶۰۸۔ کفایت المفتی: ۷/۲۰۶۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام: ص ۳۵۔ ۶۵۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنے کی مزید تحقیق:

سوال: بعض حضرات لاؤڈ سپیکر پر جہری نماز کو ناجائز یا مشکوک قرار دیتے ہیں کیا لاؤڈ سپیکر پر نماز درست ہے یا نہیں؟ اور اس میں جو تعلیم من الغیر کا شبہ پایا جاتا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: لاوڈ سپیکر پر نماز پڑھنا بلا کسی شبہ کے جائز اور درست ہے اس کو مشکوک قرار دینا درست نہیں ہے۔ دلائل مندرجۂ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

بوّب الإمام البخاریؒ "فی العمل فی الصلاۃ" باب إذا قیل للمصلی تقدم وانتظر فانتظر فلابأس به. (بخاری شریف: ۱/۱۶۲)

یعنی اگر مصلی نے خارج الصلاۃ کی بات کو قبول کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

خارج الصلاۃ کی بات کو قبول کرنا...اس کی اہمیت لاؤڈ سپیکر (Loud Speaker) پر نماز پڑھنے کے مسئلہ میں ظاہر ہوتی ہے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ لاوڈ سپیکر پر نماز نہیں ہوتی یا مشکوک ہوتی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ مقتدی تک پہنچنے والی آواز درحقیقت امام کی آواز نہیں بلکہ لاوڈ سپیکر امام کی آواز کو جذب کر کے مقتدی تک پہنچاتا ہے اور مقتدی اس کی اتباع میں انتقالات کرتا ہے تو گویا خارج الصلاۃ کی اتباع میں انتقالات کرنا پایا گیا لہذا نماز درست نہیں۔

اکثر مفتی حضرات اور علمائے کرام کے نزدیک لاوڈ سپیکر پر نماز ہوجاتی ہے، نماز کے صحیح ہونے کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

(۱) محققین علماءِ سائنس کہتے ہیں کہ مقتدی تک پہونچنے والی آواز امام ہی کی آواز ہے لاوڈ سپیکر کی نہیں لہذا خارج الصلاۃ کی آواز کی اتباع میں انتقالات کرنا نہیں پایا گیا تو نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔

(۲) بالفرض اگر یہ امام کی آواز نہیں لاوڈ سپیکر کی آواز ہے تب بھی فاسد نہ ہوگی کیونکہ لاؤڈ سپیکر غیر عاقل ہے اور خارج الصلاۃ کی اتباع اس وقت مفسد ہے جب یہ عاقل ہو، غیر عاقل کی اتباع مفسد نہیں، اس کی مثال صوت الصدی کی ہے پہلے زمانے میں امام گنبد میں نماز پڑھاتا تھا امام کی آواز گنبد میں ٹکرا کر مقتدیوں تک پہنچتی تھی اور اسی آواز پر مقتدی انتقالات کرتے تھے تو اس میں خارج الصلاۃ کی اتباع پائی گئی مگر اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ لاؤڈ سپیکر پر پڑھی گئی نماز کے بارے میں عدمِ فساد کو راجح قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ تحقیقاتِ سائنس سے قطع نظر اگر اس آواز کو امام کی اصل آواز نہ مانا جائے بلکہ مثل صوتِ

صدی کے قرار دیا جائے تو خود مقیس علیہ میں بھی فسادِ صلاۃ کا حکم نہ فقہاء کی تصریح سے ثابت ہے اور نہ اس کی وجہ فقہی ہوسکتی ہے، بلکہ اگر امام کی آواز کسی مقتدی کو بذریعۂ صدی یعنی آواز بازگشت پہنچ جائے اور مقتدی اس پر نقل وحرکت کرے تو اس میں بھی کوئی وجہِ فساد کی نہیں معلوم ہوتی پھر اس پر مکبّر الصوت کو قیاس کر کے مفسدِ نماز کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ (آلاتِ جدیدہ: ص ۶۵)

فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحبؒ نے زیرِ بحث مسئلہ میں عدمِ فساد کو راجح قرار دیا۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۳/ ۳۴۰ رسالہ "امام الکلام فی تبلیغ صوت الإمام")

اگر بالفرض تسلیم کیا جائے کہ خارج الصلاۃ کی اتباع مفسد ہے چاہے عاقل ہو یا غیر عاقل تو یہ اس وقت مفسد ہے جب کہ اس اتباع سے امتثال امر اللہ مقصود نہ ہو اگر امتثال امر اللہ مقصود ہو تو مفسد نہیں اور زیرِ بحث مسئلہ میں امام کے انتقالات کو مقتدیوں تک پہنچانا مقصود ہے، لہذا نماز فاسد نہیں ہوگی۔

مصلی فی غیر القراءۃ خارج الصلاۃ کی تلقین قبول کر لے تو نماز فاسد نہیں ہوتی اس کے شواہد مندرجۂ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) تحویلِ قبلہ کے موقع پر ایک صحابی نے خبر دی اور تمام مصلی حضرات نے قبول کر لیا اور دورانِ نماز بیت اللہ کی طرف رخ کر لیا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

أخرج البخاری عن البراء رضی اللہ عنہ فی قصة تحویل القبلة: وکان یعجبه أن تکون قبلته قِبل البیت وأنه صلی أول صلاة صلاها صلاة العصر وصلّی معه قوم فخرج رجل ممن صلی م عه فمرّ علی أهل مسجد وهم راکعون فقال: أشهد باللہ لقد صلیت مع رسول اللہ ﷺ قِبل البیت. (صحیح البخاری: ۱/ ۱۰، ۱۱)

(۲) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضور کی ﷺ نماز ختم ہونے کو تکبیر کے ذریعہ محسوس کرتے تھے:

أخرج مسلم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: ما کنا نعرف انقضاء صلاة رسول اللہ ﷺ الا بالتکبیر. (صحیح مسلم: ۱/ ۲۱۷، الذکر بعد الصلاة)

وروی عنه البخاری أیضا: کنت أعرف انقضاء صلاة رسول اللہ بالتکبیر. (صحیح البخاری: ۱/ ۱۱۹)

(۳) حضور ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر امامت فرمائی دو رکعت کے بعد اعلان فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو ہم

Maktaba Tul Ishaat.com

مسافر ہیں اور مقیمین نے دورانِ نماز اعلان سن کر نماز پوری کی۔ ملاحظہ ہو:

أخرج البيهقي في سننه الكبرى: قال عليه الصلاة والسلام لأهل مكة حين أمهم بها: "أتمّوا صلاتكم فإنا قوم سفر". (السنن الكبرى للبيهقي: ۱۳۶/۳۔ وأبو داؤد: ۱۷۳/۱)

نیز فقہاء نے بھی یہ مسئلہ بیان کیا ہے:

قال في الدر: وندب للإمام..... أن يقول بعد التسليمتين في الأصح: أتمّوا صلاتكم فإني مسافر لدفع توهّم أنه سها. (الدر المختار: ۱۳۰/۲، سعید)

(۴) مقتدی کے کہنے پر امام قراءت میں تطویل کرے تاکہ آمین میں شریک ہو اس میں بھی خارج الصلاۃ کا اثر قبول کرنا ہے:

وذكر البخاري في باب جهر الإمام بالتأمين: وكان أبو هريرة رضی الله عنه ينادي الإمام لا تفتني بآمين..... (بخاری شریف: ۱۰۷/۱)

وقال العيني في شرح البخاري:

وروى البيهقي من حديث أبي رافع أن أبا هريرة رضی الله عنه كان يؤذن لمروان بن الحكم فاشترط أن لا يسبقه بالضالّين حتى يعلم أنه دخل الصّف فكان إذا قال مروان ولا الضّالين قال أبو هريرة رضی الله عنه آمين يمدّ بها صوته وقال: إذا وافق تأمين أهل الأرض تأمين أهل السماء غفر لهم. (عمدة القاري: ۴۹۸/۴، دار الحديث، ملتان)

(۵) خسوفِ شمس کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نماز میں اشارہ سے جواب دیا۔ ملاحظہ ہو:

روى البخاري رحمه الله في أبواب الوضوء والخسوف من حديث أسماء بنت أبي بكر رضی اللہ تعالیٰ عنہا **قالت: أتيت عائشة** رضی اللہ تعالیٰ عنہا **زوج النبي صلی الله عليه وسلم حين خسفت الشمس فإذا الناس قيام يصلون هي قائمة تصلي فقلت ما للناس؟ فأشارت بيدها إلى السماء وقالت سبحان الله فقلت آية؟ فأشارت أي نعم**. (صحيح البخاري: ۱۴۴،۳۰/۱)

(۶) ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امامت کرائی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو پیچھے ہٹنا شروع کیا آپ نے اشارہ سے روک دیا اور نماز پوری کی۔ ملاحظہ ہو:

أخرج مسلم برواية المغيرة بن شعبة ﷺ قال.....فانتهينا إلى القوم وقد قاموا فى الصلاة يصلى بهم عبد الرحمن بن عوف وقد ركع بهم ركعة فلما أحسّ بالنبى ﷺ ذهب يتأخّر فأومأ إليه فصلى بهم فلما سلم قام النبى ﷺ وقمت وركعنا الركعة التى سبقتنا. (مسلم شريف: ۱/۱۳٤)

(۷) صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے حضور ﷺ کی اقتداء میں پڑھی تو صحابہ نے غیر امام کی اقتداء کی پھر بھی نماز فاسد نہیں ہوئی اسی طرح جو لوگ مکبر کی آواز پر انتقالات کرتے رہتے ہیں وہ سب غیر امام کی تکبیر پر انتقالات کرتے رہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

بوّب الإمام البخارىؒ باب الرجل يأتمّ بالإمام ويأتمّ الناس بالمأموم وذكر فيه حديث عائشة رضى الله تعالىٰ عنها **الطويل وفيه:**

فكان أبوبكر ﷺ يصلى قائماً وكان رسول الله ﷺ يصلى قاعداً يقتدى أبوبكر ﷺ بصلاة رسول الله ﷺ والناس مقتدون بصلاة أبى بكر ﷺ. (صحيح البخارى: ۱/۹۹)

(۸) کبھی نبی پاک ﷺ نے بچہ کی آواز سن کر نماز مختصر فرمادی۔ ملاحظہ ہو:

وفى الصحيح للإمام البخارىؒ عن أنس ﷺ أن النبى ﷺ قال: إنى لأدخل فى الصلاة و أنا أريد إطالتها فأسمع بكاء الصبى فأتجوز فى صلاتى مما أعلم من شدة وجد أمه من بكائه. (صحيح البخارى: ۱/۹۸)

وذكر ابن أبى شيبة عن ابن سابط: أن رسول الله قرأ فى الركعة الأولى بسورة نحوا من ستين آية فسمع بكاء الصبى قال: فقرأ فى الثانية بثلاث آيات. (مصنف ابن أبى شيبة: ۳/٤۷۱، ٥۰٤، المجلس العلمى۔ ومصنف عبد الرزاق: ۲/۳٦٥، ادارة القرآن)

قال الشيخ محمد عوامة: الحديث مرسل ورجاله ثقات.

(۹) ایک مرتبہ باندی کے پوچھنے پر نبی پاک ﷺ نے اشارہ سے جواب مرحمت فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

أخرج مسلم بسنده عن كريب مولى ابن عباس ﷺ أن عبد الله بن عباس ﷺ وعبد الرحمن بن أزهر والمسور بن مخرمة أرسلوه إلى عائشة رضى الله تعالىٰ عنها **زوج النبى ﷺ فقالوا اقرأ عليها السلام منا جميعاً وسلها عن الركعتين بعد العصر وقل إنا أُخبرنا أنك تصلينها**

Maktaba Tul Ishaat.com

وقد بلغنا أن رسول الله ﷺ نهى عنها،قال ابن عباس رضی اللہ عنہ وكنت أصرف مع عمربن الخطاب رضی اللہ عنہ الناس عنها وبلّغنها ماأرسلونی به فقالت:سل أم سلمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا ، **فخرجت إليهم فأخبرتهم بقولها فردّونی إلى أم سلمة** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا **بمثل ما أرسلونی إلى عائشة** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا ،**فقالت أم سلمة** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا :**سمعت رسول الله ﷺ ينهى عنها ثم رأيته يصليها أمّا حين صلّاهما فإنه صلى العصرثم دخل وعندی نسوة من بنی حرام من الأنصارفصلاهما فأرسلت إليه الجارية فقلت:قومی بجنبه فقولی له:تقول أم سلمة** رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا**يا رسول الله إنی أسمعک تنهى عن هاتين الركعتين وأراک تصليهما فإن أشاربيده فاستأخری عنه ،قالت:ففعلت الجارية فأشاربيده فاستأخرت عنه فلما انصرف قال:يا ابنة أبی أمية سألتِ عن الركعتين بعد العصرأنه أتانی أناس من بنی عبد القيس بالإسلام من قومهم فشغلونی عن الركعتين اللتين بعد الظهرفهما هاتان.**(مسلم شريف:۲۷۷/۱)

نیز فقہاء کے کلام میں بھی ملتا ہے کہ نمازی نے اشارہ سے جواب دے دیا یا خارج الصلاۃ کی بات قبول کرلی قراءت کے علاوہ میں تو نماز فاسد نہیں ہوتی، ملاحظہ فرمائیں چند مثالیں حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) مصلی نے اشارہ سے سلام کا جواب دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

قال فی الدر:ورد السلام ولوسهواً بلسانه لابيده بل يكره.

وقال الشامیؒ:لابيده أی لايفسدها رد السلام بيده .(شامی مع الدرالمختار:۶۱۶/۱)

(۲) مصلی سے پوچھا جائے یہ پیسہ کھوٹا ہے یا کھرا اور اشارہ سے جواب دے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولورد المصلی السلام بيده أوطلب منه شیء فأومأ برأسه أوعينيه أوحاجبه أی قال نعم أولالاتفسد بذلک وكذا لوأراه إنسان درهماً وقال أجيد هو؟ فأومأ بنعم أولا لعدم العمل الكثير.(شرح منية المصلی:۴۴۵، سهيل اكيڈمی)

(۳) مصلی سے تعدادِ رکعات کے متعلق پوچھا جائے اور انگلی کے اشارہ سے جواب دے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو: **وفی شرح المنية:**

وروی عن أبی بكرأنه أجاب فيمن أی فی مسئلة من قال له أی للمصلی كم صليتم ؟

فأشار إليه المصلي بيده أي بإصبعين منها إلى أنهم صلوا ركعتين وبثلاث إلى أنهم صلوا ثلاثاً ونحو ذلك، لاتفسد صلاته. (شرح منية المصلي: ٤٤٤، سهيل)

(۴) اگر کوئی آدمی پیچھے کی صف میں اکیلا تھا اور اس نے اگلی صف سے کسی کو کھینچا اور اگلی صف والا اس کی اتباع میں پیچھے آ گیا تو راجح قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۵) اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی دوسرا آدمی باہر سے آیا اور مصلی سے کہا کہ آگے بڑھ جاؤ اور خارج کی اتباع میں مصلی آگے بڑھ گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۶) اگر کوئی صف میں داخل ہوا اور مصلی نے اس کو جگہ دی تو علامہ شامیؒ نے اس صورت میں بھی یہ بات راجح قرار دی ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی چاہے مصلی نے یہ کام آنے والے کے کہنے سے کیا ہو یا اس کے کہے بغیر ہر صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو وجد فرجة في الأول لاالثاني له خرق الثاني لتقصيرهم، وفي الحديث "من سدّ فرجة غفر له" وصح "خياركم ألينكم مناكب في الصلاة" وبهذا يعلم جهل من يستمسك عند دخول داخل بجنبه في الصف ويظن أنه رياء كما بسط في البحر، لكن نقل المصنف وغيره عن القنية وغيرها ما يخالفه ثم نقل تصحيح عدم الفساد في مسئلة من جذب من الصّف فتأخر.

قال ابن عابدينؒ:

كما بسط في البحر أي نقلاً عن فتح القدير قال ويظن أن فسحه له رياء بسبب أن يتحرك لأجله بل ذاك إعانة على إدراك الفضيلة وإقامة لسدّ الفرجات المأمور بها في الصف والأحاديث في هذا شهرة كثيرة.

(لكن نقل المصنف وغيره الخ) استدرك على ما استنبطه في البحر والفتح من الحديث بأنه مخالف للمنقول في المسئلة، وعبارة المصنف في المنح بعد أن ذكر: لو جذبه آخر فتأخر الأصح لاتفسد صلاته، وفي القنية: قيل لمصل منفرد تقدَّم فتقدم بأمره أو دخل رجل فرجة الصف فتقدم المصلي حتى وسع المكان عليه فسدت صلاته وينبغي أن

Maktaba Tul Ishaat.com

یمکث ساعة ثم یتقدم برأی نفسه،وعلّله فی شرح القدوری بأنه امتثال لغیرأمر الله تعالی أقول:ما تقدم من تصحیح صلاة من تأخرربما یفید تصحیح عدم الفساد فی مسئلة القنیة ، لأنه مع تأخره بجذبه لاتفسد صلاته ولم یفصّل بین کون ذلک بأمره أم لا.....هذا وقد ذکرالشرنبلالی فی شرح الوهبانیة ما مرعن القنیة وشروح القدوری ثم رده بأن امتثاله إنما هولأمررسول اللهﷺ فلایضر.(شامی: ۱/۵۷۱).

وفی مفسدا ت الصلاة من الدر: أودخل فرجة الصف فوسع له فسدت...وقال ابن عابدین: المعتمد فیه عدم الفساد.(شامی:۱/۶۲۲)

(۷)امام کا آنے والے کی رعایت کرتے ہوئے رکوع کوطویل کرنا،اگراس نیت سے ہوکہ اسے رکوع مل جائے تواعانۃ علی الطاعۃ ہونے کی وجہ سے جائز ہےاوراس سے نماز فاسدنہیں ہوگی حالانکہ امام نے خارج الصلاۃ کی رعایت کی:

ملاحظہ ہودرمختار میں ہے:

وکرہ تحریما إطالة الرکوع والقراء ة لإدراک الجائی أی إن عرفه وإلا فلا بأس به ولو أراد التقرب إلی الله تعالیٰ لم یکره اتفاقاً.

قال الشامیؒ:ولوأراد التقرب إلی الله أی خاصة من غیرأن یتخالج قلبه بشیء سوی التقرب حتی ولاإعانة علی إدراک الرکعة...أقول:قصد الإعانة علی إدراک رکعة مطلوب فقد شرعت إطالة الرکعة الأولیٰ فی الفجراتفاقاً وکذا فی غیره علی الخلاف إعانة للناس علی إدراکها...(شامی:۱/۴۹۵)

مذکورہ بالا احادیث وعباراتِ فقہیہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مصلی خارج الصلاۃ کی تلقین فی غیرالقراءۃ قبول کرلےتو نماز فاسدنہیں ہوگی،لہذا لاؤڈسپیکر خارج الصلاۃ ہے جوامام کی آواز مقتدیوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہےتواس پرنماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے نہ اس میں کوئی وجہِ فساد پائی جاتی ہے،نیز پرانے زمانے میں لاؤڈسپیکر درمیان میں خراب ہوجاتا تھالیکن آج کل لاؤڈسپیکر عمدہ ہوتے ہیں اکثرخراب نہیں ہوتے ہاں اگرخارج الصلاۃ کالقمہ قراءت صلاۃ میں قبول کیاتو نماز فاسدہوجائیگی۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصلِ دوم

مکروہاتِ نماز کا بیان

سیل فون کی گھنٹی بجنے پر عملِ قلیل سے بند کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر نماز میں سیل فون کی گھنٹی بجنے لگے تو اس کو عملِ قلیل سے بند کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: نماز کے دوران گھنٹی بجنے پر عملِ قلیل سے بند کرنا جائز ہے یعنی ایک ہاتھ جیب میں ڈال کر بند کردے نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ نماز مکروہ ہوگی۔

مصلی کے لئے ضروری ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے سائلنٹ (silent) پر کردے یا بند کردے، اور اس کی طرف خاص توجہ رکھے لیکن کسی وجہ سے بھول گیا اور نماز میں بجنے لگے تو فوراً عملِ قلیل سے بند کردینا چاہئے کیونکہ گھنٹی کا مسلسل بجنا دیگر مصلیوں کی سخت ناگواری کا سبب ہے اور خود اپنی نماز کے لئے بھی باعثِ خلل ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک بچہ کے رونے کی آواز آئی تو آپ ﷺ نے نماز مختصر فرمادی تاکہ بچہ کی ماں پریشان نہ ہوجائے معلوم ہوا کہ جس طرح بچہ روتا ہے اور چپ کرنا مشکل ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے خیال فرمایا، اسی طرح سیل فون جب رونا شروع کرے تو اس کو بند کرنا بدرجہ اولیٰ درست ہوگا کیونکہ سیل فون بھی بچہ کی طرح جلدی خاموش ہونے والا نہیں ہے اور اس میں مصلیوں کی تشویش کا سبب ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبی قتادة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: إنی لأقوم فی الصلاة أرید أن أطول فیها فأسمع بکاء

Maktaba Tul Ishaat.com

الصبی فأتجوزفی صلاتی کراهة أن أشق علی أمه.وفی روایة:قال أنس ﷺ:فیخفف مخافة أن تفتن أمه.وفی روایة:فأتجوزفی صلاتی مماأعلم من شدة وجدأمه من بکائه.وفی روایة :کراهة أن أشق علی أمه. (بخاری شریف:۹۸/۱،باب أخف الصلاة عندبکاء الصبی)

ملاحظہ ہوامدادالفتاح میں ہے:

والثانی أن ما یقام بالیدین عادة کثیر.....ویقام بید واحدة قلیل.....وفی مکروهات الصلوة.....ویکره العمل القلیل. (امداد الفتاح:۳۵۹۔۳۸۳،بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

العمل الکثیریفسد الصلاة والقلیل لا،کذا فی محیط السرخسی وکل ما یقام بید واحد فهویسیرما لم یتکررکذا فی فتاوی قاضیخان وأنه لونظرإلیه ناظرمن بعید إن کانت لایشک أنه فی غیرالصلاة فهوکثیرمفسد وإن شک فلیس بمفسد وهذا هوالأصح کما فی التبیین.وهوأحسن کذا فی محیط السرخسی وهواختیارالعامة کذا فی فتاوی قاضیخان والخلاصة وإن تقلد سیفاً أونزعه لاتفسد صلاته. (الفتاوی الهندیة:۱۰۱/۱،الباب السابع فیما یفسد الصلاةوما یکره فیها)

ندائے شاہی میں ہے:

نماز میں موبائل بند کرنا:ضروری ہے کہ نماز شروع ہونے سے پہلے موبائل کی گھنٹی بند کردی جائے اوراس کا خاص اہتمام رکھنے کی عادت ڈالی جائے لیکن اگر اتفاق سے گھنٹی بند کرنا بھول گیا اور دورانِ نماز گھنٹی بجنے لگی تو عملِ قلیل کے ذریعہ(ایک ہاتھ سے جیب میں رکھے)موبائل بند کردینا چاہئے۔(ماہنامہ:ص۱۴ندائے شاہی مرادآباد، دسمبر۲۰۰۶)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کوٹ (jacket) کندھے پرڈال کرنماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگرکوئی شخص نماز میں کوٹ (jacket) کوکندھے پرڈال دےاورآستینوں میں ہاتھ داخل نہ کرے تونماز میں کچھ نقص وخرابی آئے گی یانہیں؟

الجواب: نماز میں اس طرح کوٹ کندھے پرڈالنااور ہاتھ آستینوں میں داخل نہ کرنا سدل یعنی کپڑا

لٹکانے کے حکم میں ہے اور یہ مکروہ ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں نماز مکروہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولا یسدل ثوبه لأنه علیه الصلاة والسلام نهی عن السدل وهو أن یجعل ثوبه علی رأسه وکتفیه ثم یرسل أطرافه من جوانبه. وفی فتح القدیر: (قوله لأنه علیه الصلاة والسلام نهی عن السدل) عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ أنه صلی اللہ علیہ وسلم "نهی عن السدل فی الصلاة وأن یغطی الرجل فاه" أخرجه أبو داؤد والحاکم وصححه **(قوله وهو أن یضع الخ) ویصدق أیضاً علی لبس القباء من غیر ادخال الیدین کمیه، وقد صرح بالکراهة فیه.** (فتح القدیر مع الهدایة: ۱/۴۱۲، فصل ویکره للمصلی، دار الفکر۔ وکذا فی البحر الرائق: ۱/۲۴، کوئٹة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومن السدل أن یجعل القباء علی کتفیه ولم یدخل یدیه فی الکمین، قالوا: ومن صلی فی قباء ینبغی أن یدخل یدیه فی کمیه ویشده بالمنطقة مخافة السدل کذا فی فتاوی قاضیخان. (فتاوی هندیة: ۱/۱۰۶)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

والصحیح الذی علیه قاضیخان، والجمهور أنه یکره لأنه إذا لم یدخل یدیه فی کمیه صدق علیه اسم السدل لأنه إرخاء للثوب بدون لبس معتاد. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۵۰، فصل فی المکروهات، قدیمی۔ وکذا فی امداد الفتاح: ۳۷۹)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نماز میں چادر یا رومال سر پر ڈال کر کنارے چھوڑنا:

سوال: کیا نماز میں کچھ نقص آئے گا اس صورت میں کہ مصلی اپنے رومال یا چادر کا ایک کنارہ یا دونوں کو لٹکا دے اور چھوڑ دے؟

الجواب: رومال یا چادر کا ایک کنارہ اگر کندھے پر ڈالدے تو نماز میں کوئی نقص نہیں ہے البتہ دونوں کناروں کو چھوڑ دے اور لٹکائے رکھے تو نماز مکروہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو؛ امداد الفتاح میں ہے:

ویکره سدله..... السدل وهو أن یجعل الثوب علی رأسه وکتفیه ویرسل جوانه من غیر أن یضمها..... وفی الظهیریة هو أن یضع ثوبه علی کتفیه ویرسل طرفیه انتهی. وفی مجمع

Maktaba Tul Ishaat.com

الروایات: لو کان تحت الرداء قمیص أو ثوب اختلفوا فی کراهة السدل والصحیح أنه یکره انتهی. وفی البحر عن فتح القدیر أن السدل یصدق علی أن یکون المندیل مرسلاً من کتفیه کما یعتاده کثیر فینبغی لمن علی عنقه مندیل أن یضعه عند الصلاة، ولا فرق بین أن یکون الثوب محفوظاً عن الوقوع أو لا انتهی، وذلک لقول أبی هریرة رضی اللہ عنہ أنه علیه السلام "نهی عن السدل وأن یغطی الرجل فاه". (أخرجه أبوداؤد فی الصلاة باب ماجاء فی السدل فی الصلاة: ٦٤٣ـ و الترمذی فی الصلاة باب ما جاء فی کراهة السدل فی الصلاةمن زیادة أن یغطی الرجل فاه: ٣٧٨ـ والبیهقی فی الصلاة باب کراهیة السدل فی الصلاة : ٢/٢٤٢ـ وابن حبان فی صحیحه فی الصلاة: ٢٢٨٩ـ والحاکم فی المستدرك: ١/٢٥٣، وقال: حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه فیه، ووافقه الذهبی) **وفی المحیط لأنه تشبه بفعل الیهود حال عبادة النیران**. انتهی. (امداد الفتاح: ٣٧٩ فصل فی المکروهات، بیروت)

درمختار میں ہے:

وکره سدل (تحریما للنهی) ثوبه أی إرساله بلا لبس معتاد..... کشد ومندیل یرسله من کتفیه، فلو من أحدهما لم یکره کحالة عذر..... وفی الشامی (قوله کشد) هو شیء یعتاد وضعه علی الکتفین کما فی البحر وذلک نحو الشال..... وفی تقریرات الرافعی..... (قول الشارح فلو من أحدهما لم یکره) أی أحد کتفیه ولف الباقی علی عنقه، سندی تأمل وبه یعلم عدم المخالفة لما فی البحر. (الدر المختار مع الشامی مع حاشیته تحریر المختار: ١/٦٣٩ / ٨٤ مکروهات الصلاة) الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

(قوله ولا یسدل ثوبه) وهو أن یلقیه من رأسه إلی قدمیه أو یضع الرداء علی کتفیه ولم یعطفه علی بعضه. (الجوهرة النیرة: ٧٥، امدادیة ملتان)

حضرت مفتی رشید صاحبؒ نے عرب کے معتاد سدل کو بغیر کراہت کے جائز فرمایا ہے۔ (احسن الفتاوی: ٣/ ٤٠٨) مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ عرب حضرات رومال لٹکا کر اس کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں جس سے کراہت اور مؤکد ہو جاتی ہے اس لئے ہمارا خیال یہ کہ عرب حضرات کے طریقہ پر رومال لٹکانے سے بچنا چاہئے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنا یعنی کہنیوں کو نماز میں کھلا چھوڑنا کیسا ہے؟

الجواب: بلا وجہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ وضو کے لئے یا اور کسی سبب سے آستین چڑھائی ہوں تو اتار لیوے پھر نماز شروع کرے اگر رکعت پانے کے شوق میں نماز میں داخل ہوجائے تو بہتر یہ ہے کہ آہستہ آہستہ اتار لیوے کہ جس سے عملِ کثیر لازم نہ آئے۔ امداد الفتاح میں ہے:

ویکرہ تشمیر کمیہ عنہما لقولہ ﷺ "أمرت أن أسجد علی سبعة أعظم وأن لاأکف شعراً ولا ثوباً" متفق علیہ۔ **وھو یتضمن کراھة تشمیر الکمین ولما فیہ من الجفاء المنافی للخشوع لما فیہ من التھاون والتکاسل وقلة الأدب.** (امداد الفتاح: ۳۷۷ فصل فی المکروھات،بیروت)

شامی میں ہے:

(قولہ کمشمر کم أوذیل)أی کما لودخل فی الصلاة وھومشمر کمہ أوذیلہ،وأشار بذلک إلی أن الکراھة لاتختص بالکف وھوفی الصلاةکما أفادہ فی شرح المنیة،لکن قال فی القنیة:واختلف فیمن صلی وقد شمر کمیہ لعمل کان یعملہ قبل الصلاةأوھیئتہ ذلک ومثلہ مالوشمرللوضوء ثم عجل لإدراک الرکعة مع الإمام،وإذادخل فی الصلاة کذلک وقلنا بالکراھة فھل الأفضل إرخاء کمیہ فیھا بعمل قلیل أوترکھا؟لم أرہ: والأظھرالأول بدلیل قولہ الآتی ولوسقطت قلنسوة فإعادتھا أفضل تأمل .

ھذا ھوقید الکراھة فی الخلاصة والمنیة بأن یکون رافعاًکمیہ إلی المرفقین،وظاھرہ أنہ لایکرہ إلی مادونھما،قال فی البحر:والظاھرالإطلاق لصدق کف الثوب علی الکل و نحوہ فی الحلیة،وکذا قال فی شرح المنیة الکبیر:إن التقیید بالمرفقین اتفاقی،قال:وھذا لوشمرھماخارج الصلاة ثم شرع فیھا کذلک،أما لوشمروھوفیھا تفسد لأنہ عمل کثیر. (شامی:۱/ ۶۴۰،مکروھات الصلاة،سعید۔وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۲۴،مکروھات الصلاة،الماجدیة کوئٹہ۔وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح :۳۴۹، فصل فی المکروھات،قدیمی)

نیز ملاحظہ ہو:احسن الفتاوی:۳/ ۴۰۶، باب مفسدات الصلاۃ ومکروہات۔فتاوی رحیمیہ:۳/ ۴۱، کتاب الصلاۃ،مکتبہ رحیمیہ۔

Maktaba Tul Ishaat.com

وفتاوی محمودیہ:۶/۶۵۲،الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلاۃ، جامعہ فاروقیہ۔کفایت المفتی:۳/ ۴۲۸۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رکوع سجدے میں جاتے ہوئے پاجامہ اٹھانے سے نماز کا حکم:

سوال: سجدے میں جاتے وقت مصلی اپنا پاجامہ یا کرتہ سمیٹ لے تو نماز میں کچھ خلل واقع ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: رکوع سجدے میں جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے پاجامہ اٹھانے سے نماز میں کراہت پیدا ہوتی ہے لیکن نماز فاسد نہیں ہوئی، البتہ نماز میں ایسی حرکت کرنا اور اس کو عادت بنالینا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے اور بعید نہیں کہ عملِ کثیر کی طرف مفضی ہوکر فسادِ صلاۃ کا باعث بن جائے لہذا اس سے احتراز لازم ہے۔

امداد الفتاح میں ہے:

ویکرہ کف ثوبہ أی:رفعہ بین یدیہ أو من خلفہ إذا أراد السجود،انتھی وقیل:أن یجمع ثوبہ ویشدہ فی وسطہ کذا فی شرح الإرشاد انتھی لما قدمناہ من قولہ ﷺ"أمرت أن أسجد علی سبعۃ أعظم وأن لاأکف شعراً ولاثوباً"متفق علیہ ولما فیہ من الجبر المنافی لوضع الصلاۃ وھو الخشوع والخضوع کذا فی البرھان. (امداد الفتاح: ۳۷۹، فصل فی المکروھات،بیروت)

شامی میں ہے:

وکرہ کفہ أی رفعہ أی سواء کان من بین یدیہ أو من خلفہ عند الانحطاط للسجود.

(شامی:۱/ ۶۴۰،مکروھات الصلاۃ،سعید)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال:قومہ سے سجدے میں جاتے ہوئے پاجامہ اوپر کو اٹھالیتے ہیں نماز میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب:بلاضرورت ایسا کرنا اچھا نہیں اور نماز ادا ہوجاتی ہے۔(فتاوی دارالعلوم:۴/۹۳،باب مکروہاتِ نماز)

کفایت المفتی میں ہے:

یہ فعل مکروہ ضرور ہے مگر مفسدِ نماز نہیں ہے کراہتِ تحریمی بدرجہ غالب ہے۔(کفایت المفتی:۳/ ۴۲۸،مکروہاتِ نماز،دارالاشاعت۔وفتاوی محمودیہ:۶/۶۰۲، جامعہ فاروقیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسجد کے لمبے کرتوں میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: آج کل مسجد میں لمبے کرتے رکھتے ہیں اور عوام جو کام کاج سے نماز کے لئے آتے ہیں وہ اس کو پہن کر نماز پڑھتے ہیں اور کام کاج کے کپڑوں میں نماز پڑھنا مناسب نہیں سمجھتے تو اس طرح نماز پڑھنے میں کوئی کراہت ہوگی یا نہیں؟ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ عام مجمع میں ان کپڑوں سے نہیں جاتے لہذا نماز مکروہ ہونی چاہئے کیا یہ درست ہے؟

الجواب: بظاہر ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے اس وجہ سے کہ ان کے لباس سے یہ زیادہ ساترِ بدن ہوتے ہیں۔ پھر ان کپڑوں سے نماز میں ایک قسم کی عاجزی پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں آئے تو خاص لباس میں عبادت ادا کی نہ کہ فیشن ایبل کپڑوں میں، پھر فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور بعض فتاوی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بلا آستین کے کپڑوں میں بھی نماز مکروہ ہے جیسے فتاوی محمودیہ، فتاوی رحیمیہ وغیرہ لہذا ان کپڑوں سے نماز میں کراہت پیدا نہیں ہوگی۔

اور بعض کا یہ خیال ہے کہ عام مجمع میں نہیں جاتے اس لئے مکروہ ہونا چاہئے۔ تو اس سے وہ کپڑے مراد ہیں جو کام کاج میں پہنتے ہیں جو خستہ ہوتے ہیں ان کپڑوں کو پہن کر عام مجمع میں جانے سے شرم آتی ہے مثلاً ہمارے عرف میں اکثر دکانوں میں کام کرنے والے پہنتے ہیں تو ان کپڑوں میں نماز مکروہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وتكره الصلاة في ثياب البذلة ثوب لايصان ولايحفظ عن الدنس ونحوه ابتذال الثوب وغيره امتهانه وقيل: ما يلبس في البيت ولايذهب به إلى الكبراء وكذا ثياب المهنة كحكمة في أوزانها وهي الخدمة والعمل فيحترز عنها تكميلاً لرعاية مقام الوقوف بين يدى الله سبحانه وتعالىٰ بمأمكن من تجميل الظاهر والباطن وفي قوله تعالى: ﴿خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾ (سورة الأعراف: ٣١) إشارة إليه وإن كان المراد به ستر العورة على ماذكره أهل التفسير كما تقدم وقال في التجنيس تكره في ثياب البذلة لما روى أن عمر ﷺ راٰى رجلاً فعل ذلك فقال: أرأيت لو كنت أرسلتك إلى بعض الناس أكنت تمر في ثيابك هذه؟ فقال: لا، فقال عمر ﷺ: "الله أحق أن تتزين له". أخرجه البيهقي في سننه من حديث ابن عمر في الصلاة باب ما يستحب أن يصلى فيه من الثياب: ٢/٢٣٦، انتهى۔ (امداد الفتاح شرح نور الايضاح: ٣٨٧، فصل

Maktaba Tul Ishaat.com

فی المکروهات،بیروت)

شامی میں ہے:

والظاهر أن الكراهة تنزيهية. (شامی :۱/۶۴۱، مکروهات الصلاة۔وكذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۳۵۹، فصل فی مکروهات الصلاة،قدیمی)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

سوال: نصف آستین کی قمیص سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا: حضرت نبی کریم ﷺ سے نصف آستین کی قمیص پہننا منقول نہیں ہے، ایسی قمیص خلافِ سنت ہے اس کہ پہن کر نماز پڑھنا بھی خلافِ سنت ہے (مکروہ ہے)۔(فتاوی محمودیہ ۶/۶۵۴ فصلِ ثانی مکروہاتِ نماز، جامعہ فاروقیہ۔امدادالاحکام ۱/۵۶۳)

البتہ جوصرف آستین چڑھاتے ہیں وہ مناسب نہیں ہے پورا جبہ پہن کر نماز پڑھے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز میں جمائی آنے پر ہاہ ہاہ کی آواز نکلنے سے نماز کا حکم:

سوال: نماز میں جمائی آنے پر داہنا ہاتھ منہ پر رکھنا چاہئے یا بایاں ہاتھ؟ نیز جو لوگ ہاہ ہاہ کی آواز نکالتے ہیں یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

الجواب: نماز میں جمائی لینا یہ شیطانی عمل ہے حتی الامکان اس سے احتراز کرنا چاہئے تاہم بلا اختیار آجائے تو حالتِ قیام میں داہنا ہاتھ منہ پر رکھے تاکہ زیادہ عمل نہ ہو اور دیگر حالتوں میں بایاں ہاتھ استعمال کرے اور ہاہ ہاہ کی آواز نکالنا اختیار سے ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر بلا اختیار ہے تو معاف ہے جیسے چھینک آنے پر کچھ حروف نکلتے ہیں۔البتہ کراہت سے خالی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله والتثاؤب)قلت:ولهذا السبب كان من الشيطان كما فی حديث الصحيحين أنه ﷺ قال:"التثاؤب من الشيطان فإذا تثاءب أحدكم فليكظم ما استطاع"وفی رواية لمسلم"فليمسك بيده على فيه،فإن الشيطان يدخله"وألحق باليد الكم،وهذا إذا لم يمكنه كظمه:أی رده وحبسه،فقد صرح فی الخلاصة بأنه إن أمكنه عند التثاؤب أی يأخذ شفته بسنه فلم يفعل وغطى فاه بيده أوبثوبه يكره.....ثم فی المجتبى:يغطى فاه بيمينه وقيل بيمينه

فی القیام وفی غیرہ بیسارہ.

قلت:ووجہ القیل أظہر لأنہ لدفع الشیطان کما مر، فھو کإزالۃ الخبث وھی بالیسار أولیٰ،لکن فی حالۃ القیام لماکان یلزم من دفعہ بالیسار کثرۃ العمل بتحریک الیدین کانت الیمنی أولی،..... ولم أرمن تعرض للکراھۃ ھنا ھل تحریمیۃ أوتنزیھیۃ.....وأما التثاؤب نفسہ فإن نشأ من طبیعتہ بلاصنعہ فلا بأس،وإن تعمدہ ینبغی أن یکرہ تحریماً لأنہ عبث،وقد مرأن العبث مکروہ تحریماً فی الصلاۃ.(شامی:۱/۶۴۵،مکروھات،سعید)

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

وإن کان التنحنح بعذربأن یکون لہ سعال فھوعفویعنی لایفسد وإن حصل بہ حروف لأنہ جاء من قبل من لہ الحق فجعل عفواًکالعطاس والجشاء فإنہ لایفسد وکذا التثاؤب إذا ظھرلہ حروف مھجاۃکذا فی فتاوی العتابی.(البنایۃ فی شرح الھدایۃ:۱/۷۷۸، باب مایفسد الصلاۃ۔وما یکرہ فیھا،فیصل آباد)

درمختار میں ہے:

والأنین والتأوہ والتأفیف والبکاء بصوت یحصل بہ حروف لوجع أومصیبۃ قید للأربعۃ إلالمریض لایملک نفسہ عن أنین وتأوہ لأنہ حینئذٍکعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وإن حصل حروف للضرورۃ.وفی الشامی:(قولہ وإن حصل حروف)أی لھذہ المذکورات کلھاکما فی المعراج،لکن ینبغی تقییدہ بما إذا لم یتکلف إخراج حروف زائدۃ علی ما تقتضیہ طبیعۃ العاطس ونحوہ کما لوقال فی تثاؤبہ ھاہ ھاہ مکرراً لھا فإنہ منھی عنہ بالحدیث تأمل.(الدرالمختارمع الشامی:۱/۶۱۹،باب مایفسد الصلاۃ ،سعید)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تصویر والے سکّے جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ابھری ہوئی تصویر والے دھات کے سکّے جیب میں رکھنے سے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: تصویر والے سکّے جیب میں ہونے سے نماز میں کچھ نقصان نہیں آتا البتہ احتیاط سے رکھنے چاہئے تاکہ سجدہ کی جگہ نہ گرے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

إلاأن تكون الصورة صغيرة بحيث لاتبدو للقائم إذا نظرها إلابتأمل كالتى على الدينار لأنها لاتعبد عادة،وقال فى التجنيس والمزيد:إذا صلى ومعه دراهم عليها تماثيل ملك لابأس به؛لأن هذا يصغرعن البصرانتهى. (امداد الفتاح: ۳۹۲ ،فصل فی المکروهات،بیروت)

شامی میں ہے:

(قوله لاالمستتربكيس أوصرة) بأن صلى ومعه صرة أوكيس فيه دنانيرأودراهم فيها صورصغارفلا تكره لاستتارها بحر،ومقتضاه أنها لوكانت مكشوفة تكره الصلاة مع أن الصغيرة لاتكره الصلاة معها.(قوله لا تتبين)هذاضبط ممافى القهستانى حيث قال بحيث لاتبدو للناظرإلابتبصربليغ كما فى الكرمانى،أولا تبدوله من بعيدكما فى المحيط ثم قال:لكن فى الخزانة:إن كانت الصورة مقدارطيريكره،وإن كانت أصغرفلا. (شامی: ۱/۶۴۸، مکروهات الصلاة،سعید)

تبیین الحقائق میں ہے:

قال رحمه الله (إلا أن تكون صغيرة)لأنها لاتعبد إذاكانت صغيرة بحيث لاتبدو للناظروالكراهة باعتبارالعبادة فإذا لم يعبد مثلها لايكره. (تبیین الحقائق:۱/۱۶۶،باب مایفسد الصلاة وما یکره فیها ،امدادیة)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

پیسے روپیے پر اولاً تو تصویر چھوٹی ہے جس کا کوئی اعزاز نہیں ہوتا ہے دوسرے جیب یا کسی اور کپڑے میں نماز کیوقت مخفی رہتی ہے سامنے نہیں ہوتی۔(فتاوی محمودیہ:۶/۶۷۴، باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، جامعہ فاروقیہ)

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے: تصویر والی نوٹوں کے جیب میں ہونے کی صورت میں نماز صحیح ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۲/۳۱۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر عربی میں دعا پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اردو میں قعدہ میں یہ دعا پڑھی: یا اللہ تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز میں غیر عربی میں دعا کرنا راجح قول کے مطابق مکروہ تحریمی ہے لیکن ایک قول کے کراہتِ تنزیہی کا بھی ہے، لہذا اگر اس نماز کا اعادہ نہیں کیا تو بعض حضرات کے قول کے مطابق کوئی حرج نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

لکن المنقول عندنا الکراھة، فقد قال فی غرر الأحکام شرح درر البحار فی ھذا المحل: وکرہ الدعاء بالعجمیة، لأن عمر رضی اللہ عنہ "نھی عن رطانة الأعاجم"..... ولا یبعد أن یکون الدعاء بالفارسیة مکروھاً تحریماً فی الصلاة. (شامی: ۱/ ۵۲۱، الدعاء بغیر العربیة، سعید)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

وعلی ھذا الخلاف جمیع أذکار الصلاة من التشھد والقنوت والدعاء وتسبیحات الرکوع والسجود فإن قال بالفارسیة "یارب بیامرزمرا" (اے اللہ مجھے بخش دے) إذا کان یحسن العربیة تفسد صلاته وکذا کل ما لیس بعربیة کالترکیة والزنجیه والحبشیة والنبطیة. (فتاوی قاضیخان علی ھامش الھندیة: ۱/ ۸۶، باب افتتاح الصلاة، بلوچستان)

احسن الفتاوی میں ہے:

نماز میں غیر عربی میں دعا کے بارے میں تین قول ہیں: حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، کراہتِ تحریمیہ کا قول ارجح واوسط ہے لہذا نماز کا اعادہ واجب ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۴۳۲، باب مفسدات الصلوۃ ومکروہات۔ وفتاوی محمودیہ: ۶/ ۶۲۷، جامعہ فاروقیہ۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/ ۲۰۹، باب مکروہات الصلوۃ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

منہ میں چنے کی مقدار کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی کے منہ میں چنے کی مقدار کوئی چیز رہ گئی نماز کے بعد اس کو معلوم ہوا تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چنے کی مقدار کوئی چیز منہ میں رہ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ نماز مکروہ ہوگی۔

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

ولا یصلی وفی فیه دراھم أو دنانیر لا یمنعه عن القراءة، وإن منعه لم تجز صلاته، وفی موضع آخر: إن منعه عن أداء الحروف أفسد الصلاة، وإن لم یمنعه عن عین القراءة وإنما

Maktaba Tul Ishaat.com

منعه عن سنة القراءة لاتفسد صلاته ولكن يكره له،وإن لم يمنعه شيئاً فلابأس به.

(التاتارخانية:١/٥٦٥، الفصل الرابع فی بيان ما يكره للمصلی،ادارة القرآن)

فتح القدیر میں ہے:

وذكر شيخ الاسلام أكل بعض اللقمة وبقی فی فمه بعضها فدخل فی الصلاة فابتلعه لاتفسد مالم تكن ملء الفم. (فتح القدير:١/٤١٢،دارالفكر)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

رجل أكل أوشرب قبل الشروع فی الصلاة ثم شرع فی الصلاة وبقی فی فمه فضل طعام أوشراب فأكل أوشرب ما بقی فيه لاتفسد صلاته وعليه الفتوى. (الفتاوى الهندية: ١/١٠٢)

البحر الرائق میں ہے:

ثم إذاكان ابتلاع ما بين أسنانه غيرمفسد بشرطه على الخلاف فهومكروه كما صرح به فی منية المصلی لأنه ليس من أعمال الصلاة ولاضرورة فيه فكان مكروهاً وإن كان قليلا. (البحرالرائق:٢/١٥،باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها،الماجدية)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سجدہ میں بقدر تین تسبیح دونوں پاؤں اٹھانے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سجدہ میں بقدر تین تسبیح دونوں پاؤں اٹھائے پھر رکھ لئے تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: سجدہ میں قدمین کا کوئی بھی حصہ اگرچہ ایک انگلی ہی ہو رکھنا فرض ہے اور ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، چونکہ صورتِ مسئولہ میں اٹھانے کے بعد رکھ دئے لہذا سجدہ ادا ہو گیا لیکن سنت طریقہ کے خلاف ہوا اس وجہ سے نماز مکروہ ہوگی۔ امداد الفتاح میں ہے:

ويفترض السجود لقوله تعالى: ﴿واسجدوا﴾ (الحج:٧٧) **ولأمر النبی ﷺ به وللإجماع على فرضيته، والسجدة إنما تتحقق بوضع الجبهة لاالأنف،مع وضع أحدى القدمين وإحدى الركبتين وشيء من أطراف أصابع إحدى القدمين من الأرض فإن لم يوجد وضع هذه الأعضاء لاتتحقق السجود.....ووضع شيء من أصابع الرجلين نحو القبلة حالة السجود على الأرض،ولايكفی لصحة السجود وضع ظاهر القدم لأنه ليس محله لقوله ﷺ "أمرت أن**

أسجد على سبعة أعظم،على الجبهة واليدين والركبتين وأطراف القدمين" متفق عليه،وقوله ﷺ"إذا سجد العبد سجد معه سبعة آراب:وجهه وكفاه وركبتاه وقدماه"وهو اختيار الفقيه أبي الليث كما في البرهان.(امداد الفتاح: ۲۵۷، أحكام السجود،بيروت)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قوله:(وشيء من أطراف أصابع إحدى القدمين)يصدق ذلك بأصبع واحدة قال في الخلاصة:وأما وضع القدم على الأرض في الصلاة حال السجدة ففرض فلو وضع إحداهما دون الأخرى تجوز صلاته.....ويكفي وضع أصبع واحدة في الفتح عن الوجيز، وضع القدمين فرض فإن وضع إحداهما دون الأخرى جاز،ويكره.....وفي البحر:ونص صاحب الهداية في التجنيس على أنه لو لم يوجه الأصابع نحو القبلة يكون مكروهاً. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۲۳۰،باب شروط الصلاة،قديمي)

مراقی الفلاح میں ہے: ويكره تحويل أصابع يديه أو رجليه عن القبلة في السجود لقوله ﷺ"فليوجه من أعضائه إلى القبلة ماستطاع.(مراقي الفلاح: ۱۲۸،فصل في المكروهات)

نیز ملاحظہ ہو:شامی:۱/۴۹۹،سعید۔وفتح القدیر:۱/۳۰۵،دارالفکر۔والبحر الرائق:۱/۳۱۸،کوئٹہ۔والفتاوی الهندية:۱/۷۰۔

احسن الفتاوی میں ہے:

دونوں پاؤں میں سے کسی ایک کا کوئی جزء بقدر تسبیح واحدہ زمین پر رکھنا واجب ہے،اور ایک قول کے مطابق فرض ہے،تیسرا قول سنت کا بھی ہے،قولِ اول راجح ہے۔پس اگر پورے سجدہ میں بقدر ایک تسبیح کے دونوں پاؤں میں سے کسی کا کوئی جزء زمین پر رکھ لیا تو واجب ادا ہو جائے گا،اگر اتنی مقدار بھی نہیں رکھا تو ترکِ واجب کی وجہ سے نماز واجب الاعادۃ ہوگی،واضح رہے کہ ظہرِ قدم یا صرف ایک قدم کو زمین پر بغیر عذر رکھنے سے واجب تو ادا ہو جائے گا مگر مکروہ ہے،اس لئے کہ دونوں پاؤں زمین پر رکھنا اور انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا سنت مؤکدہ ہے۔(احسن الفتاوی:۳/۳۹۸،باب مفسدات الصلاۃ۔وفتاوی حقانیہ:۳/۸۱)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گانے بجانے کی جگہوں پر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:

Maktaba Tul Ishaat.com

سوال: گانے بجانے کی جگہیں مثلاً بازار وغیرہ پر نماز پڑھنے سے نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر نماز کی جگہ الگ ہو اور وہاں گانے بجانے کی آواز نہیں آتی تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہاں گانے بجانے کی جگہ میں نماز پڑھنا جبکہ وہاں سے آواز آتی ہو اور نماز میں خلل پڑتا ہو کراہت سے خالی نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے خراب اور ردی جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا تو جہاں پر بھی گانا بجانا ہو اسی کے حکم میں ہے لہذا نماز مکروہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

نهى النبی ﷺ عن الصلاة فی المقبرة والمجزرة والمزبلة والحمام. (رواه البيهقی:۳۲۹/۲)

امداد الفتاح میں ہے:

وتكره الصلاة فی الطريق لأن فيه منع الناس عن المرور وشغله بما ليس له لأنها حق العامة للمرور فی الحمام وفی المخرج أی الكنيف وفی المقبرة وفی أمثالها لما رواه ابن ماجة، والترمذی عن ابن عمر رضی اللہ عنہ "أن رسول الله نهى أن يصلی فی سبعة مواطن فی المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق وفی الحمام ومعاطن الإبل وفوق ظهر بيت الله..... والمغتسل مكان الاغتسال والعلة كونها موضع النجاسة وألحق بها المغتسل، لأنه مصب النجاسة والأوساخ والنهی عن الصلاة فی الحمام لمعنين أحدهما: أنه مصب الغسالات فعلی هذا لايكره فی سائره فإذا غسل منه موضعاً ليس فيه تمثال لاتكره فيه، والثانی: أن الحمام بيت الشياطين، وفی الفتاوی: لابأس بالصلاة فی المقبرة إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر... وتكره بحضرة كل مايشغل البال كزينة وبحضرة مايخل بالخشوع كلهو ولعب كماذكرنا. (امداد الفتاح: ۳۸٦، فصل فی المكروهات، بيروت۔ وبدائع الصنائع: ۳۰۱/۱، سعيد۔ والشامی: ٤١٠/١، سعيد)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جہاں بھی کوئی زینت کی چیز ہو جو دل کو نماز میں متوجہ ہونے سے روک دے یا خشوع میں خلل انداز ہو تو نماز مکروہ ہوگی، اور اگر نماز کے لئے کوئی خاص جگہ تیار کی ہے جہاں گانے بجانے وغیرہ کی آواز نہیں آتی تو نماز میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصلِ سوم

سترہ کے احکام

امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے:

سوال: ایک جماعت خانے میں آنے کا راستہ پہلی صف کے کنارے سے ہے اور نماز شروع ہونے کے بعد بھی مصلی آتے ہیں اور اکثر مقتدیوں کے سامنے سے گذرنا پڑتا ہے لیکن امام کے سامنے دیوار ہے تو یہ امام کا سترہ ہے لیکن مقتدیوں کا سترہ نہیں ہے تو امام کے سامنے والی دیوار تمام مقتدیوں کے لئے بطور سترہ کافی ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے لہذا کسی اور سترہ کی ضرورت نہیں البتہ نماز با جماعت ختم ہونے کے بعد اگر مصلی سنتیں پڑھتے ہوں تو ان کے سامنے سے گذرنا ممنوع ہوگا، نیز مسبوق امام کی نماز کے بعد فوت شدہ نماز پڑھے تو اس کے لئے بھی سترہ کی ضرورت نہیں ہے۔

امداد الفتاح میں ہے:

وسترة الإمام سترة لمن خلفه،لأن النبی ﷺ صلی بالأبطح إلی عنزة ركزت له ولم يكن للقوم سترة. ذكره الهيثمی فی مجمع الزوائد:٢/٨٤ وأخرجه البخاری فی باب الصلاة إلی العنزة ومسلم فی باب سترة المصلی۔(امداد الفتاح: ٤٠٠، فصل فی اتخاذ السترة)

شامی میں ہے:

(وكفت سترة الإمام للكل أی للمقتدين به كلهم وعليه فلومرمارفی قبلة الصف فی

Maktaba Tul Ishaat.com

المسجد الصغير لم يكره إذا كان للامام سترة، وظاهره الاكتفاء بها ولو بعد فراغ إمامه، وإلا فما فائدته؟ وقد يقال: فائدته التنبيه على أنه كالمدرك لا يطلب منه نصب سترة قبل الدخول في الصلاة وإن كان يلزم أن يصير منفرداً بلا سترة بعد سلام إمامه، لأن العبرة لوقت الشروع وهو ووقته كان مستتراً بسترة إمامه تأمل. (شامی: ۱/۶۳۸، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، سعید)

ہدایہ میں ہے:

وسترة الإمام سترة للقوم لأنه عليه السلام صلى ببطحاء مكة إلى عنزة ولم يكن للقوم سترة. (ھدایہ: ۱/۱۳۹، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے پس جب امام کے آگے سترہ ہو تو اگر کوئی مقتدیوں کی صف کے سامنے سے گذرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے اور یہی حکم مسبوق کے لئے بھی ہے کیونکہ اعتبار نماز شروع کرنے کے وقت کا ہے اور اس وقت امام کا سترہ اس کے لئے کافی تھا پس اب بھی وہی کافی رہے گا۔ (عمدۃ الفقہ: ۲/۲۷۶، سترہ کے مسائل، مجددیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ہاتھ بطورِ سترہ استعمال کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنے ہاتھ کو اپنے پیچھے والے مصلی کے لئے سترہ بنایا اس صورت میں اس مصلی کے آگے سے گذرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سترہ کا مطلب یہ ہے کہ مصلی کے سامنے ایک ذراع لمبی اور بقدر ایک انگشت کوئی چیز ہو تو سامنے سے گزرنا جائز ہے کوئی گناہ نہیں ہوگا، لہذا جب پورا ہاتھ سترہ کی جگہ استعمال کیا تو بدرجۂ اولیٰ جائز ودرست ہوگا۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

(أن يغرز سترة) لما روينا، ولقوله عليه الصلاة والسلام "ليستتر أحدكم ولو بسهم" أخرجه الحاكم في المستدرك ۱/۲۵۲ وأحمد في مسنده ۳/۴۰۴. **(وأن تكون طول ذراع فصاعداً) لحديث مسلم "عن عائشة** رضی اللہ تعالیٰ عنہا **: سئل رسول الله ﷺ عن سترة المصلي فقال: مثل مؤخرة**

الرحل" أخرجه مسلم فی الصلوة ،باب سترة المصلی والنسائی فی القبلة باب سترةالمصلی .**وفسرها عطاء بأنها ذراع فما فوقها كماأخرجه أبوداؤد وقال ﷺ "أيعجز أحدكم إذا صلى أن يجعل أمامه مثل مؤخرة الرحل**" ذكره الزيلعی فی نصب الراية: ۸۱/۲ وقال: غريب بهذا اللفظ .**وفی حديث آخر:"إذا وضع أحدكم بين يديه مثل مؤخرة الرحل فليصل ولايبال بمرورمار**"أخرجه مسلم فی الصلاة باب سترة المصلی .**وتكون السترة فی غلظ الأصبع وذلک أدناه لأن ما دون ذلک ربما لايبدو للناظر فلايحصل به المقصود،وروی الحاكم مرفوعاً:"استتروا فی صلاتكم ولوبسهم**"أخرجه الحاكم فی المستدرك: ۲۵۲/۱،وقال:علی شرط مسلم ووافقه فی التلخيص وأحمد فی مسنده :۴۰۴/۳ .**وقال ابن مسعود** رضی اللہ عنہ:"**يجزئ من السترة السهم وهويصلح بياناً للطول والغلظ جميعا،ذكره شمس الأئمة السرخسی**".(امداد الفتاح: ۳۹۸، فصل فی اتخاذ السترة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

درخت اور جانور اور آدمی وغیرہ کا بھی سترہ ہوسکتا ہے اور ان کے آگے ہوتے ہوئے پرے سے گذرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔(عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ:۲۷۶،مجددیہ)۔

انعام الباری میں ہے: ایک صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی خود سترہ بن جائے جیسے یہاں طالبِ علم بعض اوقات ایسا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے کہ وہ خود کھڑے ہوجاتے ہیں تاکہ لوگ سامنے سے گزرجائیں یہ ٹھیک ہے۔(انعام الباری:۲۶۱/۳)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اپنا ہاتھ بطورِ سترہ استعمال کرنے کا حکم:

سوال: مصلی کے سامنے سے گزرنے والا شخص اگر اپنا ہاتھ بطورِ سترہ لٹکادے اور گذرجائے تو کیا حکم ہے؟ کیا گزرنے والے کا ہاتھ سترہ بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: سترہ کا مطلب یہ ہے کہ گزرنے والے کے بدن کے علاوہ کوئی اور چیز مصلی اور گزرنے والے کے درمیان حائل ہو، لہذا بصورتِ مسئولہ گزرنے والے کا ہاتھ سترہ نہیں بن سکتا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإنما يأثم إذا مر ... ويحاذی أعضاء المار أعضاء ه لو كان يصلی علی الدكان .

Maktaba Tul Ishaat.com

(الهداية:١/١٣٨، وكذا في ردالمحتار:١/٦٣٥،سعيد).

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

ولا يكون بينهما حائل... أي بين المصلي والمار يعني الإثم إذا لم يكن بينهما ما يحول كالأستوانة والجدار وأما إذا كان بينهما حائل فلا يأثم المار. (البناية في شرح الهداية:١/٧٨٨،فيصل آباد).

درج کردہ عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ گزرنے والے کا عضو سترہ نہیں بن سکتا ہے، کیونکہ سترہ کے لیے حائل کا لفظ ہے یعنی سترہ وہ ہے جو مصلی اور گزرنے والے کے درمیان حائل ہوتا ہے، پھر یہ بھی یاد رہے کہ گزرنے کی ممانعت گزرنے والے کے ہر ہر عضو پر عائد ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو: شافعی فقہ کی کتاب میں ہے:

قال ويحرم المرور بينه وبينها...والمراد أنه يحرم على العامد العالم المكلف المعتقد لحرمة المرور ، ولو ببعض بدنه كيده. (تحفة الحبيب على شرح الخطيب:٢/٢٦٥).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رومال یا لاٹھی رکھ کر گزرنے کا حکم:

سوال: نمازی کے سامنے سے گذرنے کے لئے اپنا رومال لٹکا کر یا لاٹھی کھڑی کر کے گذر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بظاہر جواز معلوم ہوتا ہے نیز اس کی دوسری شکل یہ بھی ہے کہ لاٹھی کھڑی کر کے گذر جائے اور گرنے سے پہلے اس کو پکڑ لے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فإن كان معه شيء يضعه بين يديه ثم يمر ويأخذه.....أقول: وإذا كان معه عصا لاتقف على الأرض بنفسها فأمسكها بيده ومر من خلفها هل يكفي ذلك؟ لم أره. (شامي:١/٦٣٦، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها،سعيد).

حضرت علامہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں:

وفي حاشية العناية للشيخ سعد الدين أنه لو أسبل غشاوة من السقف كفاه للسترة . قلت: وعلى هذا فمن كان لا بد أن يمر بين يدي المصلي فليسبل منديله أمامه ثم ليمر، ولعله يكون أيسر له من مروره كما هو. (فيض الباري:٢/٨٣).

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر گذرنے والے کے ساتھ ایسا عصا (لاٹھی) ہے جس کو کھڑا کرنا ممکن نہیں ہے تو اس کو نمازی کے آگے کھڑا کرکے اپنے ہاتھ سے تھام کر نمازی کے آگے سے گذرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کی وضاحت نہیں ملی (شامی) بظاہر جواز معلوم ہوتا ہے، اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کو ہاتھ سے چھوڑ کر اس کے گرنے سے پہلے گذر جائے اور پھر اس کو پکڑ لے۔ (عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلوۃ: ۲۷۶، سترہ کے مسائل، مجددیہ)۔

احسن الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک شخص نمازی کے سامنے سے گذرنے کے لئے اپنا رومال لٹکا کر یا اپنی چھڑی کھڑی کرکے اس کے پیچھے سے گذر جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

جواب: علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ان کو اس بارہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، بظاہر اس کے جواز سے کوئی مانع نہیں لہذا بوقتِ ضرورت اس کی گنجائش ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/۴۱۰ باب مفسدات الصلاۃ)۔

انعام الباری میں ہے:

اگر ہاتھ میں رومال ہے رومال لٹکا کر گزر جائے یہ بھی جائز ہے۔ (انعام الباری: ۳/۲۶۱، بحوالہ فیض الباری: ۲/۸۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سترہ کی جگہ تار یا رسی رکھنے کا حکم:

سوال: لکڑی وغیرہ نہیں ہے تو تار یا رسی سامنے رکھنا سترہ کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سترہ کے لئے ضروری ہے کہ بقدرِ یک انگشت موٹی چیز ہو اور عامۃً تار یا رسی اتنے موٹی نہیں ہوتی پھر سترہ کو گاڑنے کا حکم ہے صرف رکھنا اکثر حضرات کے نزدیک کافی نہیں ہے، لہذا صورتِ مسئولہ میں کافی نہیں ہونا چاہئے مگر بوقتِ عذر چونکہ خط کھینچنے کی گنجائش ہے تو پھر رسی یا تار کا رکھنا بدرجۂ اولی درست ہوگا لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ مصلی کا دھیان جما رہے گا اور منتشر نہ ہوگا گذرنے والا بدستور گنہگار رہے گا کیونکہ گذرنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وتكون السترة في غلظ الأصبع وذلك أدناه لأن مادون ذلك ربما لايبدو للناظر

Maktaba Tul Ishaat.com

فلایحصل به المقصود.....وإن لم یجد ما ینصبه منع جماعة من المتقدمین الخط وأجازه المتأخرون بما روی فی السنن عن النبی ﷺ أنه قال:"إن لم یکن معه عصا فلیخط خطاً "

(هو جزء من حدیث أخرجه ابن ماجة فی اقامة الصلاة باب ما یستر المصلی و أبوداؤد فی الصلاة باب الخط اذا لم یجد عصا)**قیل:هو مطعون فیه کذا فی شرح الکنز للدیری وفی التجنیس لایعتبر الخط هو المختار أی لیس بمسنون لیقام به سنة السترة،إذ لایحصل به المقصود لعدم ظهوره من بعید وهو روایة والثانیة أنه أی:الخط سنة ،عن محمد أنه یخط لحدیث أبی داؤد:"فإن لم یکن معه عصا فلیخط خطا"انتهی.**

قال فی شرح المنیة:ویجوز العمل بمثله فی الفضائل وکذا قال الکمال ابن الهمام والسنة أولی بالاتباع مع أنه یظهر فی الجملة،إذ المقصود جمع الخاطر بربط الخیال به کیلا ینتشر،انتهی.وأیضاً إن سلم أنه غیر مفید فلاضرر فیه من العمل بالحدیث الذی یجوز العمل به فی مثله،انتهی.وإن وجد ما یغرزه ولکن تعذر الغرز لصلابة الأرض،اختلف الأئمة فیه أیضاً فمنهم من منعه،قال القدوری:قال أبو حنیفةؒ:إذا خط المصلی بین یدیه فی الصحراء أوطرح سوطاً لم یعتد به من المسنون حتی ینصب شیئاً کمؤخرة الرحل،ولأن المقصود هو الحیلولة بینه وبین المار لایحصل به فیکون وجوده کعدمه کذا فی شرح الدیری وهو المختار کما قال فی التجنیس إذا تعذر غرز السترة لایعتبر الإلقاء هو المختار ومن اعتبر الإلقاء قال:یلقی بین یدیه طولاً لیجعل کأنه غرز ثم سقط هذا اختاره الفقیه أبو جعفرؒ انتهی.قال هشام:حججت مع أبی یوسفؒ وکان یطرح بین یدیه السوط کذا فی التقریب. (امداد الفتاح: ۳۹۹، فصل فی اتخاذ السترة،بیروت)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مدرسہ کی ٹپائی کا سترہ کے قائم مقام ہونا:

سوال: سترہ کا حکم،مقدار اور کیا مدرسہ ھذا میں جو چھوٹے ڈسک (desks) جن کی مقدار ایک ذراع ہے،طولاً سترہ کے قائم مقام ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: سترہ رکھنا مستحسن ہے،البحر الرائق میں بغیر سترہ کے نماز کو مکروہ لکھا ہے اس کی مقدار ایک

ذراع لکھی ہے تقریباً ڈیڑھ فٹ اور مدرسہ ہذا کی چھوٹی ٹپائی سترہ کا کام دے سکتی ہے طولا ،اس لئے کہ سترہ کا مقصد یہ ہے کہ گذرنے والے کو علم ہوجائے کہ فلاں شخص نماز پڑھ رہا ہے اور یہ امتیاز حاصل ہے۔

درمختار میں ہے:

سترة بقدر ذراع طولا وغلظ أصبع لتبدو للناظر بقربه دون ثلاثة أذرع على حذاء أحد حاجبيه لا بين عينيه والأيمن أفضل ولا يكفي الوضع ولا الخط وقيل يكفي فيخط طولاً وقيل كالمحراب ويدفعه هو رخصة فتركه أفضل بدائع. (الدرالمختار: ۱/۶۳۷،سعید)

شامی میں ہے:

والظاهر أن المراد به ذراع اليد صرح به الشافعية وهو شبران (قوله وغلظ أصبع) كذا في الهداية لكن جعل في البدائع بيان الغلظ قولاً ضعيفاً وأنه لا اعتبار بالعرض وظاهره أنه المذهب بحر، ويؤيده ما رواه الحاكم وقال على شرط مسلم أنه قال: يجزي من السترة قدر مؤخرة الرحل. تنبيه: لم يذكروا ما إذا لم يكن معه سترة ومعه ثوب أو كتاب مثلا هل يكفي وضعه بين يديه والظاهر نعم كما يؤخذ من تعليل ابن الهمام المار آنفا وكذا لو بسط ثوبه وصلى عليه ثم المفهوم من كلامهم أنه عند إمكان الغرز لا يكفي الوضع وعند إمكان الوضع لا يكفي الخط. (شامی: ۱/۶۳۷،سعید)

المبسوط للسرخسی میں ہے:

وإنما قال بقدر ذراع طولاً ولم يذكر العرض وكان ينبغي أن تكون في غلظ أصبع لقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ يجزئ من السترة السهم فإن المقصود أن يبدو للناظر فيمتنع من المرور بين يديه وما دون هذا لا يبدو للناظر من بعد. (مبسوط: ۱/۱۹۰)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وقيل ما يقع به الامتياز كذا في الشرح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۱/۲۴۴)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خلا والی چیز بطورِ سترہ استعمال کرنا:

سوال: کیا سترہ کے لئے وہ چیز کافی ہے جس کے اندر خلا ہو مثلاً ٹپائی وغیرہ؟

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: خلاوالی چیز بطورِ سترہ استعمال کرنا درست ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا **قالت: أعدلتمونا بالكلب والحمار؟ لقد رأيتني مضطجعة على السرير فيجيء النبي ﷺ فيتوسط السرير فيصلي فأكره أن أسنحه، فانسل من قبل رجلي السرير حتى أنسل من لحافي.** (بخاری: ۱/۷۲ باب الصلاة الی السریر)

عمدۃ القاری میں ہے: **فيتوسط السرير أي يجعل نفسه في وسط السرير.** (عمدة القاری: ۱/۵۸۵)

بنایہ شرح الہدایہ میں ہے:

وقال: كل موضع مرتفع يعتبر سترة كالسطح والسرير. (البناية في شرح البناية: ۱/۷۸۸)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصلی کے سامنے سے گذرنے میں مسجدِ کبیر اور صغیر کا فرق:

سوال: کیا فقہاء کے نزدیک ایسی روایت ہے جس میں مسجدِ صغیر وکبیر اور صحراء میں مصلی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت صرف محلِ سجود تک محدود ہو؟

الجواب: فقہاء کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ صحراء یا مسجدِ کبیر میں نماز پڑھ رہا ہے تو مصلی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت صرف موضعِ سجود تک محدود ہے، اور موضعِ سجود کے متعلق اصح قول یہ ہے کہ مصلی کی نگاہ گذرنے والے پر نہ پڑے، اور چھوٹی مسجد میں (جس پر مسجدِ کبیر کی تعریف صادق نہ آتی ہو) مصلی کے آگے سے گذرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

الا أن المار آثم لقوله عليه السلام: "لو علم المار بين يدى المصلى ماذا عليه من الوزر لوقف أربعين" وإنما يأثم إذا مر في موضع سجوده على ما قيل. (هداية: ۱/۱۳۸)

بنایہ میں ہے:

قوله على ما قيل: وهو اختيار شمس الأئمة السرخسيؒ وشيخ الإسلامؒ وقاضيخانؒ، وقال فخر الإسلامؒ: إذا صلى راميا بصره إلى موضع سجوده ولا يقع عليه بصره لا يكره، ومنهم من قال مقدار صفين أو ثلاثة، ومنهم من قدره بثلاثة أذرع ومنهم من قدر بخمسة أذرع ومنهم من قدر بأربعين ذراعاً، وقال التمرتاشيؒ: والأصح إن كان بحال لو صلى صلاة خاشع بصره ولا يقع على المار فلا يكره نحو أن يكون منتهى بصره في قيامه إلى موضع سجوده وفي

رکوعه إلى صدورقدميه وفى سجوده إلى أرنبة أنفه وفى قعوده إلى حجره وفى السلام إلى منكبه وهذاكله إذاكان فى الصحراء وفى الجامع الذى له حكم الصحراء وأما فى المسجد فالحد هوالمسجد إلا أن يكون بينه وبين المارأسطوانة وغيرها..... (البناية فى شرح الهداية: ۱/۷۸۸)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

نماز پڑھنے والے کی سجدہ کی جگہ میں سے کسی کا گذرنا مکروہ تحریمی اور سخت گناہ ہے اگرچہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی...اصح یہ ہے کہ میدان اور بہت بڑی مسجد میں جو میدان کے حکم میں ہے نمازی کے قدموں سے سجدہ کی جگہ تک میں گذرنا مکروہ تحریمی ہے اور گذرنے والا گنہگار ہے اس کے بعد سے نہیں اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے میں قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر نظر جمائے ہوئے ہو تو جتنی دور تک اس کی نگاہ پھیلے اتنی دور تک گذرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کے بعد یعنی جب گذرنے والے پر اس کی نگاہ پھیل کر نہ پڑے تو مکروہ نہیں یہی صحیح ہے اور یہ موضعِ سجود کی وضاحت ہے کیونکہ تقریبا موضعِ سجود کا اطلاق اس پر ہوتا ہے اس لئے یہی مرجح ہے۔(عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ:۲۷۴، سترہ کے مسائل، مجددیہ)

مسجدِ کبیر کی تعریف: درمختار میں ہے:

ويمنع من الاقتداء طريق تجرى فيه عجلة أونهرتجرى فيه السفن أوخلاء فى الصحراء أوفى مسجد كبير جداً كمسجد القدس...قال الشامى:ثم رأيت فى حاشية المدنى عن جواهر الفتاوى أن قاضيخان سئل عن ذلك فقال:اختلفوا فيه فقدره بعضهم بستين ذراعاً وبعضهم قال:إن كانت أربعين ذراعاً فهى كبيرة و إلا فصغيرة هذا هو المختار . (الشامى: ۱/۵۸۵، سعيد)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اور چھوٹی مسجدوں میں جو قول مختار کی بناء پر چالیس گز شرعی کی مقدار سے کم ہوں اگر نمازی کے آگے سترہ یا کوئی حائل نہ ہو تو قبلہ کی دیوار تک نمازی کے آگے سے گذرنا مکروہ تحریمی اور گناہ ہے کیونکہ یہ مکان واحد کے حکم میں ہیں۔(عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ:۲۷۴، سترہ کے مسائل، مجددیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
"الوتر حق واجب فمن لم یوتر فلیس منا"

باب.....﴿۸﴾
نمازِ وتر اور دعاء قنوت کا بیان

فصلِ اول

وتر کی نماز کا بیان

غیر رمضان میں وتر با جماعت پڑھنے کا حکم:

سوال: وتر کی جماعت رمضان المبارک کے علاوہ میں کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وتر کی جماعت رمضان المبارک کے ساتھ مخصوص ہے، رمضان المبارک کے علاوہ میں اگر کسی نے کبھی کبھی ایک دو مرتبہ کر لی تو جائز ہے، اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان پر اعتراض نہیں کیا، البتہ اکثر اوقات کرنا بدعت اور مکروہ ہے، وجہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مداومت ثابت نہیں ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے:

ويوتر بجماعة استحباباً في رمضان فقط عليه إجماع المسلمين لأنه نفل من وجه والجماعة في النفل في غير التراويح مكروهة فالاحتياط تركها في الوتر خارج رمضان، وعن شمس الأئمةؒ: أن فيما كان على سبيل التداعي أو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لا يكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه وإذا اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقاً. (مراقی الفلاح: ۵ ۱٤، باب الوتر وأحكامها، مكة المكرمة)

طحطاوی میں ہے:

(قوله فالاحتياط تركها في الوتر خارج رمضان) وما في النوازل عن المغني الاقتداء في الوتر خارج رمضان جائز فلا ينافي الكراهة لأن معناه صحيح. (طحطاوی على مراقی الفلاح:

Maktaba Tul Ishaat.com

۳۸۶،باب الوتر،قدیمی)

درمختار میں ہے:

ولایصلی الوتر ولاالتطوع بجماعة خارج رمضان أی یکره ذلک علی سبیل التداعی.وفی الشامی:(قوله أی یکره ذلک)أشارإلی ما قالوا من أن المراد من قول القدوری فی مختصره لایجوز،الکراهة لاعدم أصل الجواز،لکن فی الخلاصة عن القدوری أنه لایکره،وأیده فی الحلیة بما أخرجه الطحاوی عن المسوربن مخرمة، قال: دفنأبا بکر رضی اللہ عنہ لیلاً فقال عمر رضی اللہ عنہ: إنی لم أوتر، فقام وصفنا ورائه فصلی بنا ثلاث رکعات لم یسلم إلافی آخرهن،ثم قال:ویمکن أن یقال:الظاهرأن الجماعة فیه غیرمستحبة ثم إن کان ذلک أحیاناًکما فعل عمر رضی اللہ عنہ کان مباحاً غیرمکروه،وإن کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة لأنه خلاف المتوارث.(الدرالمختارمع الشامی:۲/۴۸، باب الوتر،سعید)

مزید ملاحظہ ہو: فتاوی حقانیہ:۳/۲۳۸،باب الوتر۔واحسن الفتاوی:۳/۴۵۵،باب الوتر والنوافل۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وتر کو عشاء پر مقدم کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے وتر کی نماز عشاء سے پہلے پڑھ لی یعنی جب مسجد میں داخل ہوا تو وتر کی جماعت ہورہی تھی اس میں شامل ہوگیا بعد میں عشاء کی نماز پڑھ لی تو نمازِ وتر ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چونکہ وقتِ عشاء اور وتر ایک ہے لہذا نسیاناً مقدم کرنے سے نماز ہوجائے گی اعادہ واجب نہیں ہے البتہ جان بوجھ کر کیا تو اعادہ واجب ہوگا، کیونکہ دونوں میں ترتیب واجب ہے یعنی عشاء پہلے پڑھنا واجب ہے اور نسیان کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بیان وقته(الوتر)فالکلام فیه فی موضعین أحدهما فی بیان أصل الوقت.....أما أصل الوقت فوقت العشاء عند أبی حنیفةؒ أنه شرع مرتباً علیه حتی لایجوزأداء ه قبل صلاة العشاء مع أنه وقته لعدم شرطه وهوالترتیب إلاإذاکان ناسیاً وهذا بناء علی ما ذکرنا أن الوترواجب عند أبی حنیفةؒ ویبنی علی هذا الأصل أن من صلی العشاء علی غیروضوء وهولایعلم ثم توضأ فأوترثم تذکرأعاد صلاة العشاء بالاتفاق ولایعید الوترفی قول أبی

حنيفةؒ لأن الوتر كان أصلاً بنفسه في حق الوقت لاتبعاً للعشاء إلاأن وقته بعد فعل العشاء إلاأن تقديم أحدهما على الآخر واجب حالة التذكر فعند النسيان يسقط. (بدائع الصنائع:۱/۲۷۲، سعيد)

البحرالرائق میں ہے:

قوله ولا يقدم على العشاء للترتيب ولأنهما فرضان عند الإمام وإن كان أحدهما اعتقاداً والآخر عملاً فأفاد أنه عند التذكر حتى لوقدم الوتر ناسياً فإنه يجوز. (البحرالرائق: ۱/۲٤٦، كتاب الصلاة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ولو صلى الوتر ناسياً للعشاء أو صلاهما فظهر فساد العشاء دون الوتر أجزاه عند الإمام لسقوط الترتيب بمثل هذا العذر. (طحطاوی على مراقی الفلاح:۱۷۸، كتاب الصلاة،قديمی)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی:۳/۴۵۷، باب الوتر۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وتر میں نصف رمضان شافعی کا امام بننا اور نصف رمضان حنفی کا بننا:

سوال: ایک مسجد کے مصلی حضرات بعض احناف ہیں اور بعض شوافع ہیں رمضان المبارک میں سب کے ساتھ ملکر ایک ہی امام کے پیچھے تراویح پڑھتے ہیں لیکن وتر کے لئے علیحدہ جماعت کرنی پڑتی ہے تو ان حضرات کا کہنا ہے کہ وتر بھی ہم ایک ہی امام کے پیچھے پڑھ لیں اور چند دن حنفی امام ہو اور چند دن شافعی امام ہو تو کیا یہ درست ہوگا؟ اور تمام مصلی حضرات اس پر راضی ہیں حکم بیان فرمائیں۔

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ایک ہی امام کے پیچھے وتر پڑھنا درست ہے، البتہ جب شافعی امام پڑھائے تو تین رکعت ایک سلام سے پڑھائے علامہ نوویؒ نے اسی کو افضل قرار دیا ہے۔

ہاں اگر شافعی امام دو رکعت پر سلام پھیر دے تو حنفی مقتدی سلام نہ پھیرے بلکہ مسبوق کے حکم میں ہو کر ایک رکعت دعاءِ قنوت کے ساتھ پوری کرلے نماز صحیح ہوجائے گی پھر علیحدہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

البحرالرائق میں ہے:

وجوزه أبوبكر الرازی ويصلي معه بنية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده وهو

Maktaba Tul Ishaat.com

مجتهد فيه.(البحرالرائق:۲/۳۹، باب الوتر،الماجديه)

فتح القدیر میں ہے:

وقول أبی بکرالرازی أن اقتداء الحنفی بمن یسلم علی رأس الرکعتین فی الوتر یجوز،وإذا سلم الإمام علی رأس الرکعتین قام المقتدی فأتم منفرداً وکان شیخنا سراج الدین یعتقد قول الرازی.(فتح القدیر:۱/۴۳۷،باب صلاة الوتر،دارالفکروکذا فی منظومة ابن وهبان:۱/۶۲ شعر:۶۷،الوقف المدنی دیوبند۔وکذا فی البنایة شرح الهدایة:۱/۸۳۵، باب صلاة الوتر، فیصل آباد پاکستان)

حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں:

لواقتدی خلف الشافعی وسلم الشافعی علی الرکعة الثانیة کما هومذهبهم ثم أتم الوترصح وترالحنفی عند أبی بکرالرازی وابن وهبان:

ولوحنفی قام خلف مسلم☆ لشفع ولم یتبع وتم فموتر

(العرف الشذی علی سنن الترمذی:۱/۱۰۴،باب ماجاء فی فضل الوتر،فیصل)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اسی طرح اگر وتر بالتسلیمتین یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر وتر پورا کرے تو امام ابوبکر الجصاص اور متأخرین فقہاء کے ہاں اقتداء درست ہے اور یہی ترجیح حالات کی مقتضی ہے۔بحوالہ بنایہ شرح ہدایہ۔(فتاوی حقانیہ :۳/۲۴۲،باب الوتر)۔

ہم جمہور کے قول کے موافق عمل کریں اس قول پر عمل نہ کریں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولوصلی الوتربمن یقنت فی الوتربعد الرکوع فی القومة والمقتدی لایری ذلک تابعه فیه هکذا فی فتاوی قاضیخان.(فتاوی هندیة:۱/۱۱۱۔والدرالمختار:۲/۷ باب الوتر،سعید)

شرح المہذب میں ہے:

وإذا أراد الإتیان بثلاث رکعات ففی الأفضل أوجه.....والثانی إن وصلها بتسلیمة واحدة أفضل قاله الشیخ أبو زید المروزی للخروج من الخلاف فإن أبا حنیفةؒ لا یصحح المفصولة والثالث إن کان منفرداً فالفصل أفضل وإن کان إماماً فالوصل حتی تصح صلاته

لكل المقتدين.....والمذهب أن السنة أن يقنت فى الركعة الأخيرة من صلاة الوتر فى النصف الأخير من شهر رمضان هذا هو المشهور فى المذهب ونص عليه الشافعىؒ وبه قال جمهور الأصحاب. (شرح المهذب: ٤/١٣، ١٥، دارالفكر)

نیز مذکور ہے:

يصح الاقتداء بالحنفى و نحوه إلا أن يتحقق إخلاله بما نشترطه ونوجبه وهذه الأوجه جارية فى صلاة الشافعى خلف حنفى وغيره. (شرح المهذب: ١/٢٠٣، دارالفكر)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حنفی امام کی اقتداء میں شافعی کا وتر تین رکعت ایک سلام سے پڑھنا:

سوال: اگر ایک شافعی کسی حنفی کی اقتداء میں وتر کی نماز پڑھ لے یعنی تین رکعت ایک سلام سے تو شافعی مقتدی کی وتر صحیح ہوئی یا نہیں؟

جواب: شافعی مقتدی کی وتر حنفی کے پیچھے صحیح اور درست ہے اس لئے کہ شوافع کے نزدیک وتر ایک رکعت، تین رکعت، ۵ رکعت، ۷ رکعت، ۹ رکعت اور زیادہ سے زیادہ ۱۱ تک پڑھ سکتے ہیں، اور تین رکعت ایک سلام سے پڑھنے کو امام نوویؒ نے شرح المہذب میں افضل قرار دیا ہے اختلاف سے بچتے ہوئے لہذا صورتِ مسئولہ میں وتر کی نماز درست ہے۔ شرح المہذب میں ہے:

وإذا أراد الإتيان بثلاث ركعات ففى الأفضل أوجه.....والثانى إن وصلها بتسليمة واحدة أفضل قاله الشيخ أبوزيد المروزى للخروج من الخلاف فإن أباحنيفةؒ لايصحح المفصولة والثالث إن كان منفرداً فالفصل أفضل وإن كان إماماً فالوصل حتى تصح صلاته لكل المقتدين.....والمذهب أن السنة أن يقنت فى الركعة الأخيرة من صلاة الوتر فى النصف الأخير من شهر رمضان هذا هو المشهور فى المذهب ونص عليه الشافعىؒ وبه قال جمهور الأصحاب. (شرح المهذب: ٤/١٣، ١٥، دارالفكر)

اعانۃ الطالبین میں ہے:

وأقله ركعة وأدنى الكمال أى أن الكمال فى الوتر له مراتب وأدناها ثلاث ثم خمس ثم سبع ثم تسع فكل مرتبة أعلى من التى قبلها وأدنى من التى بعدها وأكثره إحدى عشر

Maktaba Tul Ishaat.com

رکعة. (اعانة الطالبین: ۱/۲۴۹)

شرح المہذب میں ہے:

ویجوز أن یجمعها بتسلیمة لما روت عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **أن النبی ﷺ کان لایسلم فی رکعتی الوتر.** (شرح المهذب: ۴/۱۱، باب الوتر، دارالفکر)۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

شافعی امام کی اقتداء میں حنفی کا دوسلام سے وتر پڑھنا:

سوال: اگر کوئی حنفی کسی شافعی کی اقتداء میں وتر کی نماز دوسلام کے ساتھ پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: شافعی امام تین رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھائے تو حنفی کی وتر صحیح ہے اور اگر دوسلام سے پڑھائے تو حنفی مقتدی کھڑے ہوکر اپنی وتر پوری کرلے تو حنفی کی وتر صحیح ہے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

البحر الرائق میں ہے:

وجوزه أبوبکر الرازی ویصلی معه بنیة الوتر لأن إمامه لم یخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فیه. (البحرالرائق: ۲/۳۹، باب الوتر، الماجدیه)

فتح القدیر میں ہے:

وقول أبی بکر الرازی أن اقتداء الحنفی بمن یسلم علی رأس الرکعتین فی الوتر یجوز، وإذا سلم الإمام علی رأس الرکعتین قام المقتدی فأتم منفرداً وکان شیخنا سراج الدین یعتقد قول الرازی. (فتح القدیر: ۱/۴۳۷، باب صلاة الوتر، دار الفکر۔ وکذا فی منظومة ابن وهبان: ۱/۶۲، شعر: ۶۷ الوقف المدنی دیوبند۔ وکذا فی البنایة شرح الهدایة: ۱/۸۳۵، باب صلاة الوتر، فیصل آباد پاکستان)

حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں:

لو اقتدی خلف الشافعی وسلم الشافعی علی الرکعة الثانیة کما هو مذهبهم ثم أتم الوتر صح وتر الحنفی عند أبی بکر الرازی وابن وهبان:

ولو حنفی قام خلف مسلم☆ لشفع ولم یتبع وتم فموتر

(العرف الشذی علی سنن الترمذی: ۱/۱۰۴، باب ماجاء فی فضل الوتر، فیصل)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اسی طرح اگر وتر بالتسلیمتین یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر وتر پورا کرے تو امام ابوبکر الجصاص اور متأخرین فقہاء کے ہاں اقتداء درست ہے اور یہی ترجیح حالات کی مقتضی ہے۔ بحوالہ بنایہ شرح ہدایہ۔ (فتاوی حقانیہ: ۲۴۲/۳، باب الوتر)۔ لیکن یہ قول راجح نہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو صلی الوتر بمن یقنت فی الوتر بعد الرکوع فی القومة والمقتدی لایری ذلک تابعه فیه هکذا فی فتاوی قاضیخان. (فتاوی هندیة: ۱۱۱/۱ ـ والدرالمختار: ۷/۲ باب الوتر۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

وتر کی تیسری رکعت میں سورت نہ پڑھنے سے نمازِ وتر کا حکم:

سوال: ایک شخص لاعلمی کی وجہ سے وتر نماز کو مغرب نماز پر قیاس کرتا تھا اور تیسری رکعت میں سورت نہیں ملاتا تھا۔ مسئلہ معلوم ہونے کے بعد اب اس پر گذشتہ تمام وتر نمازوں کی قضاء ہے یا نہیں؟

الجواب: وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانا واجب ہے، اور مسئلہ نہ معلوم ہونا کوئی عذر نہیں ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں گذشتہ تمام وتروں کی قضا لازم ہوگی جو سورت ملائے بغیر پڑھی تھی۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

دلیل الفریضة لماکان قاصراً لکونه من أخبار الآحاد ظهر أثر المقصود فیماهو من باب الاحتیاط وهو لزوم القراءة فی کل رکعة کالسنن لمشابهة بهامن حیث الثبوت فیفسد بترک القراءة فی رکعة منه احتیاطاً من المستصفی عن الإیضاح والبرهان والتبیین والفتح وغیرها. (امداد الفتاح: ٤١٣، باب الوتر، بیروت)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وفی الحاوی تذکر أنه ترک القراءة فی کل رکعة واحدة من صلاة یوم ولیلة قضی الفجر والوتر ووجهه أن ترک القراءة فی رکعة واحدة لایبطلها فی سائر الصلوات إلا الفجر والوتر. (طحطاوی علی الدر: ۳۰٤/۱، باب قضاء الفوائت)

البحر الرائق میں ہے:

(قوله وقرأ فی کل رکعة منه فاتحة الکتاب وسورة) بیان لمخالفته للفرائض، فیقرأ فی

Maktaba Tul Ishaat.com

كل ركعة منه حتماً ونقل فى الهداية أنه بالإجماع وفى التجنيس لوترك القراءة فى الركعة الثالثة منه لم يجزفى قولهم جميعاً. (البحر الرائق:۲/۴۳،باب الوتر،الماجديه). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

نمازِ وتر نمازِ تراویح سے پہلے پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے وتر کی نماز تراویح سے پہلے پڑھ لی تو اب وتر کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ وتر قبل از تراویح پڑھنا بھی جائز ہے البتہ بعد از تراویح افضل ہے، لہذا صورتِ مسئولہ میں وتر کی نماز ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

ووقتها ما بعد صلاة العشاء على الصحيح إلى طلوع الفجر ولتبعيتها للعشاء ويصح تقديم الوتر على التراويح وتأخيره عنها وهو أفضل حتى لو تبين فساد العشاء دون التراويح والوتر أعادوا العشاء ثم التراويح دون الوتر عند أبى حنيفةؒ. (مراقى الفلاح: ۱۵۹،فصل فى صلاة التراويح،مكة المكرمة)

درمختار میں ہے:

ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده فى الأصح.....وفى الشامية:أى من أقوال ثلاثة:الأول أن وقتها الليل كله،قبل العشاء وبعده وقبل الوتر وبعده.....الثانى : أنه ما بين العشاء والوتر،وصححه فى الخلاصة.....الثالث:ما مشى عليه المصنف تبعاً للكنز،وعزاه فى الكافى إلى الجمهور،وصححه فى الهداية والخانية والمحيط بحر. (الدر المختارمع رد المحتار:۲/۴۴، صلاة التراويح،سعيد)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

فصلِ دوم

دعاءِ قنوت کا بیان

وتر کی رکعتوں کی تعداد میں شک ہوتو دعا قنوت پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو وتر کی تعداد میں شک ہوا کہ دو رکعت ہوئی یا تین رکعت تو قنوت کونسی رکعت میں پڑھے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورتِ مسئولہ جس رکعت میں شک ہوا اسی میں دعاءِ قنوت پڑھ لے پھر قعدہ بھی کرے ہوسکتا ہے کہ تیسری رکعت ہو پھر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوجائے اور اس میں بھی قنوت پڑھ کر رکعت پوری کرلے اور آخر میں سجدہ سہو کرلے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

أمالوشک أنه فی ثانیته أوثالثته کره(القنوت)مع القعود فی الأصح وفی الشامی: (قوله کره مع القعود)أی فیقنت و یقعد فی الرکعة التی حصل فیها الشک لاحتمال أنهافی الثالثة،ثم یفعل کذلک فی التی بعدها لاحتمال أنها الثالثة وتلک کانت ثانیة.

(الدرالمختارمع الشامی:۲/ ۱۰،باب الوترو النوافل، سعید)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

لوشک فی الوتروهوقائم أنها ثانیة أم ثالثة یتم تلک الرکعة ویقنت فیها أیضاً و یسجد للسهوهو المختار. (خلاصة الفتاوی:۱/ ۱۷۰،الفصل السادس عشرفی السهوفی الصلاة،الرشیدیة)

مزید ملاحظہ ہو: الفتاوی الهندیة:۱/ ۱۱۱،باب الوتر،بلوچستان۔وفتاوی قاضیخان:۱/ ۱۰۵،علی هامش

Maktaba Tul Ishaat.com

الهندية۔والبحرالرائق:۲/ ٤١،باب الوتر ،الماجدية۔

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر وتر کی نماز میں شک ہوا کہ یہ دوسری رکعت ہے یا تیسری تو اس میں قنوت پڑھے اور قعدہ کرے اور پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھے اور اس میں بھی قنوت پڑھے اور قعدہ کرے اور سجدہ سہو کرے۔(عمدۃ الفقہ کتاب الصلاۃ:۲/۲۹۴،وتر کا بیان،المجد دیہ)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی حقانیہ:۳/ ۲۳۶،باب الوتر۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دعا قنوت یاد نہ ہونے کے وقت دیگر دعا پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کو دعائے قنوت یاد نہیں تو کیا پڑھے گا؟

الجواب: اگر دعائے قنوت یاد نہ ہو تو "**اللّٰھم اغفرلی**" پڑھے یا "**ربنا آتنافی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقناعذاب النار**" پڑھے یا تین مرتبہ "**یا رب یارب**" پڑھ لے۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

ومن لم یحسن دعاء القنوت المتقدم قال الفقیه أبو اللیثؒ:یقول:اللّٰھم اغفر لی ویکررھا ثلاث مرات أویقول:ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار،قال فی التجنیس وھواختیارمشایخنا أویقول:یارب یارب یارب،ثلاثاً ذکرہ الصدر الشھید فھذہ ثلاثة أقوال مختارة. (مراقی الفلاح :١٤٤،باب الوتروأحکامها،مکة المکرمة۔وکذا فی البحرالرائق:۲/ ٤٢،باب الوتر۔وکذا فی الشامی:۲/ ۷،باب الوتروالنوافل،سعید)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

دعائے قنوت کی جگہ سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے یا کمزوری کی وجہ سے مشہور دعاءِ قنوت نہیں پڑھ سکتا ہے تو کیا سورۂ اخلاص اس کی جگہ پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: فقہاءِ احناف نے فرمایا کہ جو شخص دعاءِ قنوت نہیں پڑھ سکتا ہے تو تین مرتبہ "**اللّٰھم اغفرلی**" پڑھے یا "**ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقناعذاب النار**" یا تین مرتبہ "**یا رب یارب**" پڑھے، یہ افضل ہے۔ہاں سورۂ اخلاص بھی پڑھ سکتا ہے اس لئے کہ دعاءِ قنوت یاد نہ ہونے کے وقت کوئی

دعا حتمی طور پر متعین نہیں ہے، اور کریم کی تعریف اس سے مانگنے کے مترادف ہے "الثناء علی الکریم سوال"۔
ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ومن لایحسن القنوت بالعربیة أولایحفظه ففیه ثلاثة أقوال مختارة قیل یقول:یارب ثلاث مرات ثم یرکع وقیل یقول:اللّٰهم اغفرلی ثلاث مرات وقیل:اللّٰهم ربناآتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقناعذاب النارو الظاهرأن الاختلاف فی الأفضلیة لا فی الجواز وأن الأخیرأفضل لشموله. (البحرالرائق :۲/۴۲،باب الوترو النوافل،الماجدیة)

مراقی الفلاح میں ہے:

و من لم یحسن دعاء القنوت المتقدم قال الفقیه أبواللیثؒ:یقول:اللّٰهم اغفرلی ویکررها ثلاث مرات أویقول:ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقناعذاب النار،قال فی التجنیس وهواختیارمشایخنا أویقول:یارب یارب یارب ثلاثاً ذکره الصدر الشهید فهذه ثلاثة أقوال مختارة. (مراقی الفلاح: ۱۴۴،باب الوترو أحکامها،مکة المکرمة۔وکذا فی البحر الرائق:۲/۴۲،باب الوتر۔وکذا فی الشامی:۲/۷،باب الوترو النوافل،سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

وتر کی تیسری رکعت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا چہ حکم دارد؟

سوال: وتر کی تیسری رکعت میں جو حضرات ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، امام دعا پڑھتا ہے اور مقتدی ہاتھ اٹھا کر آمین کہتے ہیں یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: وتر کی تیسری رکعت میں اس طرح کرنا کسی صحیح مرفوع روایت سے ثابت نہیں چند آثار موقوفہ صحابہ وتابعین سے مروی ہیں اور اکثر لیث بن أبی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہیں، جب کی نماز کی بنیاد ہی سکون ووقار پر ہے لہذا اس طرح کرنا اچھا نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو مصنف ابن أبی شیبہ میں ہے:

حدثنا أبوبکر قال حدثناأبوالأحوص عن مغیرة عن إبراهیم قال:ارفع یدیک للقنوت.حدثنا معاویة ابن هشام قال:حدثنا سفیان عن لیث عن عبد الرحمن بن الأسود عن أبیه عن عبد الله أنه کان یرفع یدیه فی قنوت الوتر،حدثنا عبد الرحمن بن محمد المحاربی عن لیث عن ابن الأسود عن أبیه عن عبد الله أنه کان یرفع یدیه إذا قنت فی الوتر. (مصنف ابن

Maktaba Tul Ishaat.com

أبی شیبة: ٤/٥٣١/٧٠٢٦-٧٠٢٨ ،باب رفع الیدین فی قنوت الوتر،المجلس العلمی)

سنن الکبری للبیهقی میں ہے:

أخبرنا أبوعبد الله الحافظ أنبأ أبوبكرالجراحی ثنا يحيى بن شاسويه ثنا عبد الكريم السكری ثنا وهب بن زمعة أخبرنی علی الباشانی قال:سألت عبد الله يعنی ابن المبارکؒ عن الذی دعا ومسح وجهه قال:لم أجد له ثبتاقال علیؓ:ولم أره يفعل ذلک قال:وكان عبد اللهؓ يقنت بعد الركوع فی الوتروكان يرفع يديه،وروی عن عبد الله بن مسعودؓوأبی هريرةؓفی قنوت الوتر.(السنن الکبری للبیهقی،باب رفع الیدین فی القنوت: ٢/٢١٢،بیروت)

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن الأسود قال كان عبد اللهؓ يقرأ فی آخرركعة من الوتر(قل هوالله أحد)ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة،رواه الطبرانی فی الكبير وفيه ليث بن أبی سليم وهومدلس وهو ثقة. (مجمع الزوائد: ٢/٢٤٤،باب القنو ت فی الوتر،دار الفکر)

ارواء الغلیل میں ہے:

روی الأثرم عن ابن مسعودؓ:"أنه كان يقنت فی الوتروكان إذا فرغ من القراء ة كبرورفع يديه ثم قنت.

لم أقف علی سنده عند الأثرم لأننی لم أقف علی كتابه وإنماوجدت قطعة منه فی الطهارة فی مجموع محفوظ فی المكتبة الظاهرية بدمشق وغالب الظن أنه لايصح فقد أخرجه ابن أبی شيبة والطبرانی والبيهقی من طريق ليث عن عبد الرحمن بن الأسود عن أبيه عن عبد الله أنه كان يرفع يديه فی قنوت الوتر،وليث هوابن أبی سليم وهوضعيف لاختلاطه. (ارواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل:٢/١٦٩/٤٢٧، باب صلاة التطوع، المکتب الاسلامی،بیروت)

خلاصہ: ان تمام آثار سے ابتداءِ قنوت میں رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے دوام کا ثبوت نہیں ملتا حنفیہ بھی اس کے قائل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رفع الیدین فی قنوت الوتر کے متعلق شوافع وحنابلہ کے مستدلات:

سوال: وتر میں دعاءِ قنوت کے وقت شوافع وحنابلہ پوری دعا میں جو رفع یدین کرتے ہیں ان کے دلائل کیا ہیں کیا کوئی صریح صحیح حدیث موجود ہے یا نہیں؟

الجواب: تتبعِ کتب کے بعد معلوم ہوا کہ شوافع اور حنابلہ کے پاس اس بارے میں کوئی صریح مرفوع روایت موجود نہیں ہے، البتہ ایک حدیث جو مستدرک حاکم میں ہے اس سے استدلال کیا ہے لیکن محققین حضرات نے فرمایا: "لم أقف علیه عند الحاکم" یعنی عام طور پر یہ روایت مستدرک حاکم میں نہیں ملتی اس کے علاوہ چند صحابہ کے عمل اور عمومی دعاؤں والی روایات جن میں رفع یدین کا ذکر ملتا ہے ان سے استدلال کرتے ہیں۔ شوافع کے مستدلات ملاحظہ فرمائیں:

البیان میں ہے:

وهل يستحب رفع اليدين فى القنوت؟ فيه وجهان: أحدهما: وهو اختيار الشيخ أبى إسحاق: أن ذلک غير مستحب لأن النبى ﷺ لم يرفع يديه إلا فى الاستسقاء والاستنصار وعشية عرفة. والثانى: أن ذلک مستحب وهو قول أكثر أصحابنا لما روى أن النبى ﷺ قال: لاترفع الأيدى إلافى سبعة مواضع: عند رؤية البيت وعلى الصفا والمروة وفى الصلاة وفى الموقف بعرفة وعند الجمرتين، وروى عن عثمان رضی اللہ عنہ أنه كان يرفع يديه حتى يبدو ضبعاه، وفى مصنف ابن أبى شيبة: كان عمر رضی اللہ عنہ يقنت بنا بعد الركوع ويرفع يديه حتى يبدو ضبعاه، وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ وابن عباس رضی اللہ عنہ أنهما كانا يرفعان أيديهما إلى صدورهما، فعلى هذا: يستحب أن يمسح يديه على وجهه عند الفراغ من الدعاء لما روى ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبى ﷺ قال: إذا دعوت..... فادع الله ببطون كفيک ولاتدع بظهورهما فإذا فرغت..... فامسح راحتيک على وجهک انتهى، قال ابن الصباغ ولايمسح بيديه على غير وجهه من جميع بدنه فإن فعل ذلک كان مكروهاً. (البيان فى مذهب الامام الشافعى: ۲/۲۵۶)

حاشیتان علی کنز الراغبین شرح منہاج الطالبین میں ہے:

ويسن القنوت فى اعتدال ثانية الصبح وهو اللّٰهمّ اهدنى فيمن هديت الخ للاتباع.

رواه الحاكم فى المستدرک عن أبى هريرة رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله إذا رفع رأسه من

Maktaba Tul Ishaat.com

الركوع فى صلاة الصبح فى الركعة الثانية رفع يديه فيدعوبهذا الدعاء:اللّٰهمّ اهدنى إلى آخرما تقدم لكن لم يذكر"ربنا" وقال:صحيح،ورواه البيهقى عن ابن عباس ﷺ قال:كان رسول اللهﷺ يعلمنا دعاء ندعوبه فى القنوت من صلاة الصبح فذكرما تقدم،وفى رواية له كانﷺ يقنت فى صلاة الصبح وفى وترالليل بهؤلاء الكلمات فذكرماتقدم والصحيح سنّ الصلاة على رسول الله وفى آخره رواها النسائى فى قنوت الوترالذى علّمه النبىﷺ الحسن بن علىﷺ، فالحق به قنوت الصبح والصحيح سنّ رفع يديه فيه لما تقدم من حديث الحاكم والثانى قاسه على غيره من أدعية الصلاة.(حاشيتان على كنز الراغبين:۱/۲۴۳)

قال عماد ذكى البارودى فى تعليقه على حاشيتيه على كنزالراغبين فى حديث الحاكم:"لم أقف عليه عند الحاكم".(حاشيتان على كنز الراغبين:۱/۲۴۳)

حنابلہ کا مذہب:

المغنی میں ہے:

فيرفع يديه فى حال القنوت،قال الأثرم:كان أبوعبد الله يرفع يديه فى القنوت إلى صدره واحتج بأن ابن مسعودﷺ رفع يديه فى القنوت إلى صدره وروى ذلك عن عمرﷺ وابن عباسﷺ وبه قال إسحاق وأصحاب الرأى.....ولنا قول النبىﷺ:إذا دعوت الله فادع ببطون كفيك ولاتدع بظهورهما فإذا فرغت فامسح بهما وجهك رواه أبوداؤد وابن ماجة، ولأنه فعل من سمينامن الصحابة،وإذا فرغ من القنوت فهل يمسح وجهه بيديه؟ فيه روايتان:أحداهما لايفعل لأنه روى عن أحمد أنه قال:لم أسمع فيه بشىء ولأنه دعاء فى الصلاة فلم يستحب مسح وجهه فيه كسائر دعائها.الثانية: يستحب للخبرالذى رويناه و روى السائب بن يزيدﷺ أن رسول اللهﷺ كان إذا دعارفع يديه ومسح وجهه بيديه ولأنه دعاء يرفع يديه فيه فيمسح بهماوجهه كما لوكان خارجاً عن الصلاة وفارق سائرالدعاء فإنه لايرفع يديه.(المغنى:۱/۷۸۶)

ان مستدلات وروایات کا جواب:

مذہبِ احناف کے مطابق ان روایات کا جواب یہ ہے کہ رفع یدین سے مراد ابتداء ہی میں اٹھانا ہے یعنی

دعاءِ قنوت کے لئے رفع یدین کرلے پھر ہاتھوں کو باندھ لے اٹھائے رکھنا مراد نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو محیط برہانی میں ہے:

وفی آثار أبی حنیفةؒ قال محمدؒ: یرفع یدیه فی تکبیرات القنوت کما یرفع فی افتتاح الصلاة ثم یضعهما ویدعو وهذا قول أبی حنیفةؒ.

قال الشیخ الإمام أبو عبد الله الجرجانیؒ: قد صرّح بوضع الیمنی علی الشمال. (المحیط البرهانی: الفصل الثالث عشر، التراویح والوتر، ۲/۲۷۱)

شامی میں ہے:

ویکبر قبل رکوع ثالثته رافعاً یدیه کما مر ثم یعتمد، وفی الشامی: قوله ثم یعتمد أی یضع یمینه علی یساری کما فی حالة القراءة. (الشامی: ۲/۶)

نیز شیخ عز بن عبدالسلام شافعی فرماتے ہیں کہ قنوتِ وتر میں رفع یدین مستحب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی موصلہ میں ہے:

ولا یستحب رفع الیدین فی القنوت، کما لا یرفع فی دعاء الافتتاح، ولا فی الدعاء بین السجدتین، ولم یصح فی ذلک حدیث، وکذا لا یرفع الیدان فی الدعاء إلا فی المواطن التی رفع فیها رسول اللهﷺ یدیه. (الفتاوی الموصلة: ص ۳٤، للشیخ العز بن عبدالسلام الشافعیؒ دارالفکر، بیروت)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

فصلِ سوم

قنوتِ نازلہ کا بیان

قنوتِ نازلہ کے الفاظ کتبِ فقہ سے:

سوال: کتبِ فقہ میں قنوتِ نازلہ کے کیا الفاظ مرقوم ہیں؟ اور کیا پڑھنا چاہئے جو چاہے پڑھ سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عام طور پر شامی میں مرقوم دعا معمول ہے اسی کو پڑھنا چاہئے، ہاں مناسب الفاظ بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن بہتر وہی ہے جو شامی میں ہے کبھی کبھی طویل الفاظ مقتدیوں کے لئے باعثِ کلفت بن جاتے ہیں بلکہ بعض مرتبہ دوسری رکعت سے قومہ لمبا ہوجاتا ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

اللھم اھدنی.....اللّٰھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات. وألّف بین قلوبھم، وأصلح ذات بینھم، وانصرھم علی عدوک وعدوھم، اللّٰھم العن کفرة الکتاب الذین یکذبون رسلک ویقاتلون أولیائک، اللّٰھم خالف بین کلمتھم، وزلزل أقدامھم، وأنزل علیھم بأسک الذی لایرد عن القوم المجرمین. (شامی ح ۲/۶، باب الوتر والنوافل، سعید)

نورالایضاح میں ہے:

اللھم اھدنا بفضلک فیمن ھدیت وعافنا فیمن عافیت وتولنا فیمن تولیت وبارک لنا فیما أعطیت وقنا شر ماقضیت إنک تقضی ولایقضی علیک إنه لایذل من والیت و

لایعزمن عادیت تبارکت ربنا وتعالیت وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم.

(نورالایضاح :۹۵ باب الوتر،مجددیة ملتان)

مراقی الفلاح میں ہے:

اللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنا فیمن تولیت وبارک لنا فیما أعطیت وقنا شرما قضیت إنک تقضی ولایقضی علیک وإنه لایذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت وحسنه الترمذی. (رواہ أبوداؤد فی کتاب الوتر باب القنوت فی الوتروالترمذی فی کتاب الوترباب ما جاء فی قنوت الوتروقال ھذا حدیث حسن لانعرفه الامن ھذا الوجه وابن ماجة فی کتاب اقامة الصلاة والسنة فیھا باب ماجاء فی القنوت فی الوتروالدارمی فی کتاب الصلاة باب الدعاء فی القنوت والنسائی فی کتاب قیام اللیل باب الدعا فی الوتر) **وزاد البیھقی بعد والیت ولایعزمن عادیت وزادالنسائی بعد وتعالیت وصلی اللہ علی النبی فھوکما تری بصیغة الإفراد فیه وفی المروی عنه ﷺ حال دعائه فی قنوت الفجرلماکان یفعله ،قال الکمال بن الھمام لکنھم أی المشایخ لفقوه من حدیث فی حق الإمام عام لایخص القنوت فقالوه بنون الجمع أی اللّٰھم اھدناوعافنا وتولنا إلی آخره انتھی،قلت:ومنھم صاحب الدرروالغرروالبرھان.** (مراقی الفلاح: ۱۴۳، باب الوتر وأحکامھا ،مکة المکرمة)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قنوتِ نازلہ میں مسنون کے علاوہ دیگر ادعیہ پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا یہ جائز ہے کہ قنوتِ نازلہ میں مسنون کے علاوہ دوسری دعائیں پڑھ لیں اگر امام مسنون کے ساتھ دوسری دعاؤں کا بھی اضافہ کیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: دعاءِ قنوت میں منقول دعا کے علاوہ دوسری دعائیں بھی پڑھ سکتے ہیں ،ہاں دنیوی دعاؤں کے مشابہ نہ ہوں مثلاً یا اللہ فلاں جگہ سونے کی کان عطا کردے یا فلاں لڑکی سے نکاح کا انتظام فرمادے،شامی میں یہ دعا منقول ہے:

اللّٰھم اغفرللمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات.وألّف بین قلوبھم،و أصلح ذات بینھم،وانصرھم علی عدوک وعدوھم،اللّٰھم العن کفرة الکتاب الذین یکذبون

Maktaba Tul Ishaat.com

رسلک ویقاتلون أولیائک،اللّٰھم خالف بین کلمتھم،وزلزل أقدامھم،وأنزل علیھم بأسک الذی لایرد عن القوم المجرمین. (شامی:۲/۶، باب الوتر والنوافل،سعید)

اوراس سے ملتی جلتی دعا علامہ خوارزمی نے کفایہ شرح ہدایہ میں ۱/۳۷۹ پر نقل فرمائی۔

علامہ کاسانیؒ بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں:

و أما دعاء القنوت:ولیس فی القنوت دعاء موقت کذا ذکرالکرخی فی کتاب الصلاۃ لأنہ روی عن الصحابۃ أدعیۃ مختلفۃ فی حال القنوت،ولأن الموقت من الدعاء یجری علی لسان الداعی من غیر احتیاج إلی إحضارقلبہ وصدق الرغبۃ منہ إلی اللہ تعالیٰ فیبعد عن الإجابۃ. (بدائع الصنائع:۱/۲۷۳،سعید)

علامہ کاسانیؒ کی اس عبارت سے یہ باتیں مفہوم ہوئیں:

(۱) قنوت میں مخصوص دعا ضروری نہیں۔

(۲) صحابہ سے مختلف دعائیں مروی ہیں۔

(۳) مخصوص دعا پڑھنے کی عادت کی وجہ سے کبھی خشوع اور توجہ نہیں رہتی بلکہ معنی کی طرف کبھی خیال بھی نہیں جاتا۔ ہاں قنوتِ وتر میں احناف کے ہاں ''**اللّٰھم إنانستعینک**'' پڑھنا مسنون ہے اس کے ساتھ دوسری دعا پڑھ لے تو درست ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

وقال بعض مشائخنا المراد من قولہ لیس فی القنوت دعاء موقت ما سوی قولہ اللّٰھم إنانستعینک لأن الصحابۃ اتفقوا علی ھذا فی القنوت. (بدائع الصنائع:۱/۲۷۲،سعید)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قنوتِ نازلہ دفعِ مصائب کے لئے پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا قنوتِ نازلہ دفعِ مصائب کے لئے صرف تیس دن تک پڑھنا چاہئے یا اس سے زیادہ؟ کب اور کس وقت؟ کیا عشاء کی چوتھی رکعت میں پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: قنوتِ نازلہ دفعِ مصائب کے لئے پڑھنا چاہئے اور تیس دن کی کوئی تحدید نہیں جب تک مصیبت وبلا عام ہو وہاں تک پڑھیں اور فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قومہ میں پڑھیں، نیز عشاء کی چوتھی رکعت میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولا یقنت لغیرہ إلا لنازلة فیقنت الإمام فی الجهریة وقیل فی الکل. وفی الشامی: قال فی الصحاح: النازلة الشدیدة من شدائد الدهر، ولاشک أن الطاعون من أشد النوازل أشباہ (قولہ فیقنت الإمام فی الجهریة) یوافقه مافی البحر والشرنبلالیة عن شرح النقایة عن الغایة: وإن نزل بالمسلمین نازلة قنت الإمام فی صلاة الجهر، وهو قول الثوری وأحمد، وکذا مافی شرح الشیخ إسمعیل عن الغایة: قنت فی صلاة الفجر، ویؤیده مافی شرح المنیة حیث قال بعد کلام: فتکون شرعیته: أی شرعیة القنوت فی النوازل مستمرة ..... وهو صریح فی أن القنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غیرها من الصوات الجهریة أو السریة. (شامی: ۲/۱۱، باب الوتر، سعید)

تقریرات الرافعی میں ہے:

(قولہ یوافقه ما فی البحر) قال العلامة ط والسندی ماوقع فی بعض نسخ البحر والإمداد عن الغایة إن نزل بالمسلمین نازلة قنت الإمام فی صلاة الجهر فهو تحریف من النساخ وصوابه الفجر. (تقریرات الرافعی: ۲/۸۸، سعید)

کفایت المفتی میں ہے:

جہری نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد قومے میں قنوتِ نازلہ پڑھیں امام زور سے قنوت پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے جائیں، قنوتِ نازلہ کسی مصیبت کے وقت پڑھنا جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۳/۴۴۲، دارالاشاعت)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

آقائے دوجہاں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی عام اور دیگر عالمگیر مصیبت نازل ہوجائے مثلاً غیر مسلم حکومتوں کی طرف سے حملہ اور تشدد ہونے لگے اور دنیا کے سر پر خوفناک جنگ چھا جائے یا دیگر بلاؤں اور بربادیوں اور ہلاکت خیز طوفانوں میں مبتلا ہوجائے، تو ایسی مصیبت کے دفعیہ کے لئے فرض نمازوں میں قنوتِ نازلہ پڑھتے تھے اور جب تک وہ مصیبت دفع نہ ہوجائے یہ عمل برابر جاری رہتا تھا، لہذا جب کوئی عام مصیبت پیش آئے تو مصیبت کے زمانے تک قنوتِ نازلہ

Maktaba Tul Ishaat.com

پڑھنا جائز ہے۔(عمدۃ الفقہ:۲/۲۹۵،کتاب الصلاۃ قنوتِ نازلہ،مجددیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام طحاویؒ قنوتِ نازلہ کو منسوخ کہتے ہیں اس کا مطلب:

سوال: فجر کی نماز میں جب مسلمان مشکل میں پڑ جائیں تو قنوتِ نازلہ پڑھی جاتی ہے لیکن امام طحاویؒ اس کو منسوخ کہتے ہیں ان کے اس قول کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: امام طحاویؒ سے دو قول مروی ہیں: (۱) قنوت فی الفجر منسوخ ہے۔(۲) ثابت ہے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ سخت مصیبت میں جائز ہے اور عام لڑائی میں جائز نہیں یا یہ کہ امام طحاویؒ کا قول ''لابأس'' بہ کا مطلب یہ ہے کہ مسنون نہیں اگرچہ جائز ہے، یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ امام طحاویؒ کا یہ قول فقہاء کے ہاں معمول بہ نہیں ہے۔ شرح معانی الآثار میں ہے:

فثبت بماذكرنا أنه لاينبغي القنوت في الفجر في حال الحرب ولاغيره قياساً ونظراً على ماذكرنا من ذلك وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالىٰ. (شرح معاني الآثار:۱/۱۸۰،باب القنوت في صلاة الفجر وغيرها،فيصل)

نثر الازھار علی شرح معانی الآثار میں ہے:

وليعلم أن كلام المصنفؒ صريح في نسخ القنوت في غير الوتر سواء كان لنازلة أو غيرها والمصرح في كتب المذهب جوازه عند النازلة وذكروه عن المصنفؒ أيضاً. (نثر الأزهار على شرح معاني الآثار:۱/۴۷۱)

امانی الاحبار میں ہے:

والظاهر من كلام الطحاوي أن أباحنيفةؒ وصاحبيهؒ لايقولون بالقنوت فيما سوى الوتر مطلقاً.....وذكر أئمتنا الثلاثة أنهم قالوا لاقنوت في الفجر أصلاً لكن ذكر غير واحد عن الإمام المصنفؒ لابأس بالقنوت إن وقعت بلية وعلى هذا فمشروعية القنوت للنازلة مستمرة لم ينسخ كما صرح الشيخ ابن الهمام وغيره وعلى هذا مشى الشامي و غيره ... وقد تقدم الجمع بين ما أثبته المصنفؒ ههنا وبين ماذكروه عن المصنفؒ من ثبوت القنوت في النازلة بأنه لايشرع لمطلق الحرب وإنما يشرع لبلية شديدة. (امانی الأحبار: ۴/۵۹)

شامی میں ہے:

لکن فی الأشباه عن الغاية:قنت فی صلاة الفجر،ويؤيده ما فی شرح المنية حيث قال بعد كلام:فتكون شرعيته:أی شرعية القنوت فی النوازل مستمرة،وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته عليه الصلوة والسلام،وهو مذهبنا وعليه الجمهور،وقال الحافظ أبو جعفر الطحاوىؒ:إنما لايقنت عندنا فی صلاة الفجر من غير بلية،فإن وقعت فتنة أو بلية فلابأس به،فعله رسول اللهﷺ.(شامی:۲/۱۱،مطلب فی القنوت للنازلة،سعيد)

مزید ملاحظہ ہو:امانی الاحبار:٤/٥٩۔وعمدة القاری:٥/٢٣٩،٢٤١،باب القنوت قبل الركوع وبعده۔ وشرح فتح القدير:١/٤٣٤،باب صلاة الوتر،دارالفكر۔ومراقی الفلاح مع الطحطاوی:٣٧٧،باب الوتر،قديمی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ فجر میں قنوتِ نازلہ کے وقت ہاتھ باندھنے یا لٹکانے کا حکم:

سوال: نمازِ فجر میں امام صاحب جب دعا قنوت پڑھتے ہیں تو اس وقت ہاتھ باندھنا چاہئے یا لٹکانا چاہئے؟

الجواب: اس بارے میں مذہبِ احناف میں دونوں کی اجازت ہے ایک دوسرے کو ملامت نہیں کرنا چاہئے ہاں ہاتھ لٹکانے پر تعامل ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ثم الاعتماد سنة القيام عند أبی حنيفةؒ وأبی يوسفؒ حتی لايرسل حالة الثناء والأصل أن كل قيام فيه ذكر مسنون يعتمد فيه ومالا فلا هو الصحيح فيعتمد فی حالة القنوت و صلاة الجنازة ويرسل فی القومة وبين تكبيرات الأعياد.(هداية:١/١٠٢،باب صفة الصلاة)

شرح العنایہ میں ہے:

وعند محمدؒ أنه سنة القراءة.....قال الفضلی:إن السنة فی صلاة الجنازة وتكبيرات العيد والقومة التی بين الركوع والسجود وهو الإرسال.....والصحيح ما قاله شمس الأئمة الحلوانی وهو الذی أشار إليه فی الكتاب أن كل قيام فيه ذكر مسنون،فالسنة فيه الاعتماد كما فی حالة الثناء والقنوت وصلاة الجنازة،وكل قيام ليس فيه ذكر مسنون فالسنة فيه الإرسال فيرسل فی القومة عن الركوع وبين تكبيرات الأعياد وبه كان يفتی شمس الأئمة

Maktaba Tul Ishaat.com

السرخسیؒ وبرهان الأئمةؒ والصدر الشهیدؒ،وذکر فی فتاوی قاضیخان: وکما فرغ من التکبیر یضع یده الیمنی علی الیسری تحت السرة،وکذا فی تکبیرات العید وتکبیرات الجنازة والقنوت ویرسل فی القومة. (شرح العنایة علی الهدایة علی هامش فتح القدیر:۱/۲۸۷،باب صفة الصلاة۔وکذا فی البحرالرائق:۱/۳۰۸۔والشامی:۱/۴۸۷و۲/۹،باب الوتر،سعید)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

صبح کی نماز میں بعد رکوع کے جو کہ اس زمانہ میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے اس میں ہم لوگوں کا معمول یہ ہے کہ ہاتھ لٹکائے رہتے ہیں کیونکہ اس موقعہ پر ہاتھ کا باندھنا نہیں آیا ہے اور اٹھانا بھی حنفیہ کے قواعد سے چسپاں نہیں ہے اس لئے احوط اور بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ چھوڑے رکھیں۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/۱۹۲،مسائل قنوتِ نازلہ،دارالاشاعت)

مزید ملاحظہ ہو: کفایت المفتی:۳/۴۴۱،کتاب لصلاۃ قنوتِ نازلہ،دارالاشاعت۔وفتاوی محمودیہ:۷/۱۷۸،جامعہ فاروقیہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
"من صلیٰ فی یوم ثنتی عشرۃ رکعۃ
بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ"

(مصنفِ عبدالرزاق)

باب.....﴿۹﴾

سنن اور نوافل کا بیان

Maktaba Tul Ishaat.com

باب.....۹

سنن اور نوافل کا بیان

سنتِ مؤکدہ بغیر عذر کے بیٹھ کر ادا کرنے کا حکم:

سوال: ظہر کی سنت بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ظہر کی سنت بیٹھ کر ادا کرنا بغیر عذر کے بھی جائز اور درست ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

یجوز النفل إنما عبر به لیشمل السنن المؤکدة وغیرها فتصح إذا صلاها قاعداً مع القدرة علی القیام وقد حکی فیه إجماع العلماء إلی قوله.....فلایستثنی من جواز النفل جالساً بلاعذر شیء علی الصحیح (قوله یجوز النفل قاعداً) مطلقاً من غیر کراهة کما فی مجمع الأنهر. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی:۴۰۲، فصل فی صلاة النفل جالساً،قدیمی۔وهکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۲۹۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نفل نماز کے فاسد ہوجانے پر بیٹھ کر اعادہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نفل کھڑے ہوکر شروع کی پھر کسی وجہ سے فاسد ہوگئی اب اس کو بیٹھ کر ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نفل نماز شروع کرنے سے لازم اور واجب ہوجاتی ہے لہذا اب اس کا حکم واجب کا ہے

،تو صورتِ مسئولہ میں بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قوله ويتنفل المقيم راكباً أى بلا عذر.....واحترز بالنفل عن الفرض والواجب بأنواعه كالوتر والنذور وما لزم بالشروع والإفساد وصلاة الجنازة.....فلايجوز على الدابة بلاعذر لعدم الحرج كمافى البحر. (شامى:۱/۲۳۲،سعيد۔وهكذا فى غمزعيون البصائرشرح الأشباه والنظائر۔وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:۴۰۲، قديمى)

امدادالفتاح میں ہے:

لا يصح على الدابة صلاة الفرض ولاالواجبات كالوتر والمنذور وماشرع فيه نفلاً فأفسده. (امداد الفتاح:۴۵۲، بيروت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فرائض کے ساتھ سنن کی قضاء کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے سنت نماز اور فرض نماز بغیر وضو کے پڑھی یاد آنے کے بعد جب قضا کرے گا تو سنت کی قضا کرے گا یا نہیں؟

الجواب: اگر وقت ہی میں یاد آ گیا اور وضو کر کے پڑھنا چاہتا ہے تو سنن بھی دوبارہ پڑھ لے اور اگر بعد از وقت قضا کرنا چاہتا ہے تو قضا فقط فرائض کی ہے سنن کی قضا نہیں ہے صرف فجر کی سنت فرض کے ساتھ قضا کر سکتا ہے زوال سے پہلے۔ ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار میں ہے:

عن أم سلمة رضى الله تعالىٰ عنها **قالت صلى رسول الله ﷺ العصر ثم دخل بيتى فصلى ركعتين فقلت: يارسول الله صليت صلاة لم تكن تصليها قال: قدم على مال فشغلنى عن ركعتين كنت أصليها بعد الظهر فصليتها الآن قلت: يارسول الله أفنقضيها إذا فاتتا قال: لا.** (شرح معانى الآثارللامام الطحاوىؒ:۱/۲۴۱)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ وقت کے بعد سنن کی قضا نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان أن السنة إذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا؟ فنقول بالله التوفيق لاخلاف بين أصحابنا فى سائر السنن سوى ركعتى الفجر أنها إذا فاتت عن وقتها لاتقضى سواء فاتت

Maktaba Tul Ishaat.com

وحدها أومع الفريضة لما روت أم سلمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **أن النبی ﷺ دخل حجرتی بعد العصر**.....**وأما سنة الفجرفإن فاتت مع الفرض تقضی مع الفرض استحساناً لحديث ليلة التعريس فإن النبی ﷺ لما نام فی ذلک الوادی ثم استيقظ بحرالشمس فارتحل منه ثم نزل وأمربلالاً فأذن فصلی رکعتی الفجرثم أمره فأقام فصلی صلاة الفجروأما إذا فاتت وحدها لاتقضی عند أبی حنيفةؒ وأبی يوسفؒ**.(بدائع الصنائع:۱/۲۸۷،سعید)

امدادالفتاح میں ہے:

حكم قضاء الصلاة المسنونة:ولم تقض سنة الفجرإلابفرائضها مع الفرض إلى الزوال سواء قضی الفرض بجماعة أومنفرداً فإنه يصلی السنة ثم يقضی الفرض والقياس أن لاتقضی السنة لاختصاص القضاء بالواجب لكن ورد الخبربقضائها قبل الزوال تبعاً للفرض:وما روی أنه عليه السلام"قضاها مع الفرض غداة ليلة التعريس بعد ارتفاع الشمس"فيبقی مارواه على الأصل فلا تقضی وحدها قبل طلوع الشمس اتفاقاً وتقضی بعده قبل الزوال تبعاً اتفاقاً.....**وأما غيرها من السنن فلا تقضی تبعاً لا فی الوقت على الصحيح**.(امداد الفتاح: ۵۰۲ ،حکم قضاء الصلاة المسنونة ،بیروت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

سنت یا نفل بغیر وضو پڑھنے سے اعادہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے سنت یا نفل نماز بغیر وضو کے پڑھی تو" لزم النفل بالشروع" کی وجہ سے قضا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں قضاء واجب نہیں ہے،اور" لزم النفل بالشروع" کا مطلب یہ کہ شروع کرنا صحیح ہو پھر کسی وجہ سے فاسد ہوگئی اور صورتِ مسئولہ میں بغیر وضو کے شروع کرنا ہی صحیح نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

قال أصحابنا إذا شرع فی التطوع يلزمه المضی فيه.....**ثم الشروع إنما يكون سبب الوجوب إذا صح فأما إذا لم يصح فلا حتی لوشرع فی التطوع على غيروضوء أوفی ثوب نجس لايلزمه القضاء**.(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع:۱/۲۹۱،سعید کمپنی)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

عصر کی سنتِ قبلیہ توڑ دی تو بعد از عصر پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے عصر کی سنتِ قبلیہ شروع کی پھر جماعت شروع ہونے کی وجہ سے توڑ دی تو عصر کے بعد پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: عصر کے بعد پڑھنا مکروہ ہے مکروہ اوقات کے علاوہ میں قضا کرنا صحیح ہے لیکن اگر کسی نے کرلی تو کراہت کے ساتھ ادا ہوجائے گی یعنی ذمہ سے ساقط ہوجائے گی۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو افتتح النافلة فی وقت مستحب ثم أفسدها أو فسدت.....لايقضيها فيما بعد العصر قبل الغروب أو بعد طلوع الفجر قبل ارتفاع الشمس أی يكره أن يقضيها.....ولو قضاها فيهما تسقط عنه وتصح مع الكراهة. (شرح منية المصلی:۲٤٤،سهيل اكيڈمی لاهور۔وكذا فی الدرالمختارمع رد المحتار:۱/۳۷٤،سعيد۔وكذا فی حاشية الطحطاوی علی الدر:۱/۲۹۹)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فرض پڑھنے والے کے پیچھے سنت پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر ایک شخص نے ظہر کی نماز کسی کے پیچھے پڑھ لی اس کے بعد دوسری جگہ کوئی شخص ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا تو یہ شخص اس کے پیچھے ظہر کی سنت ادا کرسکتا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں فرض پڑھنے والے کے پیچھے سنت پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ خروج عن العہدۃ کے لئے مطلق نیت کافی ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے فرمایا ہے: ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ثم اعلم أن ما ذكره المصنف هنا مخالف لما قدمه فی شروط الصلاة بقوله وكفی مطلق نية الصلاة لنفل وسنة وتراويح،وذكر الشارح هناك أنه المعتمد،ونقلنا هناك عن البحر أنه ظاهر الرواية وقول عامة المشايخ وصححه فی الهداية وغيرها، ورجحه فی الفتح ونسبه إلی المحققين.قلت:فعلی هذا يصح الاقتداء فی التراويح وغيرها بمفترض وغيره،ومثلها سائر السنن الرواتب كما تفيده عبارة الخانية تأمل. (شامی:۱/۵۹۰ باب الامامة،سعيد كمپنی)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھنے کا حکم:

سوال: ائمہ اربعہ کے نزدیک مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھنے کا کیا حکم

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے؟

الجواب: احناف کے نزدیک مباح ہے اور شوافع کے دوقول ہیں: (۱) مستحب (۲) مباح، مالکیہ کے نزدیک مستحب نہیں ہے اور بعض کے نزدیک منسوخ ہے اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے مگر سنت نہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وحرر إباحة ركعتين خفيفتين قبل المغرب: وأقره في البحر والمصنف.....وفي الشامي: (قوله وحرر إباحة ركعتين) فإنه ذكر أنه ذهبت طائفة إلى ندب فعلها، وأنه أنكره كثير من السلف وأصحابنا ومالك واستدل لذلك بماحقه أن يكتب سواد الاحداق ثم قال: والثابت بعد هذا هو نفي المندوبة، أم ثبوت الكراهة فلا إلا أن يدل دليل آخر وما ذكر من استلزم تأخير المغرب فقد قدمنا عن القنية استثناء القليل، والركعتان لا يزيد على القليل إذ تجوز فيهما. (الدرالمختار مع رد المحتار: ۱۴/۲، باب الوتر والنوافل، سعید۔ وکذا فی تبیین الحقائق: ۸۷/۱، مکروهات الصلاۃ، امدادیة ملتان۔ وکذا فی فتح القدیر: ۴۴۵/۱، باب النوافل۔ والفتاوی الهندیة: ۵۲/۱)

شرح المہذب میں ہے:

فرع في استحباب ركعتين قبل المغرب وجهان مشهوران في طريقة الخراسانيين (الصحيح) منهما الاستحباب لحديث عبد الله بن مغفل رضی اللہ عنہ.....الخ. (شرح المهذب: ۸/۴ باب صلاة التطوع، دارالفکر۔ وکذا فی روضة الطالبین: ۳۲۷/۱، فی صلاة التطوع، المکتبة الاسلامی۔ وکذا فی حاشیة الجمل: ۴۸۱/۱، باب فی صلاة النفل، دارالفکر)

فتح الباری میں ہے:

وادعى بعض المالكية نسخها فقال: إنما كان ذلك في أول الأمر حيث نهى عن الصلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس.....الخ. (فتح الباری: ۱۰۸/۲، کتاب الاذان باب کم بین الاذان والاقامة۔ وفی مواهب الجلیل: ۴۱۰/۲، دارالکتب العلمیة، بیروت)

المغنی میں ہے:

ركعتان قبل المغرب بعد الأذان فظاهر كلام أحمدؒ: أنهما جائزتان وليستا سنة ..... الخ. (المغنی لابن قدامة: ۷۶۶/۱، دارالکتب العلمیة، بیروت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا حکم:

سوال: عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنے کو فقہاء نے مستحب لکھا ہے اور بعض کتابوں میں حدیث مذکور ہے لیکن کتبِ حدیث میں یہ روایت نہیں ملتی ،البتہ ایک عمومی حدیث سے استدلال کر سکتے ہیں مثلاً آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے، پھر اس حدیث سے مطلق نماز مراد ہے اور وہ دو رکعتیں ہیں، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے اصول کے مطابق کہ رات کی نماز چار رکعت ایک تحریمہ سے پڑھنا افضل ہے اس وجہ سے فقہاء نے چار رکعتیں مستحب قرار دی ہے، اور بعض نے فرمایا کہ اختیار ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن عبداللّٰہ بن مغفل ؓ أنه علیه السلام قال: بین کل أذانین صلاة بین کل أذانین صلاة ثم قال فی الثالثة: لمن شاء ". (رواه البخاری: ۸۷/۱، باب بین کل اذانین صلاة، فیصل)

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وندب أربع قبل العشاء لماقاله فی الاختیار شرح المختار: یستحب أن یصلی قبل العشاء أربعاً وقیل: رکعتین،.....وعن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها "أنه علیه السلام کان یصلی قبل العشاء أربعاً ثم یصلی بعدها أربعاً ثم یضطجع". (امداد الفتاح: ص ۴۲۸، بیروت۔ وکذافی الاختیار ۷۲/۱، باب النوافل، بیروت)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وأما الأربع قبل العشاء فلم یذکر فی خصوصها حدیث لکن یستدل له بعموم ماروا ه الجماعة من حدیث عبداللّٰه بن مغفل ؓ أنه علیه السلام قال: بین کل أذانین صلاة بین کل أذانین صلاة ثم قال فی الثالثة: لمن شاء "فهذا مع عدم المانع من التنفل قبلها یفید الاستحباب لکن کونها أربعاً یتمشی علی قول أبی حنیفة ؒ لأنها الأفضل عنده فیحمل علیها لفظ الصلاة حملاً للمطلق علی الکامل ذاتاً ووصفاً. (شرح منیة المصلی: ص ۳۸۵، سهیل)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا حکم:

سوال: وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا احادیث سے ثابت ہے نیز اکابرین کے مختلف فتاوی میں بھی مذکور ہے، البتہ کتبِ فقہیہ میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا، لیکن علامہ شامیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا یہ فرمان نقل کیا ہے "إذا صح الحديث فهو مذهبي" لہذا اس کی بنا پر وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے سے دائرۂ مذہب سے خارج نہیں ہوگا بلکہ عینِ مذہب پر عمل ہوگا چونکہ صحیح احادیث موجود ہیں۔ حضرت گنگوہیؒ نے بھی (فتاوی رشیدیہ ص:۳۸۴) پر تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں مسلم شریف میں ہے:

عن أبي سلمة قال: سألت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها عن صلاة رسول الله ﷺ فقالت: كان يصلي ثلاث عشرة ركعة ثم يصلي ثماني عشرة ركعة ثم يوتر ثم يصلي ركعتين وهو جالس فإذا أراد أن يركع قام فركع ثم يصلي ركعتين بين النداء والإقامة من صلاة الصبح. (رواه مسلم: ۱/۲۵٤)

بیہقی سنن کبری میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن النبي ﷺ كان يصلي بعد الوتر الركعتين وهو جالس. (السنن الكبرى للبيهقي: ۳/۳۳، دار المعرفة)

مزید ملاحظہ فرمائیں: (بخاری شریف: ۱/۱۵۵. باب المداومة على ركعتي الفجر. مسلم شريف: ۱/۲۵۶. وابوداود شريف: ص ۱۹۰. جامع ترمذی شریف: ۱/۱۰۸. وابن ماجه شريف: ص ۸۳. ومسند امام احمد بن حنبل: ۶/۲۹۸/۲۶۵۹۵. ودارقطنی: ۲/۳۷. ومؤطا امام محمد: ص ۱۴۸).

معارف السنن میں ہے:

والركعتان بعد الوتر لم يروعن أبي حنيفةؒ والشافعيؒ شئ. وأنكرهما مالكؒ، وقال أحمدؒ: لا أفعلهما ولا أمنع من فعلهما، حكاه النوويؒ في "شرح مسلم" و"شرح المهذب" وكذا في "شرح المواهب" وأباحهما الأوزاعيؒ..... وحكي عن أبي الحسن الآمديؒ: أنهما من السنن الراتبة، وذكر أنه أوصىٰ بهما خالد بن معدان، وكثير بن مرة الحضرمي، وفعلهما حسن. (معارف السنن: ٤/۲۰۵، بيان المذاهب في الركعتين بعد الوتر جالساً، سعيد)

شامی میں ہے:

وفی حاشیة البحر للخیر الرملی: رأیت فی کتب الشافعیة أنه قد سن الأذان لغیر الصلاة..... وعند تغول الغیلان: أی عند تمرد الجن لخبر صحیح فیه. أقول: ولا بعد فیه عندنا، أی لأن ما صح فیه الخبر بلا معارض فهو مذهب للمجتهد وإن لم ینص علیه، لما قدمناه فی الخطبة عن الحافظ ابن عبد البرؒ والعارف الشعرانیؒ عن کل من الأئمة أنه قال: إذا صح الحدیث فهو مذهبی. (الشامی: ۱/۳۸۵، مطلب فی المواضع التی یندب لها الأذان فی غیر الصلاة، سعید۔ شرح عقود رسم المفتی: ص ۱۷)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

وتر کے بعد نوافل پڑھنا جائز ہے، چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم جو عشاء کے بعد وتر پڑھ لیتے تھے وہ آخر رات میں تہجد پڑھتے تھے تو معلوم ہوا کہ وتر کے بعد نوافل ممنوع نہیں ہیں نیز آنحضرت ﷺ نے بعد وتر کے دو رکعت نفل پڑھی ہیں۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۴/۲۲۰، مسائل سنن غیر مؤکدہ، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)

مزید ملاحظہ ہو: آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۳۳۵۔ وکفایت المفتی: ۳/۳۱۸۔ وفتاوی محمودیہ: ۷/۲۲۴۔ وفتاوی رحیمیہ: ۳/۲۴۔

اشکال اور جواب:

اشکال: "اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وتراً" کی حدیث کے ساتھ رکعتین بعد الوتر والی روایت کا تعارض ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں: (۱) "اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وتراً" کا حکم استحباب پر مبنی ہے اور رکعتان بعد الوتر جواز کے لئے ہے۔

(۲) یہ دو رکعتیں وتر کی تکمیل کے لئے ہیں۔

(۳) رات کی آخری نماز وتر کو رکھو مغرب اور عشاء پہلے ہوا اور وتر بعد میں۔

(۴) رات کو آخری نماز جو عشاء مع الوتر ہیں اس کا مجموعہ وتر یعنی طاق بناؤ مطلب یہ کہ وتر کو مت چھوڑو یہ بھی لازم ہے، اور وتراً نکرہ سے اس توجیہ کی تائید ہوئی کیونکہ صلاۃ وتر کے لئے معرفہ الوتر کا لفظ احادیث میں مستعمل ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

عشاء کے بعد تہجد کی نیت سے دو یا چار رکعات پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص تہجد کے لئے بیدار نہیں ہوسکتا ہے تو عشاء کے بعد دو یا چار رکعات پڑھنے سے تہجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: تہجد اصل میں نیند سے بیدار ہونے کے بعد پڑھی جانے والی نماز ہے لہذا کوشش یہی کرنا چاہئے کہ سوکر اٹھنے کے بعد اخیر شب میں پڑھے لیکن کوشش کے باوجود اٹھنا مشکل ہے یا طالبِ علم رات کو دیر تک مطالعہ میں مشغول رہتا ہے سونے سے پہلے دو یا چار رکعات تہجد کی نیت سے پڑھ لے تو امید ہے کہ ثواب مل جائے گا۔ ملاحظہ ہو البحرالرائق میں ہے:

ومن المندوبات صلاة الليل حثت السنة الشريفة عليها كثيراً وأفادت أن لفاعلها أجراً كبيراً فمنها ما في صحيح مسلم مرفوعاً.....وروى الطبراني مرفوعاً لابد من صلاة بليل ولوحلب شاة وماكان بعدصلاة العشاء قبل النوم. (البحرالرائق:۲/۵۲،باب النوافل ،الماجدية)

شامی میں ہے:

قلت:قد صرح بذلک فی الحلية،ثم قال فيها بعد كلام:ثم غيرخاف أن صلاة الليل المحثوث عليها هی التهجد،وقد ذكرالقاضی حسين من الشافعية أنه فی اصطلاح التطوع بعد النوم،وأيد بما فی مجمع الطبرانی من حديث الحجاج بن عمرو ﷺ قال:" يحسب أحدكم إذا قام من الليل يصلی حتی يصبح أنه قد تهجد،إنما التهجد،المرء يصلی الصلاة بعد رقده"غيرأن فی سنده ابن لهيعة وفيه مقال،لكن الظاهررجحان حديث الطبرانی الأول لأنه تشريع قولی من الشارع ﷺ بخلاف هذا،وبه ينتفی ماعن أحمد من قوله قيام الليل من المغرب إلی طلوع الفجر.....أقول:الظاهرأن حديث الطبرانی الأول بيان لكونه وقته بعد صلاة العشاء ، حتی لو نام ثم تطوع قبلها لا يحصل السنة فيكون حديث الطبرانی الثانی مفسراً للأول،وهوأولیٰ من إثبات التعارض والترجيح ،لأن فيه ترک العمل بأحدهما،ولأنه يكون جارياً علی الاصطلاح، ولأنه المفهوم من اطلاق الآيات والآحاديث،ولأن التهجد إزالة النوم بتكلف مثل:تأثم أی تحفظ عن الإثم،نعم صلاة الليل وقيام الليل أعم من التهجد وبه يجاب ماورد علی قول الإمام أحمد هذا ما ظهرلی.والله أعلم. (شامی:۲/۲٤،باب النوافل،سعيد

کمپنی ۔وھکذا فی شرح منیة المصلی:٤٢٤،سھیل)

نیز ملاحظہ ہو: (امدادالمفتیین جلد دوم:۳۵۹۔وفتاوی محمودیہ:۷/۲۳۴،باب السنن والنوافل، جامعہ فاروقیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ تہجد باجماعت ادا کرنے کا حکم:

سوال: رمضان المبارک میں تہجد کی نماز قصداً باجماعت ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ نفل کی جماعت مکروہ ہے ہاں کبھی بغیر تداعی کے ایک دو کسی کی اقتداء کرے تو گنجائش ہے البتہ مداومت مکروہ ہے افضل اور بہتر یہ ہے کہ تنہا ادا کی جائے۔ مراقی الفلاح میں ہے:

والجماعة فی النفل فی غیر التراویح مکروهة فالاحتیاط ترکها.....وعن شمس الأئمةؒ أن هذا أی کراهة الجماعة فی النفل إذا کان علی سبیل التداعی أی طریق یدعو الناس للاجتماع علیهم أما لو اقتدی واحد بواحد أو اثنان بواحد لایکره لأن النبی ﷺ أم ابن عباس رضی الله تعالی عنهما فی صلاة اللیل.....وصح أنه ﷺ أم أنساً والیتیم والعجوز فصلی بهم رکعتین، وکانت نافلة وإذا اقتدی ثلاثة بواحد اختلف فیه والأصح عدم الکراهة، وإن اقتدی أربعة بواحد کره اتفاقاً. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی:۳۸٦،باب الوتر، قدیمی کتب خانه۔وکذا فی الشامی:۲/٤۹، کراهة الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی، سعید کمپنی۔وکذا فی المبسوط للامام السرخسیؒ :۲/۸٦، باب صلاة الکسوف، ادارة القرآن)

ہاں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن میں تحریر فرمایا ہے کہ بغیر اہتمام کے تین سے زیادہ آدمی جمع ہو جائیں تو یہ بھی تداعی میں شامل نہیں ہے اور یہی اقرب الی اللغۃ ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت: وتفسیر التداعی بالاهتمام والمواظبة أولیٰ من تفسیرها بالعدد والکثرة کما لایخفیٰ، لأن الأول أقرب إلی اللغة وأشبه بهادون الثانی. (اعلاء السنن:۷/۹۳،باب کراهة الجماعة فی النوافل، ادارة القرآن، کراچی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تہجد کی نماز میں صبح صادق طلوع ہونے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص تہجد پڑھ رہا تھا اور فجر کا وقت داخل ہوگیا تو یہ نفل واجب الاعادہ ہے یا مستحب الاعادہ یا کیا حکم ہے؟

الجواب: تہجد پڑھتے وقت صبح صادق طلوع ہوجائے تو نماز پوری کرلے، یہ نفل صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

لو صلی تطوعاً فی آخر اللیل فلما صلی رکعة طلع الفجر فإن الأفضل إتمامها، لأن وقوعه فی التطوع بعد الفجر لاعن قصد ولاینوبان عن سنة الفجر علی الأصح. (شامی: ۱/۳۷٤، سعید کمپنی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومن صلی تطوعاً فی آخر اللیل فلما صلی رکعة طلع الفجر کان الإتمام أفضل.....

(الفتاوی الهندیة: ۱/۵۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تہجد کے وقت قضاء عمری پڑھنے سے تہجد کا ثواب مل جائے گا:

سوال: اگر کوئی شخص تہجد کے وقت قضاء عمری پڑھے تو کیا اسے تہجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: تہجد کے وقت قضاء عمری پڑھنے سے نمازِ تہجد کا ثواب مل جائے گا۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ظاهر مامر أن التهجد لایحصل إلا بالتطوع، فلو نام بعد صلاة العشاء ثم قام فصلی فوائت لایسمی تهجداً وتردد فیه بعض الشافعیة.....قلت: والظاهر أن تقییده بالتطوع بناء علی الغالب وأنه یحصل بأی صلاة کانت لقوله فی الحدیث المار "وماکان بعد صلاة العشاء فهو من اللیل". (شامی: ۲/۲٤، فی صلاة اللیل، سعید)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اگر کوئی نیند سے اٹھ کر فوت شدہ نماز کی قضاء کرے تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ بھی تہجد میں سے شمار ہوتی ہے۔ (فتاوی حقانیہ: ۳/۲۶۰، باب السنن والنوافل)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تراویح پڑھنے والے کے پیچھے تہجد پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے چار رکعات تراویح چھوڑ دی جب اس کو اخیر شب میں ادا کرتا ہے تو تہجد والا اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تہجد پڑھنے والا تراویح پڑھنے والے کے پیچھے پڑھ سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ولو اقتدی من یصلی سنة بمن یصلی سنة أخری فإنه یجوز کسنة العشاء خلف من یصلی التراویح.....(البحر الرائق: ۱/۳۶۱، باب الامامة، الماجدیة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

لو اقتدی من یصلی السنة بعد العشاء لمن یصلی التراویح ولو نوی سنة العشاء جاز

.....(الفتاوی الهندیة: ۱/۱۱۷۔ وکذا فی الفتاوی الولوالجیة: ۱/۱۷۔ وکذا فی الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۹۶۔ و فی بدائع الصنائع: ۱/۲۹۰، سعید)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اشراق کی نماز میں دو سے زیادہ رکعت کا ثبوت:

سوال: اشراق کی نماز میں فقہائے کرام دو یا چار رکعت پڑھنا تحریر فرماتے ہیں، احادیث میں دو رکعت سے زائد ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث میں دو رکعت سے زائد پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو الترغیب والترہیب میں ہے:

روی عن أبی أمامة رضی اللہ عنہ قال: من صلی الفجر ثم ذکر اللہ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین أو أربع رکعات لم تمس جلده النار وأخذ الحسن بجلده فمده، رواه البیهقی.(الترغیب والترهیب: ۱/۱۷۸)

شعب الایمان میں ہے:

عن العلاء وأبی الجهم قالا: کان الحسن بن علی جالساً بعد صلاة الصبح فی المسجد فأتاه رجل فدعاه وجلساء ه إلی طعام فأضرب عنه ثم دعا فدعاه فقال الحسن لجلسائه

Maktaba Tul Ishaat.com

قوموا فما منعنی أن أجیبه فی المرة الأولیٰ إلا أنی سمعت رسول الله ﷺ یقول: "من صلی الغداة ثم ذکر الله عزوجل حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین أوأربع رکعات لم تمس جلده النار" وأخذ الحسن بجلده فمده فإذا الذی دعاهم عبد الله بن الزبیر فلما وضع الطعام قال الحسن: إنی صائم فقال ابن الزبیر: اتحفوه بتحفة. (شعب الایمان:۳/۴۲۰)

سنن ترمذی میں ہے:

عن أبی الدرداء وأبی ذر رضی الله عنهما عن رسول الله ﷺ عن الله تبارک وتعالی أنه قال" ابن آدم ارکع لی أربع رکعات من أول النهار أکفک آخره". (رواه الترمذی:۱/۱۰۸،باب ما جاء فی صلاة الضحی،فیصل۔وأبو داؤد:۱/۱۸۳)

اس حدیث کو محدثین نے صلوۃ الضحی کے باب میں ذکر فرماتے ہیں لیکن نمازِ اشراق کی فضیلت میں بھی ہوسکتی ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک اشراق اور چاشت دونوں ایک ہی نماز ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

قال الفقهاء والمحدثون: إن صلاة الضحی وصلاة الإشراق واحدة إن صلی بمجرد ذهاب الوقت المکروه بعد الطلوع فصلاة إشراق ولو تأخر عنه بزمان فصلاة الضحی غیر صلاة الإشراق و یفیدهما ما روی علی أن النبی ﷺ صلی الإشراق حین کانت الشمس من ههنا مقدار مایکون ههنا وقت العصر..... (العرف الشذی علی هامش الترمذی:۱/۱۰۷،باب ما جاء فی صلاة الضحی). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم:

سوال: تحیۃ المسجد سنت ہے یا مستحب؟ اگر نوافل کا وقت نہ ہو تو کیا کرے؟

الجواب: تحیۃ المسجد سنت ہے لیکن مسجد میں داخل ہونے کے بعد فرض یا سنتِ قبلیہ میں مشغول ہوگیا تو یہ نماز تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوجائے گی۔

اگر مکروہ وقت ہو جس میں نوافل نہیں پڑھ سکتے تو ذکر واذکار میں مشغول ہوجائے مثلاً "**سبحان الله و الحمد لله ولا إله إلا الله والله أکبر**" وغیرہ۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ويسن تحية) كتب الشارح في هامش الخزائن أن هذا رد على صاحب الخلاصة حيث ذكر أنها مستحبة.....ثم قال: وقد حكى الإجماع على سنيتها غير أن أصحابنا يكرهونها في الأوقات المكروهة تقديماً لعموم الحاظر على عموم المبيح ..... فإنه يسبح ويهلل ويصلي على النبي ﷺ فإنه حينئذٍ يؤدي حق المسجد، كما إذا دخل للمكتوبة فإنه غير مأمور بها حينئذٍ كما في التمرتاشي.....قال في النهي: وينوب عنها كل صلاة صالها عند الدخول فرضاً كانت أو سنة، وفي البناية معزياً إلى مختصر المحيط أن دخوله بنية الفرض أو الاقتداء ينوب عنها وإنما يؤمر بها إذا دخله لغير صلاة (قوله في الضياء) عبارته وقال بعضهم: من دخل المسجد ولم يتمكن من تحية المسجد إما لحدث أو لشغل أو نحوه يستحب له أن يقول: سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، قاله أبو طالب المكي في قوت القلوب. (شامی: ۲/۱۸، ۱۹، باب النوافل، سعید)

معارف السنن میں ہے:

الصلاة هذه تسمى تحية المسجد سنة عندنا وعند الكل عبّر عنها بالسنة صاحب الدر المختار وعبّر عنها صاحب الخلاصة بأنها مستحبة وكذالك اختلف فيها كلمات المالكية والشافعية والأمر متقارب. (معارف السنن: ۳/۴۹۵، سعید)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تحیۃ المسجد باوجود قدرت کے بیٹھ کر پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص مسجد میں آکر کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر تحیۃ المسجد پڑھ لے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب: نفل نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا بالکل جائز اور درست ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں تحیۃ المسجد بھی نفل کی ایک قسم ہے اس وجہ سے بیٹھ کر پڑھنا جائز اور درست ہے۔ البتہ ثواب میں کمی ہوگی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عمران بن حصين رضی اللہ عنہ قال: سألت النبي ﷺ عن صلاة الرجل وهو قاعد فقال: "من

Maktaba Tul Ishaat.com

صلی قائماً فهو أفضل ومن صلی قاعداً فله نصف أجر القائم..... (رواه البخاری:۱/۱۵۰/۱۱۰۵،فیصل)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

یجوز النفل إنما عبر به لیشمل السنن المؤکدة وغیرها فتصح إذا صلاها قاعداً مع القدرة علی القیام وقد حکی فیه إجماع العلماء إلی قوله.....**فلا یستثنی من جواز النفل جالساً بلا عذر شیء علی الصحیح (قوله یجوز النفل قاعداً)مطلقاً من غیر کراهة کما فی مجمع الأنهر.**

(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی:۴۰۲، فصل فی صلاة النفل جالسا،قدیمی۔وهکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار۱/۲۹۲۔والدرالمختارمع الشامی:۲/۳۶،سعید)۔**واللہ تعالیٰ اعلم**۔

صلاۃ التسبیح باجماعت ادا کرنے کا حکم:

سوال: صلاۃ التسبیح باجماعت ادا کرسکتے ہیں عندالاحناف والشوافع کیا حکم ہے؟

الجواب: صلوۃ التسبیح باجماعت ادا کرنا درست نہیں ہے،احناف اورشوافع دونوں کے ہاں یہی حکم ہے اس لئے کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے مگر کبھی کبھی ایک دوکسی کی اقتداء کرے بغیر تداعی کے تو درست ہے اسی طرح تین ہوں تو بھی اصح قول کے مطابق بلا کراہت صحیح ہے البتہ چار ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

ہاں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن میں تحریر فرمایا ہے کہ بغیر اہتمام کے تین سے زیادہ آدمی جمع ہوجائیں تو یہ بھی تداعی میں شامل نہیں ہے اور یہی اقرب الی اللغۃ ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت:وتفسیر التداعی بالاهتمام والمواظبة أولیٰ من تفسیرها بالعدد والکثرة کما لایخفیٰ،لأن الأول أقرب إلی اللغة وأشبه بهادون الثانی. (اعلاء السنن:۷/۹۳،باب کراهة الجماعة فی النوافل،ادارة القرآن،کراچی)

مراقی الفلاح میں ہے:

والجماعة فی النفل فی غیر التراویح مکروهة فالاحتیاط ترکها.....**وعن شمس الأئمةؒ أن هذا أی کراهة الجماعة فی النفل إذا کان علی سبیل التداعی أی طریق یدعو الناس**

للاجتماع عليهم أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لايكره لأن النبی ﷺ أم ابن عباس رضی الله تعالى عنهما فی صلاة الليل.....وصح أنه ﷺ أم أنساً واليتيم والعجوز فصلى بهم ركعتين،وكانت نافلة وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه والأصح عدم الكراهة،وإن اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقاً. (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی:۳۸٦، باب الوتر، قديمی كتب خانه۔وكذا فی الشامی:۲/٤۹،كراهة الاقتداء فی النفل على سبيل التداعی، سعيد كمپنی۔وكذا فی المبسوط للامام السرخسی:۲/۸٦، باب صلاة الكسوف،ادارة القرآن)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

صلاۃ التسبیح جماعت کے ساتھ منقول ومشروع نہیں ہے۔(فتاوی محمودیہ:۷/۲۵۳،باب السنن والنوافل،جامعہ فاروقیہ ۔وفتاوی حقانیہ:۳/۲٦٦،باب السنن والنوافل)

البجیرمی میں ہے:

تتمة: من القسم الذی لاتسن الجماعة فيه صلاة التسابيح. (البجيرمی على الخطيب:۲/۸۰ القول فی النوافل المؤكدة بعدالرواتب،التوفيقية)

نہایۃ المحتاج میں ہے:

ومما لاتسن فيه الجماعة.....وصلاة التسبيح. (نهاية المحتاج:۲/۱۲۲،باب فی صلاة النفل،دار الفكر)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صلاۃ التسبیح مختصر ومطول کا ثبوت اور دونوں کے مابین فرق:

سوال: صلاۃ التسبیح مطول اور مختصر میں کیا فرق ہے؟ اور سند کے اعتبار سے دونوں میں کونسی زیادہ اصح ہے؟

جواب: صلاۃ التسبیح مطول سب سے زیادہ مشہور ہے اور سند کے اعتبار سے زیادہ ٹھیک طریق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے اس میں ایک راوی موسیٰ بن عبدالعزیز پر بعض نے کچھ کلام کیا ہے اور محدثین کے مختلف نظریات ہیں بعض کے نزدیک حسن اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے البتہ موضوع کہنا غلط ہے۔

اور شیخ البانی نے صحیح قرار دیا ہے ملاحظہ ہو:تعليق الالبانی على سنن الترمذی:۲/۳۵۰/٤۸۲،بيروت۔وسنن ابن

Maktaba Tul Ishaat.com

ماجة:۱/۴۴۲/۱۳۸۶،بیروت۔وسنن ابی داود:۱/۴۹۹/۱۲۰۰،بیروت۔ لیکن اسی روایت کو صحیح ابن خزیمہ کی تعلیق میں ضعیف قرار دیا ہے۔ملاحظہ ہو:صحیح ابن خزیمة:۱/۱۲۱۶،باب صلاة التسبیح،المکتب الاسلامی۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ مجموعہ طرق کی وجہ سے درجۂ حسن سے کم نہیں ہے۔

ہاں صلاۃ التسبیح مختصر سند کے اعتبار سے اصح ہے۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ مختصر میں تسبیحات کی تعداد تیس ہے اور مطول میں کل تعداد تین سو ہے، ہر رکعت میں پچھتر ہے۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أبی رافع ﷺ قال قال رسول الله ﷺ للعباس ﷺ ألا أصلک ألا أحبوک ألا أنفعک قال بلی یارسول الله قال:یا عم صل أربع رکعات تقرأ فی کل رکعة بفاتحة الکتاب وسورة فإذا انقضت القراء ة فقل الله أکبروالحمد لله وسبحان الله ولاإله إلاالله خمس عشرة مرة قبل أن ترکع ثم ارکع فقلها عشراً ثم ارفع رأسک فقلها عشراً ثم اسجد فقلها عشراً ثم ارفع رأسک فقلها عشراً ثم اسجد فقلها عشراً ثم ارفع رأسک فقلها عشراً قبل أن تقوم فذلک خمس وسبعون فی کل رکعة وهی ثلثة مائة فی أربع رکعات ولوکان ذنوبک مثل رمل عالج غفرها الله لک.....قال أبوعیسی هذا حدیث غریب من حدیث رافع..... عن أنس بن مالک ﷺ أن أم سلیم غدت علی النبی ﷺ فقالت علمنی کلمات أقولهن فی صلا تی فقال:کبری الله عشراً وسبحی الله عشراً واحمدیه عشر اً ثم سلی ما شئت یقول نعم نعم.وفی الباب عن ابن عباس ﷺ وعبدالله بن عمرو ﷺ والفضل بن عبا س ﷺ وأبی رافع ﷺ قال أبوعیسی حدیث أنس ﷺ حدیث حسن غریب وقد روی عن النبی ﷺ غیرحدیث فی صلاة التسبیح ولایصح منه کبیرشیء وقد روی ابن المبارک وغیرواحد من أهل العلم صلاة التسبیح ذکروالفضل فیه.(ترمذی شریف:۱/۱۰۹ باب ماجاء فی صلاة التسبیح،فیصل)

قال الألبانی:صحیح.(سنن ترمذی:۲/۳۵۰/۴۸۲،بیروت)

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

والحدیث فی صلاة التسبیح مختلف فیه،قیل:ضعیف،وقیل:إنه حسن، وهوالمختار عند جمهورالمحدثین وأدرجه ابن الجوزی فی کتاب الموضوعات،وقال الحافظ ابن

حجر فی أمالیه علی کتاب الأذکار للنووی أنه قد أشار ابن الجوزی حیث أدرجه فی کتاب الموضوعات و کلام الحافظ مضطرب فی الحکم علی حدیث التسبیح فإنه قال فی التلخیص إن کل الأسانید ضعیفة. (العرف الشذی علی سنن الترمذی:۱/۱۹۰،باب ما جاء فی صلاة التسبیح)

نیز ملاحظہ ہو: (ابوداؤد شریف: ص۱۸۳،باب صلاة التسبیح ۔وابن ماجه شریف :ص۹۹، صلاة التسبیح ۔ سنن کبری للبیهقی:۳/۵۱، باب ما جاء فی صلاة التسبیح ۔مجمع الزوائد:۲/۲۸۱،باب صلاة التسبیح ،دارالفکر).

مختصر صلاۃ التسبیح ملاحظہ ہو نسائی شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال:جاء ت أم سلیم إلی النبی ﷺ فقالت:یارسول الله علمنی کلمات أدعوبهن فی صلا تی قال سبحی الله عشراً واحمدیه عشراً و کبریه عشراً ثم سلیه حاجتک یقول:نعم نعم. (نسائی شریف:۱/۱۹۱،باب الذکربعد التشهد)

البانی صاحب فرماتے ہیں:

حسن الأسناد الترمذی. (صحیح و ضعیف سنن النسائی ۳/۴۴۳/۱۲۹۹،تحقیق الالبانی)

صحیح ابن خزیمۃ میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال :جاء ت أم سلیم إلی رسول الله ﷺ فقالت:یارسول الله علمنی کلمات الخ..... وعلی هامشه قال الأعظمی:إسناده حسن۔(صحیح ابن خزیمة مع الحاشیة:۱/۴۳۰/۸۵۰، باب اباحة التسبیح والتحمید والتکبیر فی الصلاة ،المکتب الاسلامی)

صحیح ابن حبان میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال:جاء ت أم سلیم إلی رسول الله ﷺ فقالت:.....الخ. وعلی هامشه: قال شعیب الأرنؤوط:إسناده حسن۔(صحیح ابن حبان:۴/۲۲۹/۲۰۱۱)

مستدرک میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ:أن أم سلیم غدت علی النبی ﷺ فقالت:.....الخ هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم و لم یخرجاه۔ (المستدرك:۲/۴۴۹/۸۹۳).وقال الذهبی فی التلخیص:علی شرط مسلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

لكن قال الألبانی فی "سلسلة الضعيفة والموضوعة": ضعيف.

أخرجه النسائی: ۱/۱۹۱۔والترمذی: ۱/۱۰۹۔وابن خزيمة .....وقال الترمذی: حديث حسن غريب۔

وقال الحاكم صحيح على شرط مسلم، ووافقه الذهبی أقول هو كما قالا، لولا أن عكرمة بن عمار فيه ضعف من قبل حفظ كما أشار إليه الحافظ بقوله: صدوق يخطیء، وفی روايته عن يحيى بن أبی كثير اضطراب، ولم يكن له كتاب، قلت: فبحسب مثله أن يكون حسن الحديث، وأما الصحة فلا، وهذا إذا لم يخالف من هو أوثق من أحفظ، وليس الأمر كذلك هنا. (السلسلة الضعيفة والموضوعة: ۸/۱۶۵)

قلت لا يصح ماقاله الشيخ الألبانی فإن عكرمة بن عمار ثقة إلا فی روايته عن يحيى بن أبی كثير فهی ضعيفة لاضطرابه فيها فقد أطلق توثيقه أيوب السختيانی والعجلی وابن المدينی وأحمد بن حنبل وابن معين وأحمد بن صالح المصری وأبوداؤد وأبوزرعة الدمشقی وابن عمار وعلی بن محمد الطنافسی وإسحاق بن أحمد بن خلف البكاری الحافظ والدارقطنی وغيرهم واجمعوا على اضطراب روايته عن يحيى بن أبی كثير وإنما تكلم منه يحيى بن سعيد القطان لأجل ذلك. (تحرير التقريب: ۳/۳۲)

وهذا الحديث ليس من رواية عكرمة عن يحيى بن أبی كثير فالرواية صحيحة وكون الحديث مرسلاً بسند آخر لاينافی صحة الرواية المرفوعة. والله أعلم،

نیز محدثین کے نزدیک جب کسی حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو اور امت میں تعامل شروع ہو جائے تو وہ حدیث قابلِ استدلال ہو جاتی ہے اور اس حدیث کے صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

ملاحظہ ہو قواعد فی علوم الحدیث میں ہے:

قد يحكم للحديث بالصحة إذا تلقاه بالقبول وإن لم يكن له إسناد صحيح، قال ابن عبد البر فی الاستذكار لما حكی عن الترمذی أن البخاری صحح حديث البحر" هو الطهور ماء ه" وأهل الحديث لايصححون مثل إسناده لكن الحديث صحيح لأن العلماء تلقوه بالقبول.

قلت: والقبول يكون تارة بالقول وتارة بالعمل عليه ولذا قال المحقق فی الفتح و قول

الترمذی العمل علیه عند أهل العلم یقتضی قوة أصله وإن ضعف خصوص هذا الطریق. (قواعد فی علوم الحدیث: ص ٦٠)

دوسری جگہ ہے:

وقا ل البیهقی کان عبد الله بن المبارکؒ یصلیها وتداوله الصالحون بعضهم عن بعض وفی ذلک تقویة للحدیث المرفوع. (قواعد فی علوم الحدیث: ص ٦٢، دارالسلام)

بل الحدیث إذا تلقته الأمة بالقبول فهوعندنا فی معنی المتواتر. واللهأعلم.

معارف السنن میں ہے:

والأحادیث المروية فيها تجاوزالعشرة:من روایة عبد الله بن عباس ﷺ والفضل ﷺ وأبیهما العباس ﷺ وأبی رافع ﷺ وأنس ﷺ وابن عمر ﷺ وعلی بن أبی طالب ﷺ وأخیه جعفر ﷺ وابنه عبد الله بن جعفر ﷺ وأم سلمة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها والأنصاری.....غیر مسمی.....وقیل:هوجابربن عبد الله ﷺ،وقیل أنه أبوکبشة الأنماری ﷺ،تجدهامسرودة فی اللآلی المصنوعة، وأمثل هذه الأحادیث وأشهرها وأصحها إسناداً حدیث ابن عباس ﷺ وموسی بن عبد العزیزفیه وثقة بن معین والنسائی وابن حبان وأخرج البخاری من طریقه فی القراء ة، و أخرج له فی الأدب. وحدیث أبی رافع ﷺ فیه موسی بن عبیدة الربذی ضعفوه، ولکن ابن حبان ذکره فی الثقات،وقال ابن سعد:ثقة ولیس بحجة ،و عسی أن یصلح مثله شاهداً لحدیث ابن عباس ﷺ وأقول:وحدیث عبد الله بن عمرو ﷺ عند أبی داؤد له طرق،وأحسنها طریق أبی داؤد،وقد حسنها المنذری فیکفی شاهداً لحدیث ابن عباس ﷺ،علا أنه قد صححه الحاکم من غیرطریق أبی داؤد أیضا،ووافقه الذهبی فی "تلخیصه"قال:هذا إسناد صحیح لاغبارعلیه.وحدیث أنس ﷺ الذی رواه الترمذی فی الباب الظاهرأنه لاعلاقة له بصلاة التسبیح کما ینبه علیه العراقی وابن حجر وغیرهما، والبقیة لاتخلوعن ضعیف وساقط،وربما أفاد قوة اجتماعها وإن کان آحادها ضعیفة، وصحة حدیث ابن عباس ﷺ وحده یکاد یکون کفیلاً لصحة البقیة والله أعلم . ولاشک أن الشریعة الغراء عینت أنواعاً من الصلاة،وکل نوع لیس له أصل فی الشریعة بدعة،ومن

Maktaba Tul Ishaat.com

أحدثها من غير أصل ثابت ابتدع. والحديث فی صلاة التسبيح قد اختلفوا فيه. الخلاف غالبه فی حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ لاغير، والأقوال فيه وفی غيره تبلغ إلى خمسة: الصحة والحسن.....

فالأول: اختاره أبوعلی بن السكن وابن خزيمة وابن مندة وأبوبكر الآجری وأبوبكر بن أبی داؤد وأبوموسى المدينی والديلمی صاحب مسند الفردوس وأبوبكر الخطيب وأبوسعد السمعانی صاحب "كتاب الأنساب" وأبو الحسن بن الفضل وأبومحمد عبد الرحيم المصری شيخ المنذری وأبوالحسن المقدسی وسراج الدين البلقينی وصلاح الدين العلائی شيخ الحافظ ابن حجر البدر الزركشی، وكلهم من حفاظ الحديث وجهابذة الفن.

والثانی: ذهب إليه ابن المدينی شيخ البخاری ومسلم بن الحجاج والمنذری وابن الصلاح والنووی فی تهذيب الأسماء وفی الأذكار والتقی السبكی وابن حجر فی أمالی الأذكار وفی الخصال المكفرة للذنوب المقدمة المؤخرة. (معارف السنن: ۲۸۴/۴، باب ما جاء فی صلاة التسبيح، سعيد كمپنی)

صلاۃ التسبیح کے بارے میں جو احادیث منقول ہیں وہ تعداد کے اعتبار سے دس سے زیادہ ہیں جو درجِ ذیل صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ (۲) حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ
(۳) حضرت عباس رضی اللہ عنہ (۴) حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ
(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ (۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ
(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۸) حضرت جعفر رضی اللہ عنہ
(۹) حضرت عبیداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ (۱۰) ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ جن کے نام میں اختلاف ہے۔

ان احادیث میں سب سے زیادہ مشہور اور سند کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح اور معتبر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس کے علاوہ دوسری بعض احادیث کو کچھ محدثین نے ضعیف یا موضوع قرار دیا ہے

لیکن قدماء محدثین میں سب سے بڑے اور بہت جلیل القدر حضرات نے صلاۃ التسبیح کی حدیث کو صحیح یا کم از کم حسن قرار دیا ہے اور موضوع ہونے کا قول ان میں سے کسی نے بھی اختیار نہیں کیا۔

چنانچہ درج ذیل محدثینؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے:

(۱) ابوعلی بن سکنؒ (۲) ابن خزیمہؒ
(۳) حاکمؒ (۴) ابن مندہؒ
(۵) ابوبکر الآجریؒ (۶) ابوبکر بن ابوداؤدؒ
(۷) ابوموسی المدینیؒ (۸) دیلمیؒ
(۹) خطیبؒ (۱۰) سمعانیؒ
(۱۱) ابوالحسن المصریؒ (۱۲) ابوالحسن المقدسیؒ
(۱۳) بلقینیؒ (۱۴) علائیؒ
(۱۵) زرکشیؒ (۱۶) البانیؒ

درج ذیل مشائخِ حدیث نے اس کو حسن قرار دیا ہے:

(۱) ابن المدینی جو امام بخاری و امام مسلم کے شیخ ہیں (۲) منذریؒ
(۳) ابن الصلاحؒ (۴) نوویؒ
(۵) سبکیؒ (۶) ابن حجرؒ

یہ سب حضرات حدیث میں امامِ فن اور ماہرِ فن ہیں اور جن کو اس فن میں مقتدا اور امام مانا جاتا ہے اس لئے ان کے مقابلہ میں اس حدیث کو ضعیف یا موضوع کہنے والوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں، شیخ البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بعد نمازِ مغرب اوابین پڑھنے کا حکم:

سوال: مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھنے کو اوابین کہنے کا کیا حکم ہے؟ احادیث سے اس نماز کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اور ائمہ کرام کا کیا مذہب ہے؟ آج کل عرب حضرات اس پر تنقید کرتے ہیں۔

الجواب: مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعات کو اوابین کہنا سلف سے منقول ہے اور اوابین کی نماز

Maktaba Tul Ishaat.com

احادیث سے ثابت ہے اگر چہ احادیث ضعف سے خالی نہیں تاہم مجموعی طور پر درجۂ حسن سے کم بھی نہیں، خصوصاً فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا مسلم ہے اور فقہاءِ کرام کے یہاں بھی صلاۃ الاوابین کا ثبوت ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: " من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتى عشرة سنة" قال أبو عيسى: وقد روى عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها **عن النبی ﷺ قال: " من صلى بعد المغرب عشرين ركعة بنى الله له بيتاً فى الجنة"**

قال أبو عيسىٰ: حديث أبي هريرة رضی الله عنه حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث زيد بن الحباب عن عمر بن أبي خثعم، قال: وسمعت محمد بن إسماعيل يقول: عمر بن عبد الله بن أبي خثعم منكر الحديث وضعفه جداً.

(ترمذی شریف: ۱/۹۸، باب ماجاء فی فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب. وكذا رواه ابن ماجة: ۸۱، باب ماجاء فی الست الركعات بعد المغرب. وكذا رواه الطبرانی فی الكبير: ۱۹/۱۳۹. والأوسط: ۲/۳۳۰/۸۳۱، من اسمه أحمد وقال: لم يروهذا الحديث عن يحيى بن أبی كثير الاعمر بن عبد الله تفرد به زيد بن الحباب. وكذا رواه ابن خزيمة: ۱/۵۸۸/۱۱۹۵، باب فضل التطوع بين المغرب والعشاء، المكتب الاسلامی. وقال الأعظی: إسناده ضعيف. وكذا رواه أبو يعلى فی مسنده: ۱۲/۲۷۵/۵۸۸۷. وكذا رواه المنذری فی الترغيب و الترهيب: ۱/۴۰۴، الترغيب فی الصلاة بين المغرب والعشاء).

حضرت مولانا شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں:

فسمى هذه الصلاة بصلاة الأوابين فى عرف الناس ولم يصح فيها حديث وحديث الباب أيضاً ضعيف والعمل به مع ضعفه. (العرف الشذی علی سنن الترمذی: ۱/۱۰۱، فیصل)

اعلاء السنن میں ہے:

قلت: إخراج ابن خزيمة له فی "صحيحه" يدل على أنه ثقه عنده ويؤيده ما قال فی تهذيب التهذيب (۵/۲۹۱) وأما عبد الله (هو ابن عبد الرحمن بن ثابت بن الصامت) فلم أر فيه جرحاً ولا تعديلاً، لكن إخراج ابن خزيمة له فی صحيحه يدل على أنه عنده ثقة، وجعل العلامة الحافظ السيوطی كل ما فی صحيح ابن خزيمة صحيحاً كما فی كنز

العمال (۳/۱)**فعلی هذا یکون الحدیث صحیحاً وهومقتضی موضوع صحیح ابن خزیمة أیضاً وإن کان عند البخاری والترمذی ضعیفاً،فإن الاختلاف غیرمضرفافهم.** (اعلاء السنن: ۱۹/۷، باب النوافل والسنن،ادارة القرآن).

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن محمد بن عماربن یاسرقال:رأیت عماربن یاسرؓ یصلی بعد المغرب ست رکعات وقال:رأیت حبیبی رسول الله ﷺ یصلی بعد المغرب ست رکعات وقال:"من صلی بعد المغرب ست رکعات غفرت له ذنوبه وإن کانت مثل زبد البحر". رواه الطبرانی فی الثلاثة وقال:تفرد به صالح بن قطن البخاری قلت:ولم أجد من ترجمه۔ (مجمع الزوائد:۲/۲۳۰،باب الصلاة قبل المغرب وبعدها)

طبرانی اوسط میں ہے:

حدثنا محمد بن یحیی قال حدثنا صالح بن قطن البخاری قال:حدثنا عثمان بن محمد بن عماربن یاسرقال:حدثنی أبی عن جدی قال رأیت عماربن یاسرؓ صلی بعد المغرب ست رکعات.....الخ.لایروی هذا الحدیث عن عمار ؓ إلابهذا الإسناد تفرد به صالح بن قطن. (رواه الطبرانی فی الأوسط:۸/۱۲۰/۷۲۴۱، مکتبة المعارف ریاض)

لسان المیزان میں ہے:

له حدیث فی صلاة عمار ؓ ست رکعات بعد المغرب،وهوغریب لأنه تفرد به وأورده ابن الجوزی فی العلل وقال فی إسناده مجاهیل. (لسان المیزان:۲/۲۹۵/۳۸۸۰، المطبوعات الاسلامی).

وذکره المنذری فی الترغیب والترهیب:

وقال صالح هذا لایحضرنی الآن فیه جرح ولاتعدیل. (الترغیب والترهیب:۱/۴۰۴، الترغیب فی الصلاة بین المغرب والعشاء،بیروت).

فیض القدیر میں ہے:

"**من صلی ست رکعات بعد المغرب قبل أن یتکلم غفرله ذنوب خمسین سنة**" رواه ابن

Maktaba Tul Ishaat.com

نصرفی الصلاة عن ابن عمربن الخطاب وفيه محمد بن غزوان قال فی الميزان:عن أبی زرعة منكر الحديث و عن ابن حبان:يقلب الأخباروير فع الموقوف.(فيض القدير:٦/١٩٨).

الترغیب والترہیب میں ہے:

وروى عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها .....**وهذا الحديث الذى أشارإليه الترمذى.** ورواه ابن ماجة من رواية يعقوب بن الوليد المدائنى عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة،ويعقوب كذبه أحمد و غيره۔(الترغيب والترهيب:١/٤٠٤،الترغيب فى الصلاة بين المغرب والعشاء).

ترمذی شریف میں ہے:

قال أبوعيسى وقد روى عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها**عن النبى ﷺقال:"من صلى بعد المغرب عشرين ركعة بنى الله له بيتا فى الجنة"**. (ترمذى شريف:١/٩٨،باب ما جاء فى فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب).

وروى محمد بن المنكدرمرسلاً:من صلى ما بين المغرب والعشاء فإنها صلاة الأوابين.

فیض القدیر میں ہے:

من صلى مابين المغرب والعشاء فإنها فى رواية فإن ذلك صلاة فى رواية من صلاة الأوابين ثم تلا قوله تعالى:﴿إنه كان للأوابين غفوراً﴾ (الاسراء:٢٥) **ابن نصرفى كتاب الصلاة عن محمد بن المنكدرمرسلاً ورواه أيضاً ابن المبارك فى الرقائق.** (فيض القدير: ٦/١٩٧/٨٨٠٤۔وكذا فى الاستذكار:٢/٤٠۔والتمهيد:٩/١٩/٢٣۔والتيسيرشرح الجامع الصغير:٢/٨٢٧)

علامہ بنوریؒ احادیث الباب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولم يصح فيها حديث أى فى فضل الست والأربع والعشرين مع كثرة الأحاديث الواردة فيها ، فإنها لا تخلوعن ضعيف أومجهول، و تجد هذه الروايات مجموعة فى شرح المنتقى وبعضها فى زوائد الهيثمى ولكن بضم بعضها إلى بعض يقوى حالها،وبالأخص فى باب الفضائل فإنه واسع وفضل الله أوسع وحديث الباب ضعيف والعمل به مع ضعفه.

(معارف السنن:٤/١١٤،النوافل بعدالمغرب وتحقيق صلاة الأوابين،سعيد)

حیاۃ الصحابہ میں ہے:

أخرج ابن زنجويه عن ابن عباس ﷺ قال:إن الملائكة لتحف بالذين يصلون بين المغرب والعشاء وهي صلاة الأوابين،كذا في الكنز: ٤/١٩٣.(حياة الصحابة:٣/٣٧٦، الاهتمام بالنوافل بين المغرب والعشاء ،المكتبة التجارية).

لفظ"الأوابين"کا استعمال:

فیض القدیر میں ہے:

من صلى ما بين المغرب والعشاء فإنها في رواية فإن ذلك صلاة في رواية من صلاة الأوابين ثم تلا قوله تعالى:﴿فإنه كان للأوابين غفوراً﴾(الاسراء:٢٥) ابن نصر في كتاب الصلاة عن محمد بن المنكدر مرسلاً ورواه أيضاً ابن المبارك في الرقائق. (فيض القدير: ٦/١٩٧/٨٨٠٤ـوكذا في الاستذكار:٢/٤٠ـوالتمهيد:١٩/٢٣ـوالتيسيرشرح الجامع الصغير:٢/٨٢٧)

شرح بلوغ المرام میں ہے:

ما بين المغرب والعشاء و يقولون:الصلاة في هذا الوقت هي صلاة الأوابين. (شرح بلوغ المرام:١/٢٦٨للشيخ عطيه سالم)

مرقات شرح مشکاۃ میں ہے:

قال ابن الملك عن ابن عباس ﷺ:الصلاة بين المغرب والعشاء صلاة الأوابين،رواه الترمذي.(مرقات شرح مشكاة:٤/٢٨٣،باب السنن وفضائلها)

معارف السنن میں ہے:

قال الشيخ:التنفل بعد صلاة المغرب بست ركعات يسمى بصلاة الأوّابين في عرف الناس،ولعله أراد رحمه الله أنه لم يثبت تسميتها صلاة الأوابين في رواية وإن قد اشتهرت بها في العرف،والأمر كذلك،فقد ورد في حديث زيد بن أرقم عند أحمد و مسلم وترمذي وابن أبي شيبة وغيرها تسمية صلاة الضحى بصلاة الأوابين فقال ﷺ : صلاة الأوابين إذا رمضت الفصال من الضحى،وفي تفسير القرطبي عن عون العقيلي قال:الأوّابون هم الذين يصلون صلاة الضحى وعزاه في"شرح المنتقى"إلى الأصبهاني في الترغيب عن عون غير أنه قال:سميت الصلاة ما بين المغرب والعشاء في رواية مرسلة بصلاة الأوابين أيضاً

Maktaba Tul Ishaat.com

ففی شرح المنتقی فی باب ما جاء فی الصلاة بین العشائین: روی عن محمد بن المنکدر أن النبی ﷺ قال: إنها صلاة الأوابین وفی الحلبی الکبیر عن المبسوط من حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعاً قال: من صلی بعد المغرب ست رکعات کتب من الأوابین وتلا: ﴿إنه کان للأوابین غفوراً﴾ وکذلک فی فتح القدیر لکن لم أقف علی مخرجه مع استقراء، ولابد له من أصل وإن کان ضعیفاً من جهة السند، فإذن لامانع من أن تکون هذه أیضاً صلاة الأوابین کما کانت صلاة الضحی الأوابین، وتسمیتها فی الصحیح بها لاینافی تسمیة غیرها بها کما یقوله شارح المنتقی ثم رأیت فی "قیام اللیل" لابن نضر عن محمد بن المنکدر وأبی حازم تسمیتها بصلاة الأوابین، وکذلک مرفوعاً عن ابن المنکدر بإسناد ثابت، ولعله ما أشار إلیه صاحب (المنتقی) وکذا رواه عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ موقوفاً علیه . (معارف السنن: ٤/١١٣، تحقیق صلاة الأوابین، سعید)

مذاہبِ اربعہ میں "صلاة الأوابین" کا ثبوت:

مذہبِ احناف:

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وندب ست رکعات بعد المغرب لقوله ﷺ "من صلی بعد المغرب ست رکعات کتب من الأوابین" وتلا قوله تعالی: ﴿إنه کان للأوابین غفوراً﴾ (الاسراء: ٢٥) ..... (امداد الفتاح: ٤٢٩ فصل فی بیان النوافل، بیروت)

مذہبِ مالکیہ:

ملاحظہ ہو الثمر الدانی میں ہے:

وإن تنفل بعدها (بعد المغرب) بست رکعات فحسن أی مستحب لقوله ﷺ "من صلی بعد المغرب ست رکعات الخ. رواه ابن خزیمة فی صحیحه والترمذی..... (الثمر الدانی ٩٢ باب النوافل و السنن، بیروت)

مذہبِ شوافع:

ملاحظہ ہو الاقناع میں ہے:

وصلاة الأوابين وتسمى صلاة الغفلة لغفلة الناس عنها بسبب عشاء أونوم أونحو ذلک،وهي عشرون ركعة بين المغرب والعشاء وأقلها ركعتان لحديث الترمذي. (الاقناع: ۱۷۸/۱۔وكذا في اعانة الطالبين:۱۵۱/۱۔واسنى المطالب:۲۱۷/۳۔وحواشي الشروانی:۱۱/۲)

مذہبِ حنابلہ:

ملاحظہ ہو مغنی میں ہے:

ويستحب التنفل بين المغرب والعشاء لماروى عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ في هذه الآية ﴿تتجافى جنوبهم عن المضاجع﴾الآية،قال:كانوا ينتفلون ما بين المغرب والعشاء يصلون،رواه أبوداؤد عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا **عن رسول الله ﷺ قال:"من صلى بعد المغرب عشرين ركعة بنى الله له بيتاً في الجنة"** قال أبوعيسى هذا حديث غريب۔ (المغنی:۷۷۴/۱، التنفل بين العشاء ين،دارالكتب العربية،بيروت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قعدۂ اولیٰ نہ کرنے سے نفل نماز کا حکم:

سوال: کسی نے نفل کی دو رکعت کی نیت کی اور قاعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت کی طرف چلا گیا پھر چوتھی بھی ملا دی تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر کسی نے دو رکعت کی نیت کی یا چار کی نیت کی اور قعدۂ اولیٰ پر نہیں بیٹھا سہواً کھڑا ہو گیا تو واپس آئے اور سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کر لے، اور اگر تیسری رکعت کے بعد یاد آیا تو چوتھی رکعت ملا کر نماز پوری کر لے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لے نماز ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله والأصل أن كل شفع صلاة)أي فلايلزمه بتحريمة النفل أكثرمن ركعتين وإن نوى أكثر منهما، وهوظاهرالرواية عن أصحابنا بحر.....(قوله أوترک قعود أول)لأن كون كل شفع صلاة عليحدة يقتضي افتراض القعدة عقيبه فيفسد بتركها كما هوقول محمد وهو القياس. لكن عندهما لما قام إلى الثالثة قبل القعدة فقد جعل الكل صلاة واحدة شبيهة بالفرض وصارت القعدة الأخيرة هي الفرض وهوالاستحسان وعليه فلوتطوع بثلاث بقعدة واحدة كان ينبغي الجوازاعتباراً بصلاة المغرب لكن الأصح عدمه لأنه قد فسد ما اتصلت

Maktaba Tul Ishaat.com

بـه الـقـعـدة وهو الركعة الأخيرة ، لأن التنفل بالركعة الواحدة غير مشروع فيفسد ما قبلها.

(شامی:۲/۳۲، باب النوافل،سعید۔وکذا فی مراقی الفلاح:۱٤۹، فصل فی النوافل،مکة المکرمة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن لـم يـنو أربعاً وقام إلى الثالثة يعود إجماعاً وتفسد إن يعد كذا فى البرجندى. (الفتاوى الهندية:۱/۱۱٤)

احسن الفتاوی میں ہے:

استحساناً چاروں رکعتیں صحیح ہیں،اس لئے کہ شفع ثانی شروع کرنے سے تشبہ بالفرائض کی وجہ سے نوافل کے قعدۂ اولیٰ کی فرضیت وجوب سے تبدیل ہوگئی،اور ترکِ واجب کے نقصان کا تدارک سجدۂ سہو سے ہوگیا۔(احسن الفتاوی:۳/۴۶۳)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ:۷/۴۲۵،باب سجود السہو،جامعہ فاروقیہ۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سننِ قبلیہ اذان سے پہلے پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص ظہر کی سنت وقت داخل ہونے کے بعد اذان سے پہلے پڑھ لے تو سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ نیز استحباب کے خلاف ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں وقت داخل ہونے کے بعد اذان سے پہلے سنت ادا کرلے تو ادا ہوجائے گی،البتہ اذان کے بعد فرض سے پہلے ادا کرنا افضل اور بہتر ہے وجہ یہ ہے کہ سننِ قبلیہ فرائض کا مقدمہ ہیں تاکہ فرائض خشوع اور توجہ کے ساتھ کامل طور پر ادا ہوسکے اسی وجہ سے فرائض اور سنن کے درمیان فقہاء کلامِ دنیوی سے منع کرتے ہیں لہذا اذان کے بعد ادا کرنا چاہئے تاہم اذان سے پہلے بھی درست ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن عبد الله بن السائب رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كا ن يصلى أربعاً بعد أن تزول الشمس قبل الـظـهـر فـقـال: إنها ساعة تفتح فيها أبوب السماء وأحب أن يصعد لى فيها عمل صالح. (رواه الترمذى:۱/۱۰۸۔وكذا فى الشامى:۲/۱۳۔وكذا فى الطحطاوى على مراقى الفلاح:۳۸۸،قديمى)

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الصلاة المسنونة فوقت جملتها وقت المكتوبة لأنها توابع للمكتوبات فكانت تابعة لها فی الوقت. (بدائع الصنائع: ۱/۲۸٤، سعید)

شامی میں ہے:

ثم اختلف فی الأفضل بعد ركعتی الفجر قال الحلوانیؒ: ركعتا المغرب ثم التی بعد الظهر بخلاف التی قبلها لأنها قيل: هی للفضل بين الأذان والإقامة. (شامی: ۲/۱٤، سعید۔ وكذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۸۸، قدیمی)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

دوسرے سے استخارہ کرانے کا حکم:

سوال: دوسرے کو استخارہ کے لئے کہنا درست ہے یا نہیں؟ اگر دو یا زیادہ سے کرائے تو کس کی رائے کا اعتبار ہوگا؟

الجواب: استخارہ کا معنی خیر طلب کرنا ہے اور دعا کے لئے دوسرے کو کہہ سکتے ہیں تو طلبِ خیر بھی دعا ہے اس کے لئے بھی کہنا درست ہے، نیز جن سے قبولیتِ دعا کی زیادہ امید ہوتی ہے ان سے بھی دعا کی درخواست کی جاتی ہے، اور اگر چند آدمیوں سے کرایا تو جس کی رائے پر عمل کریگا اسی میں خیر ہوگی ان شاء اللہ۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

قوله يعلمنا الاستخارة أی صلاة الاستخارة ودعائها وهی طلب الخيرة..... من قولك اختاره الله وفی النهاية: خار الله لك أی أعطاك ما هو خير لك.....وهو فی لسان العرب علی معان منها سوال الفعل والتقدير اطلب منك الخير فيما هممت به. (عمدة القاری: ۵/۵۲۲، دار الحدیث ملتان)

فتاوی مہمہ میں ہے:

النوع السادس: التوسل إلى الله عزوجل بدعاء الرجل الصالح الذی ترجی إجابته فإن الصحابة رضی اللہ عنہم كانوا يسألون النبی ﷺ أن يدعوا الله لهم بدعاء عام ودعاء خاص ففی الصحيحين من حديث أنس بن مالك رضی اللہ عنہ أن رجلاً دخل يوم الجمعة والنبی ﷺ يخطب فقال: يارسول الله هلكت الأموال وانقطعت السبل فادع الله يغيثنا فرفع النبی ﷺ يديه وقال: "اللّٰهم أغثنا ثلاث

Maktaba Tul Ishaat.com

مرات فما نزل من منبره إلاوالمطريتحادرمن لحيته وبقى المطر أسبوعاً كاملاً الخ.....(الصحيح البخارى:١/١٣٧)**وهناك عدة وقائع سأل الصحابة ﷺ النبى ﷺ أن يدعو لهم على وجه الخصوص ومن ذلك أن النبى ﷺ ذكر أن فى أمته سبعين ألفاً يدخلون الجنة بغير حساب ولاعذاب.....الخ،فقام عكاشة بن محصن وقال: يارسول الله ادع الله أن يجعلنى منهم فقال:أنت منهم.....وأيضاً من التوسل الجائز أن يطلب الإنسان من شخص ترجى إجابته أن يدعوالله تعالى له**..... (الفتاوى المهمة للشيخ محمد صالح العثيمين:ص٥٩۔ومجموعة فتاوى ورسائل ابن عثيمين٢/٢٦٦)

امدادالاحکام میں ہے:

دونوں میں خیر ہے جس پر چاہے عمل کرے بشرطیکہ وہ دونوں شقیں جائز ہوں۔(امدادالاحکام:۱/۶۱۶،فصل فی السنن والنوافل)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

استخارہ تین مرتبہ کرنے کا حکم:

سوال: استخارہ تین مرتبہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: استخارہ میں اصل دل کا رجحان ہے اگر خیر کی طرف میلان ایک مرتبہ میں ہوگیا تو ایک مرتبہ بھی درست ہے اور اگر تین مرتبہ میں بھی نہیں ہوا تو سات مرتبہ کرلینا چاہئے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال:قال رسول الله ﷺ:يا أنس إذا هممت بأمرفاستخرربك فيه سبع مرات ثم انظرإلى الذى يسبق إلى قلبك فإن الخيرفيه. (أخرجه ابن السنى فى عمل اليوم والليلة:١٦١)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

قوله ومنهاركعتا الاستخارة وفى البخارى فليستخرربه سبعاً.(طحطاوى على الدر ١/٢٨٨۔وكذا فى امداد الفتاح:٤٤٠،فصل فى تحية المسجد،بيروت۔وكذا فى شرح منية المصلى:٤٣١،سهيل)

شامی میں ہے:

ینبغی أن یکررها سبعاً.(شامی:۲/۲۷،باب النوافل،سعید)

مرقات میں ہے:

قیل ویمضی بعد الاستخارة لما ینشرح له صدره انشراحاً خالیاً عن هدی النفس فإن لم ینشرح لشیء فالذی یظهرأنه یکرر الصلاة حتی یظهرله الخیرقیل إلی سبع مرات. (مرقاة شرح مشکاة:۳/۲۰۹)

مزید ملاحظہ ہو: فتاوی حقانیہ:۳/۲۶۳،باب السنن والنوافل)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دعاءِ استخارہ میں ''خرلی واخترلی'' میں فرق:

سوال: دعاءاستخارہ میں ''خِرْ لی وا ختر لی'' میں کیا فرق ہے؟

الجواب: ''اللّٰهم خرلی'' یعنی اے اللہ میرے لئے خیر کا فیصلہ فرمادیجئے اور ''واخترلی'' یعنی اس کو میرے لئے چن لیجئے۔

عن أبی بکرالصدیق رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان إذا أراد أمراً قال:''اللهم خرلی واخترلی''هذا حدیث غریب.....وهو ضعیف عند أهل الحدیث.(ترمذی شریف:۲/۱۹۱،أبواب الدعوات)

تاج العروس میں ہے:

خارالله لک فی الأمرجعل لک ما فیه من الخیر.(تاج العروس:۳/۱۹۵)

لسان العرب میں ہے:

ومنه دعاء الاستخارة ''اللّٰهم خرلی'' أی اخترلی أصلح الأمرین واجعل الخیرة فیه.

(لسان العرب:٤/۲۵۹)

''واخترلی'' کے بارے میں ملاحظہ ہو: تاج العروس میں ہے:

و بالمختارأی اخترما شئت.(تاج العروس:۳/۱۹۵)

لسان العرب میں ہے: **والاختیار:الاصطفاء وکذلک التخیر**.(لسان العرب:٤/۲۵۹)

مجمع بحارالانوار میں ہے: **خرلی واخترلی أی اجعل أمری خیراً وألهمنی فعله واختر لی الأصلح**. (مجمع بحار الأنوار:۲/۱۳۱)

Maktaba Tul Ishaat.com

علامہ وحید الزمان صاحبؒ نے لغات الحدیث میں ذکر فرمایا:

''**خرلی واخترلی**'' میرا کام بھلا کردے اور جو میرے حق میں بہتر ہو وہی میرے لئے اختیار کر۔ (لغات الحدیث: ۱/ ۱۵۶، باب الخاء مع الیاء، آرام باغ کراچی)

القاموس الوحید میں ہے:

مخصوص نماز کے بعد خدا سے یہ دعا کرنا کہ اس کے لئے فلان معاملہ میں جو بات باعثِ خیر ہو اس کی رہنمائی فرمائے، اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ دعا منقول ہے: ''**اللّٰھم خرلی واخترلی**''. (القاموس الوحید: ۱/ ۴۸۹، حسینیہ دیوبند)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
"من قام إیماناً واحتساباً غفر له ماتقدم
من ذنبه وماتآخر"

(رواہ البخاری)

باب.....﴿۱۰﴾

تراویح کی نماز کا بیان

Maktaba Tul Ishaat.com

باب.....۱۰

نمازِ تراویح کا بیان

تروایح میں ختمِ قرآن پر اشکال اور جواب:

سوال: بعض حضرات تراویح میں ختمِ قرآن پر اشکال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے۔اس کا کیا جواب ہے اور کیا تراویح میں ختمِ قرآن ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: مذہبِ احناف میں تراویح میں ایک مرتبہ پورا قرآن ختم کرنا سنتِ مؤکدہ ہے،فقہاء اور اکابرؒ کی عبارات سے یہی مترشح ہوتا ہے اور صحابہ کرام کے آثار سے بھی واضح ہوتا ہے کہ تراویح میں کثرتِ تلاوت کا اہتمام ہوتا تھا۔دلائل درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیں: علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

(قوله"والختم مرة سنة" قراءة الختم في صلاة التراويح سنة، وصححه في الخانية وغيرها، وعزاه في الهداية إلى أكثر المشايخ. وفي الكافي إلى الجمهور، وفي البرهان: وهو المروى عن أبي حنيفة والمنقول في الآثار. قال الزيلعي: ومنهم من استحب الختم في ليلة السابع والعشرين رجاء أن ينالوا ليلة القدر، لأن الأخبار تظاهرت عليها. وقال الحسن عن أبي حنيفة: يقرأ في كل ركعة عشر آيات ونحوها، وهو الصحيح لأن السنة الختم فيها مرة وهو يحصل بذلك مع التخفيف، لأن عدد ركعات التراويح في الشهر ستمائة ركعة وعدد آي القرآن ستة آلاف آية وشيء. (فتاوى الشامي:٢/٤٦،سعيد).

علامہ عینیؒ شرح البخاری میں فرماتے ہیں:

إن أكثر المشايخؒ على أن السنة فيها الختم مرة فلا يترك لكسل القوم. (عمدة القاری: ٥/٤٥٩، ط:ملتان).

محقق ابن ہمامؒ نے صاحبِ ہدایہ کی عبارت " **فلا يترك لكسل القوم** " کے تحت فرمایا:" **تاكيد في مطلوبية الختم**" ۔اس عبارت سے ختم القرآن فی التراویح کا مؤکد ہونا مترشح ہوتا ہے۔(فتح القدیر:۱/۴۶۹، دارالفکر).

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

لأن السنة في التراويح الختم مرة. (المبسوط :٢/١٤٦،ادارة القرآن، وكذا في مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي،ص٤١٤،قديمي،وتبيين الحقائق:١/١٧٩،باب الوتر والنوافل).

وفي تحفة الملوك مع شرحه :

و سنتها : الختم ، مرة يعني : ختم القرآن مرة واحدة في الشهر ، كذا قاله عامة المشايخؒ . (تحفة الملوك مع شرحه لابن ملك:١/٧٦٥).

قال العلامة العينیؒ: فإن قلت: ما المراد في قول المصنف على أن السنة فيها الختم. قلت: قال في الدراية : أي سنة الخلفاء الراشدين. قلت:...ان المراد من قول المصنفؒ ان السنة هي سنة عمر بن الخطاب ومن بعده من الخلفاء الراشدين...وفي النهاية: والفضل في الختم مرتين، وأهل الاجتهاد كانوا يختمون في كل عشر ليال ، وعن أبي حسين أنه كان يختم في شهر رمضان إحدى وستين وثلاثين في الأيام وواحدة في التراويح كذا في فتاوى قاضيخان. (البناية في شرح الهداية:٢/٦٦٧،مكتبه رشيديه).

فتاویٰ واحدی میں ہے:

سوال: ختم در تراویح سنتِ مؤکدہ است یا غیر مؤکدہ؟ بینوا توجروا۔

جواب: **الظاهر أنه سنة مؤكدة كما يدل عليه إطلاق المتون و يشير إليه ما في الهداية فلا يترك لكسل القوم بخلاف ما بعد التشهد من الدعوات ...انتهى، حيث يستفاد منه الختم في التراويح سنة أصلية لا من الزوائد كما لا يخفى . والله أعلم.** (فتاویٰ واحدی،ص:۱۵۹،ط: کوئٹہ)۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

یہ علمائے احناف میں مختلف فیہ ہے اکثر کا قول تو تاکد ہی ہے بعض کا قول عدمِ تاکد بھی ہے اور منشا اختلاف کا یہ سمجھ میں آیا کہ حسن نے امام صاحبؒ سے سنیت نقل کی ہے۔ من غیر تصریح بتاکدہ أو عدمہ ۔ اکثر مشائخؒ نے اس کو سنتِ موکدہ سے مفسر کیا ہے اور بعض نے تاکد کی دلیل نہ ملنے سے مطلق سنیت پر محمول کیا ولو مستحباً۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۳۹۲، فصل فی التراویح)۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فتاویٰ محمودیہ میں فرماتے ہیں:

تراویح میں ایک مرتبہ قرآن شریف کا ختم کرنا پڑھ کر یا سن کر سنتِ موکدہ ہے، اسی طرح جماعت بھی سنتِ موکدہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۳۱۴، جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں تفصیلی فتویٰ مذکور ہے۔ کچھ اقتباس حسبِ ذیل درج ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ تراویح میں ایک ختم تاکیدی سنت ہے اور اہل سنت کا شعار بھی ہے، روافض اس سے محروم ہیں اور حفظِ قرآن نیز بقاء قرآن کا بڑا ذریعہ ہے، اگر خدانخواستہ یہ شرعی رسم ختم ہوگئی تو حفظِ قرآن کا سلسلہ بھی ختم ہوجائیگا۔ اور حفاظ عنقاء ہوجائیں گے، لہذا کسی بھی صورت میں اس سنت کو قائم رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس سنت پر خیر القرون اور صحابہ کے مبارک زمانہ سے آج تک عمل رہا ہے اور چاروں مذہب کے علماء، فقہاء، مشائخ اور محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر دل وجان سے عامل اور متفق ہیں، علامہ بحر العلوم تحریر فرماتے ہیں:

ویسن الختم فیها مرة وما زاد فحسن هكذا جرى التوارث من زمان أمير المؤمنين عمر إلى هذا الآن وهذه الأحكام مما اتفق عليه فقهاء المذاهب الأربع من غير خلاف.

(رسائل الارکان، ص: ۱۳۹).

وإن كسل القوم من استماع القراءة مع القدرة عليه أساء ولايترک الختم لكسل القول (رسائل الارکان، ص ۱۳۹) **وأما القراءة فالمختار الذى قاله الأكثرون وأطبق الناس على العمل بأن تقرأ الختمة بكمالها فى التراويح في جميع الشهر فيقرأ كل ليلة نحو جزء من ثلثين جزءاً.** (کتاب الاذکار للامام النوویؒ، ص ۸۳)

اسلاف کا عمل اور ان کا توارث فقہاء کے یہاں اہم دستاویز ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے: اتفاقِ سلف توارثِ ایشاں اصل عظیم است در فقہ: یعنی سلف کا اتفاق اور ان کا توارث فقہ

میں اصل عظیم ہے۔(۲/۸۵)ایک مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے فقہاء لکھتے ہیں کہ جو عمل سلف سے متوارث ہو اس کی اتباع اور پیروی واجب ہے۔**لأن المسلمين توارثوا هكذا فوجب أن يتبع توارث المسلمين.** (البحر الرائق:۲/۱۶۵) بعض فقہاء کا مقولہ ہے کہ تراویح ختمِ قرآن کے لیے مشروع ہوئی ہے۔**لأنها(أي التراويح) شرعت لأجل ختم القرآن.** (طحطاوی علی مراقی الفلاح،ص:۲۴۱). ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ (۳/۲۷۲،ط:مکتبۃ الاحسان دیوبند)۔

مفتی رفیع صاحب مدظلہ اجماع کی بحث میں لکھتے ہیں:

اتنی دلیل کافی ہے کہ فلاں زمانہ کے تمام فقہاء کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا انہوں نے کس دلیل شرعی کی بنیاد پر یہ اجماعی فیصلہ کیا تھا؟ یہ جاننے کی ضرورت بعد کے لوگوں کو نہیں رہتی۔

مزید لکھتے ہیں: اگر کسی زمانہ میں خدانخواستہ یہ معلوم نہ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچوں نمازوں میں اس تعداد کی خود بھی پابندی فرمائی تھی (یعنی رکعتوں کی تعداد) اور سب کو اس کی پابندی کا حکم دیا تھا تب بھی لوگوں کو اس کی پابندی اس لیے لازم ہوگی کہ پوری امت کا اجماع اس پر چلا آرہا ہے۔اور حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے: "**ماراه المسلمون حسناً فهو عندالله حسن**"۔(مقدمہ امدادالاحکام:۱/۸۱۔۸۵)۔

تراویح میں قرآن ختم کرنے سے متعلق چند آثارِ صحابہ ملاحظہ فرمائیں:

عن ابن الهاد أن ثعلبة بن أبي مالك القرظي حدثه قال:خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة في رمضان ، فرأى ناساً في ناحية المسجد يصلون فقال:"مايصنع هؤلاء؟ قال قائل: يارسول الله ! هؤلاء ناس ليس معهم قرآن ، وأبي بن كعب يقرأ وهم معه يصلون بصلاته ، قال : " قد أحسنوا ،أو قد أصابوا" ولم يكره ذلك لهم". (رواه البيقهي في "الكبرى" (۲/۴۹۵)، و في "معرفة السنن والآثار"(۵۴۰۰) .

قال النيموي: وإسناده جيد وله شاهد دون حسن عند أبي داود. (آثارالسنن،ص:۲۴۷،باب في جماعة التراويح).

ورواه أيضاً أبوداود (۱۳۷۹)، **وقال ليس هذا الحديث بالقوي مسلم بن خالد ضعيف، وابن حبان في"صحيحه"** (۲۵۴۱)، **قال شعيب الأرنؤوط:إسناده ضعيف، وابن خزيمة في"صحيحه"**(۲۲۰۸)، **ومحمد بن نصرالمروزي في"قيام رمضان"**(۱۵) .

Maktaba Tul Ishaat.com

وإسناده ضعيف لضعف مسلم بن خالد؛ قال ابن حجر: صدوق كثير الأوهام. وقال في تحرير تقريب التهذيب: بل ضعيف يعتبر به في المتابعات والشواهد، فقد ضعفه أبو جعفر النفيلي، وأبو داود، وعلي بن المديني، والنسائي، والبخاري، وقال: منكر الحديث ذاهب الحديث، وأبو حاتم الرازي، وأبو زرعة الرازي، وابن نمير، والبزار، والذهبي ... واختلف فيه قول ابن معين والدارقطني فوثقاه مرة وضعفاه مرة أخرى، وقال ابن عدي: حسن الحديث، وأرجو أن لا بأس به، وقال ابن سعد: وكان كثير الحديث، كثير الغلط والخطأ في حديثه. (التحرير على التقريب:۳/۳۷۲،ترجمة:٦٦٢٥).

قال العلامة المحدث مولانا ظفر أحمد العثماني: ففيه ما يدل على أن جماعتهم لقيام رمضان كان لختم القرآن فحسب، فإن قوله: "هؤلاء ناس ليس معهم قرآن" ليس معناه أنهم لا يقدرون على قراءة قدر ما تجوز به الصلاة، فإن ذلك بعيد عن الصحابة الكائنين بالمدينة جداً، بل معناه ليس معهم القرآن كله. (اعلاء السنن:۷/۷٤).

وروى الضياء المقدسي في "الأحاديث المختارة" (۱۱٦۱) بسنده عن أبي بن كعبؓ أن عمرؓ أمر أبياً أن يصلي بالناس في رمضان فقال: إن الناس يصومون بالنهار ولا يحسنون أن يقرءوا، فلو قرأت عليهم بالليل فقال: يا أمير المؤمنين هذا شيء لم يكن فقال: قد علمت ولكنه أحسن فصلى بهم عشرين ركعة. وقال: إسناده حسن.

وذكر صاحب كنز العمال أن ابن منيع روى عن أبي بن كعب أن عمر بن الخطابؓ أمره أن يصلي بالليل في رمضان... الخ. (كنز العمال:۸/٤۰۹/۲۳٤۷۱).

وقال في إعلاء السنن بعد ذكر هذا الأثر: ولا ينزل عن الضعيف، وفيه أيضاً ما يشعر بأن علة الجماعة في التراويح هي تحصيل قراءة القرآن، ولا يصح حمل قوله: "ولا يحسنون أن يقرءوا" على نفي إحسان القراءة مطلقاً عنهم كما مر، فلا بد من حمله على ما قلنا: إنهم لا يحسنون أن يقرءوا القرآن كله منفردين، فلو قرأت عليهم بالليل وأنت أقرأهم لحصل الختم للناس كلهم. (اعلاء السنن:۷/۷٤).

وعلى هامشه قال: قلت: ويدل على سنية الختم في قيام رمضان تجويز مالك

وأحمد قراء ة القرآن فی المصحف في قيام رمضان بدليل أثرعائشةؓ : أنها كان يؤمها مولى لها في رمضان فی المصحف، كما فی"العمدة" للعينیؒ (۷۵۷/۲) الأثرعلقه البخاري فی "الصحيح" وفی "المغنی " لابن قدامة: سئل الزهري عن رجل يقرأ في رمضان فی المصحف؟ فقال: كان خيارنا يقرء ون فی المصاحف...الخ. فلولا أن الختم سنة في قيام رمضان لم يكن حاجة إلى القراء ة فی المصحف ولم يضطر الأئمة إلى تجويزه ، وأبوحنيفةؒ كره ذلک لما فيه من العمل الكثيرالمبطل للصلاة عنده، ولايتحمل المبطل لأجل السنة فافهم. (حاشية اعلاء السنن:۷/۷٤).

وللاستزادة انظر: (اعلاء السنن:۷/۷۳-۷٦، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية).

حضرت حسن بصریؒ سے بھی ختم القرآن فی التراویح منقول ہے۔ ملاحظہ فرمائیں مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا حسين بن على ، عن زائدة ، عن هشام ، عن الحسن ، قال: من أم الناس فی رمضان فليأخذ بهم اليسر، فإن كان بطئ القراء ة فليختم القرآن ختمة ، وإن كان قراء ة بين ذلک فختمة ونصف ، وإن كان سريع القراء ة فمرتين . (رواه ابن ابی شيبة:۲/۳۹۲/۷۷٦۱).

بعض حضرات نے درجِ ذیل روایات سے بھی تراویح میں ختمِ قرآن پر استدلال کیا ہے:

كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أجودالناس وكان أجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبريل وكان يلقاه في كل ليلة في رمضان فيدارسه القرآن ، فلرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أجود بالخير من الريح المرسلة . (رواه البخاری) **وفي صحيح البخاري في مقام آخر: أن جبريل كان يعارضنی القرآن كل سنة مرة وأنه عارضنی العام مرتين .** (رواه البخاری كتاب المناقب باب علامات النبوة رقم الحديث ۳٤۲٦- (ملخصاً من تعليقات شرح تحفة الملوك لعبدالمجيدبن عبدالرحمن :۱/۷٦٥).

ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں پورے رمضان میں ایک مرتبہ ختم فرماتے تھے اور وفات والے سال میں دومرتبہ ختم فرمایا تھا، اور سابقہ آثار سے تراویح میں کثرتِ تلاوت کا اہتمام معلوم ہوا اس سے یہ واضح ہوا کہ تراویح میں ختمِ قرآن کا اہتمام ہوتا تھا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

نمازِ تراویح کے لئے نیت کا حکم:

سوال: تراویح مطلق نیت سے ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ یا تراویح کی نیت ضروری ہے؟

الجواب: اکثر فقہاء کے نزدیک مطلق نیت کافی ہے البتہ بعض حضرات کے نزدیک مطلق نیت کافی نہیں ہے لہذا احتیاط اس میں ہے کہ تراویح کی نیت کرے یا صرف سنت کی یا قیام اللیل کی تاکہ اختلاف سے نکل جائے اور بالاتفاق صحیح ادا ہو جائے۔ ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

وكفى مطلق نية الصلاة لنفل وسنة راتبة وتراويح على المعتمد إذ تعيينها بوقوعها وقت الشروع،والتعيين أحوط،وفى الشامى:(قوله وكفى الخ)أى بأن يقصد الصلاة بلا قيد نفل أوسنة أوعدد(قوله على المعتمد)أى من قولين مصححين وإنما اعتمد هذا لما فى البحرمن أنه ظاهرالرواية وجعله فى المحيط قول عامة المشايخ ورجحه فى الفتح ونسبه إلى المحققين (قوله إذ تعيينها الخ)لأن السنة ماواظب عليها النبى ﷺ فى محل مخصوص فإذا أوقعها المصلى فيه فقد فعل الفعل المسمى سنة والنبى ﷺ لم يكن ينوى السنة بل الصلاة لله تعالىٰ وتمام تحقيقه فى الفتح (قوله والتعيين)أى بالنية أحوط لاختلاف الصحيح بحر. (الدرالمختارمع الشامى:۱/۴۱۷،سعید)

البحرالرائق میں ہے:

قوله:(ويكفيه مطلق النية للنفل والسنة والتراويح)وأما فى السنة والتراويح فظاهر الرواية مافى الكتاب كما فى الذخيرة والتجنيس وجعله فى الهداية هوالصحيح وفى المحيط أنه قول عامة المشايخ وفى منية المفتى وخزانة الفتاوى أنه المختارورجحه فى فتح القديرونسبه إلى المحققين بأن معنى السنةكون النافلة مواظباً عليها من النبى ﷺ بعد الفريضة المعينة أوقبلها.....وذكرقاضيخان فى فتاواه فى فصل التراويح اختلاف المشايخ فى السنن والتراويح والصحيح أنها لاتتأدى بنية الصلاة وبنية التطوع لأنها صلاة مخصوصة فتجب مراعاة الصفة للخروج عن العهدة وذلک بأن ينوى السنة أو متابعة النبى ﷺ، وهل يحتاج لكل شفع من التراويح أن ينوى ويعين قال بعضهم:يحتاج لأن كل شفع صلاة والأصح أنه لايحتاج لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة.فقداختلف التصحيح فلذا

قال فی منیة المصلی:والاحتیاط فی التراویح أن ینوی التراویح أوسنة الوقت أوقیام اللیل. (البحرالرائق:۲۷۸/۱،کوئتة۔وکذا فی الفتاوی الهندیة:۶۵/۱۔وکذا فی فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة:۸۱/۱۔والبزازیة علی هامش الهندیة:۲۹/۴۔وحاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱۹۴/۱)

سعایہ میں ہے:

فالحاصل أنه اختلف التصحیح فی هذه المسئلة فلهذا ذکرجم غفیرمن أصحابنا منهم صاحب السراجیة وصاحب المنیة وصاحب الظهیریة وابن الهمام وغیرهم أن الاحتیاط أن لایکتفی بمطلق النیة بل ینوی السنة أومتابعة الرسول ﷺ وفی فتاوی العلامة قاسم بن قطلوبغا.....فالاحتیاط أن ینوی التراویح أوسنة الوقت فإنه أبعد عن الخلاف انتهی. (السعایة:۱۰۲/۲، سهیل)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ایک حافظ کا دو مسجدوں میں دس دس رکعات پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر ایک حافظ صاحب ایک مسجد میں ۱۰ اور دوسری مسجد میں ۱۰ رکعات تراویح پڑھائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ایک مسجد میں دس رکعات اور دوسری مسجد میں دس رکعات پڑھانا جائز ہے اور تراویح کی سنت ادا ہوجائے گی، ہاں ہر ایک مسجد میں ۲۰ رکعات پڑھائے تو دوسری مسجد والوں کی سنت ادا نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

إمام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لایجوز کذا فی محیط السرخسی والفتوی علی ذلک کذا فی المضمرا ت.....والأفضل أن یصلی التراویح بإمام واحد فإن صلوها بإمامین فالمستحب أن یکون انصراف کل واحد علی کمال الترویحة فإن انصرف علی تسلیمة لایستحب ذلک فی الصحیح وجازت التراویح بإمامین علی هذا الوجه. (الفتاوی الهندیة:۱۱۶/۱،فصل فی التراویح،بلوچستان)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولوأم فی التراویح مرتین فی مسجد واحد.....وإن فی المسجدین اختلف فیه،حکی

Maktaba Tul Ishaat.com

عن أبی بکر الاسکاف أنه لایجوز یعنی لایجوز تراویح أهل المسجد الثانی واختاره أبو اللیث. (شرح منیة المصلی:۴۰۸،سهیل)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

امام دوجگہ تراویح پڑھائے تو تراویح ہوجاتی ہے اور اگر دونوں جگہ پوری پوری تراویح پڑھادے تو مفتی بہ قول کے مطابق دوسری مسجد والوں کی تراویح نہ ہوگی۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/۲۸۸، دارالاشاعت مکمل ومدلل)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک حافظ کا تراویح میں دوجگہ قرآن ختم کرنا:

سوال: اگر ایک حافظ نے تراویح میں ایک مرتبہ قرآن سنایا پھر دوسرا قرآن شروع کیا تو اس کے پیچھے پڑھنے والوں کی سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مقتدیوں کی سنت ادا ہوجائے گی اور امام صاحب کو بھی فضیلت کا ثواب مل جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیں درمختار میں ہے:

والختم مرة سنة ومرتین فضیلة وثلاثاً أفضل. (الدرالمختار:۲/۴۶،باب النوافل۔وکذا فی البحر الرائق:۲/۶۸،باب الوتروالنوافل،الماجدیة).

فتاویٰ واحدی میں مرقوم ہے:

سوال: درصورتیکہ حافظ درتراویح بجماعۃ درقریہ ختم خواند بعدازاں درقریہ دیگر درتراویح ختم خواند، سنتِ ختم ازاں جماعۃ ادا گردد یا نہ؟

جواب: **الظاهر أنه تأدی عنهم السنة لأنهم سمعوا الختم فی التراویح و سنة التراویح لم یسقط عن الإمام بالختم مرة لما فی العالمکیریة : لو حصل الختم بعد التاسع عشر والحادی والعشرین ، لایترک التراویح فی بقیة الشهر، لأنها سنة کذا فی الجوهرة النیرة ، انتهی ، فیکون اقتداء من یصلی السنة بمن یصلی السنة، وکون الختم الثانی فی حق الإمام فضیلة کما فی الدرالمختار: لا یوجب خللاً في حصول السنة في حق المقتدین لأنهم ما سمعوا الختم مرة ، انتهی ، وقد حصل في حق المقتدین فی التراویح الختم مرة فیحصل لهم ثواب السنة . واللّٰه أعلم . حرره الفقیر عبد الواحدالسیوستانی.** (فتاوی واحدی، ص: ۱۵۹،

ط: کوئٹه).

مجموعۃ الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک حافظ نے دس دن میں پہلا قرآن شریف ایک مسجد میں ایک قوم کے ساتھ پھر دوسرا قرآن شریف دوسری مسجد میں دوسری قوم کے ساتھ پڑھا تو آیا تراویح سنت ختم مذکورہ ان دونوں کے لئے ادا ہوگی یا نہیں اور ثواب پائیں گے یا نہیں؟

جواب: ادا ہوگی خزانۃ الروایات میں ہے:

قد روی بعض أهل العلم عن کنز الفتاوی: رجل أم قوماً فی التراویح وختم فیها ثم أم قوماً آخرین له ثواب الفضیلة ولهم ثواب الختم، بعض اہلِ علم نے کنز الفتاوی سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص جس نے تراویح میں ایک جماعت کی امامت اور قرآن ختم کیا پھر دوسرے کی امامت کی تو اس شخص کو فضیلت کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کو ختم کا۔ واللہ اعلم، **(حرره الراجی عفو ربه القوی أبو الحسنات محمد عبد الحی).** (مجموعۃ الفتاوی: ۱/ ۲۷۸، کتاب الصلاۃ، آرام باغ کراچی)

مزید ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ: ۷/ ۳۱۵، فصل ثالث تراویح قرآن ختم کرنے کا بیان مبوب ومرتب۔ امداد الاحکام: ۱/ ۶۲۶، فصل فی التراویح۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۲۷۴، مسائل تراویح۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امامِ راتب کو تراویح پر مجبور کرنے کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب اگر تراویح کی نماز پڑھانے سے انکار کردے کہ میں ہمیشہ سے دوسری جگہ پڑھاتا ہوں آپ کے لئے دوسری انتظام کردوں گا تو اس پر جبر ہوسکتا ہے یا نہیں اور اگر امام کہے میں ہی پڑھاؤں گا تو یہ اس کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب: امامِ راتب تراویح کا زیادہ حقدار ہے، لیکن اگر امام صاحب کو دوسری جگہ پڑھانا ہے تو مجبور نہیں کیا جائے گا، ہاں اہلِ مسجد امام صاحب سے تراویح پڑھانے کا مطالبہ کریں تو امام صاحب کو مان لینا چاہئے کیوں کہ یہ بھی امامت ہی کی ایک قسم ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

واعلم أن صاحب البیت ومثله إمام المسجد الراتب أولیٰ بالإمامة من غیره مطلقاً.

(الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، سعید)

Maktaba Tul Ishaat.com

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: بکر ایک مسجد میں امام مقرر ہوا اور حافظِ قرآن ہے اور زید بھی حافظِ قرآن ہے وہ زمانہ بعید سے اس مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے، اب بکر کہتا ہے کہ میں اب امام مقرر ہوا ہوں تراویح پڑھانے کا حق مجھ ہی کو ہے اور وہ حافظ کہتا ہے کہ میرا قدیمی حق ہے تو کس کو حق ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب بکر امام مقرر ہو گیا تو تراویح کا حق بھی اسی کو ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲۸۲/۴، دارالاشاعت)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

تراویح پڑھانے کا حق امام کا ہے اگر امام نہ پڑھا سکے یا اجازت دیدے تو دوسرے حافظ کو سپرد کر دینا چاہئے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۴/ ۴۲۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ڈاڑھی منڈوانے والے کی امامتِ تراویح کا حکم:

سوال: ڈاڑھی منڈوانے والے کی امامت تراویح کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ڈاڑھی منڈوانے والا شریعت کی نگاہ فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، نیک صالح امام کے پیچھے نمازِ تراویح پڑھنا چاہئے ہاں اگر میسر نہ ہو اور ہٹانے پر بھی قدرت نہیں ہے تو جماعت ترک نہ کرے بلکہ امام کے پیچھے پڑھ لے۔

(دلائل کی تفصیل ''باب الامامت'' کے تحت گذر گئی وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سنت کے مطابق ڈاڑھی نہ رکھنے والے کی امامتِ تراویح:

سوال: ایک حافظ صاحب کسی مسجد میں ۴۰ سال تراویح پڑھاتے ہیں بڑے با اخلاق اور لوگوں کے خیر خواہ ہیں اور کفن دفن وغیرہ کاموں میں بھی شرکت کرتے ہیں اور بہت سارے مصلی حضرات ان کے شاگرد بھی ہیں لیکن وہ اپنی ڈاڑھی سنت کے مطابق نہیں رکھتے ہیں کترواتے ہیں تو اب کیا کرنا چاہئے اگر ان کو تراویح پڑھانے سے علیحدہ کر دیا جائے تو مصلیوں میں انتشار کا خوف ہے لہذا کوئی حل بتائیں؟

الجواب: سنت کے مطابق ڈاڑھی نہ رکھنے والے کی امامتِ تراویح مکروہ ہے، صورتِ مسئولہ میں حافظ صاحب دوسرے امور میں متبعِ شریعت ہے اور بڑے با اخلاق ہے تو داڑھی ایک قبضہ رکھنا بھی تو شریعت ہی

کا حکم ہے اور آنحضور ﷺ کی دائمی سنت ہے لہذا حافظ صاحب سے کہا جائے کہ سنت کے مطابق رکھیں اور ایک قبضہ سے قبل نہ کتروائیں، اس سے حافظ کا اتباعِ شریعت میں اضافہ ہوگا اور حضور ﷺ کا قرب حاصل ہوگا اور مصلی حضرات کی محبت و ہمدردی میں اضافہ ہوگا۔

اگر حافظ صاحب کو یہ بات منظور نہ ہو تو ان کو علیحدہ کر دیا جائے اس لئے کہ شریعت کا معاملہ مقدم ہے نیز دیگر نیکی طاعات کے قبیل سے ہے اور امامتِ تراویح عبادات کے قبیل سے ہے جو طاعات پر مقدم ہے اور تمام مصلی حضرات کی عظیم عبادت اس سے وابستہ ہے۔ دلائل ''باب الامامت'' میں گذر گئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نفل کی جماعت کے ساتھ شامل ہو کر تراویح پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے رمضان المبارک میں امام کی اقتداء کی یہ سوچا کہ یہ تراویح ہے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ نفل کی جماعت تھی تو تراویح کی رکعات ہوئی یا نہیں؟ اور نہ ہوئی تو ''لزم النفل بالشروع'' کے تحت اس کی قضا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور کی تراویح صحیح نہیں ہوئی، البتہ نفل نماز ہوگئی اور چونکہ نماز میں کوئی فساد نہیں آیا، لہذا قضاء واجب نہیں ہے، ہاں تراویح دوبارہ پڑھنا ضروری ہے، اگر کسی دوسری مسجد میں جماعت باقی ہو تو شرکت کرلے ورنہ انفراداً پڑھ لے، ہاں رات گذرنے کے بعد گذشتہ رات کی قضاء نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

إذا صلى التراويح مقتدياً بمن يصلي مكتوبة أو نافلة غير التراويح اختلف المشايخ منهم من بنى هذا الاختلاف على الاختلاف في النية، من قال من المشايخ إن التراويح لا تتأدى إلا بنيتها يجب أن يقول بعدم صحة الاقتداء هاهنا لما كانت لاتتأدى إلا بنيتها لاتتأدى بنية الإمام وهي تخالف نيته ومن قال بأنها تتأدى من غير نيتها بل بنية مطلقة يجب أن يقول بصحة الاقتداء هاهنا ومنهم من قال لايصح قال القاضي الإمام أبو علي النسفي وهو الأظهر والأصح .(الفتاوى التاتارخانية: ٦٦٧/١)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو صلى التراويح مقتدياً بمن يصلي مكتوبة أو وتراً أو نافلة الأصح أنه لايصح الاقتداء

Maktaba Tul Ishaat.com

بـه لأنـه مكروه مخالف لعمل السلف. (الفتاوى الهندية:١/١١٧-وكذا فى فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:١/٢٣٦-وكذا فى الفتاوى البزازية على هامش الهندية:٤/٢٩)

بدائع الصنائع میں ہے:

فقد قال أصحابنا إذا شرع فى التطوع يلزمه المعنى فيه وإذا أفسده يلزمه القضاء. (بدائع الصنائع:١/٢٩٠-وكذا فى الشامى:٢/٢٩،سعيد)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نمازِ عشاء بغیر وضو پڑھنے پر تراویح اور وتر کے اعادہ کا حکم:

سوال: اگر کسی نے عشاء کے بعد تراویح اور وتر پڑھی پھر یاد آیا کہ میں نے عشاء کی نماز بغیر وضو کے پڑھی تھی تو اب تراویح اور وتر کا اعادہ ہے یا نہیں ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تراویح کا اعادہ ضروری ہے وتر کا اعادہ لازم نہیں وجہ یہ ہے کہ تراویح عشاء کے تابع ہے اور وتر تابع نہیں۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

والصحيح أن وقتها ما بعد العشاء إلى طلوع الفجر قبل الوتر وبعده حتى لو تبين أن العشاء صلاها بلاطهارة دون التراويح والوتر أعاد التراويح مع العشاء دون الوتر لأنها تبع للعشاء هذا عند أبى حنيفةؒ فإن الوتر غير تابع للعشاء فى الوقت عنده والتقديم إنما وجب لأجل الترتيب وذلك يسقط بعذر النسيان فيصح إذا أدى قبل العشاء بالنسيان بخلاف التراويح فإن وقتها بعد أداء العشاء فلا يعتد بما أدى قبل العشاء. (الفتاوى الهندية:١/١١٥،فصل فى التراويح،بلوچستان -وكذا فى تبيين الحقائق:١/١٧٨،باب الوتر والنوافل،امدادية ملتان). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عشاء پڑھے بغیر تراویح کی جماعت میں شرکت کا حکم:

سوال: اگر کوئی آدمی رمضان میں مسجد میں آیا اور تراویح کی نماز ہو رہی تھی اور اس نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی تھی تو کیا وہ جماعتِ تراویح میں شرکت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور کے لئے جماعتِ تراویح میں شرکت کی گنجائش نہیں ہے پہلے فرض نماز پڑھے پھر شرکت کرے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر وفى الشامية:(بعد صلاة العشاء)قدر لفظ صلاة

إشارة إلى أن المراد بالعشاء صلاة لا وقتها وإلى ما فی النهر من أن المراد ما بعد الخروج منها حتی لو بنی التراویح علیها لایصح وهو الأصح، وکذا بنائها علی سنتها کما فی الخلاصة. (الدرالمختار مع رد المحتار: ۲/۴۴، باب الوتر والنوافل، سعید۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/۱۱۵، فصل فی التراویح ۔و تبیین الحقائق: ۱/۱۷۸، باب الوتر والنوافل). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تراویح میں غیر مقتدی کا مصحف میں دیکھ کر امام کو لقمہ دینا:

سوال: تراویح کی نماز میں ایک شخص جماعت میں شریک نہیں وہ قرآن میں دیکھ کر امام کو لقمہ دیتا ہے اگر امام لقمہ لے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر امام نے لقمہ لیا تو امام اور تمام مقتدی حضرات کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

أخذ الإمام بفتح من لیس فی صلاته کما فیه عن القنیة. (شامی: ۱/۶۲۲، باب ما یفسد الصلاة، سعید)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

ولو فتح علی المصلی رجل لیس فی الصلاة فأخذ المصلی بفتحه تفسد صلاته. (خلاصة الفتاوی: ۱/۱۲۱، رشیدیه)

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: لو کان الإمام یقرأ القرآن وخلفه مقتد یسمعه لاعن القلب بل بالنظر فی المصحف ویفتح إمامه من المصحف ویأخذ الإمام فتحه کما جری فی بعض البلاد فی صلاة التراویح هل تفسد صلاتهما أم لا؟

الاستبشار: تفسد صلاتهما لأن التلقن من الغیر فی الصلاة مفسد.....ولهذا إذا کان الفاتح خارجاً من الصلاة والإمام المستفتح فی الصلاة تفسد صلاة المستفتح لأنه تلقن من الغیر صرح به الزیلعی. (فتاوی اللکنوی: ص ۲۷۷، مایتعلق بمایفسد الصلاة، دارابن حزم)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی ۳/۵۲۴۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

تراویح میں مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرنے کا حکم:

سوال: بخاری شریف میں روایت ہے کہ ذکوان نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مصحف میں دیکھ کر امامت فرمائی کیا اس طرح جائز ہے؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق قراءت من المصحف مفسدِ صلاۃ ہے چاہے فرض ہو یا نفل یا تراویح سب کا یہی حکم ہے۔

حدیث کا جواب:

حضرت ذکوان مصحف سے امامت کرتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز سے پہلے مراجعت کرتے تھے اور اس کو نماز میں دہراتے تھے۔ ملاحظہ شرح منیۃ المصلی میں ہے:

روی أن ذکوان مولی عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **کان یؤم بها فی شهر رمضان من المصحف، قلنا إن صح فهو محمول علی أنه کان یراجعه قبیل الصلاة لیکون بذکره أقرب.** (شرح منیة المصلی:٤٤٧، فصل فیما یفسد الصلاة۔ وکذا فی تبیین الحقائق:١/١٥٩، باب یفسد الصلاة و ما یکره فیها، امدادیة ملتان، ونفع المفتی والسائل، ص٢٧٨).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما حدیث ذکوان فیحمل أن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **ومن کان من أهل الفتوی من الصحابة لم یعلموا بذلک وهذا هو الظاهر بدلیل أن هذا الصنیع مکروه بلا خلاف.....و یحتمل أن یکون قول الراوی کان یؤم الناس فی رمضان وکان یقرأ من المصحف إخباراً عن حالتین مختلفتین أی کان یؤم الناس فی رمضان، وکان یقرأ من المصحف فی غیر حالة الصلاة إشعاراً منه أنه لم یکن یقرأ القرآن ظاهره فکان یؤم ببعض سور من القرآن دون أن یختم وکان یستظهر کل یوم ورد کل لیلة لیعلم أن قراءة جمیع القرآن فی قیام رمضان لیست بفرض.** (بدائع الصنائع:١/٢٣٦، فصل بیان ما یفسد الصلاة، سعید)

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصحف میں دیکھ کر امامت کرنے سے منع فرمایا تھا۔

ملاحظہ ہو کنز العمال میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ **قال: نهانا أمیر المؤمنین عمر** رضی اللہ عنہ **أن نؤم الناس فی المصحف ونهانا أن**

یؤمنا إلاالمحتلم.ابن أبی داؤد. (کنز العمال :۸/۲۶۳/۲۲۸۳۷،فصل فی آداب الامام ـوکذا ذکرہ الامام السیوطیؒ فی جامع الأحادیث: ۲۸/۴۹۲/۳۱۵۶۰، مسند عمر بن الخطاب۔ وکذا فی البحرالرائق ۲/۱۰،باب ما یفسد الصلاۃ،الماجدیۃ)

المصاحف میں ہے:

حدثنا عبد اللہ حدثنا محمد بن عامربن إبراھیم عن أبیہ عامربن إبراھیم قال:سمعت نھشل بن سعید یحدث عن الضحاک عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال:"نھانا عمر رضی اللہ عنہ أن نؤم الناس فی المصحف ونھانا أن یؤمنا إلاالمحتلم.(المصاحف لابن أبی داؤد:۲/۳۹۴/۶۵۵)**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تکان کی وجہ سے بیٹھ کر تراویح پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص تراویح میں تھک جائے تو بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں نمازِ تراویح بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

اتفقوا علی أن أداء التراویح قاعداً لایستحب بغیرعذرواختلفوا فی الجوازقال بعضھم:یجوزوھوالصحیح.(الفتاوی الھندیۃ:۱/۱۱۸، فصل فی التراویح)

امدادالفتاح میں ہے:

وقال قاضی خان فی أداء التراویح قاعداً:اتفقوا علی أنہ لایستحب بغیرعذر واختلفوا فی الجوازقال بعضھم:لایجوزبغیرعذر.....وقال بعضھم:یجوزلہ أداء التراویح قاعداً بغیر عذر.....وھوالصحیح إلا أن ثوابہ یکون علی النصف من صلاۃ القائم.....وفی الخلاصۃ:وأما صلاۃ التراویح قاعداً من غیرعذراختلف المشایخ فیہ والأصح أنہ یجوز. (امداد الفتاح:۴۴۶، فصل فی صلاۃ النفل جالساً،بیروت کذا فی الشامی:۲/۱۵،باب النوافل،سعید)**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تجوید میں بے احتیاطی کرنے والے کے پیچھے نمازِ تراویح کا حکم:

سوال: ایسے حافظ کے پیچھے نماز پڑھنا جو تجوید کو جاننے کے باوجود بہت تیزی سے قرآن پڑھتا ہے اور تجوید کی رعایت بھی نہیں کرتا، چہ حکم دارد؟

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر حافظ بہت تیزی سے پڑھتا ہے کہ مقتدیوں کو کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور لحنِ جلی کرتا ہے تو نماز درست نہیں ہوگی، اور لحن خفی کرتا ہے تو نماز فاسد تو نہیں ہوگی مگر مکروہ ضرور ہوگی، نیز قرآن مجید کو بے پرواہی اور بغیر تجوید کی رعایت کے پڑھنا سخت گناہ ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان میں ہے:

ولاینبغی للقوم أن یقدموا فی التراویح الخوشخوان (اچھی آواز والا) ولکن یقدموا الدرستخوان (صحیح پڑھنے والا) فإن الإمام إذا کان یقرأ بصوت حسن یشغل عن الخشوع والتدبر والتفکر وکذا لو کان الإمام لحاناً لابأس بأن یترک مسجده. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۱/۲۳۸، فصل فی مقدارالقراءة فی التراویح۔ وکذا فی شرح منیة المصلی: ۴۰۷، سهیل۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة۔ وعلی هامشه قال: قوله: الخوشخوان معناه حسن الصوت والدرستخوان صحیح القراءة ۱/۱۱۶)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

جمال القرآن میں ہے: تجوید کے خلاف قرآن پڑھنا یا غلط پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا لحن کہلاتا ہے اور یہ لحن دو قسم کا ہے ایک یہ کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا جیسے الحمد کی جگہ الھمد پڑھ دیا، ش کی جگہ س پڑھ دیا بڑی ح کی جگہ چھوٹی ھ پڑھ دی یا ذال کی جگہ زاء پڑھ دیا ص کی جگہ س پڑھ دیا ان غلطیوں کو لحن جلی کہتے ہیں اور یہ حرام ہے بعض جگہ اس سے معنی بگڑ کر نماز بھی جاتی رہتی ہے۔ (جمال القرآن)

لہذا اس طرح پڑھنے والا امامت کے لائق نہیں ہے اسے لازم ہے کہ پہلے قرآن صحیح پڑھنا سیکھے تب امامت کرائے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۴/۳۵۱، باب الامامۃ)

دوسری جگہ مرقوم ہے:

جب امام کی قراءت صاف اور صحیح نہیں ہے اور مقتدیوں کو سمجھ میں نہیں آتا تو ان کے لئے امامت کرنا درست نہیں، مقتدیوں کو چاہئے کہ کسی ایسے امام کا انتظام کریں جو قرآن شریف صاف اور صحیح پڑھے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/۱۸۸)

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی: ۳/۶۹۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/۱۵۹، مدلل ومکمل، دارالاشاعت۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تراویح کے ہر شفعہ پر نیت کرنے کا حکم:

سوال: تراویح کے ہر شفعہ پر علیحدہ نیت کرنا ضروری ہے یا ایک ہی مرتبہ بیس کی نیت کافی ہوجائے

گی؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ایک ہی مرتبہ بیس کی نیت کافی ہے ہر شفعہ پر علیحدہ نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی قاضیخان میں ہے:

وهل يحتاج لكل شفع من التراويح أن ينوى التراويح،قال بعضهم:يحتاج لأن كل شفع منها صلاة على حدة والأصح أنه لايحتاج لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:۱/۲۳۷،فصل فى نية التراويح)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولوصلى التراويح كلها بتسليمة واحدة إن قعد فى كل ركعتين يجوزعند الكل وإن لم يقعد فى كل ركعتين وقعد فى آخرها ففى الاستحسان على القول الصحيح يجزيه عن تسليمة واحدة كذا فى السراج الوهاج وهكذا فى فتاوى قاضيخان. (الفتاوى الهندية:۱/۱۱۹ فصل فى التراويح ـ وكذا فى شرح منية المصلى:۴۰۵، سهيل)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

تراویح کے لئے شروع میں بیس رکعت کی نیت کافی ہے ہر دو رکعت پر نیت کرنا شرط نہیں مگر بہتر ہے۔ (فتاوی رحیمیہ:۱/۳۵۴)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تراویح کے بعد نفل نماز باجماعت پڑھنے کا حکم:

سوال: تراویح کے بعد نفل نماز باجماعت پڑھنا کیسا ہے؟ اگر مکروہ ہے تو تحریمی یا تنزیہی؟

الجواب: نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے رمضان اور غیر رمضان کی تخصیص نہیں ہاں ایک دو آدمی کسی کی اقتداء کرے بغیر تداعی تو بلا کراہت جائز ہے اور تین میں اختلاف ہے، علامہ طحاویؒ نے فرمایا اصح قول کے مطابق بلا کراہت جائز ہے اور چار یا زیادہ آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

والجماعة فى النفل فى غيرالتراويح مكروهة فالاحتياط تركها.....وعن شمس الأئمة أن هذا أى كراهة الجماعة فى النفل إذاكان على سبيل التداعى أى طريق يدعو الناس

Maktaba Tul Ishaat.com

للاجتماع علیهم أما لو اقتدی واحد بواحد أو اثنان بواحد لایکره لأن النبی ﷺ أمّ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما فی صلاة اللیل.....وصح أنه ﷺ أمّ أنساً رضی اللہ عنہ والیتیم والعجوز فصلی بهم رکعتین، وکانت نافلة وإذا اقتدی ثلاثة بواحد اختلف فیه والأصح عدم الکراهة، وإن اقتدی أربعة بواحد کره اتفاقاً. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی:۳۸٦، باب الوتر، قدیمی کتب خانه۔ وکذا فی المبسوط للإمام السرخسیؒ:۲/۷٦، باب صلاة الکسوف، إدارة القرآن۔ وخلاصة الفتاوی:۱/۱۵٤، رشیدیة)

شامی میں ہے:

والظاهر أن الجماعة فیه غیر مستحبة ثم إن کان ذلک أحیاناً کما فعل عمر رضی اللہ عنہ کان مباحاً غیر مکروه، وإن کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة لأنه خلاف المتوارث، قلت: ویؤیده أیضا ما فی البدائع من قوله: إن الجماعة فی التطوع لیست بسنة إلافی قیام رمضان. فإن نفی السنیة لایستلزم الکراهة، نعم إن کان مع المواظبة کان بدعة فیکره وفی حاشیة البحر للخیر الرملی..... والنفل بالجماعة غیر مستحب لأنه لم تفعله الصحابة رضی اللہ عنہم فی غیر رمضان وهو کالصریح فی أنها کراهة تنزیه تأمل. (شامی:۲/٤۸ باب النوافل، سعید)

لیکن مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے بغیر دعوت کے چار سے زیادہ آدمیوں کے اجتماع کی گنجائش تحریر فرمائی ہے، ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت: وتفسیر التداعی بالاهتمام والمواظبة أولیٰ من تفسیرها بالعدد والکثرة کما لایخفی، لأن الأول أقرب إلی اللغة وأشبه بها دون الثانی. (إعلاء السنن:۷/۹۳ باب کراهة الجماعة فی النوافل، إدارة القرآن کراچی)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تراویح باجماعت قضا کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ تراویح میں دو رکعت فاسد ہوگئی پھر پوری جماعت نے دوسری رات میں ۲۲ رکعت پڑھی تو اس طرح قضا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز قضا کی نیت سے دو رکعت زائد پڑھی اس میں جو قراءت ہوئی اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نمازِ تراویح جب فاسد ہوجائے تو دوسرے دن جماعت کے ساتھ قضاء کرنا مکروہ ہے نیز جو قراءت ہوئی اس کا اعتبار نہ ہوگا یعنی ختمِ قرآن میں شامل نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو قاضی خان میں ہے:

وإن تذكر في الليل أنه فسد عليهم شفع من الليلة الماضية فأراد القضاء بنية التراويح يكره لأنه زيادة على التراويح بنية التراويح. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۱/۲۳۶، فصل في وقت التراويح)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر یاد آیا کہ گذشتہ شب کوئی شفعہ تراویح کا فاسد ہوگیا تھا تو اس کو بھی جماعت کے ساتھ تراویح کی نیت سے قضاء کرنا مکروہ ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/۲۸۶، باب التراویح، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قعدہ کئے بغیر تیسری رکعت کی طرف جانے سے تراویح کا حکم:

سوال: تراویح میں تیسری رکعت کے لئے بغیر قعدہ کے کھڑا ہوگیا اور واپس نہیں آیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام تیسری رکعت سے واپس نہیں آیا اور تین پر سلام پھیر دیا تو صحیح قول کے مطابق نماز فاسد ہوگئی دوبارہ پڑھ لے، اور اگر چوتھی رکعت ملالی تو صرف دو رکعت تراویح شمار ہوگی یعنی پہلا شفعہ صحیح نہیں ہوگا اس میں جو قراءت کی گئی اس کا اعادہ کرلیا جائے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

عن أبي بكر الإسكاف أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة في التراويح ولم يقعد في الثانية قال: إن تذكر في القيام ينبغي أي يعود ويقعد ويسلّم وإن تذكر بعد ماسجد للثالثة فإن أضاف إليها ركعة أخرى كانت هذه الأربع عن تسليمة واحدة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۸، فصل في التراويح)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

وإن صلى ثلاث ركعات بتسليمة واحدة فهو على وجهين إما إن قعد في الثانية أولم يقعد فإن قعد جاز عن تسليمة واحدة ويجب عليه قضاء ركعتين لأنه شرع في الشفع الثاني بعد إكمال الشفع الأول فإذا أفسد الشفع الثاني بترك الرابعة كان عليه قضاء

Maktaba Tul Ishaat.com

رکعتین،وإن لم یقعد فی الثانیة ساهیاً أوعامداً لاشک أن فی القیاس وهوقول محمد وزفرؒ،وإحدی الروایتین عن أبی حنیفةؒ تفسد صلاته ویلزمه قضاء رکعتین لاغیر،وأما فی الاستحسان هل تفسد صلاته فی قول أبی حنیفةؒ وأبی یوسفؒ اختلفوا فیه قال بعضهم تفسد ولایجزئ عن شیء وقال بعضهم تجزئ عن تسلیمة واحدة.....وجه من قول أنه لا یجوزعن شیء وهوالصحیح أنه ترک القعدة المشروعة وهی القعدة علی رأس الثانیة والقعدة علی رأس الثالثة غیرمشروعة فی التطوع فصارکأنه لم یقعد أصلاً فلایجوز. (فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة:۱/۲٤۰،فصل فی السهو)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا فسد الشفع وقد قرأ فیه لایعتد بما قرأ فیه ویعید القراء ة لیحصل له الختم فی الصلاة الجائزة وقال بعضهم یعتد بهاکذا فی الجوهرة النیرة. (فتاوی هندیة:۱/۱۱۸فصل فی التراویح)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

چار رکعت قعدۂ اولیٰ کے بغیر پڑھنے سے تراویح کا حکم:

سوال: اگر چار رکعت پڑھ لی اور دوسری رکعت پر نہیں بیٹھا تو تراویح ہوئی یا نہیں؟ اور کون سے شفعہ کی قراءت صحیح ہے اور کون سے شفعہ کی تلاوت کی قضاء کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اصح قول کے مطابق قعدۂ اولیٰ نہ کرنے کی وجہ سے پہلا شفعہ فاسد ہوگیا، لہذا تلاوت بھی صحیح نہیں ہوئی، البتہ دوسرا شفعہ اور تلاوت دونوں صحیح ہیں صرف پہلے کی قضاء لازم ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضیخان میں ہے:

وقال الفقیه أبوجعفرؒ والشیخ الإمام أبوبکرمحمد بن الفضلؒ فی التراویح تنوب الأربع عن تسلیمة واحدة و هو الصحیح لأن القعدة علی رأس الثانیة فرض فی التطوع فإذا ترکها کان ینبغی أن تفسد صلا ته أصلاً کما هووجه القیاس وإنما جازاستحساناً فأخذنا بالقیاس وقلنا بفساد الشفع الأول وأخذنا بالاستحسان فی حق بقاء التحریمة وإذا بقیت التحریمة صح شروعه فی الشفع الثانی وقد أتمّها بالقعدة فجازعن تسلیمة واحدة. (فتاوی قاضیخان علی

هامش الهندية: ۱/ ۲٤۰ ،فصل فی السهو ،رشيدية)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لايعتد بما قرأ فيه ويعيد القراءة ليحصل له الختم فی الجائزة وقال بعضهم يعتد بها كذا فی الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۸ ،فصل فی التراويح)

نیز ملاحظہ ہو: البحر الرائق: ۳/ ٦٧ ، باب الوتر والنوافل ،الماجديه۔ وحاشية تبيين الحقائق: ۱/۱۷۹ باب الوتر والنوافل ،امداديه ملتان۔

البتہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے بحوالہ امداد الفتاویٰ دوسرا قول بھی تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

...فرمایا کہ میرا معمول تو عرصہ سے دوسرے ہی قول پر فتویٰ دینے کا ہے، کہ یہ چار قائم مقام دو کے ہوں گی، جیسا کہ کلامِ مشائخ سے اس کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے، لیکن امداد الفتاویٰ کا جواب غالباً اس بنا پر ہے کہ آج کل طبائع میں کسل غالب ہے، اگر چار کو قائم مقام تسلیمۃ واحدۃ کے مان کر دو رکعت کا اعادہ کیا جائے گا تو وہ اعادہ مع اس مقدار قرآن کے ہوگا، جو ان رکعتوں میں پڑھا گیا ہے، اور بعض دفعہ ان دو رکعتوں میں بہت زیادہ مقدار تلاوت کی جا چکتی ہے، ان کا اعادہ مع مقدارِ تلاوت نمازیوں پر بہت گراں ہوتا ہے حتی کہ فرماتے تھے کہ میں نے بعض جگہ اس پر لڑائی ہوتے ہوئے دیکھا ہے، اس لیے تسہیل عوام کے لحاظ سے امداد الفتاویٰ میں فقیہ ابواللیث کے قول پر میں نے اکتفا کیا کہ جب مسئلہ میں دو قول موجود ہیں، اور ایک قول میں عوام کو سہولت ہے تو اس کو اس جہت سے ترجیح ہے، وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا، گو قواعد کے لحاظ سے دوسرا ہی قول صحیح ہے، ہذا واللہ اعلم، پس جس جگہ دوسرے قول پر فتویٰ دینے میں توحش اور تنگی کا اندیشہ ہو وہاں میرے نزدیک پہلے ہی قول پر فتویٰ دینا چاہئے۔ (امداد الاحکام: ۱/ ٦۱۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تراویح میں قرآن میں دیکھ کر امام کو لقمہ دینے کا حکم:

سوال: تراویح کی نماز میں ایک شافعی مقتدی قرآن میں دیکھ کر لقمہ دیتا ہے اور حنفی امام اس لقمہ سے اپنی غلطی کی اصلاح کرتا ہے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: مذہبِ احناف میں یہ عمل مفسدِ نماز ہے جبکہ حنفی مقتدی لقمہ دے اور شوافع کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، لہذا نماز فاسد نہیں ہوگی لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ملاحظہ ہو روضۃ الطالبین میں ہے:

ولو صلى على وجه لا يصححه والشافعي يصححه فعند القفال لا يصح الاقتداء الشافعي به، وعند أبي حامد يصح اعتباراً باعتقاد المأموم. (روضة الطالبين: ۱/۳٤۷، باب صفة الأئمة، المكتب الإسلامي)

الفقہ الاسلامی میں ہے:

اشترط الحنفية والشافعية أن تكون صلاة الإمام صحيحة في مذهب المأموم. فلو صلى حنفي خلف شافعي سال منه دم ولم يتوضأ بعده أو صلى شافعي خلف حنفي لمس امرأة مثلاً فصلاة المأموم باطلة لأنه يرى بطلان صلاة إمامه.....وأما ما كان شرطاً في صحة الاقتداء فالعبرة فيه بمذهب المأموم. (الفقه الإسلامي وأدلته: ۲/۱۸۰، دارالفكر)

شامی میں ہے:

قلت: وهذا بناء على أن العبرة لرأي المقتدي وهو الأصح وقيل لرأي الإمام وعليه جماعة.....قوله: إن تيقن المراعاة لم يكره: أي المراعاة في الفرائض من شروط وأركان في تلك الصلاة وإن لم يراع في الواجبات والسنن.....وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي عليه الإجماع، إنما اختلف في الكراهة.....وفي رسالة الاهتداء في الاقتداء لملا علي القاري: ذهب عامة مشايخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط في موضع الخلاف وإلا لا. (شامي: ۱/٥٦٣، باب الإمامة، سعيد)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تراویح اور تہجد دونوں علیحدہ نمازیں ہیں:

سوال: تراویح کے بعد تہجد ہے یا نہیں یا تراویح تہجد کے قائم مقام ہے؟

جواب: احادیث اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح اور تہجد دونوں علیحدہ نمازیں ہیں تراویح تہجد کے قائم مقام نہیں ہوسکتی، تہجد کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے علیحدہ پڑھنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی سلمة بن عبد الرحمن أنه سأل عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها **کیف کانت صلاة رسول اللہ ﷺ فی رمضان فقالت: ماکان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولافی غیره علی إحدی عشرة رکعة.....یصلی أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثاً.....** (رواه البخاری: ۱/۱۵۴، باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیره)

محدثین میں سے امام مسلم، امام مالک، امام عبد الرزاق، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابو عوانہ، امام ابن خزیمہ، امام مروزی، امام دارمی، صاحبِ بلوغ المرام، صاحبِ مشکاۃ ان تمام نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے لیکن تراویح کے باب میں نہیں۔

لامع الدراری میں ہے:

ومما ینبغی التنبیه له أن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها **لم تذکرهنا إلاماکانت عادته فی صلاته باللیل وکان دوامه علیها فأما ماوقع أحیاناً ونادراً کصلاته بالقوم فی رمضان لیالی فغیرمعترض به نفیاً ولاإثباتاً وذلک کثیرفی الکلام.....قوله فی رمضان ولافی غیره: أی فی صلاته المعتادة المعروفة بالتهجد وصلاة اللیل لاأنه لم یزد علی ذلک أبداً.**

حاشیہ میں حضرت شیخؒ فرماتے ہیں:

وهذا أیضاً ظاهرأن التراویح صلاة مختصة برمضان والسوال کان عن صلاة تعم رمضان وغیره. (لامع الدراری: ۲/۱۸۶، باب قیام النبی ﷺ فی رمضان وفی غیره)

فتح الباری میں ہے:

وفی الحدیث دلالة علی أن صلاته کانت متساویة فی جمیع السنة. (فتح الباری: ۳/۳۳، باب قیام النبی ﷺ، دارنشرالکتب الإسلامیة)

عمدۃ القاری میں ہے:

ذکرمایستفاد منه فیه أن عمله ﷺ کان دیمة فی شهررمضان وغیره وأنه کان إذا عمل عملاً أثبته ودوام علیه. (عمدة القاری: ۵/۴۹۵، باب قیام النبی ﷺ، دارالحدیث ملتان)

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

تہجد الگ نماز ہے جو کہ رمضان اور غیر رمضان دونوں میں مسنون ہے، تراویح صرف رمضان مبارک کی

Maktaba Tul Ishaat.com

عبادت ہے تہجد اور تراویح کو ایک نماز نہیں کہا جاسکتا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۰، لدھیانوی)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اکابر کی تحقیق کے مطابق تراویح اور تہجد کا فرق اور شاہ صاحب کا نظریہ:

حضرت شاہ صاحبؒ کا نظریہ:

تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا الگ الگ نمازیں ہیں؟ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی تقریر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں صرف دونوں کی صفت اور وقت میں فرق ہے نماز ایک ہے۔ ہاں تراویح کی ۲۰ رکعت کے حضرت شاہ صاحب قائل ہیں۔ العرف الشذی علی الترمذی میں مذکور ہے:

ولم یثبت فی روایة من الروایات أنه علیه السلام صلی التراویح والتهجّد علی حدة فی رمضان، بل طوّل التراویح، وبین التراویح والتهجد فی عهده لم یکن فرق فی الرّکعات بل فی الوقت والصّفة أی التراویح تکون بالجماعة فی المسجد بخلاف التهجد، وإن الشروع فی التراویح یکون فی أوّل اللیل وفی التهجد فی آخر اللیل، نعم ثبت عن بعض التابعین الجمع بین التراویح والتهجد.....

فإنه لم یثبت عنه علیه السلام ولا عن الصحابة جمعهم بین التراویح والتهجد. وأمّا ما فی مؤطا مالک أن عمر رضی اللہ عنہ کان یصلی التراویح آخر اللیل فمراده أنه إذا لم یصل مع الجماعة أوّل اللیل. (العرف الشذی علی الترمذی: ۱/۱۶۶، دیوبند)

فیض الباری میں ہے:

وهما متحدان عند الشافعیة: فإن صلاها قبل النوم سمیت صلاة اللیل وإن صلاها بعد ما استیقظ من نومه سمیت تهجداً، فالفرق بینهما وصفیّ، وکذا الوتر عندهم، فالوتر والتهجد وصلاة اللیل کلها عندهم متحدة مصداقاً، ومتباینة مفهوماً.....وقلنا أما الفرق بین صلاة اللیل والتهجد فکما ذکرتم، لکنّ الوتر صلاة مستقلّة. (فیض الباری: ۲/۴۰۷)

دیگر اکابرؒ کی تحقیق:

جمہور کے نزدیک تراویح کی نماز تہجد سے الگ اور مستقل نماز ہے اس پر کافی دلائل موجود ہیں:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور فقہاء ومحدثین کے کلام میں اس نماز کی اضافت رمضان کی

طرف کی گئی، مثلاً سننِ نسائی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے:

قال رسول الله "إن الله تبارک وتعالی فرض صیام رمضان علیکم وسننت لکم قیامه.

(سنن نسائی: ۳۰۸/۱)

اور مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

کان رسول الله ﷺ یرغب فی قیام رمضان من غیر أن یأمرهم بعزیمة. (مسلم شریف: ۲۵۹/۱)

اور صلاۃ اللیل میں نماز کی نسبت رات کی طرف کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نماز ہر رات کے ساتھ خاص ہے اسی طرح قیامِ رمضان کا مطلب ایسی نماز جو رمضان ہی میں پڑھی جاتی ہے اور صلاۃ اللیل یا تہجد رمضان کے ساتھ خاص نہیں اس لئے یہ قیامِ رمضان سے الگ نماز ہے۔

(۲) تراویح اور تہجد میں فرق کا ایک قرینہ اختلافِ وقت ہے، دونوں نمازوں کے وقتوں میں اختلاف ہے، تہجد کا وقت نیند سے اٹھنے کے بعد ہے اور تہجد کا اصل معنی یہی ہے: نیند سے بیدار ہونا، لہذا تہجد اسی نماز کو کہیں گے جو نیند سے بیدار ہونے کے بعد پڑھی جائے۔

علامہ طبریؒ ﴿ومن اللیل فتهجد به نافلة لک﴾ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: **ومن اللیل فاسهر بعد نومة یا محمد بالقرآن نافلة لک خالصة لک دون أمتک، والتهجد التقیظ والسهر بعد نومة من اللیل.** (تفسیر طبری: ۹۵/۱، دارالمعرفة، بیروت لبنان)

تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے:

فإن التهجّد ما کان بعد نوم، قاله علقمة والأسود وإبراهیم النخعی وغیر واحد، وهو معروف فی لغة العرب، وکذلک ثبتت الأحادیث عن رسول الله ﷺ أنه کان یتهجد بعد نومه. (تفسیر ابن کثیر: ۶۱/۳۔ ومثله فی روح المعانی: ۱۳۸/۱۵)

لسان العرب میں ہے:

وأما التهجد فهو القائم إلی الصلاة من النوم. (لسان العرب: ۴۳۱/۳، بیروت)

وفی الصحیح للإمام مسلم عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: کنا نعد له سواکه و طهوره فیبعثه الله ماشاء أن یبعثه من اللیل فیتسوک..... (مسلم شریف: ۲۵۶/۱)

خلاصہ یہ ہے کہ تہجد وہ نماز ہے جو نیند سے اٹھ کر پڑھی جاتی ہے اس کے برعکس تراویح شروع کرنے کا وقتِ

Maktaba Tul Ishaat.com

مستحب اول اللیل ہے اور یہی امت کا تعامل ہے، اس کے متعلق المغنی لابن قدامۃ میں مذکور ہے:

وقیل لأحمد نؤخر القیام یعنی فی التراویح إلی آخر اللیل، قال: لا، سنة المسلمین أحب إلیّ. (المغنی: ۱/۸۰۱، دارالکتب العلمیة، بیروت)

جب دونوں نمازوں کا وقتِ مستحب الگ الگ ہے تو دونوں کو الگ الگ نمازیں شمار کریں گے۔

(۳) آپ علیہ السلام کے زمانے میں صلاۃ اللیل باجماعت ادا کرنے کے لئے کبھی اجتماع نہ ہوا اور نہ آپ نے کبھی باجماعت صلاۃ اللیل ادا کرنے کی ترغیب دی، خلفاءِ راشدین اور بعد کے زمانے میں بھی صلوۃ اللیل باجماعت پڑھنے کا رواج نہ تھا اس کے برخلاف آپ علیہ السلام نے تراویح کی جماعت بھی کرائی، اور دوسروں کو تراویح باجماعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر اس کی تحسین بھی فرمائی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کی موجودگی میں تراویح کی نماز باجماعت شروع کرائی اور یہ معمول اب تک تمام مساجد میں جاری ہے۔

أخرج البخاری بروایة عائشة أمّ المؤمنین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها أن رسول اللّٰہ ﷺ صلی ذات لیلة فی المسجد، فصلی بصلاته ناس، ثم صلی من القابلة فکثر الناس، ثم اجتمعوا من اللیلة الثالثة أو الرابعة، فلم یخرج إلیهم رسول اللّٰہ ﷺ فلما أصبح قال: لقد رأیت الذی صنعتم ولم یمنعنی من الخروج إلیکم إلا أنی خشیت أن یفرض علیکم، وذلک فی رمضان. (بخاری شریف: ۱/۱۵۲)

وأخرج عبد الرزاق بسنده عن السائب بن یزید قال: کنا ننصرف من القیام علی عهد عمر رضی اللہ عنہ وقد دنا فروع الفجر، وکان القیام علی عهد عمر رضی اللہ عنہ ثلاثه وعشرین رکعة. (مصنف عبد الرزاق: ۴/۲۶۱، ۲۵۲)

(۴) تہجد کی مشروعیت قرآن کریم سے ہوئی:

قال اللّٰہ تعالی: ﴿ومن اللیل فتهجّد به نافلة لک﴾

وقال تعالیٰ: ﴿یایها المزمل قم اللیل إلا قلیلاً نصفه أو انقص منه قلیلاً﴾

اور تراویح کی مشروعیت حدیث شریف سے ہے:

قال علیه الصلاة والسلام: وسننت لکم قیامه. (نسائی شریف: ۱/۳۰۸)

اگر کوئی کہے کہ سنت کا مطلب اللہ تعالیٰ کے حکم کا عملی طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا، تو مشروعیت تراویح کی

حدیث سے نہ ہوئی؟

جواب: آپ علیہ السلام نے بصورتِ تقابل یہ ارشاد فرمایا:

إن الله تبارک وتعالی فرض صیام رمضان علیکم،وسننت لکم قیامه،

حالانکہ صوم کا عملی طریقہ بھی آپ علیہ السلام نے بھی بتلایا۔

(۵) تہجد کا حکم مکہ مکرمہ میں ہوا اور تراویح کا مدینہ منورہ میں۔

(۶) آپ علیہ السلام نے کبھی پوری رات تہجد نہیں پڑھی۔

مسلم میں ہے:

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها فی حدیث طویل،قالت: ولا أعلم نبی اللّٰہ ﷺ قرأ القرآن کله فی لیلة ولا صلی لیلة إلی الصبح. (مسلم شریف: ۲۵۶/۱)

اس کے برخلاف تراویح سے متعلق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں تین متفرق راتوں میں صحابہ کے ساتھ تراویح باجماعت پڑھی ہے اور ان میں سے تیسری رات میں آپ علیہ السلام نے تراویح کے لئے اپنے گھر والوں کو بھی جمع کیا اور اتنی دیر تک نماز پڑھائی کہ ہمیں خطرہ ہونے لگا کہ کہیں سحری کا وقت نہ نکل جائے۔

ابوداود میں ہے:

عن أبی ذر رضی اللہ عنہ قال: صمنا مع رسول اللّٰہ ﷺ رمضان فلم یقم بنا شئاً من الشهر حتی بقی سبع،فقام بنا حتی ذهب ثلث اللیل،فلما کانت السادسة لم یقم بنا،فلما کانت الخامسة قام بناحتی ذهب شطر اللیل.....فلما کانت الثالثة جمع أهله ونساء ه والناس فقام بنا حتی خشینا أن یفوتنا الفلاح قال: قلت: ما الفلاح قال السحور. (أبوداؤد: ۱۹۵/۱، قیام شهر رمضان۔ونسائی ۲۳۸/۱، قیام شهر رمضان۔وابن ماجة: ۹۴/۱، قیام شهر رمضان)

(۷) تمام فقہی مکاتبِ فکر کے محدثین وفقہاء کا یہی طرزِ عمل چلا آرہا ہے کہ وہ صلاۃ اللیل اور تہجد وغیرہ پر الگ ابواب وفصول قائم کرتے ہیں اور قیامِ رمضان اور تراویح کے الگ، حتی کہ بہت سے محدثین سے قیامِ رمضان کا ذکر کتاب الصوم میں کیا ہے مثلاً امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں، اور علامہ ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ میں امام ترمذی نے سنن الترمذی میں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۸) مسلم شریف کی روایت کے مطابق تہجد پہلے فرض تھی پھر فرضیت منسوخ ہوگئی جب کہ تراویح میں نسخ واقع نہیں ہوا۔

مسلم میں ہے:

عن سعد بن هشام فيما سأل عائشةرضی اللّٰہ تعالیٰ عنها يقول: فقلت أنبئيني عن قيام رسول اللهﷺ فقالت: ألست تقرء ياأيها المزمل، قلت: بلى قالت: فإن الله عزوجل افترض قيام الليل في أول هذه السورة فقام نبى اللهﷺ و أصحابه حولاً وأمسك اللهخاتمتها اثنى عشرشهرا في السماء حتى أنزل الله في آخرهذه السورة التخفيف فصارقيام الليل تطوعا بعد فريضة.

(مسلم شريف: ۲۵٦/۱)

(۹) مفتی رشید احمد صاحبؒ نے مذکورہ بالا فرق کو اس طور پر بیان فرمایا ہے کہ نمازِ تہجد پہلے فرض تھی اس کے بعد وحی الٰہی نے اس کی فرضیت منسوخ کردی اب دوبارہ فرضیت والا خطرہ نہ رہا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پر دوام نہ فرمانیکی حکمت خشیتِ فرضیت بیان فرمائی ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ تراویح تہجد سے الگ کوئی نماز ہے، کیونکہ تہجد کی فرضیت تو پہلے ہی منسوخ کر کے آپ علیہ السلام کو مطمئن کر دیا گیا تھا۔ (احسن الفتاوی: ۵۳۲/۳)

(۱۱) ایک فرق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کو ہر روز آخرِ شب میں پڑھا ہے، چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت ہے: **ثم قلت فأى حين كان يقوم من الليل، قالت: كان إذا سمع الصارخ .**

اور دیگر روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

اور تراویح کو آپ نے اول لیل میں پڑھا ہے۔ (فتاوی رشیدیہ: ۳۵۴)

قوله: إذا سمع الصارخ . (بخاری: ۱۵۲/۱ ۔ومسلم شريف: ۲۵۵/۱ عن عائشةرضی الله تعالیٰ عنها)

قوله: تراویح اول لیل میں پڑھا ہے۔ هذا الحديث قد مرّ ذكره. (نسائی: ۲۳۸/۱)

پھر احادیث کی روشنی میں بھی ان دونوں نمازوں کا الگ ہونا ثابت ہے، کہ آپ علیہ السلام نے تراویح پڑھ کر پھر اور کوئی نماز پڑھی یعنی تہجد، نیز صحابہ سے بھی یہ عمل ثابت ہے۔

(۱) أخرج أبوداود بسنده عن قيس بن طلق قال: زارنا طلق بن على فى يوم من رمضان و أمسى عندنا وأفطر، ثم قام بنا تلك الليلة وأوتربنا ثم انحدرإلى مسجده فصلى بأصحابه

حتی إذا بقی الوتر قدم رجلاً فقال: أوتر بأصحابک فإنی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: لا وتران فی لیلة. (أبوداؤد: ۲۰۳/۱)

حضرت گنگوہیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے اول لوگوں کے ساتھ موافقِ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول وقت میں تراویح ادا کی، اور وتر بھی اس کے ساتھ پڑھی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور بعد اس کے اپنی مسجد میں جا کر آخر وقت میں تہجد ادا کیا اور اس کے ساتھ وتر نہیں پڑھی۔ (فتاوی رشیدیہ: ۳۶۱)

صحابہ کے عمل سے بھی ثابت ہوا کہ یہ دونوں الگ نمازیں ہیں۔

وفی المؤطا عن عمر ﷺ قال: والتی تنامون أفضل من التی تقومون یعنی آخر اللیل. (مؤطا: ۹۸)

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

اس سے اگر مغایرت دونوں نمازوں کی نکالی جائے تو بعید نہیں کیونکہ اس قول کے معنی یہ ہے کہ جو نماز کہ تم اس سے سو رہتے ہو یعنی تہجد کہ آخر رات میں ہوتی ہے افضل ہے اس نماز سے جو تم پڑھتے ہو یعنی تراویح کہ اول وقت پر پڑھتے تھے۔ (فتاوی رشیدیہ: ۳۶۰)

(۴) امام بخاریؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ ابتداءِ شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھتے تھے، اور بوقتِ سحر تہجد انفراداً پڑھتے تھے۔ (احسن الفتاوی: ۵۳۲/۳)

قلت: وقد ذکرہ الحافظ فی مقدمة الفتح فی ترجمة أبی عبد اللہ:

وقال الحاکم أبو عبد اللہ الحافظ أخبرنی محمد بن خالد ثنا مقسم بن سعید قال: کان محمد بن إسماعیل البخاری إذا کان أول لیلة من شهر رمضان، یجتمع إلیه أصحابه فیصلی بهم ویقرأ فی کل رکعة عشرین آیة، وکذلک إلی أن یختم القرآن، وکان یقرأ فی السحر ما بین النصف إلی الثلث من القرآن فیختم عند السحر فی کل ثلاث لیال. (هدی الساری: ۴۸۱)

(۵) احسن الفتاوی میں ہے:

فقہِ حنبلی کی مشہور کتاب مقنع میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

ثم التراویح وهی عشرون رکعة یقوم بها فی رمضان فی جماعة ویوتر بعدها فی جماعة،فإن کان له تهجد جعل الوتر بعده. (المقنع:۱۸٤)۔(احسن الفتاوی۳:۵۳۲)

یہ عبارت "المبدع شرح المقنع:۲/۲٤۵" پر مذکور ہے،اس سے پتہ چلتا ہے کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں ہیں۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تراویح میں جھراً بسم اللہ پڑھنے کا حکم:

سوال: فتاوی رشیدیہ میں ہے: تراویح میں بالسر و بالجہر دونوں طرح پڑھنا درست ہے،کوئی بالجہر پڑھے تو اس پر اعتراض کرنا نامناسب ہے (ص۳۳۷)اس کے بعد حمید اللہ مقیم مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ لکھتے ہیں:ہاں اتنی بات ہے کہ بسم اللہ کا جھراً پڑھنا متروک ہورہا ہے تو یہ سنتِ مردہ کے حکم میں ہے پس اس کو رواج دینے میں امید ہے کہ سوشہیدوں کا ثواب ملے،پس اولیٰ ہے کہ اکثر بسم اللہ کو جہر کے ساتھ نماز میں پڑھا کریں خواہ وہ نمازیں فرض ہوں یا جن میں قراءت جہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہو جیسے فجر،عشاء،مغرب،خواہ تراویح ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ تراویح میں بالجہر بسملہ پڑھی جائے بنیتِ احیائے سنت تو کیا مستحقِ ثواب ۱۰۰ شہیدوں کا ہوگا؟اور کیا فرض نمازوں کا بھی یہی حکم ہوگا؟بینوا توجروا!

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق بسم اللہ جھراً پڑھنا خلافِ اولیٰ ہے چاہے تراویح ہو یا فرض نمازیں ہوں،پورے قرآن میں صرف ایک مرتبہ تراویح میں کسی سورت کے شروع میں جھراً بسم اللہ پڑھنا چاہئے اس کے علاوہ سراً پڑھ لے۔

فقہاء کی عبارات اور فتاوی میں اس کی تصریحات موجود ہیں اور احیاءِ سنت میں سوشہیدوں کا ثواب ملنا اس حدیث کی تحقیق ابواب الحدیث گذر گئی۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے مروجہ بدعتِ قبیحہ کو مٹایا اور اس کی جگہ اصل سنت کا رواج دیا تو ۱۰۰ شہیدوں کا ثواب ملے گا،گویا یہاں سنت کے مقابل میں بدعت ہے اور مسئلہ مذکورہ میں یعنی تسمیہ جھراً یا سراً پڑھنا اس میں دونوں جانب احادیث ہیں البتہ سراً پڑھنے کی احادیث کثیر اور اعلیٰ درجہ کی ہیں۔

اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (نوّر اللہ مرقدہ) کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جھراً خلافِ اولیٰ ہے اس کی وجہ سے مسجد میں اختلاف اور جھگڑا نہیں کرنا چاہئے پہلے سمجھانا چاہئے نہ مانے تو اعتراض نہ کرے اس لئے کہ یہ بھی

حدیث سے ثابت ہے اور درست ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وتسن التسمية أول كل ركعة قبل الفاتحة لأنه ﷺ كا ن يفتتح صلا ته ببسم الله الرحمن الرحيم.....وهى آية واحدة من القرآن.....وأنزلت للفصل بين السور.....ويسن الإسرار بها للآثار الواردة بذلك. (حاشية الطحطاوى مع مراقى الفلاح:ص ٢٦٠، ٢٦٢،قديمى)

الدرالمختار میں ہے:

وسمى غير المؤتم بلفظ البسملة سرا فى أول كل ركعة ولوجهرية.....وفى الشامية: (قوله سراً فى أول كل ركعة) كذا فى بعض النسخ وسقط سراً من بعضها ولابد منه، قال فى الكفاية عن المجتبى: والثالث أنه لايجهر بها فى الصلاة عندنا. (الدرالمختارمع الشامى: ١/ ٤٩٠، سعيد)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

نماز کے اندر حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق بسم اللہ کو سرًا پڑھنا چاہئے، اس میں حنفیہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اطلاقِ نماز شامل ہے نماز فرض اور نفل وتراویح وغیرہ کو اور یہ بھی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ اتباعِ امام من القراء خارجِ صلاۃ میں ہے نہ صلاۃ میں اور اس پر ہم نے اپنے اساتذہ علماءِ احناف کو پایا ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/۲۶۴، ۲۶۵ مدلل ومکمل)

نیز ملاحظہ ہو: وفتاوی رحیمیہ:۴/۳۸۰ باب التراویح۔ مجموعہ رسائل اللکھنوی (أحكام القطرة فى أحكام البسملة): ۱/۱۷، ادارۃ القرآن۔ وفتاوی محمودیہ:۷/۲۹۹، ۳۰۱، جامعہ فاروقیہ۔ وامداد الفتاوی:۱/۲۲۸، ۲۳۰، فصل فى التجويد۔ وامداد الاحکام:۱/۶۳۰، فصل فی التراویح۔

علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

قد صرحوا أن ختم القرآن بجميع أجزاءه فى التراويح مرة سنة مؤكدة حتى لوترك آية منه لم يخرج عن العهدة، وقد ثبت أن البسملة أيضاً آية منه على الأصح، فيستخرج منه أنه لوقرأ تمام القرآن فى التراويح ولم يقرأ البسملة فى ابتداء سورة من السورسوى ما فى سورة النمل لم يخرج عن عهدة السنية ولوقرأها الإمام سراً خرج عن العهدة لكن لم يخرج

Maktaba Tul Ishaat.com

المقتدون عن العهدة. (مجموعة رسائل اللكهنوی:"أحكام القنطرة فی أحكام البسملة":۱/۱۰۳، امدادية)

نیز ملاحظہ ہو: امداد المفتیین: جلد دوم ص۳۶۱ فصل فی التراویح، دارالاشاعت۔ وفتاوی محمودیہ:۷/۳۰۰، باب التراویح، جامعہ فاروقیہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نفل پڑھنے والے کے پیچھے تراویح پڑھنے کا حکم:

سوال: نفل پڑھنے والے کے پیچھے تراویح پڑھنے سے تراویح صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: تراویح سنتِ مؤکدہ اور اعلیٰ ہے اور نفل ادنیٰ ہے اور اعلیٰ کی اقتداء ادنیٰ کے پیچھے درست نہیں لہذا صورتِ مسئولہ میں تراویح کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ منحۃ الخالق میں ہے:

أقول حيث صرح قاضيخان بأن الصحيح أنه إذا صلى التراويح مقتدياً بمتنفل بغيرها لايجوزبناء على أن السنة لاتتأدى بنية التطوع يكون ذلك تصحيحاً لعدم جواز اقتداء مصلى التراويح بالمفترض لأن معنى أن السنة لاتتأدى بنية التطوع أنها لابد لها من التعيين والإمام غيرمعين للتراويح سواء كان مصلياً نفلاً أوفرضاً فلا تصح نية التراويح من المقتدى وقد صرح بذلك العلامة قاسم فی فتاواه ضمن رسالة فقال: (فصل)إذا صلى التراويح مقتدياً بمن يصلى المكتوبة أووتراً أونافلة غيرالتراويح اختلفوا فيه من بنى هذا الاختلاف على الاختلاف فی النية ومن قال من المشايخ أن التراويح لاتتأدى إلابنيتها فلا تتأدى بنية الإمام وهی بخلاف نيته ومن قال منهم أنها تتأدى بمطلق النية ينبغی أن يقول هنا أنه يصح والأصح أنه لايصح الاقتداء. (منحة الخالق حاشية البحرالرائق:۱/۳۶۵،باب الامامة ،الماجدية)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولوصلى التراويح مقتدياً بمن يصلى مكتوبة أووتراً أونافلة الأصح أنه لايصح الاقتداء به لأنه مكروه مخالف لعمل السلف. (الفتاوى الهندية:۱/۱۷۷۔ وكذا فی رد المحتار: ۱/۵۹۰، سعيد۔والطحطاوی على الدرالمختار:۱/۲۹۶۔وبدائع الصنائع:۱/۲۸۸۔والفتاوى الهندية:۴/۲۹، الثالث فی التراويح)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸رکعت تراویح کا حکم:

سوال: هل يجوزأن نصلى صلاة التراويح ٨ ركعة فقط أم لا؟ ولماذا؟

الجواب: مسئلة عدد ركعات التراويح قد صنّف فيها العلماء قديماً وحديثاً من صغيروكبيروتعرّضوا لها تعرّضاً وافياً بإطناب وإيجاز،وذكرت المسئلة فى جميع الكتب الفقهية والفتاوى،ولايسع المقام التفصيل فأقتصرهنا على ذكربعضه المهم:

التراويح عشرون ركعة سنة مؤكدة واظب عليها الخلفاء الراشدون رضی اللہ عنہم ومن بعدهم إلى يومنا هذا ، فلايجوزالاقتصارعلى ثمانى ركعات.

حجة من زعم أن التراويح ٨ ركعة:

(۱) أخرج البخارى عن أبى سلمة بن عبد الرحمن أنه سأل عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها كيف كان صلاة رسول الله ﷺ فى رمضان،فقالت:ماكان رسول الله ﷺ يزيد فى رمضان ولافى غيره على إحدى عشرة ركعة يصلى أربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى ثلاثاً.(الصحيح البخارى:١/١٥٤)

دل هذا الحديث على أنه كان يصلى ٨ركعة صلا ة التراويح و٣ وتراً.

والجواب عن هذا:

(۱) ليس المراد بالحديث المذكوربيان عدد ركعات التراويح ولايعلم بيان عدده منه،لأن فيه أنه عليه السلام كان يصلى أربعاً أربعاً والتراويح لاتصلى أربعاً أربعاً بل مثنى مثنى.

(۲) الحديث المذكورفيه بيان قيام الليل وهوالتهجد لاالتراويح لأن لفظ الحديث:"ما كان رسول الله ﷺ يزيد فى رمضان ولافى غيره يدل على أن السؤال المعروض إنماكان عن صلاة تصلى دائماً و هى التهجد لا التراويح ، و إنما خص رمضان بالذكرلما ثبت أنه عليه الصلاة والسلام كان يجتهد فى رمضان ما لايجتهد فى غيره فظن السائل أنه كان يزيد فى رمضان فى التهجد أيضاًكغيره من الصلوات فقالت:لاماكان يزيد على ٨ فى التهجد لافى رمضان ولافى غيره.

Maktaba Tul Ishaat.com

ویدل علی ماقلنا أیضا صنیع أکثر المحدثین أنهم لم یذکروا الحدیث المذکورفی أبواب التراویح مثل الإمام محمد بن نصر المروزی له کتاب مسمی بـ"قیام اللیل"فبوّب فی کتابه هذا "باب عدد الرکعات التی یقوم بها الإمام للناس فی رمضان"وذکرفیه عدّة أحادیث،لکن لم یذکرحدیث عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها **المذکورلاصریحاً ولاإشارةً بل ذکروا الحدیث المذکورفی أبواب قیام اللیل.**

وأراد من زعم أن التراویح ۸ رکعة الاستدلال ببعض الآثارمثل ماجاء فی المؤطا بسند مالک عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ **أنه قال أمرعمربن الخطاب** رضی اللہ عنہ **أبیّ بن کعب و تمیما الداری رضی اللّٰہ عنهما أن یقوم للناس بإحدی عشرة رکعة.**(مؤطا الامام مالك:۹۵)

وقد أجاب العلماء والمحدثون عن هذا الاستدلال بوجوه کثیرة بکل بسط و تفصیل لایسعه المقام.

فلیراجع :اعلاء السنن: ۸۴/۷ ـوفتح الباری:۲۱۹/٤ ـواحسن الفتاوی:۵۳٤/۳.

وأماکون صلاة التراویح عشرون رکعة فقد ثبت بحجج کثیرة لایصح الإنکارعنها،مثل:

(۱)عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما أن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم **کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر.** أخرجه ابن أبی شیبة فی مصنفه ـ والبغوی فی معجمه ـ والطبرانی فی الکبیر ـ والبیهقی فی سننه ـ(التعلیق الحسن:۵٦/۲)ـ(وفی إسناده إبراهیم بن عثمان وفیه کلام)

(۲)قال علیه الصلاة والسلام:علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیّین رضی اللہ عنہم **تمسّکوا بهاوعضّوا علیها بالنواجذ.**(رواه احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجة)

وما ثبت من عمل الخلفاء الراشدین المهدیّین رضی اللہ عنہم **مثل التراویح ۲۰ رکعة نتبعه بقول النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **وأمره بقوله علیکم بسنتی الخ.**

(۳)عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ **قال:کنا نقوم من زمن عمربن الخطاب** رضی اللہ عنہ **بعشرین رکعة والوتر.**رواه البیهقی فی المعرفة وصحّحه السبکی فی شرح المنهاج.(التعلیق الحسن:۲۵٤/۲)

(۴)عن عبد العزیز بن رفیع قال:کان أبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ **یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة یوتربثلاث.** أخرجه أبوبکربن أبی شیبة فی مصنفه وإسناده قوی مرسل ـ(آثار

السنن: ۵۵/۲)

(۵)عن أبی الحسناء أن علی ابن أبی طالب ﷺأمر رجلاً یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة. رواه البیهقی فی سننه وضعّفه۔(کنز العمال: ۲۸٤/٤)

(٦)عن یزید بن رومان أنه قال: کان الناس یقومون فی زمان عمربن الخطاب ﷺ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة. رواه مالك وإسناده قوی مرسل۔(بیهقی: ۲۹٦/۲)

(۷)عن نافع عن عبد الله بن عمر ﷺ قال: کان ابن أبی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة. (مصنف ابن أبی شیبة:واسناده حسن:۲۲۳/۵)

(۸)قال عطاء:أدرکت الناس وهم یصلون فی زمان عمربن الخطاب ﷺ فی رمضان عشرین رکعة یطیلون فیها القراء ة ویوترون بثلاث. (مصنف ابن أبی شیبة:واسناده حسن :۲۲٤/۵)

(۹)قال محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمربن الخطاب ﷺ فی رمضان عشرین رکعة یطیلون فیها القراء ة ویوترون بثلاث. (قیام اللیل للمروزی:ص ۹۱)

(۱۰)قال الأعمش: کان عبد الله بن مسعود ﷺیصلی عشرین رکعة ویوتر بثلاث. (قیام اللیل:ص ۹۰)

(تلك عشرة کاملة)

فهذا المأثورعن الصحابة ﷺ والخلفاء الراشدین ﷺ ومن بعدهم أحق أن یتبع وهذا بالقبول ألیق والقلب إلیه أمیل وعن الخطأ أبعد. (ملخّص من احسن الفتاوی: ۵۲۸/۳۔۵٤۵)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آٹھ رکعت تراویح والی روایت کا جواب:

سوال: غیر مقلدین حضرات آٹھ رکعات تراویح پڑھتے ہیں اور ان کے دلائل میں سے ایک دلیل حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو مختلف کتبِ احادیث میں مذکور ہے اور خاص طور پر مؤطا کی روایت لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس روایت کی روشنی میں صرف آٹھ رکعت تراویح پڑھنی چاہئے۔ مؤطا امام مالک کی روایت ملاحظہ ہو:

مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید أنه قال:"أمرعمربن الخطاب ﷺ أبیّ بن

Maktaba Tul Ishaat.com

کعبرضی اللہ عنہ **وتمیما الداری**رضی اللہ عنہ **أن یقوما للناس بإحدی عشرة رکعة**.(رواہ امام مالك فی المؤطا: ۹۸)

اس روایت میں ۸ رکعت تراویح اور تین وتر گیارہ ہوگئیں، اس استدلال کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس روایت کا جواب یہ ہے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے تین حضرات ہیں: (۱) حارث بن عبدالرحمٰن (۲) یزید بن خصیفہ ان دونوں طرق میں بلا اختلاف ۲۰ کا ذکر ہے (۳) محمد بن یوسف ان کے شاگردوں کا باہمی اختلاف ہے۔

نقشہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

Pictures\taraaweeh 2.JPG not found.

(۱) الحارث بن عبد الرحمن: عبد الرزق عن الأسلمی عن الحارث بن عبد الرحمن ابن أبی ذباب عن السائب بن یزید قال: کنا ننصرف من القیام علی عهد عمررضی اللہ عنہ **وقد دنا فروع الفجر، وکا ن القیام علی عهد عمر**رضی اللہ عنہ **ثلاثة وعشرین رکعة**. (مصنف عبد الرزاق: ۲۶۱/۲، باب قیام رمضان، ادارة القرآن)

(۲) محمد بن نصر: وما حمله علیه فی الحدیثین صحیح بدلیل ماروی محمد بن نصر من روایة یزید بن خصیفة عن السائب بن یزیدرضی اللہ عنہ **أنهم کانوا یقومون فی رمضان بعشرین رکعة فی زمن عمر بن الخطاب**رضی اللہ عنہ. (عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ۲۴۵/۸)

(۳)ابن أبی ذئب:ابن أبی ذئب عن یزید بن خصیفة:کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب ﷺ فی شهررمضان بعشرین رکعة.(السنن الکبری للبیهقی:۲/۴۹۶،باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شهررمضان)

(۴)محمد بن جعفر:محمد بن جعفرحدثنی یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید ﷺ قال:"کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب ﷺ بعشرین رکعة والوتر. (السنن الصغیر للبیهقی:۱/۲۳۵ ، باب قیام شهر رمضان،دارالفکر)

(۵)داؤد بن قیس:عبدالرزاق عن داؤد بن قیس وغیره عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید ﷺ:أن عمر ﷺ جمع الناس فی رمضان علی أبیّ بن کعب ﷺ وعلی تمیم الداری ﷺ علی إحدی وعشرین رکعة،یقرؤون بالمئین و ینصرفون عند فروع الفجر. (مصنف عبد الرزاق:۴/۳۶۰،إدارة القرآن)

(۶)الإمام مالکؒ:مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید أنه قال:"أمر عمربن الخطاب ﷺ أبیّ بن کعب ﷺ وتمیما الداری ﷺ أن یقوما للناس بإحدی عشرة رکعة.(رواه الامام مالك فی المؤطا:۹۸)

(۷)عبد العزیزبن محمد:أن مالکاً قد تابعه عبد العزیزبن محمد عند سعید بن منصورفی سننه ویحیی بن سعید القطان عند أبی بکربن أبی شیبة فی مصنفه کلاهما عن محمد بن یوسف وقالا إحدی عشرة.(تحفة الأحوذی:۲ /۳۴۹، باب ما جاء فی قیام شهر رمضان)

(۸)یحیی بن سعید القطان:حدثنا یحیی بن سعید القطان عن محمد بن یوسف أن السائب أخبره أن عمر ﷺجمع الناس علی أبیّ ﷺ وتمیم ﷺ فکانا یصلیان إحدی عشرة رکعة،یقرآن بالمئین یعنی فی رمضان.(المصنف لابن أبی شیبة:۵/۲۲۰، فی صلاة رمضان)

(۹)إسماعیل بن جعفر:حدثنا علی حدثنا إسماعیل حدثنا محمد بن یوسف بن عبد الله بن یزید الکندی عن السائب بن یزید ﷺ أنهم کانوا یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بإحدی عشرة رکعة یقرؤون فی الرکعة بالمأتین.....(حدیث اسماعیل بن جعفر:۱/۴۵۳/۴۳۷)

(۱۰)محمد بن إسحاق:وأخرج محمد بن نصرالمروزی فی قیام اللیل من طریق

Maktaba Tul Ishaat.com

محمد بن إسحاق: حدثني محمد بن يوسف عن جده السائب بن يزيد ﷺ قال: كنا نصلي في زمن عمر ﷺ في رمضان ثلاث عشرة ركعة. (تحفة الأحوذي: ۲ / ۳٤۹، باب ما جاء في قيام شهر رمضان)

اس روایت کے بارے میں محدثِ اعظم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

یہ روایت مضطرب ہے اور جب تک کسی ایک طریق کو اصول وقواعد کے مطابق ترجیح یا تطبیق حاصل نہ ہوگی تب تک اس کو استدلال میں پیش کرنا درست نہیں ہوگا۔

قدمائے محققین نے دونوں صورتیں اختیار کی ہیں: چنانچہ ابن عبدالبر مالکیؒ نے ۲۱ کو صحیح قرار دیا ہے اور گیارہ کو راوی کا وہم بتایا ہے اور تطبیق بھی دی ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم رہا ہو پھر قیام میں تخفیف کے لئے گیارہ کے بجائے اکیس رکعتیں کردی گئی ہوں۔ (تحفۃ الاحوذی: ۲/۷۴) اور زرقانی مالکیؒ نے اس تطبیق کو ترجیح دی ہے نیز امام بیہقیؒ نے بھی اس طرح جمع فرمایا ہے۔ (تحفۃ الاخیار: ص ۱۹۱۔ وزرقانی شرح مؤطا: ۱/ ۲۱۵)

نیز حضرت سائب بن یزید کے شاگردوں میں سے (۱) عبدالرحمٰن ۲۰ رکعتیں نقل کرتے ہیں اور (۲) یزید بن خصیفہ کے دو شاگرد بھی ۲۰ رکعتیں نقل کرتے ہیں صرف اختلاف (۳) محمد بن یوسف کے شاگردوں میں ہے لہذا اب عبدالرحمٰن اور یزید بن خصیفہ کی روایت کو زیادہ قابلِ وثوق مان کر محمد بن یوسف کی روایت پر ترجیح دی جائے۔ یا محمد بن یوسف کی روایت کے اس طریق کو قابل اعتماد سمجھا جائے جو یزید اور عبدالرحمٰن کے ساتھ متفق ہیں یعنی داؤد بن قیس والا طریق اور دوسروں پر ترجیح دی جائے یا محمد بن یوسف کے تمام طرق میں علامہ ابن عبدالبرؒ اور امام بیہقیؒ کی تطبیق دی جائے تاکہ یزید اور عبدالرحمٰن کی روایات سے ٹکراؤ نہ ہو۔

بہرحال یہ روایات ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

(ملخص از رسالہ ۱۱ رکعات تراویح مناظرہ ۱، زمولانا حبیب الرحمٰن اعظمی: ۷، ۹ آرام باغ کراچی)

ترجیح وتطبیق کے کچھ دلائل ملاحظہ فرمائیں:

الاستذکار میں ہے:

(وفي حديث مالك عن محمد بن يوسف عن السائب إحدى عشرة ركعة) وغير مالكؒ يخالفه فيقول في موضع إحدى عشرة ركعة "إحدى وعشرين" ولا أعلم أحداً قال في هذا الحديث إحدى عشرة ركعة غير مالك، والله أعلم،

إلا أنه يحتمل أن يكون القيام في أول ما عمل به عمر ﷺ بإحدى عشرة ركعة ثم خفف

علیهم طول القیام ونقلهم إلی إحدی وعشرین رکعة یخففون فیها القراءة یزیدون فی الرکوع والسجود إلا أن الأغلب عندی فی إحدی عشرة رکعة الوهم. (الاستذکار:۲/۶۸، باب ما جاء فی قیام رمضان،دارالکتب العلمیة)

مؤطا کے حاشیہ میں ہے:

قال الزرقانیؒ:ولا وهم مع أن الجمع بالاحتمال الذی ذکره قریب،وبه جمع البیهقیؒ، وقوله"انفرد به مالکؒ"لیس کما قال بل رواه سعید بن منصورمن وجه آخرعن محمد بن یوسف فقال:إحدی عشرة رکعة.

قلت:لکن قال العینیؒ:روی فی المصنَّف عن داؤد بن قیس وغیره عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید أن عمر بن الخطاب ﷺجمع الناس فی رمضان علی أبی بن کعب ﷺ و تمیم الداری ﷺ علی إحدی وعشرین رکعة الحدیث،وروی الحارث بن عبد الرحمن عن السائب بن یزید قال:کان القیام علی عهد عمر ﷺ بثلث وعشرین رکعة،و روی محمد بن نصرفی قیام اللیل من روایة یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال:إنهم کانوا یقومون فی عهدعمر ﷺ بعشرین رکعة انتهی،والاختلاف هذا محمول علی اختلاف الوتر. (حاشیة مؤطا الإمام مالك :برقم ۲ ص۹۸،میرمحمدکتب خانه کراچی)

امام بیہقیؒ کی تطبیق ملاحظہ فرمائیں:

ویمکن الجمع بین الروایتین،فانهم کانوا یقومون بإحدی عشرة رکعة ،ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث.واللہ أعلم. (السنن الکبری للبیهقی:۲/۲۹۶،باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهررمضان،دارالمعرفة بیروت)

اوجزالمسالک میں حضرت شیخؒ نے فرمایا:

قلت:والظاهرعندی ما رجحه ابن عبد البرؒ،لأن جل الروایات نص فی أنهاکانت عشرین رکعة،لکن الوهم عندی فیه عن محمد بن یوسف،لأن نسبة الوهم إلی الإمام أبعد من النسبة إلیهم،ویؤیده روایة سعید بن منصور،وقد روی یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید:أنهم کانوا یقومون فی عهد عمربن الخطاب ﷺ بعشرین رکعة ذکره فی البذل. (أوجز

Maktaba Tul Ishaat.com

المسالك :٢/٥٢٨،باب ماجاء فی قیام رمضان)

اعلاء السنن میں ہے:

والمحفوظ ما رواه يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال:"كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب ﷺ في شهر رمضان بعشرين ركعة" أخرجه البيهقي وسنده صحيح وعزاه الحافظ في الفتح الى مالك أيضاً (٤:٢١٩)فإن له شواهد كثيرة صحيحة۔(اعلاء السنن :٧/٨٤، باب التراويح)

یزید بن خصیفہ کی روایت کی تحقیق:

التعلیق الحسن میں ہے:

قلت:رجال إسناده كلهم ثقات.....**(ثم ذكر الرواة واحداً بعد واحدٍ)وقال في آخره: قلت:هذا الأثر قد صحح إسناده غير واحد من الحفاظ كالنوويؒ في الخلاصة وابن العراقيؒ في شرح التقرين والسيوطيؒ في المصابيح.** (الحاوی للفتاوی:١/٤١٧)۔(آثارالسنن:٢٥١،رقم الحاشية:٢٨٣، باب فی التراویح بعشرین رکعات۔وشرح المهذب:٤/٣٢،دارالفكر)

یزید بن خصیفہ پر اعتراض اور اس کا جواب:

اعتراض: بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام احمدؒ نے یزید بن خصیفہ کو منکر الحدیث کہا ہے؟

الجواب: سب سے پہلے امام احمدؒ ہی کی زبانی یزید بن خصیفہ کے متعلق سنئے:

کتاب العلل ومعرفۃ الرجال میں ہے:

يزيد بن خصيفه ما أعلم إلا خيراً. (كتاب العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد بن حنبل:٢/٤٩٠/٣٢٣٢)

وقال الذهبي في سير أعلام النبلاء:

وثقه يحيى بن معين،وقال ابن سعد:كان ثبتاً،عابداً،ناسكاً كثير الحديث.

قلت:توفي بعدا لثلا ثين ومئة. (سيرأعلام النبلاء: ٦/١٥٨)

وقال المزّي:قال أبوبكر الأثرم عن أحمد بن حنبل وأبوحاتم والنسائي:ثقة.

وقال أبوعبيد الآجري عن أبي داؤد:قال أحمد:منكر الحديث وقال أحمد بن سعد بن أبي مريم:عن يحيى بن معين:ثقة حجة. (تهذيب الكمال في أسماء الرجل:٣٢/١٧٣)

خود امام احمد بن حنبلؒ سے ان کی توثیق مذکور ہے تو پھر دوسرے حضرات کا ان سے منکر الحدیث نقل کرنا درست

نہیں جبکہ نسائیؒ، ابن معینؒ وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔

محقق الدکتور بشار عواد معروف ''منکر الحدیث'' کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

هذا شيء لم يثبت عن أحمدؒ فيما أرى، والله أعلم فقد تقدم قول الأثرم عنه، وفي العلل لابنه عبد الله، أنه قال: ما أعلم إلا خيراً (۲/۳۵) وهو توثيق واضح. (تهذيب الكمال: ۳۲/۱۷۳، حاشية: ۱۷۳)۔ یا منکر الحدیث قلیل الروایۃ کے معنی میں ہیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

امامتِ تراویح پر اجرت لینے کا حکم:

سوال: امامتِ تراویح پر اجرت یا ہدیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: تراویح پر اجرت یا ہدیہ لینا درست نہیں، اگر پہلے لینے کی نیت نہیں کی اور اتفاقاً لوگوں نے کچھ دے دیا تو اس کا لینا جائز ہے، علمائے دیوبند کا یہی فتوی ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

وأن القراءة لشيء من الدنيا لاتجوز وأن الآخذ والمعطي آثمان لأن ذلك يشبه الاستئجار على القراءة ونفس الاستئجار عليها لايجوز فكذا ما أشبهه كما صرح بذلك في عدة كتب من مشاهير كتب المذهب وإنما أفتى المتأخرون بجواز الاستئجار على تعليم القرآن لاعلى التلاوة وعلّلوه بالضرورة وهي خوف ضياع القرآن ولا ضرورة في جواز الاستئجار على التلاوة كما أوضحت ذلك في شفاء العليل وسيأتي بعض ذلك في باب الإجارة الفاسدة إن شاء الله تعالىٰ. (شامي: ۲/۷۳، سعيد)

بعض مفتی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ امامت پر اجرت ہے کیونکہ صرف قرآن کریم سنانا مقصود نہیں بلکہ امامت کے ضمن میں قرآن سنانا مقصود ہے تو یہ امامت مسنونہ پر اجرت ہے جیسے کوئی کسی کو جمعہ کے دن فجر کی نماز پڑھانے اور اس میں سورۂ الٓمٓ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھنے کے لئے کہہ دے تو یہ امامت اور اجرت جائز ہے اسی طرح یہ بھی جائز ہے، نیز تراویح کے امام کی شکل وصورت کا لحاظ رکھنا کہ داڑھی پوری ہو، شلوار و پاجامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امامت مقصود ہے صرف قرآن سنانے کے لئے ہوتا تو یہ شرائط نہ ہوتے۔ نیز بظاہر اجرت بھی نہیں کیونکہ کوئی کچھ دیتے ہیں اور کوئی کچھ، کوئی کم ہدیہ پیش کرتے ہیں اور کوئی زیادہ، اجرت تو وہ ہے جو معروف یا مشروط ہو یہاں دینے کا عرف تو ہے لیکن مقدار میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس کی نظیر حدیث شریف میں ملاحظہ ہو:

عن أنس بن مالک ﷺأن رجلاً من کلاب سأل رسول اللہ ﷺعن عسب الفحل فنهاه فقال:یارسول اللہ إنا نطرق الفحل فنکرم فرخص له فی الکرامة.وقال الترمذیؒ:وقد رخص قوم فی قبول الکرامة علی ذلک. (رواه الترمذی وقال:هذاحدیث حسن:۱/۲۴۰،باب ما جاء فی کراهیة عسب الفحل)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اجرت ممنوع ہے لیکن اکراماً جو ہدیہ دیا جائے اس کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی فریدیہ میں ہے:

حافظ کا ختمِ تراویح میں رقم اور اجرت لینا اجرت علی الامامت ہے علی التلاوت نہیں۔

سوال: حفاظ تراویح میں ختم کرنے کے بعد جو رقم وغیرہ لیتے ہیں وہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب: فقہاءِ کرام نے تلاوت پر اجرت لینے کو ناجائز کہا ہے، لیکن ہمارے بلاد میں حفاظ تلاوت بھی کرتے ہیں اور امامت بھی کرتے ہیں، تو ان کی رقوم کو صرف تلاوت کا معاوضہ ٹھہرانا اور امامت سے خاموش رہنا بلا وجہ ہے اور اگر صرف تلاوت کو ملحوظ کیا جائے تو تلاوت سے کوئی تراویح خالی نہیں تو مطلق تراویح پر اجرت لینا ناجائز ہوگا۔ بہر حال حافظ کی اس رقم پر انکار کرنا ہندی مسئلہ ہے حنفی نہیں ہے، یہ اجرت علی الامامت ہے نہ علی محض التلاوۃ۔ (فتاوی فریدیہ:۱/۶۰۷، مسائل شتی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
"من نسی صلاۃ أو نام عنہا فکفارتہا
أن یصلیہا إذا ذکرہا"

(رواہ مسلم)

باب.....﴿۱۱﴾

قضاء الفوائت

Maktaba Tul Ishaat.com

قضا نمازوں کا بیان

تہجد کے وقت قضائے عمری پڑھنے کا حکم:

سوال: تہجد کے وقت تہجد پڑھنا بہتر ہے یا قضائے عمری بہتر ہے؟ جبکہ وقت تہجد کا ہے اور قضا کی اہمیت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: قضائے عمری پڑھنا بہتر ہے، ہاں تہجد بھی ساتھ میں پڑھ لے تو نور علی نور ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

الاشتغال بقضاء الفوائت أولیٰ وأهم من النوافل إلاسنن المفروضة وصلاة الضحی و صلاة التسبیح والصلاة التی رویت فیها الأخبارأی کتحیة المسجد،والأربع قبل العصر والست بعد المغرب. (شامی:۲/۷٤، باب قضاء الفوائت،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وفی الحجة:والاشتغال بالفوائت أولیٰ وأهم من النوافل إلاالسنن المفروضه.....

(الفتاوی الهندیة:۱/۱۲۵۔وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۲٤۳،قدیمی)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

وقتیہ سننِ مؤکدہ کو نہ چھوڑنا چاہئے اور فوائت کو اوقاتِ فارغہ میں ادا کرنا چاہئے، اور یہ ظاہر ہے کہ ادائے فوائت اہم ہے لیکن اگر دونوں کام ہوسکیں کہ فوائت بھی پڑھے اور سنن مؤکدہ کو بھی نہ چھوڑے تو بہتر ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/۳۴۴، دارالاشاعت۔ واحسن الفتاوی ۴/۱۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز فجر باجماعت قضا کرتے وقت جہر کرنے کا حکم:

سوال: نماز فجر فاسد ہوگئی قراءت میں فحش غلطی کی وجہ سے تو جماعت کے ساتھ قضا کرتے وقت جہر کریں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر جماعت کے ساتھ جہری نماز کی قضا کریں تو جہراً قراءت کرنا ضروری ہے اور اگر انفرادی طور پر ہو تو جہر اور اخفاء میں اختیار ہے لیکن جہر بہتر ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان كيفية قضاء هذه الصلوات فالأصل أن كل صلاة ثبت وجوبها فى الوقت وفاتت عن وقتها أنه يعتبر فى كيفية قضائها وقت الوجوب وتقضى على الصفة التى فاتت عن وقتها. (بدائع الصنائع: ۱/۲۴۷، فصل فى بيان حكم الصلاة إذا فسدت اوفاتت عن وقتها، سعيد)

امداد الفتاح میں ہے:

وجهر الإمام بقراءة الفجر وأوليى العشائين ولو قضاء لفعله ذلك فى القضاء. (امداد الفتاح: ص۲۷۸، فصل فى واجبات الصلاة۔ وكذافى الدرالمختار: ۱/۵۳۲، فصل فى القراءة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمنفرد بفرض مخير فيما يجهر فإن شاء جهر لأنه إمام نفسه.....وجهره أفضل ليكون الأداء على هيئة الجماعة، وظاهرة، ولو قضاء نهاراً وهو ما فى الكافى وغيره. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص۲۵۴، فى واجبات الصلاة۔ وكذافى الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۱، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسجد میں جماعت کے ساتھ قضا کرنے کا حکم:

سوال: اگر امام کی عصر کی نماز فاسد ہوئی مغرب کے وقت لوگ آئے اور امام کو بتلایا تو اب جماعت کے ساتھ مسجد میں عصر کی نماز کی قضا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ امرِ عام کی وجہ سے قضا کرنا ہے تو مسجد میں جماعت کے ساتھ درست ہے بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو کہ قضا کے بعد وقتیہ بھی پڑھ سکیں۔ ملاحظہ ہو الدر المختار میں ہے:

(ولا فيما يقضى من الفوائت فى مسجد) لأن فيه تشويشاً وتغليظاً، وفى الشامى: (قوله

Maktaba Tul Ishaat.com

لأن فيه تشويشاً)إنما يظهرأن لو كان الأذان لجماعة.....وفي الإمداد أنه إذاكان التفويت لأمرعام فالأذان في المسجد لايكره لإنتفاء العلة كفعله ليلة التعريس..... (الدرالمختارمع الشامي: ۱/۳۹۱،مطلب في اذان الجوق،سعيد كمپني)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

الترتيب بين الفائتة والوقتية وبين الفوائت مستحق كذا في الكافي حتى لايجوزأداء الوقتية قبل قضاء الفائتة كذا في محيط للسرخسي.(الفتاوى الهندية:۱/۱۲۱)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

حرم شریف میں ظہر چھوڑ کر عصر کی جماعت میں شرکت کا حکم:

سوال: ایک شخص حنفی ہے اس نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی حرم پہنچا تو عصر کی نماز ہورہی تھی وہ صاحبِ ترتیب بھی نہیں ہے تو کیا وہ عصر کی نماز میں شرکت کریگا یا عصر چھوڑ کر ظہر کی نماز پڑھے گا؟

الجواب: سفراور عذر کی وجہ سے عصر کی نماز مثلِ ثانی میں پڑھ سکتے ہیں لیکن صورتِ مسئولہ میں عصر کی تقدیم ظہر پر درست نہیں جبکہ ظہر کی ادا کا وقت ہے لہذا عصر پڑھ کر بلاوجہ ظہر قضانہ کرے۔

ملاحظہ ہوتنویرالابصار میں ہے:

الترتيب بين الفروض الخمسة والوترأداء وقضاء لازم.وفي الشامي:(قوله أداء وقضاء) الواوبمعنى أومانعة الخلو، فيشمل ثلاث صور:ما إذاكان الكل قضاء أوالبعض قضاء والبعض أداء أوالكل أداء كالعشاء مع الوتر ودخل فيه الجمعة،فإن الترتيب بينها وبين سائرالصلوات لازم.(تنويرالأبصارمع الشامي:۲/٦٥، باب قضاء الفوائت)

شامی میں ہے:

(ووقت الظهرمن زواله.....إلى بلوغ الظل مثليه)هذا ظاهرالرواية عن الإمام نهاية، وهو الصحيح بدائع ومحيط وينابيع وهوالمختارغياثية، واختاره الإمام المحبوبي وعول عليه النسفي وصدرالشريعة تصحيح قاسم واختاره أصحاب المتون وارتضاه الشارحون.

(شامی:۱/۳۵۹،سعید)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولایجوزاقتداء المفترض بالمفترض الآخرعند اختلاف الفرضین بأن کان أحدهما یصلی الظهروالآخریصلی العصر. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۸۹/۱)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نماز کے وقت میں کسی عورت کو حیض آنے پر قضا کا حکم:

سوال: ایک عورت نے ظہر کی نماز اول وقت میں نہیں پڑھی یہاں تک کہ وقت کے اندر اس کو حیض آ گیا تو اب اس نماز کی قضا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں عورت پر نمازِ ظہر کی قضا واجب نہیں ہے، اس لئے کہ وجوبِ قضا کا تعلق آخری وقت سے ہے اور آخری وقت میں حائضہ تھی۔ ملاحظہ ہو تبیین الحقائق میں ہے:

والمعتبرفیه آخرالوقت أی المعتبرفی وجوب الأربع أوالرکعتین آخرالوقت فإن کان آخرالوقت مسافراً وجب علیه رکعتان وإن کان مقیماً وجب علیه الأربع،لأنه المعتبرفی السببیة عندعدم الأداء فی أول الوقت،ولهذالوبلغ الصبي أوأسلم الکافرأوأفاق المجنون أوطهرت الحائض أوالنفساء فی آخرالوقت تجب علیهم الصلاة وبعکسه لوحاضت أوجن أونفست فیه لم تجب علیهم لفقد الأهلیة عند وجود السبب. (تبیین الحقائق: ۲۱۵/۱، باب صلاة المسافر)

درمختار میں ہے:

قوله والمعتبرفی تغییرالفرض أی من قصرإلی إتمام وبالعکس قوله وهوأی آخرالوقت قدرمایسع التحریمة کذافی الشرنبلالیة والبحروالنهر.....والحاصل أن السبب هوالجزء الذی یتصل به الأداء أوالجزء الأخیرإن لم یؤد قبله وإن لم یؤد حتی خرج الوقت فالسبب هوکل الوقت.قال فی البحر:وفائدة إضافته إلی الجزء الأخیراعتبارحال المکلف فیه،فلوبلغ الصبي أوأسلم کافرأوأفاق مجنون،أوطهرت الحائض أوالنفساء فی آخره لزمتهم الصلاة ولوکان الصبي قدصلاها فی أوله و بعکسه لوجن أوحاضت أونفست فیه لفقد الأهلیة عند وجود السبب. (الدرالمختار: ۱۳۱/۲، باب صلاة المسافر، سعید)

مزید ملاحظہ ہو: البحرالرائق: ۱۳۷/۲، باب المسافر، کوئته۔ وحاشیة تبیین الحقائق: ۲۱۵/۱)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

قضاء نمازوں میں چار یا اس سے کم رہ جانے پر عودِ ترتیب کا حکم:

سوال: قضاء شدہ نمازیں دس تھیں لیکن پڑھتے پڑھتے چار رہ گئیں تو اب وہ صاحبِ ترتیب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس مسئلہ میں دو قول ہیں اور اصح یہ ہے کہ جب تک تمام نمازیں ادا نہ کرلیں ترتیب لوٹ کر نہیں آئے گی جب سب ادا کرلے تو پھر سے صاحبِ ترتیب ہوجائے گا۔ ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

(عاد الترتیب عند البعض وهو الأظهر) خلاف ما اختاره شمس الأئمةؒ وفخر الإسلامؒ و صاحب المحیطؒ وقاضیخانؒ وصاحب المغنیؒ والکافیؒ وغیرهم وما استدل به عن محمدؒ فیه نظر.....فالأصح أن الترتیب إذا سقط لایعود کماء نجس دخل علیه ماء جار حتی سال ثم عاد قلیلاً لم یعد نجساً، فلذا صحح فی الکافی أنه لایعود. (فتح القدیر: ۱/۴۹۳، باب قضاء الفوائت، دارالفکر)

شرح نقایہ میں ہے:

ومتی سقطت الترتیب لایعود فی أصح الروایات حتی لوترک صلاة شهر ووقضاها إلاصلاة ثم صلی الوقتیة ذاکراً لها جاز. (شرح النقایة: ۱/۲۵۶)

امداد الفتاح میں ہے:

ولم یعد الترتیب بین الفوائت التی کانت کثیرة بعودها إلی القلة بقضاء بعضها کذا فی الکنز لأن الساقط قد تلاشی فلایحتمل العود فی أصح الروایتین، قال أبوحفص الکبیرؒ: وعلیه الفتوی وهو اختیار شمس الأئمةؒ وفخر الإسلامؒ وقاضیخانؒ وصاحب المحیطؒ والمغنیؒ وغیرهم وفی المجتبی وهو الأصح، وقال بعضهم یعود الترتیب..... ولکن علمت أن الأکثر علی أنه لایعود الترتیب فأتبعناه خصوصاً وقد قال الزیلعیؒ: ولادلالة فیما استدل به صاحب الهدایة علی عود الترتیب. (امداد الفتاح: ۸۴۹، الساقط لایعود ـ وکذا فی النهر الفائق: ۱/۳۸۱ـ وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/۱۲۲ـ وکذا فی البحرالرائق: ۲/۸۶، باب قضاء الفوائت ـ وکذا فی الجوهرة النیرة: ۱/۸۰)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جب بہت سی نمازیں یعنی چھ یا اس سے زیادہ نماز قضا ہو جانے کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوگئی تو اصح یہ ہے کہ ترتیب عود نہیں کرتی یہی معتمد ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ (عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ: ۳۵۴، قضا نمازوں کو پڑھنے کا بیان)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کثرتِ فوائت کی وجہ سے سننِ رواتب کی جگہ قضاءِ فوائت کا حکم:

سوال: ایک شخص کے ذمہ بہت زیادہ قضا نمازیں ہیں جنکا پڑھنا بے حد دشوار ہے اگر وہ بجائے سنتوں کے قضا نماز پڑھ لیا کرے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: قضاءِ فوائت کی اہمیت اگر چہ زیادہ ہے تب بھی فقہاء نے سننِ رواتب کا ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں فرائض کے بعد سنتیں پڑھے اور نفل کی جگہ فوائت پڑھ لے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

الاشتغال بقضاء الفوائت أولیٰ وأهم من النوافل إلا السنن المفروضة.

(شامی: ۲/۷۴، سعید۔ وکذا فی الهندیة: ۱/۱۲۵۔ وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۴۳، قدیمی)

احسن الفتاوی میں ہے:

قضاء نمازیں پڑھنے کے لئے سنتِ مؤکدہ اور تراویح نہ چھوڑیں بلکہ حضراتِ فقہاء نوافلِ ماثورہ مثل چاشت، اوابین اور صلاۃ التسبیح وغیرہ کو بھی قضا پر مقدم فرماتے ہیں مگر یہ اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ اسبابِ ظاہرہ کے پیشِ نظر موت سے قبل نمازوں سے سبکدوشی کی توقع ہو اگر قضا نمازیں بہت زیادہ ہیں اور عمر کم نظر آرہی ہے تو اصولاً نوافل پر قضا کو ترجیح دینا لازم ہے۔ (احسن الفتاوی: ۴/۱۹)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

وقتیہ سننِ مؤکدہ کو نہ چھوڑنا چاہئے اور فوائت کو اوقاتِ فارغہ میں ادا کرنا چاہئے اور یہ ظاہر ہے کہ قضاءِ فوائت اہم ہے لیکن اگر دونوں کام ہوسکیں کہ فوائت بھی پڑھے اور سننِ مؤکدہ کو بھی نہ چھوڑے تو یہ بہتر ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/۳۴۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۳ سالہ نمازوں کی قضا کا حکم:

سوال: ایک شخص نے مسقط میں خارجی اباضی کے پیچھے ۲۳ سال نمازیں پڑھیں، بعد میں معلوم ہوا

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ وہ لوگ سری نماز میں سورت نہیں ملاتے، اب ۲۳ سال کی سری نمازوں کی قضاء ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ۲۳ سالہ نمازوں کی قضاء لازم نہیں۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن كان تركه الواجب عمداً أثم ووجب عليه إعادة الصلاة تغليظاً عليه لجبر نقصها فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولىٰ وقيل تكون الثانية فهي المسقطة فإن لم يعدها حتى خرج الوقت سقطت عنه مع كراهة التحريم هذا هو المعتمد. (مراقی الفلاح علی حاشیة الطحطاوی: ٤٦٢، باب سجود السهو، قديمی)

عالمگیری میں ہے:

وتجب قراءة الفاتحة وضم السورة أوما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة فی الأوليين بعد الفاتحة كذا فی النهر الفائق. (الفتاوی الهندية: ۱/ ۷۱)

شامی میں ہے:

إن تيقن المراعاة لم يكره أی المراعاة فی الفرائض من شروط و أركان فی تلك الصلاة وإن لم يراع فی الواجبات والسنن كما هو ظاهر سياق كلام البحر. (فتاوی الشامی: ۱/ ٥٦٣، سعيد).

امداد الفتاوی میں ہے:

امرِ اول: اس لئے کہ اس مسئلہ میں منجملہ اقوالِ مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے جو درمختار میں بحر سے نقل کی ہے: ''**بقوله أن يتقن المراعات لم يكره أوعدمها لم يصح وإن شك كره**'' اور جس کی ترجیح رد المحتار میں حلبی سے نقل کی ہے: ''**بقوله هذا هو المعتمد لأن المحققين جنحوا إليه وقواعد المذهب شاهدة عليه الخ**'' البتہ اس تفصیل کے جز وثالث کو میں مؤول ومقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلافِ اولیٰ ہے، تقیید یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور اعراض عن الجماعۃ وغیرہ کے میسر ہو: **ومبنی التأويل ما نقله فی رد المحتار عن حاشية الرملی علی الأشباه: الذی يميل إليه خاطری القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسد. ووجه التقييد ظاهر.** نیز مراعات کا محل صرف فرائض ہیں۔ **كما فی رد المحتار أی المراعات فی الفرائض من شروط وأركان فی تلك الصلاة وإن لم يراع فی الواجبات والسنن كما**

هوظاهرسياق كلام البحروظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال :وأما الاقتداء بالمخالف فى الفروع كالشافعى فيجوزمالم يعلم منه ما يفسدالصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع إنما اختلف فى الكراهة.قلت:فى التمثيل بالشافعى الذى الأصل فيه عدم التعصب...(امدادالفتاوی:۱/۳۰۶)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عمداً نماز ترک کرنے پر قضا کا حکم:

سوال: کسی نے عمداً نماز ترک کردی اس پر قضا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جمہور کے نزدیک قضا واجب ہے بعض ظاہریہ کا اس میں اختلاف ہے۔ قال ابن حزم فى المحلى:

"فإذا نسى أحدكم صلاة أونام عنها فليصلها إذا ذكرها"وأما من تعمد ترك الصلاة حتى خرج وقتها فهذا لايقدرعلى قضائها أبداً فليكثرمن فعل الخيروصلاة التطوع ليثقل ميزانه يوم القيامة وليتب وليستغفرالله عزوجل وقال أبوحنيفةؒ ومالكؒ والشافعىؒ يقضيها بعد خروج الوقت.....(المحلى:۲/۲۳۵)

بداية المجتهد میں ہے:

وأما تاركها عمداً حتى خرج الوقت فإن الجمهورعلى أنه آثم وأن القضاء عليه واجب وذهب بعض أهل الظاهرإلى أنه لايقضى فإنه آثم وأحد من ذهب إلى ذلك أبومحمد بن حزم وسبب اختلافهم اختلافهم فى شيئين:أحدهما فى جوازالقياس فى الشرع،والثانى فى قياس العامد على الناسى،إذا سلم جوازالقياس فمن رأى أنه وجب القضاء على الناسى الذى قد عذره الشرع فى أشياء كثيرة فالمعتمد أحرى أن يجب عليه لأنه غيرمعذورأوجب القضاء عليه ومن رأى أن الناسى والعامد ضدان والأضداد لايقاس بعضها على بعض إذ أحكامها مختلفة وإنما تقاس الأشباه،لم يجزقياس العامد على الناسى،والحق فى هذا أنه إذا جعل الوجوب من باب التغليظ كان القياس سائغاً، وأما ان جعل من باب الرفق بالناسى والعذرله وأن لايفوته ذلك الخيرفالعامد فى هذا ضد الناسى والقياس غيرسائغ لأن الناسى معذوروالعامد غيرمعذور.

Maktaba Tul Ishaat.com

والأصل أن القضاء لايجب بأمرالأداء وإنما يجب بأمرمجدد على ماقال المتكلمون لأن القاضى قد فاته وهوالوقت إذاكان شرطاً من شروط صحة والتأخيرعن الوقت فى قياس التقديم عليه لكن قد ورد الأثربالناسى والنائم وتردد العامد بين أن يكون شبيهاً أوغيرشبيه والله الموفق للحق. (بداية المجتهد: ۱۳۲/۱)

وتعقب ابن عبد البركلام ابن حزم فأجاب عنه وأنكرعليه أشد الإنكارفهذا بعض ما احتج به عبد البرفى كتابه الاستذكار:

(۱) وهوأن رسول اللهﷺ لم يصل هوولا أصحابه يوم الخندق صلاة الظهروالعصر حتى غربت الشمس لشغله بما نصبه المشركون له من الحرب ولم يكن يومئذٍ ناسياً ولانائماً ولاكانت بين المسلمين والمشركين يومئذٍ حرب قائمة ملتحمة،وصلى رسول اللهﷺ الظهروالعصرفى الليل.

(۲)ودليل آخروهوأن رسول اللهﷺ قال بالمدينة لأصحابه يوم انصرافه من الخندق "لايصلين أحدكم العصرإلا فى بنى قريظة فخرجوا متبادرين وصلى بعضهم العصرفى طريق بنى قريظة خوفاً من خروج وقتها المعهود ولم يصلها بعضهم إلا فى بنى قريظة بعد غروب الشمس فلم يعنف رسول اللهﷺإحدى الطائفتين وكلهم غيرناس ولانائم وقد أخّربعضهم الصلاة حتى خرج وقتها ثم صلاها وقد علم رسول اللهﷺذلک فلم يقل لهم أن الصلاة لاتصلى إلافى وقتها ولاتقضى بعد خروج وقتها.

(۳) ودليل آخروهوقوله ﷺ سيكون بعدى أمراء يؤخّرون الصلاة عن ميقاتها قالوا أفنصليها معهم قال نعم.(وأتى بسنده الصحيح)

وقال:وفى هذا الحديث أن رسول اللهﷺ أباح الصلاة بعد خروج ميقاتهاولم يقل إن الصلاة لاتصلى إلافى وقتها.والأحاديث فى تأخيرالأمراء الصلاة حتى يخرج وقتهاكثيرة جداً وقد كان الأمراء من بنى امية أوأكثرهم يصلون الجمعة عند الغروب. (الإستذكار: ۳۰۳/۱،۳۰٤،بيروت)

وتمسک الجمهورأيضاً بهذه الوجوه:

(۱)ما يستفاد من قوله ﷺ المذكور أعني "من نسي صلاة أو نام عنها فليصليها إذا ذكرها لا كفارة لها إلا ذلك".

(الف)فيكون من باب التنبيه بالأدنىٰ على الأعلى لأنه إذ أوجب القضاء على الناسي مع سقوط الإثم والحرج عنه فالعامد أولىٰ.

(باء)لأنه لغفلته عنها بجهله وعدمه كالناسي ومتى ذكر تركه لها لزمه قضائها.

(جيم) والكفاره إنما تكون من الذنب والنائم والناسي لاذنب له وإنما الذنب للعامد. (إكمال المعلم:۲/۶۷۱)

واستضعف إبن حجرؒ في الفتح هذه الوجوه ورجّح الوجه الثاني:

وهوما يستفاد من قوله ﷺ: "فدين الله أحق أن يقضى" فالمعتمد قد خوطب بالصلاة ووجب عليه تأديتها فصارت ديناً عليه والدين لايسقط إلا بأدائه. (فتح الباری:۲/۷۱)

(۲)تمسكوا أيضا بقياس تارك الصلاة عامدا على تارك الصوم عامدا:

فقال ابن عبد البرؒ:

وسوى الله تعالى في حكمه على لسان نبيه ﷺ بين حكم الصلاة الموقوتة والصيام الموقوت في شهر رمضان بأن كل واحد منهما يقضى بعد خروج وقته.

فنص على النائم والناسي في الصلاة لما وصفنا ونص على المريض والمسافر في الصوم، وأجمعت الأمّة ونقلت الكافة فيمن لم يصم رمضان عامداً وهو مؤمن بفرضه وإنما تركه أشراً وبطراً تعمد ذلك ثم تاب عنه أن على قضائه فكذلك من ترك الصلاة عامداً.....

وإذا كان النائم والناسي للصلاة وهما معذوران بقضائها بعد خروج وقتها كان المعتمد لتركها المأثوم في فعله ذلك أولىٰ بأن لايسقط عنه فرض الصلاة وأن يحكم عليه بالإتيان بها. (الاستذكار:۱/۳۰۱)

ومن شرائط التوبة أداء حقوق الله وحقوق العباد الواجبة على المكلف فمن ترك الصلاة ثم يتوب فعليه أن يقضى الصلاة المتروكة لإتمام توبته وتكميل استغفاره.

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

سنن کی قضاء کا حکم:

سوال: سنتوں کی قضا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: سنتوں کی قضا نہیں ہے مگر فجر کی سنت جب فرض کے ساتھ قضاء کرے زوال سے پہلے اور ظہر کی سنتِ قبلیہ فرض کے بعد پڑھ سکتے ہیں ان دونوں کے علاوہ اور سنتوں کی قضاء ثابت نہیں۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: عرسنا مع النبی ﷺ فلم نستيقظ حتى طلعت الشمس.....ثم دعا بماء فتوضأ ثم سجد سجدتين ثم أقيمت الصلاة فصلى الغداة. (رواه مسلم: ۲۳۸/۱، باب قضاء الصلاة الفائتة)

ابن ماجہ میں ہے:

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: كان رسول الله ﷺ إذا فاتته الأربع قبل الظهر صلاها بعد الركعتين بعد الظهر. (راه ابن ماجه: ۸۰، باب من فاتته الأربع قبل الظهر)

تبیین الحقائق میں ہے:

لم تقض سنة الفجر إلا تبعاً للفرض إذا فاتت مع الفرض وقضاها مع الجماعة أو وحده لأن القياس فی السنة أن لا تقضی لاختصاص القضاء بالواجب لكن ورد الخبر بقضائها قبل الزوال تبعاً للفرض وهو ما روی أنه عليه الصلاة والسلام قضاها مع الفرض غداة ليلة التعريس بعد ارتفاع الشمس فيبقى ما رواه على الأصل وفيما بعد الزوال اختلف المشايخ.....وأما غيرها من السنن فلا تقضى وحدها بعد الوقت واختلفوا فی قضائها تبعاً للفرض، وقضى اللتی قبل الظهر فی وقته أی وقت الظهر قبل شفعه أی قبل الركعتين اللتين بعد الفرض وهذا عند محمدؒ وعندهما يبدأ بالركعتين ثم يقضی الأربع..... (تبيين الحقائق: ۱۸۳/۱، باب ادراک الفريضة، امدادية. وكذا فی مجمع الأنهر باب ادراک الفريضة. وكذا فی الهداية: ۱۵۲/۱، باب ادراک الفريضة. وكذا فی امداد الفتاوی: ۳۳۷/۱، باب قضاء الفوائت).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قضائے عمری باجماعت ادا کرنے کا حکم:

سوال: بعض علاقوں میں قضائے عمری جماعت کے ساتھ اجتماعی طور پر ادا کرنے کا رواج ہے، اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ رمضان کے آخری جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے بعد فجر سے عشاء تک کی نمازیں امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ لوگ پڑھتے ہیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟ خیر القرون میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ مدلل بیان کیجئے؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب: قضائے عمری کا یہ طریقہ کہ رمضان کے آخری جمعہ میں قضا کرنا اور تمام نمازوں کی طرف کافی سمجھنا بدعت ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور اس سے متعلق جتنی روایات بیان کی جاتی ہیں وہ سب موضوع ہیں۔ ملاحظہ ہو ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں:

من قضى صلاة من الفرائض فى آخر جمعة من شهر رمضان كان ذلك جابراً لكل صلاة فاتته فى عمره إلى سبعين سنة. قال : باطل قطعاً لأنه مناقض للإجماع على أن شيئاً من العبادات لايقوم مقام فائتة سنوات ثم لاعبرة بنقل "صاحب النهاية" ولاببقية شراح الهداية فإنهم ليسوا من المحدثين ولا أسندوا الحديث إلى أحد من المخرجين. (الموضوعات الكبرى، ص ۲۴۲، رقم: ۵۱۹).

ومثله فى كشف الخفاء: (۲۰۷۵/۲۷۲/۲).

نیز محدثین نے کسی روایت کے موضوع ہونے کی علامات بیان فرمائی ہے وہ بھی اس میں موجود ہیں:

(۱) عقل کے خلاف ہونا۔

(۲) مشاہدہ کے خلاف ہونا۔

(۳) نصوص کے خلاف ہونا۔

(۴) سنتِ متورثہ اور اجماعِ قطعی کے خلاف ہونا۔

(۵) وعد و وعید میں افراط و تفریط سے کام لینا۔ (مستفاد از تدریب الراوی: ۲/۲۷۶، ۲۷۷).

مزید براں فقہی اصول کے بھی خلاف ہے۔ مثلاً امام متنفل اور مقتدی مفترض، **وهذا لايصح عندنا**۔ دونوں مفترض ہوں لیکن نمازوں کا الگ الگ ہونا۔ مثلاً امام کی پیر کے دن کی ظہر کی نماز ہے اور مقتدی کی منگل کے دن کی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اشکال: اگر کوئی اشکال کرے کہ امام صاحب نے قضائے عمری ادا فرمائی تھی؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والجواب أولاً أنه لم يصح نقل ذلك عن الإمام . (ردالمحتار:۲/۳۸،سعید).

اور اگر بالفرض والتقدیر ثابت ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ: **أنه فعل احتياطاً وانفراداً لا جماعة على الإعلان .**

خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح قضائے عمری ثابت نہیں اور شریعتِ مطہرہ میں اس کی کوئی اصل بھی نہیں ہے، یہ خراسان کے بعض علاقوں میں شروع ہوئی تھی۔ نیز قضا شدہ نمازوں کے لیے اذان واقامت کا اہتمام بھی فقہاء کے کلام کی روشنی میں درست نہیں۔

مروجہ قضائے عمری میں درجِ ذیل خرابیاں ومفاسد پائے جاتے ہیں:

❁ یہ نماز نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور نہ فقہائے کرام سے مروی ہے۔ اس کا فاعل از روئے شریعتِ مقدسہ مبتدع اور مخترع ہے۔

علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

إنها اختراع بدعي وضلالة ما أجاز لهم الشارع لذلك لا دلالة ، ولا إشارة ، ولا قياساً ، ولا إجماعاً ، وما رووه من حديث في ذلك كذب لاينبغي للمومن المحقق أن يصغي إليه . (مجموعة رسائل اللكنوی:۲/۲۲).

خیر الفتاویٰ میں ہے:

احادیثِ صحیحہ اور کتبِ معتبرہ میں قضائے عمری کا مسئلہ نہیں ملتا، اور مسئلہ حکمِ خداوندی کو کہتے ہیں، تو جب باسنادِ معتمدہ اس مسئلہ کی نسبت پیغمبر علیہ السلام اور مجتہدین کی طرف ثابت نہ ہو تو یہ شریعت اور خداوندِ قدوس پر افترا ہوگا کہ یہ بھی حق سبحانہ کا حکم ہے، اور واقعہ میں حکم ہونا ثابت نہیں۔ (خیر الفتاویٰ:۱/۶۰۹)۔

❁ قضائے عمری کے بارے میں جو حدیث پیش کرتے ہیں وہ موضوع ہے۔ حدیث پر کلام اور تحقیق ملاحظہ ہو ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

باطل قطعاً لأنه مناقض للإجماع على أن شيئاً من العبادات لايقوم مقام فائتة سنوات

ثم لا عبرة بنقل" صاحب النهاية " ولا ببقية شراح الهداية فإنهم ليسوا من المحدثين ولا أسندوا الحديث إلى أحد من المخرجين. (الموضوعات الكبرى،ص ۲۴۲،رقم :۵۱۹).

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

حديث من صلى فى آخر جمعة من رمضان ... هذا موضوع لا إشكال فيه ولم أجده في شيء من الكتب التي جمع مصنفوها فيها الأحاديث الموضوعة ولكنه اشتهر عند جماعة من المتفقهة بمدينة صنعاء في عصرنا هذا وصار كثير منهم يفعلون ذلك ولا أدري من وضعه لهم فقبح الله الكذابين . (الفوائدالمجموعة فى الاحاديث الموضوعة،ص:۵۴،رقم ۱۱۵،المكتب الاسلامى بيروت، وكذا فى الآثارالمرفوعة فى الاخبارالموضوعة للعلامة اللكنويؒ،ص:۸۵).

حضرت شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلویؒ عجالہ نافعہ میں رقمطراز ہیں:

الأمارة الخامسة: أن ما رواه الراوى يخالف ما اقتضاه العقل والشرع وتكذبه أصول الشرع كالقضاء العمرى ومثله . (العجالة النافعة، المندرجة فى ابتداء " تنظيم الاشتات لحل عويصات المشكاة " ، ص:۷۲،ط:آرام باغ كراتشى).

وفى "شرح المواهب اللدنية " نقلاً عن "شرح منهاج النووى " لابن حجر المكى الهيتمى الشافعى المسمى بـ "التحفة" بعد ذكر قباحة حفيظة رمضان : و أقبح من ذلك ما اعتيد في بعض البلاد من صلاة الخمس في آخر جمعة من رمضان عقب صلاتها زاعمين أنها تكفر صلوات العام أوالعمر المتروكة وذلك حرام بوجوه لاتخفى. (ملتقط من رسائل اللكنويؒ:۲/۳۶۶).

ملاحظہ ہو شیخ ابراہیم حلبی (م۹۵۶ھ) اس قسم کی احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

موضوع باطل لا أصل له ولا يجوزالعمل به ولانقله إلا لبيان بطلانه كما هوشأن الأحاديث الموضوعة ويدلك على وضعه ركاكته والمبالغة الغيرالموافقة للشرع والعقل فإن الأجرعلى قدرالمشقة شرعاً وعقلاً وأفضل الأعمال أحمزها وإنما قصد بعض الملحدين بمثل هذا الحديث إفساد الدين وإضلال الخلق وإغراء هم بالفسق وتثبيطهم عن الجد فى العبادة فيغتربه بعض من ليس له خبرة بعلوم الحديث وطرقه ولاملكة يميزها بين

Maktaba Tul Ishaat.com

صحیحه وسقیمه ، قال الربیع بن خیثم: إن للحدیث ضوء مثل ضوء النهار یعرفه وظلمة کظلمة اللیل تنکره. وقال ابن الجوزی:إن الحدیث المنکر یقشعر منه جلد الطالب للعلم وینفر منه قلبه فی الغالب انتهی. (شرح منیة المصلی، ص٦١٧، فصل فی مسائل شتی، ط:سهیل).

اورموضوع حدیث پرعمل جائزنہیں ہے۔

علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

اعلم أنه قد صرح الفقهاء والمحدثین بأجمعهم فی کتبهم بأنه تحرم روایة الموضوع وذکره ونقله والعمل بمفاده مع اعتقاد ثبوته إلا مع التنبیه علی أنه موضوع ویحرم التساهل فیه سواء کان فی الأحکام أوالقصص أو الترغیب والترهیب أو غیر ذلک و یحرم التقلید فی ذکره ونقله إلا مقروناً ببیان وضعه بخلاف الحدیث الضعیف ... (الاثارالمرفوعة فی الاخبارالموضوعة،ص ٢١،حرمة روایة الحدیث الموضوع،دارالکتب العلمیة).

❁ عوام اورکم علم خواص کاعقیدہ ہے کہ اس سے عمربھریاستر سال یاکم ازکم ایک سال کی فوت شدہ نمازوں سے آدمی فارغ البال ہوجاتا ہے۔

علامہ لکھنویؒ نقل فرماتے ہیں:

إنهم یعتقدون أن هذه الصلاة تکفیهم عن جمیع الفوائت ، وهذا الاعتقاد یقلع أصل أحکام الإسلام. (مجموعة رسائل اللکنوی:٢/٢٢).

❁ لوگ اس کے لیے اس قدر اہتمام کرتے ہیں جتنا فرائض وواجبات کے لیے اہتمام نہیں کیا جاتا۔

❁ قضائے عمری کے لیے مسجد میں اذان دی جاتی ہے،جب کہ فقہاء کی تصریحات کہ بموجب یہ صحیح اوردرست نہیں ہے۔ البحرالرائق میں ہے:

وفی المجتبی معزیاً إلی الحلوانی أنه سنة القضاء فی البیوت دون المساجد فإن فیه تشویشاً وتغلیطاً ، وإذا کانوا قد صرحوا بأن الفائتة لاتقضی فی المسجد لما فیه من إظهار التکاسل فی إخراج الصلاة عن وقتها فالواجب الإخفاء فالأذان للفائتة فی المسجد أولی بالمنع . (البحرالرائق:١/باب الاذان،کوئته).

وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص:،باب الأذان، وردالمحتار:

(۱/۳۹۰،۳۹۱، سعید).

❁ قضانمازوں کو تداعی اور تشہیر و جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا ناجائز ہے۔ بلکہ گناہِ کبیرہ کی تشہیر "ضِغْثٌ علی إبَّالَة" ستم بالائے ستم" کے قبیل سے ہے۔

وفی الدرالمختار: وینبغي أن لایطلع غیرہ علی قضاء ہ لأن التأخیر معصیة فلا یظھرھا. وفی الشامیة: قولہ وینبغی ...أنہ یکرہ قضاء الفائتة فی المسجد، وعللہ الشارح بما ھنا من أن التأخیر معصیة فلا یظھرھا، وظاھرہ أن الممنوع ھو القضاء مع الإطلاع علیہ سواء کان فی المسجد أو غیرہ کما أفادہ فی المنح. قلت: والظاھر أن ینبغی ھنا للوجوب وأن الکراھة تحریمیة، لأن إظھار المعصیة معصیة، لحدیث الصحیحین:" کل أمتي معافی إلا المجاھرین، وإن من الجھار أن یعمل الرجل باللیل عملاً ثم یصبح وقد سترہ اللّٰہ فیقول: عملت البارحة کذا وکذا وقد بات یسترہ ربہ ویصبح یکشف ستر اللّٰہ عنہ". واللّٰہ تعالیٰ أعلم. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۲/۷۷،سعید).

الفتاوی الھندیة میں ہے:

ولا یقضی الفوائت فی المسجد وإنما یقضیھا فی بیتہ کذا فی الوجیز للکردی.

(الفتاوی الھندیة:۱/۱۲۵).

وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: (۱/۱۸۷،کوئٹہ)، **والدرالمختار مع رد المحتار** (۱/۳۹۱، سعید).

علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

إنھا إعلان وتشھیر لکبائر نفوسھم، وھوفسق. (مجموعة رسائل اللکنوی:۲/۲۲).

❁ یہ اعتقاد رکھنا کہ ایک نماز ادا کرنے سے سب قضانمازیں ادا ہوگئیں اور ذمہ ساقط ہوگیا، بتصریح فقہاء موجبِ کفر ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

رجل یصلی فی رمضان لا غیر ویقول: ''ایں خود بسیاراست'' أویقول: ''زیادہ می آید'' لأن کل صلاة فی رمضان تساوی سبعین صلاة یکفر. (الفتاوی الھندیة:۲/۲۶۸، موجبات الکفر).

(وکذا فی الفتاوی البزازیة ،وفی فصول العمادیة ، وفی جامع الفصولین، وفی کشف الوقایة).

Maktaba Tul Ishaat.com

علامہ لکھنویؒ نقل فرماتے ہیں:

إنهم يعتقدون أن هذه الصلاة تكفيهم عن جميع الفوائت ، وهذا الاعتقاد يقلع أصل أحكام الإسلام. (مجموعة رسائل اللكنوی:۲/۲۲).

❁ امام کی نماز اور مقتدی کی نماز کا الگ ہونا، مثلاً امام کی پیر کے دن کی ظہر کی نماز ہے اور مقتدی کی منگل کے دن کی ہے۔ اور اس کے باوجود اقتدا کرنا۔

مقتدی کا فرض امام کے فرض سے مختلف ہو تو اقتداء درست نہیں۔ ملاحظہ ہو مختصر القدوری میں ہے:

ولا من يصلي فرضاً خلف من يصلي فرضاً آخر. (مختصر القدوری:ص ٤٢،باب الجماعة،سعيد).

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

لأن الاقتداء شركة وموافقة فلابد من الاتحاد وسواء تغاير الفرضان أی وصفة كمن صلى ظهر امس خلف من يصلي ظهر اليوم فإنه لايجوز. (الجوهرة النيرة:۷۳)

نورالایضاح میں ہے:

وأن لايكون الإمام مصلياً فرضاً غير فرضه. وقال المحشیؒ: قوله غير فرضه: مثل أن يصلي المأموم صلاة الظهر من يوم السبت والإمام من صلاة الظهر من يوم الأحد. (نور الايضاح مع الحاشية:٧٦ باب الامامة،مجيديه)

نیز ملاحظہ ہو: مراقی الفلاح :۱۰۸ باب الامامة،مكة المكرمة_امداد الفتاح:۳۳٤، باب الامامة شروط صحة الاقتداء،بيروت).

❁ اصولِ شرعیہ کلیہ سے متصادم ہے۔ شریعتِ مطہرہ کا اصول یہ ہے کہ ہر نماز کی قضا ضروری ہے، ایک نماز بھی اگر ذمہ میں باقی ہے تو فردا بروزِ قیامت جواب دہی ہوگی۔ نیز اگر صحیح تعداد معلوم نہ ہو تو اندازہ اور تخمینہ سے تعداد متعین کرے پھر یکے بعد دیگرے تمام نمازوں کی قضا کرے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالكؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:" من نسي صلاة فليصل إذا ذكر لاكفارة لها إلا ذلك﴿أقم الصلاة لذكری﴾. (رواه البخاری:۱/۸٤،باب من نسی صلاة، فيصل).

ایک حدیث شریف میں صرف نمازِ عصر کے فوت ہونے کے بارے میں سخت الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰه بن عمرؓ أن رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الذى تفوته صلاة العصر كأنما وتر أهله وماله. (رواه البخارى،رقم:٥٥٢).

صحیح ابن حبان میں ہے:

عن نوفل بن معاويةؓ أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: " من فاتته الصلاة فكأنما وتر أهله وماله ". قال شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح. (صحيح ابن حبان مع التعليقات).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

من لا يدرى كمية الفوائت يعمل بأكبر رأيه فإن لم يكن له رأي يقض حتى يتيقن أنه لم يبق عليه شيء . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص:٤٤٧،ط:قديمى).

❁ عظیم خرابی یہ ہے کہ جب کوئی بدعت کسی قوم میں گھر کر جاتی ہے تو اس کے مثل سنت کے نور سے وہ قوم محروم ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: "ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنة فتمسك بسنة خير من إحداث بدعة. (رواه احمد فى مسنده، رقم: ١١٧٠١، قال الشيخ شعيب : إسناده ضعيف لضعف ابى بكربن عبدالله وهوابن ابى مريم الغسانى الشامى، بقية بن الوليد، وإن كان مدلساً ، وقد عنعن ، توبع وباقى رجاله ثقات رجال الصحيح غيرغضيب بن الحارث (مختلف فى صحبته كما فى "التقريب") .

دوسری روایت میں ہے کہ جب وہ سنت اٹھالی جاتی ہے تو پھر قیامت تک اس قوم کو نہیں دی جاتی۔

ملاحظہ ہو سنن دارمی میں ہے:

عن حسان بن عطية (من ثقات التابعين) قال: ما ابتدع قوم بدعة فى دينهم إلا نزع اللّٰه من سنتهم مثلها ثم لايعيدها إليهم إلى يوم القيامة. (رواه الدارمى فى سننه،رقم:٩٩).

قلت: إسناده صحيح إلا أنه من قول حسانؒ وهو تابعى، ثقة ، فقيه، عابد .

﴿ تلك عشرة كاملة ﴾

Maktaba Tul Ishaat.com

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا مفاسد کی وجہ سے مروجہ قضائے عمری بدعت ہے۔

بطورِ قولِ فیصل علامہ لکھنویؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وبالجملة فهذه الصلاة التى اخترعوها مشتملة على مفاسد كثيرة ، وأداء ها مع ما زعموا أنه قضاء لما فات خلاف المعقول والمنقول ، ومضاد للفروع والأصول ، والذى يدل على أن الصلاة المذكورة لا أصل لها خلو أكثر الكتب المعتمدة عن ذكرها ... و كذلك كتب الشافعية والمالكية والحنبلية خالية عن ذلك ، ومن المعلوم أنه لو كان لها أصل لبادروا إلى ذكرها، وذكر فضلها ، كيف لا وهذه الصلاة على ما زعموا من أفضل الصلوات ، حيث يكون أداء ركعات عديدة كفارة بجميع فوات العمر، بل عن فوائت الأجداد والأحفاد ، فالغفلة عن مثل هذه الصلاة غفلة عظيمة ، وهذا صاحب "جامع الرموز" جامع كل رطب ويابس لم يتنبه له، وصاحب "إحياء العلوم" مع اهتمامه بذكر العبادات الفاضلة وإن كانت رواياتها ضعيفة لم يتعرض له ، وصاحب " خزانة الروايات " الجامع بين كل غث وسمين لم يذكره ، وهذا كله يدل على عدم العبرة به. (ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان،ص۱۳، مندرجة تحت مجموعة رسائل اللكنوى:۲/۳۵۸،المكتبة الامدادية).

و للاستزادة انظر : (مجموعة رسائل اللكنوى" ردع الاخوان من محدثات آخر جمعة رمضان " : ۱/ ۲۱، وفتاویٰ حقانیه:۳/ ۳۰۱،وفتاویٰ فریدیه:۲/ ۲۱۷، ۳۲۱،وكفايت المفتى:۳/ ۳۸۲،وفتاویٰ دارالعلوم ديوبند:۴/ ۳۳۵).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
"إذا لم یدر أزاد أم نقص
فلیسجد سجدتین وھو جالس"
(مصنف ابن أبی شیبة)

باب.....﴿۱۲﴾

سجدۂ سہو کا بیان

Maktaba Tul Ishaat.com

باب.....۱۲

سجدۂ سہو کا بیان

تکرارِ فاتحہ سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سورۂ فاتحہ کی بعض آیات مکرر پڑھ لیں تو سجدۂ سہو واجب ہے یا اعادۂ صلاۃ ہے؟

الجواب: اگر تکرارِ فاتحہ سہواً ہو تو سجدۂ سہو واجب ہے، اور اگر عمداً ہو تو نماز واجب الاعادہ ہے لیکن کتنی تکرار موجبِ سہو یا سببِ اعادہ ہے تو شامی میں اکثر فاتحہ اور طحطاوی میں بعض کا ذکر ہے دونوں میں تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ بعض سے اکثر یعنی نصف سے زائد مراد لیا جائے اس میں آسانی ہے لہذا اگر نصف سے زائد کو سہواً مکرر کیا تو سجدۂ سہو واجب ہے اور قصداً کیا تو اعادہ واجب ہوگا۔ ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

ولو كرر الفاتحة أو بعضها في إحدى الأوليين قبل السورة سجد للسهو. (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ٤٦٠، باب سجود السهو، قديمی)

شامی میں ہے:

قوله وكذا ترك تكريرها: فلو قرأها في ركعتين من الأوليين مرتين وجب سجود السهو لتأخير الواجب وهو السورة كما في الذخيرة وغيرها، وكذا لو قرأ أكثرها ثم أعادها كما في الظهيرية. (شامی: ١/ ٤٦٠، سعيد)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر فرض کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورت ملانے سے پہلے الحمد دوبارہ پڑھے یا دوسری دفعہ آدھی سے زیادہ

پڑھ لے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔(عمدۃ الفقہ :۲/۳۶۴،مجددیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سورۂ فاتحہ کی کسی ایک آیت کے تکرار سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے کسی وجہ سے سورۃ فاتحہ کی کسی ایک آیت کا تکرار نماز میں کرلیا تو کیا سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سورۃ فاتحہ کے کسی ایک آیت کے تکرار سے نماز صحیح ہے سجدہ سہو واجب نہیں، ہاں اکثر فاتحہ کی تکرار موجب سجدۂ سہو ہے، اس قول میں آسانی ہے لہذا ایک آیت کی تکرار سے سجدۂ سہو واجب نہ ہونا چاہئے۔ ملاحظہ ہو ردالمحتار میں ہے:

(قوله وكذا ترك تكريرها)فلوقرأها في ركعة من الأوليين مرتين وجب سجود السهو لتاخير الواجب وهو السورة كما في الذخيرة وغيرها،وكذا لوقرأ أكثرها ثم أعادها كما في الظهيرية.(رد المحتار:۱/۴۶۰، سعيد)

البحرالرائق میں ہے:

ولوقرأ الفاتحة مرتين يجب عليه السجود لتأخير السورة كذا في الذخيرة وغيرها.....وقراءة أكثر الفاتحة ثم إعادتها كقراءتها مرتين كما في الظهيرية.(البحرالرائق: ۲/۹۴،كوئٹه)

عمدۃ الفقہ میں مذکور ہے:

اگر فرض کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورۃ ملانے سے پہلے سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھے یا دوسری دفعہ آدھی سے زیادہ پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔(عمدۃ الفقہ :۲/۳۶۴،مجددیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: نماز میں واجب چھوٹ گیا پھر سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا تو سجدۂ سہو کرے گا یا نماز کا اعادہ کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر نماز کے بعد اسی جگہ پر بیٹھا ہے اور بات چیت بھی نہیں کی یعنی مفسدِ صلاۃ کوئی امر پیش نہیں آیا تو سجدۂ سہو کرلے نماز درست ہوجائے گی، لیکن اگر مفسدِ صلاۃ کوئی کام کرلیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

ويسجد للسهو ولو مع سلامه ناوياً للقطع لأن نية تغيير المشروع لغو مالم يتحول عن القبلة أو يتكلم لبطلان التحريمة ولو نسي السهو أو سجدة صلبية أو تلاوية يلزمه ذلك ما دام في المسجد. وفي الشامي: (قوله لبطلان التحريمة) أي بالتحول أو التكلم، وقيل لا يقطع بالتحول مالم يتكلم أو يخرج من المسجد كما في الدرر عن النهاية، إمداد (قوله ولو نسي السهو)..... وهي مالو كان عليه سهوية فقط..... ففي هذه كلها إذا سلم ناسياً لما عليه كله أو لما سوى السهوية لا يعد سلامه قاطعاً، فإذا تذكر يلزمه ذلك الذي تذكره..... (قوله مادام في المسجد) أي وإن تحول عن القبلة استحساناً لأن المسجد كله في حكم مكان واحد ولذا صح الاقتداء فيه وإن كان بينهما فرجة، وأما إذا كان في الصحراء فإن تذكر قبل أن يجاوز الصفوف من خلفه أو يمينه أو يساره عاد إلى قضاء ماعليه، لأن ذلك الموضع ملحق بالمسجد، وإن مشى أمامه فالأصح اعتبار موضع سجوده أو سترته إن كان له سترة بين يديه كما في البدائع والفتح..... في البدائع من أن السجود لا يسقط بالسلام ولو عمداً إلا إذا فعل فعلاً يمنعه من البناء بأن تكلم أو قهقه أو أحدث عمداً أو خرج من المسجد أو صرف وجهه عن القبلة وهو ذاكر له لأنه فات محله وهو تحريمة الصلاة فسقط ضرورة فوات محله. (الدر المختار مع الشامي: ۲/۹۱، باب سجود السهو، سعيد)

نیز ملاحظہ ہو: حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٤٧٦، باب سجود السهو، قديمي ۔ بهشتي زيور ۲/۱٦۰ ۔ احسن الفتاوی: ٤/٤٦) ۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔**

حالتِ قیام میں فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھ لینے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر قیام میں فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، پہلی، تیسری اور چوتھی میں سورۂ فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

إن قرأ (التشهد) في قيام الأولى قبل الفاتحة أو في الثانية بعد السورة أو في الأخريين

مطلقاً لاسهوعليه وإن قرأ في الأوليين بعد الفاتحة والسورة أوفي الثانية قبل الفاتحة وجب عليه السجود لأنه أخّرواجباً. (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح:٤٦١، باب سجود السهو۔ وكذا فی تبيين الحقائق:١/١٩٣۔وشرح منية المصلی:٤٦٠۔والفتاوی الهندية:١/١٢٧)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قعدہ میں تشہد کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: کسی نے التحیات کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تشہد کی جگہ فاتحہ یا قراءت کرلی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا قرأ الفاتحة مكان التشهد فعليه السهو وكذلک إذا قرأ الفاتحة ثم التشهد كان عليه السهو كذا روی عن أبی حنيفةؒ في الواقعات الناطفية وذكرهناک إذا بدأ في موضع التشهد بالقراءة ثم تشهد فعليه السهو. (الفتاوی الهندية:١٢٧١،الباب الثانی عشرفی سجود السهو۔و كذا فی امداد الفتاح:٥١٠، باب سجود السهو،بيروت۔ وكذا فی حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح:٤٦١، باب سجود السهو،قديمی۔ وفتاوی رحيميه :١/٢٤٢)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم؟

سوال: اگر کسی حافظ نے نمازِ تراویح میں سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تکرارِ فاتحہ ضمِ سورت کے بعد ہے لہذا سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولوقرأ الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة لايلزمه السهو وقيل يلزمه. (شرح منية المصلی:٤٦٠، سهيل)

الجوهرۃ النیرۃ میں ہے:

ولوقرأ فيهما الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة ساهياً لم يجب عليه سهو وصار كأنه قرأ سورة طويلة. (الجوهرة النيرة:٩٢، باب سجود السهو،امدادية ملتان۔وكذا فی الفتاوی الهندية:١/١٢٦۔ وفتاوی قاضيخان على هامش الهندية:١/١٢١۔والدرالمختار:١/٤٢٩،سعيد)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سنتِ مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: سننِ مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں بھول سے درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، البتہ سننِ مؤکدہ میں جمعہ کی بعد والی چار رکعت کا حکم مختلف ہے چونکہ ان چار رکعت کو ایک سلام سے پڑھنا لازم نہیں اس لئے اگر درود شریف قعدۂ اولیٰ میں پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولایصلی علی النبی ﷺ فی القعدة الأولیٰ فی الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها لو صلی ناسیاً فعلیه السهو، وقیل لا (وفی الشامیة) أقول: قال فی البحر فی باب صفة الصلاة إن ما ذکر مسلم فیما قبل الظهر لما صرحوا به من أنه لاتبطل شفعة الشفیع بالانتقال إلی الشفع الثانی منها، ولو أفسدها قضی أربعا، والأربع قبل الجمعة بمنزلتها، وأما الأربع بعد الجمعة فغیر مسلم فإنها کغیرها من السنن، فإنهم لم یثبتوا لها تلک الأحکام المذکورة ومثله فی الحلیة وهذا مؤید لما بحثه الشرنبلالی من جوازها بتسلیمتین لعذر.....(قوله وقیل لا) قال فی البحر: ولایخفی ما فیه، والظاهر الأول. (الدر المختار مع الشامی: ۲/۱۶، باب الوتر والنوافل، سعید۔ وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۵۱، واجبات الصلاة، قدیمی۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/۱۲۷، سجود السهو۔ وأحسن الفتاوی: ۴/۲۹، باب سجود السهو)۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

سری نماز میں کچھ جہری قراءت کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: منفرد اگر سری نماز میں جہر سے دو آیتیں یا تین آیتیں پڑھ لے تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں اور اگر امام ایسا کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں منفرد پر سجدۂ سہو نہیں ہے۔ ہاں امام نے تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت جہر سے پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولو جهر الإمام فیما یخافت أو خافت فیما یجهر تلزمه سجدتا السهو لأن الجهر فی موضعه والمخافتة فی موضعها من الواجبات واختلفت الروایة فی المقدار والأصح قدر ما تجوز به الصلاة فی الفصلین لأن الیسیر من الجهر والإخفاء لایمکن الاحتراز عنه وعن الکثیر

یمکن إلی قوله.....وهذا فی حق الإمام دون المنفرد لأن الجهر والمخافتة من خصائص الجماعة. (الهداية:۱/۱۵۸۔وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۱۲۔وکذا فی شرح العنایة علی الهدایة:۱/۵۰۵۔والشامی:۲/۱۸،باب سجود السهو،سعید).

درمختار میں ہے:

ولوقرأ آیة طویلة فی الرکعتین فالأصح الصحة اتفاقاً لأنه یزید علی ثلاث آیات قصار قاله الحلبی.....وفی الشامی:(قوله لأنه یزید علی ثلاث آیات) تعلیل للمذهبین لأن نصف الآیة الطویلة إذا کان یزید علی ثلاث آیات قصار یصح علی قولهما فعلی قول أبی حنیفةؒ المکتفی بالآیة أولیٰ.قال فی البحر:وعلم من تعلیلهم أن کون المقروء فی کل رکعة النصف لیس بشرط بل یکون البعض یبلغ مایعد بقراءته قارئاً عرفاً.....وفی التاتارخانیة والمعراج وغیرهما:لوقرأ آیة طویلة کآیة الکرسی أوالمداینة البعض فی رکعة والبعض فی رکعة اختلفوا فیه علی قول أبی حنیفةؒ.....وعامتهم علی أنه یجوز لأن بعض هذه الآیات یزید علی ثلاث قصار أویعدلها فلاتکون قراءته أقل من ثلاث آیات..... وقدرها من حیث الکلمات عشر، ومن حیث الحروف ثلاثون......(الدرالمختارمع الشامی:۱/۵۳۷، فصل فی القراءة)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسبوق امام کے ساتھ سہواً سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: مسبوق اگر امام کے ساتھ سہواً یعنی بھول کر سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مسبوق نے امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیرا یا امام کے سلام سے پہلے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور اگر امام کے سلام کے بعد سلام پھیرا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہے اور عامۃً امام کے بعد ہی سلام پھیرتے ہیں لہذا سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولوسلم ساهیاً إن بعد إمامه لزمه السهو وإلا لا.....وفی الشامی:(قوله وإلا لا)أی وإن سلم معه أوقبله لایلزمه لأنه مقتد فی هاتین الحالتین،وفی شرح المنیة عن المحیط إن سلم فی الأولیٰ مقارناً لسلامه فلا سهو علیه لأنه مقتد به،وبعده یلزم لأنه منفرد ثم قال: فعلی هذا یراد بالمعیة حقیقتها وهونادر الوقوع، قلت:یشیر إلی أن الغالب لزوم السجود لأن الغالب

Maktaba Tul Ishaat.com

عدم المعية وهذا مما يغفل عنه كثيرمن الناس فليتنبه له. (الدرالمختارمع الشامی:۱/۵۵۹، سعید۔وکذا فی الطحطاوی:۱/۲۵۵)

بدائع الصنائع میں ہے:

ولايسلم مع سلام الإمام لأن هذا السلام للخروج عن الصلاة وقد بقي عليه أركان الصلاة فإذا سلم مع الإمام فإن كان ذاكراً لما عليه من القضاء فسدت صلاته لأنه سلام عمد وإن لم يكن ذاكراً له لاتفسد لأنه سلام سهوفلم يخرجه عن الصلاة وهل يلزمه سجود السهو لأجل سلامه ينظرإن سلم قبل تسليم الإمام أوسلما معاً لايلزمه لأن سهوه سهوالمقتدى وسهوالمقتدى متعطل وإن سلم بعد تسليم الإمام لزمه لأن سهوه سهوالمنفرد فيقضي مافاته ثم يسجد للسهو في آخرصلاته. (بدائع الصنائع:۱/۱۷۶،سعید)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پہلی رکعت میں سورت نہ ملانے کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کی تین رکعت فوت ہوگئی امام کے سلام کے بعد کھڑا ہوا تو پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت نہیں ملائی اس کے بعد دونوں رکعتوں میں سورت ملائی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ امام کے سلام کے بعد مسبوق جو پہلی رکعت ادا کرتا ہے اس میں ضم سورت ضروری ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں سہواً ترک کرنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے اور نماز درست ہوجائے گی۔ ملاحظہ ہو ردالمحتار میں ہے:

(قوله ويقضي أول صلاته في حق قراءة الخ) هذا قول محمدؒ كما في مبسوط السرخسي،وعليه اقتصرفي الخلاصة وشرح الطحاوي والاسبيجابي والفتح والدرر والبحروغيرهم وذكرالخلاف كذلك في السراج لكن في صلاة الجلابي أن هذا قولهما وتمامه في شرح إسماعيل.وفي الفيض عن المستصفى:لوأدركه في ركعة الرباعي يقضي ركعتين بفاتحة وسورة وتشهد ثم ركعتين أولاهما بفاتحة وسورة وثانيتهما بفاتحة خاصة، و ظاهر كلامهم اعتماد قول محمدؒ. (رد المحتار:۱/۵۹۶، احکام المسبوق،سعید)

ردالمحتار میں ہے:

(قوله فی الأولیین)تنازع فیه قراءة وضم فی قول المصنف قراءة فاتحة الکتاب وضم سورة لأن الواجب فی الأولیین کل منهما فافهم . (رد المحتار: ۱/۴۵۹، باب الواجبات۔وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/۷۱، الفصل الثانی فی واجبات الصلاة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولایجب السجود إلابترک واجب أوتأخیره أو تأخیر رکن أوتقدیمه أوتکراره أوتغییرواجب بأن یجهرفیما یخافت وفی الحقیقة وجوبه بشیء واحد وهوترک الواجب، کذا فی الکافی. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۲۶)۔**واللہ تعالیٰ اعلم۔**

فرض کی تیسری رکعت میں سورت شروع کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے فرض کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت شروع کردی پھر یاد آنے پر چھوڑ دی تو نماز کا کیا حکم ہے سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: فرض کی تیسری رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا مسنون ہے سورت ملانا خلافِ اولیٰ اور مکروہ ہے، البتہ اس کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وإن کانت تلک الصلاة فریضة ثلاثیة أورباعیة فهومخیرفیما بعدالأولیین والقراءة أفضل وإن قرأ یقرأ الفاتحة فحسب ولایزیدعلیها شیئاً لمافی البخاری من حدیث أبی قتادة رضی اللہ عنہ "أن النبی ﷺ کان یقرأ فی الظهر فی الأولیین بأم القرآن وسورتین وفی الرکعتین الأخریین بأم الکتاب" الحدیث. فإن ضم السورة إلی الفاتحة ساهیاً.....فی أظهر الروایات لایجب علیه سجودالسهولأن القراءة فیهما مشروعة من غیر تقدیروالتقیید بالفاتحة مسنون لا أن الاقتصارعلیها واجب. (شرح منیة المصلی: ص ۳۳۱، سهیل اکیدمی)

شامی میں ہے:

وهل یکره فی الأخریین ؟ المختارلا أی لایکره تحریماً بل تنزیهاً لأنه خلاف السنة ... وفی البحرعن فخرالإسلام أن السورة مشروعة فی الأخریین نفلاً، وفی الذخیرة: أنه

Maktaba Tul Ishaat.com

المختار،وفی المحیط:وهوالأصح .والظاهرأن المراد بقوله نفلاً الجواز،والمشروعية بمعنى عدم الحرمة فلا ينافى كونه خلاف الأولىٰ كما أفاده فى الحلية. (شامی: ۱/۴۵۹، واجبات الصلاۃ،سعید) **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سجدۂ سہو کرنے کے بعد دوبارہ لازم ہو تو تکرارِ سہو کا حکم:

سوال: سجدۂ سہو کرنے کے بعد التحیات کی جگہ سورتِ فاتحہ پڑھنے لگا تو کیا دوبارہ سجدۂ سہو کرے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوبارہ سجدۂ سہو کرنا لازم نہیں ہے بلکہ پہلا کافی ہے تکرارِ سہو مشروع نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو تبیین الحقائق میں ہے:

وإن تكررترك الواجب حتى لايجب عليه أكثرمن سجدتين. (تبيين الحقائق:۱/۱۹۱، باب سجود السهو،امداديه ملتان)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

ولوسهى فى صلاته مراراً يكفيه سجدتان. (خلاصة الفتاوى:۱/۱۷۳،رشيدية)

شامی میں ہے:

(قوله وإن تكرر)حتى لوترك جميع واجبات الصلاة سهواً لايلزمه إلاسجدتان بحر،لأن تكراره غيرمشروع،سيأتى أن المسبوق يتابع إمامه فيه ثم إذا قام لقضاء مافاته فسها فيه يسجد أيضاً فقد تكرر، وأجاب فى البدائع بأن المسبوق فيما يقضى كالمنفرد فهما صلاتان حكماً وإن كانت التحريمة واحدة. (شامی:۲/۸۰، باب سجود السهو،سعيد)

البحرالرائق میں ہے:

الخامس أنه لايتكررالوجوب بترك أكثر من واجب حتى لوترك جميع الواجبات ساهياً فإنه لايلزمه أكثرمن سجدتين لأنه تاخيرعن زمان العلة وهووقت وقوع السهومع أن الأحكام الشرعية لا تؤخرعن عللها فعلم أنه لايتكرر إذ الشرع لم يرد به وسيأتى أن المسبوق يتابع إمامه فى سجود السهوثم قام إلى القضاء وسها فإنه يسجد ثانياً فقد تكرر

سجود السهو وأجاب عنه فی البدائع بأن التکرار فی صلاة واحدة غیر مشروع وهما صلاتان حکماً وإن کانت التحریمة واحدة لأن المسبوق فیما یقضی کالمنفرد.....وعلله فی المحیط بأن السجدة المتقدمة لاترفع النقصان المتأخر،فأما السجدة المتأخرة فإنها ترفع النقصان المتقدم. (البحر الرائق:۲/۹۹، باب سجود السهو،الماجدیه)

بحر کی عبارتِ مذکورہ سے شبہ ہوتا ہے کہ سجدۂ سہو کرنے کے بعد کچھ نقصان ہوا تو جابر نہ ہوگا کیونکہ علت حکم سے مؤخر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ علت حکم پر مقدم ہو،اس کا جواب یہ ہے کہ نماز گویا ایک ہی فعل ہے تو ایک ہی سجدۂ سہو کافی ہونا چاہئے اور اگر چہ علت مؤخر ہے لیکن علتِ متقارنہ ہونے کی وجہ سے اگلے حکم کو بھی متضمن ہے۔

پھر دوسرا شبہ یہ ہوتا ہے کہ محیط کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ سہو اگلے نقصان کا جابر ہے لیکن پچھلے کا نہیں تو اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسبوق کے لئے ہے یعنی مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں اتباع کرے گا پھر اپنی نماز میں کوئی غلطی کرے تو دوبارہ سجدۂ سہو کرے گا اور یہ اس وجہ سے کہ مسبوق کی نماز حکما ایک نہیں ہے علیحدہ ہے یعنی امام کے ساتھ مقتدی ہونے کی بنا پر سجدۂ سہو کرے گا اور بعد میں منفرد ہونے کی بنا پر۔

بہشتی زیور میں ہے:

سجدۂ سہو کرنے کے بعد پھر کوئی ایسی بات ہوگئی جس سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے تو وہی پہلا سجدۂ سہو کافی ہے پھر سجدۂ سہو نہ کرے۔ (بہشتی زیور:۲ز ۴۰۸۔وحاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۴۶۴، باب سجود السہو ،قدیمی)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قعدہ میں تشہد کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے قعدہ میں تشہد پڑھ لیا پھر سورۂ فاتحہ پڑھنے لگا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی تو سجدۂ سہو لازم ہے ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن قرأ بعد التشهد فإن کان فی الأول فعلیه السهو لتأخیر الواجب وهو وصل القیام بالفراغ من التشهد وإن کان فی الأخیر فلا سهو علیه لعدم ترک واجب لأنه موسع له فی الدعاء والثناء بعده فیه والقراءة تشتمل علیهما. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:٤٦١، باب سجود السهو،قدیمی۔وکذا فی الفتاوی الهندیة:١/١٢٧)

Maktaba Tul Ishaat.com

قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد کھڑا ہو کر واپس آنے پر سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: ایک شخص چوتھی رکعت میں بیٹھا تشہد بھی پڑھ لیا پھر کھڑا ہو گیا یا د آیا تو واپس بیٹھ گیا اب دوبارہ تشہد پڑھے یا سجدۂ سہو کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوبارہ تشہد نہ پڑھے پہلا کافی ہے، ہاں سجدۂ سہو کرنے کے بعد پھر تشہد، درود اور دعاء وغیرہ پڑھ کر نماز پوری کرے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وإن قعد فی الرابعة مثلاً قدرالتشهد ثم قام عاد وسلّم وسجد للسهو، وفی الشامی: قوله عاد وسلم أی عاد للجلوس لما مرأن ما دون الركعة محل للفرض وفيه إشارة إلى أنه لايعيد التشهد وبه صرح فی البحر. (الدرالمختارمع الشامی:۲/۸۷، باب سجود السهو، سعید)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإن قعد الجلوس الأخيرة قدرالتشهد ثم قا م ولوعمداً وقرأ وركع عاد للجلوس لأن مادون الركعة بمحل الفرض وسلم.....وسجد للسهولتأخيرالسلام. (مراقی الفلاح: ۱۸۰، باب سجود السهو، مكة المكرمة۔ وكذا فی البحرالرائق:۲/۹۳، باب سجود السهو۔ وكذا فی عمدة الفقه:۲/۳۶۹۔ وكذا فی شرح منية المصلی:۴۶۳، سهيل۔ وكذا فی فتاوی محمودية: ۷/۴۲۹، باب سجود السهو، جامعه فاروقيه)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سینہ قبلہ کی طرف سے پھیر لینے کے بعد سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: ایک شخص سجدۂ سہو بھول گیا اور دونوں طرف سلام پھیر لیا اور سینہ بھی قبلہ سے پھیر لیا اب سجدۂ سہو کر سکتا ہے یا اعادہ کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب تک مسجد سے باہر نہیں نکلا سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کر لے نماز درست ہو جائے گی اعادہ ضروری نہیں لیکن مسجد سے نکل جانے کے بعد اعادہ ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويسجد للسهو ولومع سلامه ناوياً للقطع لأن نية تغييرالمشروع لغومالم يتحول عن القبلة أويتكلم لبطلان التحريمة ولونسی السهوأوسجدة صلبية أوتلاوية يلزمه ذلک ما

دام فی المسجد. وفی الشامیة:(قوله لبطلان التحریمة)أی بالتحول أوالتکلم، وقیل لایقطع بالتحول ما لم یتکلم أویخرج من المسجد کما فی الدررعن النهایة، إمداد (قوله ولونسی السهو).....وهی ما لو کان علیه سهویة فقط.....ففی هذه کلها إذا سلم ناسیاً لما علیه کله أولما سوی السهویة لایعد سلامه قاطعاً، فإذا تذکریلزمه ذلک الذی تذکره.....(قوله مادام فی المسجد)أی وإن تحول عن القبلة استحساناً لأن المسجدکله فی حکم مکان واحد ولذا صح الاقتداء فیه وإن کان بینهما فرجة. (الدرالمختارمع الشامی: ۹۱/۲، باب سجود السهو،سعید۔وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۴۷۶، باب سجود السهو، قدیمی ۔وکذا فی شرح العنایة علی هامش فتح القدیر:۵۱۶/۱، باب سجود السهو،دارالفکر۔وکذا فی احسن الفتاوی:۴۶/۴۔وبهشتی زیور:۱۶۰/۲)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مقتدی کا تشہد پورا ہونے سے پہلے سجدۂ سہو میں امام کی اتباع کا حکم:

سوال: مقتدی کا تشہد پورے ہونے سے پہلے امام سجدۂ سہو کرنے لگا تو مقتدی کیا کرے؟ پورا کرے یا اتباع کرے فی الفور؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مقتدی تشہد جلدی سے پورا کرلے پھر امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں شریک ہوجائے، اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ فی الفور اتباع کرلے لیکن اس میں ترکِ واجب لازم آتا ہے اور تشہد پورا کرنے میں صرف تاخیر ہے جو اخف البلیتین ہے اس وجہ سے اس کو اختیار کرلے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

تنبیه:من الواجب متابعة المقتدی إمامه فی الأرکان الفعلیة.....أما لوقام الإمام إلی الثالثة قبل أن یتمّ المقتدی التشهد فإنه یتمّ ثم یقوم لأن التشهد واجب وإن لم یتمّ وقام للمتابعة جازوکذا لوسلم فی القعدة الأخیرة قبل أن یتمّه بخلاف ما إذارفع رأسه قبل التسبیح أوسلّم قبل الصلاة علیه ﷺ فإنه یتابعه،والحاصل أن متابعة الإمام فی الفرائض والواجبات من غیرتأخیرواجبة،فإن عارضها واجب آخرلاینبغی أن یفوت ذلک الواجب بل یأتی به ثم یتابع لأن الإتیان به لایفوت المتابعة بالکلیة وأنما یؤخرها،والمتابعة مع قطعه

Maktaba Tul Ishaat.com

تفوت الواجب بالكلية فكان الإتيان بالواجبين مع تأخير أحدهما أولىٰ من ترك أحدهما بالكلية بخلاف ما إذا عارضها سنه لأن ترك السنة أخف من تأخير الواجب. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۲۵۶، فصل فی واجبات الصلاۃ،قدیمی ۔وکذا فی الدرالمختارمع رد المحتار:۱/۴۷۰، فی تحقیق متابعة الإمام۔وکذا فی شرح منیة المصلی:۲۹۶ سهیل)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسبوق قعدہ نہ کرے تو سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کی کسی ظہر میں تین رکعت فوت ہوئیں جب ادا کرتا ہے تو پہلی پر قعدہ نہیں کیا دو رکعت پر قعدہ کیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں فوت شدہ رکعت ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام کے سلام کے بعد پہلی رکعت پر بیٹھ جائے پھر دو رکعات پڑھ کر اخیری رکعت پر قعدہ کرے اس طرح نماز پوری کرے، لیکن اگر کسی نے پہلی پر قعدہ نہیں کیا اور امام کے بعد دوسری پر قعدہ کیا تو بھی استحساناً جائز اور درست ہے نہ سجدۂ سہو لازم اور نہ اعادہ۔ ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ أن جندباً ومسروقاً أدركا ركعة يعنى من صلاة المغرب فقرأ جندب ولم يقرأ مسروق خلف الإمام فلما سلم الإمام قاما يقضيان فجلس مسروق فى الثانية والثالثة وقام جندب فى الثانية ولم يجلس فلما انصرف تذاكرا ذلك فأتيا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فقال كل قد أصاب أوقال كل قد أحسن واصنع كما يصنع مسروق. رواه الطبرانی فی الكبير بأسانيد بعضها ساقط منه رجل وفی هذه الطريق جابرالجعفی والأكثرعلی تضعيفه۔ (مجمع الزوائد:۲/۸۶، باب فيما يدرك مع الإمام وما فاته،دارالفكر)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لوأدرك مع الإمام ركعة من المغرب فإنه يقرأ فى الركعتين الفاتحة والسورة ويقعد فى أوليهما لأنها ثنائية ولولم يقعد جازاستحساناً لاقياساً وولم يلزمه سجود السهولو سهواً لكونها أولىٰ من وجه. (شرح منية المصلی:۴۶۸، فصل فی سجود السهو،سهيل ۔وكذا فی الدر المختارمع الشامی:۱/۵۲۳، سعيد)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمسبوق وهو من سبقه الإمام بكلها أو بعضها وحكمه أنه يقضي أول صلاته في حق القراءة وآخرها في حق القعدة وهو منفرد فيما يقضيه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۳۰۹، فصل فيما يفعل المقتدي۔ وكذا في الشامي: ۱/۵۹۷، باب الامامة، سعيد)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سورت ملانا بھول جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کوئی نمازی سورت ملانا بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا تو واپس آنا ضروری ہے یا رکوع پورے کرکے آخر میں سجدہ سہو کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں واپس آنا چاہئے اور سورت ملانے کے بعد رکوع دوبارہ کرلے، لیکن اگر واپس نہیں آیا اور اخیر میں سجدۂ سہو کرلیا تو نماز درست ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ولو ترك السورة فتذكرها في الركوع أو بعد الرفع منه قبل السجود فإنه يعود ويقرأ السورة ويعيد الركوع، وعليه السهو لأنه بقراءة السورة وقعت فرضاً فيرتفض الركوع حتى لو لم يعده فسدت صلاته. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٤٦٠، باب سجود السهو۔ وكذا في الشامي: ۲/۸۵، باب سجود السهو۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۶)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإن عاد الساهي عن القعود الأول إليه بعد ما استتم قائماً اختلف التصحيح في فساد صلاته وأرجحهما عدم الفساد لأن غاية ما في الركوع إلى القعدة زيادة قيام في الصلاة وهو وإن كان لا يحل لكنه بالصحة لا يخل..... وقال صاحب البحر والحق عدم الفساد. (مراقي الفلاح: ۱۷۹، باب سجود السهو، مكة المكرمة)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ چھوڑ کر قیام کی طرف چلا گیا پھر دوبارہ آگیا تو نماز فاسد نہ ہوگی حالانکہ فقہاء نے فرض سے واجب کی طرف لوٹنے کو منع فرمایا لیکن لوٹ آیا تو نماز فاسد نہیں ہوتی، تو صورتِ مسئولہ میں بھی فقہاء نے رکوع سے لوٹنے کو فرمایا تاکہ جو واجب چھوٹ گیا تھا اس کی تلافی کرلے اور جب نہیں لوٹا تو بدرجۂ اولیٰ نماز فاسد نہ ہونی چاہئے کیونکہ رکوع سے نہ لوٹنا تو اخف ہے بنسبت اس کے جس میں قیام سے

Maktaba Tul Ishaat.com

قعدہ کی طرف لوٹنا پایا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں رکوع سے واپس نہ آنے کی صورت میں بھی سجدہ سہو کافی ہوگا اور نماز درست ہے، اگرچہ بعض مفتی حضرات نے فرمایا کہ نہ لوٹنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہے۔ ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی ۴/۲۳۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بلاضرورت سجدۂ سہو کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: سجدۂ سہو واجب نہیں تھا اور کرلیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صاحبِ درمختار نے مفسدِ صلاۃ کہا ہے لیکن علامہ شامیؒ نے فرمایا مفتی بہ قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو ظن الإمام السهو وسجد له فتابعه فبان أن لاسهو فالأشبه الفساد لاقتدائه فی موضع الانفراد. وفی الشامی: وفی الفیض: وقیل لاتفسد وبه یفتی وفی البحر عن الظهیریة قال الفقیه أبو اللیثؒ: فی زماننا لاتفسد لأن الجهل فی القراء غالب. (الدرالمختار مع الشامی: ۱/۵۹۹، سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ظہر کی آخری دو رکعت میں جہری قراءت سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے ظہر کی آخری دو رکعتوں میں قراءت کا کچھ حصہ جہراً پڑھ لیا تو اس پر سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟ یاد رہے اس نے پہلی دو رکعتوں میں سری قراءت کی ہے۔

الجواب: امام کے لئے جہری نماز میں جہر واجب ہے اسی طرح سری نماز میں سراً قراءت کرنا واجب ہے، لہذا سری کی جگہ تین آیات کے بقدر یا اس سے زیادہ جہر کرلیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

اور اگر منفرد ہے تو اس کو جہر کی جگہ سر کا اختیار ہے لیکن سر کی جگہ جہر کرنے کا اختیار نہیں لہذا اس کے لئے بھی یہی حکم ہے یعنی تین آیات کے بقدر یا اس سے زیادہ جہر کرلیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ لیکن علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ ظاہر الروایہ کے مطابق منفرد پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور یہی صحیح قول ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

والحاصل أن الجهر فی الجهریة لایجب علی المنفرد اتفاقاً وإنما الخلاف فی وجوب الإخفاء علیه فی السریة، وظاهر الروایة عدم الوجوب کماصرح بذلک فی التتارخانیة عن

المحیط، وکذا فی الذخیرة وشروح الهدایة کالنهایة والکفایة والعنایة ومعراج الدرایة. وصرحوا بأن وجوب السهو علیه إذا جهر فیما یخافت روایة النوادر، فعلی ظاهر الروایة لا سهو علی المنفرد إذا جهر فیما یخافت فیه وإنما هو علی الإمام فقط. (شامی:۲/۱۸،باب سجود السهو، سعید)

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو جهر الإمام فیما یخافت أو خافت فیما یجهر قدرما تجوز به الصلاة یجب سجود السهو علیه وهو أی التقدیر بمقدار ما تجوز به الصلاة هو الأصح وإلا فلا یجب. (شرح منیة المصلی:۱/۴۵۷، سهیل۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة:۱/۱۲۸۔ والدر المختار:۱/۵۳۳۔ والهدایة:۱/۱۵۷۔ ومجمع الأنهر:۱/۱۰۲)

ہدایہ میں ہے:

ولو جهر الإمام فیما یخافت أو خافت فیما یجهر تلزمه سجدتا السهو لأن الجهر فی موضعه والمخافتة فی موضعها من الواجبات واختلفت الروایة فی المقدار والأصح قدرما تجوز به الصلاة فی الفصلین لأن الیسیر من الجهر والإخفاء لا یمکن الاحتراز عنه وعن الکثیر یمکن إلی قوله.....وهذا فی حق الإمام دون المنفرد لأن الجهر والمخافتة من خصائص الجماعة. (الهدایة:۱/۱۵۸۔ وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار:۱/۱۲۔ وکذا فی شرح العنایة علی الهدایة:۱/۵۰۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تین آیات یا ایک آیتِ طویلہ کی مقدار:

سوال: تین آیات یا ایک آیتِ طویلہ کی مقدار کیا ہے؟

الجواب: ایک آیت کی مقدار جس سے نماز کی فرضیت ادا ہو جاتی ہے، تین چھوٹی آیات کے بقدر ہو، اور تین چھوٹی آیات کی مقدار ۱۰ کلمات اور ۳۰ حروف ہیں۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو قرأ آیة طویلة فی الرکعتین فالأصح الصحة اتفاقاً لأنه یزید علی ثلاث آیات قصار قاله الحلبی.....وفی الشامی:(قوله لأنه یزید علی ثلاث آیات) تعلیل للمذهبین لأن

Maktaba Tul Ishaat.com

نصف الآية الطويلة إذاكان يزيد على ثلاث آيات قصاريصح على قولهما فعلى قول أبى حنيفةؒ المكتفى بالآية أولىٰ.قال فى البحر:وعلم من تعليلهم أن كون المقروء فى كل ركعة النصف ليس بشرط بل يكون البعض يبلغ مايعد بقراء ته قارئاً عرفاً.....وفى التاتارخانية والمعراج وغيرهما:لوقرأ آية طويلة كآية الكرسى أوالمداينة البعض فى ركعة والبعض فى ركعة اختلفوا فيه على قول أبى حنيفةؒ .....وعامتهم على أنه يجوزلأن بعض هذه الآيات يزيد على ثلاث قصارأويعدلها فلاتكون قراء ته أقل من ثلاث آيات..... وقدرها من حيث الكلمات عشر، ومن حيث الحروف ثلاثون..... (الدرالمختارمع الشامى: ۱/۵۳۷، فصل فى القراء ة. و فى فتح القدير: ۱/۳۳۲،دارالفكر.ومجمع الأنهر: ۱/۱۰۴.وشرح منية المصلى: ۱/۲۷۸،سهيل.وبدائع الصنائع: ۱/۱۱۲،سعيد). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"قرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم:
النجم بمکۃ فسجد فیہا وسجد معہ"

(بخاری ومسلم)

باب.....﴿۱۳﴾

سجدۂ تلاوت کا بیان

Maktaba Tul Ishaat.com

باب.....﴿۱۳﴾

سجدۂ تلاوت کا بیان

آیتِ سجدہ کے ساتھ چند آیات پڑھنے کے بعد سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نماز میں سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھ لی لیکن سجدہ نہیں کیا تین آیات پڑھنے کے بعد اس کو خیال آیا اب وہ کیا کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب یاد آیا اس وقت فوراً سجدۂ تلاوت کرلے نماز درست ہوجائے گی۔ مراقی الفلاح میں ہے:

ویجزئ عنها أیضاً سجودها أی سجود الصلاة إذا لم ینقطع فور التلاوة وانقطاعه أن یقرأ أکثر من آیتین بعد آیة سجدة التلاوة وبالإجماع وقال شمس الأئمة الحلوانیؒ: لاینقطع الفور ما لم یقرأ أکثر من ثلاث آیات وقال الکمال: إن قول شمس الأئمةؒ هو الروایة.....إذا انقطع فور التلاوة صارت دیناً فلا بد من فعلها بنیة فیأتی لها بسجود أو رکوع خاص. (مراقی الفلاح: ۱۸۵، باب سجود التلاوة ،مکة المکرمة)

اگر دوسرے کسی رکن میں یاد آیا تب بھی فوراً ادا کرلے اور اس رکن کا اعادہ مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو تذکر المصلی فی رکوعه أوسجوده أنه ترک سجدة صلبیة أوتلاویة فانحط من رکوعه بلا رفع أورفع من سجوده فسجدها عقب التذکر أعادهما أی الرکوع والسجود

ندباً لسقوطه بالنسيان وسجد للسهو. وفي الشامي: قيد بالركوع أوالسجود لأنه لوتذكر السجدة في القعدة الأخيرة فسجدها أعاد القعدة نهر، قوله لسقوطه أي سقوط وجوب الإعادة المبني على وجوب الترتيب، فإن الترتيب فيما شرع مكررمن أفعال الصلاة واجب، يأثم بتركه عمداً ويسقط بالنسيان وينجبربسجود السهو. (الدرالمختارمع الشامي: ۶۱۲/۱، باب الاستخلاف، سعيد)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سورۂ صٓ کے سجدہ کی تحقیق:

سوال: سورۂ صٓ کا سجدہ لفظ ﴿أناب﴾ پر ہے یا ﴿حسن مآب﴾ پر اگر کسی نے ﴿حسن مآب﴾ کی جگہ ﴿أناب﴾ پر سجدہ کرلیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سورۂ صٓ کا سجدہ ﴿حسن مآب﴾ پر ہے اگر کسی نے ﴿أناب﴾ پر کرلیا تو بھی ایک قول کے مطابق ادا ہوجائے گا، اور سورۂ صٓ کے علاوہ دیگر جگہوں پر لفظ سجدہ سے قبل سجدہ کیا تو دوسرا سجدہ لازم ہوگا اور سجدۂ سہو بھی لازم ہوگا۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

نقول نحن نسجد ذلك شكراً لما أنعم الله على داؤد علیہ السلام بالغفران والوعد بالزلفى وحسن المآب ولهذا لايسجد عندنا عقيب قوله وأناب بل عقيب قوله مآب. (بدائع الصنائع: ۲۸۷/۱، سعيد كمپنى)

مراقی الفلاح میں ہے:

وصٓ ﴿وظن داؤد إنما فتناه فاستغفرربه وخرراكعاً وأناب فغفرنا له ذلك وإن له عندنالزلفىٰ وحسن مآب﴾ وهذا هوالأولىٰ مما قال الزيلعى تجب عند قوله تعالىٰ: ﴿وخرراكعاً وأناب﴾ وعند بعضهم عند قوله تعالىٰ: ﴿وحسن مآب﴾. (مراقى الفلاح: ۱۸۴، باب سجود التلاوة، مكة المكرمة)

شامی میں ہے:

(قوله من كل واحد حرفاً) لما تقدم أن الموجب للسجدة تلاوة أكثرالآية مع حرف السجدة و الظاهر أن المراد بالحرف الكلمة و يكون الحرف الحقيقى مفهوماً بالأولى.

Maktaba Tul Ishaat.com

(شامی: ۲/۱۱۸، باب سجود التلاوۃ،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولایجب السجود إلابترک واجب أوتأخیرہ أوتأخیرر کن أوتقدیمہ أوتکرارہ أوتغیر واجب بأن یجھرفیما یخافت وفی الحقیقۃ وجوبہ بشیء واحد وھوترک الواجب کذا فی الکافی. (الفتاوی الھندیۃ:۱/۱۲۶)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

بہتر یہ ہے کہ سورۂ صٓ میں سجدۂ تلاوت حسن مآب پر کیا جائے اناب پر سجدہ کرنا خلافِ احتیاط ہے۔شامی میں ہے:**وفی صٓ عند حسن مآب فھوأولیٰ من قول الزیلعی عند وأناب.** (شامی:۱/ ۷۱۶) صورتِ مسئولہ میں اناب پر سجدہ کیا گیا ہے خلافِ احتیاط ہوالیکن اعادہ کی ضرروت نہیں۔(فتاوی رحیمیہ:۴/ ۴۱۹۔وفتاوی محمودیہ:۷/۴۷۱باب سجود التلاوۃ، جامعہ فاروقیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سواری پر تکرارِ آیتِ سجدہ سے تکرارِ سجدہ کا حکم:

سوال: سواری پر سوار آدمی اگر سجدہ کی آیت پڑھتا رہے تو متعدد سجدے ہیں یا صرف ایک؟

الجواب: سواری پر آیتِ سجدہ کی تکرار سے اگر نماز میں ہے تو صرف ایک سجدہ واجب ہے اور نماز میں نہیں ہے تو متعدد سجدے واجب ہیں اسی طرح سمندری جہاز میں بھی تکرارِ آیتِ سجدہ سے متعدد سجدے لازم ہوں گے اگر چہ فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک واجب ہے لیکن اُس زمانہ میں سمندری جہاز ہوا سے چلتے تھے اور موجودہ دور میں مشین وغیرہ کے ذریعہ ملاح چلاتے ہیں لہذا جگہ کی تبدیلی کی وجہ سے متعدد واجب ہوں گے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وانتقالہ من غصن إلی آخروسبحہ فی نھرأوحوض تبدیل فتجب أخری بخلا ف زوایا مسجد وبیت وسفینۃ سائرۃ وفعل قلیل کأکل لقمتین وقیام ورد سلام وکذا دابۃ یصلی علیھا لأن الصلاۃ تجمع الأماکن ولولم یصل تتکرر.وفی الشامی:(قولہ لولم یصل تتکرر) لأن سیرھا مضاف إلیہ حتی یجب علیہ ضمان ما أتلفت بخلا ف سیر السفینۃ. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۲/۱۱۵، باب سجود التلاوۃ،سعید)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ولایتبدل مجلس التلاوة والسماع بسیر سفینة کما لو کانت واقفة لأن سیر السفینة لایضاف إلیه. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:٤٩٦، باب سجود التلاوة۔وکذا فی الطحطاوی علی الدرالمختار:١/٣٢٨)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

إذا کررها مصلیاً أما إذا کررها خارج الصلاة تکرر الوجوب لأن سیر الدابة یضاف إلی راکبها. (حاشیةالطحطاوی علی مراقی الفلاح: ٤٩٦، باب سجود التلاوة،قدیمی)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ریڈیو سے آیتِ سجدہ سن کر وجوبِ سجدہ کا حکم:

سوال: ریڈیو سے آیتِ سجدہ سنی تو سجدہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر تلاوت کو کسی آلہ مثلاً کسیٹ، سیڈی یا ٹیپ ریکارڈ وغیرہ میں محفوظ کرلیا تھا وہ تلاوت ریڈیو پر نشر کی جارہی ہے تو سامع پر سجدہ واجب نہیں ہے، اور اگر قاری تلاوت کررہا ہے اور اس نے آیتِ سجدہ پڑھی تو سامع پر سجدۂ تلاوت واجب ہے، خلاصہ یہ ہے اصل تلاوت سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے نقل یا عکس سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ولاتجب بسماعها من الصدی وهوما یجیبک مثل صوتک فی الجبال والصحاری ونحوها،الأولی قول بعضهم الصوت الذی یسمعه المصوت عقب صیاحه راجعاً إلیه من جبل أوبناء مرتفع فإنه لاإجابة فی الصدی إنما هومحاکاة. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ٤٨٦، باب سجود التلاوة،قدیمی)

نظام الفتاوی میں ہے:

ٹیپ ریکارڈ، گراموفون وغیرہ جن میں متکلم کی آواز بعینہٖ نہیں آتی بلکہ متکلم کی آواز کی نقل آتی ہے صدائے باز گشت وغیرہ میں آتی ہے، تو اس کی تلاوت کی بنا پر سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا۔

ریڈیو میں اکثر بیان کرنے والے کی تقریر و آواز ٹیپ کرلی جاتی ہے اور پھر اسی کو نشر کرایا جاتا ہے پس اگر ایسا ہونے کا ظنِ غالب ہو تو اس کی آواز پر سجدۂ تلاوت کرنا لازم نہ رہے گا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ہاں جب بولنے والا بغیر ان وسائل کے خود بول رہا ہے اور آیت سجدہ کی تلاوت کرے تو اس کی آیتِ سجدہ کی تلاوت کرنے پر سجدۂ تلاوت واجب ہوجائے گا، اور ریڈیو میں متکلم کی بعینہ آواز اور ٹیپ کی آواز میں موقعہ استعمال کا فرق مدلل طور پر ہوجاتا ہے اس کے اعتبار سے عمل کرے۔ (منتخب نظام الفتاوی: ۱/۷۲، اسلامک فقہ اکیڈمی)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ: ۷/۴۷۲، باب سجود التلاوۃ، جامعہ فاروقیہ۔ واحسن الفتاوی: ۴/ ۶۵۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ٹیپ ریکارڈ سے سماعِ تلاوت پر سجدۂ تلاوت وثواب کا حکم:

سوال: ٹیپ ریکارڈ یا سی ڈی پلیئر پر قرآنِ کریم سننے کے دوران آیتِ سجدہ گزرے تو سامع پر سجدہ کا کیا حکم ہے؟ اگر سجدہ واجب نہیں تو پھر اس قراءت کے سننے سے اجر وثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: سامع پر سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لیے تلاوتِ صحیحہ کا سماع ضروری ہے، اور تلاوتِ صحیحہ عقل وتمیز سے وجود میں آتی ہے، جب کہ ٹیپ ریکارڈ اور سی ڈی پلیئر ناقلِ محض کا درجہ رکھتے ہیں، بنابریں سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا، فقہاء کے کلام میں اس کی ایک نظیر دستیاب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ پرندوں اور آوازِ بازگشت سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ لیکن جہاں تک اجر وثواب کا تعلق ہے وہ کلامِ الٰہی کے کان میں پڑنے سے متحقق ہوجائے گا، اور یہ خاموش رہنے اور آداب کی رعایت کے ساتھ سننے سے حاصل ہوجاتا ہے۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ولا تجب بسماعها من الطيور والصدى ...لأن السبب سماع تلاوة صحيحة و صحت التلاوة بالتمييز و لم يوجد. وفي الخلاصة : إذا سمعها من طير لا تجب هو المختار. (امداد الفتاح، ص: ۵۳۱، ط: بیروت۔ وکذا فی التجنیس والمزید: ۲/۱۳۷، باب فی سجود التلاوۃ).

ٹیپ ریکارڈ سے سماعِ تلاوت پر اجر وثواب کی دلیل ملاحظہ ہو:

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿ **وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون** ﴾ (سورۃ الأعراف: ۲۰۴).

اس آیتِ کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کو سننا چاہئے، پڑھنے والا چاہے کوئی بھی ہو۔ "**وإذا قرأتم**" نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ ٹیپ ریکارڈ سے سننے میں بھی ثواب ملتا ہے۔

علامہ شیخ محمد بخیت المطیعی الحنفی مفتی الدیار المصریۃ اپنے رسالہ "**أحكام قراءة الفونوغراف**" (ص: ۹)

میں تحریر فرماتے ہیں: ” ومتی علمت أن ما یسمع من الصندوق من ألفاظ القرآن قرآن حقیقة وھو کلام اللّٰہ بلا شک وأن صدورہ منہ وسماعہ کصدورہ من الإنسان وسماعہ فإذا صدرت الکلمات القرآنیة من ذلک الصندوق مستوفیة للشروط بدون أن یکون بھا خلل وقصد من رسم مخارج تلک الکلمات فی الاسطوانات سماعھا للعظة والتدبیر فلا شک فی الجواز وفی أن السماع عبادة .

سجدۂ تلاوت کے بارے میں فرماتے ہیں:

ولا یجب ولایسن علی سماع آیة السجدة من الصندوق سجود التلاوة لعدم القصد والشعور لا لأن المسموع لیس آیة من القرآن ألاتری أنہ لوسمع الآیة من شجرة لایجب سجود التلاوة وإن کان المسموع قرآناً وکذلک لوسمعھا من المأموم عند الحنفیة لایجب السجود لأن المأموم محجور علیہ فی القراء ة فعدم الوجوب للحجر علی القاري لا لکون المسموع لیس قرآناً وبالجملة : فوجوب سجود التلاوة عند سماع آیة السجود أو شبھہ ذلک یتوقف علی شروط بعد کون المسموع قرآناً، ھذا مارأیناہ في ذلک واللّٰہ الموفق. (احکام قراءۃ الفونوغراف،ص:۱۰).

فتاویٰ بینات میں ہے:

چونکہ کیسٹ سے وہ کلام اللہ کی آواز سن رہا ہے اور اس کے دل میں کلام اللہ کی عظمت میں اضافہ ہو رہا ہے اور دیگر گناہ کی چیزوں سے اپنے کانوں کو محفوظ رکھے ہوئے ہے، اس لیے اس کو ریکارڈ شدہ تلاوت سننے پر اجر و ثواب ضرور ملے گا۔ (فتاویٰ بینات، جلد چہارم، ص۴۲۲)۔

نیز ٹیپ ریکارڈ سے گانا سننے میں گناہ ہے تو تلاوت سننے میں ثواب بھی ہونا چاہئے، حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت سننے میں ثواب نہیں یہ ان کی رائے ہے ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳/ ۲۲۸۔۲۳۱)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت ہو تو یہاں دو مسئلے ہیں: ایک یہ کہ کیا اس کے بھی وہی آداب ہوں گے جو براہِ راست قاری سے سننے کے ہیں؟ دوسرے اگر اسی طرح آیت سجدہ کی تلاوت ہو تو کیا اس کی وجہ سے سجدہ واجب

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوجائے گا؟

قرآن سننے کے آداب کا تعلق ان تمام صورتوں سے ہے جن میں کسی مسلمان کے کان میں کلامِ الٰہی کے الفاظ پہنچ جائیں، خواہ وہ خود تلاوت کرنے والے کی زبان سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے۔ اس لیے سماعت کے آداب یعنی خاموشی اختیار کرنا اور قرآن مجید کی طرف متوجہ رہنا ٹیپ ریکارڈ سے قرآن سنتے وقت بھی ضروری ہے اور سننے والے کو چوں کہ اسی بنیاد پر اجر ملتا ہے۔ اس لیے انشاء اللہ اجر بھی ملے گا۔

جہاں تک سجدۂ تلاوت کی بات ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ خود تلاوت کرنے والے (تالی) سے سنے اور اس کی زبان اس کے لیے متحرک ہو، ٹیپ ریکارڈ کی تلاوت خود تالی کی تلاوت نہیں ہے بلکہ اس کی زبان سے ہونے والے تموج کو محفوظ رکھنے کے بعد بعض دوسرے ذرائع سے اس کے اندر آواز پیدا کردی جاتی ہے اس لیے اس سے سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا، اور اس کی نظیر فقہاء کی یہ تصریح ہے کہ سکھائے ہوئے پرندوں اور گونج سے پیدا ہونے والی صدائے بازگشت سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۱۷۰)۔

البتہ ریڈیو اور ٹی وی پر براہِ راست قاری کی تلاوت نشر کی جارہی ہو تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی بینات: ۴/۴۲۱-۴۲۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نابالغ بچے کی تلاوتِ آیتِ سجدہ پر وجوبِ سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: اگر کسی چھوٹے نابالغ بچے نے سجدہ کی آیت تلاوت کی تو سامع پر سجدہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر سمجھدار بچہ ہے تو سامع پر سجدۂ تلاوت واجب ہے ورنہ صبی غیر ممیّز کی تلاوت سے سامع پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔ ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وذكر شيخ الإسلام إذ لايجب السجود بالسماع من مجنون أونائم أوطير، لأن السبب سماع تلاوة صحيحة وصحت التلاوة بالتمييز ولم يوجد. (امداد الفتاح: ۵۳۱، باب سجود التلاوة، بيروت)

فتح القدیر میں ہے:

وهذا التعليل يفيد التفصيل فى الصبى فليكن هو المعتبر إن كان له تمييز وجب بالسماع منه وإلا فلا. (فتح القدير: ۲/۱۵، باب سجود التلاوة، دارالفكر۔ واحسن الفتاوى: ۴/۶۰)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

آیتِ سجدہ کے اکثر حصہ کو پڑھنے سے سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: اگر کسی نے وہ الفاظ پڑھے جن میں سجدہ کا ذکر ہے لیکن پوری آیت نہیں پڑھی مثلاً ﴿خرراکعاً وأناب﴾ پڑھا تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں آیتِ سجدہ کا اکثر حصہ پڑھا تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا ورنہ نہیں لہذا ﴿خرراکعاً وأناب﴾ پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولوقرأ آیة السجدة إلاالحرف الذی فی آخرها لایسجد ولوقرأ الحرف الذی یسجد فیه وحده لایسجد إلاأن یقرأ أکثر آیة السجدة بحرف السجدة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۳۲، الباب الثالث عشرفی سجود التلاوة۔وکذا فی امداد الفتاح:۵۲۸، باب سجود التلاوة ،بیروت۔ وکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۴۸۱، قدیمی)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز میں سجدہ کرنے کے بعد دوبارہ اُسی آیت کو پڑھنے سے سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: ایک حافظ صاحب نے تراویح میں آیتِ سجدہ پڑھی پھر سجدہ کرلیا اس کے بعد دوبارہ وہی آیت پڑھی تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوبارہ سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے پہلا کافی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولوتلاها فی رکعة فسجدها ثم أعادها فی تلک الرکعة لاتجب ثانیاًکذا فی محیط السرخسی،المصلی إذا قرأ آیة السجدة فی الأولی ثم أعادها فی الرکعة الثانیة وسجد للأولی لیس علیه أن یسجدها وهوالأصح کذا فی الخلاصة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۳۵، سجود التلاوة۔وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۱/۱۸۷، مسائل السجدات،الرشیدیه)

بہشتی زیور میں ہے:

اگر نماز میں سجدہ کی ایک ہی آیت کو کئی دفعہ پڑھے تب بھی ایک ہی سجدہ واجب ہے چاہے سب دفعہ پڑھ کے اخیر میں سجدہ کرے یا ایک دفعہ پڑھ کے سجدہ کرلیا پھر اسی رکعت یا دوسری رکعت میں وہی آیت پڑھے۔ (بہشتی زیور: ۴۴، دوسرا حصہ سجدۂ تلاوت کا بیان، دارالاشاعت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مختلف لوگوں سے مختلف آیاتِ سجدہ سننے سے تکرارِ وجوب کا حکم:

سوال: ایک شخص ایک ہی جگہ میں بیٹھا ہے اور مختلف لوگوں سے مختلف آیاتِ سجدہ سن رہا ہے تو کتنے سجدے واجب ہوں گے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ مختلف آیاتِ سجدہ مختلف لوگوں سے سن رہا ہے اسوجہ سے ہر آیت پر الگ سجدہ واجب ہوگا تو جتنی آیتیں سنے گا ان کے مطابق سجدے واجب ہوں گے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

الأصل أنه لايتكرر الوجوب إلا بأحد أمور ثلاثة: اختلاف التلاوة أو السماع أو المجلس أما الأولان: فالمراد بهما اختلاف المتلو والمسموع حتى لو تلا سجدات القرآن كلها أو سمعها في مجلس أو مجالس وجبت كلها.....قوله بشرط اتحاد الآية والمجلس أي بأن يكون المكرر آية واحدة في مجلس واحد، فلو تلا آيتين في مجلس واحد أو آية واحدة في مجلسين فلا تداخل ولم يشترط اتحاد السماع لأنه إنما يكون باتحاد المسموع فينبغي عند اشتراط اتحاد الآية. (شامي: ۲/۱۱٤، باب سجود التلاوة، سعيد)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله بشرط اتحاد الآية) أما لو قرأ القرآن كله في مجلس واحد لزمه أربع عشرة سجدة لأن المجلس لايجعل الكلمات المختلفة الجنس بمنزلة كلام واحد. (حاشية الطحطاوي على الدر: ۱/ ۳۲۷، باب سجود التلاوة۔ وكذا في الجوهرة النيرة: ۹۷)

تبدیلِ مجلس سے تکرارِ وجوب کا حکم:

سوال: اگر کسی نے آیتِ سجدہ مسجد کے اندر سنی پھر وہی آیت صحنِ مسجد میں سنی اور صحن خارجِ مسجد ہے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں صحنِ مسجد مسجد سے خارج ہے لہذا تبدیلِ مجلس کی وجہ سے دو سجدے واجب ہوں گے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو تبدل مجلس السامع دون التالي يتكرر الوجوب عليه. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳٤، الباب

الثالث عشرفی سجود التلاوۃ)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

أجمعوا على أنه إذا اختلف مجلس السامع في غير الصلاة واتحد مجلس التالي يتكرر الوجوب على السامع بتكرر التلاوة. (فتاوى قاضيخان: ۱/۷۷۔وكذا في فتاوى السراجية على هامش قاضيخان: ۱/۷۸۔وكذا في الهداية: ۱/۱۵۷۔والبحر الرائق: ۲/۱۲۶)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اتحادِ مکان میں جگہ کی تبدیلی سے تکرارِ وجوب کا حکم:

سوال: اگر مسجد کا صحن خارج نہ ہو بلکہ دونوں مسجد ہی ہو تو اب کتنے سجدے لازم ہوں گے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اتحادِ مکان کی وجہ سے ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔

امدادالفتاح میں ہے:

ولايتبدل مجلس السماع والتلاوة بزوايا البيت الصغير كذا في البرهان.....وفي التتارخانية ولو قرأها في زوايا المسجد الجامع يكفيه سجدة واحدة.....وقد جزم قاضيخان حيث قال: ولايتكرر الوجوب لو انتقل من زاوية البيت أو المسجد إلى زاوية إلا إذا كانت الدار كبيرة كدار السلطان وإن انتقل في المسجد الجامع من زاوية إلى زاوية لايتكرر الوجوب، وإن انتقل فيه من دار إلى دار ففي كل موضع يصح الاقتداء يصير كمكان واحد ولايتكرر الوجوب، انتهى. (امداد الفتاح: ۵۴۰، بيروت۔وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۴)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

امام نے رکوع میں نیت کی تو مقتدیوں کے سجدہ کا حکم:

سوال: اگر رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لی اور مقتدیوں نے نہیں کی تو مقتدیوں کا سجدہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ امام کی نیت مقتدی کی طرف سے کافی ہونا چاہئے جیسے مسافر امام سفر والی نماز یا مقیم اقامت والی نماز کی نیت کر لے تو مقتدیوں کے لئے کافی ہے، لہذا صورتِ مسئولہ میں جب امام نے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لی تو مقتدیوں کی طرف سے کافی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوگی اور تمام کا سجدہ ادا ہو جائے گا، لیکن افضل طریقہ یہ ہے کہ جہری نماز میں مستقل سجدہ کر کے ادا کرنا چاہئے تا کہ جاہل عوام پر کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو۔ ملاحظہ ہو منحۃ الخالق میں ہے:

(قوله وفی القنية ولو نواها فی الركوع الخ)قال فی النهر وينبغی حمله على الجهرية ، قلت: لعل وجهه والله أعلم ما يأتی عن القنية أيضاً أن الركوع أولى فی صلاة المخافتة و علله فی التتارخانية بقوله لئلا يلتبس الأمر على القوم فإنه يفيد أنه لايلزم القوم نيتها فی الركوع لأنه لاعلم لهم بتلاوته وإلا لم يحصل عليهم التباس بخلاف الجهرية. (منحة الخالق على هامش البحرالرائق:۲ /۱۲۳، باب سجود التلاوة)

مراقی الفلاح میں ہے میں ہے:

ويجزیء عنهاأی عن سجدة التلاوة ركوع الصلاة إن نوهاأی نوى أداء ها فيه نص عليه محمدؒ لأن معنى التعظيم فيهماواحد وينبغی ذلک للإمام مع كثرة القوم أوحال المخافتة حتى لايؤدی إلى التخليط وفی الطحطاوی:قوله وينبغی ذلک للإمام ان يجعلهافی ركوع الصلاة إن كانت سرية. (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی:ص٤٨٦،باب سجود التلاوة، قديمی۔ والشامی:۲/۱۱۲، باب سجود التلاوة۔والفتاوى الهندية:۱/۱۳٤)

احسن الفتاوی میں ہے:

راجح یہ ہے کہ رکوع میں امام کی نیت مقتدی کی طرف سے بھی کافی ہے۔(احسن الفتاوی:٤/٥٩۔وكفايت المفتی:۳/٤١٥،دارالاشاعت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سجدۂ تلاوت رہ جانے پر وجوبِ فدیہ کا حکم:

سوال: اگر کسی سے سجدۂ تلاوت رہ جائے تو اس کا فدیہ دے گا یا نہیں؟

الجواب: احتیاطاً سجدۂ تلاوت کا فدیہ دیدیا جائے تو درست ہے لیکن واجب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولارواية فی سجدة التلاوة أنه يجب أولايجب كما فی الحجة والصحيح أنه لايجب كما فی الصوفية إسمعيل. (شامی:۲/۷۳، باب قضاء الفوائت، سعيد۔وكذا فی البحرالرائق:۲/۹۱، كوئتة)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے جواہر الفقہ میں تحریر فرمایا ہے:

سجدۂ تلاوت رہ گئے ہوں تو احتیاط اس میں ہے کہ ہر سجدے کے بدلے میں پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت کا صدقہ کیا جائے۔ (جواہر الفقہ :۱/۳۹۳، مسائل فدیہ نماز وروزہ وغیرہ، مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

سجدۂ تلاوت خارجِ نماز رکوع سے ادا کرنے کا حکم:

سوال: سجدۂ تلاوت خارج الصلاۃ رکوع میں کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر چہ بعض حضرات نے رکوع میں ادا کرنے کو درست قرار دیا ہے لیکن محققین کے نزدیک رکوع میں ادا کرنا درست نہیں، اس لئے کہ رکوع مستقل کوئی عبادت نہیں۔ البتہ فتاوی ہندیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مریض کے لئے جائز ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وتؤدی برکوع وسجود غیر رکوع الصلاة وسجودها فی الصلاة وکذا فی خارجها ینوب عنها الرکوع فی ظاهر المروی بزازیة لها أی للتلاوة. وفی الشامی: قوله وکذا فی خارجها الخ: هذا ضعیف لما قدمناه عن البدائع من أنه لایجزئ لاقیاساً ولااستحساناً وما عزاه إلی البزازیة تبع فیه صاحب النهر وهو خلل فی النقل لأن الذی رأیته فی نسختین من البزازیة هکذا..... (الدرالمختار مع الشامی: ۲/۱۱۱، باب سجود التلاوة۔ وکذا فی البدائع الصنائع: ۱/۱۸۹، سعید۔ و الفتاوی الهندیة: ۱/۱۳۵)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
"صل علی الأرض إن استطعت وإلا فأوم إیماءً
واجعل سجودک أخفض من رکوعک"

(السنن الکبریٰ)

باب.....﴿۱۴﴾

مریض اور معذور کی نماز کا بیان

باب.....۱۴

مریض اور معذور کی نماز کا بیان

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: کرسی پر بیٹھ کر فرض نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جب تک قیام پر قدرت ہو بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا جائز نہیں اور سجدہ پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، جو حضرات قیام وسجدہ پر قدرت نہیں رکھتے ہیں ان کو اول حکم بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ہے، کرسی پر نماز پڑھنا درست نہیں۔ اگر قیام پر قدرت ہو اور سجدہ پر قدرت نہ ہو تو قیام ساقط ہو جاتا ہے، اسکا مطلب یہ نہیں کہ کرسی پر نماز پڑھنا جائز ہو جاتا ہے بلکہ قیام اس وجہ سے ساقط ہوتا ہے کہ اصل مقصود نماز میں سجدہ ہے اور قیام ورکوع اس کے لئے وسیلہ ہے اور اسی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے سجدہ کے سقوط کے وقت کیونکہ قعود مشابہ بالسجود ہے اور اقرب الی الارض ہے حتی الامکان حصول مقصد کی طرف اشارہ ہے اس وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے اور کرسی پر نماز پڑھنے سے یہ افضلیت حاصل نہیں ہوتی۔ ہاں اگر مریض کے لئے زمین پر بیٹھنا انتہائی تکلیف دہ ہو اور سجدے سے بھی عاجز ہو تو پھر بحالتِ مجبوری اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن آج کل اس مسئلہ میں بظاہر بہت بے احتیاطی ہو رہی ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ نیز اس میں مندرجہ ذیل خرابیاں ہیں:

(۱) نماز غایت تذلل اور عاجزی کا نام ہے جیسا کہ الاشباہ میں مذکور ہے: "**وهي التذلل والخضوع على أبلغ الوجوه**". (الاشباه والنظائر: ۱/۱۵٤) اور کرسی پر اپنی شان کا اظہار ہے اگرچہ ارادہ نہ ہو۔

(۲) اللہ جل جلالہ کے سامنے اس طرح کھڑا ہونا چاہئے جس طرح بادشاہ کے سامنے۔ یعنی اپنی عاجزی کا اعتراف

Maktaba Tul Ishaat.com

اور فقیر حقیر کی طرح۔ جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے:"فقم بين يديه قيامك بين يدى بعض ملوك الزمان "۔(احياء علوم الدين: ۱/۱۷۲) اور کرسی میں یہ بات نہیں۔ شریعتِ اسلامیہ نے انسان کے ضعف کو تسلیم کیا ہے، اور اس کے مختلف حالات بیان کئے ہیں کہ معذور ہو بیٹھ کر پڑھے اور صحیح قول یہ ہے کہ جس طرح بھی بیٹھ سکتا ہے بیٹھے اور زمین پر بیٹھے جیسا کہ حدیث میں بھی اس کا حکم ہے:"**صل على الأرض**". (السنن الكبرى للبيهقي: ۲/۴۳۵)

(۳) زمانۂ نبوی اور خیر القرون میں سے کسی بھی زمانہ میں کوئی جزئیہ ایسا نہیں ملتا کہ اس قسم کا ثبوت ہو، معذور و مریض اس وقت بھی تھے اور کرسی بھی اسوقت موجود تھی جیسا کہ مسلم اول و ابوداؤد اول کی روایت میں کرسی کا تذکرہ آتا ہے اس کے باوجود نماز پڑھنا ثابت نہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ پر مزید غور کرنے کی ضرورت ہے کہ مساجد میں کرسیوں کو رکھا جائے؟ اس لئے کہ یہ دستور ہو چکا ہے اور کرسی کو دیکھ کر ذرا سی بات پر جرأت ہوتی ہے اور کرسی پر نماز پڑھ لیتے ہیں اور محض سستی کی وجہ سے کرسیوں پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ نماز میں سستی کرنے کو منافقین کی علامت قرار دیا ہے اور مذمت فرمائی ہے۔ **قال الله تعالى:﴿وإذا قاموا إلى الصلاة قاموا كسالىٰ يراءون الناس ولا يذكرون الله إلا قليلا﴾** (سورة النساء:الآية:۱۴۲) موجودہ دور میں جبکہ نفاذِ شریعت کا ہتھیار مسلمانوں کے پاس چند گنی چنی عبادات کے علاوہ کچھ نہیں اور ان میں بھی صوم و حج تو سال میں ایک مرتبہ اسی طرح زکاۃ بھی اور یہ دونوں بھی مخصوص افراد کے ساتھ کلی طور پر نہیں۔ کلی طور پر جو حاوی ہے وہ فقط نماز ہے اگر اس کو بھی اس طرح ضائع کر دیا تو مسلمانوں کے لئے بڑی دردناک و افسوس کی بات ہے۔ ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال:إن رسول الله ﷺ عاد مريضاً فرأه يصلى على وسادة فأخذها فرمى بها فأخذ عوداً ليصلى عليه فأخذه فرمى به وقال:صل على الأرض إن استطعت وإلا فأوم إيماء واجعل سجودك أخفض من ركوعك". (السنن الكبرى للبيهقي: ۲/۴۳۵)

طحطاوی میں ہے:

إذا تعذر على المريض كل القيام أو تعسر كل القيام بوجود ألم شديد كدوران رأس ووجع ضرس أو شقيقة أو رمد كما في القهستاني وسواء حدث ذلك في الصلاة أو قبلها كما في "النقاية" وقيده بالشديد لأنه إن لحقه نوع من المشقة لم يجز ترك القيام كما

فی"مسکین" أوخاف بأن غلب فی ظنه بتجربة سابقة أوإخبارطبیب مسلم حاذق... صلی قاعداً برکوع وسجود ویقعد کیف شاء أی کیف تیسرله بغیرضررمن تربع أوغیره فی الأصح من غیرکراهة کذا روی عن الإمام للعذر، وإن تعذرالرکوع والسجود وقدر علی القعود ولومستنداً صلی قاعداً بالإیماء وجعل إیماء ه برأسه للسجود أخفض من إیمائه للرکوع وکذا لوعجزعن السجود وقدرعلی الرکوع یومی بهما لأن النبیﷺ عاد مریضاً فرأه یصلی علی وسادة فأخذها فرمی بها...الخ (صلی قاعداً بإیماء) أوقائماً به والأول أفضل لأنه أشبه بالسجود ولکونه أقرب إلی الأرض وهوالمقصودکذا فی" التبیین ". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۱/۲۳٤، قدیمی)

شامی میں ہے:

(وإن تعذرا) لیس تعذرهما شرطاً بل تعذرالسجودکافٍ) نقله فی"البحر" عن"البدائع" وغیرها وفی" الذخیرة ":رجل بحلقه خراج إن سجد سال وهوقادرعلی الرکوع والقیام والقراءة یصلی قاعداً یومی ولوصلی قائماً برکوع وقعد وأومأ بالسجود أجزأه،والأول أفضل لأن القیام والرکوع لم یشرعا قربة بنفسهما بل لیکونا وسیلتین إلی السجود. (شامی:۲/۹۷، سعید)

عالمگیری میں ہے:

إذا عجزالمریض عن القیام صلی قاعداً یرکع ویسجدکذا فی الهدایة وإن عجزعن القیام والرکوع والسجود وقدرعلی القعود یصلی قاعداً بإیماء ویجعل السجود أخفض من الرکوع کذا فی فتاوی قاضیخان، ثم إذا صلی المریض قاعداً کیف یقعد الأصح أن یقعد کیف یتیسرعلیه هکذا فی"السراج الوهاج" وهو الصحیح ، هکذا فی" العینی" وإذا لم یقدرعلی القعود مستویاً وقدرمتکئاً أومستنداً إلی حائط أوإنسان یجب أن یصلی متکئاً أومستنداًکذا فی" الذخیرة" .(الفتاوی الهندیة:۱/۱۳٦)

کفایت المفتی میں مذکور ہے"کرسی پرنماز پڑھنے کا حکم":

سوال کا ماحصل حسب ذیل درج ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

پیٹ میں بے چینی سی معلوم ہوتی ہے اور زمین پر نماز پڑھنا بہت دشوار معلوم ہو رہا ہے تو کیا کرسی پر بیٹھ کر سامنے ٹیبل پر سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کرسی پر پاؤں نیچے لٹکا کر بیٹھنا اور ٹیبل پر سر جھکانا جائز نہیں الا اس صورت میں کہ زمین پر بیٹھنا اور زمین پر سجدہ کرنا طاقت سے باہر ہو جائے، زمین پر بیٹھ کر کسی اونچی چیز پر جو زمین سے ایک بالشت سے زیادہ اونچی نہ ہو سجدہ کر لیا جائے تو عذر کی حالت میں جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۴۲۲/۳، دارالاشاعت)

احسن الفتاوی میں مذکور ہے ''کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا'':

الجواب: بعض لوگ کرسی پر بیٹھ کر سجدہ کے بجائے اشارہ سے نماز پڑھتے ہیں اگر زمین پر بیٹھ کر سجدہ کی قدرت ہو تو کرسی پر اشارہ سے نماز نہیں ہوگی، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۵۱/۴)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

ضروری تنبیہ: آج کل عموماً یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ جہاں ذرا بخار آیا یا خفیف سی تکلیف ہوئی بیٹھ کر نماز شروع کر دی حالانکہ وہی لوگ اِسی حالت میں دس دس پندرہ پندرہ منٹ بلکہ زیادہ کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر کی باتیں کر لیا کرتے ہیں (آج کل ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مساجد میں کرسیوں پر نماز پڑھنے والے حضرات جو اپنی دکانوں میں کئی کئی گھنٹے کھڑے رہتے ہیں) ان کو اس بات کی نہایت احتیاط کرنی چاہئے اور جو فرض و واجب نمازیں قیام وغیرہ پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھی ہوں انھیں لوٹانا فرض و واجب ہے۔ (عمدۃ الفقہ: ۴۰۲/۲، مجددیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سجدے پر قدرت نہ رکھنے والے کے لئے قیام کا حکم:

سوال: ایک آدمی قیام کر سکتا ہے مگر سجدہ میں جانے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن نیچے بیٹھ کر پاؤں پھیلا کر اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے اس کے لئے کونسی ہیئت پر نماز پڑھنا افضل ہے؟

الجواب: اگر یہ شخص سجدے پر قادر نہیں تو قیام اس سے ساقط ہے تاوقتیکہ صحتمند ہو جائے لہذا یہ شخص بیٹھ کر رکوع اور سجدہ اشارہ سے کر کے نماز ادا کرے اس لئے کہ قیام وسیلہ ہے سجدہ کے لئے اور جب سجدہ نہ رہا تو قیام ساقط ہو جائے گا۔ ملاحظہ ہو مبسوط میں ہے:

وأما إذا كان قادراً على القيام وعاجزاً عن الركوع والسجود فإنه يصلي قاعداً بإيماء

وسقط عنه القيام لأن هذا القيام ليس بركن لأن القيام إنما شرع لافتتاح الركوع والسجود به، فكل قيام لايعقبه سجود لايكون ركناً ولأن الإيماء إنما شرع للتشبه بمن يركع ويسجد والتشبه بالقعود أكثر. (المبسوط للامام السرخسیؒ: ۱/۲۱۳، باب صلاة المريض،ادارة القرآن).

تبیین الحقائق میں ہے:

(وإن تعذر الركوع والسجود لاالقيام أومأ قاعداً) وقال زفرؒ والشافعیؒ: يصلي قائماً بالإيماء لأن القيام ركن فلايسقط بالعجزعن أداء ركن آخر،ولنا أن المقصود الخضوع والخشوع لله تعالىٰ وإنما حصل ذلك بالركوع والسجود والقيام وسيلة إلى السجود فلايجب بدونه،وهذا لأن التواضع يوجد في الركوع ونهايته توجد في السجود ولهذا لو سجد لغيرالله تعالىٰ يكفروالقيام وسيلة إلى السجود فصارتبعاً له فسقط بسقوطه..... (تبيين الحقائق: ۱/۲۰۲، باب صلاة المريض۔وكذا في العناية شرح الهداية: ۲/۶، باب صلاة المريض على هامش فتح القدير۔والجوهرة النيرة: ۱/۹۶، باب صلاة المريض۔والفتاوى الهندية: ۱/۱۳۶،باب صلاة المريض)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

میز سامنے رکھ کر سجدہ کرنے کا حکم:

سوال: جوشخص معذور ہو کرسی پر نماز پڑھتا ہے اگر وہ سامنے میز رکھ کر اس پر سجدہ کرے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جوشخص ایسا مریض یا معذور ہو کہ بیٹھنا بھی مشکل ہے اور کرسی پر نماز پڑھتا ہے تو میز وغیرہ پر سجدہ کرے تو درست ہے لیکن سامنے تختہ رکھنا ضروری نہیں ہے سجدہ کے لئے اشارہ کافی ہے،اور میز پر سجدہ کرے وہ بھی اشارہ میں شمار ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولايرفع إلى وجهه شيئاً يسجد عليه فإنه يكره تحريماً.وفي الشامي:(قوله فإنه يكره تحريماً) قال في البحر:واستدل لكراهة في المحيط بنهيه عليه الصلاة والسلام عنه وهو يدل على كراهة التحريم وتبعه في النهر،أقول:هذا محمول على ما إذاكان يحمل إلى وجهه شيئاً يسجد عليه بخلاف ما إذاكان موضوعاً على الأرض يدل عليه ما في الذخيرة حيث نقل عن الأصل الكراهة في الأول ثم قال:فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض

Maktaba Tul Ishaat.com

وكان يسجد عليها جازت صلاته،فقد صح أن أم سلمةرضی اللہ تعالیٰ عنها كانت تسجد على مرفقة موضوعة بين يديها لعلة كانت بها ولم يمنعها رسول الله ﷺ من ذلک،فإن مفاد هذه المقابلة والاستدلال عدم الكراهة فی الموضوع على الأرض المرتفع ثم رأيت القهستانی صرح ذلک. (الدرالمختارمع الشامی:۹۸/۲، باب صلاة المريض۔وكذا فی الهداية:۱۳۶/۱، باب صلاة المريض)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کرسی پر نماز پڑھنے والے کے لئے میز سامنے رکھنا ضروری نہیں ہے:

سوال: معذور آدمی کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو اور سامنے میز رکھ کر سجدہ کرسکتا ہو تو میز پر سجدہ ضروری ہے یا نہیں؟ بعض مفتی حضرات فرماتے ہیں کہ میز رکھنا ضروری ہے۔مثلاً ملاحظ ہو: فتاوی بینات:۳۹۰/۲۔ واحسن الفتاوی:۵۴/۴۔

الجواب: معذور آدمی جب کرسی پر نماز پڑھتا ہو تو سامنے میز رکھنا ضروری نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ سجدہ کے تحقق کے لئے پیشانی ، دونوں ہاتھوں میں سے ایک ،دونوں گھٹنوں میں سے ایک اور پاؤں کی انگلیوں میں ایک انگلی کا زمین پر رکھنا ضروری ہے،اگر چہ تھوڑی دیر کے لئے ہو اس کے بغیر سجدہ متحقق نہ ہوگا اور کرسی میز پر سجدہ کرنے میں یہ چیزیں نہیں ہوسکتی لہذا معذور آدمی رکوع،سجدہ اشارہ سے کرے میز رکھنا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

والسجدة إنما تتحقق بوضع الجبهة والأنف مع وضع إحدى اليدين وإحدى الركبتين وشیء من أطراف أصابع إحدى القدمين على ظاهر من الأرض،فإن لم يوجد وضع هذه الأعضاء لاتتحقق السجدة.....وإلى ذلک أشارفی الفتاوى الصغرى حيث قال:وضع القدمين على الأرض حالة السجود فرض فإن وضع أحدهما دون الأخرى يجوز..... (امداد الفتاح:ص ۲۵۶، بیروت)

درمختار میں ہے:

ومنها السجود بجبهته وقدميه ووضع أصبع واحدة منهما شرط،وفی الشامی:وأفاد أنه لو لم يضع شيئاً من القدمين لم يصح السجود وهومقتضى ماقدمناه آنفاً عن البحر. (الدر

المختار مع الشامی: ۱/۴۴۷، بحث الرکوع والسجود، سعید۔ وکذا فی حاشیة الطحاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۲۱)

نیز احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے سجدہ کے لئے اشارہ فرمایا جبکہ پالان پر پیشانی رکھنا ممکن تھا اس کے باوجود آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اشارہ سے سجدہ فرمایا تو میز کا سامنے ہونا اور پالان کا ہونا دونوں برابر ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

کان عبد الله بن دیناریصلی فی السفرعلی راحلته أینما توجّهت به یؤمی،وذکر عبدالله أن النبی ﷺ کان یفعله.

عن عامربن ربیعة رضی اللہ عنہ قال:رأیت رسول الله ﷺ وهوعلی الراحلة یسبح یؤمی برأسه قبل أی وجه توجه،ولم یکن رسول الله ﷺ یصنع ذلک فی الصلاة المکتوبة. (بخاری شریف: ۱/۱۴۸)

مذکورہ بالا حدیث پر اگر کوئی اشکال کرے کہ یہ تو نفل کا واقعہ ہے نہ کہ فرض نماز کا، تو جواب یہ ہے کہ نفل نماز میں قدرت علی القیام کے باوجود قعود جائز ہے لیکن پھر بھی سجدہ پر قدرت ہو تو لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو درالمختار میں ہے:

ویتنفل مع قدرته علی القیام قاعداً لامضطجعاً إلابعذر.وفی الشامیة:قوله لامضطجعاً.....وکذا لوشرع منحنیاً قریباً من الرکوع لایصح، بحر،وماذکرمن عدم صحة التنفل مضطجعاً عندنا بدون عذر، نقله فی البحرعن الأکمل فی شرحه علی المشارق.وصرّح به فی النتف، وقال الکمال فی الفتح:لا أعلم الجوازفی مذهبنا وإنما یسوغ فی الفرض حالة العجزعن القعود. (الدرمع الشامی: ۲/۳۶، سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لیٹ کر نماز پڑھتے وقت چہرہ قبلہ کی طرف کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص معذور ہوا اور لیٹ کر نماز پڑھتا ہو تو پیر قبلہ کی طرف کرے گا یا کروٹ پر لیٹ کر پیر قبلہ سے ہٹائے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں معذور شخص لیٹ کر نماز پڑھتے وقت چہرہ قبلہ کی طرف کرلے اور پیروں کو ہلکے سے موڑ دے تاکہ قبلہ کی طرف نہ رہے، اور یہ طریقہ کروٹ لیٹ پر کر نماز پڑھنے سے افضل اور بہتر

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وإن تعذر القعود ولو حكماً أومأ مستلقياً على ظهره ورجلاه نحو القبلة غير أنه ينصب ركبتيه لكراهة مد الرجل إلى القبلة ويرفع رأسه يسيراً ليصير وجهه إليها أو على جنبه الأيمن أو الأيسر ووجهه إليها والأول أفضل على المعتمد.

وفي الشامي: (قوله ويرفع رأسه يسيراً) أي يجعل وسادة تحت رأسه لأن حقيقة الاستلقاء تمنع الأصحاء عن الإيماء. فكيف بالمرضى بحر، (قوله والأول أفضل) لأن المستلقي يقع إيمائه إلى القبلة والمضطجع يقع منحرفاً عنها بحر قوله على المعتمد..... بأن الاستلقاء هو مافي مشاهير الكتب والمشهور من الروايات. (الدرالمختار مع الشامی: ۹۹/۲، باب صلاة المريض، سعيد۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱۳۷/۱، باب صلاة المريض۔ وبهشتی زیور حصہ دوم ٤٦)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

معذور کا شرعی حکم:

سوال: ایک شخص کو خروجِ ریح کا عارضہ ہے وضوء کے بعد ۵ منٹ سے زیادہ اس کا وضوء نہیں رہتا اور وہ چاہتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم معلوم کرے اور قرآن کی تلاوت سنن ونوافل وغیرہ ادا کرے چند سالوں سے علاج معالجہ بھی کیا لیکن مفید ثابت نہیں ہوا لہذا اس بارے میں حکم شرعی سے مطلع فرمائیں؟

الجواب: اگر ایک مرتبہ کسی نماز کا کامل وقت اس حالت میں گذر جائے کہ خروجِ ریح مسلسل رہے یعنی اتنی دیر کے لئے بھی بند نہ ہو کہ وہ وضو کر کے وقتیہ نماز پوری کر سکے تب تو یہ شخص معذور ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ ہر وقت کے لئے اس کے ذمہ وضو ضروری ہے اس وضو سے فرض، سنن ونوافل، تلاوتِ قرآن، اداء، قضاء جو دل چاہے پڑھتا رہے خروجِ ریح ناقض وضو نہیں ہوگا، وقت کا نکلنا اس کے حق میں ناقضِ وضو ہے، ہر وقت کے لئے علیحدہ وضو ضروری ہے۔

اور یہ شخص معذور رہے گا جب تک کہ کسی ایک نماز کا کامل وقت عذر سے خالی نہ گذر جائے یعنی معذور رہنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عذر مسلسل رہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر نماز کے کامل وقت میں ایک دو مرتبہ عذر کا تحقق ہو جائے اور جب ایسی حالت آجائے گی کہ کامل وقت ایک مرتبہ بھی عذر سے خالی گذر جائے گا تو یہ شخص

معذور نہ رہے گا اور کسی کامل نماز کا وقت ایسا نہیں گذرے کہ اس کو عذر سے خالی رہ کر نماز کا ادا کرنا ممکن ہو، بلکہ اتنی گنجائش مل جاتی ہے کہ ہر وقت میں نماز بلا عذر ادا کرسکتا ہے تو یہ معذور نہیں ہے، خروجِ ریاح اس کے حق میں ناقضِ وضو ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/ ۵۴۶، باب صلاۃ المریض، جامعہ فاروقیہ۔ وبہشتی زیور ۴/ ۷ کتاب الطہارۃ)

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهاأن فاطمة بنت أبی حبیش رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهاأتت النبی ﷺ فقالت إنی أحیض الشهروالشهرین فقال رسول اللّٰہ ﷺ إن ذلک لیس بحیض وإنما ذلک عرق من ذلک فإذا أقبل الحیض فدعی الصلاة وإذا أدبرفاغتسلی لطهرثم توضئی عندکل صلاة. (شرح معانی الآثار: ۱/ ۸۰، باب المستحاضة کیف تطهرللصلاة)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معذور شخص ہر نماز کے وقت وضو کرے گا۔

درمختار میں ہے:

وصاحب عذرمن به سلسل بول لایمکنه إمساکه أواستطلاق بطن أوانفلات ریح..... إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لایجد فی جمیع وقتهازمناً یتوضأ ویصلی فیه خالیاً عن الحدث ولوحکماً لأن الانقطاع الیسیرملحق بالعدم وهذا شرط العذرفی حق الابتداء وفی حق البقاء کفی وجوده فی جزء من الوقت ولومرة وفی حق الزوال یشترط استیعاب الانقطاع تمام الوقت حقیقة لأنه الانقطاع الکامل ونحوه لکل فرض،اللام للوقت کما فی لدلوک الشمس ثم یصلی به فیه فرضاً ونفلاً.....فإذا خرج الوقت بطل.....وفی الشامی:(قوله أونفلات ریح) هومن لایملک جمع مقعدته لاسترخاء فیها نهر.(قوله ولو حکماً) أی ولوکان الاستیعاب حکماً بأن انقطع العذرفی زمن یسیرلایمکنه فیه الوضوء والصلاة فلا یشترط الاستیعاب الحقیقی فی حق الابتداء کما حققه فی الفتح و الدرر ..... (قوله اللام للوقت)أی فالمعنی لوقت کل صلاة بقرینة قوله بعده فإذا خرج الوقت بطل فلا یجب لکل صلاة.....قال فی الإمداد:وفی شرح مختصرالطحاوی:روی أبوحنیفةؒ عن هشام بن عروة عن أبیه عن عاشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها أن النبی ﷺقال لفاطمة بنت أبی حبیش رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها" توضئی لوقت کل صلاة". (الدرالمختارمع الشامی: ۱/ ۳۰۶، أحکام المعذور،سعید)۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(وكذا في امداد الفتاح: ۱۵۲. ۱۵۴، بيروت. وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۱۴۹، قديمي. وكذا في المبسوط: باب المسح على الخفين، ادارة المعارف. و في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: فصل المستحاضة ومن به سلسل بول. وفتاوى دارالعلوم ديوبند: ۴۴۲/۴، مدلل ومكمل، دارالاشاعت)

تنبیہ: معذور کے احکام مشکل اور دقیق ہیں، لہذا معذور ہونے اور نہ ہونے میں بہشتی زیور کو مقامی علماء سے سمجھنے کی کوشش کریں یا اگر صلاحیت ہو تو خود سمجھنے کی کوشش کرلیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

معذور شخص کی نماز کا حکم:

سوال: (۱) میرا ہاتھ کٹ گیا میں نے زخم کو صاف کیا یہاں تک کہ مجھے اطمینان ہوگیا کہ زخم خشک ہوگیا اور خون بالکل نہیں پھر میں نے وضو کیا اور زخم خشک ہونے کے بعد اس پر پلستر لگایا پھر میں جمعہ کے لئے گیا پھر دو گھنٹے کے بعد پلستر نکالا تو اس پر کچھ خون کے اثرات نظر آئے کیا میرا جمعہ صحیح ہوا؟

(۲) کیا یہ صحیح ہوتا کہ زخم صاف کر کے اس پر پلستر لگا کر مسح کر لیتا؟ کیا زخم سے خون کا بند ہونا ضروری ہے ایسے موقع پر آدمی کیا کرے؟

(۳) میں نے قرآن پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن زخم پر خون کے اثرات کی وجہ سے میرا وضو نہ تھا جب بھی ٹیشو سے زخم کو پونچھتا تو ٹیشو پر خون کے اثرات نظر آتے لہذا میں نے کاغذ کی مدد سے قرآن غلاف سے نکالا اور بغیر ہاتھ لگائے پڑھنا شروع کیا اور اوراق کو قلم کے ذریعہ پلٹا کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

(۴) مجھے کچھ ہدایات کرے تاکہ آئندہ ایسا مسئلہ پیش آئے تو کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: زخم کی پٹی پر خون لگے لیکن باہر ظاہر نہ ہو یعنی بہنے والا نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا لہذا صورتِ مسئولہ (۱) میں زخم صاف کر کے اس کو دھو کر وضوء کرنے کے بعد پٹی لگائی پھر دو گھنٹے کے بعد خون کے اثرات پلستر پٹی پر لگے چونکہ یہ دمِ سائل کے حکم میں نہیں ہے اور نہ باہر ظاہر ہوئے لہذا وضو باقی تھا اور جمعہ کی نماز درست ہوگئی۔

(۲) خون کو دھویا گیا لہذا پٹی لگانے کے بعد مسح درست ہے اور ایسے موقع پر جب خون نکل آیا پھر اس کو دھولیا اور صاف کرلیا پھر پلستر پٹی لگادی تو نماز وغیرہ سب درست ہے جب تک خون باہر نظر نہ آئے وضو باقی رہتا ہے اور عام طور پر جب پلستر پٹی دبا کر زخم پر لگا دے تو خون بند ہوجاتا ہے اثرات پٹی پر لگے وہ مضر نہیں ہاں

دوسری نماز کا وقت آجائے اور خون اندر زیادہ نظر آنے لگے تو پٹی نکال کر پھر صاف کرے اور وضو کرلے پھر پٹی لگالے۔

(۳) زخم پر پٹی نہیں ہے اور خون کے اثرات نظر آتے ہیں اس کو بار بار ٹیشو سے پونچھا تو دیکھا جائے گا اگر ایک ہی مجلس میں سب کو جمع کرے اور اتنا ہوجائے کہ اگر نہ پونچھتے تو یقیناً زخم کے منہ سے بہہ جاتا تو وضو ٹوٹ گیا اور آپ کا قرآن پڑھنا بغیر چھوئے اور صفحات کو قلم سے پلٹنا درست ہے، بے وضو قرآن کو ہاتھ لگانا درست نہیں، اور اگر ایک ہی مجلس میں سب کو جمع کرنے سے بہنے کے بقدر نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹا لہذا قرآن کو ہاتھ لگانا بھی درست ہے۔

(۴) پھر اگر آئندہ اس قسم کا عذر پیش آجائے مثلاً زخم سے خون رستا رہتا ہے تو بہتر تو یہ ہے کہ پلستر پٹی لگالے تو انشاء اللہ بند ہوجائے گا اور پٹی پر اثرات لگے جب تک زیادہ نظر نہ آئے مضر نہیں وضو باقی ہے اور اگر زیادہ رستا رہتا ہے اور ایک نماز کا پورا وقت اسی طرح نکل جائے کہ نماز پڑھنے کا بھی موقع نہ ملے تو آپ معذور کے حکم میں ہے لہذا آئندہ وقت میں ایک مرتبہ وضو کرے تو کافی ہے جب تک وقت باقی ہے آپ کا وضو بھی باقی سمجھا جائے گا اور وقت نکل جائے تو دوسری نماز کے لئے نیا وضو کرے اسی طرح کرے جب تک یہ عذر باقی ہے۔

شامی میں ہے:

(قوله لومسح الدم كلما خرج الخ) وكذا إذا وضع عليه قطناً أوشيئاً آخر حتى ينشف ثم وضعه ثانياً وثالثاً فإنه يجمع جميع مانشف فإن كان بحيث لوتركه سال نقض وإنما يعرف هذا بالاجتهاد وغالب الظن وكذا لوألقى عليه رماداً أوتراباً ثم ظهر ثانياً فتربه ثم وثم فإنه يجمع قالوا وإنما يجمع إذاكان فى مجلس واحد مرة بعد أخرى فلوفى مجالس فلا، تاترخانية، ومثله فى البحر.

أقول: وعليه فما يخرج من الجرح الذى ينزّ دائماً وليس فيه قوة السيلان ولكنه إذا ترك يتقوى باجتماعه ويسيل عن محله فإذا نشفه أوربطه بخرقة وصار كلما خرج منه شيء تشرّبته الخرقة ينظرإن كان ما تشرّبته الخرقة فى ذلك المجلس شيئاً فشيئاً بحيث لو ترك واجتمع أسال بنفسه نقض وإلا لا ولايجمع ما فى مجلس آخروفى ذلك توسعة عظيمة لأصحاب القروح ولصاحب كيّ الحمصة فاغتنم هذه الفائدة. (شامی:۱/۱۳۵،سعید)

Maktaba Tul Ishaat.com

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن كان رأس الجرح مبتلا بالدم لايعيد شيئاً منها هكذا فى المحيط ولوكانت جراحة فربطها فابتل ذلك الرباط إن نفذ البلل إلى الخارج نقض الوضوء وإلا فلا، ولوكان الرباط ذاطاقين فنفذ البعض دون البعض ينتقض الوضوء كذا فى التتارخانية فى نواقض الوضوء. (الفتاوى الهندية:١/٣٦)

وإنما يمسح إذا لم يقدرعلى غسل ما تحتهاومسحه بأن تضررباصابة الماء أو حلها هكذا فى شرح الوقاية وإن كان يضره الغسل بالماء البارد ولايضره الغسل بالماء الحار يلزمه الغسل بالماء الحارهكذا فى شرح الجامع الصغيرلقاضيخان. (الفتاوى الهندية:١/٣٥)

شامی میں ہے:

(قوله ولوشد الخ)قال فى البدائع ولوألقى على الجرح الرماد أوالتراب فتشرّب أوربط عليه رباطاً فابتل الرباط ونفذ قالوا يكون حدثاً لأنه سائل وكذا لوكان الرباط ذاطاقين فنفذ إلى أحدهما لما قلنا،قال فى الفتح:ويجب أن يكون معناه إذاكان بحيث لولا الرباط سال،لأن القميص لوتردد على الجرح فابتل لاينجس مالم يكن كذلك لأنه ليس بحدث أى وإن فحش كما فى المنية . (شامی:١/١٣٩، سعید)

تقریراتِ رافعی میں ہے:

(قوله فابتل الرباط ونفذ) ولولم ينفذ من الرباط لاينتقض، من السندى انتهى. (تقريراتِ الرافعى على هامش الشامى:١/١٩،سعيد)

تنبیہ: معذور کے احکام مشکل اور دقیق ہیں، لہذا معذور ہونے اور نہ ہونے میں بہشتی زیور کو مقامی علماء سے سمجھنے کی کوشش کریں یا اگر صلاحیت ہو تو خود سمجھنے کی کوشش کرلیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نجاست کا تھیلا ساتھ رکھ کر مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی بیمار ہے اس کے پیٹ کے ساتھ ایک تھیلا لگا دیا گیا جس میں فضلہ نلکی کے ذریعہ آتا ہے، جو عموماً مقعد کے راستہ سے نکلتا ہے، اس آدمی کا مسجد میں آنا اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا کیا حکم

ہے؟ یہ نجاست کو مسجد میں داخل کرنے کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اور بدبو ہونے یا نہ ہونے سے مسئلہ میں فرق پڑے گا یا نہیں؟

الجواب: عام حالات میں بدبودار چیز یا نجاست مسجد میں داخل کرنا مکروہِ تحریمی ہے خصوصاً جب کہ تلویثِ مسجد کا اندیشہ ہو، لیکن جو شخص معذور ہے جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں تو یہ تھیلا اس کے پیٹ اور معدہ کے حکم میں ہوگا، لہٰذا اگر بدبو نہ ہو اور چھپا ہوا ہو اور لوگوں کے لئے باعثِ نفرت نہ ہو تو اس کا مسجد جانا جائز اور درست ہے۔ ہاں تھیلے میں خروجِ نجاست ناقض وضو ہے لیکن چونکہ یہ آدمی معذور ہے اس کے معدے سے نجاست برابر نکلتی رہتی ہے اس لیے اس کا وضو وقت کے نکلنے سے ٹوٹیگا الا یہ کہ دوسرا ناقض پایا جائے۔

نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں مستحاضہ عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا ثابت ہے اگرچہ نجاست ساتھ تھی لیکن چھپی ہوئی تھی اور بدبو وغیرہ بھی نہیں تھی لہٰذا آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نکیر نہیں فرمائی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها قالت: اعتکفت مع رسول اللّٰہ ﷺ إمرأة من أزواجه مستحاضة فکانت تری الحمرة والصفرة فربما وضعنا الطست تحتها وهی تصلی. (رواه البخاری: ۱/۲۷۳/۱۹۹۱، باب اعتکاف المستحاضة، فیصل)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ کپڑے یا مسجد ملوث نہ تو ٹھیک ہے اسی طرح جو مستحاضہ کے معنی میں ہے یعنی معذور وغیرہ ان کے لئے بھی مسجد میں داخل ہونے اور اعتکاف کرنے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

ومما یستنبط منه: جواز اعتکاف المستحاضة، وجواز صلاتها لأن حالها حال الطاهرات وإنها تضع الطست لئلا یصیب ثوبها أو المسجد وأن دم الاستحاضة رقیق لیس کدم الحیض، ویلحق بالمستحاضة مافی معناها کمن به سلس البول والمذی والودی ومن به جرح یسیل فی جواز الاعتکاف. (عمدة القاری: ۳/۱۳۰، کتاب الحیض، باب الاعتکاف للمستحاضة، دار الحدیث ملتان). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
"إن الصلاة أول مافرضت رکعتین
فأقرت صلاة السفر وأتمت صلاة الحضر"

(مسلم)

باب.....﴿۱۵﴾

مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان

باب.....۱۵

مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان

ابتداءِ سفرِ شرعی کی حد:

سوال: مسافتِ شرعی کا شمار گھر سے ہوتا ہے یا حدودِ شہر سے؟

الجواب: شہر کے آخری مکان سے سفر کی مسافتِ شرعی شروع ہوگی، اس سے پہلے سفرِ شرعی شروع نہیں ہوتا اگرچہ گھر سے نکل جائے۔ ملاحظہ ہو مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

عن أبی حرب بن أبی الأسود الدیلی أن علیاً رضی اللہ عنہ لماخرج إلی البصرة رأی خصاً فقال: لولاهذا الخص لصلینارکعتین فقلت: ماخصاً؟ قال: بیت من قصب. (مصنفِ عبدالرزاق: ۵۲۹/۲، باب المسافرمتی یقصراذاخرج مسافراً)

ہدایہ میں ہے:

وإذا فارق المسافربیوت المصرصلی رکعتین لأن الإقامة تتعلق بدخولهافیتعلق السفر بالخروج عنها وفیه الأثرعن علی رضی اللہ عنہ لوجاوزنا هذاالخص لقصرنا. (الهدایة: ۱۶۶/۱، باب صلاة المسافر)

شامی میں ہے:

قوله: من خرج من عمارة موضع إقامته، أراد بالعمارة مایشمل بیوت الأخبیة لأن بها عمارة موضعها، قال فی الإمداد: فیشترط مفارقتها ولومتفرقة وإن نزلواعلی ماء أو محتطب

Maktaba Tul Ishaat.com

یعتبر مفارقته کذافی مجمع الروایات. (الشامی:۲/۱۲۱،باب صلاة المسافر۔وکذافی الفتاوی الهندیة:۱/۱۳۹،الباب الخامس عشرفی صلاةالمسافر۔وفتاوی محمودیه:۷/۴۷۶،باب صلاة المسافر۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شہر بہت کشادہ ہوتو سفر کی ابتداء اور انتہاء کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص سفر پر چلا جائے اور جس شہر سے سفر کر کے گیا وہ شہر بہت بڑا ہے جیسے بمبئی کراچی وغیرہ تو واپسی پر اس کا سفر کب ختم ہوگا جب شہر میں داخل ہو جائے یا گھر آجائے اور سفر کب شروع ہوگا گھر سے نکلنے پر یا شہر سے نکلنے پر؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شہر میں داخل ہونے سے شخصِ مذکور کا سفرِ شرعی ختم ہو جائے گا، اور شہر کا آخری مکان تجاوز کرنے سے سفرِ شرعی شروع ہوگا۔ ملاحظہ ہو مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه کان یقصر الصلاه حین یخرج من بیوت المدینة، ویقصر إذارجع حتی یدخل بیوتها. وعن علی بن ربیعة الأسدی قال: خرجنامع علی رضی اللہ عنہ ونحن ننظر إلی الکوفة فصلی رکعتین، ثم رجع فصلی رکعتین، وهوینظرإلی القریة فقلناله: ألا تصلی أربعاً؟ قال: حتی ندخلها. (مصنفِ عبدالرزاق:۲/۵۳۰،باب المسافرمتی یقصراذاخرج مسافراً)

نیز مذکور ہے:

عن أبی حرب بن أبی الأسود الدیلی أن علیاً رضی اللہ عنہ لماخرج إلی البصرة رأی خصاً فقال: لولاهذا الخص لصلینارکعتین فقلت: ماخصاً؟ قال: بیت من قصب. (مصنفِ عبدالرزاق:۲/۵۲۹،باب المسافرمتی یقصراذاخرج مسافراً)

کتاب الحجۃ میں ہے:

قال أبوحنیفةؒ: لایقصرالذی یریدالسفرالصلاة حتی یخرج من بیوت القریة فیجعلهاخلف ظهره ولایبقی شیء أمامه ولایتمهاحتی یدخل البیوت فیجعل بعضها خلف ظهره فإذا دخلها أودخل شیئاً منها أتم الصلاة. (کتاب الحجة:۱/۱۷۱،۱۷۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آبادی بڑھنے کی وجہ سے دو بستیاں متصل ہوجانے پر سفرِ شرعی کی ابتداء کا حکم:

سوال: آج کل بعض جگہوں پر آبادی کے بڑھنے کی وجہ سے دو بستیاں متصل ہوجاتی ہیں تو اس حالت میں سفر کا اعتبار کہاں سے ہوگا؟ کیا اپنی بستی سے یا دوسری متصل بستی سے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوسری بستی اگرچہ متصل ہے لیکن دونوں کے نام علیحدہ ہیں اور دونوں کی حدود بھی الگ الگ مقرر ہیں تو دونوں مستقل آبادیاں شمار ہوں گی اور سفرِ شرعی کا اعتبار اس وقت ہوگا جب کہ اپنی آبادی سے تجاوز کرے، اور اگر اس طور پر اتصال ہوچکا ہے کہ حکومت کی جانب سے ایک کردیا ہو اور دوسری بستی پہلی کے لئے بطور محلّہ استعمال ہوتی ہو تو یہ شہر کا جز ہے لہذا اب اس سے تجاوز کرنے پر سفرِ شرعی کے احکام جاری ہوں گے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

من خرج من عمارة موضع إقامته من جانب خروجه وإن لم يجاوزمن الجانب الآخر. وفي الشامي: ويشترط مفارقة ماكان من توابع موضع الإقامة كربض المصروهوماحول المدينة من بيوت ومساكن فإنه في حكم المصروكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح بخلاف البساتين ولومتصلة بالبناء لأنها ليست من البلدة ولوسكنها أهل البلدة في جميع السنة. (الدرالمختارمع الشامي: ۲/ ۱۲۱، باب صلاة المسافر، سعيد)۔

وكذافي الهداية: ۱/ ۱۶۶. والبحرالرائق: ۲/ ۱۲۸. وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۴۲۳، باب صلاة المسافر، قديمي. والفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۹. وشرح منية المصلي: ص ۵۳۶. والفقه الاسلامي وادلته: ۲/ ۳۲۴، دارالفكر)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت کی آبادی سے باہر ہوجانے پر شرعی مسافر کا اطلاق ہوگا، دوسری آبادی اگرچہ متصل ہو مگر دوسری آبادی ہے، دونوں کے نام الگ ہیں حکومت اور کارپوریشن یعنی (میونسپلٹی۔نگرپالیکا) نے دونوں آبادیوں کے حدود الگ الگ مقرر کئے ہیں، اس لئے وہ دونوں دو مستقل آبادیاں (یعنی شہر) شمار ہوں گی، اور شرعی مسافر کا اطلاق اس وقت ہوگا جب کہ اپنی آبادی یعنی شہر کے حدود تجاوز کرے، اور اگر متصل ہونے کی وجہ سے کارپوریشن نے دونوں کو ایک کردیا ہو تو اب وہ آبادی شہر کا محلّہ ہے اور وہ محلّہ شہر کا جز ہے لہذا اب اس سے تجاوز ہونے پر مسافرت کے احکام جاری ہوں گے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۶/ ۳۶۴۔ واحسن الفتاوی: ۴/ ۴۷۔ وفتاوی دارالعلوم

Maktaba Tul Ishaat.com

دیوبند:۴/۴۷۲، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک سے زائد وطنِ اصلی کا حکم:

سوال: (الف) کسی شخص نے ہندوستان میں شادی کی اور اس کی بیوی وہیں پر رہتی ہے اس نے افریقہ میں بھی شادی کی اور یہ افریقہ میں رہتی ہے تو کیا دونوں اس کے لئے وطن اصلی ہوں گے؟ کیا وطن اصلی متعدد ہو سکتے ہیں؟ (ب) اگر کسی کے پاس دو ملکوں کے پاسپورٹ ہیں تو اس کی وجہ سے دونوں وطن شمار ہوں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعت کی نگاہ میں وطن اصلی ایک سے زائد بھی ہو سکتے ہیں، اگر کسی نے چار عورتوں سے شادی کی اور چاروں علیحدہ شہر یا وطن میں ہیں اور وہ شخص چاروں کے پاس وقتاً فوقتاً جاتا رہتا ہے تو اس کے حق میں چار وطن اصلی ہیں۔ لہذا صورتِ مسئولہ (الف) میں شخصِ مذکور کے لئے ہندوستان اور افریقہ دونوں وطن اصلی ہیں۔

(ب) شریعت کی نگاہ میں کسی شخص کا ملک کا فقط پاسپورٹ حاصل کر لینا وطنِ اصلی ہونے کی دلیل نہیں ہے، جب تک اس میں مستقل رہائش اختیار نہ کرلے۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ثم الوطن الأصلي يجوز أن يكون واحداً أو أكثر من ذلك بأن كان له أهل ودار في بلدتين أو أكثر ولم يكن من نية أهله الخروج منها وإن كان هو ينتقل من أهل إلى أهل في السنة حتى أنه لو خرج مسافراً من بلدة فيها أهله ودخله في أي بلدة من البلاد التي فيها أهله فيصير مقيماً من غير نية الإقامة. (بدائع الصنائع:۱/۱۰۳،سعید)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا لم ينقل أهله بل استحدث أهلاً أيضاً ببلدة أخرى فلا يبطل وطنه الأول وكل منهما وطن أصلي له. وقال الطحطاوي: وكذا لو استحدث أهلاً في ثلاث مواضع فالحكم واحد فيما يظهر. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی:ص۴۲۹،باب صلاۃ المسافر،قدیمی۔ البحرالرائق:۲/۱۳۶،کوئٹہ۔والفتاوی السراجیۃ:ص۱۲،باب صلاۃ المسافر۔والشامی:۲/۱۳۱،سعید)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

واپسی میں ایرپورٹ پر قصر کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص سفر سے واپس آیا اور وہ ایرپورٹ میں ہے اور وہ (newtown) نیوٹاؤن میں رہتا ہے تو کیا وہ ایرپورٹ میں قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: مسافر قصر کرے گا جب تک اپنے شہر میں داخل نہ ہوجائے یا ۱۵، دن اقامت کی نیت نہ کرلے، لہذا صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور ایرپورٹ میں قصر کرے گا کیوں کہ ایرپورٹ (newtown) نیوٹاؤن سے خارج ہے اور الگ علاقہ شمار کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه كان يقصر الصلاة حين يخرج من بيوت المدينة، ويقصر إذا رجع حتى يدخل بيوتها. وعن علي بن ربيعة الأسدي قال: خرج نامع علي رضی اللہ عنہ ونحن ننظر إلى الكوفة فصلى ركعتين، ثم رجع فصلى ركعتين، وهو ينظر إلى القرية فقلناله: ألاتصلي أربعاً؟ قال: حتى ندخلها. (مصنفِ عبدالرزاق: ۲/ ۵۳۰، باب المسافر متى يقصر اذا خرج مسافراً)

عالمگیری میں ہے:

وإذا دخل المسافر مصره أتم الصلاة وإن لم ينو الإقامة فيه سواء دخله بنية الاختيار أو دخله لقضاء الحاجة كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۲)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسافتِ قصر کی مقدار:

سوال: مذہبِ احناف کے مطابق کتنی مسافت طے کرنے پر احکامِ سفر وابستہ ہوں گے؟

الجواب: مذہبِ احناف میں ظاہر الروایہ کے مطابق مسافت کی مقدار تین دن درمیانی رفتار سے چلنا ہے، علاوہ ازیں فرسخ ومیل وغیرہ کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ ملاحظہ ہو: مراقی الفلاح: ص ۱۶۲، بیروت۔ والهداية: ۱/ ۱۶۵۔ والفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۸، وغیرہ۔

البتہ موجودہ زمانہ میں عوام الناس کی سہولت اور آسانی کی غرض سے علمائے متأخرین نے فرسخ ومیل کا اعتبار کیا ہے۔

چنانچہ تعیینِ فرسخ میں بھی مختلف اقوال پائے جاتے ہیں مثلاً: ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۱ وغیرہ ائمہ ثلاثہ سے منقول ہیں۔

پھر مفتی بہ قول میں بھی مختلف اقوال ہیں: مثلاً بعض علماء نے ۱۸ فرسخ پر فتوی نقل کیا ہے ملاحظہ ہو: الشامی:

Maktaba Tul Ishaat.com

۲/ ۱۲۳،سعید۔الفتاوی التاتارخانیة:۲/۲۔شرح منیة المصلی:ص ۵۳۵،سهیل۔عمدةالقاری:۵/۳۸۵۔حاشیة الدررعلی الغرر:۱/۸۱۔ وغیرہ ۔

اس کے مقابل بعض دوسرے حضرات نے ۱۵فرسخ والے قول پرفتوی نقل کیا ہے، جوائمہ خوارزم کا مفتی بہ قول ہے۔ملاحظہ ہو:الشامی:۲/۱۲۳،سعید۔بدائع الصنائع:۱/۹۳،سعید۔البحرالرائق:۲/۱۲۹،کوئتة۔حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۴۲۱۔وغیرہ۔

ہمارے اکابر سے بھی مختلف اقوال منقول ہیں: مثلاً حضرت مولانا نانوتویؒ سے ۲۴میل۔حضرت مفتی کفایت اللہؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ وغیرہ سے ۳۶میل انگریزی۔حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ سے ۴۸میل۔حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور علامہ یوسف بنوریؒ وغیرہ سے ۴۵میل (یعنی ۱۵فرسخ جوائمہ خورزم کا مفتی بہ قول ہے) منقول ہیں۔

نیز اکثر اکابر حضرات سے ۴۸میل منقول ہیں وہ بھی ۴۵میل شرعی کو انگریزی میں منتقل کرنے کی وجہ سے ہے پھر ۴۸میل انگریزی سے حساب لگا کر ۷۸کلومیٹر بنائے، اسی وجہ سے ۷۸والا قول مشہور ہے۔

لیکن اگر ۴۵میل شرعی کو انگریزی میں منتقل نہ کریں تو جدید حساب کے اعتبار سے ۸۲کلومیٹر ۲۹۶ میٹر بنتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ خوارزم کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے جس کو ہمارے اکابرؒ نے اختیار فرمایا ہیں، مسافتِ قصر کی مقدار ۱۵فرسخ، یعنی ۴۵میل شرعی بحساب ۸۲کلومیٹر ۲۹۶ میٹر ہے۔

یہ قول اس وجہ سے اختیار کیا گیا ہے کہ اکابرؒ کی موافقت کے ساتھ ساتھ ائمہ ثلاثہ کے قول کے قریب بھی ہے، اوراس میں آسانی بھی ہے۔ دلائل ملاحظہ فرمائیں: اعلاء السنن میں ہے:

عن عبدالرحمن بن أبی بکرعن أبیه"أن رسول اللّٰه ﷺ وقت فی المسح علی الخفین ثلاثة أیام ولیالیهن للمسافر،وللمقیم یوم ولیلة"رواه ابن حبان فی صحیحه زیلعی:۱/۸۷،**وقال الطحاوی فی معانی الآثار** (۱/۱۵۰):**قد تواترت الآثارعن رسول اللّٰه ﷺ فی المسح علی الخفین للمسافرثلاثة أیام ولیالیها،وللمقیم یوم ولیلة.** (اعلاء السنن:۷/۲۶۹/۱۹۷۰، باب مسافت القصر،ادارة القرآن).

دوسری جگہ مذکور ہے:

وفی البحر عن المجتبی:فتوی أکثر أئمه خوارزم علی خمسة عشرفرسخاً قلت: وهذا

أقرب إلى ماعلقه البخاری ونصه کان ابن عمر رضی اللہ عنہ وابن عباس رضی اللہ عنہ یقصران ویفطران فی أربعة برد وهوستة عشرفرسخاً. (اعلاء السنن:۷/۲۸۳،ادارة القرآن کراچی)

بدائع الصنائع میں ہے:

واختلفوا فی التقدیرقال أصحابنا:مسیرثلاثة أیام سیرالإبل ومشی الأقدام وهو المذکورفی ظاهرالروایات وروی عن أبی یوسفؒ یومان وأکثرالثالث،وکذاروی الحسن عن أبی حنیفةؒ وابن سماعة عن محمدؒ ومن مشایخنامن قدره بخمسة عشرفرسخاً وجعل لکل یوم خمس فراسخ ومنهم من قدره بثلاث مراحل وقال مالکؒ:أربعة برد کل برید اثناعشرمیلاً واختلفت أقوال الشافعی فیه قیل ستة وأربعون میلاً وهوقریب من قول بعض مسایخنالأن العادة أن القافلة لاتقطع فی یوم أکثرمن خمسة فراسخ. (بدائع الصنائع:۱/۹۳، بیان مایصیربه المقیم مسافراً،سعید)

البحرالرائق میں ہے:

وأشارالمصنفؒ إلی أنه لااعتباربالفراسخ وهوالصحیح.....وفی النهایة الفتوی علی اعتبارثمانیة عشرفرسخاً وفی المجتبی:فتوی أکثرأئمه خوارزم علی خمسة عشرفرسخاً.

(البحرالرائق:۲/۱۲۹،باب المسافر،الماجدیة)

شامی میں ہے:

قوله:ولااعتباربالفراسخ.....علی المذهب،لأن المذکورفی ظاهرالروایة اعتبارثلاثة أیام کمافی الحلیة وقال فی الهدایة:هوالصحیح احترازاًعن قول عامة المشایخ من تقدیرها بالفراسخ،ثم اختلفوا فقیل:أحد وعشرون،وقیل:ثمانیة عشر،وقیل:خمسة عشر، والفتوی علی الثانی لأنه الأوسط، وفی المجتبی:فتوی أئمة خوارزم علی الثالث، وجه الصحیح أن الفراسخ تختلف باختلاف الطریق فی السهل والجبل والبروالبحر بخلاف المراحل،معراج. (الشامی:۲/۱۲۳،باب صلاة المسافر،سعید۔وکذافی حاشیة الدررللعلامة الشرنبلالی:۱/۱۳۲،باب المسافر۔وکذافی معارف السنن:۴/۴۷۳، تحقیق مسافت القصر،سعید)

جواہرالفقہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

Maktaba Tul Ishaat.com

راجح اور صحیح مذہب امام اعظمؒ کا یہ ہے کہ کسی خاص مقدار کی تحدید میلوں وغیرہ سے نہ کی جاوے بلکہ تین دن اور تین رات میں جس قدر مسافت انسان پیدل چل کر بآسانی طے کر سکے یا اونٹ کی سواری پر بآسانی طے کرے وہ مقدار مسافتِ سفرِ شرعی ہے۔

اس کے خلاف بعض فقہاء نے فراسخ یا میلوں کی تعیین بھی فرمائی ہے۔ حضرت امام مالکؒ کا مذہب ہے کہ ۴۸ میل سے کم میں قصر نہ کرے اور یہی امام احمدؒ کا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کی ایک روایت یہی ہے۔ اور مشائخ حنفیہ میں سے بعض نے اکیس فرسخ جس کے تریسٹھ میل ہوتے ہیں۔ اور بعض نے اٹھارہ فرسخ جس کے چون میل ہوتے ہیں۔ اور بعض نے پندرہ فرسخ جس کے پینتالیس میل ہوتے ہیں مسافتِ قصر قرار دی، عمدۃ القاری میں اٹھارہ فرسخ پر فتوی نقل کیا ہے، اور شامی اور بحر نے بحوالہ مجتبی اکثر ائمہ خوارزم کا فتوی پندرہ فرسخ کی روایت پر ذکر کیا ہے.....۔

ہندوستان کے عام بلاد میں چونکہ راستے تقریباً مساوی ہیں پہاڑی یا دشوار گذار نہیں ہیں اس لئے علمائے ہندوستان نے میلوں کے ساتھ تعیین کر دی ہے۔

نیز محققین علمائے ہندوستان نے ۴۸ میل انگریزی کو مسافتِ قصر قرار دیا ہے جو اقوال فقہاء مذکورین کے قریب قریب ہے۔ اور اصل مدار اس کا اسی پر ہے کہ اتنی ہی مسافت تین دن تین رات میں پیادہ مسافر بآسانی طے کر سکتا ہے، اور فقہائے حنفیہ کے مفتی بہ اقوال میں سے جو فتوی ائمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ کا نقل کیا گیا ہے وہ تقریباً اس کے بالکل مطابق ہے، کیونکہ پندرہ فرسخ کے ۴۵ میل شرعی ۴۸ میل انگریزی سے کچھ زیادہ متفاوت نہیں رہتے۔

اور ۴۸ میل کی تعیین پر ایک حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے، جو دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اہل مکہ چار برید سے کم میں نماز کا قصر مت کرو جیسے مکہ سے عسفان تک۔

عن ابن عباسؓ: أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: یا أھل مکة لاتقصروا الصلاة فی أدنی من أربعة برد من مکة إلی عسفان. (رواہ الدارقطنی: ۱/۳۸۷، باب قدر المسافة التی تقصر فی مثلها صلاة، القاھرة)

اس روایت کی سند میں اگرچہ ایک راوی ضعیف ہے۔

(جواہر الفقہ: ''اوزانِ شرعیہ'': ۱/۴۳۵، مسافتِ سفر کی تحقیق، دارالعلوم کراچی)

ایضاح المسائل میں ہے:

۴۵ میل شرعی کا اعتبار کیا جائے تو میٹروں کے حساب سے ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر مسافتِ سفر بنتی ہے، تو معلوم ہوا کہ شرعی میل کے لحاظ سے ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر سے کم کی مسافت میں قصر جائز نہ ہوگا۔ (ایضاح المسائل: ص ۶۸، سفرِ شرعی کی مسافت پر سیر حاصل تحقیقی بحث، از مفتی شبیر احمد قاسمی، نعیمیہ دیوبند)

نیز ملاحظہ ہو: امدادالمفتین: ۱/۲۶۳، دارالاشاعت۔ والمقاییس والمقادیر عندالعرب: ص ۹۰، تالیف: الشهیدة نسیبة محمدفتحی الحریری، دارالمعارف دیوبند)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بلانیت مسافتِ قصر طے کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: ایک آدمی روشنی سے جوہانسبرگ جانے کے لئے نکلا وہاں پہونچ کر اس کا ارادہ لوڈیم جانے کا ہوا اب یہ مسافر ہوگا یا مقیم؟ کیوں کہ ہر ایک مسافت مقدارِ سفر سے کم ہے جب کہ دونوں کا مجموعہ مسافتِ شرعی کے برابر ہے۔

الجواب: ابتداء سفر میں بیک وقت مسافتِ شرعی کی نیت ہو تو قصر کرے گا ورنہ نہیں، لہذا صورتِ مسئولہ میں یہ شخص مقیم ہوگا نہ کہ مسافر۔ ہاں واپسی میں قصر کرے گا۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ومن طاف الدنیابلاقصد لم یقصر. وفی الشامی: بأن قصد بلدة بینه وبینها یومان للإقامة بهافلما بلغها بداله أن یذهب إلی بلدة بینه وبینها یومان وهلم جراً. قال فی البحر: وعلی هذا قالوا: أمیر خرج مع جیشه فی طلب العدو ولم یعلم أین یدرکهم فإنه یتم وإن طالت المدة أو المکث؛ أمافی الرجوع فإن کانت مدة سفر قصر. (الدرالمختارمع الشامی: ۲/۱۲۲، باب صلاة المسافر، سعید۔ وکذافی الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۳۰)

عالمگیری میں ہے:

ولابد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أیام حتی یترخص له برخصة المسافرین وإلا لایترخص أبداً ولو طاف الدنیا جمیعها بأن کان طالب آبق أوغریم أونحوذلک. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۳۹، صلاة المسافر۔ وکذافی امدادالفتاوی: ۱/۳۹۹، عدم قصر در قطع مسافتِ سفر بصورتِ عدمِ عزمِ مسافتِ قصر۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

سفر کا ارادہ ترک کر دیا تو واپسی میں قصر کا حکم:

سوال: کوئی شخص جو ہانسبرگ سے ڈربن کے لئے روانہ ہوا جب ۵۰ کلومیٹر سفر کر چکا تو آگے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اب واپسی میں قصر کرے گا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مسافتِ شرعی طے نہ کرنے کی وجہ سے واپسی میں قصر نہیں کرے گا بلکہ اتمام کرے گا۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

فیتم بمجرد نیة العود لعدم استحکام السفر. وفی الشامی: أی ولو فی المفازة وقیاسه أن لایحل فطره فی رمضان ولو بینه وبین بلده یومان لأنه یقبل النقض قبل استحکامه إذ لم یتم علة فکانت الإقامة نقضاً للسفر العارض لاابتداء علة للا تمام أفاده فی الفتح. ..... أقول: ویظهر لی فی الجواب أن العلة فی الحقیقة هی المشقة وأقیم السفر مقامها ولکن لاتثبت علتها إلا بشرط ابتداء وشرط بقاء فالأول مفارقة البیوت قاصداً مسیرة ثلاثة أیام، والثانی استکمال السفر ثلاثة أیام، فإذا وجد الشرط الأول ثبت حکمها ابتداء فلذا یقصر بمجرد مفارقة العمران ناویاً ولایدوم إلا بالشرط الثانی فهو شرط لاستحکامها علة فإذا عزم علی ترک السفر قبل تمامه بطل بقاؤها علة لقبولها النقض قبل الاستحکام. (الدرالمختار مع الشامی: ۲/۱۲۴، باب صلاة المسافر، سعید۔ والفتاوی الهندیة: ۱/۱۳۹، صلاة المسافر)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسافتِ شرعی والا راستہ اختیار کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص گھر سے نکلا منزلِ مقصود تک پہنچنے کے دو راستے ہیں ایک کم مسافت والا اور دوسرا غالباً شرعی مسافت والا، مسافتِ شرعی والا راستہ اختیار کیا تو ۳۰ کلومیٹر کے بعد قصر کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر منزل مقصود جانے کا ارادہ ہے اور غالب گمان کے مطابق مسافتِ شرعی ہے تو ۳۰ کلومیٹر کے بعد قصر کرے گا ورنہ اتمام کرے گا۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا قصد بلدة وإلی مقصده طریقان أحدهم مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها والآخر دونها فسلک الطریق الأبعد کان مسافراً عندنا هکذا فی فتاوی قاضیخان وإن سلک الأقصر یتم (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۳۸، صلاة المسافر۔ وکذافی خلاصة الفتاوی: ۱/۱۹۸۔ والبحر الرائق: ۲/۱۲۹) **۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سفر میں اتمام کرنے سے اعادہ کا حکم:

سوال: اگر راستہ میں قصر نہیں کیا اس کے خیال میں کم مسافت ہونے کی وجہ سے بعد میں تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ مسافتِ سفر تھی تو اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ نیز واپسی میں کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر قعدۂ اولیٰ کیا تھا تو فرض ذمہ سے ساقط ہوگیا لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے اور وقت کے اندر اعادہ واجب ہے۔ اور واپسی میں قصر کرے گا۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله فلو أتم وقعد في الثانية صح وإلا لا أي وإن لم يقعد على رأس الركعتين لم يصح فرضه لأنه إذا قعد فقد تم فرضه وصارت الأخريان له نفلاً كالفجر وصار آثماً لتأخير السلام. (البحر الرائق: ۲/ ۱۳۰، كوئتة۔ وكذا في الهداية مع الفتح: ۲/ ۳۲، دار الفكر۔ والفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۹)

وفي الشامي: قوله: بعد ان فسر أساء بإثم، فعلم أن الإساءة هنا كراهة التحريم. (شامي: ۲/ ۱۲۸)

وفي البحر الرائق: أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصروا. (البحر الرائق: ۲/ ۱۲۸۔ وكذا في الشامي: ۲/ ۱۲۲، سعيد۔ والطحطاوي على الدر المختار: ۱/ ۳۳۰)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

اگر قعدۂ درمیانی میں بیٹھا ہے تو اس کی نماز فرض ادا ہوگئی اعادہ فرض نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۴۵۲)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر دو رکعت پر قعدہ کر کے بھول کر کھڑے ہوگئے اور چار رکعت پوری کر لی تو فرض ادا ہوگیا لیکن وقت کے اندر اعادہ لازم ہے اور وقت گذر جانے کے بعد اعادہ لازم نہیں۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/ ۵۱۱، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسافر کا سفرِ شرعی میں عمداً اتمام کرنا:

سوال: اگر حنفی مسافر عمداً اتمام کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حنفی مسافر کا سفرِ شرعی میں عمداً اتمام کرنا مکروہِ تحریمی ہے، اور سخت گناہ کا باعث ہے۔ اور نماز کا اعادہ واجب ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

فلو أتم مسافر إن قعد فی القعدة الأولی تم فرضه ولکنه أساء لو عامداً لتأخیر السلام و ترک واجب القصر وواجب تکبیرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وهذا لایحل کما حرره القهستانی، وکذا صرح فی البحر بتأثیمه فعلم أن الإساء ة هنا کراهة التحریم.

(شامی: ۱۲۸/۲، باب صلاة المسافر، سعید)

مراقی الفلاح میں ہے:

والقصر عزیمة عندنا فإذا أتم الرباعیة والحال أنه قعد القعود الأول قدر التشهد صحت صلاته لوجود الفرض فی محله وهو الجلوس علی الرکعتین وتصیر الأخریان نافلة له مع الکراهة..... (مراقی الفلاح: ص ۱٦٤، باب صلاة المسافر، بیروت)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

عمداً چار رکعت پڑھنے والا گنہگار ہوگا اور نماز کا اعادہ ضروری ہے، اگرچہ سجدۂ سہو بھی کرلیا ہو اس لئے کہ عمداً کی صورت میں سجدۂ سہو کافی نہیں ہوتا۔ (فتاوی رحیمیہ: ۵۱/۳۔ واحسن الفتاوی: ۷۷/۴)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وطنِ اقامت میں سامان چھوڑ کر سفر کرنے سے وطنِ اقامت کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص ڈربن کا رہنے والا ہے، اور لینس میں مقیم ہے، نیز سامان وغیرہ بھی لینس میں ہے، لیکن لینس وطنِ اصلی نہیں وطنِ اقامت ہے پھر سفر کرکے وائٹ ریور چلا گیا اور واپسی میں لینس میں صرف ۵ دن قیام کا ارادہ ہے تو ان ۵ دنوں میں قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: اس مسئلہ میں ہمارے اکابرؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مطلق سفر سے وطنِ اقامت باطل ہوجاتا ہے۔ اور دیگر بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ سامان وغیرہ ہونے کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا بلکہ جب واپس آئے گا تو اتمام ہی کرے گا۔ موجودہ زمانہ میں حضرت مفتی رشید صاحب، حضرت مفتی عبدالستار صاحب اور حضرت مفتی فرید صاحب اور بعض دوسرے حضرات نے آسانی کی خاطر اسی پر فتوی دیا ہیں۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وفی المحیط ولو کان له أهل بالکوفة وأهل بالبصرة فمات أهل بالبصرة وبقی له دور وعقار بالبصرة قیل البصرة لاتبقی وطناً له لأنها إنما کانت وطناً بالأهل لا بالعقار ألا تری

أنه لوتأهل ببلدة لم يكن له فيهاعقارصارت وطناً له وقيل تبقى وطناً له لأنهاكانت وطناً له بالأهل والدارجميعاً فبزوال أحدهمالايرتفع الوطن كوطن الإقامة يبقى ببقاء الثقل وإن أقام بموضع آخر. (البحرالرائق:۲/۱۳۶،باب المسافر،الماجدية۔وكذافي مجمع الانهرشرح ملتقى الابحر: ۱/۱٦٤، باب صلاة المسافر۔بحواله محيط السرخسي)

بدائع الصنائع میں ہے:

ووطن الإقامة ينتقض بالوطن الأصلي...وينتقض بالسفرأيضاً لأن توطنه في هذا المقام ليس للقرارولكن لحاجة فإذا سافرمنه يستدل به على قضاء حاجته فصارمعرضاً عن التوطن به فصارناقضاً له دلالة. (بدائع الصنائع:۱/۱۰٤، مطلب في ان الاوطان ثلاثة،سعيد)

بحراور بدائع کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامان وہاں پڑا ہے اور وطن اقامت سے اعراض کا ارادہ بھی نہیں ہے تو محض سفر سے وطن اقامت باطل نہیں ہوگا۔

خیر الفتاوی میں ہے:

مستقل وطنِ اقامت سفر سے باطل نہیں ہوتا۔(خیر الفتاوی:۲/۶۸۷)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں:(احسن الفتاوی ''رسالہ وطن الارتحال یبقی ببقاء الاثقال''۴/۹۸۔۱۱۰،باب صلاۃ المسافر)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دوبارہ سورج نظر آنے پر مغرب کی نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے ائیر پورٹ میں مغرب کی نماز پڑھ لی اور جہاز مغرب کی طرف اڑا اور دوبارہ سورج نظر آنے لگا پھر غائب ہوا تو کیا دوبارہ مغرب کی نماز پڑھنا ضروری ہوگا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو احسن الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک شخص مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز پر سوار ہوا جہاز مغرب کی طرف اتنا تیز چلا کہ آفتاب دوبارہ نظر آنے لگا تو کیا اس پر مغرب کی نماز دوبارہ واجب ہوگی؟

الجواب باسم ملہم الصواب: مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا واجب نہیں۔**قال في شرح التنويرفلوغربت ثم عادت هل يعود الوقت؟ الظاهرنعم.قال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ:(قوله الظاهر نعم)**

Maktaba Tul Ishaat.com

بحث صاحب النهر حيث قال: ذكر الشافعية ان الوقت يعود .....قلت: على ان الشيخ اسمٰعيل رد ما بحثه فى النهر تبعاً للشافعية بان صلوٰة العصر بغيبوبة الشفق تصير قضاءً ورجوعها لايعيدها اداءً وما فى الحديث خصوصية على ﷺ كما يعطيه قوله عليه الصلوٰة والسلام انه كان فى طاعتك وطاعة رسولك .قلت: ويلزم على الاول بطلان صوم من افطر قبل ردها و بطلان صلاة المغرب لوسلمنا عود الوقت بعودها للكل. رد المحتار: ١/ ٣٦٠۔(احسن الفتاوی ٤/ ٦٩)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

سوال: ایک شخص یہاں مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ مکرمہ پہونچ جائے۔ مکہ میں مغرب کی نماز تفاوتِ وقت کے سبب ابھی ہی ہوتی ہے کیا پھر دوبارہ اس کو مغرب کی نماز ادا کرنا لازم ہے؟

الجواب: احتراماً للوقت وموافقة للمسلمين، وہ نماز پڑھے اگرچہ اس کا فریضہ ادا اور مکمل ہو چکا۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/ ۳۷، کتاب الصوم، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حالتِ حیض میں سفر کا حکم:

سوال: ایک عورت جو ھانسبرگ سے حائضہ تھی ڈربن پہنچی تو پاک ہوگئی ڈربن میں تین دن قیام ہے وہاں قصر کرے گی یا اتمام؟

الجواب: حالتِ حیض میں سفر احکام کے اعتبار سے کالعدم ہے یعنی اس کا شمار نہیں ہے لہذا حائضہ عورت ڈربن کے قیام میں پاک ہوکر اتمام کرے گی، البتہ واپسی میں قصر کرے گی۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

طهرت الحائض وبقى لمقصدها يومان تتم فى الصحيح كصبى بلغ بخلاف كافر أسلم (قوله: تتم فى الصحيح) كذا فى الظهيرية قال ط: وكانه لسقوط الصلاة عنها فيمامضى لم يعتبر حكم السفر فيه فلما تأهلت للأداء اعتبر من وقته. (شامی: ۲/ ۱۳۵، باب صلاة المسافر۔ وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۱/ ۳۳۷۔ وشرح منية المصلى: ص ۵۴۲، سهيل ايكدمى).

وفى البحر الرائق: أمافى الرجوع فإن كانت مدة سفر قصروا. (البحر الرائق: ۲/ ۱۲۸۔ وكذا فى الشامى: ۲/ ۱۲۲، سعيد۔ والطحطاوى على الدرالمختار: ۱/ ۳۳۰).

بہشتی زیور میں ہے:

مسئلہ: چار منزل جانے کی نیت سے چلی لیکن پہلی دو منزلیں حیض کی حالت میں گذریں تب بھی وہ مسافر نہیں ہے۔ اب نہا دھو کر پوری چار رکعتیں پڑھے۔ (بہشتی زیور دوسرا حصہ: ص ۴۹)۔

نیز ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی: ۴/ ۸۷۔ وعمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۴۱۴۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حائضہ کے سفر کے بارے میں دوسرا قول:

مسئلہ مذکورہ کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ مقام طہارت سے ابتدائے سفر کا اعتبار ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا لیکن دوسرے فقہاء نے لکھا ہے کہ ابتدائے سفر کا اعتبار ہے، مقام طہارت کا اعتبار نہیں، چنانچہ مذکورہ عورت ڈربن میں قصر کرے گی۔ ملاحظہ کیجئے علامہ شرنبلالیؒ فرماتے ہیں:

قال في مختصر الظهيرية : الحائض إذا طهرت وبينها وبين المقصد أقل من ثلاثة أيام تصلي أربعاً هو الصحيح ، قلت: ولا يخفى أنها لا تنزل عن رتبة الذى أسلم فكان حقها القصر مثله . (حاشية الشرنبلالية على الدرر: ۱/ ۱۳۲).

وقال فى المحيط البرهانى : وفي متفرقات الفقيه أبي جعفر... وأما الحائض إذا طهرت في بعض الطريق قصرت الصلاة ، لأنها مخاطبة . (المحيط البرهانى: ۲/ ۴۱).

الجوہرۃ النیرہ میں مذکور ہے:

(قوله والحيض يسقط عن الحائض والصلاة) فيه إشارة إلى أنها وجبت عليها الصلاة ثم سقطت و هذه المسألة اختلف فيها الأصوليون و هي أن الأحكام هل هي ثابتة على الصبي والمجنون والحائض أم لا ؟ فاختار أبو زيد الدبوسي أنها ثابتة والسقوط بعذر الحرج ، قال: لأن الآدمى أهل لوجوب الحقوق عليه ألا ترى أن عليه عشر أرضه وخراجها بالإجماع وعليه الزكاة عند الشافعي وكلام الشيخ بناء على هذا . (الجوهرة النيرة: ۱/ ۳۴، امداديه ملتان). (وكذا فى البناية شرح الهداية: ۱/ ۶۳۴، مكتبه رشيديه، كوئٹه).

قال فى الشامية : وأجاب في نهج النجاة بأن مانعها سماوي بخلافه ، أى وإن كان كل منهما من أهل النية بخلاف الصبي، لكن منعها من الصلاة ما ليس بصنعها فلغت نيتها

Maktaba Tul Ishaat.com

من الأول، بخلاف الكافر فإنه قادر على إزالة المانع من الابتداء فصحت نيته . (فتاوى الشامي: ۱۳۵/۲، سعيد).

مذکورہ بالا کتبِ فقہ مثلاً: حاشیہ شرنبلالیہ، متفرقاتِ فقیہ ابی جعفر اور جوہرہ وغیرہ کی عبارات سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا سفر اپنی بستی سے شروع ہوجاتا ہے وقتِ طہارت سے نہیں۔ بظاہر یہ قول آسان اور بہتر ہے کیونکہ حائضہ اور کافر دونوں مکلّف ہونے اور بالغ ہونے کی وجہ سے سفر کی نیت کی اہلیت رکھتے ہیں۔

اور علامہ شامیؒ نے نہج النجاۃ سے جو بات نقل کی ہے کہ حائضہ کا عذر مانع سماوی ہے کہ وہ من جانب اللہ نماز کی اہل نہیں تو اس کی نیتِ صلوٰۃ لغو ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ یہاں صلوٰۃ کی نیت مراد نہیں کہ وہ لغو ہوجائے بلکہ قطع مسافت کی نیت مراد ہے اور اس میں کافر اور حائضہ دونوں برابر ہیں، نیز حائضہ کو ابتدائے سفر سے مسافرہ سمجھنا آسان اور معقول ہے، ہاں صبی کی نیت عدمِ بلوغ کی وجہ سے ناقص ہے اس لیے اس کے سفر کے احکام وقتِ بلوغ سے شروع ہوں گے۔

بالفاظِ دیگر صبی غیر مکلّف ہے اب مکلّف بن گیا اور کافر اور حائضہ دونوں بالغ ہیں ہاں نماز کے بارے میں دونوں غیر مکلّف ہیں لیکن سفر کی نیت کی اہلیت رکھتے ہیں، نیز حائضہ کے عذر کے سماوی ہونے اور اس کے بے قصور ہونے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ حائضہ اور نفساء کو ابتدائے سفر سے مسافرہ تسلیم کیا جائے تاکہ ان کو قصر اور سنتِ مؤکدہ کے نہ پڑھنے کی رعایت مل جائے اور اس پر اتمام کا بوجھ نہ پڑے گویا یہ ایک قسم کا استحسان ہوجائیگا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جائے اقامت پر پاک ہوکر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک عورت حالتِ حیض میں جو برگ سے ڈربن جارہی ہے، پیٹر میریز برگ پہنچ کر پاک ہوئی اب ڈربن تک وہ نماز کا اتمام کرے گی، کیونکہ وہاں سے ڈربن ۶۰ کیومیٹر ہے، یہ مسئلہ تو معلوم ہے اور فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں مرقوم ہے۔ اب ایک اور مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ اگر ڈربن پہنچنے تک اس عورت کا حیض جاری رہا اور ڈربن میں ۱۶ دن کا قیام ہے، اور وہ عورت ڈربن پہنچنے کے ۶ دن بعد پاک ہوگئی تو اب بقیہ دس دن میں وہ مقیم کی طرح ہے یا مسافر کی طرح؟ یعنی قصر کرے گی یا اتمام؟

الجواب: حالتِ حیض میں سفر کا اعتبار نہیں، لہٰذا بصورتِ مسئولہ مذکورہ عورت جب ڈربن پہنچنے کے ۶ دن بعد پاک ہوئی تو وہ مقیم کی طرح ہوگی، یعنی بقیہ دس ایام میں پوری نماز ادا کرے گی، البتہ جو برگ کی طرف

واپسی میں قصر کرے گی۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

والحائض إذا طهرت وقد بقي بينها وبين مقصدها أقل من ثلاثة أيام تتم الصلاة هو الصحيح ذكره في الظهيرية. (شرح منية المصلى،ص:٥٤٢،سهيل).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

طهرت الحائض وبقي لمقصدها يومان تتم في الصحيح ، كأنه لسقوط الصلاة عنها فيما مضى لم يعتبر حكم السفر فيه فلما تأهلت للأداء اعتبر من وقته. (الدرالمختارمع حاشية الطحطاوى:١/٣٣٧،كوئته).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قال في الشرنبلالية : ولايخفى أن الحائض لاتنزل عن رتبة الذى أسلم فكان حقها القصر مثله. وأجاب في نهج النجاة: بأن مانعها سماوي بخلافه أى وإن كان كل منهما من أهل النية بخلاف الصبى لكن منعها من الصلاة ما ليس بصنعها فلغت نيتها من الأول بخلاف الكافر فإنه قادر على إزالة المانع من الابتداء فصحت نيته. (الدرالمختارمع ردالمحتار:٢/١٣٥،سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

حیض کی حالت میں شرعی حد کی مسافرت میں نکلی جہاں جا کر حیض منقطع ہو گیا اگر وہاں ٹھہر جائے یا اس سے آگے تین منزل سے کم اور جانا ہو تو دونوں صورت میں مسافر نہیں پوری نماز پڑھے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۷/۵۰۲، جامعہ فاروقیہ)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

خواہ ادا پڑھے یا قضا بہر صورت اس پر پوری نماز فرض ہے۔ **قال في العلائية: طهرت الحائض وبقي لمقصدها يومان تتم في الصحيح...** یہ حکم جب ہے کہ ابتداء سفر سے حائضہ ہوا گر حالتِ طہارت میں سفر کی ابتداء ہوئی ہو تو حیض ختم ہونے کے بعد بھی قصر ہی پڑھے گی، **كما يفهم من قول ابن عابدين: لكن منعها من الصلاة ما ليس بصنعها فلغت نيتها من الأول .** (احسن الفتاویٰ:۴/۸۷)۔

مزید ملاحظہ ہو: (عمدۃ الفقہ:۲/۴۱۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بلانیت سفر کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں: زید نے سفر کیا ایک جگہ (الف) کا جو کہ اپنے گھر سے ۶۰ کلومیٹر ہے اور ارادہ اسی جگہ کا تھا یہاں سے پھر کسی وجہ سے ایک اور جگہ (ب) کا سفر کیا جو کہ (الف) سے ۴۰ کلومیٹر ہے مگر جب (ب) پر پہنچا تو ارادہ یہی کا تھا کہ (ب) پر دو گھنٹے ٹھیر کر پھر (الف) جگہ آ کر گھر چلا جاؤں گا۔ تو کیا (ب) پر قصر کرے گا یا اتمام؟ نیز جب واپسی میں جگہ اول (الف) پر آئے تو قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں زید جگہ (ب) پر اتمام کرے گا اس وجہ سے کہ جگہ (الف) سے جگہ (ب) ۴۰ کلومیٹر ہے جو شرعی مسافت سے کم ہے، اور واپسی میں گھر آتے وقت مجموعہ ۱۰۰ کلومیٹر بنتا ہے لہذا جگہ (الف) پر قصر کرے گا۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر. وفي الشامي: بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للإقامة بها فلما بلغها بداله أن يذهب إلى بلدة بينه وبينها يومان وهلم جراً. قال في البحر: وعلى هذا قالوا: أمير خرج مع جيشه في طلب العدو ولم يعلم أين يدركهم فإنه يتم وإن طالت المدة أو المكث؛ أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر. (الدرالمختار مع الشامي: ۲/۱۲۲، باب صلاة المسافر، سعيد۔ وكذا في الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۳۳۰۔ والبحرالرائق: ۲/۱۲۹۔ وشرح منية المصلي: ص ۵۴۲).

عالمگیری میں ہے:

ولابد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص له برخصة المسافرين وإلا لايترخص أبداً ولو طاف الدنيا جميعاً بأن كان طالب آبق أو غريم أو نحو ذلك.

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، صلاة المسافر۔ وكذا في امداد الفتاوى: ۱/۳۹۹، عدم قصر در قطع مسافتِ سفر بصورتِ عدمِ عزمِ مسافتِ قصر)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شوہر کے لئے سسرال میں قصر کرنے کا حکم:

سوال: اگر شوہر سسرال چلا جائے اور بیوی اپنے میکے والدین کے ہاں جائے تو قصر کریں گے یا اتمام؟

الجواب: شوہر نے شادی کے بعد اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کر لی تو اب یہ ان کے حق میں وطنِ اصلی شمار ہوگا، اور یہاں اتمام کریں گے، اگر خود شوہر تو اس شہر میں نہیں رہتا مگر بیوی وغیرہ کی مستقل سکونت وہیں ہو تو بھی یہ شخص اتمام کرے گا، اور اگر شادی کے بعد رخصتی ہوگئی اور شوہر بیوی کسی دوسرے شہر میں رہتے ہیں تو اب اگر شوہر سسرال جائے اور بیوی میکا جائے تو اگر پندرہ دن سے کم کی نیت ہو تو قصر کریں گے۔ اور صحیح قول یہی ہے کہ محض شادی کرنے سے اتمام کا حکم عائد نہیں ہوگا جب تک اس کو وطن نہ بنالے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان میں ہے:

إذا جاوز عمران مصره.....إن كان ذلك وطناً أصلياً بأن كان مولده وسكن فيه أو لم يكن مولده ولكنه تأهل به وجعله داراً. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:۱/۱۶۵،باب صلاة المسافر۔ وكذافي خلاصة الفتاوى:۱/۱۹۸،رشيديه).

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ محض شادی کرنے سے ہی سسرال وطنِ اصلی بن جائے گا اور آدمی وہاں مقیم ہوگا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

حدیث ملاحظہ ہو مسند احمد میں ہے:

حدثنا أبو سعيد يعني مولى بني هاشم حدثنا عكرمة بن إبراهيم الباهلي حدثنا عبد الله بن عبد الرحمٰن بن أبي ذباب عن أبيه أن عثمان بن عفان رضي الله عنه صلى بمنى أربع ركعات فأنكره الناس عليه فقال: يا ايها الناس إني تأهلت بمكة منذ قدمت وإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: من تأهل في بلد فليصل صلاة المقيم..... (مسند احمد:۱/۳۵۱).

اس روایت کا جواب یہ ہے کہ دیگر بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض اہل مکہ میں رہتے تھے اس وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ نے اتمام فرمایا۔

ملاحظہ ہو کفایہ شرح ہدایہ میں ہے:

ولو كان له أهل ببلدة فاستحدث في بلدة أخرى أهلاً آخر كان كل واحد منهما وطناً أصلياً له روى أنه كان لعثمان رضي الله عنه أهل بمكة وأهل بالمدينة وكان يتم الصلاة بهما جميعاً.

(كفاية شرح هداية:۲/۱۷).

محض شادی کرنا اتمام کے لئے کافی ہوتا تو نبی پاک ﷺ نے بھی مکہ مکرمہ میں شادی فرمائی تھی اس کے باوجود

Maktaba Tul Ishaat.com

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر قصر فرمایا تھا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

قال حدثني يحيى بن أبي إسحاق سمعت أنساً ﷺ يقول: خرجنا مع النبي ﷺ من المدينة إلى مكة فكان يصلي ركعتين ركعتين حتى رجعنا إلى المدينة قلت: أقمتم بمكة شيء قال: أقمنا بها عشراً. (رواه البخاري: ۱/۱۴۷).

کفایہ میں ہے:

ألا ترى أن مكة كانت وطناً أصلياً لرسول الله ﷺ ثم لما هاجر منها إلى المدينة بأهله وتوطن ثمة انتقض وطنه بمكة حتى قال عليه الصلاة والسلام عام حجة الوداع أتموا صلاتكم يا أهل مكة فإنا قوم سفر. (الكفاية: ۲/۱۷).

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ رقمطراز ہیں:

کسی شہر میں محض نکاح کر لینے سے وہ وطنِ اصلی نہیں ہو جاتا، بلکہ اہل کا وہاں رکھنا اور وہاں سے منتقل نہ کرنا شرط ہے.....اور حضرت عثمان ﷺ کے قصہ میں بھی ان کے اتمام کا سبب محض تزوج نہ تھا، بلکہ اہل کا وہاں تزوج کے بعد مکہ میں رکھنا سبب تھا۔ (امداد الاحکام: ۱/۶۹۶)۔

نیز اس حدیث پر محدثین نے جرح کی ہے۔

ملاحظہ ہو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

فهذا الحديث لا يصح لانه منقطع وفي رواته من لا يحتج به. (فتح الباري: ۲/۵۷۰، باب يقصر اذا خرج من موضعه)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شادی کے بعد لڑکی کے لیے میکے میں قصر کا حکم:

سوال: اگر کسی لڑکی کا نکاح کسی ایسے شہر میں ہو جائے جو لڑکی کے والدین سے ۸۱ کلومیٹر سے زائد کی مسافت پر ہو اور وہ لڑکی والدین کے ہاں دس دن گذارنے کے لئے آجائے تو قصر کرے گی یا اتمام؟

الجواب: شادی کے بعد لڑکی نے اپنے سسرال کو وطنِ اصلی بنالیا اور وہیں پر سکونت اختیار کر لی پھر اپنے میکے میں دس دن گذارنے کے لئے آجائے تو قصر کرے گی۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

والوطن الأصلي هو وطن الإنسان في بلدته أو بلدة أخرى اتخذها داراً وتوطن بها مع

أهله وولده وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها وهذا الوطن يبطل بمثله لاغير وهوأن يتوطن في بلدة أخرى وينقل الأهل إليها فيخرج الأول من أن يكون وطناً أصلياً حتى لو دخله مسافراً لايتم. (البحرالرائق:۲/۱۳۶،باب المسافر،الماجدية۔وكذافي حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:ص۴۲۹، باب صلاة المسافر،قديمي۔وكذافي شرح منية المصلي:ص۵۴۱،سهيل ايكدمي)

امدادالاحکام میں ہے:

اگر بیوی اپنے وطن میں نہیں رہتی بلکہ شوہر کے پاس رہتی ہے تو شوہر اور بیوی دونوں بحالتِ سفر وہاں قصر کریں گے۔**بدليل قصره ﷺ وأهله بمكة۔**(امدادالاحکام:۱/۷۱۹،فصل فی صلاۃ المسافر)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/۴۸۳۔واسلامی فقہ ازمولانا مجیب اللہ ندوی:۱/۲۹۵۔وآپ کے مسائل اوران کاحل:۲/۳۸۳۔وبہشتی زیور:۲/۵۰۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شوہر نے بیوی کو کسی اور شہر میں ٹھہرایا جب شوہر وہاں جائے تو قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص کسی اور جگہ رہتا ہے اور بیوی کو کسی دوسری جگہ رکھا ہے اس شخص کی آمدورفت اکثر بیوی کے ہاں رہتی ہے تو اس آمدورفت میں اگر ۱۵ دن سے کم رہنے کی نیت ہو تو قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شوہر اس آمدورفت میں بیوی کے ہاں اتمام کرے گا، اس لئے کہ یہ اس کا وطنِ اصلی ہے، اور وطنِ اصلی ایک سے زائد ہو سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو فتاوی سراجیہ میں ہے:

إذا دخل المسافر بلدة له فيهاأهل صارمقيماً نوى الإقامة أولا. (الفتاوى السراجية: ص۱۲،آرام باغ كراچی ،باب صلاة المسافر)

البحرالرائق میں ہے:

قيدنا بكونه انتقل عن الأول بأهله لأنه لولم ينتقل بهم ولكنه استحدث أهلاً في بلدة أخرى فإن الأول لم يبطل ويتم فيها. (البحرالرائق:۲/۱۳۶،باب المسافر،الماجدية)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا لم ينقل أهله بل استحدث أهلاً أيضاً ببلدة أخرى فلايبطل وطنه الأول وكل منها وطن أصل له.وفي الطحطاوي:وكذا لواستحدث أهلاً في ثلاث مواضع فالحكم واحد فيما

Maktaba Tul Ishaat.com

یظهر.(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی:ص۴۲۹،قدیمی)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:امدادالاحکام:۱/۱۹۷،فصل فی صلاۃ المریض والمسافر،دارالعلوم کراچی)۔واللہ ﷻ اعلم۔

مقیم مسافر کے پیچھے اپنی بقیہ نماز قراءت کے ساتھ ادا کریگا:

سوال: اگر مقیم نے مسافر کے پیچھے دو رکعت پڑھی پھر اپنی بقیہ دو رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو اب ان دونوں رکعتوں میں قراءت کرے گا یا نہیں؟

الجواب: بعض کتبِ فقہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منفرد کی طرح ہے لہذا قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ قراءت مستحب ہونی چاہئے،البتہ بعض دیگر کتب میں عدم قراءت والا قول مرقوم ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولا قراء ة على المقتدى فى بقية صلا ته إذا كان مدركاً،أى لايجب عليه لأنه شفع أخير فى حقه ومن مشائخنا من قال:ذكرفى الأصل ما يدل على وجوب القرا ء ة فإنه قال: إذا سها يلزمه سجود السهو.(بدائع الصنائع:۱/۲۷۷، صلاة المسافر،سعيد)

شرح النقایہ میں ہے:

إذا سلم المسافرأتم المقيم منفرداً لأنه التزم الموافقة فى الركعتين فصار كالمسبوق فى التزام بعض الصلاة مع الإمام وأداء باقيها منفرداً فيقرأ وقيل:لايقرأ لأنه لاحق أدرک أول الصلاة.(شرح النقاية:۱/۲۸۴، صلاة المسافر)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله فى الأصح) وقال الحلوانى:يقرأ، قهستانى.(طحطاوى على الدر:۱/۳۳۵)

دوسرے قول کے دلائل ملاحظہ ہو: فتاوى قاضى خان على هامش الهندية:۱/۱۶۹۔والهندية: ۱/۱۴۳۔ والشامى:۲/۱۲۹،سعيد۔والبحرالرائق:۲/۱۳۵۔وهدايه مع الفتح :۲/۴۰۔**واللہ ﷻ اعلم**۔

مسافر شافعی کے اتمام کرنے سے مسافر حنفی کی نماز کا حکم:

سوال: ایک حنفی مسافر نے شافعی مسافر کی ظہر کی نماز میں اقتداء کر لی،شافعی نے اتمام کیا تو حنفی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: امام کی نیت کا اعتبار کرتے ہوئے حنفی کی نماز صحیح ہوگی، کیونکہ شافعی کے نزدیک ۲ پڑھنا رخصت ہے اور ۴ کی بھی اجازت ہے۔

لیکن عام فقہاء نے لکھا ہے کہ مقتدی کے مذہب کا اعتبار ہے تو اس قول کی روشنی میں مقتدی کی نماز صحیح نہیں ہونا چاہئے، لیکن حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ مقتدی کے مذہب کے اعتبار کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتدی کے نزدیک امام فرائض کو پورا کردے اور مفسدات کا ارتکاب نہ کرے اگر مقتدی کے مذہب میں ترک واجبات کرے تو یہ اقتداء اور صحتِ نماز کے لئے کافی ہے، صورتِ مسئولہ میں بھی فرائض کی ادائیگی ہوئی ہاں نفل کا خلط فرض کے ساتھ لازم آیا جو ترک فرائض کے ذیل میں نہیں آتا لہذا نماز صحیح ہوگئی۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن إبراهيم قال: سمعت عبدالرحمٰن بن زيد يقول: صلى بناعثمان ﷺ بمنى أربع ركعات فقيل فى ذلك لعبدالله بن مسعود ﷺ فاسترجع ثم قال: صليت مع رسول الله ﷺ بمنىٰ ركعتين وصليت مع أبى بكر الصديق ﷺ بمنى ركعتين وصليت مع عمر بن الخطاب ﷺ بمنى ركعتين فليت حظى من أربع ركعات ركعتان مقبلتان. (رواه البخارى: ۱۰۷۳/۱۴۷/۱، باب الصلاة بمنى، فيصل)

حضرت مولانا یوسف بنوریؒ نے معارف السنن میں تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال شيخنا (مولانا أنورشاه الكشميرىؒ): والحق أنه لاعبرة لرأى المأموم بل للإمام حيث توارثت عن السلف والقدماء كلهم الاقتداء خلف أئمة مخالفين لهم فى الفروع. فالصحابة ﷺ والتابعونؒ وكذا أئمة المتبوعين كانوا يصلون خلف إمام واحد مع أنهم مجتهدون أصحاب المذاهب والآراء فى الفروع مع كثرة الاختلاف والتباين فى آرائهم واقوالهم، ولم ينقل عن أحد منهم نكيرأوخلاف فى ذلك. نعم هم إذا صلوا منفردين كانوا يتبعون مذاهبهم إن كانوا أهل مذهب أويتبعون أهل المذاهب إن كانوامقلدين لهم. (معارف السنن: ۱۶۰/۱، سعيد)

حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی فیض الباری میں فرمایا ہے کہ اقتداء جائز ہے اور نماز صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو:

قلت: هذه المسئلة مجتهد فيها والاقتداء فى جنس هذه المسائل يجوزمن واحد لآخر كمافى الدرالمختارعند تعديد الواجبات فصرح فى ضمنه أن المتابعة تصح عندنا فى

Maktaba Tul Ishaat.com

الاجتهاديات كلها وأوضحه الشافعيؒ ونقله الحافظ ابن تيميةؒ عن الأئمة الأربعة قلت: فهذا باب عندنا وسيع.....وقد قدمنا الكلام فيه مبسوطاً ويدل عليه أن الخليفة هارون الرشيد افتصد مرة فقام إلى الصلاة ولم يتوضأ فاقتدى به أبويوسفؒ وماذلک إلاليكون الاقتداء جائزاً ولولاذلک لماكان أبويوسفؒ ليقتدى به فإنه أورع من ذلک ..... (فيض الباری علی صحیح البخاری:۲/۳۹۶،باب الصلاة،بمنی المكتبة العزيزية)

اقتداء بالمخالف کے سوال کے جواب میں امداد الفتاوی میں مذکور ہے:

امرِ اول: اس لئے کہ اس مسئلہ میں منجملہ اقوالِ مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے جو درمختار میں بحر سے نقل کی ہے: ''**بقوله أن يتقن المراعات لم يكره أوعدمها لم يصح وان شک كره**'' اور جس کی ترجیح رد المحتار میں حلبی سے نقل کی ہے: ''**بقوله هذا هوالمعتمد لأن المحققين جنحوا إليه وقواعد المذهب شاهدة عليه الخ**'' البتہ اس تفصیل کے جز وثالث کو میں مأول ومقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلافِ اولیٰ ہے، تقیید یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور اعراض عن الجماعۃ وغیرہ کے میسر ہو: **ومبنى التأويل ما نقله فى رد المحتارعن حاشية الرملى على الأشباه الذى يميل إليه خاطرى القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسد.ووجه التقييد ظاهر.** نیز مراعات کا محل صرف فرائض ہیں **كما فى رد المحتارأى المراعات فى الفرائض من شروط وأركان فى تلک الصلاة وإن لم يراع فى الواجبات والسنن كما هوظاهرسياق كلام البحروظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال وأما الاقتداء بالمخالف فى الفروع كالشافعى فيجوزمالم يعلم منه ما يفسدالصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع إنما اختلف فى الكراهة.**

قلت: فى التمثيل بالشافعى الذى الأصل فيه عدم التعصب... (امدادالفتاوی۱/۳۰۶)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسافر مقیم کی اقتداء میں اتمام کرلے پھر فساد کی وجہ سے قصر کا حکم:

سوال: اگر مسافر نے مقیم کے پیچھے چار رکعت پڑھ لی، اور امام کی نماز فاسد ہوگئی پھر مسافر اپنی نماز پڑھے گا تو چار پڑھے گا یا دو پڑھے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کی نماز فاسد ہوجانے کی وجہ سے مسافر اگر تنہا پڑھے تو دو رکعت

پڑھے گا۔ ملاحظہ ہو شامی ہے: **ولو أفسده صلى ركعتين لزوال المغير**. (شامی:۲/۱۳۰،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن اقتدى مسافر بمقيم أتم أربعاً وإن أفسده يصلي ركعتين. (الفتاوى الهندية:۱/۱۴۲، باب صلاة المسافر۔وكذافي بدائع الصنائع:۱/۹۳،سعيد)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

مسافر کی اقتداء مقیم کے پیچھے وقت کے اندر درست ہے پس اگر مسافر نے وقت کے اندر مقیم امام کی اقتداء کی تو چار رکعتیں پوری پڑھے بوجہ متابعتِ امام، اور اگر اس کو فاسد کر دیا یا کسی وجہ سے فاسد ہو گئی تو اب اگر اکیلا پڑھے یا مسافر کی اقتداء کر لے تو دو رکعتیں پڑھے کیوں کہ جس وجہ سے چار لازم ہوئی تھیں وہ وجہ زائل ہو گئی اور اگر پھر مقیم کی اقتداء کی تو چار پڑھے۔ (عمدۃ الفقہ:۲/۴۲۲، مسافر کی نماز کا بیان، کراچی۔ وکذا فی فتاوی رحیمیہ:۵/۱۳)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

واپسی میں مسافت شرعی والا راستہ اختیار کرنے پر قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص اسپرنگ سے لینس ایسے راستہ سے پہنچا جس میں مسافتِ شرعی طے نہیں ہوئی تو لینس میں اس نے قصر نہیں کیا لیکن واپسی دوسرے راستہ سے ہوئی جو مسافتِ شرعی کے بقدر ہے تو واپسی میں قصر کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور واپسی میں قصر کرے گا۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قال في البحر: وعلى هذا قالوا: أمير خرج مع جيشه في طلب العدو ولم يعلم أين يدركهم فإنه يتم وإن طالت المدة أو المكث، أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر.

(فتاوی الشامی:۲/۱۲۲، باب صلاة المسافر، سعید۔ وكذافي الطحطاوي على الدر:۱/۳۳۰۔ والبحر الرائق:۲/۱۲۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وطنِ اصلی میں داخل ہونے سے پہلے مسافر ہے:

سوال: ایک شخص کئی سال سے مدرسہ میں مقیم ہے، اور شروع میں دو تین ہفتے کے بعد گھر جاتا تھا اور اب ہر ہفتہ جاتا ہے اس کا گھر روشنی میں ہے ظاہر ہے کہ روشنی کا رہنے والا یہاں مسافر نہیں ہے وہ کسی کام سے

Maktaba Tul Ishaat.com

ایک دن کے لئے ڈربن گیا اور واپس آیا اب گھر جانے سے پہلے وہ مسافر ہوگا یا مقیم؟

الجواب: سفر شرعی طے کرنے والا شخص مسافر سمجھا جائے گا یہاں تک کہ وہ اپنے شہر میں داخل ہوجائے یا کسی جگہ ۱۵ دن یا اس سے زیادہ رہنے کی نیت کرلے تو پھر اتمام کرے گا۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولایزال علی حکم السفر حتی ینوی الإقامة فی بلدة أوقریة خمسة عشریوماً أو أکثر کذا فی الهدایة. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۳۹، باب صلاة المسافر)

شامی میں ہے:

قوله: حتی یدخل موضع مقامه إن سارمدة السفر أی إنما یدوم علی القصر إلی الدخول إن سارثلاثة أیام. (شامی: ۲/۱۲۴، باب صلاة المسافر)

نیز ملاحظہ ہو: (فتح القدیر: ۲/۳۴، دارالفکر۔ والبحر الرائق: ۲/۱۳۱، الماجدیة)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مقیم امام نماز توڑ دے تو مسافر مقتدی کی نماز کا حکم:

سوال: مسافر نے مقیم امام کے پیچھے اقتداء کی مقیم امام نے رکعتِ ثانیہ کے قعدہ میں قصداً نماز توڑ دی اب مسافر دو رکعت پڑھے یا سابقہ تحریمہ کی وجہ سے چار پڑھے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مسافر نے فرض نماز کی اقتداء کی تھی تو دو رکعت پڑھے گا، اور اگر نفل کی نیت سے اقتداء کی تھی تو چار پڑھے گا۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن اقتدی مسافر بمقیم أتم أربعاً وإن أفسده یصلی رکعتین بخلاف مالو اقتدی به بنیة النفل ثم أفسد حیث یلزم الأربع کذا فی التبیین. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۴۲، باب صلاة المسافر)

البحر الرائق میں ہے:

فلو أفسده صلی رکعتین لزواله بخلاف مالو اقتدی بالمقیم فی فرضه ینوی النفل حیث یصلی أربعاً إذا أفسده لأنه التزم أداء صلاة الإمام وهنا لم یقصد سوی إسقاط فرضه. (البحر الرائق: ۲/۱۳۴، باب المسافر، الماجدیة۔ وکذا فی الشامی: ۲/۱۳۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وطنِ اقامت سے سفر کرنے کے بعد دوبارہ گذر ہوتو قصر کا حکم:

سوال: اگر کسی آدمی نے کسی ملک کا سفر کیا وہاں چھ ماہ مقیم رہا پھر دوسری جگہ کا سفر کیا جو تقریباً ۶۰۰ کلومیٹر دور ہے اس کے بعد جب وہ پہلی جگہ پر لوٹا صرف پانچ دن رہنے کی نیت سے تو قصر کرے گا یا اتمام؟ اور امام بنے تو کیا کرے گا؟

الجواب: وطنِ اقامت سفرِ شرعی سے باطل ہوجاتا ہے، جب کہ سامان وغیرہ کچھ نہ ہو اور واپسی کا ارادہ بھی نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ جب دوبارہ لوٹے اور ۱۵ دن سے کم کی نیت ہے تو قصر کرے گا اگر امام بنے تب بھی قصر لازم ہے۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ووطن الإقامة ينتقض بالوطن الأصلي.....وينتقض بالسفر أيضاً لأن توطنه في هذا المقام ليس للقرار ولكن لحاجة فإذا سافر منه يستدل به على قضاء حاجته فصار معرضاً عن التوطن به فصار ناقضاً له دلالة. (بدائع الصنائع: ۱/۱۰۴، مطلب في ان الاوطان ثلاثة، سعيد)

شامی میں ہے:

قوله وبانشاء السفر أي منه وكذا من غيره إذا لم يمر فيه عليه قبل سير مدة السفر قال في الفتح: أن السفر الناقض لوطن الإقامة ماليس فيه مرور على وطن الإقامة أو ما يكون المرور فيه به بعد سير مدة السفر، أقول: ويوضح ذلك ما في الكافي والتتارخانية: خراساني قدم بغداد ليقيم بها نصف شهر.....وأفاد أن انشاء السفر من وطن الإقامة مبطل له وإن عاد إليه ولذا قال في البدائع: لو أقام خراساني بالكوفة نصف شهر ثم خرج منها إلى مكة فقبل أن يسير ثلاثة أيام عاد إلى الكوفة لحاجة فإنه يقصر لأن وطنه قد بطل بالسفر.

(شامی: ۲/۱۳۲، باب صلاة المسافر، سعيد)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسافر مقتدی مسافر امام کے پیچھے اتمام کی نیت کرے تو نماز کا حکم:

سوال: ایک مسافر شخص مسجد میں آیا اور غالب گمان کے موافق امام کی اقتداء میں ظہر کی چار رکعت کی نیت کرلی بعد میں معلوم ہوا کہ امام بھی مسافر ہے، اب نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: تعدادِ رکعت میں غلطی نماز کے منافی نہیں ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مسافر مقتدی کی

Maktaba Tul Ishaat.com

نماز مسافر امام کے پیچھے صحیح ہوگئی۔ ہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ امام کا حال معلوم نہیں پھر کیسے نماز صحیح ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء میں ضروری نہیں بلکہ درمیان میں یا نماز کے بعد متصل معلوم ہونا صحتِ نماز کے لئے کافی ہے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولايشترط نية عدد الركعات هكذافي شرح الوقاية،حتى لونواهاخمس ركعات وقعد على رأس الرابعة أجزأه وتلغونية الخمس كذافي شرح منية المصلى لابن أميرالحاج .

(الفتاوى الهندية:١/٦٦-وشرح منية المصلى:ص٥٤٣،سهيل -وشرح النقاية:١/١٤٧)

الدرالمختار میں ہے:

وندب للإمام أن يقول أتموا صلا تكم فإني مسافر، هذا يخالف الخانية وغيرهاأن العلم بحال الإمام شرط لكن في حاشية الهداية للهندى الشرط العلم بحاله في الجملة لافي حال الابتداء.....وفي الشامي:قوله ان العلم.....ثم وجه المخالفة أنه إذاكان يشترط لصحة الاقتداء العلم بحال الإمام من كونه مسافراً أومقيماً لايكون لقول الإمام أتموا صلا تكم فائدة لأن المتبادر أن الشرط لا بد من وجوده في الابتداء و اتفاقهم على استحباب قول الإمام ذلك لرفع التوهم ينافي اشتراط العلم بحاله في الابتداء قوله لكن .....أورد ذلك سوالاً في النهاية والسراج والتتارخانية ثم أجابوا بما يرجع إلى ذلك الجواب وحاصله:تسليم اشتراط العلم بحال الإمام ولكن لايلزم كونه في الابتداء فحيث لم يعلموا ابتداء بحاله كان الاخبارمندوباً وحينئذٍ فلامخالفة فافهم.....والحاصل أنه يشترط العلم بحال الإمام إذاصلى بهم ركعتين في موضع الإقامة وإلا فلا. (الدرالمختارمع الشامي:٢/١٢٩،سعيد)

طحطاوی میں ہے: **قوله في الجملة أي في الابتداء أوالانتهاء وعليه يحمل مافي الخانية.** (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار:١/٣٣٥)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسافر سہواً تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا پھر یاد آیا تو کیا کرے؟

سوال: ایک مسافر شخص ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا سہواً تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا پھر یاد آیا کہ میں

مسافر ہوں تو اب کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مسافر نے اگر قعدۂ اولیٰ کیا تھا پھر تیسری رکعت کے سجدہ سے قبل یاد آیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور نماز پوری کرلے، اور اگر سجدہ کے بعد یاد آیا تو چار رکعت پوری کرے اخیری دو رکعت ظہر کی سنت ہوگی، اور بہرصورت سجدۂ سہو واجب ہوگا تاخیر سلام کی وجہ سے۔ اور اگر قعدۂ اولیٰ نہیں کیا تھا اور تیسری رکعت کا سجدہ بھی کرلیا تو نماز فاسد ہوگئی از سرِ نو قصر کرنا ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

مسافر صلی الظهر رکعتین وقام إلی الثالثة ناسیاً بعد ماقعد قدرالتشهد ثم تذکر ذلک فی قیام الثالثة أوفی رکوعها فإنه یعود ویقعد، وإن تذکر بعد ماقیدالثالثة بالسجدة یتم صلاته أربعاً وکانت الثالثة والرابعة له سنة الظهر، وإن لم یکن قعدعلی رأس الرکعتین إن تذکرفی قیام الثالثة عاد، وإن لم یعد حتی قیدها بالسجدة فسدت صلاته. (الفتاوی التتارخانیة: ۳/۲، ادارة القرآن۔ وکذافی فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۱۶۸/۱) ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وطنِ اصلی دوسرے وطنِ اصلی سے باطل ہوجاتا ہے:

سوال: کسی شخص کا وطنِ اصلی بینونی (Benoni) تھا وہاں سے بیلفور (Balfour) منتقل ہوگیا اور اس کو وطن بنالیا، شادی کے بعد دوبارہ بینونی (Benoni) مع اہل وعیال واپس آگئے اور صرف بینونی (Benoni) کو وطنِ اصلی بنالیا تو اب بیلفور (Balfour) جانے پر یہ شخص مسافر رہے گا یا مقیم؟

الجواب: وطنِ اصلی کو چھوڑ کر دوسرا وطنِ اصلی بنالیا جائے تو پہلا وطنِ اصلی باطل ہوجاتا ہے لہٰذا اب سائل کا وطنِ اصلی بینونی (Benoni) شمار ہوگا۔ بیلفور (Balfour) وطنِ اصلی نہیں رہا وہاں جانے پر مسافر شمار ہوگا۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

الوطن الأصلی هوموطن ولادته أوتأهله أوتوطنه ویبطل بمثله إذالم یبق له بالأول أهل. وفی الشامی: قوله أوتوطنه أی عزم علی القرارفیه وعدم الارتحال وإن لم یتأهل، فلوکان له أبوان ببلد غیرمولده وهوبالغ ولم یتأهل به فلیس ذلک وطناً له إلا إذا عزم علی القرارفیه وترک الوطن الذی کان له قبله شرح منیة. قوله ویبطل بمثله، سواء کان بینهما مسیرة سفر أولا، ولا خلاف فی ذلک کما فی المحیط قهستانی. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱۳۱/۲، باب

Maktaba Tul Ishaat.com

صلاة المسافر،سعید۔وکذافی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۴۲۹، باب صلاة المسافر، قدیمی۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/۱۴۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

والدین کی جائے اقامت میں قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا پھر وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا جہاں ملازمت وغیرہ کرتا ہے۔اب اس شخص کے لئے درست ہے کہ ملازمت کی جگہ کو وطنِ اصلی قرار دیکر پہلے وطنِ اصلی میں اپنے آپ کو مسافر شمار کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سائل جب مع اپنے اہل وعیال اور سامان کے ملازمت کی جگہ منتقل ہوگیا اور وہیں رہنے کا ارادہ بھی کرلیا تو جائے ملازمت اس کے لئے وطنِ اصلی بن گیا اب پہلی جگہ آئے تو مسافر شمار ہوگا۔اس لئے کہ صرف والدین کا ہونا وطنِ اصلی کے لیے کافی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ومن كان له وطن فانتقل منه واستوطن غيره ثم سافر فدخل وطنه الأول قصر لأنه لم يبق وطناً له ألا ترى أنه عليه الصلاة والسلام بعد الهجرة عد نفسه بمكة من المسافرين .

(هداية: ۱/۱۶۷)

بدائع الصنائع میں ہے:

فالوطن الأصلي ينتقض بمثله لا غير وهو أن يتوطن الإنسان في بلدة أخرى وينقل الأهل إليها من بلدته فيخرج الأول من أن يكون وطناً أصلياً له حتى لو دخل فيه مسافراً لا تصير صلاته أربعاً وأصله أن رسول الله ﷺ والمهاجرين من أصحابه رضی اللہ عنہم كانوا من أهل مكة وكان لهم بها أوطان أصلية ثم لما هاجروا وتوطنوا بالمدينة وجعلوها داراً لأنفسهم انتقض وطنهم الأصلي بمكة حتى كانوا إذا أتوا مكة يصلون صلاة المسافرين حتى قال النبي ﷺ حين صلى بهم أتموا يا أهل مكة صلاتكم فإنا قوم سفر. (بدائع الصنائع: ۱/۱۰۳،سعید۔وکذافی الفتاوی الهندیة: ۱/۱۴۲۔والبحرالرائق ۲/۱۳۶،باب المسافر،الماجدیة:) ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کسی شخص کا یہ کہنا کہ والدین کا وطن بھی میرا وطنِ اصلی ہے:

سوال: ایک شخص مع اپنے اہل وعیال کے جائے ملازمت منتقل ہوگیا ہے لیکن والدین دوسری جگہ

مقیم ہیں یہ شخص والدین کے وطن کو بھی اپنا وطنِ اصلی قرار دیتا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور نے جائے ملازمت کو اپنا وطنِ اصلی نہیں بنایا بلکہ صرف اقامت کی نیت ہے اور والدین کی جائے اقامت کو وطنِ اصلی قرار دیتا ہے تو یہ صحیح ہے۔ کیوں کہ وطنِ اصلی وطنِ اقامت سے باطل نہیں ہوتا۔ اور اگر دونوں کو وطنِ اصلی شمار کرتا ہے تو کچھ شرائط ہیں: مثلاً دوسری جگہ شادی کی ہو اور بیوی وہیں مقیم ہو یا دونوں جگہ گھر ہو اور سامان وغیرہ بھی موجود ہو نیز رہنے کا بھی عزم ہو منتقل نہ ہو گیا ہو وغیرہ۔

تاہم مسئلہ کی ظاہری شکل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شخصِ مذکور کے لئے جائے ملازمت وطنِ اصلی کے درجہ میں ہے، اور والدین کی جگہ وطنِ اصلی نہیں کیوں کہ صرف والدین کا ہونا وطن ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ثم الوطن الأصلي يجوز أن يكون واحداً أو أكثر من ذلك بأن كان له أهل ودار في بلدتين أو أكثر ولم يكن من نيته الخروج منها. (بدائع الصنائع: ۱/۱۰۳، سعيد)

ہدایہ میں ہے:

ومن كان له وطن فانتقل منه واستوطن غيره ثم سافر فدخل وطنه الأول قصر لأنه لم يبق وطناً له ألا ترى أنه عليه الصلاة والسلام بعد الهجرة عد نفسه بمكة من المسافرين.

(هداية: ۱/۱۶۷)

بدائع الصنائع میں ہے:

فالوطن الأصلي ينتقض بمثله لا غير وهو أن يتوطن الإنسان في بلدة أخرى وينقل الأهل إليها من بلدته فيخرج الأول من أن يكون وطناً أصلياً له حتى لو دخل فيه مسافراً لا تصير صلاته أربعاً وأصله أن رسول الله ﷺ والمهاجرين من أصحابه رضي الله عنهم كانوا من أهل مكة وكان لهم بها أوطان أصلية ثم لما هاجروا وتوطنوا بالمدينة وجعلوها داراً لأنفسهم انتقض وطنهم الأصلي بمكة حتى كانوا إذا أتوا مكة يصلون صلاة المسافرين حتى قال النبي ﷺ حين صلى بهم أتموا يا أهل مكة صلاتكم فإنا قوم سفر. (بدائع الصنائع: ۱/۱۰۳، سعيد۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۱۴۲۔ والبحر الرائق: ۲/۱۳۶، باب المسافر، الماجدية)

امداد الاحکام میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

نصوصِ فقہیہ سے چند امور مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) وطنِ اصلی وہ ہے جس میں تعیش مع الاہل ہو اور وہاں سے ارتحال ونقل اہل کا قصد نہ ہو۔

(۲) جب کسی دوسرے مقام میں توطن کا ارادہ ہو تو بدونِ نقلِ اہل کے پہلا وطن باطل نہ ہوگا۔

(۳) وطنِ اصلی متعدد ہو سکتے ہیں حتی کہ اگر کوئی شخص چار نکاح چار شہروں میں اور ہر بیوی کو اسی کے شہر رکھے تو اس شخص کے چار وطن اصلی ہو جائیں گے۔

(۴) جس شہر میں کسی شخص کے اہل وعیال کا مستقل قیام ہو خواہ کرایہ کے مکان میں یا ذاتی مکان میں وہاں جب مسافر ہو کر پہنچے گا تو قصر باقی نہ رہے گا، بلکہ اتمام ضروری ہوگا۔

(۵) کسی شہر میں محض نکاح کر لینے سے وہ وطنِ اصلی نہیں ہو جاتا، بلکہ اہل کا وہاں رکھنا اور وہاں سے منتقل نہ کرنا شرط ہے۔ (امداد الاحکام: ۱/ ۶۹۵، فصل فی صلاۃ المسافر، کراچی)

خلاصہ: ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص بغیر اہل وعیال کے کسی جگہ کو وطنِ اصلی کہے تو بظاہر وہ وطنِ اصلی نہیں ہوگا۔ اور والدین کا شمار اہل میں نہیں ہے، بلکہ اہل سے مراد بیوی بچے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اپنے شہر کے اردگرد مسافتِ سفر طے کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص ۹۰ کلومیٹر اپنے شہر کے اردگرد سفر کرے مثلاً لینیشیا، ایلدورادو پارک، ڈکسینا تو کیا وہ قصر کرے گا یا نہیں؟

الجواب: عرفِ عام میں چونکہ لینیشیا اور ڈکسینا کو ایک ہی بستی شمار کرتے ہیں اس وجہ سے قصر نہیں کرے گا اس کا سفر حدودِ شہر میں ہوا اور مسافرِ شرعی اس وقت شمار ہوگا جب کہ سفرِ شرعی کی نیت سے حدودِ شہر تجاوز کر جائے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وأشار إلى أنه يشترط مفارقة ماكان من توابع موضع الإقامة كربض المصر وهو ماحول المدينة من بيوت ومساكن فإنه فى حكم المصر وكذا القرى المتصلة بالربض فى الصحيح. (فتاوى شامى: ۲/ ۱۲۱، سعيد۔ وكذافى شرح منية المصلى: ص ۵۳۷، سهيل ۔ والبحر الرائق: ۲/ ۱۲۸، الماجدية۔ وفتح القدير: ۲/ ۳۴، دار الفكر۔ واحسن الفتاوى: ۴/ ۷۳) ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسافر امام نے چار رکعت پڑھادی اور سجدۂ سہو کرلیا تو نماز کا حکم:

سوال: مسافر امام نے غلطی سے چار رکعتیں پڑھادی اور آخر میں سجدۂ سہو کرلیا تو نماز صحیح ہوئی یا اعادہ ضروری ہے؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق مسافر کے لئے قصر واجب ہے اتمام کی گنجائش نہیں ہے، البتہ اگر قعدۂ اولیٰ کیا ہے تو فرض ذمہ سے ساقط ہوگیا، لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر عمداً کیا ہے تو سخت گنہگار ہے اور وقت میں اعادہ واجب ہے۔ بہرصورت مقیم مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله فلو أتم وقعد في الثانية صح وإلا لا أي وإن لم يقعد على رأس الركعتين لم يصح فرضه لأنه إذا قعد فقد تم فرضه وصارت الأخريان له نفل كالفجر وصار آثماً لتأخير السلام. (البحر الرائق:۲/۱۳۰، وكذا في الهداية مع الفتح:۲/۳۲، دار الفكر۔ والفتاوى الهندية:۱/۱۳۹)

درمختار میں ہے: **فلو أتم مسافر إن قعد في القعدة الأولى تم فرضه ولكنه أساء لو عامداً لتأخير السلام وترك واجب القصر وواجب تكبير افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وهذا لا يحل كما حرره القهستاني. وفي الشامي: قوله: بعد ان فسر أساء بإثم، فعلم أن الإساءة هنا كراهة التحريم.** (الدر المختار مع الشامي:۲/۱۲۸، سعيد)

فتاوی محمودیہ میں ہے: مسافر شرعی کے لئے اتمام جائز نہیں ہے بلکہ صلاۃ رباعی کو دو پڑھنا ضروری ہے، اگر مسافر نے اتمام کیا ہے تو اس کا فرض ادا ہوگیا لیکن یہ مکروہ ہے اور سجدۂ سہو واجب ہے اگر عمداً ایسا کیا ہے تو گنہگار ہوگا اور اعادہ واجب ہوگا، اگر امام نے حالتِ امامت میں اتمام کیا ہے اور مقیم مقتدیوں نے اخیر کی دو رکعت میں بھی امام کا اقتداء کیا ہے تو مقتدیوں کی نماز فرض نہیں ہوئی۔ (فتاوی محمودیہ:۷/۵۰۹، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دورانِ سفر گاڑی چلاتے ہوئے نوافل پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص بالکل سیدھے راستے پر گاڑی چلاتا ہے اور زیادہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی

Maktaba Tul Ishaat.com

مثلاً کیپ ٹاؤن کے راستے پر ہے اور گاڑی اپنے طور پر چلتی ہے تو کیا یہ شخص نفل نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: فقہاء نے سواری چلاتے ہوئے شہر سے باہر نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اگرچہ کوڑا ہاتھ میں پکڑ کر جانور کو ڈراتا اور چھوتا ہو اور ان تمام امور کو عملِ قلیل میں شمار کیا ہیں، لہذا اس صورت پر قیاس کرتے ہوئے گاڑی چلاتے ہوئے ایک ہاتھ سے اسٹرنگ پکڑ کر نوافل پڑھ سکتا ہے، ہاں دونوں ہاتھ استعمال کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی عملِ کثیر پائے جانے کی وجہ سے۔

نیز اس بات کا خیال رہے کہ راستہ کھلا ہوا ہو اور گاڑیوں کی آمد و رفت کثرت سے نہ ہوں ورنہ تسبیحات پر اکتفاء کرنا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ جان کی حفاظت نوافل سے بھی بڑھ کر ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ویتنفل المقیم نص علی المتوھم فالمسافر من باب أولیٰ راکباً خارج المصر محل القصر فائدته شمول خارج القریة وخارج الأخبیة، انتھی، حلبی. (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۹۳)

(ویتنفل أی جازله التنفل) لأن الصلاة خیر موضوع فلو اشترط مایشق من نحو النزول یلزم الانقطاع عن الخیر قال فی المبسوط لو لم یکن فی التنفل علی الدابة من المنفعة إلا حفظ اللسان من فضول الکلام لکان کافیاً فی جوازه (بل ندب له) لفعله ﷺ کثیراً..... وإذا حرک رجله أو ضرب دابته فلا بأس به إذا لم یصنع شیئاً کثیراً (وإذا حرک) أشار به إلی أن تسییره لا یضر إذا کان بعمل قلیل وھو المعتمد. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۴۰۵، فی الصلاة علی الدابة، قدیمی)

فتاویٰ شامی میں ہے: **إذا حرک رجله أو ضرب دابته فلا بأس به إذا لم یکن کثیراً. قلت: ویدل له أیضاً ما فی الذخیرة: إن کانت تنساق بنفسها لیس له سوقها وإلا فلو ساقها هل تفسد؟ قال: إن کان معه سوط فهیبها به ونخسها لا تفسد صلاته.** (شامی: ۲/۳۹، سعید۔ وکذافی الفتاوی الهندیة: ۱/۱۴۳) ۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سفر میں جمع بین الصلاتین کا حکم:

سوال: ہم اکثر سفر میں ہوتے ہیں اور سامان وغیرہ بھی ساتھ ہوتا ہے اور راستہ میں گاڑی

روکنا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا تو کیا جمع بین الصلاتین کر سکتے ہیں؟ چونکہ دوسرے مذہب میں جائز ہے۔

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق جمع بین الصلاتین حقیقۃً جائز نہیں ہے۔ ہاں جمع صوری جائز ہے وہ اس طرح کہ مثلِ اول کے آخر میں ظہر اور مثلِ ثانی کے اول میں عصر پڑھ لے تو ایک قول کے موافق درست ہے یا مثلِ ثانی کے آخر میں ظہر اور مثلِ ثالث کے اول میں عصر پڑھ لے تو دوسرے قول کے مطابق جمع صوری ہو جائے گی۔ اسی طرح مغرب وعشاء بھی یعنی غروبِ شفق سے قبل مغرب پڑھ لے اور غروبِ شفق کے بعد عشا پڑھ لے تو یہ درست ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالک ﷺ قال: کان رسول اللّٰہ ﷺ إذا ارتحل قبل أن تزیغ الشمس أخر الظهر إلى وقت العصر ثم یجمع بینهما فإذا زاغت صلی الظهر ثم رکب. (رواه البخاری: ۱/۱۵۰/۱۱۰۰، باب یؤخر الظهر الی العصر اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس)

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن نافع قال: أقبلنا مع ابن عمر ﷺ حتی إذا کنا ببعض الطریق استصرخ علی زوجته بنت أبی عبید فراح مسرعاً حتی غابت الشمس فنودی بالصلاة فلم ینزل حتی إذا أمسی فظننا أنه قد نسی فقلت الصلاة فسکت حتی إذا کادت الشفق أن یغیب نزل فصلی المغرب وغاب الشفق فصلی العشاء وقال: هکذا کنا نفعل مع رسول اللّٰہ ﷺ إذا جد بنا السیر. (شرح معانی الآثار: ۱/۱۱۳، باب الجمع بین الصلاتین کیف هو)

فیض الباری میں ہے:

واعلم أن المصنف ؒ إماجنح إلى الجمع صورة أوالجمع فعلاً علی اصطلاحنا.....وقد مر أن عنوان تاخیر صلاة إلى صلاة أقرب بنظر الحنفیة.....ومذهب الحنفیة أن الجمع عندهم فعل فقط کماعرفت وقد مرمنی أن الجمع عندی محمول علی اشتراک الوقت فإن المثل الأول للظهر خاصة والثالث للعصر کذلک والثانی مشترک یصلح لهما إلاأن المطلوب هوالفصل ویرتفع ذلک فی السفروالمرض. (فیض الباری: ۲/۴۰۰، باب الجمع بین الصلاتین)

درمختار میں ہے:

ولا جمع بین فرضین فی وقت بعذرسفرومطر خلافاً للشافعی ومارواه محمول علی

Maktaba Tul Ishaat.com

الجمع فعلاً لاوقتاً فإن جمع فسد لوقدم الفرض على وقته وحرم لوعكس أى أخرى عنه وإن صح بطريق القضاء. وفى الشامى: وقال أبوداود: ليس فى تقديم الوقت حديث قائم وقد أنكرت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها على من يقول بالجمع فى وقت واحد وفى الصحيحين عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ والذى لاإله غيره ما صلى رسول الله ﷺ صلاة قط إلالوقتها إلاصلاتين جمع بين الظهروالعصربعرفة وبين المغرب والعشاء بجمع ويكفى فى ذلك النصوص الواردة بتعيين الأوقات من الآيات والأخباروتمام ذلك فى المطولات كالزيلعى وشرح المنية .

(الدرالمختارمع الشامى: ۱/ ۳۸۱، ۳۸۲، سعيد)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جمع بین الصلاتین شوافع کے نزدیک جائز ہے احناف کیوں نہیں کرتے؟

سوال: مسافر کے لئے عندالشوافع جمع بین الصلاتین جائز ہے ایک شخص کا یہ اشکال ہے کہ پھر کیوں حنفی کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے؟ سمجھانے کے باوجود وہ نہیں مانتا اور یہ شخص سلفی قسم کا آدمی ہے۔

الجواب: تمام ائمہ کرام نے انتہائی دیانت اور امانت سے دلائل شرعیہ کی روشنی میں مسائل شرعیہ کا استنباط کیا اور جس مسئلہ کو دلائل ونصوص کی روشنی میں ثابت پایا اسے راجح قرار دیا اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ جو جس امام کا مقلد ہو اسی امام کی پیروی کرے خواہشات پر نہ چلے ورنہ دین دین نہیں رہے گا، اتباع ہویٰ بن جائے گا، لہذا اس مسئلہ میں بھی حنفیہ نے دلائل اور نصوصِ قطعیہ کی روشنی میں اس جانب کو ترجیح دی ہے کہ جمع بین الصلاتین جائز نہیں ہے اور جہاں بھی جمع بین الصلاتین کی روایات پائی جاتی ہیں ان سے جمع حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ جمع صوری مراد ہے یعنی ایک نماز کو آخرِ وقت میں پڑھا اور دوسری نماز کو اولِ وقت میں پڑھا۔

چنانچہ ایسی روایات کو جمع حقیقی پر محمول کرنے سے بہت سے دلائل مانع ہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے:

(۱) ﴿**حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطى**﴾

(۲) ﴿**إن الصلاة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً**﴾

ان آیات کے ذیل میں مفسرین وعلمائے محققین نے یہی فرمایا ہے کہ ہر نماز کے لئے مستقل وقت ہے ایک نماز کو دوسری کے وقت میں پڑھنا درست نہیں ہے۔ احادیث ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

(۳) **قال سمعت أبا عمرو الشيبانى يقول حدثنا صاحب هذه الدار وأشار إلى**

دارعبداللّٰہ بن مسعود ﷺ فقال:سألت النبی ﷺ أی العمل أحب إلی اللّٰہ قال:الصلاۃ علی وقتھا. (رواہ البخاری:۱/۷۶)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا اللہ ﷻ کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے۔

(۴) بخاری شریف میں ہے:

عن عبداللّٰہ بن مسعود ﷺ قال:مارأیت النبی ﷺ صلی صلاۃ لغیر میقاتھا إلا صلاتین جمع بین المغرب والعشاء (بالمزدلفۃ) وصلی الفجر(یومئذٍ) قبل میقاتھا. (بخاری شریف:۱/۲۲۸)

جمع صوری کے دلائل: علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

ومما یدل علی تعیین حمل حدیث الباب علی الجمع الصوری ماأخرجہ النسائی عن ابن عباس ﷺ بلفظ"صلیت مع النبی ﷺ الظھر والعصر جمیعاً والمغرب والعشاء جمیعاً أخر الظھر وعجل العصر، وأخر المغرب وعجل العشاء" فھذا ابن عباس ﷺ راوی حدیث الباب قد صرح بأن مارواہ من الجمع المذکور ھو الجمع الصوری. (نیل الاوطار:۳/۲۳۰،باب جمع المقیم لمطرأوغیرہ)

اس کی تائید میں ایک اور روایت نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

ومما یؤید ذلک ماروا ہ الشیخان عن عمرو بن دینار أنہ قال:"یاأباالشعثاء أظنہ أخر الظھر وعجل العصر، وأخر المغرب وعجل العشاء؟ قال: وأنا أظنہ،وأبو الشعثاء ھو راوی الحدیث عن ابن عباس ﷺ کماتقدم. (نیل الاوطار:۳/۲۳۰،باب جمع المقیم لمطرأوغیرہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ بھی جمع صوری کے قائل تھے ورنہ ان کی روایتوں میں تعارض ہوجائے گا اس لئے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ نے عرفہ اور مزدلفہ کے علاوہ کبھی دو نمازوں کو جمع نہیں فرمایا۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

نفی ابن مسعود ﷺ مطلق الجمع وحصرہ فی جمع المزدلفۃ مع أنہ ممن روی حدیث الجمع بالمدینۃ کماتقدم،وھو یدل علی أن الجمع الواقع بالمدینہ صوری، ولو کان جمعاً حقیقیاً لتعارض روایاتہ. (نیل الاوطار:۳/۲۳۰،باب جمع المقیم لمطرأوغیرہ)

Maktaba Tul Ishaat.com

حافظ ابن حجرؒ جو شافعی المسلک ہے وہ خود فرماتے ہیں کہ جمع صوری کا رجحان زیادہ قوی ہے۔

قال الحافظ أيضاً: ويقوى ماذكر من الجمع الصورى أن طرق الحديث كلها ليس فيها تعرض لوقت الجمع، فاما أن يحمل على مطلقها فيستلزم إخراج الصلاة عن وقتها المحدود بغير عذر واما أن يحمل على صفة مخصوصة لايستلزم الإخراج ويجمع بين متفرق الأحاديث، فالجمع الصورى أولىٰ والله أعلم. (نيل الاوطار: ۳/ ۲۳۰، باب جمع المقيم لمطر أوغيره)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع صوری کو جمع سے تعبیر کیا کرتے تھے۔

ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

وعن أنس رضي الله عنه أنه كان إذا أراد أن يجمع بين الصلاتين فى السفر أخر الظهر إلى آخر وقتها وصلاها وصلى العصر فى أول وقتها ويصلى المغرب فى آخر وقتها ويصلى العشاء فى أول وقتها، ويقول هكذا كان رسول الله ﷺ يجمع بين الصلاتين فى السفر. (مجمع الزوائد: ۲/ ۱۶۳، دارالفكر)

نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر میں جمع صوری فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار میں ہے:

عن نافع قال: أقبلنا مع ابن عمر رضي الله عنه حتى إذا كنا ببعض الطريق استصرخ على زوجته بنت أبى عبيد فراح مسرعاً حتى غابت الشمس فنودى بالصلاة فلم ينزل حتى إذا أمسى فظننا أنه قد نسى فقلت الصلاة فسكت حتى إذا كادت الشفق أن يغيب نزل فصلى المغرب وغاب الشفق فصلى العشاء وقال: هكذا كنا نفعل مع رسول الله ﷺ إذا جد بنا السير. (شرح معانى الآثار: ۱/ ۱۲۱، باب الجمع بين الصلاتين كيف هو)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

واستدل الحنفية على عدم جواز الجمع حقيقة فى غير عرفات والمزدلفة بقوله تعالىٰ: ﴿حافظوا على الصلوات﴾ أى أوردوها فى أوقاتها وبقوله تعالىٰ: ﴿إن الصلاة كانت على مؤمنين كتاباً موقوتاً﴾ أى لها وقت معين له ابتداء لايجوز التقدم عليه وانتهاء لايجوز التأخر عنه، وحملوا الرويات التى فيها الجمع فى السفر على الجمع الصورى لأنه صلى الله

علیہ وسلم صلی أول الصلاة فی آخر وقتها وثانیها فی أول وقتها لئلا یعارض خبر الواحد الآیة القطعیة". (بذل المجهود فی حل ابی داؤد:۲۸۳/۶،المکتبة الامدادیة)

نیز محدثین میں سے بھی کئی حضرات نے جمع حقیقی کا صراحۃً انکار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

حدثنا یزید بن هارون عن هشام عن الحسن ومحمد قالا: مانعلم من السنة الجمع بین الصلاتین فی حضر ولافی سفر إلابین الظهر والعصر بعرفة وبین المغرب والعشاء بجمع. (مصنفِ ابن ابی شیبة:۴۵۹/۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جمع بین الصلاتین کے جواز کا قول:

سوال: ہمارے بعض فقہائے کرام اور ہمارے بعض اکابر کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے لیے سفر کی ضرورت کی وجہ سے جمع بین الصلاتین ظہر وعصر یا مغرب وعشاء جائز ہے۔ کیا ہمارے مفتی حضرات اس پر فتویٰ دیتے ہیں یا نہیں؟ عبارات ملاحظہ ہوں۔ البحر الرائق میں ہے:

وذهب الشافعی وغیره من الائمة إلی جواز الجمع للمسافر بین الظهر والعصر وبین المغرب والعشاء وقد شاهدت کثیراً من الناس فی الأسفار خصوصاً فی سفر الحج ماشین علی هذا تقلیداً للإمام الشافعی فی ذلک إلا أنهم یخلون بما ذکرت الشافعیة فی کتبهم من الشروط لهم فأحببت إیرادها إبانة لفعله علی وجهه لمریده، اعلم أنهم بعد أن اتفقوا علی أن فعل کل صلاة فی وقتها أفضل إلا للحاج فی الظهر والعصر في عرفة وفي حق المغرب والعشاء بمزدلفة... (البحر الرائق:۲۵۴/۱، کوئته).

معارف السنن میں ہے:

قال الراقم: وأذکر أثرین لابن عمرؓ فی الجمع فی هذا الصدد فربما یضطر الإنسان إلی الجمع مخافة فوت إحدی الصلاتین فی بعض الأسفار لأسباب کثیرة. (معارف السنن:۴۹۰/۴).

وفی الدر: ولابأس بالتقلید عند الضرورة. وفی الشامیة: ظاهره أنه عند عدمها لایجوز وهو أحد قولین والمختار جوازه مطلقاً ولو بعد الوقوع کما قدمناه فی الخطبة.

Maktaba Tul Ishaat.com

(الدرالمختار: ۱/۳۸۲،سعید).

جدید فقہی مباحث میں ہے:

شامی، طحطاوی وغیرہ نے جمع بین الصلاتین کو ضرورت کے وقت مذہب شافعی پر جائز فرمایا ہے۔ (جدید فقہی مباحث: ۱۵/۸۱)۔

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: اگر حالتِ مرض وسفر وغیرہ میں جمع بین الصلاتین کر لیوے تو جائز ہے یا نہیں...؟

الجواب: یہ مسئلہ مقلد کے دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کا ہے تو وقتِ ضرورت کے جائز ہے عامی کو کہ اس کو سب کو حق جاننا چاہئے اگر اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنے میں دشواری تو دوسرے امام کے قول پر عمل کر لیوے اس قدر تنگی نہ اٹھاوے کہ یہ موجبِ ضرر اور حرج دین کا ہوتا ہے فقط یہی مذہب اپنے استاز اساتذہ کا ہے جیسے استاذ اساتذ تنا شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے۔ (فتاویٰ رشدیہ، ص ۲۸۶)۔

حضرتؒ آگے مفوظات میں فرماتے ہیں: ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو نماز کا جمع کرنا کسی حالت میں درست نہیں مگر ہاں جمع صوری اس طرح کہ ظہر کی نماز آخر وقت میں پڑھے پھر ذرا صبر کرے جب عصر کا وقت داخل ہو جاوے تو عصر کو اول وقت میں ادا کرے تو اس طرح درست ہے.... الخ۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ۲۸۸)۔

وللمزید انظر: (فتاوی الشامی: ۱/۳۸۲،سعید۔حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۱۸٤، کوئته، ومعارف السنن: ٤/٤۹۰).

الجواب: ہمارے بعض فقہاء نے جمع حقیقی کو جائز قرار دیا ہے لیکن یہ قول مرجوح ہے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ حقیقی جمع بین الصلاتین درست نہیں۔ کما فی عامۃ کتب الفقہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿یاایھاالذین آمنوا إذا نودی للصلاۃ
من یوم الجمعۃ فسعوا إلی ذکر اللہ وذروا البیع﴾

وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

"من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر
فعلیہ الجمعۃ یوم الجمعۃ"

(مصنفِ ابن أبی شیبۃ)

باب.....﴿۱۶﴾

نمازِ جمعہ کا بیان

Maktaba Tul Ishaat.com

باب.....۱۶

نمازِ جمعہ کا بیان

خطبۂ جمعہ سے پہلے تقریر کا حکم:

سوال: جمعہ کی نماز اور خطبہ سے پہلے تقریر کی جاتی ہے اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ پھر بعض جگہوں میں سنتوں کے لئے خطبہ سے پہلے وقت دیا جاتا ہے اور بعض جگہوں میں تقریر کے دوران لوگ سنتیں پڑھتے ہیں ان میں سے کون سا عمل بہتر ہے؟

الجواب: نمازی حضرات کی رضامندی سے اذانِ اول کے بعد خطبہ اور نماز سے پہلے تقریر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ مستدرکِ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خطیب کے خطبہ سے پہلے وعظ فرمایا کرتے اور احادیث بیان فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

كان أبوهريرة رضي الله عنه يقوم يوم الجمعة إلى جانب المنبر فيطرح اعقاب نعليه فى ذراعيه ثم يقبض على رمانة المنبر يقول: قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم قال محمد صلى الله عليه وسلم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم ثم يقول فى بعض ذلك ويل للعرب من شر قد اقترب فإذا سمع حركة باب المقصورة بخروج الإمام جلس. (المستدرك للحاكم: ۱۰۸/۱، كتاب العلم)

اسی طرح علامہ زبیدیؒ نے جمعہ کے دن دینی مجالس کے قیام کا مشورہ دیتے ہوئے ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے درجِ ذیل حضرات سے ان مجالس کا جواز نقل فرمایا ہے:

"**قد روى ابن أبى شيبة جواز ذلك عن السائب رضي الله عنه وعبدالله بن بسر رضي الله عنه وابن عمر رضي الله عنه**

وأبی هریرة رضی اللہ عنہ". (اتحاف سادة المتقین شرح احیاء علوم الدین:۲۷۷/۳)

نیز ہمارے زمانہ میں دین سے دوری ہے اور مسائل علمیہ جاننے اور مجالس علمیہ میں آنے کا شوق نہیں رہا ہے اس لئے لوگوں تک دین کی معلومات بہم پہنچانے کے لئے جمعہ سے پہلے تقریر بے حد مفید ہے۔

چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے جب استفسار کیا گیا کہ لوگ عربی زبان سے بے بہرہ اور ناواقف ہیں ان کے نفع کے لئے اردو زبان میں خطبہ کا ترجمہ کیسا ہے؟

حضرت نے جواب رقم فرمایا:

اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ خطیب مادری زبان میں خطبہ شروع کرنے سے پہلے تقریر کردے اور ضروریاتِ دینیہ بیان کردے۔ (کفایت المفتی:۲۱۴/۳)

نیز ملاحظہ ہو: امدادالاحکام:۲۷۷/۱، خطبہ سے پہلے وعظ کہنے کا حکم۔ وفتاوی محمودیہ: ۲۵۶/۸، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ وفتاوی رحیمیہ:۲۶۴/۱)

سنتوں کے لئے خطبہ سے قبل الگ وقت مناسب ہے، درمیانِ تقریر سنتیں پڑھنا نامناسب معلوم ہوتا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ خود سنتیں پڑھنے والے کی نماز میں خلل واقع ہوگا۔ دوم یہ کہ یہ بات خلافِ ادب بھی ہے کہ اجتماعی دینی بات کو نہ سنا جائے اور کسی انفرادی عمل میں مشغول ہوجائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطبہ سے قبل وعظ پر اعتراض اور اس کا جواب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے متولی صاحبان جمعہ سے پہلے وعظ اور بیان پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ہی خطبہ عربی میں ہوتا تھا، لہذا وعظ کہنے کی ضرورت بھی نہیں اور یہ دین میں نیا طریقہ ہے؟ جب کہ یہ مسجد شہر میں سب سے بڑی ہے اور نمازی بھی زیادہ ہیں۔

الجواب: عربی خطبہ سے پہلے جو وعظ اور بیان ملکی زبان میں کیا جاتا ہے اس کا ثبوت صحابہ کرام کے عمل سے ملتا ہے لہذا اس کو نیا طریقہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ اور ہم اس کو سنت نہیں بلکہ مصلحت سمجھتے ہیں۔

ملاحظہ ہو مستدرکِ حاکم میں ہے:

أخبرنا أحمد بن سليمان الفقيه حدثنا إسماعيل بن إسحاق القاضي ثنا أحمد بن يونس ثنا

Maktaba Tul Ishaat.com

عاصم بن محمد بن زید عن أبیه قال: کان أبو هریرة ﷺ یقوم یوم الجمعة إلی جانب المنبر فیطرح اعقاب نعلیه فی ذراعیه ثم یقبض علی رمانة المنبر یقول: قال أبو القاسم ﷺ قال محمد ﷺ قال رسول اللّٰه ﷺ قال الصادق المصدوق ﷺ ثم یقول فی بعض ذلک ویل للعرب من شر قد اقترب فاذا سمع حرکة باب المقصورة بخروج الإمام جلس. هذا حدیث صحیح ولم یخرجاه. (المستدرک للحاکم: ۱۰۸/۱، کتاب العلم)

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ جمعہ کے دن ممبر کے پاس کھڑے ہو کر احادیث سے وعظ سنایا کرتے تھے پھر جب امام کے نکلنے کی آہٹ محسوس کرتے تو بیٹھ جاتے، حاکم نے اس روایت کو صحیح فرمایا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں حضرت عمر ﷺ اور حضرت عثمان ﷺ کے دور خلافت میں حضرت تمیم داری ﷺ کا یہ طرزِ عمل نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عمر ﷺ سے جمعہ کے خطبہ سے قبل وعظ کی اجازت چاہی حضرت عمر ﷺ نے اولاً انکار کے بعد ایک دن کی اجازت دیدی اور فرمایا جمعہ کے لئے میرے نکلنے سے قبل وعظ کہہ یا کریں۔ ملاحظہ ہو موضوعاتِ کبیر میں ہے:

وأخرج ابن عساکرؒ عن حمید بن عبد الرحمن أن تمیماً الداری ﷺ استأذن عمر ﷺ فی القصص سنین، فأبی أن یأذن له، فاستأذن فی یوم واحد، فلما أکثر علیه، قال له ماتقول؟ قال: أقرأ علیهم القرآن، وآمرهم بالخیر، وأنهاهم عن الشر، قال عمر ﷺ ذلک الذبح ثم قال: عظ قبل أن أخرج فی الجمعة، فکان یفعل ذلک یوماً واحداً فی الجمعة. (موضوعاتِ کبیر: ص ۲۰، میر محمد کتب خانه کراچی)

(شاید پہلے انکار اس لئے کیا ہو کہ وعظ کی نوعیت معلوم نہیں تھی پھر جب حضرت تمیم داری ﷺ نے قرآن کا حوالہ دیا تو اجازت دیدی)

مولانا عبدالحیؒ صاحب نے حضرت عثمان ﷺ کے زمانہ میں حضرت تمیم داری ﷺ کا وعظ بجائے ایک دن کے دو دن نقل فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ شروع میں صرف جمعہ کے خطبہ سے قبل بیان تھا پھر جب اس کا فائدہ زیادہ محسوس ہوا تو ایک اور دن کا اضافہ کر دیا۔ (مجموعة رسائل اللکنوی "اقامة الحجة علی ان الاکثار فی التعبد لیس ببدعة: ص ۱۳)

حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ نے بھی تمیم داری ﷺ والی روایت موضوعاتِ کبیر سے نقل کر کے فرمایا ہے کہ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے بار بار درخواست کرنے پر جمعہ کی نماز سے پہلے وعظ کی اجازت دی تھی۔ (فتاوی محمودیہ: ۸/۲۵۴، ۲۵۵، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: امدادالاحکام: ۱/۲۷۷، خطبہ سے پہلے وعظ کہنے کا حکم۔ وفتاوی رحیمیہ: ۱/۲۶۴۔ وکفایت المفتی: ۳/۲۱۴)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قصبہ میں نمازِ جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: وینڈا سے تقریباً ۴۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر گاؤں ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی بہت ہی کم ہے بلکہ گنے چنے لوگ وہاں مقیم ہیں اور ویسے غیر مسلموں کی کل آبادی ۱۰ ہزار کے قریب ہے اور یہاں ایک گھر میں پانچ سات آدمی ملکر نمازِ پنجگانہ ادا کرتے ہیں اور نمازیں اپنے اوقات پر برابر ہوتی ہے، نیز وینڈا سے روزانہ لوگ بغرض تجارت قرب جوار میں آتے ہیں اور شام کو واپس چلے جاتے ہیں اور ماہ کی آخری تاریخوں میں کچھ زیادہ مشغولیت کی بناپر یہ حضرات اسی قصبہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کے خواہاں ہیں، البتہ اس گاؤں میں نہ مسجد ہے اور نہ جماعت خانہ تو کیا اس گھر میں نماز جمعہ صحیح ہے اور کیا چالیس افراد کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں قصبہ کی آبادی چونکہ ۱۰ ہزار کے قریب ہے اور آسانی سے ضروریاتِ زندگی فراہم ہوسکتی ہے، لہذا نماز جمعہ ادا کرنا صحیح اور درست ہے مذہبِ احناف کے مطابق جمعہ صحیح ہونے کے لئے ۴۰ افراد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: إن أول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللّٰہ ﷺ فی مسجد عبدالقیس بجواثی من البحرین. (رواہ البخاری: ۱/۱۲۲/۸۸۲، باب الجمعة فی القری والمدن)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ جواثی میں لوگ کثرت سے تجارت کرتے تھے گویا کہ تجارت کی منڈی تھی اور جہاں تجارت کثرت سے چلتی ہو اور تجار بہت زیادہ ہوں یہ شہر ہونے کی علامت ہے اس وجہ سے وہاں جمعہ جائز ہے۔ ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:

قوله جواثی وهی قریة من قری البحرین وفی روایة عثمان شیخ أبی داؤد: قریة من قری عبدالقیس.....وقال أبوعبید البکری: وهی مدینة بالبحرین لعبدالقیس قال امرؤالقیس:

ورحنا کأنامن جواثی عشیة ☆ نعالی النعاج بین عدل ومحقب

یرید کأنا من تجار جواثی، لکثرة مامعهم من الصید، وأراد کثرة أمتعة تجار جواثی. قلت:

Maktaba Tul Ishaat.com

كثرة الأمتعة تدل غالباً على كثرة التجار، وكثرة التجارتدل على أن جواثى مدينة قطعاً، لأن القريه لايكون فيها تجار كثيرون غالباً عادة.....ومذهب أبى حنيفةؒ: لاتصح الجمعة إلافى مصر جامع أوفى مصلى المصر، ولاتجوزفى القرى.....ثم اختلف أصحابنا فى المصر الذى تجوزفيه الجمعة فعن أبى يوسفؒ هوكل موضع يكون فيه محترف،ويوجد فيه جميع مايحتاج إليه الناس من معاشيهم عادة وبه قاض يقيم الحدود، وقيل: إذا بلغ سكانه عشرة آلاف. (عمدة القارى:۵/۳۹/۸۹۲، باب الجمعة فى القرى والمدن)

شامی میں ہے:

عن أبى حنيفةؒ أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولهارساتيق وفيها والٍ يقدرعلى إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذاهوالصحيح. (شامی:۲/۱۳۷، باب الجمعة، سعيد)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

قصبہ اور بڑے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز ہے چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں بازار ہو روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو، ان میں مسلمان خواہ اقلیت میں ہوں یا برابر، یا زائد۔ (فتاوی محمودیہ ۸/ ۹۸، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ: ۵/۵۴، وامداد المفتین: جلد اول ص ۲۷۸، وامداد الاحکام: ۱/ ۷۵۶۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قصبہ اور اس کے ملحقات میں جمعہ کا حکم:

سوال: زکریا پارک اور اس کیساتھ ملحقہ آبادی میں جمعہ قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: زکریا پارک اور اس کے ساتھ ملحقہ آبادی میں جمعہ قائم کرسکتے ہیں، بلکہ قائم کرنا ضروری ہوگا۔ کیوں کہ اس میں اکثر ضروریات پوری ہوجاتی ہیں، اور اس کی آبادی تین چار ہزار کے درمیان ہے، فقہائے کرام نے شہر اور بڑی بستی کی مختلف تعریفیں کی ہیں: علامہ عینیؒ ہدایہ کی شرح بنایہ میں فرماتے ہیں:

وهذا تفسير المصر الجامع وقداختلفوا فيه فعن أبى حنيفةؒ مايجمع فيه مرافق أهله. وعن أبى يوسفؒ كل موضع فيه أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود وهكذاروى الحسنؒ

عن أبی حنیفةؒ فی کتاب صلاته وفیه عن سفیان الثوریؒ المصر الجامع ما یعد الناس مصراً عند ذکر الأمصار المطلقة کبخاری وسمرقند وقال الکرخیؒ: هوماأقیمت فیه الحدود ونفذت فیه الأحکام وهواختیار الزمخشریؒ وعن أبی عبداللّٰه البلخیؒ أنه قال: أحسن ماسمعت أنه إذا اجتمعوا فی أکبر مساجدهم لم یسعوا فیه فهومصر جامع وعن أبی حنیفةؒ هوبلدة کبیرة فیها سکک وأسواق و یرجع الناس إلیه فی ما وقعت لهم من الحوادث.....(البنایه للعلامة العینیؒ:۲/۹۸۲)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ مصر کی چند تعریفیں ہیں:

(۱) جس میں ضرورت کی اشیاء ملتی ہوں۔

(۲) جس میں امیر وقاضی ہوں جو اسلامی قوانین اور حدود نافذ کرتے ہوں۔

(۳) جس کو عام لوگ شہر کہتے ہوں۔

(۴) جس میں احکام شریعت اور حدود نافذ ہوتی ہوں۔

(۵) جس کی بڑی مسجد میں مقامی لوگوں کو جمع کیا جائے تو مسجد تنگ دامنی کا شکوہ کررہی ہو۔

(۶) جس میں گلیاں کوچے اور بازار ہوں جس کی طرف لوگ بوقتِ ضرورت رجوع کرتے ہوں۔

اس کے علاوہ دیگر تعریفیں بھی فقہاء سے منقول ہیں۔تاہم محققین علماء فرماتے ہیں کہ یہ سب شہر کی علامتیں ہیں جنھیں ہر مجتہد یا فقیہ نے اپنی صواب دید کے موافق بیان کی ہیں۔حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں:

والحاصل ان تفسیر المصر محول علی العرف واللغة.

مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ فرماتے ہیں:

دوہزار کی آبادی میں جمعہ: اگر دونوں گاؤں عرف میں ایک ہی سمجھے جاتے ہیں اور کل آبادی دونوں گاؤں کی دوہزار آدمیوں کی ہے اور وہ بڑا قریہ سمجھا جاتا ہے تو جمعہ وہاں صحیح ہے۔کما فی الشامی: وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها أسواق. (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۵/۵۶، مدلل ومکمل)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایئرپورٹ پر نمازِ جمعہ ادا کرنے کا حکم:

سوال: حضرت مفتی صاحب کیا ہمارا جوہانسبرگ کا ائیرپورٹ فناء شہر کے حکم میں ہے یا نہیں؟ کیا اس

Maktaba Tul Ishaat.com

میں جمعہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس میں کام کرنے والوں پر جمعہ لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ائیر پورٹ چونکہ کیمٹن پارک شہر کے ساتھ متصل ہے لہذا اس میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یعنی فناءِ شہر میں ہے۔ پھر جب ایئرپورٹ پر جمعہ صحیح اور درست ہے تو وہاں کام کرنے والوں پر جمعہ کا ادا کرنا لازم اور ضروری ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیں صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

إقامة الجمعة خارج المصر إذا كان في فناء المصر ، يجوز ، فإنه ذكر أبو يوسفؒ أن إماماً لو خرج مع أهل المصر مقدار ميل أو ميلين لحاجة لهم، فحضرتهم الصلاة ، جاز له أن يصلي بهم الجمعة ، قال: لأن فناء المصر بمنزلة المصر ، وهذا لأن فناء المصر ألحق بالمصر فيما كان من حوائج أهل المصر، وأداء الجمعة من حوائج أهل المصر، فألحق بالمصر في حق أداء الجمعة ، بخلاف المسافر إذا خرج عن عمران المصر، حيث يقصر الصلاة ؛ لأن قصر الصلاة ليس من حوائج أهل المصر، فلايلحق فناء المصر بالمصر في حق هذا الحكم . (كتاب التجنيس والمزيد:۲/۱۹۳،باب الجمعة).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وأما الفناء وهو المكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب ودفن الموتى وإلقاء التراب ، فإن اتصل بالمصر اعتبر مجاورته وإن انفصل بغلوة أو مزرعة فلا ... بخلاف الجمعة فتصح إقامتها فى الفناء ولو منفصلاً بمزارع لأن الجمعة من مصالح البلد بخلاف السفر. (فتاوى الشامي:۲/۱۲۱، باب صلاة المسافر، سعيد).

وقال فى باب الجمعة : وفى التتارخانية : ثم ظاهر رواية أصحابنا لاتجب إلا على من يسكن المصر أو ما يتصل به فلا تجب على أهل السواد ولو قريباً وهذا أصح ما قيل فيه ، وبه جزم فى التجنيس . وقال فى الإمداد: تنبيه : قد علمت بنص الحديث والأثر والروايات عن أئمتنا الثلاثة واختيار المحققين من أهل الترجيح أنه لا عبرة ببلوغ النداء ولا بالغلوة والأميال فلا عليك من مخالفة غيره وإن صحح... أقول: وينبغى تقييد ما فى الخانية والتاترخانية بما إذا لم يكن فى فناء المصر لما مر أنها تصح إقامتها فى الفناء ولو منفصلاً بمزارع ، فإذا صحت فى الفناء لأنه ملحق بالمصر يجب على من كان فيه أن يصليها لأنه

من أهل المصر كما يعلم من تعليل البرهان واللّٰه الموفق. (فتاوى الشامي:۱۵۳/۲،مطلب في شروط وجوب الجمعة،سعيد).

وللاستزادة انظر: (الفتاوى الهندية:۱۳۹/۱، والهداية:۱۶۸/۱، وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص۴۲۳، قديمي، وشرح منية المصلي،ص۵۴۹، سهيل).

جب فنائے شہر میں جمعہ قائم کرنا صحیح اور درست ہے تو اہل فنا پر جمعہ پڑھنا واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بڑے شہر یا قصبہ میں مسلمانوں کی آبادی کم ہو تو جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: مذہبِ احناف کے مطابق بڑے شہر یا قصبہ میں غیر مسلم زیادہ آباد ہیں اور مسلمان بہت کم ہے تو جمعہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بڑے شہر یا قصبہ میں جہاں شرائطِ جمعہ موجود ہوں تو جمعہ پڑھنا فرض اور ضروری ہے اگرچہ مسلمانوں کی آبادی کم ہوں اس لئے کہ احناف کے نزدیک ۴۰، افراد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله: والجماعة وهم ثلاثة أي شرط صحتها أن يصلي مع الإمام ثلاثة فأكثر لاجماع العلماء على أنه لابد فيها من الجماعة كما في البدائع وإنما اختلفوا في مقدارها فماذكره المصنفؒ قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ وقال أبو يوسفؒ: اثنان سوى الإمام لأنهما مع الإمام ثلاثة وهي جمع مطلق ولهذا يتقدمهما الإمام ويصطفان خلفه ولهما أن الجمع المطلق شرط انعقاد الجمعة في حق كل واحد منهم وشرط جواز صلاة كل واحد منهم ينبغي أن يكون سواه فيحصل هذا الشرط ثم يصلي ولا يحصل هذا الشرط إلا إذا كان سوى الإمام ثلاثة.

(البحر الرائق:۱۵۰/۲، باب صلاة الجمعة، الماجدية۔ وكذا في الشامي:۱۵۱/۲، باب الجمعة، سعيد ۔ وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:ص۵۱۱، قديمي)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

جس بستی میں جمعہ کی شرائط موجود ہوں وہاں یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت ہو یا مسلمان کثیر تعداد میں موجود ہوں، بلکہ اگر چار پانچ ہی مسلمان ہوں تو ان کو بھی جمعہ ادا کرنے کا حق حاصل ہے ان کو چاہئے کہ جمعہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ادا کریں۔ (فتاوی محمودیہ:۸/۴۶، باب صلاۃ الجمعۃ، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی دارالعلوم دیوبند:۵/۶۵، ۱۰۹، مدلل مکمل، دارالاشاعت۔ واللہ ﷻ اعلم۔

جیل میں نمازِ جمعہ قائم کرنے کا حکم:

سوال: جناب عالی ایک مسئلہ کی طرف آپ کی توجہ دلاتے ہیں: کیا جیل میں نمازِ جمعہ پڑھی جاسکتی ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: اگر حکومت کی طرف سے ممانعت نہ ہو بلکہ اجازت ہو تو جیل میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں۔ باقی جیل میں عام لوگوں کے جانے پر پابندی انتظامی پابندی ہے جمعہ سے روکنے کے لئے نہیں ہے جیسے کسی قلعہ کے دروازہ کو دشمنی یا پرانی عادت کی وجہ سے بند کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

والسابع الإذن العام.....فلایضرغلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لالمصلي.....وفي الشامية:والذي يضر إنما هو منع المصلين لامنع العدو. (الدرالمختارمع الشامی:۲/۱۵۲، باب الجمعة، سعید کمپنی۔ وکذافی مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی:ص ۵۱۰، باب الجمعة، قدیمی۔)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ:۸/۱۸۳، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ واحسن الفتاوی:۴/۱۱۲۔ واللہ ﷻ اعلم۔

فیکٹریوں اور کارخانوں میں جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: مختلف فیکٹریوں میں جن میں باہر سے لوگ نہیں جاسکتے ہیں جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز اسکولوں اور کالجوں میں بھی یہی صورتِ حال ہے لہذا ان میں جمعہ کی نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں فیکٹری، اسکول، کالج وغیرہ ایسے شہر میں ہیں جس میں شرائطِ جمعہ پائے جاتے ہیں یا فناءِ شہر میں ہیں تو ان سب میں جمعہ قائم کرنا صحیح اور درست ہے۔ اور باہر سے لوگوں کا نہ آنا مانع نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

والسابع الإذن العام.....فلا يضرغلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لالمصلي.....وفي الشامية:والذي يضر إنما هو منع المصلين لامنع العدو. (الدرالمختارمع الشامی:۲/۱۵۲، باب الجمعة، سعید کمپنی۔ وکذافی مراقی الفلاح مع حاشیة

الطحطاوی:ص ۵۱۰،باب الجمعة،قدیمی۔)

نیز مذکور ہے:

فلو دخل أمير حصناً أوقصره وأغلق بابه وصلى بأصحابه لم تنعقد.....وفي الشامية: قلت:وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذاكانت لاتقام إلافي محل واحد،أما لوتعدد فلا لأنه لايتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل (قوله لم تنعقد)يحمل ما إذا منع الناس فلايضر إغلاقه لمنع عدوأوعادة كمامر ط.قلت:ويؤيده قول الكافي واجلس البوابين الخ فتأمل. (الدرالمختارمع الشامی:۲/۱۵۲،باب الجمعة،سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

کارخانہ میں جمعہ پڑھنا: یہاں چوروں سے حفاظت مقصود ہے،نمازیوں کوروکنا مقصودنہیں، نیز بیرونی لوگ دوسری مساجد میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں ،لہذااذن عام نہ ہونا صحتِ جمعہ میں مخل نہیں ،اس میں نماز جمعہ صحیح ہے۔(احسن الفتاوی:۴/۱۲۰،باب الجمعہ)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ:۸/۱۸۴،فیکٹری میں جمعہ، جامعہ فاروقیہ۔وامدادالفتاوی:۱/۶۱۱۔وفتاوی دارالعلوم دیوبند:۵/۹۷۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پارک میں جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: ہم نے جمعہ کی نماز ایک پارک میں پڑھی جوگراہمسٹون (Grahamstown) کی آبادی سے تقریباً ۴۰ کلومیٹر دور ہے،اس پارک میں کوئی مسجد نہیں ہے البتہ ایک جماعت خانہ ہے جس میں تقریباً ۸۰ آدمیوں کی گنجائش ہے اس پارک میں دس پندرہ مزدور رہتے ہیں۔کیا اس پارک میں ہماری نماز جمعہ درست ہوئی یانہیں؟جب کہ عام طور پر اس جگہ نماز جمعہ نہیں پڑھی جاتی۔

الجواب: مذہب احناف کے مطابق صحتِ جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے ہر جگہ جمعہ صحیح نہیں ہے اور صورتِ مسئولہ میں پارک نہ شہر ہے اور نہ قصبہ بلکہ اطراف میں بھی کوئی بڑا شہر نہیں ہے لہذا اس پارک میں نماز جمعہ صحیح نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أبي عبدالرحمن قال:قال علی رضی اللہ عنہ:لاجمعة ولاتشريق إلافي مصرجامع.وعن الحارث عن علی رضی اللہ عنہ قال:لاجمعة ولاتشريق،ولاصلاة فطرولاأضحى إلافي مصرجامع أو

Maktaba Tul Ishaat.com

مدینة عظیمة.(مصنفِ ابن ابی شیبة:٤/٤٦،کتاب الصلاة ،من قال لاجمعة .....)

وفی الهدایة :لاتجوزفی القری.(الهدایة:١/١٦٨)

شامی میں ہے:

عن أبی حنیفةؒ أنه بلدة کبیرة فیها سکک وأسواق ولهارساتیق وفیها والٍ یقدرعلی إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غیره یرجع الناس إلیه فیما یقع من الحوادث وهذا هوالصحیح.(شامی:٢/١٣٧،باب الجمعة،سعید)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

جہاں بالکل آبادی ہی نہ ہواور وہ جگہ کسی بڑی آبادی کے قریب نہ ہووہاں بالاتفاق جمعہ صحیح نہیں ہے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۵/ ۵۸،مدلل ومکمل،دارالاشاعت)

نیز ملاحظہ ہو:فتاوی محمودیہ:۸/۱۴۴،مبوب ومرتب،جامعہ فاروقیہ۔واللہ ﷻ اعلم۔

زوال سے قبل جمعہ قائم کرنے کا حکم:

سوال: امریکہ کی بعض مساجد میں نماز جمعہ زوال سے قبل پڑھی جاتی ہے کیا یہ کسی مذہب کے مطابق ہے؟اور کیا دوسرے مذہب والے اقتداء کرسکتے ہیں؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق نیز دیگر مذاہب سوائے حنابلہ سب کے نزدیک قبل الزوال جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے۔اور حنابلہ کے ہاں بھی افضل اور بہتر بعدالزوال ہے۔اگر حنابلہ قبل الزوال ادا کریں تو دوسرے مذہب والے اقتداء نہیں کرسکتے۔ ملاحظہ ہوالفقہ الاسلامی میں ہے:

شروط صحة الجمعة:(١) وقت الظهر.....ولاتصح عندالجمهورغیرالحنابلة قبله أی قبل وقت الزوال بدلیل مواظبة النبی ﷺ علی صلاة الجمعة إذازالت الشمس قال أنس رضی اللہ عنہ:"کان رسول اللّٰه ﷺ یصلی الجمعة حین تمیل الشمس وعلی ذلک جری الخلفاء الراشدون رضی اللہ عنہم فمن بعدهم ولأن الجمعة والظهرفرضا وقت واحد فلم یختلف وقتهماکصلاة الحضروصلاة السفروقال الحنابلة:یجوزأداء الجمعة قبل الزوال..... و فعلها بعد الزوال أفضل.(الفقه الاسلامی وادلته:٢/٢٧٢،دارالفکر۔وکذا فی الفقه علی مذاهب الاربعة:١/٣٧٥،وقت

الجمعة۔ومنتهى الارادات مع شرحه:۲/۱۲۔والمغنى لابن قدامة:۳/۱۵۹)

درمختار میں ہے:

وإنما تفسد لمخالفته فى الفروض وفى الشامى:وفى البحر المخالفة فيما هو من الأركان أو الشروط مفسدة لافى غيرها. (الدرالمختارمع الشامى:۱/۴۷۲، المراد بالمجتهد فيه ، سعيد كمپنى)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کسی مسجد میں بدعات ہورہی ہو وہاں جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی ایسی مسجد میں جمعہ کے لئے بیٹھا جہاں بدعات ہورہی ہیں تو کیا اس مسجد میں نمازِ جمعہ صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جمعہ کی نماز ادا ہوجائے گی ترک جمعہ کے لئے یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہے، البتہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ دوسری مسجد میں جمعہ ادا کرے جہاں بدعات وخرافات نہ ہوں۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا تعذر منعه ينتقل عنه إلى غيره للجمعة وغيرها وإن لم يقم الجمعة إلاهو تصلى معه. (مراقى الفلاح:ص۱۱۳،فصل فى الاحق بالامامة ،مكة المكرمة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

الفاسق إذا كان يؤم الجمعة وعجز القوم عن منعه قال بعضهم:يقتدى به فى الجمعة ولاتترك الجمعة بإمامته. (الفتاوى الهندية:۱/۸۶،من يصلح اماما لغيره)

وأيضاً:قال المرغينانى:تجوز الصلاة خلف صاحب هوى وبدعة وحاصله إن كان هو لايكفر به صاحبه تجوز الصلاة خلفه مع الكراهة وإلافلا هكذافى التبيين والخلاصة. (الفتاوى الهنية:۱/۸۴،من يصلح اماماًلغيره) نیز ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ ۱/۱۶۵)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ جمعہ جامع مسجد میں پڑھنا افضل ہے:

سوال: آدمی کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے یا چھوٹی مسجد میں یا جماعت خانہ میں؟

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: جامع مسجد میں جمعہ پڑھنا افضل اور بہتر ہے تاہم اپنے محلّہ کی مسجد میں بھی نمازِ جمعہ ہوتی ہے تو وہاں پڑھنا بھی صحیح اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو ملاعلی القاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں ایک حدیث کے ذیل میں لکھا ہے:

"قال رسول الله ﷺ صلاة الرجل في بيته بصلاة أي تحسب بصلاة واحد وصلاته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة أي بالإضافة إلى صلاة في بيته لامطلقاً وصلاته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مائة صلاة أي بالنسبة إلى مسجد الحي.....". (مرقات شرح مشکاۃ: ۲/۲۲۸)

یعنی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی نماز اپنے گھر میں ایک نماز ہے یعنی ایک نماز کا حساب ہوگا اور محلّہ کی مسجد میں ۲۵ نمازیں یعنی گھر کی نماز کے مقابلہ میں مطلقاً نہیں۔ اور اس کی نماز جامع مسجد میں ۵۰۰ نمازیں یعنی بنسبت ماقبل کے۔ علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

پس اگر ایک جگہ جامع مسجد میں باتفاق تمام اہل شہر نماز جمعہ پڑھیں تو اس میں بہت سی خوبیاں ہیں ایک تو اختلاف ائمہ سے بچ جائے گا اور بڑی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب پائے گا اور آپس میں اتفاق اور اتحاد بڑھے گا اور شوکت اسلام زیادہ ہوگی اس کے ساعی کو بھی ثواب ملے گا۔ (تفصیلی فتوی ملاحظہ ہو: مجموعۃ الفتاوی: ۱/۳۳۱، ۳۳۴، آرام باغ کراچی)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ: ۳/۶۶۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۵/۱۶۲، دارالاشاعت۔ وعمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۴۵۸، مجددیہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جمعہ کی اذانِ اول کے بعد کھانے پینے یا دکان کھولنے کا حکم:

سوال: جمعہ کی اذانِ اول کے بعد کھانا پینا یا دکان کھولنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں امام طحاویؒ کا کیا مسلک ہے؟ اور اس پر کسی نے فتویٰ دیا ہے یا نہیں؟

جواب: اکثر فقہاء اذانِ اول کے بعد ہر قسم کے معاملات ترک کرنے کے قائل ہیں، لیکن امام طحاویؒ اور صاحبِ فتاوی عتابی وغیرہ نے اذانِ ثانی جو خطبہ سے متصل ہوتی ہے اس کو ترک معاملات میں معتبر قرار دیا ہیں احتیاط پہلے قول میں ہے، اور عندالضرورۃ دوسرے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

وقال صاحب الهداية :قيل:المعتبرفي وجوب السعي وحرمة البيع هوالأذان الأصلي الذي كان على عهد النبي ﷺ بين يدي المنبر، قلت:هومذهب الطحاوي فإنه قال: هوالمعتبرفي وجوب السعي إلى الجمعة على المكلف،وفي حرمة البيع والشراء،وفي فتاوى العتابي:هوالمختار، وبه قال الشافعيؒ وأحمدؒ وأكثرالفقهاء الأمصار، ونص المرغينانيؒ:أنه الصحيح. (عمدة القاری شرح صحیح البخاری:۵/۶۲،۶۳،باب المشی الی الجمعة، دارالحدیث ملتان۔وکذافی الدرالمختار:۲/۱۶۱،باب الجمعة،سعید)۔**واللہ تعالیٰ اعلم۔**

اذانِ ثانی کا جواب دینے کا حکم:

سوال: جمعہ کے دن اذانِ ثانی جو خطیب کے سامنے دی جاتی ہے اس کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق اذان کا جواب دینا سنت ہے۔اور جمعہ کی اذانِ ثانی بھی اذان ہونے میں برابر ہے لہذا اس کا جواب دینا بھی سنت ہوگا۔

کیوں کہ اس کے خلاف کوئی نص موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے ممانعت ثابت کی جاوے،اور خطبہ کا سننا واجب ہے یہ مسلم ہے لیکن ابھی شروع ہی نہیں ہوا پھر استماع کیسے واجب ہوگا؟

عام طور پر فقہاء جو روایت نقل کرتے ہیں "إذاخرج الإمام فلاصلاة ولا كلام" یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ،حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے،اور علامہ شامیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ صحابی کے قول پر عمل کرنا واجب ہے جب تک سنت کی کوئی چیز اس کی نفی نہ کرے۔**أن قول الصحابي حجة يجب تقليده عندنا إذا لم ينفه شيء آخر من السنة.** اوراس مسئلہ میں مرفوع روایات موجود ہیں۔نیز جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی اذانِ ثانی کا جواب دینا ثابت ہے،اس کے برخلاف محض خاموش بیٹھے رہنے اور جواب نہ دینے پر کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف رضی اللہ عنہ قال:سمعت معاوية بن أبي سفيان رضی اللہ عنہ وهو جالس على المنبر أذن المؤذن فقال:اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر،فقال معاوية رضی اللہ عنہ:اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر،فقال: أشهد أن لاإله إلااللّٰه،فقال معاوية رضی اللہ عنہ:وأنا،قال:أشهد أن محمداً رسول اللّٰه،قال

Maktaba Tul Ishaat.com

معاویة رضی اللہ عنہ: وأنا،فلماأن قضی التأذین قال:یاأیها الناس إنی سمعت رسول اللّٰه ﷺ علی هذا المجلس حین أذن المؤذن یقول ماسمعتم منی من مقالتی. (رواه البخاری:۱/۱۲۵/۹۰۴، باب یجیب الامام علی المنبراذاسمع النداء،فیصل)

دیگرعمومی احادیث میں جواب دینا ثابت ہے۔ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن شهاب عن عطاء بن یزید اللیثی عن أبی سعیدالخدری رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه ﷺ قال:"إذا سمعتم النداء فقولوا مثل مایقول المؤذن. (رواه البخاری:۱/۸۶/۶۰۳،باب مایقول اذا سمع المنادی۔ومسلم:۱/۱۶۶،باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه۔والترمذی: ۱/۵۱،باب مایقول اذا اذن المؤذن۔وابن ماجة:ص۵۳،باب مایقال اذا اذن المؤذن)

شامی میں ہے:

قوله إذاخرج الإمام هذاحدیث ذکره فی الهدایة مرفوعاً لکن فی الفتح أن رفعه غریب والمعروف کونه من کلام الزهری،وأخرج ابن أبی شیبة فی مصنفه عن علی رضی اللہ عنہ وابن عباس رضی اللہ عنہ وابن عمر رضی اللہ عنہ :کانوا یکرهون الصلاة والکلام بعدخروج الإمام. والحاصل أن قول الصحابی حجة یجب تقلیده عندنا إذا لم ینفه شیء من السنة. (شامی: ۲/۱۵۸،باب صلاةالجمعة ،سعید)

اگرحدیث کومرفوع تسلیم کریں تب بھی اس میں ممانعت کلام دنیوی کی ہے نہ کہ کلام دینی کی اوراذان کا جواب دینادینی کلام میں شامل ہے۔ ملاحظہ ہوعلامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

وفی البحرعن العنایة والنهایة اختلف المشایخ علی قول الإمام فی الکلام قبل الخطبة فقیل:إنمایکره ماکان من جنس کلام الناس أماالتسبیح ونحوه فلا، وقیل:ذلک مکروه والأول أصح.ومن ثمة قال فی البرهان:وخروجه قاطع للکلام أی کلام الناس عندالإمام.فعلم بهذا أنه لاخلاف بینهم فی جوازغیرالدنیوی علی الأصح.ویحمل الکلام الوارد فی الأثرعلی الدنیوی،ویشهد له ماأخرجه البخاری أن معاویة رضی اللہ عنہ أجاب المؤذن بین یدیه.....(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۵۱۸،باب صلاة الجمعة،قدیمی)

علامہ لکھنویؒ نے تحریرفرمایاہے کہ اذان ثانی کا جواب دینادرست ہے کیوں کہ کلام دنیوی مکروہ ہے نہ کہ کلام

دینی۔ ملاحظہ ہو فتاوی لکھنوی میں ہے:

قال بعضهم: إنمايكره الكلام الذى هو من كلام الناس، وأماالتسبيح واتباعه فلا، وقال بعضهم: كل ذلك، والأول أصح، كذافى مبسوط فخرالإسلام، وقال فى العون: المراد بالكلام إجابة المؤذن وأماغيره من الكلام فيكره إجماعاً، انتهى. وقال البرجندى: ذكرفى المصفى عن العون: أن المراد بالكلام فى هذين الوقتين أى بعدالفراغ من الخطبة قبل شروع الصلاة، وقبلهاإجابة المؤذن أماغيره من الكلام فيكره إجماعاً، انتهى. (فتاوى اللكنوى :ص ۳۵۰، ما يتعلق بالجمعة،بيروت)

معارف السنن میں ہے:

إنما يكره ماكان من كلام الناس، أماالتسبيح ونحوه من إجابة المؤذن فلايكره . (معارف السنن:٤/ ٣٤١،بحث جواب الاذان الذى بين يدى الخطيب،سعيد كمپنى)

دوسری جگہ مذکور ہے:

قال الشيخ: الأولىٰ هوجوازالإجابة فإنه قدصرح فى حديث البخارى..... (معارف السنن:٤/ ٣٨٣،سعيد)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: حضرت مولانا قاضی محمد رحمت اللہ صاحب راندیری کا رسالہ: "العطرالعنبرى فى حكم اجابة الاذان المنبرى"۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جمعہ کی اذان کے بعد سنتوں کا موقع نہ ملنا:

سوال: جمعہ کے دن اذان اور خطبہ کے درمیان صرف اتنا وقت دیا جاتا ہے جس میں صرف دو رکعتیں پڑھی جاسکے پھر امام خطبہ شروع کردے تو مذہبِ احناف کے مطابق چار رکعت کس طرح پوری کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں خطیب اگر موقع نہ دے تو مختصر قراءت کے ساتھ چار رکعت مختصر پڑھ لے، اگر سنت کے درمیان خطبہ شروع ہوجائے تو پوری کرنے کی گنجائش ہے توڑنا نہیں چاہئے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وأفاد أنه لايكره الشروع قبل الخروج فيتم ماشرع فيه، ولوخطب الإمام من غير كراهة

Maktaba Tul Ishaat.com

مطلقاً،إلا إذاكان فی نفل فإنه يتم شفعاً،ثم يقطع،ولوكان خروجه بعد القيام للثالثة أتم أيضاً لأنه وجب عليه الشفع الثانی بالقيام إليه،واختلف فی سنة الجمعة فقيل: يقطع على رأس الركعتين كالنفل المطلق،والصحيح أنه يتمهالأنه كصلاة واحدة واجبة بحر،ولكن يخفف القراءة در يعنی بقدرالواجب لإدراک الواجب،وهل يترک تسبيح الركوع والسجود والصلاة على البشيرالنذيرفی القعود الأخيرلأنها سنة والاستماع فرض يحرر. (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح:ص۵۱۸،قديمی)

نیز ملاحظہ ہو: الدرالمختار:۲/۱۵۹،سعيد كمپنی۔والبحرالرائق:۲/۱۵۵۔وفتاوی محموديه: ۸/۲۷۷، مبوب ومرتب،جامعه فاروقيه۔واحسن الفتاوی:۴/۱۲۱۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خطیب کا منبر پر چڑھتے وقت سلام کرنے کا حکم:

سوال: خطیب کا منبر پر چڑھتے وقت سلام کرنا کیسا ہے؟

الجواب: عمومی طور پر عباراتِ فقہیہ اس بات پر دال ہیں کہ خطیب خطبہ سے پہلے سلام نہ کرے۔ مگر احادیث میں اس کا ذکر ملتا ہے، لہذا نفسِ مشروعیت کا انکار زیبا نہیں۔ ہاں فتنہ کا اندیشہ ہو تو ترک اولیٰ ہے، ورنہ خطیب کا سلام کرنا درست ہے۔ ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

عن جابربن عبداللّٰه رضی اللہ عنہ "أن النبی ﷺ كان إذا صعد المنبرسلم" رواه ابن ماجة:ص۷۹، ورجاله ثقات الاابن لهيعة مختلف فيه حسن الحديث، وقد صححه السيوطی فی الجامع الصغير:(۹۳:۲)

وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: كان رسول اللّٰه ﷺ إذادخل المسجد يوم الجمعة سلم على من عند منبره من الجلوس،فإذا صعد المنبريوجه إلى الناس فسلم عليهم. رواه الطبرانی فی الاوسط:(مجمع الزوائد:۱/۲۱۵،دارالفكر)

قال المؤلفؒ:وفی مجمع الزوائد:أيضاً وفيه عيسى بن عبداللّٰه الأنصاری وهوضعيف ذكره ابن حبان فی الثقات ولكن فی التلخيص الحبير (۱/۱۳۶): أورده ابن عدی فی ترجمة عيسى بن عبداللّٰه الأنصاری وضعفه.....فالحديث ضعيف،ولكن مجموع أحاديث الباب يدل على أن الحديث له أصل،وهذه الطرق يقوی بعضها بعضاً،ودلالته على الباب

ظاهرة، وكذا دلالة المراسيل أيضاً عليه. وفي البحر الرائق(۲/۱۶۸):فاستفيد منه(اى من قول البدائع) أنه لايسلم إذا صعد المنبر وروى أنه يسلم كما في السراج الوهاج،قلت:والمختارعندى للأحاديث المذكورة القول بمشروعيته،وباللّٰه التوفيق. (اعلاء السنن:۸/۸۲/۲۰۶۷،باب سلام الخطيب على المنبر)

شامی میں ہے:

قوله ترك السلام ومن الغريب مافي السراج أنه يستحب للإمام إذا صعد المنبر وأقبل على الناس أن يسلم عليهم لأنه استدبرهم في صعوده بحر. قلت:وعبارته في الجوهرة ويروى أنه لابأس به لأنه استدبرهم في صعوده.(شامي:۲/۱۵۰،باب صلاة الجمعة، سعيد)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

درایت روایت کے موافق ہوتو اس کو لینا چاہئے:

سوال: فقہائے احناف نے یہ مسئلہ تحریر فرمایا ہے یا نہیں کہ جو مسئلہ حدیث کے موافق ہوتو اسی کو فتوی کے لئے اختیار کرنا چاہئے؟ مثلاً مذکورہ بالا مسئلہ میں خطیب کا منبر پر سلام کرنا۔

الجواب: فقہاء کی تحریرات میں اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے کہ جہاں کوئی فقہی مسئلہ حدیث کے موافق ہوتو اس سے عدول نہیں کرنا چاہئے، یعنی فتوی کے لئے اسی روایت کو اختیار کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی ہے:

قال في شرح المنية:ولاينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتهارواية على ما تقدم عن فتاوى قاضيخان،ومثله ماذكرفي القنية من قوله:وقد شدد القاضي الصدرفي شرحه في تعديل الأركان جميعها تشديداً بليغاً فقال:وإكمال كل ركن واجب عند أبي حنيفةؒ ومحمدؒ.وعند أبي يوسفؒ والشافعيؒ فريضة،فيمكث في الركوع والسجود وفي القومة بينهماحتى يطمئن كل عضومنه،هذا هوالواجب عند أبي حنيفةؒ ومحمدؒ حتى لوتركها أو شيئاً منهاساهياً يلزمه السهوولوعمداً يكره أشد الكراهة.....والحاصل أن الأصح رواية ودراية وجوب تعديل الأركان وأما القومة والجلسة وتعديلهما فالمشهورفي المذهب السنية وروى وجوبهما وهوالموافق للأدلة وعليه الكمال ومن بعده من المتأخرين وقد

Maktaba Tul Ishaat.com

علمت قول تلميذه أنه الصواب.(شامی:۱/۴۶۴،مطلب لاینبغی ان یعدل عن الدرایة اذاوافقتهارواية ،سعيد)

چند مثالیں ملاحظہ ہو:

(۱)تشہد میں مسبحہ سے اشارہ کرنا:

اس مسئلہ میں فقہائے احناف کے دوقول ہیں لیکن راجح اشارہ کرنے کا ہے اس لئے کہ حدیث سے ثابت ہے:

امام محمدؒ فرماتے ہیں:

أخبرنا مالک أنا مسلم بن أبی مريم عن علی بن عبد الرحمن المعاوی أنه قال:رأنی عبدالله بن عمروأناأعبث بالحصی فی الصلاة،فلماانصرفت نهانی وقال:اصنع كماكان رسول اللهﷺ يصنع،فقلت:كيف كان رسول اللهﷺ يصنع قال:كان رسول اللهﷺ إذا جلس فی الصلاة وضع كفه اليمنی علی فخذه اليمنی وقبض أصابعه كلها وأشاربأصبعه التی تلی الإبهام ووضع كفه اليسری علی فخذه اليسری قال محمدؒ:وبصنيع رسول اللهﷺ نأخذ وهوقول أبی حنيفةؒ.(مؤطاللامام محمد:ص۱۰۸)

وقال الشامیؒ:وهذا ما اعتمده المتأخرون لثبوته عن النبیﷺ بالأحاديث الصحيحة ،ولصحة نقله عن الأئمة الثلاثة.(شامی:۱/۵۰۹، سعید۔وکذافی مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی: ص۲۶۹،قدیمی۔وامدادالفتاح:ص۲۹۹، بیروت)

(۲)ماءِ مشمس سے وضوکرنے میں دوقول ہیں علامہ تمرتاشیؒ اورعلامہ حصکفیؒ نے فرمایابلاکراہت جائز ہے۔لیکن علامہ شامیؒ نے فرمایامعتمدقول کراہت والا ہے اس لئے کہ حدیث وارد ہے۔

شامی میں ہے:

أقول:وقدمنا فی مندوبات الوضوء عن الإمداد أن منهاأن لايكون بماء مشمس،وبه صرح فی الحلية مستدلاً بماصح عن عمر رضی اللہ عنہ من النهی عنه،ولذاصرح فی الفتح بكراهته ، و مثله فی البحر.وقال فی معراج الدراية وفی القنية:وتكره الطهارة بالمشمس لقولهﷺ لعائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها حين سخنت الماء بالمشمس"لاتفعلی ياحميراء،فإنه يورث البرص"..... فقد علمت أن المعتمد الكراهة عندنا لصحة الأثر.(شامی:۱/۱۸۰،باب المیاہ،سعید)

واضح رہے کہ ماءِ مشمس والی حدیث ضعیف ہے اس پر محدثین نے سخت کلام کیا ہے علامہ نوویؒ نے فرمایا:

وهذاالحديث ضعيف باتفاق المحدثين وقدرواه البيهقي من طرق وبين ضعفها كلها.

(شرح المهذب:۱/۸۷،كتاب الطهارة،دارالفكر)

علامہ لکھنویؒ نے بھی کلام فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو: **قلت: الحديث المذكور لايحتج به،فقد رواه أبونعيم في الطب عن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها، وقال:في إسناده خالد بن إسماعيل لايحتج به.وقال الدارقطني:متروك،ورواه الدارقطني من طريق آخرفيها الهيثم بن عدى كذاب. وأخرجه ابن حبان من طريق فيها وهب بن وهب وهوكذاب،وله طرق لايخلومن كذاب أو مجهول.**(فتاوى اللكنوى:ص ٦٠،باب مايجوزبه التوضؤومالايجوزبه،بيروت)

(۳) خطیب کا منبر پر سلام کرنا:

کتبِ فقہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام نہ کرے،البتہ حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے فرمایا احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے لہذا مشروعیت والا قول میرے نزدیک مختار ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت:والمختارعندى للأحاديث المذكورة القول بمشروعيته،وباللّٰه التوفيق. (اعلاء السنن:۸/۸۲/۲۰٦۷،باب سلام الخطيب على المنبر)

(۴) نفل کی جماعت مکروہ ہے مگر بغیر تداعی کے ہو تو مکروہ نہیں ہے، پھر تداعی کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں نیز فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ ۴ آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

لیکن حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اصل چیز لوگوں کو اہتمام کے ساتھ بلانا ہے، اگر بلانے کا اہتمام نہیں کیا گیا اور ایسے ہی جمع ہو گئے تو کراہت نہیں ہے، کیوں کہ احادیث اس کے موافق ہیں۔حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کے پیچھے نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھی۔چونکہ اتفاقاً جمع ہو گئے تھے،اس لئے مکروہ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت:وتفسيرالتداعى بالاهتمام والمواظبة أولىٰ من تفسيرها بالعدد والكثرة كما لايخفى.(اعلاء السنن: ۷/۹۳،حكم الجماعة بالتداعى فى غيرالمكتوبة،ادارة القرآن)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

خطیب کے سامنے ترقیہ کا حکم:

سوال: مؤذن خطیب کو عصا دینے سے پہلے بلند آواز سے درود پڑھتا ہے اور حاضرین کو ترغیب دیتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مؤذن کا اس طرح کرنا درست نہیں ہے یہ طریقہ نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تھا اور نہ تابعین کے زمانہ میں اور نہ سلف سے اس طرح کرنا منقول ہے لہذا شرعاً پسندیدہ نہیں ہے بلکہ اس کا ترک اولیٰ ہے۔ ملاحظہ ہو الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:

ابتدع بعض الناس أن يتكلموا بين يدى الخطيب بقوله تعالىٰ: ﴿إن اللّٰه وملائكته يصلون على النبى﴾ الآية، ويزيدون عليها انشودة طويلة،ثم إذا فرغ المؤذن الذى يؤذن بين يديه يقول:"إذا قلت لصاحبك والإمام يخطب يوم الجمعة:أنصت فقد لغوت" الحديث،ثم يقول بعد ذلك أنصتوا توجروا،وكل هذا بدعة لاداعى لها إليها ولالزوم لهاخصوصاً مايفعله ذلك المؤذن من الجهل بمعنى الحديث لأنه يأمر بالإنصات وعدم الكلام،ثم يتكلم هو بعده بقوله أنصتوا..... وعلى كل حال فالترقية بهذه الكيفية بدعة مكروهة فى نظر الحنفية وتركها أحوط على كل حال.

المالكية:قالوا:الترقية بدعة مكروهة لايجوز فعلها. (الفقه على مذاهب الاربعة:۱/۳۹۷،الترقية بين يدى الخطيب ،دارالفكر)

نیز ملاحظہ ہو: الفقه الاسلامى وادلته:۲/۲۹۶،الترقية بين يدى الخطيب"وهى بدعة مكروهة" دار الفكر. والدرالمختارمع ردالمحتار:۲/۱۶۰،فى حكم الرقى بين يدى الخطيب ،سعيد. والبحر الرائق:۲/۱۵۶، باب صلاة الجمعة،الماجدية.وفتاوى اللكنوى:ص۳۶۷،مايتعلق بالجمعة، بيروت. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطیب کا دورانِ خطبہ دائیں بائیں التفات کرنے کا حکم:

سوال: خطیب خطبہ دیتے وقت بالکل سامنے متوجہ رہے گا یا دائیں بائیں التفات کرسکتا ہے؟

الجواب: خطیب کا دورانِ خطبہ سامنے متوجہ رہنا سنت ہے دائیں بائیں التفات کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ویکرہ التفاتہ یمیناً وشمالاً .(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۵۱٤،قدیمی)

شامی میں ہے:

تنبیہ:مایفعلہ بعض الخطباء من تحویل الوجہ جھة الیمین وجھة الیسارعندالصلاة علی النبی ﷺ فی الخطبة الثانیة لم أرہ من ذکرہ والظاھرأنہ بدعة ینبغی ترکہ لئلا یتوھم أنہ سنة ثم رأیت فی منھاج النووی قال:ولایلتفت یمیناً وشمالاً فی شیء منھا قال ابن حجرؒ فی شرحہ:لأن ذلک بدعة،ویؤخذ ذلک عندنا من قول البدائع ومن السنة أن یستقبل الناس بوجھہ ویستدبر القبلة لأن النبی ﷺ کان یخطب ھکذا. (فتاوی الشامی:۲/۱٤۹، باب صلاة الجمعة، سعید۔وکذافی الفقہ السلامی وادلتہ:۲/۲۹۱، سنن الخطبة ومکروھاتھا،دارالفکر)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتاوی رحیمیہ۱/۲۶۳،خطبہ پڑھنے کا طریقہ۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطیب کی دعا کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:

سوال: جمعہ وعیدین کے خطبہ میں خطیب حضرات دعا کرتے ہیں تو کیا سامعین کے لئے ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بغیر ہاتھ اٹھائے دل ہی دل میں آمین کہنا جائز اور درست ہے البتہ ہاتھ اٹھا کر زور سے آمین کہنا مکروہِ تحریمی ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وقال البقالی فی مختصرہ:وإذا شرع فی الدعاء لایجوزللقوم رفع الیدین ولاتأمین باللسان جھراً فإن فعلوا ذلک أثموا وقیل:أساء وا ولاأثم علیھم،والصحیح ھوالأول، وعلیہ الفتوی. (شامی:۲/۱۷۲،باب صلاة الجمعة ،سعید۔وکذافی الفتاوی الھندیة:۱/۱٤۷۔ والبحر الرائق: ۲/ ۱۵۵۔ وفتح القدیر:۲/٦۷۔ومجمع الانھر:۱/۱۷۱۔وحاشیة الطحطاوی علی الدر المختار:۱/۳٤۷)

عمدۃ الفقہ میں ہے: جب خطیب مسلمانوں کے لئے خطبہ میں دعا کرے تو سامعین کو ہاتھ اٹھانا یا زبان سے بول کر آمین کہنا جائز نہیں ہے،اور اگر ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے ،بغیر ہاتھ اٹھائے دل میں مانگ سکتے ہیں یا آمین کہہ سکتے ہیں۔(عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم:ص۴۵۱،ممنوعات ومکروہات خطبہ،مجددیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

خطبہ میں صرف قرآنِ کریم پر اکتفا کرنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ جمعہ کے دن دونوں خطبوں میں قرآنِ کریم پڑھتے ہیں مثلاً سورۂ حجرات کا کچھ حصہ پہلے خطبہ میں اور کچھ حصہ دوسرے میں شرعاً اس کا کیا حکم؟ نیز دونوں خطبوں میں کیا پڑھنا چاہئے؟

الجواب: خطبہ میں قرآنِ کریم کا پڑھنا سنت ہے آپ ﷺ کا معمول تھا لیکن اس پر اکتفاء نہ کریں بلکہ شہادتین اور مسلمانوں کے لئے دعا ہو، آنحضرت ﷺ پر درود اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ہو ان پر ترضی ہو وغیرہ یہ سب چیزیں مستحب ہیں، نیز عام طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگ بدظن ہیں لہذا ان کا بھی تذکرہ کیا جائے۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن عمرة بنت عبد الرحمن عن اخت لعمرة قالت: أخذت قٓ والقرآن المجيد من فی رسول اللّٰه ﷺ يوم الجمعة وهو يقرأ بها على المنبر فی كل جمعة وفيه عن أم هشام بنت حارثة بن النعمان قالت: ماأخذت قٓ والقرآن المجيد إلا عن لسان رسول اللّٰه ﷺ يقرؤها كل يوم الجمعة على المنبر إذا خطب الناس. (مسلم شريف: ۲۸۶/۱)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويسن بداء ته بحمد اللّٰه بعد التعوذ فی نفسه سراً والثناء عليه بما هو أهله سبحانه وتعالىٰ والشهادتان والصلاة على النبی ﷺ والعظة بالزجر عن المعاصی والتخويف والتحذير لما يوجب مقت اللّٰه تعالىٰ وعقابه سبحانه وتعالىٰ والتذكير بما به النجاة وقراءة آية من القرآن لما روی أنه ﷺ: قرأ فی خطبته واتقوا يوماً ترجعون فيه إلى اللّٰه..... ويسن إعادة الحمد و إعادة الثناء و إعادة الصلاة على النبی ﷺ كائنة تلك الإعادة فی ابتداء الخطبة الثانية وذكر الخلفاء الراشدين رضی اللہ عنہم مستحسن بذلك جرى التوارث ويسن الدعاء فيها أی الخطبة الثانية للمؤمنين والمؤمنات مكان الوعظ بالاستغفار لهم. (مراقی الفلاح مع نورالایضاح: ص ۱۹۳، باب الجمعة، مكة المكرمة).

نیز ملاحظہ ہو: شامی: ۱۴۸/۲، سعید۔ وامداد الفتاح: ص ۵۶۵، بیروت)۔

خطبۃ الجمعہ میں ہے:

قراءۃ القرآن فی الخطبۃ سنت ہے یہی راجح قول ہے پھر اس کی مقدار کیا ہے؟ اس میں ۱۳ اقوال ہیں، اور

احناف کے نزدیک کم از کم تین آیات قصار یا ایک آیت طویلہ پڑھے۔(خطبۃ الجمعۃ واحکامہا الفقہیۃ:ص ۱۴۱)

نیز ملاحظہ ہو:احسن الفتاوی:۴/ ۱۴۶۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطبہ کے وقت عصا ہاتھ میں لینے کا حکم:

سوال: شریعت کا کیا حکم ہے عصا کے متعلق جمعہ کے دن خطبہ کے لئے کیا واجب ہے یا فرض یا سنت؟ کیا عصا نہ پکڑنے والا کافر ہو جائے گا؟

الجواب: فقہائے کرام نے لکھا ہے اگر کوئی شہر تلوار سے فتح ہوا ہو تو اس میں امام کو چاہئے کہ تلوار بائیں ہاتھ میں لے اور اس پر ٹیک لگا کر خطبہ دے علامہ شامیؒ نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے۔ملاحظہ ہو:

أی بالسیف لیریهم أنها فتحت بالسیف فإذا رجعتم عن الإسلام فذلک باقی فی أیدی المسلمین یقاتلونکم حتی ترجعوا إلی الإسلام،درر. (شامی:۲/ ۱۶۲،سعید)

یعنی لوگوں کو یہ دکھائے کہ یہ شہر تلوار سے فتح ہوا ہے اگر تم نے اسلام کو چھوڑا تو مسلمانوں کے ہاتھ میں اب بھی تلوار باقی ہے تم سے لڑ کر تم کو اسلام کی طرف لوٹائیں گے۔

اور اگر کوئی شہر یا ملک بزورِ شمسیر فتح نہیں کیا گیا بلکہ دعوت وتبلیغ یا صلح سے فتح ہوا ہو تو وہاں عصا کے سہارے خطبہ دیا جائے۔مگر یہ عمل نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنتِ مؤکدہ بلکہ ایک مستحب عمل ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ لوگوں کی فرضیت اور لازم ہونے کا عقیدہ وابستہ نہ ہو۔اگر لوگ اس کو ضروری سمجھنے لگیں تو پھر اس کو چھوڑنا چاہئے۔

علامہ طیبی نے شرح مشکاۃ میں لکھا ہے کہ مستحب عمل پر اصرار کرنے سے بدعت بن جاتا ہے پھر جو شخص عصا چھوڑنے والے کو کافر کہتا ہے وہ سخت گنہگار اور عاصی ہے اس کو توبہ کرنی چاہئے کسی مسلمان کو کافر کہنا یا سمجھنا سخت گناہ ہے۔

امداد الاحکام میں ہے:

عصا لینا مستحب ہے لیکن اگر اس کو ضروری سمجھا جاوے اور تارک پر ملامت کی جائے تو التزام مالا یلزم کی وجہ سے منع کیا جائے گا۔**فی الدر: ویکره أن یتکیء علی قوس أوعصا. وفی الشامی: نقل القهستانی: عن المحیط أن أخذ العصا سنة کالقیام.** (امداد الاحکام:۱/ ۷۵۹،کراچی)

نیز ملاحظہ ہو:فتاوی محمودیہ:۸/ ۲۷۰،مبوب ومرتب،جامعہ فاروقیہ۔واحسن الفتاوی:۴/ ۱۴۳۔

Maktaba Tul Ishaat.com

خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کو چاہئے کہ اکثر و بیشتر عصا نہ پکڑے، ہاں عوام کے عقیدے کی اصلاح کے بعد مستحب پر عمل کرتے ہوئے گاہے گاہے عصا ہاتھ میں لیا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خطیب کا جلسہ خفیفہ ترک کرنا:

سوال: اگر کوئی خطیب جمعہ کے دن دو خطبوں کے درمیان جلسہ خفیفہ نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: دو خطبوں کے درمیان جلسہ خفیفہ مذہبِ احناف کے مطابق سنت ہے، لہذا خطبہ تو ادا ہو جائے گا مگر خلافِ سنت اور مکروہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وسن خطبتان للتوارث إلى وقتنا وسن الجلوس بين الخطبتين جلسة خفيفة وظاهر الرواية مقدارثلاث آيات. وفي الطحطاوي: وهوالمذهب در، وتاركها مسيء في الأصح لأنها سنة قهستاني لماروى أن النبي ﷺ كان يخطب قائماً خطبة واحدة فلما أسن جعلهاخطبتين بينهما جلسة خفيفة، وفيه دليل على أنهالاستراحة لاشرط. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص ۵۱۶، قدیمی۔ وکذافی الدرالمختار: ۲/۱۴۸، سعید۔ والفتاوی الهندیة: ۱/۱۴۷)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

دو خطبوں کے درمیان نہ بیٹھنا خلاف سنت ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۸/۲۰۱، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

خطیب کو لقمہ دینے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص خطبہ میں آیتِ کریمہ غلط پڑھتا ہے تو لقمہ دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر آیتِ کریمہ میں فحش غلطی کرے تو پرچی کے ذریعہ سے اصلاح فرمادیں تاکہ فحش غلطی دور ہو۔ اگرچہ خطبہ کے وقت ہر قسم کا کلام ممنوع ہے (جیسا کہ نماز میں بھی ہر قسم کا کلام ممنوع ہے لیکن لقمہ کی گنجائش ہے) نیز ایک قول کے مطابق صرف کلام دنیوی منع ہے دینی کلام کی ممانعت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(وفتحه على إمامه جائز) لماروى أنه ﷺ قرأ في الصلاة سورة المؤمنين فترك كلمة فلما فرغ قال: ألم يكن فيكم أبيّ ؟ قال: بلى قال: هلافتحت عليّ؟ قال: ظننت أنها نسخت فقال رسول الله ﷺ: لونسخت لأعلمتكم وقال: إذا استطعمك الإمام فأطعمه أي إذا

استفتحک الإمام فافتح علیه، والصحیح أنه ینوی الفتح دون التلاوة لأن الفتح مرخص فیه. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۳۳٤،باب مایفسدالصلاة ،قدیمی)

شامی میں ہے:

قوله ولا کلام أی من جنس کلام الناس أما التسبیح ونحوه فلایکره وهوالأصح کما فی النهایة والعنایة وذکره الزیلعی أن الأحوط الإنصات ومحل الخلاف قبل الشروع أما بعده فالکلام مکروه تحریماً بأقسامه کما فی البدائع. (شامی:۲/۱۵۸،سعید)

فتاوی لکھنوی میں ہے:

قال بعضهم :إنمایکره الکلام الذی هومن کلام الناس، وأماالتسبیح واتباعه فلا، وقال بعضهم: کل ذلک، والأول أصح، کذا فی مبسوط فخرالإسلام. (فتاوی اللکنوی: ص۳۵۰، ما یتعلق بالجمعة،بیروت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

غیرعربی میں خطبہ دینے کا حکم:

سوال: خطبہ عربی میں دیناواجب ہے یاسنت اگرکوئی شخص غیرعربی میں خطبہ دےتو کیاحکم ہے؟

الجواب: خطبہ عربی زبان میں دیناسنتِ مؤکدہ اورضروری ہے۔کسی اورزبان میں دینامکروہِ تحریمی ہے۔رسول اللہ ﷺاورصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کامعمول پوری زندگی عربی زبان میں خطبہ دینے کا تھا۔حالانکہ وہ مشرق ومغرب میں پھیلے،عجمی ممالک کوفتح کیااوروہیں پرخطبے دئے،لیکن کوئی ایک واقعہ بھی ایسانہیں کہ انہوں نے جمعہ یاعیدین کاخطبہ غیرعربی میں دیاہو۔بعض حضرات یہ شبہ کرتے ہیں کہ خطبہ تذکیراورنصیحت ہے لہذا سامعین کی زبان میں ہوناچاہئے۔مگران کوسوچناچاہئے کہ خطبہ ذکرہے،قرآنِ کریم میں اللہ جل جلالہ کاارشاد ہے: ﴿فاسعوا إلی ذکرالله﴾ یعنی اللہ کےذکرکی طرف دوڑواللہ جل جلالہ کےذکرسے مرادمحدثین اورمفسرین کےنزدیک خطبہ جمعہ ہی ہے۔ نیزایک حدیث میں بھی خطبہ کوذکرفرمایاگیاہے:

فإذا خرج الإمام حضرت الملائکة یستمعون الذکر. (بخاری شریف:۱/۱۲۱/۸۷۱،باب فضل الجمعة)

یعنی جب امام خطبہ کے لئے کھڑاہوجائےتوفرشتے خطبہ سننے کے لئے حاضرہوجاتے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

معلوم ہوا کہ خطبہ نماز اور اذان کی طرح ذکر ہے تو جس طرح نماز اور اذان کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے اسی طرح خطبہ کا بھی عربی زبان میں ہونا ضروری ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے شرح مؤطا میں تحریر فرمایا ہے:

وأما كونها عربية فلاستمرار أهل الإسلام في المشارق والمغارب به مع أن في كثير من الأقاليم كان المخاطبون أعجمين. (مصفى شرح مؤطا:ص ١٥٤ باب التشديد على من ترك الجمعة من غير عذر)

یعنی خطبہ کا عربی زبان میں ہونا اس لئے ضروری ہے کہ تمام اہل اسلام مشرق ومغرب میں یہی طریقہ جاری رکھے ہوئے ہیں، حالانکہ سامعین اور مخاطب عجمی ہوا کرتے تھے لہذا عربی میں خطبہ جمعہ وعیدین کی پابندی ضروری ہے۔ نیز علامہ لکھنویؒ نے بھی غیر عربی میں مکروہِ تحریمی فرمایا ہے:

فإنه لاشك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ والصحابة رضی اللہ عنہم فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الرعاية على شرح الوقاية:١/ ٢٠٠، رقم الحاشية ٢، المجيدى كانفور)

نیز ملاحظہ ہو: (الفقه الاسلامی وادلته: ٢/ ٢٨٩، دارالفكر. اتحاف السادة المتقين شرح احياء علوم الدين: ٣/ ٣٢٦. والانصاف في معرفة الراجح من الخلاف: ٢/ ٣٨٧. وفتاوى دارالعلوم ديوبند: ٥/ ٩٠، دارالاشاعت. وامدادالاحكام: ١/ ٧٣٢).

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (فتاوى محموديه: ٨/ ٢١٥. ٢٣٩، مبوب ومرتب، جامعه فاروقيه. وجواهر الفقه "الاعجوبة في عربية خطبة العروبة" ١/ ٣٤٧، مكتبة دارالعلوم كراچی. ومجموعة الفتاوى لكهنوى: ١/ ٣٥٩، آرام باغ كراچی). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد کا نام نہ لینا:

سوال: خطبہ میں جب خلفائے راشدین کا تذکرہ آتا ہے تو عام طور پر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وعلی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ کہتے ہیں یعنی والد کا نام بھی ذکر کرتے ہیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام کیوں نہیں ذکر کرتے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام ذکر کریں اور یوں کہیں ابوبکر بن ابی قحافۃ تو تکرارِ کنیت کی وجہ سے لفظ میں ثقل پیدا ہوتا ہے، اور اگر کنیت کو چھوڑ کر صرف نام پر اکتفاء کریں مثلاً عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ'' تو چونکہ مشہور نہ ہونے کی وجہ سے تعریف مکمل نہیں ہوتی، اس وجہ سے فقط ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی واحدی میں ہے:

سوال: ما الوجه في ترک نسبة الصديق رضی اللہ عنہ إلى أبيه في الخطبة كماينسب سائر الخلفاء رضی اللہ عنہم إلى آبائهم؟

الجواب: والوجه فيه أمرلفظي وهوأن الصديق رضی اللہ عنہ وإن كان اسمه عبدالله لكنه اشتهر بكنية أبي بكروكذلك والده رضی اللہ عنہ وإن كان اسمه عثمان رضی اللہ عنہ لكنه كان مشهورً بكنية أبي قحافة رضی اللہ عنہ فلونسب الكنية إلى الكنية مع تكرارلفظ الأب لأدى ذلك إلى الثقل في اللفظ كما يشهد به الذوق السليم.

ولونسب الاسم إلى الاسم لم يحصل التعريف المطلوب لعدم الشهرة بالاسم فأقيم الوصف المشهور بالصديق مقام النسبة لأن الغرض هوالتعريف وهوكما يحصل بذكر النسبة فكذلك يتحقق بذكرالوصف المذكور، وأماسائرالخلفاء رضوان الله تعالىٰ عليهم أجمعين فالفاروق وذوالنورين كانامشهورين باسمائهماكآبائهما فليس هناك كنية أصلاً فنسب الاسم إلى الاسم وأن المرتضى كرم الله وجهه فإن والده كان مشهوراً بالكنية لكنه رضی اللہ عنہ كان مشتهراً باسمه فلويتحقق انتساب الكنية إلى الكنية المؤدى إلى الثقل بل انتساب الاسم إلى الكنية ولاثقل فيه. (فتاوی واحدی:ص ۲۳۵)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرنے کا حکم:

سوال: خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرنا چاہئے خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ لوگ ان کے بارے میں بدظنی کا شکار ہیں۔ ہاں اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پہلے لوگوں کو مانوس کرے، پھر آہستہ خطبہ میں تذکرہ شروع کرے۔ ملاحظہ ہو احسن الفتاوی میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

ہر زمانہ میں مضمون کی ترتیب میں اسلام میں پیدا ہونے والے فتنوں سے مسلک اہلِ سنت کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے، چنانچہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے مبارکہ اوران کے لئے دعا اوران کے مناقب خطبہ میں لانے سے روافض وخوارج پر تردید اور مسلکِ اہل سنت کا اعلان مقصود ہے، سابق زمانہ میں جو فتنے تھے ان کی تردید کے لئے انہی صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کافی تھا جو مطبوعہ خطبوں میں مذکور ہیں، جدید دور کا ایک ایک جدید فتنہ ایک ایسی جماعت کا ظہور ہے جو اہلِ سنت ہونے کی مدعی ہے اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت کا دعوی کرتی ہے، مگر قلوب بغض صحابہ رضی اللہ عنہم سے مسموم ہیں، بالخصوص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ان کے قلوب کی نجاست ان کی زبان وقلم سے مسلسل اُبل رہی ہے، مسلکِ اہل سنت میں کسی صحابی کے بارے میں ذراسی بدگمانی بھی اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم کی موجب ہے، اس لئے یہ لوگ اہلِ سنت سے خارج ہیں، اور الحاد میں روافض ہی کی راہ پر چل رہے ہیں، نیز روافض کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا دوسری بناتِ مکرمات رضی اللہ عنہن سے بھی بغض ہے، اس لئے ان فتنوں کی تردید کے پیشِ نظر خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور بناتِ مکرمات رضی اللہ عنہن کے مناقب وفضائل کا ذکر اوران کے لئے دعاءِ ترضی کا معمول بنانا چاہئے، اس سے حضرت تھانوی قدس سرہ اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک سے انحراف لازم نہیں آتا، بلکہ ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ ان کے خطبات جس نظریہ پر مبنی ہیں ان میں یہ اضافہ بھی اسی نظریہ کے ماتحت کیا گیا ہے، جس کی تفصیل اوپر بتائی جا چکی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۴/ ۱۴۶، باب الجمعۃ والعیدین)

فتاوی فریدیہ میں ہے:

نہ اصرار مناسب ہے اور نہ انکار زیبا ہے خصوصاً جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بہت سے لوگ بدظنی کا شکار ہوئے ہیں۔ (فتاوی فریدیہ: ۳/ ۱۸۸، فصل فی الجمعۃ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ریڈیو پر نشر ہونے والے خطبہ کے سننے کا حکم:

سوال: جب ریڈیو پر جمعہ کا خطبہ نشر کیا جارہا ہو تو استماع واجب ہے نہیں؟

الجواب: ریڈیو پر اگر خطیب کی آواز کو براہِ راست نشر کیا جارہا ہے تو جن پر جمعہ واجب ہے ان کے لئے خطبہ کی جگہ آکر سننا بھی واجب ہوگا ورنہ نہیں، اور اگر آواز کو ٹیپ کیا گیا تھا اس کو نشر کیا جارہا ہے تو سننا واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ سجدۂ تلاوت کا حکم ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وفی النهرعن البدائع یکره الکلام حال الخطبة، وکذاکل عمل یشغله عن سماعها من قراء ة قرآن أوصلاة أوتسبیح أوکتابة ونحوهابل یجب علیه أن یستمع ویسکت، فی شرح الزاهدی یکره لمستمع الخطبة مایکره فی الصلاة من أکل وشرب وعبث والتفات ونحوذلک، وفی الخلاصة کل ماحرم فی الصلاة حرم حال الخطبة ولوأمراً بمعروف، وفی السید استماع الخطبة من أولها إلی آخرها واجب.....والنائی کالقریب. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۵۱۹،قدیمی۔وکذافی امدادالفتاح:ص۵۶۹،واجبات الجمعة، بیروت)

نظام الفتاوی میں ہے:

ریڈیو،اس میں اکثر بیان کرنے والے کی تقریروآواز ٹیپ کرلی جاتی ہےاور پھراسی کونشر کرایا جاتا ہے،پس اگر ایسا ہونے کاظن غالب ہوتواس کی آواز پرسجدۂ تلاوت کرنالازم نہ رہے گا۔ہاں جب بولنے والا بغیران وسائل کے خود بول رہا ہےاورآیتِ سجدہ تلاوت کرے توسجدۂ تلاوت واجب ہوگا،اورریڈیومیں متکلم کی بعینہٖ آوازاورٹیپ کی آواز میں موقعہ استعمال کافرق مدلل طور پرہوجاتا ہےاسی کے اعتبار سےعمل کرے۔(نظام الفتاوی: ۱/۷۲،کتاب الصلاۃ،فقہ اکیڈمی)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ:۷/۴۷۲،مبوب ومرتب۔وجدید فقہی مسائل:۱/۱۷۱،نعیمیہ دیوبند۔وآلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام: ص۱۷۴۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطیب کےعلاوہ دوسرے شخص کانمازِ جمعہ پڑھانا:

سوال: ایک شخص مسلسل کئی ہفتوں سے خطبہ پڑھ کرنمازِ جمعہ دوسرے شخص کوسپرد کرتا ہے یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اس شخص کا یہ عمل خلافِ اولیٰ ہے ہرجمعہ کواس طرح کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

(لاینبغی أن یصلی غیرالخطیب لأنهماکشیء واحد) قوله لأنهماأی الخطبة والصلاة کشیء واحد لکونهما شرطاً ومشروطاً لاتتحقق المشروط بدون شرطه فالمناسب أن یکون فاعلهما واحد. (شامی:۲/۱۶۲،باب صلاة الجمعة ،سعید)

Maktaba Tul Ishaat.com

وفی الطحطاوی:(قوله:لاینبغی)الظاهر أن اختلافهما مکروه تنزیهاً.(حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۳٤۸)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ:۸/ ۲۱۵،مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطبہ کے بعد نماز سے قبل امام کے لئے اعلان کرنے کا حکم:

سوال: خطبہ کے بعد نماز سے قبل امام کے لئے کوئی مسئلہ بیان کرنا یا مثلاً یہ کہنا صفیں سیدھی کرلیں یا پہلے مسجد کے اندر سے پُر کریں یا وعظ ونصیحت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کے لئے نماز سے قبل یہ اعلان کرنا کہ صفیں درست کرلیں یا پہلے مسجد کو اندر سے پُر کرلیں یا مختصر مسئلہ بیان کردینا جائز ہے،طویل وعظ درست نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فاذا أتم أی الإمام الخطبة أقیمت بحیث یتصل أول الإقامة بآخر الخطبة وتنتهی الإقامة بقیام الخطیب مقام الصلاة.....ویکره الفصل بأمر الدنیاذکره العینی.....اما بنهی عن منکر أو أمر بمعروف فلا وکذا الوضوء.....حتی لو طال الفصل استأنف الخطبة .(شامی: ۲/۱٦۲، باب صلاة الجمعة،سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

مختصر طور پر کوئی مسئلہ بتانا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر جائز ہے طویل وعظ جائز نہیں۔(احسن الفتاوی:۴/۱۲۲، باب الجمعۃ والعیدین)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطبہ کا مختصر ہونا اور نماز کا طویل ہونا سنت ہے:

سوال: جمعہ کا خطبہ اتنا لمبا پڑھنا کہ نماز کی قراءت اس کے مقابلہ میں چوتھائی نہ ہو ائمہ اربعہ کے مذہب کی روشنی میں کیسا ہے؟

الجواب: ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ خطبہ کو مختصر کرنا اور نماز کو طویل کرنا سنت ہے۔اور اس کے خلاف کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے خلافِ سنت ہے،اور یہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے،جب کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک خلافِ اولیٰ ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن واصل بن حیان قال:قال أبو وائل خطبنا عمار رضی اللہ عنہ فأوجز وأبلغ فلما نزل قلنا یا

أباالیقظان لقد أبلغت وأوجزت فلو کنت تنفست فقال:إنی سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: إن طول صلاۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقھہ فأطیلوا الصلاۃ وأقصروا الخطبۃ وإن من البیان سحراً. (رواہ مسلم:۱/۲۸۶،کتاب الجمعۃ)

وعن جابربن سمرۃ رضی اللہ عنہ قال کنت أصلی مع النبی ﷺ الصلوات فکانت صلاتہ قصداً وخطبتہ قصداً. (رواہ مسلم:۱/۲۸۴،کتاب الجمعۃ)

بدائع الصنائع میں ہے:

واما سنن الخطبۃ .....ومنھا أن لایطول الخطبۃ لان النبی ﷺ أمر بتقصیر الخطبۃ وعن عمر رضی اللہ عنہ أنہ قال:طولوا الصلاۃ وقصروا الخطبۃ وقال ابن مسعود رضی اللہ عنہ طول الصلاۃ وقصر الخطبۃ من فقہ الرجل. (بدائع الصنائع:۱/۲۶۳،سعید۔وکذافی شامی:۲/۱۴۸،باب صلاۃ الجمعۃ ۔ والفتاوی الھندیۃ:۱/۱۴۷)

شرح المہذب میں ہے:

ویستحب أن یقصر الخطبۃ لماروی عن عثمان رضی اللہ عنہ أنہ خطب وأوجز فقیل لہ لو کنت تنفست فقال:سمعت النبی ﷺ یقول:الخ.....(شرح المہذب:۴/۵۲۶)

مغنی میں ہے:

ویستحب تقصیر الخطبۃ لماروی عمار رضی اللہ عنہ قال:.....(المغنی لابن قدامۃ الحنبلی:۲/۱۵۵)

الفقہ الاسلامی میں ہے:

مکروھات الخطبۃ عندالحنفیۃ والمالکیۃ :ھی ترک السنن المتقدمۃ ومن أھمھا تطویل الخطبۃ، ولیس ترک السنن المتقدمۃ عندالشافعیۃ والحنابلۃ مکروھاً علی اطلاقہ،بل منہ ماھومکروہ،ومنہ ماھوخلاف الأولیٰ. (الفقہ الاسلامی وادلتہ:۲/۲۹۳،۲۹۸،۲۹۹۔وکذافی الفقہ علی مذاھب الاربعۃ:۱/۳۹۴۔وکذافی حاشیۃ الدسوقی: ۱/۵۹۸،فصل فی الجمعۃ ،دارالفکر۔ومذھب الخلیل:۲/۵۳۸)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

Maktaba Tul Ishaat.com

احتیاط الظہر کا حکم:

سوال: کیا جمعہ کی نماز کے بعد ظہر کی نماز ادا کی جائے گی یا نہیں؟ ادا نہ کرنے کے دلائل پیش کریں؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق احتیاط الظہر نہیں پڑھنا چاہئے، صرف جمعہ پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

أقول وقد كثر ذلك من جهلة زماننا أيضاً ومنشأجهلهم صلاة الأربع بعد الجمعة بنية الظهر وإنماوضعهابعض المتأخرين عندالشك في صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها في مصرواحد وليست هذه الرواية بالمختارة وليس هذاالقول أعني اختيارصلاة الاربع بعدها مروياً عن أبي حنيفةؒ وصاحبيهؒ حتى وقع لي أنني أفتيت مراراً بعدم صلاتها خوفاً على اعتقاد الجهلة بانها الفرض وان الجمعة ليست بفرض. (البحرالرائق:۲/۱۳۹،باب صلاة الجمعة ،الماجدية)

امدادالفتاح میں ہے:

تنبيه آخرفي بيان صلاة الاربع بعد الجمعة بنية آخرظهرعليه:قال:الشيخ زين ما في القنية من أمرمشايخ مرو بأداء أربع ركع بعد الجمعة حتماً احتياطاً مبنى على القول الضعيف المخالف للمذهب،وهومنع جوازتعدد الجمعة فليس الاحتياط فعلها لان الاحتياط العمل بأقوى الدليلين،وهواطلاق الجوازوفي المنع حرج وهومدفوع وفي فعل الأربع مفسدة عظيمة وهي اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست فرضاً لما يشاهدون من صلاة الظهرفيتكاسلون عن أداء الجمعة يعني أواعتقادهم افتراض الجمعة والظهربعد الجمعة أيضاً،وقد شوهد الآن صلاتهابالجماعة والاقامة لها،ونيتهم فرض الظهر الحاضرإماماً ومؤتماً بغالب المساجد والخطيب إماماً بعد إمامته بالجمعة والجماعة وهو ظاهرالشناعة.

(امدادالفتاح:ص۵۵۳، مطلب ،الاحتياط هوالعمل باقوى الدليلين،بيروت)

امدادالاحکام میں ہے:

اگر شرائط صحت موجود ہیں تب تو ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں اور اگر شرائط صحت موجود نہیں تو جمعہ پڑھنا جائز نہیں ظہر ہی پڑھنا جماعت کے ساتھ واجب ہے، اس لئے ظہر احتیاطی سے ہر حال میں منع کیا جاوے۔

(امدادالاحکام:۱/۷۲۵،فصل فی الجمعۃ،کراچی)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (فتاوی الشامی:۲/۱۴۵.۱۴۶، مطلب فی نیة آخر ظهر بعد صلاة الجمعة ، سعید. وحاشية الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۳۸،۳۴۲. وكفايت المفتی:۳/۲۱۵.واحسن الفتاوی : ۴/۱۳۹ . وفتاوی محمودیه:۸/۳۴۶، مبوب ومرتب،جامعه فاروقیه.وآپ کے مسائل اوران کا حل : ۲/۴۰۳ . وامدادالمتین:۲/۳۹۴، دارالاشاعت.وعمدة الفقه:كتاب الصلاة حصه دوم:ص ۴۴۲، المجددية.

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جمعہ کے بعد سنت کی تعدادِ رکعات:

سوال: جمعہ کی نماز کے بعد کتنی رکعت مسنون ہے؟ اوران میں مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کتنی ہیں؟

الجواب: عام طور پر کتبِ فقہ میں چار رکعت سنتِ مؤکدہ مذکور ہے اورامام ابو یوسفؒ سے چھ رکعت مروی ہے۔حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تطبیق اس طرح دی ہے کہ چار سنتِ مؤکدہ اور دو غیر مؤکدہ ہیں۔اور کبیری وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چار سنتِ مؤکدہ پہلے پڑھنی چاہئے اور دو بعد میں ۔البتہ حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ نے دو رکعت پہلے پڑھنے کو ترجیح دی ہے،اور چھ رکعت کا ثبوت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے،اس میں دو کا تذکرہ پہلے ہے۔لہذا دو پہلے پڑھنے کی بھی اجازت ہے بلکہ کبھی کبھی اس پر بھی عمل کرنا چاہئے۔نیز "لایصلی صلاۃ مثلها" کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ کوئی فرض نماز مکرر نہ پڑھی جائے،نیز جمعہ خطبہ کی وجہ سے چار رکعت کے حکم میں ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال:قال رسول اللّٰه ﷺ:إذا صلی أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربعاً.وفی رواية له عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ:إذا صليتم بعد الجمعة فصلوا أربعاً،وفی رواية له عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه كان إذا صلی الجمعة انصرف فسجد سجدتين فی بيته ثم قال:كان رسول اللّٰه ﷺ يصنع ذلك.(مسلم شريف:۱/۲۸۸،فصل فی استحباب اربع ركعات.....)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أبی عبدالرحمن قال:قدم علينا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فكان يأمرنا أن نصلی بعدالجمعة أربعاً فلما قدم علينا علی رضی اللہ عنہ أمرنا أن نصلی ستاً،فأخذنا بقول علی رضی اللہ عنہ وتركنا قول عبد اللّٰه قال:كان يصلی ركعتين ثم أربعاً.وفی رواية له عن عطاء قال:كان ابن عمر رضی اللہ عنہ إذا صلی

Maktaba Tul Ishaat.com

الجمعة صلى بعدها ست ركعات ركعتين ثم أربعاً وفي رواية له عن أبي بكربن أبي موسىٰ عن أبيه: كان يصلي بعدالجمعة ست ركعات. (مصنفِ ابن ابی شیبة:٤/١١٨/٥٤١٠، ٥٤١٣، المجلس العلمی)

ترمذی شریف میں ہے:

روى عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ كان يصلي قبل الجمعة أربعاً وبعدهاأربعاً. وروى عن علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ أنه أمرأن يصلي بعدالجمعة ركعتين ثم أربعاً.

وقال العلامة الشاه الكشميري رحمہ اللہ في شرح هذه الأحاديث: وأمابعدالجمعة فركعتان عند الشافعي رحمہ اللہ وأربع عند أبي حنيفة رحمہ اللہ وست ركعات عند صاحبيه رحمہما اللہ وفي الست طريقان والمختارعندي أن يأتي بالركعتين قبل الأربع لعمل ابن عمر رضی اللہ عنہ في سنن أبي داؤد. (ترمذی شریف مع العرف الشذی:١/١١٦-١١٨،باب فی الصلاة قبل الجمعة وبعدها)

مزید ملاحظہ ہو: (شرح منية المصلي: ص ٣٨٨،فصل في السنن ،سهيل. وكذافي معارف السنن:٤/٤١١، بحث السنن قبل الجمعة وبعدها، سعيد. واعلاء السنن: ٧/١٣. ١٥ ، باب النوافل والسنن ، ادارة القرآن. وفتاوى محموديه:٨/٣٤٤،مبوب ومرتب. وفتاوى دارالعلوم ديوبند:٥/١٣٦ ، دارالاشاعت. تعليم الاسلام:٤/١٤٨ ، مكمل، دارالاشاعت). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عید و جمعہ جمع ہو جائیں تو نمازِ جمعہ کا حکم:

سوال: جمعہ کے دن نمازِ عید پڑھنے کے بعد جمعہ پڑھنا لازم ہے یا نہیں؟ احادیث کی روشنی میں کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث کی روشنی میں عید کی نماز کے بعد جمعہ پڑھنا لازم وضروری ہے۔

ملاحظہ ہو صحیح مسلم شریف میں ہے:

عن النعمان بن بشير رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقرأ في العيدين وفي الجمعة بسبح اسم ربك الأعلىٰ وهل أتاك حديث الغاشية قال: وإذا اجتمع العيد والجمعة في يوم واحد يقرأ بهما أيضاً في الصلاتين. (رواه مسلم:١/٢٨٨-والنسائي:١/٢١٠-وكذافي

تفسیرالقرطبی:۱۰۷/۲۱۔وتفسیرابن کثیر:۵۲۸/٤)

احکام القرآن میں ہے:

لایسقط الجمعة کونهما فی یوم واحدخلافاً لأحمدؒ حین قال:إذا اجتمع عید وجمعة سقط الجمعة لتتقدم العید علیها واشتغال الناس به عنها وتعلق فی ذلک بماروی أن عثمانؓ أذن فی یوم العیدلأهل العوالی أن یتخلفواعن الجمعة وقول الواحد من الصحابة لیس بحجة إذاخولف فیه ولم یجتمع معه علیه والأمربالسعی متوجه یوم العیدکتوجهه فی سائر الأیام.(احکام القرآن لابن العربیؒ:٦٥/٥)

ایک اشکال اوراس کا جواب:

اشکال: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عید کے دن جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت مرحمت فرمائی۔ ملاحظہ ہوابن ماجہ میں ہے:

عن نافع عن ابن عمر ؓ قال:اجتمع عیدان علی عهدرسول اللّٰه ﷺ فصلی بالناس ثم قال:من شاء أن یأتی الجمعة فلیأتها ومن شاء أن یتخلف فلیتخلف.وفی روایة له عن زیدبن أرقمؓ.....ثم قال:من شاء أن یصلی فلیصل.....وفی روایة له عن ابن عباس ؓ عن رسول اللّٰهﷺ أنه قال:قد اجتمع عیدان فی یومکم هذا فمن شاء أجزأه من الجمعة وإنا مجمعون إن شاء اللّٰه تعالیٰ .(ابن ماجه شریف:ص۹۳،باب ماجاء اذااجتمع العیدان فی یوم)

الجواب:(۱) اولاً تو یہ تمام احادیث ضعیف ہیں دکتور بشارعواد نے ابن ماجہ کی تعلیق میں ان کی تضعیف فرمائی ہے۔ملاحظہ ہو:

(۱) عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں جبارہ بن مغلس راوی ضعیف ہے،اوراس کے شیخ مندل بن علی العنزی بھی ضعیف ہے۔

(۲) زید بن ارقمؓ کی روایت میں ایاس بن ابی رملہ مجہول ہے۔

(۳) عبداللہ بن عباسؓ کی روایت بقیہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔(تعلیق الدکتوربشارعوادعلی ابن ماجة:٤٥١/٢،١٣١٠،١٣١١،١٣١٢، باب ماجاء فیما اذا اجتمع العیدان فی یوم واحد، بیروت)

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب (۲): یہ رخصت اور خطاب دیہات والوں کے لئے تھا جو مدینہ منورہ کے اردگرد سے نمازِ عید کے لئے جمع ہوئے تھے۔ پھر دوبارہ جمعہ کے لئے جمع ہونے میں حرج تھا اس وجہ سے ان کو رخصت واجازت مرحمت فرمائی۔ کیوں کہ دیہات والوں پر ایسے بھی جمعہ فرض نہیں ہے بلکہ وہ اپنی بستی میں ظہر پڑھ لیں۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اشارہ بھی ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "إنا مجمعون إن شاء الله تعالیٰ" ہم یعنی مدینہ منورہ میں رہنے والے تو جمعہ قائم کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

كان أهل القرى يجتمعون لصلاة العيدين مالايجتمعون لغيرهما، كماهو العادة، وكان في انتظارهم الجمعة بعد الفراغ من العيدحرج عليهم، فلما فرغ رسول الله ﷺ من صلاة العيد نادى مناديه "من شاء منكم أن يصلي الجمعة فليصل، ومن شاء الرجوع فليرجع" وكان ذلك خطاباً لأهل القرى المجتمعين هناك، والقرينة على ذلك بانه قدصرح فيه بانامجمعون، والمراد من جمع المتكلم أهل المدينة بلاشك وفيه دلالة واضحة على أن الخطاب بقوله: "من شاء منكم أن يصلي" لأهل القرى دون اهل المدينة. عن ابن شهاب عن أبي عبيد مولىٰ ابن أزهر أنه قال: شهدت العيد مع عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فجاء فصلى ثم انصرف فخطب وقال: إنه قد اجتمع لكم في يومكم هذا عيدان، فمن أحب من أهل العالية أن ينتظر الجمعة فلينتظرها، ومن أحب أن يرجع فقد أذنت له. رواه مالك في موطائه: (ص ۶۳) **وهذاالإسنادقدأخرجه البخاري:** (ص ۲۶۷) **في باب صوم يوم الفطر.** (اعلاء السنن: ۸/۹۲، ۹۳، باب اذااجتمع العيدوالجمعة لاتسقط الجمعة به)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (بذل المجهود: ۶/۵۲. ومعارف السنن: ۴/۴۳۱. ۴۳۴، بحث عدم سقوط الجمعة عنداجتماع العيدوالجمعة. واعلاء السنن: ۸/۹۲. ۹۸، باب اذااجتمع العيدوالجمعة لاتسقط الجمعة به). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جمعہ مبارک کہنے کا حکم:

سوال: بعض لوگوں میں یہ دستور ہے کہ وہ جمعہ کے دن جب ملتے ہیں تو جمعہ مبارک کہتے ہیں،

کیا جمعہ مبارک کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جمعہ مبارک کہنا احادیث سے ثابت نہیں ہے اس لیے نہیں کہنا چاہئے اور یہ رسم قابل ترک ہے۔ اگر چہ جمعہ کو احادیث میں عید کہا گیا ہے لیکن جمعہ مبارک یا جمعہ کے بارے میں تقبل الله منک ہمارے علم میں صحابہ کرام سے ثابت نہیں۔ ملاحظہ ہو اتحاف الخیرة المهرة میں مذکور ہے:

ورواه أبو يعلى أيضا بسند صحيح ولفظه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أتاني جبريل بمثل المرآة البيضاء فيها نكتة سوداء فقلت: ياجبريل ما هذا ؟ قال: هذه الجمعة جعلها الله تعالى عيداً لک ولأمتک.... الخ. (۸/۳).

وعن ابن السباق أن النبى صلى الله عليه وسلم قال فى جمعة من الجمع: إن هذا يوم عيد جعله الله عزوجل للمسلمين فاغتسلوا، ومن كان عنده طيب فلا يضره أن يمس منه وعليكم بالسواک . (۲۱۶۱/۲۶/۳).

وعن قيس بن السكن أن ناساً من أصحاب عبد الله أتوا أبا الدرداء رضى الله عنه فى يوم جمعة وهم صيام فقال: إن هذا يوم عيد فأقسم عليهم أن يفطروا . (۳۰۲۵/۴۲۷/۳).

روایاتِ مذکورہ بالا میں اگر چہ جمعہ کو عید کہا گیا ہے لیکن اس کے لیے جمعہ مبارک یا دوسرے الفاظ فقہا کے کلام میں نظر سے نہیں گزرے۔ اس لیے یہ الفاظ نہیں بولنا چاہیے اور اس رسم کی حوصلہ شکنی مناسب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم
يخرج يوم الفطر والأضحىٰ إلى المصلىٰ"

(رواه البخاری)

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:
"زينوا أعيادكم بالتكبير"

(المعجم الكبير)

عيدمبارك **باب.....﴿۱۷﴾** عيدمبارك

نمازِ عیدین کا بیان

باب.....۱۷

نمازِ عیدین کا بیان

عیدین کی نماز شہر کے پارک میں ادا کرنے کا حکم:

سوال: اگر نمازِ عید بجائے صحراء کے شہر کے میدان یا پارک میں ادا کی تو عیدگاہ کی سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عیدین کی نماز کو آبادی سے باہر نکل کر عیدگاہ یا میدان میں ادا کرنا سنت ہے، آنحضور ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے مسجدِ نبوی کی فضیلت چھوڑ کر عیدگاہ میں پڑھنے کا اہتمام فرمایا، لہذا بلا کسی عذر کے مساجد میں عیدین کی نماز نہیں پڑھنا چاہئے خلافِ سنت ہے، ہاں شہر کے میدان یا پارک وغیرہ میں عیدین کی نماز پڑھنے سے سنت ادا ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلی فأول شیء یبدأ بہ الصلاۃ ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفھم فیعظھم ویوصیھم ویأمرھم.....(رواہ البخاری: ۱/۱۳۱/۹۴۶ باب الخروج الی المصلی بغیر منبر)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

أن البروز إلی المصلی والخروج إلیہ، ولایصلی فی المسجد إلا عن ضرورۃ، وروی ابن زیاد عن مالکؒ قال: السنۃ الخروج إلی الجبانۃ إلا لأھل مکۃ ففی المسجد، وقال الشافعیؒ "فی الأم": بلغنا أن رسول اللہ ﷺ کان یخرج فی العیدین إلی المصلی بالمدینۃ وکذا من

Maktaba Tul Ishaat.com

بعده إلامن عذرمطرونحوه،وكذا عامة أهل البلدان إلا مكة، شرفها الله تعالىٰ. (عمدة القاری شرح صحیح البخاری:۵/۱۷۱،باب الخروج الی المصلی،دارالحدیث ملتان)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میدان میں عیدین کی نماز پڑھنا سنت ہے۔یہی آنحضور ﷺ اورآپ کے خلفاءراشدین رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا۔نیز ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے کھلے میدان میں نمازِ عیدادافرمائی اورسترہ کے لئے نیزہ سامنے گاڑدیا گیااس لئے کہ نہ دیوارتھی نہ چھت تھی۔

ملاحظہ ہوابن ماجہ شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول اللهﷺ كان يغدوإلى المصلى فى يوم عيد والعنزة تحمل بين يديه فاذا بلغ المصلى نصبت بين يديه فيصلى إليها وذلك أن المصلى كان فضاء ليس فيه شيء يستتربه. (رواه ابن ماجه:۹۲ ،باب ما جاء فی الحربة یوم العید)

اعلاءالسنن میں ہے:

وأخرج الطبرانی فی الكبيربضعف عن علی رضی اللہ عنہ قال:الخروج إلى الجبان فى العيدين من السنة كذا فى جمع الفوائد:(۱۰۷/۱) وانجبرضعفه بماله من الشواهد.....و فى الدر المختاروالخروج إليها أی الجبانة لصلاة العيد سنة،وان وسعهم المسجد الجامع. (اعلاء السنن: ۲۱۱۰/۱۱۲/۸، باب الخروج یوم الفطروالأضحی الی المصلی الا لعذر،ادارةالقرآن.کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۵۳۱ باب أحكام العيدين،قديمی .وعمدة الفقه:كتاب الصلاة حصه دوم:۴۶۰.و فتاوی محمودیه: ۴۰۴/۸ باب العیدین ،جامعه فاروقیه)

کھلے میدانوں میں عید کی نماز پڑھنے پر اشکالات:

(۱) یہ جگہ اکثر شہر سے باہر نہیں ہوتی؟

(۲) یہ جگہ وقف شدہ نہیں ہوتی؟

(۳) عید کی نماز ختم ہونے کے بعد وہاں سیاح اورعورتیں اورکبھی کبھی جانور گھومتے ہیں، بلکہ اس میں جانوروں کی نمائش ہوتی ہےاورناجائزامور بھی ہوتے ہیں اس لئے وہ میدان ناپاک بھی ہوجاتا ہے۔

اکابرؒ کی عبارات سے جوابات:

زمانہ گذشتہ میں اس قسم کے اشکالات بعض مقامی حضرات نے تحریراً حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور مفتی اسماعیل بن محمد صاحب بسم اللہ مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک کی خدمت میں پیش کئے تھے، تو ان دونوں حضرات نے مفصل جواب مرحمت فرمایا۔ جس کی نقل ہمارے پاس موجود تھی لہذا مناسب سمجھا کہ برکت کے طور پر اسی کا خلاصہ پیش کردیا جائے، ملاحظہ ہو حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے:

(۱) یہ صحیح ہے کہ عیدگاہ شہر سے باہر ہو مگر عیدگاہ وسط شہر میں ہو یا آجائے یا وسط شہر میں کوئی میدان برائے نمازِ عید تجویز کیا جائے اور وہاں باقاعدہ نمازِ عیدین کے لئے جو سنت باہر جانا ہے وہ ایسی حالت میں بھی ادا ہوجائے گی اور نماز بطریق مسنون ادا شدہ یقیناً کہی جائے گی اور دلیل دیکھنا ہو تو: (وفاء الوفاء: ۳/۷۸۰)۔

نیز فتح الباری ملاحظہ فرمائیں:

وحكى ابن بطال عن ابن حبيب أن مصلى الجنائز بالمدينة كان لاصقا بمسجد النبي ﷺ من ناحية جهة المشرق. انتهى، فان ثبت ما قال والا فيحتمل أن يكون المراد بالمسجد هنا المصلى المتخذ للعيدين والاستسقاء. (فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۳/۱۹۹، باب الصلاة علی الجنائز بالمصلی والمسجد، دارنشر الکتب الاسلامیة)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی عیدگاہ بالکل شہر سے باہر نہیں تھی ایسی حالت میں متعین جگہ میں نمازِ عیدین ادا کرنا بلاشک وشبہ جائز ہے بلکہ بطریقِ مسنون صحیح ہے۔ کیونکہ جب گورمنٹ غیر مسلم ہے عیدگاہ کے لئے جگہ دیتی نہیں یہ عمدہ میدان بلا اجرت برائے نماز عیدین مل رہا ہے تو کیوں موقع کو جانے دیا جائے ضرور وہاں متفقہ طور پر جاکر نمازِ عیدین ادا کی جائے۔ تاکہ شانِ اجتماعی مسلمانوں کی معلوم ہو اور غیر قوموں پر اثر بھی پڑے، ایسی حالت میں روکنے کی تجویز بلاوجہ اعتراض کرکے لگانا جائز اور درست نہیں۔

(۲) یوں کہنا کہ جگہ کا وقف ہونا صحتِ صلاۃ عید کے لئے شرط ہے غلط ہے کیونکہ نمازِ عید فرض نہیں، صاحبینؒ سنتِ مؤکدہ فرماتے ہیں اور امام صاحبؒ واجب فرماتے ہیں جو صحیح ہے اور مفتی بہ ہے، اور ظاہر ہے کہ جب نمازِ فرض عین کے لئے جگہ کا وقف ہونا ضروری نہیں: لقول رسول اللہ ﷺ "جعلت لی الأرض کلها مسجدًا (مشکوۃ: ٥٤) تو پھر دیگر نماز کے لئے کیسے شرط اور ضروری ہوگی علاوہ ازیں عام طور پر تمام فقہاء احناف بالاجماع وبالاتفاق یہی فرماتے ہیں کہ سوائے خطبہ کے نمازِ عیدین کے لئے بھی وہی تمام شرائط ہیں جو جمعہ کے

Maktaba Tul Ishaat.com

لئے ہے،ملاحظہ: شامی مع درمختار ۲/۱۶۶،بحرشرح کنز ۲/۱۴۰،ھدایہ اولین وغیرھم۔ اورشرائطِ جمعہ کے لئے علاوہ چند شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مصر یعنی شہر ہو یا فناءِ مصر ہو صاحب بحر شارح کنز جلد ثانی میں فرماتے ہیں: **أومصلاه أی مصلی المصر لأنه من توابعه فکان فی حکمه والحکم غیر مقصور علی المصلی بل یجوز فی جمیع أفنیة المصر**.(البحرالرائق:۲/۱۴۰ باب الجمعة)

اس سے معلوم ہوا کہ فناءِ مصر کے ہر ایک حصہ میں جس طرح جمعہ صحیح ہے عید بھی صحیح ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فناء کا وقف ہونا ضروری نہیں ہے۔ **والفناء فی اللغة سعة أمام البیوت وقیل ما امتد من جوانبه کذا فی المغرب** (البحرالرائق:۲/۱۴۰) علاوہ ازیں فقہاء فرماتے ہیں کہ نمازِ جمعہ قلعہ وغیرہ میں اگر اذنِ عام ہو تو پڑھنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ: شامی مع درمختار ۲/ ومراقی الفلاح وغیرہ۔ ایسی حالت میں صحتِ نماز عید کے لئے جگہ کا وقف ضروری قرار دینا اور عوام کو ادائیگی سنتِ مؤکدہ سے روکنا جائز اور درست نہیں۔ شریعت نے جس چیز کو ضروری قرار نہ دیا ہو اس کو اپنے من گھڑت طریقہ سے ضروری قرار دینا شریعت پر جسارت اور انتہائی درجہ کی جسارت ہے جو کبھی معاف نہیں ہوسکتی۔

(۳) احناف کا متفقہ مسئلہ ہے کہ ناپاک شدہ زمیں سوکھ جائے تو وہ جگہ برائے نماز پاک ہوجاتی ہے اور وہاں نماز پڑھنا بلا کسی کراہت جائز اور درست ہے: **وتطهر الأرض ببیسها وذهاب أثرها کلون وریح لأجل صلاة علیها،وفی الشامی:قوله ببیسها لما فی سنن أبی داؤد باب طهور الأرض إذا یبست وقوله أی جفافها المراد به ذهاب الندوة**.(الدرالمختارمع الشامی:۱/۳۱۱ باب الأنجاس،سعید)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا ذهب أثر النجاسة عن الأرض وجفت جازت الصلاة علیها،قوله وقد جفت ولوبغیر الشمس علی الصحیح طهرت وجازت الصلاة علیها لقوله ﷺ:أیما أرض جفت فقد زکت.(مراقی الفلاح مع نور الإیضاح:۶۵ باب الأنجاس والطهارة عنها،مکة المکرمة)

ایسی حالت میں یوں کہنا کہ وہاں جانوروں کی نمائش ہونے کی وجہ سے ناپاک ہے صحیح نہیں، سوکھ جانے سے برائے نماز جگہ پاک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ: احقر الوریٰ اسمٰعیل بن محمد بسم اللہ۔ (جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک ضلع سورت ۱۴/ رمضان ۱۳۷۸ھ، ۲۴/ مارچ ۱۹۵۹ء۔ الجواب صحیح عبدالغفور غفرلہ وعبدالحی بسم اللہ عفی عنہ)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

اقول وباللہ التوفیق مولانا مفتی بسم اللہ صاحب کا جواب در بارہ عیدگاہ بالکل صحیح اور کافی وافی ہے پھر مفتی صاحب موصوف نے زیادہ وضاحت اور مکمل ثبوت پیش فرمادیا اس کے بعد کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں، صرف ایک مختصر عبارت علامہ ابن قیم کی زادالمعاد سے نقل کرتا ہوں: **کان ﷺ یصلی العیدین فی المصلی وھو المصلی الذی علی باب المدینة الشرقی وھو المصلی الذی یوضع فیه محمل الحاج، ولم یصل العید بمسجده الا مرة واحدة أصابهم المطر فصلی بهم العید فی المسجد.** (رواه أبو داؤد وابن ماجه كذا فی زاد المعاد ۱/ ٤٤١ فصل فی هديه صلی اللّٰه عليه وسلم فی العيدين ،مؤسسة الرسالة)

علامہ ابن قیمؒ نے جو روایت بحوالہ ابوداؤد وابن ماجہ نقل کی ہے اس سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) آنحضرت ﷺ کی عیدگاہ کہیں شہر سے دور نہیں تھی بلکہ مدینہ طیبہ کے دروازہ شرقی کے متصل واقع تھی جو اس وقت تو زمانہ دراز سے وسط شہر میں آگئی ہے لہذا عہدِ نبوی میں اگر وسط شہر میں نہیں تو بالکل شہر سے متصل ضرور تھی۔

(۲) آنحضرت ﷺ کی عیدگاہ ایک ایسا میدان تھا جس میں حجاج کے اونٹ بیٹھتے اور ان کے شغوف رکھے جاتے تھے جس سے یہ ظاہر ہے کہ یہ زمین نمازِ عید کے لئے وقف نہیں تھی۔

(۳) آنحضرت ﷺ نے تمام عمر نمازِ عید ایسی مسجد چھوڑ کر اس میدان میں ادا فرمائی صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے اپنی مسجد میں ادا فرمائی ہے، حالانکہ مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار کے برابر ہے۔

امورِ مذکورہ بالا میں مخالفت کرنے والوں کے سب سوالوں کے جوابات ہیں اور ان سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے عیدین کی نماز کو مسجد میں پڑھنا درست نہیں سمجھا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ، دارالعلوم کراچی، ۶/ رمضان ۱۳۷۹ھ، ۴/ مارچ ۱۹۶۰ء۔

مذکورہ بالا ان اکابر حضرات کے فتاویٰ کے بعد مزید کسی قسم کی تفصیل کی چنداں حاجت وضرورت باقی نہیں رہتی، تاہم اگر کوئی مزید تفصیل کا خواہاں ہو تو ملاحظہ ہو:

"خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفی: ۱/ ۱۸۱۔۱۸۸" پر علامہ سمہودیؒ نے آنحضرت ﷺ کی عیدگاہ کے جائے وقوع کے بارے میں مکمل تحقیق فرمائی ہے۔

نیز دیگر اکابر کے مختلف فتاویٰ بھی موجود ہیں مثلاً حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ، حضرت مفتی عبد الرحیم

Maktaba Tul Ishaat.com

صاحبؒ، حضرت مفتی رشید صاحبؒ صاحبِ احسن الفتاوی، حضرت مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب مدظلہ جن کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں رسالہ ''عیدگاہ کی سنیت'' از حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ ۲۹۔۴۱۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ عیدین چھوٹی بستی میں ادا کرنے کا حکم:

سوال: کیا نمازِ عیدین چھوٹی بستی میں پڑھ سکتے ہیں جہاں جمعہ نہیں پڑھ سکتے شرائطِ جمعہ مفقود ہونے کی وجہ سے؟

الجواب: نمازِ جمعہ وعیدین شہر اور بڑی بستی میں پڑھی جاسکتی ہے۔ چھوٹے دیہات میں پڑھنا جائز اور درست نہیں۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما شرائط وجوبها وجوازها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة وجوازها فهو شرط وجوب صلاة العيدين وجوازها من الإمام والمصر والجماعة والوقت إلا الخطبة.....و كذا المصر لما روينا عن علي رضي الله عنه أنه قال: لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع.....والمراد من لفظ الفطر والأضحى صلاة العيدين ولأنها ماثبتت بالتوارث من الصدر الأول إلا في الأمصار. (بدائع الصنائع: ۱/۲۷۵، شرائط العیدین، سعید)

مبسوط میں ہے:

والحاصل أنه يشترط لصلاة العيد مايشترط لصلاة الجمعة إلا الخطبة فانها من شرائط الجمعة وليست من شرائط العيد ولهذا كانت الخطبة في الجمعة قبل الصلاة وفي العيد بعدها لانها خطبة تذكير وتعليم لما يحتاج إليه في الوقت فلم تكن من شرائط الصلاة كالخطبة بعرفات والخطبة يوم الجمعة بمنزلة شطر الصلاة..... (المبسوط للامام السرخسیؒ: ۲/۳۷، باب صلاة العیدین، ادارة القرآن)

نیز ملاحظہ ہو: البحر الرائق: ۲/۱۵۷، الماجدية. وكذا في مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر: شرائط صلاة العيدين. وتبيين الحقائق: ۱/۲۲۳، باب صلاة العيدين، امداديه ملتان. والموسوعة الفقهية: حكم وجوب الجمعة على اهل القرى. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لئے عیدگاہ جانے کا حکم:

سوال: جب صحیح احادیث کی روشنی میں عورتیں عیدگاہ جاتی تھیں تو ساؤتھ افریقہ میں مسلمانوں کی عورتیں کیوں عیدگاہ نہیں جاتی؟

الجواب: زمانہ نبوی میں عورتیں عیدگاہ جایا کرتی تھیں نیز دیگر نمازوں کے لئے بھی نکلنے کا ثبوت ملتا ہے۔لیکن موجودہ زمانہ میں فسادِ زمانہ کی وجہ سے متأخرین علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عورتوں کے لئے عیدگاہ یا مساجد جانا ممنوع ہے۔اس مسئلہ کی تفصیلی بحث ''ابواب الامامۃ فصل دوم جماعت کے احکام'' کے تحت گذر چکی وہاں ملاحظہ فرمالیں۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

احادیث اور مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں عیدگاہ کی حیثیت:

سوال: عیدگاہ (مصلی) کی کیا حیثیت ہے احادیث اور مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں؟

الجواب: احادیث کی روشنی میں نبی پاک ﷺ کا دائمی عمل عیدگاہ میں عیدین کی نماز ادا کرنے کا تھا نیز ائمہ اربعہ کے ہاں بھی عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت ہے۔لہذا معلوم ہوا کہ عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

عیدگاہ احادیث کی روشنی میں:

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: ثم کان رسول اللّٰہ ﷺ یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلیٰ..... (رواہ البخاری: باب الخروج الی المصلی بغیر منبر۔و باب الزکاۃ علی الاقارب)

سنن ابی داؤد میں ہے:

عن بکر بن مبشر الأنصاری رضی اللہ عنہ قال: کنت أغدو مع أصحاب رسول اللّٰہ ﷺ إلی المصلی یوم الفطر ویوم الأضحی..... (سنن ابی داؤد: باب اذا لم یخرج الامام للعید من یومہ یخرج من الغد۔و سنن النسائی: باب استقبال الامام الناس بوجھہ فی الخطبۃ)

سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰہ ﷺ کان یغدو إلی المصلی فی یوم عید. (سنن ابن ماجہ: باب

Maktaba Tul Ishaat.com

ماجاء فی الحربة یوم العید)

نیز ملاحظہ ہو: مؤطاامام مالکؒ: باب ترک الصلاة قبل العیدین وبعدهما. والمستدرک علی الصحیحین : کتاب صلاة العیدین. ومصنفِ ابن ابی شیبة: باب فی الطعام یوم الفطرقبل ان یخرج الی المصلی. ومصنفِ عبدالرزاق: کتاب صلاة العیدین. المعجم الاوسط: رقم ۷۵۲۲. المعجم الکبیر: رقم ۱۱۶۴۸. صحیح ابن خزیمة: باب الخروج الی المصلی لصلاة العیدین. صحیح ابن حبان: ذکر ما یستحب للامام سوال رعیته الصدقة علی الفقراء اذا علم الحاجة بهم)

مذہبِ احناف:

درمختار میں ہے:

ماشیاً إلی الجبانة وهی المصلی العام والخروج إلیها أی الجبانة لصلاة العید سنة وإن وسعهم المسجدالجامع هوالصحیح. (الدرالمختار: باب العیدین)

نیز ملاحظہ ہو: الهدایة: باب صلاة العیدین. بدائع الصنائع: فصل صلاة العیدین. ودررالحکام شرح غررالاحکام: باب صلاة العیدین. والبحرالرائق: باب صلاة العیدین. والفتاوی الهندیة: الباب السابع عشرفی صلاة العیدین. ملتقی الابحر: باب صلاة العیدین).

مذہبِ مالکیہ:

ملاحظہ ہو مدونہ میں ہے:

وقال مالکؒ: لایصلی فی العیدین فی موضعین ولایصلون فی مسجدهم، ولکن یخرجون کماخرج النبی ﷺ قال ابن وهب عن یونس عن ابن شهاب قال: "کان رسول اللّٰهﷺ یخرج إلی المصلی ثم استن بذلک أهل الأمصار". (المدونة: کتاب الصلاة صلاة العیدن)

نیز ملاحظہ ہو: المدخل: فصل فی خروج الامام الی صلاة العیدین. التاج والاکلیل لمختصرالخلیل: فصل فی حکم صلاة العیدین. مواهب الجلیل فی شرح مختصرالخلیل: فصل صلاة العیدین. وحاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر: فصل فی احکام صلاة العید)

مذہبِ شافعیہ:

شرح المہذب میں ہے:

والسنة أن يصلى صلاة العيد فى المصلى إذاكان مسجد البلد ضيقاً لماروى أن النبى ﷺ "كان يخرج إلى المصلى" ولأن الناس يكثرون فى صلاة العيد فاذاكان المسجد ضيقاً تأذوا.....قال الشافعیؒ:فان كان المسجد واسعاً فصلى فى الصحراء لابأس به وإن كان ضيقاً فصلى فيه ولم يخرج إلى الصحراء كرهت.....وان لم يكن عذروضاق المسجد فلاخلاف ان الخروج إلى الصحراء أفضل وإن اتسع المسجد ولم يكن عذر فوجهان (أصحهما) وهوالمنصوص فى الأم وبه قطع المصنف وجمهورالعراقيين والبغوى وغيرهم أن صلا تهافى المسجد أفضل (والثانى) وهوالأصح عند جماعة من الخراسانين وقطع به جماعة منهم أن صلا تهافى الصحراء أفضل "لأن النبى ﷺ واظب عليها فى الصحراء. (شرح المهذب:٥/٤،٥،باب صلاة العيدين،دارالفكر)

نیز ملاحظہ ہو: اسنى المطالب: فصل صلاة العيدين۔ونهاية المحتاج الى شرح المنهاج: باب صلاة العيدين۔مغنى المحتاج:باب صلاة العيدين۔الغررالبهية:باب صلاة العيد۔حاشية قليوبى:باب صلاة العيدين)

مذہبِ حنابلہ: ملاحظہ ہو مغنی میں ہے:

السنة أن يصلى العيد فى المصلى أمربذلک علىؓواستحسنه الأوزاعى وأصحاب الرأى وهوقول ابن المنذر.....ولناأن النبى ﷺ كان يخرج إلى المصلى ويدع مسجده وكذلک الخلفاء بعده ولايترک النبىﷺ الأفضل مع قربه ويتكلف فعل الناقص مع بعده ولايشرع لأمته ترک الفضائل ولأننا قد أمرنا باتباع النبىﷺ والاقتداء به ولايجوز ان يكون المأموربه هوالناقص والمنهى عنه هوالكامل ولم ينقل عن النبى ﷺ أنه صلى العيد بمسجده وضيقه وكان النبى ﷺ يصلى فى المصلى مع شرف مسجده..... (المغنى لابن قدامة الحنبلیؒ:باب صلاة العيدين ،مسئلة ان يصلى العيد فى المصلى)

نیز ملاحظہ ہو: كشاف القناع عن متن الاقناع:باب صلاة العيدين۔الفروع:باب صلاة العيدين۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

عیدین میں سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: عیدین میں سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟ اگر عیدین کی تکبیرات چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: اگر مقتدی مانوس اور سمجھدار ہوں تو سجدۂ سہو کر لینا چاہئے، ورنہ سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ اگر واپس قیام میں آجائے تو اس کی بھی گنجائش ہے آخر میں سجدۂ سہو کر لے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

قوله ولايأتى الإمام بسجود السهو فى الجمعة والعيدين، أى والمأموم كذلك لانه تابع له، وظاهره كراهة الاتيان به فيها، والظاهر أنها تنزيهية لاتحريمية. قوله دفعاً للفتنة أى افتتان الناس وكثرة الهرج، قوله بكثرة الجماعة..... وأخذ العلامة الدانى من هذه السببية أن عدم السجود مقيد بما إذا حضر جمع كثير أما إذا لم يحضروا، فالظاهر السجود لعدم الداعى إلى الترك وهو التشويش. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ٤٦٥، باب سجود السهو، قديمى)

بدائع الصنائع میں ہے:

لو ركع الإمام بعد فراغه من القراءة فى الركعة الأولىٰ فتذكر انه لم يكبر فانه يعود و يكبر و قد انتقض ركوعه ولايعيد القراءة. (بدائع الصنائع: ۱/۲۷۸، سعيد)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نمازِ عیدین کے بعد اجتماعی دعا کرنے کا حکم:

سوال: نماز عیدین کے بعد اجتماعی دعا کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ خطبہ کے بعد کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز کے بعد دعا کا ثبوت بکثرت احادیث میں موجود ہے جس کا تذکرہ پہلے گذر چکا لہذا صورتِ مسئولہ میں نمازِ عیدین کے بعد اجتماعی دعا کرنا درست اور صحیح ہے، لیکن خطبہ کے بعد دعا کرنے کا ثبوت نہیں ملتا، لہذا نماز کے بعد دعا کرنے پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو امداد الاحکام میں ہے:

مناجات بعد صلاۃ العید کے بارے میں روایات دستیاب ہوگئیں، وهى هذه: **عن أم عطية رضى الله تعالىٰ عنها قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى تخرج البكر من خدرها حتى تخرج الحيض فيكن خلف الناس فيكبرن بتكبيرهم ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته،** أخرج البخارى فى صحيحه كذافى فتح البارى: ص ۳۸٦ ج ۲۔ **وأخرج الترمذى عن أم عطية رضى الله تعالىٰ عنها أن رسول الله ﷺ كان**

یخرج الأبکار والعواتق وذوات الخدر والحیض فی العیدین فأماالحیض فیعتزلن المصلی ویشهدن دعوة المسلمین، الحدیث ص: ۷۰، وقال الترمذیؒ: حدیث ام عطیة حدیث حسن صحیح ۔ اس حدیث میں دعا سے دعاءِ خطبہ مراد نہیں ہوسکتی، کیوں کہ خطبہ میں صرف امام دعا کرتا ہے، سامعین دعا نہیں کرسکتے، اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حائض عورتیں عیدین میں مردوں کے پیچھے کھڑی رہتیں، اور مردوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتیں، اور ان کی دعا کے ساتھ دعا کرتیں، اور اس سے مردوں اور عورتوں سب کا دعا کرنا ثابت ہوتا ہے، اور یقیناً نماز سے پہلے تکبیر و دعا کا وقت نہیں، یقیناً نماز کے بعد ہی دعا کی جاتی تھی، اور ترمذی میں اسی حدیث کے اندر یہ الفاظ ہیں ویشهدن دعوة المسلمین، کہ عورتیں مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوتی تھیں، اس لیے عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنا جائز و مستحب یقیناً ہے، استحباب و جواز کا انکار نہیں ہوسکتا۔ (امداد الاحکام: ۱/۷۴۲، فصل فی الجمعہ والعیدین، دارالعلوم کراچی)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

نمازِ عید کے بعد دعاء کریں، بعد خطبہ دعاء کرنا بے اصل ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۸/۴۶۴، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

مزید ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی: ۴/ ۱۱۵۔ وامداد الفتاوی: ۱/ ۴۰۷۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسبوق کے لئے تکبیراتِ زوائد کا حکم:

سوال: اگر کسی کی ایک رکعت چھوٹ گئی یا دونوں تو تکبیراتِ زوائد کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر پہلی رکعت میں شریک ہوا اور امام نے قراءت شروع کردی تو تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیرات کہے گا، اگر رکوع میں امام کو پایا اور غالب گمان ہے کہ تکبیرات کہنے کے بعد امام کو پالے گا تو حالتِ قیام میں ادا کرے ورنہ رکوع میں بغیر ہاتھ اٹھائے کہے گا، اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو امام کے سلام کے بعد جب اپنی نماز پڑھے گا تو قراءت کے بعد تکبیرات کہے اور اگر تشہد میں شامل ہوا تو امام کے طریقہ پر نماز پوری کرے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو أدرک المؤتم الإمام فی القیام بعد ماکبر کبر فی الحال. وفی الشامی: قوله فی القیام أی الذی قبل الرکوع أما لو أدرکه راکعاً فان غلب علی ظنه ادراکه فی الرکوع کبر قائماً برأی نفسه ثم رکع والا رکع وکبر فی رکوعه ولا یرفع یدیه لان الوضع علی الرکبتین سنة فی محله والرفع لا فی محله وان رفع الإمام رأسه سقط عنه مابقی من التکبیر لئلا تفوته

Maktaba Tul Ishaat.com

المتابعة ولوأدركه فى قيام الركوع لايقضيهافيه لانه يقضى الركعة مع تكبيراتها،فتح وبدائع،قوله كبرفى الحال أى وإن كان الإمام قد شرع فى القراءة كمافى الحلية.ولوسبق بركعة يقرأ ثم يكبرلئلا يتوالى التكبير. (الدرالمختارمع الشامى:۲/۱۷۳-۱۷٤،باب العيدين،سعيد-وكذافى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:ص٥٣٤،باب احكام العيدين،قديمى-وشرح منية المصلى:ص ٥٧٢،سهيل)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا أدرک الإمام فى صلاة العيد بعد ما تشهد الإمام قبل أن يسلم أوبعد ماسلم قبل أن يسجد للسهوأوبعدماسجد للسهوولم يسلم الإمام فانه يقوم ويقضى صلاة العيد. (الفتاوى الهندية:۱/۱۵۱،فى صلاة العيدين)-واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شافعی امام کے پیچھے تکبیرات زوائد میں اتباع کا حکم:

سوال: حنفی مقتدی شافعی امام کے پیچھے عید کی نماز میں تکبیراتِ زوائد میں امام کی اتباع کرے گا یانہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کی اتباع واجب اورضروری ہونے کی وجہ سے پہلی رکعت میں سات اوردوسری میں پانچ کہے گا یعنی امام کی اتباع کرے گا ہاں مسبوق اپنی بقیہ نماز میں اپنے مذہب کی اتباع کرے گا۔ ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

قوله ولوزاد تابعه لأنه تبع لإمامه فتجب عليه متابعته وترک رأيه برأى الإمام لقوله عليه الصلاة والسلام : " إنماجعل الإمام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه"فمالم يظهرخطؤه بيقين كان اتباعه واجباً ولايظهرخطؤه فى المجتهدات.(شامى:۲/۱۷۲،باب العيدين،سعيد)

قال فى الدر:ولوأدرک المؤتم الإمام فى القيام بعد ماكبرکبرفى الحال برأى نفسه لانه مسبوق.وفى الشامى:قوله برأى نفسه أى ولوكان إمامه شافعياً كبرسبعاً فانه يكبرثلاثاً.

(الدرالمختارمع الشامى:۲/۱۷٤،باب العيدين)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

قول محمد فی الجامع: إذا دخل الرجل مع الإمام فی صلاة العید وهذا الرجل یری تکبیر ابن مسعود رضی اللہ عنہ فکبر الإمام غیر ذلک اتبع الإمام إلا إذا کبر الإمام لم یکبره أحد من الفقهاء فحینئذٍ لایتابعه کذافی المحیط. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۵۱، صلاة العیدین۔ وکذافی بدائع الصنائع: ۱/۲۷۷، سعید۔ وشرح منیة المصلی: ص ۵۷۲، سهیل)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

امام کا تکبیرات کے لئے قیام کی طرف لوٹنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی امام عید کی نماز میں دوسری رکعت میں تکبیراتِ زوائد بھول گیا اور لوگوں کے لقمہ دینے پر واپس قیام کی طرف لوٹا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سابقہ رکوع پر اکتفاء کرلے تو نماز درست ہوگی۔ لیکن اگر دوسرا رکوع کرلیا تو بھی نماز ہوگئی بلکہ دوسرا رکوع کرنا چاہئے تاکہ نماز کی ترتیب صحیح ہوجائے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وذکر فی کشف الأسرار أن الإمام إذا سها عن التکبیرات حتی رکع فانه یعود إلی القیام بخلاف المسبوق. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۲۸، صلاة العیدین)

طحطاوی میں ہے:

واعادة الرکوع لاتفسد أیضاً فلو أدرکه رجل فی الرکوع الثانی کان مدرکاً لتلک الرکعة. (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۸۲)

البحرالرائق میں ہے:

فان عاد إلی القیام وقنت ولم یعد الرکوع لم تفسد صلاته لان رکوعه قائم لم یرتفض. (البحرالرائق: ۲/۴۳، کوئتة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر قیام کی طرف لوٹا تب بھی جائز ہے اور نماز فاسد نہ ہوگی یہی صحیح ہے لیکن رکوع کا اعادہ کرے قراءت کا نہ کرے۔ (عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۴۶۵، عیدین کے متفرق مسائل، المجد دیہ)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عیدین کے موقع پر مبارک بادی دینا:

سوال: عید کے موقع پر مبارک بادی دینے کا ثبوت احادیث وخیرالقرون سے ہے یا نہیں؟

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: عیدین کے موقع پر تقبل اللہ منا ومنک کہنا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ عام لوگ اس کی جگہ عید مبارک کہتے ہیں وہ بھی درست ہے، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو قبول فرماتے ہیں تو اس کو بڑھاتے ہیں اور اس میں برکت دیتے ہیں قرآنِ کریم میں ہے: ﴿فتقبلها ربها بقبول حسن وأنبتها نباتاً حسناً﴾ قبولیت کے ساتھ برکت لازم ہے۔ ملاحظہ ہو سنن کبری میں ہے:

عن خالد بن معدان قال: لقيت واثلة بن الأسقع رضی اللہ عنہ في يوم عيد فقلت: تقبل الله منا ومنک فقال: نعم تقبل الله مناومنک، قال واثلة رضی اللہ عنہ لقيت رسول الله ﷺ يوم عيد فقلت: تقبل الله منا ومنک قال: نعم تقبل الله مناومنک. عن أدهم مولیٰ عمر بن عبدالعزيزؒ قال كنا نقول لعمر بن عبد العزيزؒ في العيدين تقبل الله مناومنک ياأمير المؤمنين فيردعلينا ولاينكر ذلک علينا. (السنن الكبرى للبيهقي: ۳/۳۱۹۔ وكذافي مجمع الزوائد: ۲/۲۰۶)

الجوہر النقی میں ہے:

قلت: في هذاالباب حديث جيد اغفله البيهقي وهوحديث محمدبن زياد قال: كنت مع أبي أمامة الباهلي رضی اللہ عنہ وغيره من اصحاب النبي ﷺ فكانوا إذا رجعوايقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنک قال أحمدبن حنبلؒ إسناده جيد. (الجوهرالنقي على هامش السنن الكبرى: ۳/۳۱۹)

نیز کتبِ فقہ سے بھی اس کے استحباب کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وندب... إظهار البشاشة وإكثار الصدقة والتختم والتهنية بتقبل الله منا ومنكم لاتنكر. وفي الشامي: وإنما قال كذلک لانه لم يحفظ فيهاشيء عن أبي حنيفةؒ وأصحابهؒ .....وقال المحقق ابن أمير حاج: بل الأشبه أنهاجائزة مستحبة في الجملة ثم ساق آثاراً بأسانيد صحيحة عن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم في فعل ذلک ثم قال: والتعامل في البلاد الشامية والمصرية "عيد مبارک عليک" ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذلک في المشروعية والاستحباب لمابينهما من التلازم فان من قبلت طاعته في زمان كان ذلک الزمان عليه مباركاً على انه قد ورد الدعاء بالبركة في امورشتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا أيضاً. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۲/۱۶۹، صلاة العيدين، سعيد۔ وكذافي شرح منية المصلي: ۵۷۳، سهيل)۔

عید مبارک کے بارے میں اشاعۃ التوحید کے ایک عالم مولانا خان بادشاہ صاحب کی تحقیق:

عیدین کے موقع پر عید مبارک کہنے کو بہت سے علمائے کرام نے جائز تسلیم کیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اشاعت التوحید کے ایک عالم کی تحقیق پیش کریں، اشاعت التوحید بدعات کے رد میں تشدد کی حد تک مشہور ہے۔ اس جماعت کے ایک محقق عالمِ دین مولانا خان بادشاہ صاحب اپنی کتاب "**الإرشاد المفید لعلماء جماعة التوحید**" میں تحریر فرماتے ہیں:

ترکمانی فرماتے ہیں کہ اس باب تھنئہ عید میں حدیث ہے جس کو امام بیہقی نے بھلا دیا ہے، اور وہ محمد بن زیاد کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ابوامامہ باہلی وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ تھا، جب وہ واپس نماز عید سے آجاتے تو ایک دوسرے کو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے اور تم سے قبول فرمائے۔ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد جید اور کھری ہے۔

اور طبرانی کی روایات بھی مطالعہ کریں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: عید کے دن عید مبارک کہ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے اور تم سے قبول فرمائے۔ یہ صحابہ کی جماعت سے مروی ہے اور ائمہ نے رخصت فرمائی ہے، جیسے امام احمد وغیرہ۔ امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن عقیلؒ نے عید مبارک کے لیے احادیث ذکر کی ہیں، پھر حدیث محمد بن زیاد ذکر کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں ابوامامہ باہلی وغیرہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو یہ جب واپس آجاتے تو ایک دوسرے کو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ ہم اور تم سے قبول فرمائے، اور احمد کہتے ہیں اس کی اسناد کھری ہے۔ اور حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ یہ عمل مدینہ میں ہمیشہ سے چلا آرہا ہے، اور سید سابق فرماتے ہیں کہ عید کے دن عید مبارک مستحب ہے، پھر فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

میں نے بھائیوں کے لیے یہ ذکر کیا، کیونکہ یہ عید مبارک اور مصافحہ پر بدعت کے فتوے لگائے ہیں۔

(الارشاد المفید لعلماء جماعة التوحید، ص:۱۰۵-۱۰۶، از مولانا خان بادشاہ صاحب)۔

درج کردہ مولانا خان بادشاہ صاحب کی عبارت میں جن علماء کے حوالے مذکور ہیں، اصل کتاب سے ان کی عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) علامہ ترکمانی کی عبارت پہلے گزر چکی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۲) فتوی العلامة ابن تیمیة : وسئل رحمه اللّٰه تعالیٰ: هل التهنئة فی العید وما یجری علی ألسنة الناس " عیدُک مبارکٌ" وما أشبهه هل له أصل فی الشریعة أم لا؟

فأجاب :أما التهنئة یوم العید یقول بعضهم لبعض إذا لقیه بعد صلاة العید: تقبل اللّٰه منا ومنکم... قد روی عن طائفة من الصحابة أنهم کانوا یفعلونه و رخص فیه الأئمة کأحمد وغیره . (مجموع الفتاوی :۲۴/۲۵۳،والفتاوی الکبری:۲/۳۷۱).

ابن قدامہؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

فصل : قال أحمد: ولا بأس أن یقول الرجل للرجل یوم العید: تقبل اللّٰه منا ومنکم...لم یزل یعرف هذا بالمدینة. (المغنی :۴/۲۷۴).

شیخ سید سابق کا کلام ملاحظہ ہو:

استحباب التهنئة بالعید: عن جبیر بن نفیر قال: کان أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم...الی قوله : قال الحافظ : إسناده حسن. (فقه السنة :۱/۳۲۵).

ایک اشکال اور جواب:

اشکال: بعض حضرات اشکال کرتے ہیں کہ عید کے دن عید مبارک کہنا بدعت ہے اس لئے کہ ثابت نہیں ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: خوشی کے موقع پر مبارک باد دینا احادیث سے ثابت ہے، اور کسی چیز کے ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ احادیث میں اس نام بھی بالتعیین وارد ہو بلکہ عموماتِ حدیث سے بھی احکام بکثرت ثابت کئے جاتے ہیں، اگر عمومات سے حکم ثابت نہ ہو سکے تو پھر دنیا کی بہت سی چیزوں کا جواز واستحباب ثابت نہ ہو سکے گا۔ لہذا عمومی احادیث جو خوشی ومسرت کے موقع پر وارد ہیں ان کے پیشِ نظر عیدین کے موقع پر بھی مبارک باد دینا یعنی عید مبارک کہنا جائز اور درست ہوگا جب کہ اس کو ضروری یا مسنون نہ سمجھے ہاں اگر رسم بن گئی ہو جیسے عام لوگ اس کو بہت اہمیت دیتے ہیں تو پھر نہ کہنا مناسب ہے۔

خوشی کے وقت مبارک باد دینے کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) شادی جو کہ خوشی کا وقت ہے" **بارک اللّٰه لک وبارک علیک وجمع بینکما فی**

خیر" کہنا ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ كان إذا رفأ الإنسان إذا تزوج قال:"بارک اللّٰه وبارک عليک وجمع بينكما فی خير". (رواه الترمذی:۱/۲۰۷، باب ماجاء للمتزوج ـ والبخاری: ۲/۷۷٤/ ٤٩٦١، باب كيف يدعى للمتزوج)

(۲) حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جب ذی الخلصہ کے بتکدہ کو توڑا تو آنحضور ﷺ نے مبارک باد دی اور دعا فرمائی۔ **قال:"اللّٰهم بارک لأحمس فی خيلها ورجالها"**. (مجمع الزوائد:۲/۲۸۹، باب سجود الشكر، دارالفكر۔ والمعجم الكبير للطبرانی:۲/٤٥۲/۲۲٤۷، حديث جرير)

(۳) بچے کی پیدائش کے وقت مبارک باد دینا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن السری بن يحيي أن رجلاً ممن كان يجالس الحسنؒ ولد له ابن فهنأه رجل فقال: ليهنک الفارس، فقال الحسنؒ:"وما يدريک أنه فارس لعله نجار لعله خياط" قال: فكيف أقول؟ قال:"قل جعله اللّٰه مباركاً عليک وعلى أمة محمد ﷺ". وعن عن حماد بن زيد قال: كان أيوب إذا هنأ رجلاً بمولود قال:"جعله اللّٰه مباركاً عليک وعلى امة محمد ﷺ". (رواهما الطبرانی فی الدعاء:۲/۲٤، ۲۵/۸۷۰، ۸۷۱، باب كيف التهنئة بالمولود)

(۴) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوئی تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے مبارک باد دی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عبداللّٰه بن كعب بن مالک رضی اللہ عنہ عن أبيه فی حديث طويل.....قال كعب رضی اللہ عنہ حتی دخلت المسجد فإذا برسول اللّٰه ﷺ جالس حوله الناس فقام الیّ طلحة بن عبيداللّٰه رضی اللہ عنہ يهرول حتی صافحنی وهنّانی واللّٰه ماقام إليّ من المهاجرين غيره.....(رواه البخاری: ۲/٦۳٦)

(۵) ملا علی قاریؒ نے ایک حدیث سے استدلال فرمایا کہ مبارک مہینوں کے شروع میں مبارک باد دینا درست ہے۔ ملاحظہ ہو مرقات میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: أتاكم رمضان شهر مبارک.....رواه أحمد والنسائی. قال الملا علی القاریؒ:(شهر مبارک) وظاهره الإخبار أی كثر خيره الحسی

Maktaba Tul Ishaat.com

والمعنوی کما هو مشاهد فیه ویحتمل أن یکون دعاء أی جعله اللّٰه مبارکاً علینا وعلیکم وهو أصل فی التهنئة المتعارفة فی أول الشهور بالمبارکة. (المرقات المفاتیح: ۲۳۵/٤، کتاب الصوم، الفصل الثالث، مکتبة امدادیة ملتان)

(۶) عیدین میں "تقبل اللّٰه منا و منک" کا ثبوت موجود ہے اور تقبل کے معنی قبول کرنا جب اللہ تعالیٰ قبول کر لیتے ہیں تو ایک حسنہ کا ثواب بڑھا دیتے ہیں اور برکت میں بھی نمو کا معنی پایا جاتا ہے، لہذا مبارک بادی تقبل اللہ میں ضمناً شامل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عیدین کے موقعہ پر عید مبارک کہنا درست ہے جب کہ سنت اور ضروری نہ سمجھا جائے، اور کہنے والے کو مبتدع کہنا بھی درست نہیں، اور نہ کہنے والے پر کوئی نکیر بھی نہ کرے لیکن چونکہ اس نے ایک رسم کی شکل اختیار کر لی ہے لہذا اس کا نہ کہنا مناسب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عید کے دن دف بجانے کا حکم:

سوال: عید کے دن دف وغیرہ بجانا مباح ہے یا مکروہ یا ناجائز؟ اور دف کے علاوہ باجا وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث میں خوشی کے موقع پر دف بجانے کی اجازت وارد ہے لہذا عید کے دن دف بجانے کی گنجائش ہے لیکن شرعی حدود کی پابندی لازم ہے یعنی جدید آلاتِ موسیقی کے استعمال کی اجازت نہیں ہوگی۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

قالت الربیع بنت معوذ بن عفراء جاء النبی ﷺ فدخل حین بنی علیّ فجلس علی فراشی کمجلسک منی فجعلت جویریات لنا یضربن بالدف ویندبن من قتل من آبائی یوم بدر إذ قال احداهن وفینا نبی یعلم ما فی غد فقال دعی هذه وقولی بالذی کنت تقولین. (رواه البخاری: ۴۹۵۳/۷۷۳/۲، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة، فیصل)

ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن أبی الحسین خالد المدنی قال: کنا بالمدینة یوم عاشوراء والجواری یضربن بالدف ویتغنین فدخلنا علی الربیع بنت معوذ فذکرنا ذلک لها فقالت دخل علی رسول اللّٰه ﷺ

صبيحة عرسي وعندي جاريتان تغنيان وتندبان.....(رواه ابن ماجة: ١٣٦)

عمدۃ القاری میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

ولا يلزم من إباحة الضرب بالدف في العرس ونحوه إباحة غيره من الآلات كالعود ونحوه ، وسئل أبويوسفؒ عن الدف:أتكرهه في غير العرس مثل المرأة في منزلها و الصبي؟ قال: فلا كراهة وأما الذي يجيء منه اللعب الفاحش والغناء فاني أكرهه. (عمدة القاری:٥/١٥٨، باب الحراب والدرق يوم العيد، دارالحديث ملتان)

البحرالرائق میں ہے:

وفي الذخيرة وغيرها:لابأس بضرب الدف في العرس والوليمة والأعياد وكذا لا بأس بالغناء في العرس والوليمة والأعياد حيث لا فسق. (البحرالرائق:٧/١٨٨،كتاب الكراهية فصل في الأكل والشرب،كوئٹه)

امدادالاحکام میں ہے:

عیدالفطر کے دن کسی قدر لہو ولعب کی اجازت ہے،غربال ودف سے گانا بھی جائز ہے بشرطیکہ گانے والا امرد یا عورت نہ ہو اور گانا بجانا قاعدۂ موسیقی پر نہ ہو اور دف یا غربال بھی قاعدۂ موسیقی پر نہ بجایا جائے بلکہ ویسے ہی بلا قاعدہ بجایا جائے۔(امدادالاحکام۴/۳۷۵)

مزید ملاحظہ ہو:شامی:٦/٥٥،٣٥٠، سعيد۔والفتاوى الهندية:٥/٣٥٢۔والمحيط البرهاني:٥/٢٣٣ كراهية، الفصل الثامن عشر۔وكفايت المفتي:٩/١٨٦،حظرواباحت باب ١٥۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عید کے دن قبرستان جانے کا حکم:

سوال: عید کے دن قبرستان جانا کیسا ہے؟

الجواب: عیدین کے دن قبرستان جانا درست ہے بلکہ علماء نے افضل ایام میں شمار فرمایا ہے اس لئے مستحب ہوگا۔لیکن اس کو لازم اور سنت نہیں سمجھنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وأفضل أيام الزيارة أربعة...وكذلك في الأزمنة المتبركة كعشر ذي الحجة والعيدين ...(الفتاوى الهندية:٥/٣٥٠، في زيارة القبور)

Maktaba Tul Ishaat.com

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جمعہ یا ہفتہ یا پیر یا جمعرات کے دن زیارتِ قبور مستحب ہے سب سے افضل جمعہ کا دن اور صبح کا وقت ہے، شبِ برات میں اور ذی الحجہ کے دس دنوں میں اور عیدین میں اور عشرۂ محرم میں بھی قبروں کی زیارت کرنا افضل ہے۔ (عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ۵۳۸، زیارتِ قبور کا بیان، المجد دیہ)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ: ۹/۲۰۱، عید کے دن زیارتِ قبور، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ عید پڑھنے کے بعد دوسرے ملک میں عید کی نماز پڑھانے کا حکم:

سوال: ایک مولانا صاحب نے عید کی نماز حرمین میں پڑھی اور دوسرے دن ساؤتھ افریقہ آ گئے یہاں دوسرے دن عید ہے تو مولانا صاحب عید کی نماز پڑھا سکتے ہیں؟ یا دوسرے کی اقتداء میں پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مولانا صاحب ساؤتھ افریقہ میں نمازِ عید کی امامت نہیں کر سکتے ہاں دوسرے امام کی اقتداء میں پڑھنا درست ہے بلکہ مسلمانوں کے ساتھ موافقت کے لئے پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی محمودیہ میں ہے:

جن امام صاحب نے عید کی نماز ایک دفعہ پڑھادی پھر کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں بھی پڑھاؤ امام صاحب نے ان کو بھی پڑھادی تو یہ دوسری نماز صحیح نہیں ہوئی۔ (فتاوی محمودیہ ۸/۴۳۶، باب العیدین۔ وکذا فی فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۵/۲۲۴، مسائل نماز عیدین، دارالاشاعت)

دوسری جگہ مذکور ہے:

سوال: ایک شخص مکہ سے روزہ افطار کر کے یا عید کی نماز ادا کر کے ہندوستان آیا ہے کہ یہاں لوگ روزے سے ہیں اور نماز عید ادا نہیں کی ہے اب کیا کرے روزہ رکھے، عید کی نماز دوبارہ ادا کرے یا نہیں؟

جواب: احتراماً للوقت وموافقةً للمسلمين وہ نماز بھی پڑھے اور روزہ بھی رکھے، اگرچہ اس کا فریضہ ادا اور مکمل ہو چکا۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/۳۷، کتاب الصوم، جامعہ فاروقیہ)

بدائع الصنائع میں ہے:

أن النبی ﷺ صلی بالناس صلاة الخوف وجعل الناس طائفتين وصلى لكل طائفة شطر الصلاة لينال كل فريق فضيلة الصلاة خلفه و لو جاز اقتداء المفترض خلف المتنفل لأتم

الصلاة بالطائفة ثم نوى النفل وصلى بالطائفة الثانية لينال كل فريق فضيلة الصلاة خلفه من غير الحاجة إلى المشي وافعال كثيرة. (بدائع الصنائع: ۱/۱۴۳، سعید).

امدادالفتاح میں ہے:

وأن لايكون الإمام أدنى حالاً من المأموم كان يكون متنفلاً والمقتدى مفترضاً أومعذوراً والمقتدى خالياً منه. (امدادالفتاح: ص۳۳۳، شروط صحة الاقتداء، بيروت۔ وكذافي الدرالمختار: ۱/۵۴۲، باب الامامة، سعيد)

البتہ احسن الفتاوی میں امامت کا جواز مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو احسن الفتاوی: ۴/۱۲۴۔ اور دلیل میں جو نظیر پیش فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہلال رمضان دیکھنے والے کی شہادت رد کردی گئی ہو تو بالاتفاق اس شخص پر تکمیل ثلاثین کے بعد بھی دوسروں کے ساتھ روزہ وعید لازم ہے لہذا اساؤتھ افریقہ آنے والے پر بھی دوبارہ عید لازم ہے تو امامت کرنا درست ہے لیکن احوط یہ ہے کہ امامت نہ کرے بصورتِ اقتداء نماز ادا کرے۔

لیکن یہ تبعاً ہے یعنی کبھی کبھی تبعاً رمضان کے روزے تو اکتیس ہو سکتے ہیں جیسے کسی نے چاند کی گواہی دی اور قبول نہیں ہوئی تو یہ اپنا روزہ رکھے گا اور پھر دوسرے دن سے لوگوں کے ساتھ رکھے گا اور ممکن ہے کہ اس کے روزے اکتیس ہو جائیں لیکن یہ تبعاً ہے اور عید کی نماز جب پڑھی تو لوگوں کو نہ پڑھائیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

خطبہ عیدین میں تکبیرات کا ثبوت:

سوال: عیدین کے پہلے خطبہ میں ۹، مرتبہ اور دوسرے خطبہ میں ۷، مرتبہ تکبیر کہنے کا ثبوت احادیث وآثار سے ہے یا نہیں؟

الجواب: پہلے خطبہ میں ۹، مرتبہ اور دوسرے خطبہ میں ۷، مرتبہ تکبیر کہنے کا ثبوت احادیث اور آثار سے ملتا ہے، نیز فقہاء نے بھی مستحب فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو مصنفِ ابن عبدالرزاق میں ہے:

عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود أنه قال: يكبر الإمام يوم الفطر قبل أن يخطب تسعاً حين يريد القيام وسبعاً في عالجته على أن يفسر لي أحسن من هذا فلم يستطع فظننت أن قوله حين يريد القيام في الخطبة الآخرة. وفي طريق آخر عنه قال: السنة التكبير على المنبر يوم العيد يبدأ خطبته الأولىٰ بتسع تكبيرات قبل أن يخطب ويبدأ الآخرة

Maktaba Tul Ishaat.com

بسبع. (مصنفِ عبدالرزاق:۳/۲۹۰۔وکذافی مصنفِ ابن ابی شیبة:۱/۲۵۲۔وکذافی السنن الکبریٰ للبیهقی:۳/۲۹۹۔والسنن الصغریٰ للبیهقی:۱/۲۳۱۔ومعرفة السنن والآثار:۳/۴۹،۵۰،باب السنة فی الخطبة)

اعلاء السنن میں ہے:

قال أصحابناالحنفية:ويستحب أن يستفتح (الخطبة) الأولىٰ (فی العيدين) بتسع تكبيرات تترىٰ أی متتابعات،والثانية بسبع هوالسنة،ولعلهم ذهبوا إلى عموم قوله ﷺ : "زينوا أعيادكم بالتكبير"وهوحديث حسن كما قد ذكرناه وإلى خصوص ما أخرجه الشافعیؒ فی الأم:أخبرنا إبراهيم بن محمدعن عبدالرحمن بن محمد بن عبدالله عن إبراهيم بن عبدالله عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة قال:السنة فی التكبيريوم الأضحىٰ،و الفطرعلى المنبرقبل الخطبة أن يبتدئ الإمام قبل أن يخطب وهوقائم على المنبربتسع تكبيرات تترىٰ لايفصل بينها بكلام،ثم يخطب ثم يجلس جلسة ثم يقوم فی الخطبة الثانية فيفتحها بسبع تكبيرات تترىٰ لايفصل بينها بكلام ثم يخطب، قلت:.....ولكن الحديث أخذ به الشافعیؒ ، فلا أقل من أن يكون حسناً عنده وقد تقدم ان قول التابعی : "السنة كذا"مرفوع مرسل عند بعضهم ،فلابأس بالأخذ به فی فضائل الأعمال ويجوزاثبات الاستحباب بمثله.

قال الشافعیؒ :أخبرنی من وثق به من أهل العلم من أهل المدينة قال:أخبرنی من سمع عمربن عبدالعزيزوهوخليفة يوم فطرفظهرعلى المنبرفسلم ثم جلس ثم قال:إن شعائر هذا اليوم التكبير، والتحميد، ثم كبرمراراً الله أكبرالله أكبروللّٰه الحمد،ثم تشهد للخطبة ثم فصل بين التشهد بتكبيرة.

قلت: فهذه دلائل ماذهب إليه أصحابناالحنفية فی الباب. (اعلاء السنن :۸/۱۶۱،تكبيرات التشريق،ادارة القرآن)

نیز ملاحظہ ہو: الدرالمختار:۲/۱۷۵،سعید۔والبحرالرائق:۲/۱۶۲۔واحسن الفتاوی:۴/۱۲۷۔وفتاوی محمودیہ:۸/۴۵۴، مبوب ومرتب۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تکبیراتِ تشریق تین مرتبہ پڑھنے کا حکم:

سوال: تکبیراتِ تشریق جو نو ذی الحجہ کی فجر سے تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک پڑھی جاتی ہیں، یہ ایک مرتبہ پڑھنا چاہئے یا تین مرتبہ آثار، آحادیث اور فقہاء کے کلام کی روشنی میں تحریر کریں؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق ایام النحر میں تکبیراتِ تشریق صرف ایک مرتبہ پڑھنا چاہئے، اس لیے کہ ان الفاظ کا ثبوت حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے آثار سے ہے اور ان کے آثار میں صرف ایک مرتبہ پڑھنے کا ذکر ہے، اگرچہ یہ ایک مرفوع حدیث سے بھی ثابت ہے لیکن اس حدیث پر بہت کلام ہے، ہاں اگر کوئی شخص تین مرتبہ پڑھنا چاہے تو فقط ذکر کی نیت سے صحیح ہے سنت کی نیت سے صحیح اور درست نہیں ہے۔

مرفوع ضعیف روایت ملاحظہ ہو:

أخرج الدارقطني في "سننه" (۲/۵۰/۲۹)، عن عمروبن شمر عن جابر عن أبي جعفر محمد بن علي بن الحسين وعبد الرحمن بن سابط عن جابر بن عبد اللّٰه ، قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا صلى الصبح من غداة عرفة يقبل على أصحابه فيقول: على مكانكم ويقول: "اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، لا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، وللّٰه الحمد"، فيكبر من غداة عرفة إلى صلاة العصر من آخر أيام التشريق .

قلت: إسناده ضعيف جداً. قال في التعليق المغني على الدارقطني (۲/۴۹): قال ابن القطان: جابر الجعفي سئ الحال ، وعمروبن شمر أسوأ حالاً منه بل هو من الهالكين، قال السعدى: عمرو بن شمر زائغ كذاب ، وقال الفلاس: واهٍ . قال البخاري وأبوحاتم: منكر الحديث ، زاد أبوحاتم: وكان رافضياً يسب الصحابة ، روى في فضائل أهل البيت أحاديث موضوعة فلا ينبغي أن يعلل الحديث إلا بعمرو بن شمر مع أنه قد اختلف عليه فيه ...الخ.

وللمزيد من البحث راجع: (نصب الراية:۲/۲۲۴،فصل في تكبيرات التشريق، والبدر المنير:۵/۹۱، الحديث الثالث بعدالثلاثين).

آثارِ صحابہ ملاحظہ فرمائیں:

روى ابن أبي شيبة في "مصنفه"(۴/۱۹۹/۵۶۹۷، باب كيف يكبريوم عرفة)، عن أبي الأحوص عن عبد اللّٰه ؛ أنه كان يكبر أيام التشريق : "اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، لا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه

Maktaba Tul Ishaat.com

أكبر، ولله الحمد".

وروى أيضاً (٥٦٩٩) **عن شريک قال: قلت لأبي إسحاق: كيف كان تكبير علي وعبد اللّٰه؟ فقال: كانا يقولان: "اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، لا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، ولله الحمد".**

وروى أيضاً (٥٦٩٦) **عن إبراهيم قال: كانوا يكبرون يوم عرفة وأحدهم مستقبل القبلة في دبر الصلاة: "اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، لا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، ولله الحمد".**

وفي شرح السنة: وكان عمر يكبر في قبته بمنى، فيسمعه أهل المسجد، فيكبرون ويكبر أهل الأسواق حتى ترتج منى تكبيراً. (شرح السنة للإمام البغوی:٤/٣٠١، وشرح البخاری لابن بطال:٢/٥٦٣، وفتح الباری لابن حجر:٢/٤٦٢، **وقال ابن حجر: وصله سعيد بن منصور من رواية عبيد بن عمير قال: كان عمرؓ يكبر في قبته...الخ.**،وفتح الباری لابن رجب ٦/١٢٣).

عمدۃ القاری میں ہے:

الثالث: في صفة التكبير وهو أن يقول مرة واحدة: "اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، لا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، ولله الحمد" وهو قول عمر بن الخطابؓ وابن مسعودؓ وبه قال الثوري وأحمد وإسحاق...الخ. (عمدة القاری:٥/١٨٨،ملتان).

فتح القدیر میں ہے:

والتكبير أن يقول مرة واحدة: "اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، لا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر اللّٰه أكبر، ولله الحمد". هذا هو المأثور عن الخليل صلوات اللّٰه عليهم...لم يثبت عند أهل الحديث ذلك. (فتح القدير:٢/٨٢،دارالفكر).

درمختار میں ہے:

و يجب تكبير التشريق في الأصح للأمر به مرة وإن زاد عليها يكون فضلاً قاله العيني قوله وإن زاد أفاد أن قوله مرة بيان للواجب لكن ذكر أبو السعود أن الحموی نقل عن القرا حصاري أن الإتيان به مرتين خلاف السنة. قلت: وفي الأحكام عن البرجندی ثم المشهور من قول علمائنا أنه يكبر مرة وقيل ثلاث مرات. (الدرالمختارمع ردالمحتار:٢/١٧٧،سعيد).

وكذا حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ، وزاد بقوله: وفي مجمع الأنهر: إن زاد فقد خالف السنة ، ولعل محله ما إذا أتى به علماً أنه سنة وأما إذا أتى به على أنه ذكر مطلق فلا و يحرر. (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح،ص۵۳۹،قديمی).

امدادالفتاویٰ میں شامی کی عبارت نقل کرنے بعد فرماتے ہیں:اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مشہور قول مرۃ ہی کا ہے،اور قولِ مقابل ضعیف ہے،اور قطع نظر ضعف سے مرۃ والے زیادت کو خلافِ سنت کہتے ہیں اور اہل زیادت مرۃ کے سنت ہونے پر متفق ہیں پس احتیاط مرۃ ہی میں ہوئی۔ (امدادالفتاوی:۱/۵۶۰)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے: سوال:فرض نماز کے بعد تکبیر تشریق ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا جائز ہے یا خلافِ سنت؟

الجواب:بعض خلافِ سنت فرماتے ہیں اور بعض جائز،اختلاف سے بچنے کے لیے ایک بار سے زیادہ نہیں کہنا چاہئے۔(احسن الفتاویٰ:۴/۱۴۲)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: سوال: تکبیر تشریق ایک بار کہنا مسنون ہے یا تین بار؟

الجواب: تکبیر ایک بار کہنا واجب ہے،تین بار کہنا مسنون نہیں ہے۔تین بار کہنے کا قول صحیح اور مفتی بہ نہیں ہے۔**حتى لو زاد لقد خالف السنة.** (مجمع الانهر:۱/۱۷۶)۔**فقط اللہ اعلم بالصواب**۔(فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۴۵۱)۔

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق:۲/۱۶۵،کوئٹہ،وتبيين الحقائق:۱/۲۲۷،ملتان،والفتاوى الهندية:۱/۱۵۲، وفتح الباری:۲/۴۶۲،ومرقاة المفاتيح:۵/۳۲۹،ملتان،وشرح النقاية:۲/۳۱،بيروت). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

تکبیر تشریق تین مرتبہ پڑھنے والی روایت کا حکم:

سوال: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے تین مرتبہ پڑھنے کی روایت ہے،وہ کیسی ہے،کہاں ہے اور معمول بہا ہے یا نہیں؟

الجواب: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے تین مرتبہ پڑھنے کی روایت بعض کتابوں میں موجود ہے،مثلاً درمنثور،وفتح القدیر للشوکانی،وعمدۃ القاری للعلامۃ العینیؒ،والاستذکار لابن عبدالبر بسندِ عبدالرزاق وغیرہ،لیکن اس روایت میں تکبیر کے آخر میں" **لا إله إلا الله وحده لاشريک له ، له الملک وله الحمد وهو على**

Maktaba Tul Ishaat.com

کل شيء قدير'' کی زیادتی مذکور ہے جو کسی کے نزدیک معمول بہا نہیں ہے، ہاں شافعیہ اور مالکیہ تثلیث کے قائل ہیں۔ اور ہمارے فقہائے احناف نے ابن عمرؓ کے الفاظ کو نہیں لیا اور تثلیث ان الفاظ کے تابع ہے، تو تثلیث کو بھی مسنون نہیں فرمایا، اس لیے تین مرتبہ کو سنت سمجھ کر نہیں پڑھنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ملاحظہ ہو:

أخرج ابن المنذر عن ابن عمرؓ أنه كان يكبر ثلاثاً وراء الصلوات بمنى: '' لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريک له ، له الملک وله الحمد وهوعلى كل شيء قدير''. (الدرالمنثور: ۵۶۲/۱، وكذا في فتح القديرللامام الشوكاني: ۲۰۷/۱).

عمدۃ القاری میں ہے:

الرابع :'' اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريک له، له الملک وله الحمد وهو على كل شيء قدير'' وهو مروي عن ابن عمرؓ. (عمدة القاری: ۱۸۸/۵، باب التكبيرايام منى، ملتان).

الاستذكار لابن عبد البر میں ہے:

عبد الرزاق قال: أخبرنا ابن أبي رواد عن نافع عن ابن عمرؓ أنه كان يكبرثلاثاً وراء الصلوات بمنى ويقول: لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريک له له الملک وله الحمد وهوعلى كل شيء قدير. (الاستذكارلابن عبدالبر، رقم: ۱۸۴۸۴).

ابن ابی رواد مختلف فیہ راوی ہے، لیکن مصنف عبدالرزاق میں یہ روایت دستیاب نہیں ہوئی۔

المدونۃ الکبری میں ہے:

قال ابن القاسم وبلغني عنه أنه كان يقول:'' اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر'' ثلاثاً. (المدونة الكبرى: ۱۵۷/۱).

شرح المہذب میں ہے:

صفة التكبير المستحبة :'' اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر'' هذا هوالمشهورمن نصوص الشافعي في الأم والمختصر وغيرهما وبه قطع الأصحاب...قال الشافعي في المختصر: وما زاد من ذكر اللّٰه فحسن وقال في الأم : أحب أن تكون زيادته:'' اللّٰه أكبر كبيراً والحمد

للّٰہ کثیراً وسبحان اللّٰہ بکرۃ وأصیلاً لا إله إلا اللّٰہ ولا نعبد إلا إیاہ مخلصین له الدین ولو کرہ الکافرون لا إله إلا اللّٰہ وحدہ صدق وعدہ ونصر عبدہ وهزم الأحزاب وحدہ لا إله إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر". (المجموع شرح المهذب:۵/۳۹).

عمدۃ القاری میں ہے:

الثالث: في صفة التکبیر، وهو أن یقول مرة واحدة: اللّٰہ أکبر...الخ. وهوقول عمربن الخطابؓ وابن مسعودؓ، وبه قال الثوریؒ وأحمدؒ وإسحاقؒ؛ وفیه أقوال أخر: الأول: قول الشافعيؒ: إنه یکبر ثلاثاً نسقاً وهوقول ابن جبیر. الثاني: قول مالک، أنه یقف علی الثانیة ثم یقطع فیقول: اللّٰہ أکبر، لا إله إلا اللّٰہ، حکاہ الثعلبی عنه...الخ. (عمدۃ القاری: ۵/۱۸۸). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عیدین کا خطبہ سننے کا حکم:

سوال: ایک شخص خطبہ عید کے وقت بیٹھا تھا پھر جب شروع ہوا تو چلا گیا اب اس شخص پر گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب: عیدین کا خطبہ سنت ہے اور اس کے لئے بیٹھنا واجب نہیں ہے، لیکن پہلے سے بیٹھا ہو پھر شروع ہوجائے تو اب سننا واجب ہے۔ لہذا اٹھ کر چلے جانے پر گنہگار ہوگا اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قال الشیخ: ولم أطلع علی روایة فقهیة فی هذاالباب أنه هل یجب الجلوس لاستماع هذه الخطبة أم لا؟ نعم، ذکر فی "الدرالمختار" فی باب الجمعة أنه یجب الاستماع لسائر الخطب، کخطبة النکاح وخطبة عید وختم علی المعتمد، لکن لایلزم منه وجوب الجلوس کما فی خطبة النکاح لایجب الجلوس لکن ان جلس یجب استماعه، والظاهر أن یقال: إنه لایجب الجلوس لخطبة العید کمالایجب نفس خطبة العید، ولکن إن جلس یجب استماعه، کماقالوا: إن من حضر التلاوة یجب استماعه مع عدم وجوب الجلوس له، فان ظفر أحد بالروایة الفقهیة فی هذاالباب فلیخبرنا أویلحق بهذاالمقام.

Maktaba Tul Ishaat.com

.....**فثبت أن التخلف عن خطبة العيد جائز. وأما إذا جلس لها فيكره الكلام وترك الاستماع لها، كما صرح به في الدر.** (اعلاء السنن :۸/۱٤٤، كيفية صلاة العيدين، ادارة القرآن)

ابن ماجہ شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنا واجب نہیں ہے بلکہ اختیار ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن عبدالله بن السائب رضی اللہ عنہ قال حضرت العيد مع رسول الله ﷺ فصلى بنا العيد ثم قال: قد قضينا الصلاة فمن أحب أن يجلس للخطبة فليجلس ومن أحب أن يذهب فليذهب.

(رواه ابن ماجة: ص ۹۱، باب ماجاء في انتظار الخطبة بعد الصلاة، قديمي۔ وابو داؤد: ۱/۱٦۳، باب الجلوس للخطبة، وقال: هذا حديث مرسل۔ والنسائي: ۱/۲۳۳، باب التخيير بين الجلوس للخطبة)

شراح حدیث نے بھی یہی تشریح فرمائی ہے کہ بیٹھنا واجب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو: عون المعبود: ٤/۱۲۔ وحاشية السندي على سنن النسائي: ۳/٤۳۔ وفتح الباري لابن رجب الحنبلي: ٦/۱٤۸)

امداد المفتین میں ہے:

خطبہ عید کا پڑھنا اور سننا سنتِ مؤکدہ ہے، لیکن جب خطبہ پڑھا جائے تو خطبہ سننا واجب ہو جاتا ہے اس وقت کلام وغیرہ کرنا ناجائز ہے اور شور مچانا سخت گناہ ہے۔ (امداد المفتین: ۱/۳۳۰، بحوالہ درمختار۔ وامداد الفتاوی: ۱/۴۵۸۔ وفتاوی محمودیہ: ۸/۴۵٦، مبوب ومرتب۔ واحسن الفتاوی: ۵/۳۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عیدین میں مصافحہ اور معانقہ کا حکم:

سوال: عیدین میں مصافحہ اور معانقہ جائز ہے یا بدعت؟ اس کو روکنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض نے مکروہ بعض نے بدعت وغیرہ کہا ہے۔ لیکن واضح اور بے غبار بات یہ ہے کہ جو کام مسنون ومستحب نہ سمجھا جائے اس کے لئے نفسِ ثبوت کافی ہے یا یہ کہ نصوصِ شریعت سے متصادم نہ ہو جیسے تعویذات یا دم اس کے لئے مطلق ثبوت یا اصولِ شریعت سے متصادم نہ ہونا کافی ہے خصوصی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

بنابریں اگر مصافحہ ومعانقہ عیدین میں اظہارِ مسرت کا ذریعہ سمجھا جائے تو اس کے لئے خوشی کے وقت مصافحہ ومعانقہ کا ثبوت کافی ہے اور متعدد احادیث میں خوشی کے وقت مصافحہ ومعانقہ کا ثبوت ملتا ہے۔

مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند احادیث پیشِ خدمت ہیں:

بخاری شریف میں ہے:

(۱) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: خرج النبی ﷺ فی النهار لا يكلمنی ولا أكلمه حتی إلی سوق بنی قينقاع فجلس بفناء بيت فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها فقال: أثم لكع أثم لكع؟ فحبسته شيئاً فظننت أنها تلبسه سخاباً أو تغسله فجاء يشتد حتی عانقه وقبله فقال: أحبه وأحب من أحبه. (رواه البخاری: ۱/۲۸۵، ماذكر فی الاسواق۔ **وأخرجه مسلم أيضاً فی فضائل الحسين رضی الله عنه ولفظه: حتی اعتنق كل واحد منهما صاحبه فقال:** ..... (رواه مسلم: ۲/۲۸۲، فضائل الحسين رضی الله عنه)

(۲) وأخرج البخاری فی قصة هجر عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها ابن الزبير بسبب منعه اياها عن كثرة الصدقة وشفاعة المسور بن مخرمة وعبدالرحمن بن الأسود إلی عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها فقال: فی آخر الحديث..... فلما دخلوا دخل ابن الزبير رضی الله عنه الحجاب فاعتنق عائشة رضی الله تعالیٰ عنها وطفق يناشدها ويبكی..... (رواه البخاری: ۲/۸۹۷، كتاب الادب)

(۳) وأخرج الترمذی عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قدم زيد بن حارثة رضی الله عنه المدينة ورسول اللّٰه ﷺ فی بيته فأتاه فقرع الباب فقام إليه رسول اللّٰه ﷺ عرياناً يجر ثوبه واللّٰه ما رأيته عرياناً قبله ولا بعده فاعتنقه وقبله. (رواه الترمذی: ۲/۱۰۲، المعانقة)

(۴) وأخرج أحمد فی مسنده بسنده عن عبداللّٰه بن محمد انه سمع جابر بن عبداللّٰه رضی الله عنه يقول: بلغنی حديث عن رجل سمعه من رسول اللّٰه ﷺ فاشتريت بعيراً ثم شددت علی رحلی فسرت إليه شهراً حتی قدمت عليه الشام فاذا عبداللّٰه بن أنيس فقلت للبواب قل له جابر رضی الله عنه علی الباب فقال: ابن عبداللّٰه قلت: نعم فخرج يطأ ثوبه فاعتنقنی واعتنقته..... (مسند الامام احمد بن حنبل: ۳/۴۹۵/۱۶۴۶۵)

(۵) وعن ام سلمة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: بينما رسول اللّٰه ﷺ فی بيتی يوماً إذ قالت الخادم إن علياً رضی الله عنه وفاطمة رضی الله تعالیٰ عنها بالسدة قالت: فقال لی قومی فتنحی لی عن أهل بيتی، قالت: قمت فتنحيت فی البيت قريباً فدخل علی رضی الله عنه وفاطمة رضی الله تعالیٰ عنها ومعهما الحسن رضی الله عنه والحسين رضی الله عنه وهما صبيان صغيران فاخذ الصبيين فوضعهما فی حجره فقبلهما

Maktaba Tul Ishaat.com

قال: واعتنق علیاً رضی اللہ بإحدی یدیه وفاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنها بالید الأخری فقبل فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنها وقبل علیاً..... (مسند الامام احمد: ۲۷۲۹۹/۲۹۶/۶ ـ و ۲۲۰۵۷/۱۶۲/۵، حدیث ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہ)

(۶) وأخرج الترمذی عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ فی قصة خروج النبی ﷺ من بیته فی ساعة لایخرج فیها ولقاء ه أبابکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ.....وذهابهم إلی منزل أبی الهیثم بن التیهان الأنصاری رضی اللہ عنہ وأنه لم یکن حاضراً فقال فیه: فلم یلبث أن جاء أبو الهیثم بقربة.....ثم جاء یلتزم النبی ﷺ. (رواه الترمذی: ۶۱/۲، معیشة اصحاب النبی ﷺ)

(۷) وأخرج الطبرانی عن عون بن ابی جحیفة عن أبیه قال: لماقدم جعفر رضی اللہ عنہ من هجرة الحبشة تلقاه النبی ﷺ فعانقه وقبل مابین عینیه. (مسند ابی یعلی الموصلی: ۴۴۳/۴ ـ ومجمع الزوائد: ۲۲۹/۲، دارالفکر)

(۸) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: کان النبی ﷺ وأصحابه یسبحون فی غدیر فقال النبی ﷺ لیسبح کل رجل منکم إلی صاحبه فسبح کل رجل منهم إلی صاحبه وبقی النبی ﷺ وأبوبکر رضی اللہ عنہ فسبح النبی ﷺ إلی أبی بکر حتی عانقه وقال: أناْ إلی صاحبی، أناْ إلی صاحبی.
(مجمع الزوائد: ۳۴۰/۸ ـ وطبرانی کبیر ۴۵۸/۹)

(۹) عن عطاء بن أبی رباحؒ یقول: خرج أبوأیوب إلی عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ وهو بمصر یسأله عن حدیث سمعه من رسول اللہ ﷺ ولم یبق أحد سمعه من رسول اللہ ﷺ غیره وغیر عقبة رضی اللہ عنہ فلما قدم أتی إلی منزل سلمة بن مخلد الأنصاری وهو أمیر مصر فاخبر به فجعل یخرج إلیه فعانقه ثم قال: ماجاء بک یاأباأیوب. فقال: حدیث سمعته من رسول اللہ ﷺ لم یبق أحد سمعه من رسول اللہ ﷺ غیری وغیر عقبة رضی اللہ عنہ فابعث من یدلنی علی منزله فبعث معه من یدله علی منزله فاخبر عقبة رضی اللہ عنہ به فعجل فخرج إلیه فعانقه.....
(مسند الحمیدی: ۱۸۹/۱، حدیث ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ)

(۱۰) وعن عمرو بن میمون بن مهران یقول: کنت مع أبی ونحن نطوف بالکعبة فلقی أبی شیخ فعانقه..... (حلیة الاولیاء: ۹۰/۴، میمون بن مهران)

(۱۱) وعن الحسن قال: خرج رسول اللّٰہ ﷺ فلما رأه عثمان رضی اللہ عنہ عانقه فقال رسول اللّٰہ ﷺ: قد عانقت أخی عثمان فمن کان له أخ فلیعانقه. (الجامع الکبیر للسیوطی: ۱/رقم ۱۵، کنز العمال: رقم: ۳۶۲۴۰)

(۱۲) وعن عبادة بن منصور قال: کان رجل منا یقال له کابس بن ربیعة فرآه أنس بن مالک رضی اللہ عنہ فعانقه وبکی وقال: من أحب أن ینظر إلی رسول اللّٰہ ﷺ فلینظر إلی کابس بن ربیعة. (جامع الاحادیث: ۳۳/۲۱۹/۳۶۱۰۸، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ)

(۱۳) وعن علی رضی اللہ عنہ قال: إن الرجل من أهل الجنة یشتاق إلی أخیه فی اللّٰہ فیؤتی بنجیبة من نجائب الجنة فیرکبها إلی أخیه وبینه وبینه مسیرة ألف ألف عام بقدر مسیر أحدکم فرسخاً أو فرسخین فیلقاه ویعانقه. (جامع الاحادیث: ۲۹/۳۶۰ـ مسند علی رضی اللہ عنہ، کنز العمال: رقم ۳۹۷۸۳) ان تمام احادیث میں اظہارِ محبت کے لئے معانقہ کا ثبوت ملتا ہے۔

نیز اظہارِ محبت ومسرت کے لئے مصافحہ بھی جائز ہے جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوئی اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ مصافحہ کیا دوسرے حضرات کا مصافحہ نہ کرنا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا مصافحہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بوقتِ خوشی ومسرت مصافحہ جائز ہے، لیکن مصافحہ نہ کرنے والے زیادہ تھے، جس سے معلوم ہوا کرنے کی گنجائش اور نہ کرنا اولیٰ ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

(۱۴) عن عبداللّٰہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ عن أبیه فی حدیث طویل.....قال کعب رضی اللہ عنہ حتی دخلت المسجد فاذا برسول اللّٰہ ﷺ جالس حوله الناس فقام إلیّ طلحة بن عبیداللّٰہ رضی اللہ عنہ یهرول حتی صافحنی وهنّانی واللّٰہ ماقام إلیّ من المهاجرین غیره..... (رواه البخاری: ۲/۶۳۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک اشکال اور جواب:

اشکال: مذکورہ بالا مسئلہ پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ عام فتاوی میں مرقوم ہے کہ عیدین کے بعد یا نمازِ پنجگانہ کے بعد مصافحہ ومعانقہ بدعت ہے نیز ہمارے علماء نے اس پر زور بھی دیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: اگر عید کے دن مصافحہ ومعانقہ عید کی نماز کی وجہ سے کرتا ہو تو نماز کے بعد مصافحہ ومعانقہ بدعت ہے، اور اگر عید کی خوشی کی وجہ سے ہو جیسا کہ معمول ہے کہ نماز کے بعد ایک دو دن تک لوگ کرتے ہیں تو پھر اگر سنت نہ سمجھے تو خوشی کے اظہار کے لئے گنجائش ہے لیکن لوگوں نے اس کو ایک رسم بنایا ہے لہذا اس کا ترک کرنا مناسب ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

مصافحہ کے لئے شریعت نے ابتداء ملاقات کا وقت تجویز کیا ہے کسی نماز کے بعد اس کا وقت تجویز کرنا شرعاً بے دلیل ہے غلط ہے، بدعت مکروہہ ہے طریقہ روافض ہے، حنفیہ مالکیہ شافعیہ وغیرہ سب سے علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں ایسا ہی نقل کیا ہے:

ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط أنه تکره المصافحة بعد أداء الصلاة بکل حال لأن الصحابة ﷺ ماصافحوا بعد أداء الصلاة، ولأنها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجرؒ عن الشافعية أنها بدعة مکروهة لاأصل لها فی الشرع وأنه ینبه فاعلها أولاً ویعذر ثانیاً ثم قال: وقال إبن الحاج من المالکیة فی المدخل إنها من البدع، وموضع المصافحة فی الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخیه لافی أدبار الصلوات فحیث وضعها الشرع یعضها فینهی عن ذلک ویزجر فاعله لما أتی به من خلاف السنة ثم أطال فی ذلک فراجعه. "الشامی:٦/٣٨١"

(فتاوی محمودیہ:۳/۱۴۳، مبوب ومرتب)

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

گلے ملانے کو معانقہ کہا جاتا ہے جو کہ بذاتِ خود مسنون ہے البتہ اس کا کسی وقت سے مثلاً نمازِ عید کے بعد تخصیص کرنا مختلف فیہ ہے قیل مسنونۃ وقیل مباحۃ وقیل مکروہۃ پس احتیاط یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے البتہ کرنے والے پر اشد انکار نہ کیا جائے۔ (فتاوی فریدیہ:۱/۳۰۲)

فتاویٰ مفتی محمود میں ہے: یہ عید کے روز نماز کے بعد معانقے اور مصافحے اور مبارک بادیاں سلف صالحین کے زمانے میں نہیں تھیں اس لئے اس کا ترک ہی مناسب ہے۔ (فتاوی مفتی محمود:۲/۵۲۳)

مزید ملاحظہ ہو: فتاوی رشیدیہ :ص ۱۴۷۔ وامدادالاحکام :۱/۱۸۸۔ وامدادالفتاوی ۱/۴۸۱۔ واحسن الفتاوی: ۱/۳۵۴۔ وفتاوی رحیمیہ :۱/۲۸۰۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
"من دخل البیت دخل فی حسنۃ
وخرج من سیئۃ مغفوراً لہ"
(المعجم الکبیر)

باب.....﴿۱۸﴾

مسائل شتیٰ

Maktaba Tul Ishaat.com

نماز کے متفرق مسائل

تارک الصلوٰۃ کا حکم:

سوال: بعض حضرات تارک الصلاۃ کو کافر کہتے ہیں، کیا قرآن اور حدیث کی روشنی میں تارک الصلاۃ کافر ہے یا نہیں؟

الجواب: تارک الصلاۃ مرتکبِ کبیرہ ہونے کی وجہ سے فاسق وفاجر ہے، لیکن احناف کے نزدیک کافر نہیں ہے۔ اور جو احادیث تارک الصلاۃ کے کفر پر دلالت کرتی ہیں وہ زجر وتوبیخ پر محمول ہیں۔

قال العلامة اللكنوىؒ : الصلاة أفضل الأعمال ، حتى قيل: إنها أفضل من الصوم أيضاً. وقد وردت في أدائها أحاديث ، ووردت في جزاء تركها أخبار شديدة:

منها: ما رواه أبوداود (٤٣٠) **وابن ماجه** (١٤٠٣) **أن النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم ، قال: قال الله تعالىٰ :"افترضت على أمتك خمس صلوات ، وعهدت عندى عهداً أنه من حافظ عليهن لوقتهن أدخلته الجنة، ومن لم يحافظ عليهن فلا عهد له عندي".**

ومنها: ما رواه أبوداود: أن النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم سئل أى الأعمال أفضل ، قال: "الصلاة لوقتها". (سنن ابوداود(٤٢٦)،وصحيح البخارى(٢٦٣٠)،وصحيح ابن حبان(١٤٧٥)،ومستدرك الحاكم(٦٧٤).

ومنها: ما رواه الترمذى أن النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم ، قال:"بين الكفر والإيمان ترك الصلاة". (سنن الترمذى(٢٦١٨)،وصحيح مسلم(٨٢)،والسنن الكبرى(٣٣٠)،والمعجم الكبير(٢٣٧/١)،ومسندابن الجعد(ص٣٨٥).

ومنها: مانقل فی مجالس الأبرار: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من ترک الصلاة متعمداً فقدکفر". قال العراقی فی "تخریج الاحیاء" (۳۲۷/۱) أخرجه البزارمن حدیث أبی الدرداء بإسناد فیه مقال.

ومنها: ما نقل الغزالی فی "احیاء العلوم": "الصلاة عماد الدین فمن ترکها فقد هدم الدین". قال الشوکانی: هذا الحدیث ضعفه الفیروزآبادی فی "المختصر" وکذا السخاوی...إلی قوله وقد اختلف الصحابة والتابعون فی کفر من ترک الصلاة متعمداً وجزائه:

فقال من الصحابة: سیدنا عمر، وعبد الله بن مسعود، وعبد الله بن عباس، ومعاذبن جبل، وجابربن عبد الله، وابوالدرداء،وابوهریرة، وعبدالرحمن بن عوف رضی الله تعالیٰ عنهم.

ومن غیر الصحابة: أحمد بن حنبل، وإسحاق بن راهویه، وعبد الله بن المبارک، والنخعی، وأیوب السختیانی، وأبوداودالطیالسی، وأبوبکربن أبی شیبة: أن من ترک الصلاة فی وقت واحد بلا عذر یکفر.

وقال حماد بن زید، ومکحول، والشافعی، ومالک: لایکفر، ولکن یقتل.

وعندنا: لایکفر، ولایقتل، ویعزر تعزیراً.

والأحادیث الدالة علی کفر التارک محمولة علی الزجر والتوبیخ.

وبالمجملة من ترک الصلاة فقد أتی کبیرة عظیمة یعاقب علیها عقاباً فریداً إن لم یتب، فقد ورد أن أول مایحاسب العبد یوم القیامة:الصلاة. (فتاوی اللکنوی،المسماة بـ نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل،مع التعلیقات،ص:۱۷۱-۱۷۷).

فتح الملهم میں ہے:

وحدیث عائشةؓ فی المسند أیضاً قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "الدواوین عند الله ثلاث دیوان لایعبأ الله به شیئاً، ودیوان لایترک الله منه شیئاً، ودیوان لایغفرالله،فأما الدیوان الذی لایغفرالله، فالشرک قال الله عزوجل: أنه من یشرک بالله

Maktaba Tul Ishaat.com

فقد حرم اللّٰه عليه الجنة الآية، [المائدة:۷۲] **وأما الديوان الذى لايعبأ اللّٰه به شيئاً فظلم العبد نفسه فيما بينه وبين ربه من صوم تركه أوصلاة تركها فإن اللّٰه عزوجل يغفرذلک ويتجاوز عنه إن شاء ، وأما الديوان الذى لايترک اللّٰه منه شيئاً فظلم العباد بعضهم بعضاً للقصاص لامحالة يدل على بقاء نفس الإيمان المانع من تخليد النار، ولعل المراد من عدم قبول شيء من أعمال تارک الصلاة الأعمال القالبية التى تلتحق الإيمان ، لا العمل القلبى مع الإقرار اللسانى الذى يسمى إيماناً.** (فتح الملهم:۲/۸٦،مكتبه دارالعلوم كراچی) .

اوجزالمسالک میں ہے:

اختلف العلماء في تارک الصلاة عمداً تكاسلاً بعد الاتفاق على أن تاركه منكراً كافراً ، إلا أن يكون قريب عهد بالإسلام ، أو لم يخالط المسلمين بحيث يبلغه وجوب الصلاة ، فقال مالک والشافعى: إنه لايكفر بل يفسق ، فإن تاب وإلا فقتلناه حداً كالزانى المحصن إلا أنه يقتل بالسيف .

وذهب جماعة إلى أنه يكفر، وهو مروى عن علىؓ وإحدى الروايتين عن أحمد بن حنبل ، وبه قال ابن المبارک وإسحاق بن راهويه ، وهو وجه لبعض الشافعية .

وذهب أبوحنيفةؒ وجماعة من أهل الكوفة والمزنى من الشافعية إلى أنه لايكفر، ولايقتل ، بل يحبس حتى يتوب. (اوجزالمسالك:۱/٤٦٦،دارالقلم ،دمشق).

چند اشکالات اوران کے جوابات:

اشکال: احناف کے ہاں تارک الصلوٰۃ کافر کیوں نہیں جب کہ حدیث شریف میں آتا ہے:"**من ترک صلاة مكتوبة متعمداً فقد برئت منه ذمة اللّٰه**". (اخرجه احمد، رقم:۲۲۱۲۸، والطبرانى:۱٥٦، وقال الهيثمى: رجال احمد ثقات الا ان عبد الرحمن بن جبيربن نفيرلم يسمع من معاذ واسنادالطبرانى متصل وفيه عمروبن واقد القرشى وهو كذاب). ؟

الجواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اب اس کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں ہے،اس کو جیل میں ڈال سکتے ہیں۔

اورجن روایات میں "**کفر**" کا لفظ آیا ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ ترک الصلوٰۃ استحلال واستخفاف کے

ساتھ ہوتو کفر تک پہنچ جاتا ہے، یا کفر بمعنی ناشکری ،کفرانِ نعمت یعنی کفرعملی کیا،اورقرآنِ کریم میں آیا ہے : ﴿أقیموا الصلاة ولاتکونوا من المشرکین﴾ (سورة الروم:۳۱) کا مطلب یہ ہے کہ ترکِ صلوٰۃ علامتِ مشرک ہے، کیونکہ مشرکین نماز نہیں پڑھتے تھے،﴿وماکان صلاتهم عند البیت إلا مکاء وتصدیة﴾ (سورة الانفال:۳۵) (مشرک جو دو تین معبودوں کو مانتے ہیں)،اور جیسے حدیث شریف میں فرمایا ہے: ”من وجد سعة فلم یحج فلیمت إن شاء یهودیاً أونصرانیاً“. من قول عمربن الخطابؓ. (ذکره ابن عبدالبرفی التمهید:۲۰/۷۰) . وعن أبی أمامةؓ مرفوعاً بلفظ:”من لم یمنعه من الحج حاجة ظاهرة أوسلطان جائرأومرض حابس فمات ولم یحج فلیمت إن شاء یهودیاً وإن شاء نصرانیاً“.

(اخرجه الدارمی،رقم:۱۷۸۵،والبیهقی فی شعب الایمان:۳۹۷۹،وواسناده ضعیف لضعف لیث بن ابی سلیم ـ انظر: البدرالمنیر،والتلخیص الحبیر،ونصب الرایة،وتخریج احادیث الکشاف،وتنزیه الشریعة). تو ترکِ حج علامتِ یہودیت ونصرانیت ہے۔

اشکال:(۲)﴿فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزکاة فخلوا سبیلهم﴾ (سورة التوبة:۵) یعنی تارک الصلوٰۃ کوبطورِ حدقتل کیا جانا چاہئے، جوحضرات قتل کے قائل ہیں وہ اسی آیتِ کریمہ سے استدلال کرتے ہیں؟

الجواب: اس کا مطلب یہ ہے اگر یہ اعمال کرے تو ان کے ساتھ قتال نہ کرو۔ اگر تارک الصلاۃ واجب القتل ہوتو پھر تارک الزکاۃ بھی واجب القتل ہونا چاہئے؟

دوسری دلیل پیش کرتے ہیں ”فإذا فعلوا ذلک عصموا مني دمائهم...“. (أخرجه البخاری:۳۸۵).

اگر نماز پڑھی تو حقوق محفوظ ہوگئے،اسی طرح زکوٰۃ ادا کردی تو خون محفوظ اوراگر زکوٰۃ ادا نہ کی تو قتل کیا جائیگا؟

الجواب: اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ ”عصموا منی دمائهم وأموالهم من القتال لوجود علامة الإسلام . اگر کوئی اشکال کرے کہ ”عصموا منی دمائهم“ صلوٰۃ کے ساتھ ہے اور ”أموالهم“ زکوٰۃ کے ساتھ ہے تو اس کا جواب یہ ہے چونکہ یہ بات کسی دلیل سے ثابت نہیں اور جو چیز یقینی نہ ہو اس سے حد کیسے ثابت ہوگی؟ جب کہ قاعدہ یہ ہے: ”الحدود تدرأ بالشبهات“.

Maktaba Tul Ishaat.com

خلاصہ یہ ہے کہ تارک الصلاۃ کافر نہیں ہے۔

(۱) حدیث شریف میں ہے: " **یخرج من کان فی قلبه مثقال خردلة من الإیمان**" (رواہ مسلم) تارک الصلوٰۃ کے دل میں ایمان ہے تو جہنم سے نکالا جائیگا، لہذا کافر نہیں ہے۔

(۲) صلوٰۃ اعمال میں سے ہے اور جس طرح دیگر فرائض کا تارک کافر نہیں اسی طرح تارکِ صلوٰۃ بھی کافر نہیں۔

(۳) حدیث شریف میں ہے: " **عن عبادة بن الصامت قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: خمس صلوات افترضهن اللّٰه علی عباده فمن جاء بهن لم ینتقص منهن شیئاً استخفافاً بحقهن ، فإن اللّٰه جاعل له یوم القیامة عهداً أن یدخله الجنة ، ومن جاء بهن قد انتقص منهن شیئاً استخفافاً بحقهن لم یکن له عند اللّٰه عهد إن شاء عذبه وإن شاء غفر له.** یعنی تارک الصلوٰۃ کی مغفرت کا امکان ہے جب کہ کافر کی مغفرت کا امکان ہی نہیں ہے۔

(۴) حدیث شریف میں ہے:" **من قال: لا إله إلا اللّٰه دخل الجنة قال أبوذرؓ: وإن زنی وإن سرق قال: وإن زنی وإن سرق". الحدیث** . (رواه البخاری:۵۸۲۷).

بایں وجہ امام صاحبؒ کے نزدیک کافر نہیں ہاں محبوس رکھا جائیگا۔

درمختار میں ہے:

هي فرض عین علی کل مکلف...ویکفر جاحدها لثبوتها بدلیل قطعی وتارکها عمداً مجانة أی تکاسلاً فاسق یحبس حتی یصلی لأنه یحبس بحق العبد فحق الحق أحق، وقیل یضرب حتی یسیل منه الدم . وفی الشامیة: قوله فحق الحق أحق: لایقال : إن حقه تعالیٰ مبنی علی المسامحة لأنه لاتسامح في شيء من أرکان الإسلام . (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/۳۵۱، ۳۵۲، ط:سعید).

امدادالاحکام میں ہے:

تارک الصلوٰۃ عمداً بشرطیکہ وہ نماز سے استہزاء نہ کرتا ہو حنفیہ کے نزدیک کافر نہیں بلکہ فاسق ہے، جس کی سزا یہ ہے کہ اس کو اتنا مارا جائے کہ بدن سے خون بہنے لگے پھر قید کر دیا جائے حتی کہ مرجائے یا توبہ کرلے۔ (امداد الاحکام: ۱/۱۱۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی کوئی فضیلت وارد ہے یا نہیں؟

الجواب: خانہ کعبہ میں آنحضور ﷺ سے نماز پڑھنا ثابت ہے، لہذا خانہ کعبہ میں نماز پڑھنا مستحب ہوگا اگر کسی کو موقع ملے تو پڑھ لینا چاہئے لیکن آج کل خانہ کعبہ میں داخل ہونا دشوار ترین ہے اس وجہ سے حطیم کعبہ میں پڑھنا بھی فضیلت سے خالی نہیں ہے، روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حطیم بھی کعبۃ اللہ کا ایک حصہ ہے۔

ملاحظہ ہو خانہ کعبہ میں داخل ہونے کی فضیلت:

أخرج ابن خزيمة في باب استحباب دخول الكعبة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللهﷺ: "من دخل البيت دخل في حسنة وخرج من سيئة مغفوراً له". (رواه الطبراني في الكبير والبزّار بنحوه، صحيح ابن خزيمة: ۲/۲۱۰، المكتب الاسلامي۔ مجمع الزوائد: ۳/۲۹۳، دارالفكر)

آنحضور ﷺ کا خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا ثبوت:

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه كان إذا دخل الكعبة مشى قبل وجهه حين يدخل وجعل الباب قبل ظهره فمشى حتى يكون بينه وبين الجدار الذي قبل وجهه قريباً من ثلاثة أذرع صلى يتوخى المكان الذي أخبره به بلال رضی اللہ عنہ أن النبيﷺ صلى فيه وليس على أحد بأس أن يصلي في أي نواحي البيت شاء. (بخاری شریف ۱/۷۲/۵۰۰، فیصل)

دوسری روایت میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول اللهﷺ دخل الكعبة وأسامة بن زيد رضی اللہ عنہ وبلال رضی اللہ عنہ وعثمان بن طلحة الحجبي رضی اللہ عنہ فأغلقها عليه ومكث فيها فسألت بلالاً رضی اللہ عنہ حين خرج ما صنع رسول اللهﷺ قال: جعل عموداً عن يساره وعموداً عن يمينه وثلاثة أعمدة وراءه وكان البيت يومئذٍ على سته أعمدة ثم صلى..... (بخاری شریف: ۱/۷۲/۴۹۹، باب الصلاة بين السواري في غير جماعة، فيصل)

حطیم کعبۃ اللہ کا ایک حصہ ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: سألت النبيﷺ عن الجدار أمن البيت هو؟ قال: نعم

Maktaba Tul Ishaat.com

قلت: فما لهم لم يدخلوه في البيت؟ قال: إن قومك قصرت بهم النفقة.....ولولا أن قومك حديث عهدهم بالجاهلية فأخاف أن تنكر أن أدخل الجدار في البيت. (بخاری شریف: ۲۵۱/۱)

صحیح ابن خزیمۃ میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: كنت أحب أن أدخل البيت فأصلي فيه فأخذ رسول اللهﷺ بيدي فأدخلني الحجر فقال يا عائشة إن قومك لما بنوا الكعبة استقصروا فأخرجوا الحجر من البيت فإذا أردت أن تصلين في البيت فصلي في الحجر فإنما هو قطعة من البيت. (صحيح ابن خزيمة: ۱٤۱۳/۲، باب استحباب الصلاة في الحجر اذا لم يكن دخول الكعبة اذ بعض الحجر من البيت، المكتب الاسلامی)

بیت اللہ کے دروازے کے پاس بھی آنحضورﷺ سے نماز پڑھنا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال دخل النبیﷺ البيت فجئت فإذا هو قد خرج وإذا بلال قائم عند باب الكعبة قلت: يا بلال أين صلى النبيﷺ فقال ههنا قال ثم خرج فصلى ركعتين بين الحجر والباب..... (صحيح ابن خزيمة: ۱٤۱۱/۲، المكتب الاسلامی)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

طلبہ سے سزا کے طور پر نماز پڑھوانا:

سوال: بعض مدارس میں طلبہ سے سزا کے طور پر ۳۰ یا ۵۰ رکعت نوافل پڑھوائی جاتی ہے کیا نماز کو سزا کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا اس نماز کا ثواب اس کو ملے گا؟

الجواب: مدارس میں طلبہ سے سزا کے طور پر نماز پڑھوانا درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے نیز نماز کا ثواب بھی اس کو ملے گا جیسا کہ نبی پاکﷺ نے کسرِ شہوت کے لئے روزہ رکھنے کو فرمایا تو اس میں روزہ کا ثواب بھی ہے اور کسرِ شہوت بھی ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللهﷺ يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء.

(بخاری شریف: ۷۵۸/۲۔ ومشکاۃ: ۲۶۷/۲)

ظاہر ہے کہ یہ روزہ براہِ راست رضاءِ الٰہی کے لئے نہیں بلکہ زنا سے بچنے کے لئے کسرِ شہوت ہے یہاں بھی

نماز پڑھوانا نفس کو سزا دینے اور مدرسہ کے احکام بجالانے کے لئے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ڈاکٹر کے لیے بوقتِ ضرورت فرض نماز توڑنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی ڈاکٹر آن کال (ON CALL) ہو اور اس وقت کوئی فرض یا واجب نماز ادا کر رہا ہو تو اس فرض یا واجب نماز کو توڑ سکتا ہے یا نہیں؟

آن کال (ON CALL) کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر اپنے معمول کے مطابق دن کے آٹھ گھنٹے ہسپتال میں مکمل کر کے اپنے مریضوں کے پاس ایک نرس کو چھوڑ کر واپس آجاتا ہے، وہ نرس ڈاکٹر کی ہدایات کے موافق مریضوں کی تیمارداری ونگرانی کرتی رہتی ہے، لیکن اگر کسی مریض کی حالت سنگین محسوس کرتی ہے تو وہ نرس ڈاکٹر کو فون کر کے فوراً بلا لیتی ہے، اور آن کال میں بعض مرتبہ نائب موجود نہیں ہوتا ہے، ایسے وقت میں اگر فرض نماز کے دوران یا خطبہ جمعہ کے دوران بلاوہ آجائے تو نماز جاری رکھے یا توڑ دے؟ اگر نماز توڑ دی تو قضا واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: جب کسی مریض کی محالت بہت سنگین ہو جائے مرض بڑھ جانے یا جان چلے جانے کا خطرہ ہو، اور کوئی نائب [جو اچھی طرح یہ کام اجام دے سکتا ہو] موجود نہ ہو تو نماز توڑ کر جانا واجب ہے چاہے نماز فرض ہو یا نفل، ہاں اگر نماز قریب الختم ہے یا چند منٹ میں ختم ہو جائے گی تو نماز پوری کر کے چلا جائے کیونکہ اکثر چند منٹ گزرنے سے فرق نہیں پڑتا۔

پھر جو نماز توڑ دی ہے اس کو بعد میں پڑھ لے اگر وقت ہے ورنہ قضا کر لے۔

اور اگر کوئی صحیح ماہر نائب موجود ہو تو پھر نماز پوری کر کے جائے۔

خطبہ سننے کے دوران اگر اس قسم کی کوئی ضرورت پیش آجائے تو خطبہ چھوڑ کر جانے کی گنجائش ہے، اور اس کی کوئی قضا نہیں ہے۔

اگر نمازِ تراویح کے دوران نماز توڑ کر جانے کی ضرورت ہو تو بعد میں دو رکعت کی قضا کرے۔

درمختار میں ہے:

ويجب القطع لنحو إنجاء غريق أو حريق . وفي الشامية : والحاصل أن المصلي متى سمع أحداً يستغيث وإن لم يقصده بالنداء ، أو كان أجنبياً ، وإن لم يعلم ماحل به أو علم،

Maktaba Tul Ishaat.com

كان قدرة على إغاثته وتخليصه ، وجب عليه إغاثته وقطع الصلاة فرضاً كانت أوغيره قطع الصلاة ... والواجب لإحياء نفس. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۲/۵۱،۵۲،سعید).

فتاوی سراجیہ میں ہے:

إذا خاف المصلى أن يسقط أعمى أو صبى من سطح ، أو تحرقه نار، أو يغرقه ماء ، عليه قطع الصلاة ، ولو سرق منه مايساوى درهماً له قطع الصلاة . (الفتاوى السراجية،ص:۱۰۵).

وللاستزادة انظر: (الدرالمختارمع ردالمحتار:۱/۶۵۴،سعید،والفتاوى الهندية:۱/۱۰۹، والبحر الرائق:۲/۷۱،کوئٹہ). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فرض نماز کی ایک رکعت چھوٹنے پر بطورِ جرمانہ ۲ رکعت کا حکم:

سوال: اگر کسی نے نذر مانی جب بھی فرض نماز کی ایک رکعت چھوٹ جائے تو دو رکعت نماز جرمانہ کے طور پر پڑھے گا پھر اس منت سے نکلنا چاہے تو خلاصی کی کیا صورت ہے؟

الجواب: اس قسم کی منت لازم ہوتی ہے لہذا اس کا پورا کرنا لازم ہے یعنی جب بھی ایک رکعت چھوٹ جائے دو رکعت نفل لازم ہوگی اور اگر نہیں پڑھی تو اس کا فدیہ دینا زندگی میں درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عائشةرضى الله تعالىٰ عنها أن رسو ل اللهﷺ قال:من نذرأن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصيه فلا يعصيه.(مشكوة شريف:۲/۲۹۷)**فيه دليل على أن من نذرطاعة يلزم الوفاء به.**

درمختار میں ہے:

ثم إن المعلق فيه تفصيل فإن علقه بشرط يريده كأن قدم غائبى أوشفى مريضى يوفى وجوباً إن وجد الشرط.و فى الشامى:(قوله ثم إن المعلق) اعلم أن المذكورفى كتب ظاهرالرواية أن المعلق يجب الوفاء به مطلقاً:أى سواء كان الشرط مما يرادكونه أى يطلب حصوله كإن شفى الله مريضى أولاكإن كلّمت زيداً أودخلت الدارفكذا. (الدر المختارمع الشامى:۳/۷۳۸ أحكام النذر،سعيد)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نماز کے ابتدائی وقت میں وفات پا جائے تو اس نماز کے فدیہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کا انتقال نماز کے ابتدائی وقت میں ہو جائے اور اب تک نماز نہیں پڑھی تھی تو اس نماز کا فدیہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اس نماز کا فدیہ واجب نہیں ہے اس لئے کہ اعتبار آخری وقت کا ہے اور آخری وقت میں زندہ نہیں تھا۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

(والمعتبر فی تغییر الفرض آخر الوقت) وهو قدر ما یسع التحریمة فان کان المکلف فی آخره مسافراً وجب رکعتان وإلا فأربع لأنه المعتبر فی السببیة عند عدم الأداء قبله. وفی الشامی: قوله وجب رکعتان أی وإن کان فی أوله مقیماً وقوله: وإلا فأربع أی وإن لم یکن فی آخره مسافراً بأن کان مقیماً فی آخره فالواجب أربع. قال فی النهر: وعلی هذا قالوا: لو صلی الظهر أربعاً ثم سافر أی فی الوقت فصلی العصر رکعتین ثم رجع إلی منزله لحاجة فتبین أنه صلاهما بلا وضوء صلی الظهر رکعتین والعصر أربعاً لأنه کان مسافراً فی آخر وقت الظهر ومقیماً فی العصر.....قوله عند عدم الأداء قبله أی قبل الآخر والحاصل أن السبب هو الجزء الذی یتصل به الأداء أو الجزء الأخیر إن لم یؤد قبله وإن لم یؤد حتی خرج الوقت فالسبب هو کل الوقت. قال فی البحر: وفائدة إضافته إلی الجزء الأخیر اعتبار حال المکلف فیه فلو بلغ صبی أو أسلم کافر أو أفاق مجنون أو طهرت الحائض أو النفساء فی آخره لزمتهم الصلاة. (الدرالمختار مع رد المحتار: ۱۳۱/۲، باب صلاة المسافر، سعید۔ وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۴۲۸، باب صلاة المسافر، قدیمی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز کے فدیہ کا ثبوت:

سوال: فقہائے کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کی نمازیں چھوٹ گئی ہوں تو ہر نماز کے لیے نصف صاع گیہوں صدقہ کیا جائے، یہ فدیہ کہاں سے ثابت ہے؟ ہمارے علاقہ میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حدیث شریف سے نماز کا فدیہ ثابت نہیں، فقہاء نے اپنی طرف سے بیان کیا ہے، اس قول کی کیا حیثیت ہے؟ بینوا توجروا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: فقہاء نے شیخ فانی کے بارے میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص روزے کی بالکل طاقت نہیں رکھتا وہ ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دے، اور یہ مسئلہ ایک حدیث شریف سے اخذ کیا ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عطا سمع ابن عباسؓ یقرأ : وعلی الذین یطوقونه فدیة طعام مسکین. قال ابن عباسؓ: لیست بمنسوخة، هو للشیخ الکبیر والمرأة لایستطیعون أن یصوما، فیطعمان مکان کل یوم مسکیناً. (روه البخاری:۲/۶۴۷).

نیز جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ رمضان مبارک کے روزوں کی قضا ہو تو ہر روزے کے عوض نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور وغیرہ دیا جائے یہ فدیہ بھی حدیث شریف سے ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عمرؓ عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: من مات وعلیه صیام شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکیناً . (رواه الترمذی:۱/۱۵۲).

مذکورہ بالا دونوں احادیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ ''جب کسی کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ نمازیں باقی ہوں تو ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار فدیہ دیا جائے'' کیونکہ نماز اور روزہ دونوں بدنی عبادات ہیں، اور روزے کے بارے میں نص موجود ہے اور دونوں کی علت مشترک ہے کہ نماز اور روزے کی ادائیگی کی کوئی صورت نہیں ہے، اس وجہ سے فدیہ واجب کیا گیا۔ ملاحظہ ہو صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

والصلاة کالصوم باستحسان المشایخ . وفی البنایة : أی إلا أن المشایخ استحسنوا فی التجویز لأنها تشبه الصوم من حیث کونها عبادة مالیة. (البنایةمع الهدایة:۲/۱۳۵۳،فیصل آباد).

نورالانوار میں ہے:

ووجوب الفدیة فی الصلاة للاحتیاط جواب سوال مقدر تقریره: أن الفدیة فی الصوم للشیخ الفانی لما کانت ثابتة بنص غیرمعقول ینبغی أن تقتصروا علیه ولم تقیسوا علیه من مات وعلیه صلاة مع أنکم قلتم إنه إذا مات وعلیه صلاة وأوصی بالفدیة یجب علی الوارث أن یفدی بعوض کل صلاة ما یفدی لکل صوم علی الأصح فأجاب بأن وجوب الفدیة فی

قضاء الصلاة للاحتياط لا للقياس و ذلک لأن نص الصوم يحتمل أن يكون مخصوصاً بالصوم ويحتمل أن يكون معلولاً لعلة عامة توجد فی الصلاة أعنی العجز والصلاة نظير الصوم بل أهم منه فی الشان والرفعة فأمرنا بالفدية عن جانب الصلاة فإن كفت عنها عند اللّٰه تعالیٰ فبها وإلا فله ثواب الصدقة ، ولذا قال محمد فی الزيادات: تجزئه إن شاء اللّٰه تعالیٰ، والمسائل القياسية لاتعلق بالمشية قط . (نورالانوار،مبحث الامر،ص۳۹).

وللمزيد انظر: (فتح القدير:۲/۳۵۹،۳۶۰،دارالفكر،والعناية فی شرح الهداية:۲/۳۶۰، دارالفكر، وامدادالفتاح،ص:۴۸۴،بيروت، وشرح تحفة الملوك مع التعليقات:۲/۱۳۳۴).

نیز یہ بات بھی جان لینا چاہئے کہ ہر مسئلہ کے لیے صریح صحیح حدیث موجود نہیں ہوتی بلکہ بہت سارے مسائل قرآن واحادیث کی روشنی میں مستنبط ہوتے ہیں۔

اور یہ کہنا کہ فقہاء کرام نے یہ مسئلہ اپنی طرف سے بیان کیا ہے یہ بات سراسر جہالت پر مبنی ہے، شریعتِ مطہرہ میں کسی شخص کو اپنی طرف سے احکامات بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ہاں فقہاء نے مزاجِ شریعت ومرادِ شریعت کو واضح کرنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، خود علامہ ابن تیمیہؒ نے بڑے عجیب انداز میں فقہاء کی تعریف فرمائی ہے۔فرماتے ہیں:

ويفهمونهم مراده بحسب اجتهادهم واستطاعتهم . (فتاوی ابن تيمية:۲۰/۲۲۴).

عوام الناس کے لیے سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ علماء فقہاء کی باتوں کو مانیں اور ان پر عمل پیرا ہو دین اور شریعت میں دخل اندازی کرنا ان کے لیے کسی طرح جائز اور درست نہیں، بصورتِ دیگر ان کے دین واسلام کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔چنانچہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

وإنما حق العوام أن يومنوا ويسلموا ويشتغلوا بعبادتهم ومعاشيهم ، ويتركوا العلم للعلماء فإن العامی لو يزنی ويسرق كان خيراً له من أن يتكلم فی العلم ، فإنه من تكلم فی اللّٰه وفي دينه من غير اتقان العلم وقع فی الكفر من حيث لايدری كمن يركب لجة البحر وهو لايعرف السباحة. (احياء علوم الدين:۳/۳۴). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

بچہ رات کے وقت بالغ ہوتو قضاء کا حکم:

سوال: اگر نابالغ عشاء کے بعد سوگیا اور فجر کے وقت بیدار ہوا اور منی کے اثرات دیکھے تو عشاء کی قضاء کرے گا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں احتیاطاً نمازِ عشاء کی قضاء کرے گا اور یہی مختار قول ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے: **صبی احتلم بعد صلاة العشاء واستیقظ بعد الفجر لزمه قضاؤها.**

وفی الشامی: قوله لزمه قضاؤها لأنها وقعت نافلة، ولما احتلم فی وقتها صارت فرضا علیه، لأن النوم لایمنع الخطاب فیلزمه قضاؤها فی المختار، ولذا لو استیقظ قبل الفجر لزمه إعادتها إجماعاً کما قدمناه أول کتاب الصلاة عن الخلاصة. وفی الظهیریة: حکی عن محمد بن الحسنؒ: أنه جاء إلی الإمام أول احتلامه فقال: ما تقول فی غلام احتلم فی اللیل بعد ما صلی العشاء هل یعیدها؟ قال نعم فقام محمد إلی زاویة المسجد وأعادها و هی أول مسألة تعلمها من الإمام. (شامی مع الدر: ۲/۷۶، قضاء الفوائت، سعید)

مزید ملاحظہ ہو: البحر الرائق: ۲/۹۰، تتمة باب قضاء الفوائت، الماجدیة۔ وشرح منیة المصلی: ۵۳٤ فصل فی قضاء الفوائت، سهیل۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

دماغی مریض کی فوت شدہ نمازوں کے فدیہ کا حکم:

سوال: ایک شخص کی نانی کا انتقال ہوا گذشتہ تین سالوں سے انھیں دماغ کی کمزوری کی شکایت تھی اور اس حد تک سرایت کر چکی تھی کہ ۵ منٹ پہلے کیا ہوا کام بھی یاد نہیں رہتا تھا اس وجہ سے کافی عرصہ سے انھوں نے نمازیں نہیں پڑھی تھی، اب ان کے انتقال کے بعد فوت شدہ نمازوں کا فدیہ لازم ہے یا نہیں؟ اور اس کی ادائیگی کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب: دماغی مریض کے بالکل ہوش وحواس نہ رہیں اور یہ کیفیت مسلسل ایک دن یا اس سے زیادہ دن تک ہو تو نماز کی قضاء نہیں ہے اور نہ فدیہ وغیرہ لازم ہے۔ لیکن صورتِ مسئولہ میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیفیت نہیں تھی یعنی نماز کے وقت میں صحیح طور پر نماز پڑھ سکتی تھی تو نماز پڑھنا لازم تھا نہ پڑھنے پر قضاء لازم تھی اب چونکہ انتقال ہو چکا ہے لہذا فدیہ ادا کیا جائے ہر نماز کا علیحدہ علیحدہ یعنی رات دن کی کل ۵ نمازوں کا وتر کے

ساتھ اور فدیہ وہی ہے جو صدقۃ الفطر میں ادا کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ومن أغمى عليه خمس صلوات أودونها قضى وإن كان أكثرمن ذلك لم يقض وهذا استحسان، والقياس أن لاقضاء عليه إذا استوعب الإغماء وقت صلاة كاملاً.....وفى فتح القدير:والقياس أن لا.....وهوقول الشافعيؒ والمالكؒ وتوسط أصحابنا فقالوا: إن كان أكثرمن يوم وليلة سقط القضاء وإلاوجب،والزيادة على يوم وليلة من حيث الساعات وهوروايةعن أبى حنيفةؒ فإذا زاد على الدورة ساعة سقط، وعند محمدؒ من حيث الأوقات فإذا زاد على ذلك وقت صلاةكامل سقط و إلا لا ، و هو الأصح تخريجاً..... عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال فى الذى يغمى عليه يوماً وليلةً قال:يقضى..... وقال عبد الرزاق :أخبرنا الثورى عن ابن أبى ليلى عن نافع أن ابن عمر رضی اللہ عنہ أغمى عليه شهراً فلم يقض ما فاته. (فتح القديرمع الهداية: ۹/۲،دارالفكر۔وكذا فى بدائع الصنائع:۵۶۱/۱، قضاء الفوائت،سعيد۔وكذا فى المبسوط:۲۱۷/۱ باب صلاة المريض ۔وكذا فى الدرالمختار:۳۵۶/۱،سعيد ۔والبحر الرائق:۱۱۵/۲، باب صلاة المريض۔كوئتة)

درمختار میں ہے:

ولومات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم. (الدرالمختار۷۲/۲،باب قضاء الفوائت،سعيد)

مراقی الفلاح میں ہے:

فيخرج عنه وليه.....لصوم كل يوم.....وصلاة كل وقت من فرض اليوم والليلة حتى الوتر.....نصف صاع من بر.....أوقيمته وهى أفضل لتنوع حاجات الفقير،وإن لم يوص و تبرع عنه وليه أوأجنبى جاز إن شاء الله تعالىٰ.وفى الطحطاوى:(لتنوع حاجات الفقير) فإنه قد يكون مستغنياً عن هذه الأعيان ويحتاج إلى الدراهم ليصرفها فى حاجاته. (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى:۴۳۸، قديمى كتب خانه)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

جوتوں سمیت نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: سماحة المفتى من فضلك أريد استفتاءً على ما يلى بين لى بالتفصيل من

Maktaba Tul Ishaat.com

النصوص أثابكم الله.

(۱)لماذا صلى النبی ﷺ فی نعليه وموسى عليه السلام صلى بخلع نعليه والله سبحانه وتعالىٰ يقول: ﴿فبهداهم اقتده﴾؟

(۲)لماذا نصلى بخلع نعالنا و نبينا ﷺ صلى فی نعليه؟

(۳)هل يجوزلنا أن نصلى فی نعالنا؟

(۴)هل صلى النبی ﷺ على البساط بغير نعليه؟

(۵)ما هوأراء الفقهاء فی الصلاة فی النعال؟

(۶)لماذا أمرنا النبی ﷺ بخلاف اليهود فی خلع النعال وهم كانوا يتبعون موسى عليه السلام؟

الجواب: (۱)أن أمره سبحانه وتعالىٰ لرسوله ﷺ بالاقتداء هوخاص عند المفسرين فی التوحيد وأصول الدين والأخلاق الفاضلة والصفات الكاملة دون الشرائع لأن الشرائع مختلفة.

(۲)لأنه لايمكن لنا التحفظ من وطء الأقذاروالرشاش على النعال ومع هذا،الصلاة فی النعال خلاف الأدب والعرف فی زماننا ولم تكن نعله عليه الصلاة والسلام مظنة إصابة قذرأصلاً.

(۳) نعم إذاكانا طاهرين ويتمكن معهما من إتمام السجود بأن يسجد على جميع أصابع رجليه ومع ذلک الأدب خلع النعلين وأما إذا لم يكن طاهرين أولم يتمكن من إتمام السجود فخلعهما واجب.

(۴) نعم.

(۵)لأنهم قد غيروا الشريعة ولايتبعون موسى عليه السلام كماحقه كما قال سبحانه وتعالىٰ ﴿وقالت اليهود عزيربن الله﴾وما جاء موسى عليه السلام بهذا،وقد بين سبحانه وتعالىٰ أنهم ضلوا وأضلوا، وقال أيضاً: ﴿اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولاالضّالين﴾فلهذا ينبغى لنا أن نجتنب كل الاجتناب.

وفی تفسير القرطبی:

قولہ تعالیٰ: ﴿فبهداهم اقتده﴾ قيل: المعنى اصبر كما صبروا وقيل معنى ﴿فبهداهم اقتده﴾ التوحيد والشرائع مختلفة. (تفسير القرطبي: ٣٥/٧)

وفی تفسیر روح المعانی:

والمراد بهداهم عند جمع طريقهم فی الإيمان بالله تعالى وتوحيده وأصول الدين دون الشرائع القابلة للنسخ فإنها بعدالنسخ لاتبقى هدى وهم أيضاً مختلفون فيها فلا يمكن التأسى بهم جميعا ومعنى أمره ﷺ بالاقتداء بذلک الأخذ به لامن حيث أنه طريق أولئک الفخام بل من حيث أنه طريق العقل والشرع ففی ذلک تعظيم لهم وتنبيه على أن طريقهم هوالحق الموافق لدليل العقل والسمع.....وحقق القطب الرازی فی حواشيه على الكشاف أنه يتعين أن الاقتداء المأموربه ليس إلافی الأخلاق الفاضلة والصفات الكاملة كالحلم والصبروالزهد وكثرة الشكروالتضرع ونحوها. (روح المعانی: ٢١٦/٧)

وفی سنن أبی داؤد:

وعن عبد الله بن السائب رضی اللہ عنہ قال رأيت النبی ﷺ يصلی يوم الفتح ووضع نعليه عن يساره، وفی رواية عن عمروبن شعيب عن أبيه عن جده رضی اللہ عنہ قال رأيت رسول الله ﷺ يصلی حافياً متنعلاً.

وفی رواية له.....عن يعلى بن شداد بن أوس عن أبيه رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ "خالفوا اليهود فإنهم لايصلون فی نعالهم ولاخفافهم. (سنن أبو داؤد: ٩٥/١)

وفی بذل المجهود:

قلت: دل هذا الحديث على أن الصلاة فی النعال كانت مأمورة لمخالفة اليهود وأما فی زماننا فينبغی أن تكون الصلاة مأمورة بهما حافياً لمخالفة النصارى فإنهم يصلون متنعلين لايخلعون عن أرجلهم. (بذل المجهود: ٣٢٠/٤ـ وكذا فی إعلاء السنن: ١٩٠/٥ـ وكذا فی شرح النووی للمسلم: ٢٥٤/١ـ وكذا فی شرح ابن بطال: ٤٩/٢ـ وكذا فی فيض البارى: ٢٦/٢ـ وكذا فی شرح المسلم لقاضی عياض: ٤٨٨/٢)

وفی المرقاة شرح المشكاة:

Maktaba Tul Ishaat.com

أن الأدب الذی استقرعلیه آخرأمره علیه الصلاة والسلام خلع نعلیه أوالأدب فی زماننا عند عدم الیهود والنصاری أوعدم اعتیادهما الخلع ثم سنح لی أن معنی الحدیث خالفوا الیهود فی تجویزالصلاة مع النعال والخفاف فإنهم لایصلون أی لایجوزون الصلاة فیهما ولایلزم منه الفعل وإنما فعله علیه الصلاة والسلام تاکیداً للمخالفة وتأییداً للجواز. (مرقاة شرح المشکاة:۲/۲۳۷)

وفی الشامی :

(قوله وصلاته فیهما)أی فی النعل والخف الطاهرین أفضل مخالفة للیهود تاترخانیة:وفی الحدیث:"صلوا فی نعالکم ولاتشبهوا بالیهود"رواه الطبرانی کما فی الجامع الصغیررامزاً لصحته وأخذ منه جمع من الحنابلة أنه سنة ولوکان یمشی بها فی الشوارع لأن النبی ﷺ وصحبهؓ کانوا یمشون بها فی طرق المدینة ثم یصلون بها، قلت:لکن إذا خشی تلویث فرش المسجد بها ینبغی عدمه وإن کانت طاهرة، وأما المسجد النبوی فقدکان مفروشاً بالحصا فی زمنه ﷺبخلافه فی زماننا ولعل ذلک محمل ما فی عمدة المفتی من أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب تأمل.(شامی ۱/۶۵۷،سعید)

وفی مقالات الکوثری:

وأما الصلاة بالنعل فصحیحة إذاکانت طاهرة لاتمانع وضع باطن رؤوس الأصابع علی الأرض کما هوشأن تمام السجدة علی ما ذکره الخطابی وغیره وکان مسجد النبی علیه الصلاة والسلام مفروشاً بالحصباء وحجرات أزواج النبی ﷺ کانت فی اتصال المسجد فلم تکن نعله علیه الصلاة والسلام مظنة إصابة قذرأصلاً لأنه لم یکن یطأ بها شوارع قذرة وکانت المدینة المنورة طاهرة الأزفة من الأرواث والأرجاس انصیاعاً من الصحابةؓ.....بخلاف شوارع الیوم ومراحیض الیوم فإنها لایمکن فیها التحفظ من وطء الأقذاروالرشاش علی النعال لکون مراحیضها صلبة ترش حتما علی النعال ولاسیما إذا بال الشخص وهوقائم لأنها علی طرازأفرنجی لایتمکن من البول فیها إلا وهوقائم.وقد صح أنه علیه الصلاة والسلام خلع نعله عند الصلاة فی فتح مکة فیکون هذا آخرالأمرین کما أنه

خلع حينما أعلمه جبريل عليه السلام أن بنعله أذى والترخيص عند التحقق من إظهار النعل هو مقتضى الأدلة عند المحققين ومن يرى استحباب لبسها بشرطه إنما استحب لمخالفة اليهود لكن أهل الكتاب أصبحوا اليوم يدخلون كنائسهم ويصلون بنعالهم فتكون المخالفة لهم في خلع النعال لا في لبسها.....وقد تطابقت كلمات أهل العلم على أن الصلاة في نعال الشوارع اليوم خلاف الأدب وإن كانت طاهرة بل سوء الأدب كما تجد تفصيل ذلك في منية المفتي للسجستانيؒ وفتح المتعال للعلامة المقرئؒ وشرح المشكاة لعلي القاريؒ وغاية المقال للمحدث عبد الحي اللكهنويؒ وغيرها(مقالات الكوثری:۱۷٤،دارشمسی)واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نماز سے قبل شلوار موڑنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکی ہوئی ہے تو نماز سے پہلے اسکو موڑنا چاہئے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کپڑے کو موڑنا نہیں چاہئے اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ موڑنے کی صورت میں کپڑا الٹا ہو جاتا ہے اور یہ ممنوع ہے کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب: جو چیز نماز سے باہر مکروہ ہے نماز میں بطریق اولیٰ مکروہ ہے اور کراہت کا ازالہ نماز سے قبل کرنا چاہئے لہذا اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہاں اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کو سمجھا دیں کہ یہ فعل خارج الصلاۃ بھی مکروہ ہے لہذا پاجامہ اور شلوار ٹخنوں سے اوپر سلوالیا کریں۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال:"ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار". (رواه البخاری:۲/۸٦۱/۵۵۵۹ ،باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار،فيصل)

نماز میں کپڑا لٹکانا مکروہ ہے لہذا فقہاء نے فرمایا کہ نماز سے قبل ٹھیک کرلے۔

ملاحظہ ہو فتاوی لکھنوی میں ہے:

ويكره السدل وهو أن يرسله من غير أن يضم جانبه وقيل:هو أن يلقيه على رأسه ويرخيه.....قال في فتح القدير: (۱/۳۵۹) يصدق على ما إذا كان المنديل مرسلاً في كتفيه كما يعتاده كثير فينبغي لمن يعتاده أن يضعه عند الصلاة.(فتاوی اللكهنوی:۳۰۱، بيروت)

نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ کراہت کا ازالہ نماز میں بھی جائز ہے تو خارج الصلاۃ بدرجہ اولیٰ جائز بلکہ مستحب ہوگا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ملاحظہ ہو فتاوی لکھنوی میں ہے:

فان سقطت قلنسوة من رأسه وأمكنه أن يرفعها بيد واحدة ،الأولىٰ أن لايصلي مكشوف الرأس كذا في خزانة الروايات. (فتاوی اللکھنوی: ۳۰۱، بیروت)

نیز حدیث شریف میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ رات کی نماز میں حضور ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہوا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مجھے داہنی طرف کردیا یعنی نماز میں کراہت کا ازالہ فرمایا۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال.....فتوضأ ثم قام يصلي فقمت عن يساره فأخذني فجعلني عن يمينه. (بخاری شریف: ۹۷/۱)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
"من شهد الجنازة حتىٰ يصلى عليها فله قيراط
ومن شهد حتىٰ تدفن كان له قيراطان"

(رواه البخاری)

باب.....﴿۱۹﴾

أحكام الجنائز

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
"من حمل جوانب السرير الأربع
كفر اللّٰہ عنه أربعين كبيرة"

(المعجم الأوسط)

Maktaba Tul Ishaat.com

فصلِ اول

قریب المرگ سے متعلق احکام

قریب المرگ شخص کو لٹانے کا طریقہ:

سوال: آدمی جب مرنے لگے تو اس کو کس طرح لٹانا چاہئے؟

الجواب: قریب المرگ شخص کو لٹانے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رخ کر کے داہنی کروٹ پر کر دے، لیکن اگر چت لٹادے اور سر کو تکیہ کے ذریعہ قبلہ رخ کر دے تو اس کی بھی گنجائش ہے، اور بوقتِ دشواری جس میں سہولت ہو اس کو اختیار کرے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا احتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الأيمن وهو السنة كذا في الهداية، وهذا إذا لم يشق عليه فإذا شق ترك على حاله كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۵۷، الفصل الأول في المحتضر)

درمختار میں ہے:

(يوجه المحتضر) وعلامته استرخاء قدميه واعوجاج منخره وانخساف صدغيه (القبلة) على يمينه هو السنة (وجاز الاستلقاء على ظهره وقدماه إليها وهو المعتاد في زماننا ولكن يرفع قليلاً ليتوجه للقبلة وقيل يوضع كما تيسر على الأصح صححه في المبتغى وإن شق عليه ترك على حاله. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۸۹، سعيد كمپنى)

بدائع الصنائع میں ہے:

إذا احتضر الإنسان فالمستحب أن يوجه إلى القبلة على شقه الأيمن كما يوجه في القبر لأنه قرب موته فيضجع كما يضجع الميت في اللحد. (بدائع الصنائع: ۲۹۹/۱، سعید کمپنی)

مرنے کے بعد غسل کے وقت بھی یہی بہتر ہے کہ قبلہ رخ میت کو لٹایا جائے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مرض الموت میں ہدیہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کینسر میں مبتلاء ہے وہ کسی رشتہ دار کو کچھ مال ہدیہ کرنا چاہتا ہے اور کچھ مال اجنبی شخص کو دینا چاہتا ہے کیا اس کا ہدیہ دینا درست ہوگا اور یہ وصیت نافذ ہوگی؟

الجواب: مرض الموت میں کسی شخص کا ہدیہ یا وصیت اجنبی کے حق میں صرف ایک ثلث میں نافذ ہوگی۔ اس سے زیادہ میں نہیں اور وارث کے حق میں ہدیہ یا وصیت نافذ نہ ہوگی، ہاں دوسرے ورثاء کی اجازت سے وارث کے حق میں بھی نافذ ہوگی، اور ثلث سے زائد میں بھی۔

ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ قال: عادني رسول الله ﷺ وأنا مريض فقال: أوصيت؟ قلت: نعم، قال: بكم؟ قلت: بمالي كله في سبيل الله ﷻ قال: فما تركت لولدك قلت: هم أغنياء بخير فقال: أوص بالعشر فما زلت أناقصه حتى قال: أوص بالثلث والثلث كثير. رواه الترمذي. وعن أبي أمامة رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: في خطبته عام حجة الوداع إن الله ﷻ قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث. رواه أبو داود وابن ماجة والترمذي. (مشكاة شريف: ۲۶۵/۱، باب الوصايا، قديمي كتب خانه)

درمختار میں ہے:

إعتاقه ومحاباته وهبته ووقفه وضمانه كل ذلك حكمه كحكم وصيته فيعتبر من الثلث. وفي الشامي: إذا اتصل بها القبض قبل موته أما إذا مات ولم يقبض فتبطل الوصية لأن هبة المريض هبة حقيقة وإن كانت وصية حكماً. (الدر المختار مع الشامي: ۶۸۰/۶، سعيد)۔

واللہ ﷻ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مرض الموت کی تعریف:

سوال: مرض الموت کس کو کہتے ہیں کیا کینسر کا مریض اس میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: جس مرض میں مریض اپنی ذاتی ضرورتوں کے لئے نہ نکل سکے، اسی طرح اس مرض سے صحت کی امید بہت کم ہو اور موت کا غالب گمان ہو، لہذا اس تعریف کے پیشِ نظر کینسر کا مریض جس سے صحت کی امید بہت کم ہو مرض الموت میں کہلائے گا۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

المریض مرض الموت من لایخرج إلی حوائج نفسه وهوالأصح کذا فی خزانة المفتی. مرض الموت تکلموا فیه والمختار للفتویٰ أنه إذاکان الغالب منه الموت کان مرض الموت سواء کان صاحب الفراش أم لم یکن کذا فی المضمرات. (الفتاوی الهندیة: ۱۷۶/٤)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مریض کی وصیت کا حکم:

سوال: کسی مریض نے اپنے رشتہ دار کو یہ وصیت کی کہ تم ہر ہفتہ میری قبر پر حاضری دو کیا یہ وصیت واجب العمل ہے یا نہیں؟

الجواب: مذکورہ بالا وصیت واجب نہیں ہے، البتہ ان کی خواہش کی بنا پر زیارت کے لئے جانا بہتر ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

أوصی بأن یصلی علیه فلان أویحمل بعد موته إلی بلدآخر أویکفن فی ثوب کذا أو یطین قبره أویضرب علی قبره قبة أویقرأ عنده شیئاً معیناً فهی باطلة. (الدرالمختار: ٦٦٦/٦، ٦٩٠، سعید کمپنی)

شامی میں ہے:

أقول: فی الولوالجیة: لوزارقبرصدیق أوقریب له وقرأ عنده شیئاً من القرآن فهو حسن، أما الوصیة بذلک فلا معنی لها. (شامی: ٦٩٠/٦، قبیل باب الوصیة بالخدمة، سعید کمپنی)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غسل دینے سے پہلے میت کے پاس تلاوت کا حکم:

سوال: مرنے کے بعد غسل دینے سے پہلے میت کے پاس تلاوت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر میت کا جسم چھپا ہوا ہے تو میت کے پاس تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر جسم کھلا ہوا ہے تب بھی اصح قول یہ ہے کہ میت میں حدث ہے نجاست وغلاظت نہیں، لہذا اس کے قریب تلاوت کرنا درست ہے، تاہم احتیاط اس میں ہے کہ غسل دینے سے پہلے جہراً تلاوت نہ کی جائے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

اختلفوا فی نجاسة المیت فقیل نجاسة خبث، وقیل: حدث ویشهد للثانی ماروی‌اه من تقبیله ﷺ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وهو میت قبل الغسل، اذ لو کان نجساً لما وقع فاه الشریف علی جسده. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ٥٦٤، احکام الجنائز، قدیمی)

درمختار میں ہے:

تکره القراء ة عنده حتی تغسل.....تنزیهاً للقرآن عن نجاسة المیت لتنجسه بالموت قیل نجاسة خبث وقیل حدث وعلیه فینبغی جوازها کقراء ة المحدث.....فإنه إذا جاز للمحدث حدثاً أصغر القراء ة فجوازها عند المیت المحدث بالأولیٰ. (الدرالمختار مع الشامی: ٢/١٩٤، سعید کمپنی)

شامی میں ہے:

قوله ویقرأ القرآن فی بعض النسخ ولایقرأ بلا والصواب إسقاطها.

تنبیه: الحاصل أن الموت إن کان حدثاً فلاکراهة فی قراء ة القرآن عنده وإن کان نجساً کرهت والظاهر أن هذا أیضاً إذا لم یکن المیت مسجی بثوب یستر بدنه، لأنه لو صلی فوق نجاسة علی حائل من ثوب أو حصیر لایکره فیما یظهر فکذا إذا قرأ عند نجاسة مستورة وکذا ینبغی تقیید الکراهة بما إذا قرأ جهراً.....فتحصل من هذا إن کان الموضع معداً للنجاسة کالمخرج والمسلخ کرهت القراء ة مطلقاً وإلافإن لم یکن هناک نجاسة ولاأحد مکشوف العورة فلاکراهة مطلقاً وإن کان فانه یکره رفع الصوت فقط. (الشامی: ٢/١٩٣، ١٩٤، مطلب فی القراء ة عندالمیت، سعید)۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

میت کے پاس حائضہ عورت کے بیٹھنے کا حکم:

سوال: جس کمرہ میں میت موجود ہو وہاں حائضہ عورت بیٹھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر میت کے سرہانے نہ بیٹھے بلکہ ذرا دور بیٹھے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ حائضہ کے نکالنے میں اختلاف ہے لہذا اس میں تشدد اور سختی کرنا مناسب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے: **فی النهر: ينبغي إخراج الحائض.....وفي نورالإيضاح: واختلف في إخراج الحائض.** (شامی:۱۹۳/۲،سعید)

وفي حاشية نورالإيضاح: قوله واختلفوا: اختلاف المشايخ في إخراج هؤلاء في الأولوية وعدمها، لاعلى سبيل الوجوب، ووجه الإخراج امتناع حضور الملائكة محلاً به حائض أونفساء ووجه عدم الإخراج به قد لايمكن الإخراج للشفقة أوللاحتياج إليهن.

(حاشية نورالايضاح للشيخ محمداعزازعلی:ص۱۲۷۔وكذافي حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح: ص۵۶۳،باب احكام الجنائز،قديمی)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولابأس بجلوس الحائض والجنب عنده وقت الموت. (فتاوی قاضيخان على هامش الهندية: ۱۸۸/۱،باب فی غسل الميت ومايتعلق به)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

موت کے بعد بیوی کا چہرہ دیکھنے کا حکم:

سوال: کیا شوہر کے لئے جائز ہے کہ بیوی کی موت کے بعد اس کا چہرہ دیکھے؟

الجواب: موت کے بعد بیوی کا چہرہ دیکھنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر إليها على الأصح منية، وفي الشامي: ولعل وجهه أن النظر أخف من المس فجاز لشبهة الاختلاف. (الدرالمختارمع الشامی: ۱۹۸/۲، سعيد۔وكذا في الهندية: ۱۶۰/۱،الفصل الثاني في الغسل۔والفتاوى الخانيةعلى هامش الهندية: ۱۸۷/۱،باب في غسل الميت ومايتعلق به)

احسن الفتاوی میں ہے:

بیوی سب کچھ کرسکتی ہے مگر شوہر دیکھ سکتا ہے نہلا نہیں سکتا اور بلا حائل چھو نہیں سکتا جنازہ اٹھا سکتا ہے اور قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔(احسن الفتاوی:۴/ ۲۱۵۔وفتاوی رشیدیہ:ص ۲۵۷)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

موت کے بعد شوہر کے لئے بیوی کا چہرہ یا ہاتھ چھونے کا حکم:

سوال: موت کے بعد شوہر بیوی کے چہرے یا ہاتھ کو چھو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: موت کے بعد بیوی کو چھونا درست نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح ،منية. (الدر المختار مع الشامی:۲/ ۱۹۸، باب صلاة الجنازة،سعيد)

مبسوط میں ہے:

ولنا حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ سئل عن امرأة تموت بين رجال فقال: تيمم الصعيد ولم يفصل بين أن يكون فيهم زوجها أو لا يكون والمعنى فيه أن النكاح بموتها ارتفع بجميع علائقه فلا يبقى حل المس. (المبسوط للامام السرخسیؒ:۲/ ۷۱،باب غسل الميت، ادارة القرآن۔واحسن الفتاوی:٤/ ٢١٥)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

پوسٹ مارٹم کا شرعی حکم:

سوال: پوسٹ مارٹم کی شرعی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ میت کی توہین میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کے ساتھ ہر وہ کام کرنا جس سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے جائز اور درست نہیں ہے، اور پوسٹ مارٹم میں جسم کی تقطیع ہے اور یہ معاملہ اگر زندہ کے ساتھ کیا جائے تو ضرر رساں ہے لہذا میت کے ساتھ بھی درست نہیں ہوگا اس میں جسمِ انسانی کی توہین ہے حتی الامکان اپنی میت کو اس سے بچانا چاہئے، لیکن اگر مجبوراً کرانا پڑے تو اس کی گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو عصرِ حاضر کے فقہی مسائل میں ہے:

میت کی لاش کا پوسٹ مارٹم اب محض ایک طبعی ضرورت ہی نہیں رہی بلکہ تفتیشِ جرائم کے لئے قانون وانصاف کے شعبہ میں بھی اس کا سہارہ لینا ناگزیر ہوگیا ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسا عمل جس میں انسانی جسم کی قطع وبرید اور چیر پھاڑ نے کے بغیر کام نہ چلتا ہو اس کی کیوں کر گنجائش ہوسکتی ہے۔(عصرِ حاضر کے فقہی

Maktaba Tul Ishaat.com

مسائل: ص ۴۷۔ وجدید مسائل کا شرعی حل: ص ۲۴۸)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

پوسٹ مارٹم بھی اگر کسی ضرورت کے پیشِ نظر ناگزیر ہو جائے تو جائز ہے مثلاً مقدمہ کی تحقیق کے لئے موت کی وجہ معلوم کرنی ہو، یا کوئی شخص اپنا اندرونی عضو ہبہ کردے اور علماء اس کے جواز کا فتوی دے دیں، اس لیے اس عضو کو نکالنا ہو وغیرہ، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے اس مردہ حاملہ عورت کا پیٹ چاک کرنے کی اجازت دی ہے جس کے پیٹ کا بچہ ابھی زندہ ہے تا کہ اس طرح اس کو نکالا جا سکے۔ (جدید فقہی مسائل: جلد اول: ص ۲۰۳، پوسٹ مارٹم، پروگریسو بکس)

کفایت المفتی میں ہے:

طبی معائنہ (پوسٹ مارٹم) کی بہت سی صورتیں شرعی ضرورت کے بغیر واقع ہوتی ہیں جو ناجائز ہیں اور اگر کوئی خاص صورت شرعی ضرورت کے ماتحت جائز بھی ہوتا ہم اس میں شرعی احکام متعلقہ ستر واحترام میت کا التزام ضروری ہوگا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میت کے جسم کو پھاڑنا چیرنا اس کے احترام کے منافی ہے اور جب تک کوئی ایسی قوی وجہ نہ ہو کہ اس کے سامنے اس بے حرمتی کو نظر انداز کیا جا سکے چیر پھاڑ مباح نہیں ہو سکتی عورت کی برہنہ میت غیر محرم مرد کے ہاتھوں میں جانا تو درکنار اس کی نظر کے نیچے بھی نہیں جا سکتی۔ (کفایت المفتی: ۴/۲۰۰، آٹھواں باب، کتاب الجنائز، دارالاشاعت۔ ونظام الفتاوی: ۱/۴۱۲، پوسٹ مارٹم کا حکم، اسلامک فقہ اکیڈمی۔ وامداد الفتاوی: ۱/۵۰۸)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

میت کے سامنے کھڑے ہو کر معاف کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت کا انتقال ہوا تو کسی عورت نے خاندان کی عورتوں سے کہا آپ سب اس میت کو معاف کر دیں اس طرح کہ آپ ان کے سامنے کھڑی ہو کر کہو کہ ہم نے معاف کر دیا جو ہمارے درمیان ہوا تھا اس لئے کہ میت سنتی ہے اور شوہر اکیلا میت کے پاس بیٹھ کر تلاوت کرتا ہے اور قبر میں اتارتا ہے اور اس کا چہرہ دیکھتا ہے شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اس طرح عورتوں کا میت کو خطاب کرنا اور معاف کرنا وغیرہ درست نہیں ہے اس لئے کہ میت سنتی ہے یا نہیں سنتی اس میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مردے سنتے ہیں بعض کے نزدیک نہیں سنتے جن کے نزدیک سنتے ہیں تو ہر بات ہر وقت نہیں سنتے بلکہ جب اللہ تعالیٰ سنا دے تو سنتے ہیں

لہذا یہ عمل درست نہیں اور نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

شوہر میت کے پاس بیٹھ کر تلاوت کرسکتا ہے، اور چہرہ بھی دیکھ سکتا ہے نیز محارم کے ساتھ قبر میں اتر کر دفن کرنے میں مدد بھی کرسکتا ہے، البتہ میت کو غسل دینا اور چھونا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله أو كلمتك) إنما تقيد بالحياة لأن المقصود من الكلام الإفهام والموت ينافيه لأن الميت لايسمع ولايفهم وأورد أنه عليه الصلاة والسلام قال لأهل القليب قليب بدر هل وجدتم ما وعدربكم حقاً؟ فقال عمر: يارسول الله ما تكلم من أجساد لاأرواح لها فقال النبيﷺ والذى نفسى بيده ما أنتم بأسمع لما أقول منهم وأجيب بأنه غيرثابت يعنى من جهة المعنى وإلافهوفى الصحيح وذلك أن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها ردته بقوله تعالىٰ: ﴿وماأنت بمسمع من فى القبور﴾و﴿إنك لاتسمع الموتىٰ﴾ وقوله من جهة المعنى ينظرماالمراد به فإن ظاهره يقتضى ورود اللفظ عن الشارعﷺ وأن المعنى لايستقيم وفيه مافيه وأجيب أيضاً بأنه إنما قاله على وجه الموعظة للأحياء لالإفهام الموتىٰ كماروى عن علىؓ أنه قال:السلام عليكم دارقوم مؤمنين أما نساؤكم فنكحت وأما أموالكم فقسمت وأمادوركم فقدسكنت فهذا خيركم عندنا فماخيرنا عندكم ويرده أن بعض الأموات رد عليه بقوله:الجلود تمزقت والأحداق قد سئلت.....إلى قوله وردعنه عليه الصلاة والسلام أن الميت ليسمع خفق نعالهم إذا انصرفوا،كمال وفى النهرأحسن ما أجيب به أنه كان معجزة لهﷺ.(حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:۲/۳۸۲،باب اليمين فى الضرب والقتل،كوئته)

درمختار میں ہے:

ويمنع زوجهامن غسلهاومسهالامن النظرإليهاعلى الأصح،منية.وفى الشامى:ولعل وجهه أن النظرأخف من المس فجازلشبهة الاختلاف.(الدرالمختارمع الشامى:۲/۱۹۸،سعيد)

کفایت المفتی میں ہے:

سوال: مردے قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں یا نہیں؟

جواب: قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو نہیں سنتے اور نہ جواب دیتے ہیں۔(کفایت المفتی:۴/۵۰،

Maktaba Tul Ishaat.com

دارالاشاعت)

امدادالفتاوی میں ہے:

سوال: بعد مرنے کے مرد اپنی بی بی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں اور قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: دیکھ سکتا ہے اور قبر میں اتارنا جب محارم نہ ہوں زوج کو درست ہے لأنه مس من حائل. (امدادالفتاوی:۱/۵۰۳ وکذا فی فتاوی رحیمیہ:۳/۹۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

میت کی آنکھوں کی کونٹیک لینس نکالنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کا انتقال ہوجائے اور اس کی آنکھوں میں کونٹیک لینس ہے تو اس کو نکالا جائے یا نہیں؟

الجواب: کونٹیک لینس دوسرے کے لئے استعمال نہیں کر سکتے اور نکالنے میں بھی دقت ہے اور یہ ایک زائد چیز بھی معلوم نہیں ہوتی لہذا نہیں نکالنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو احسن الفتاوی میں ہے:

اگر دانت منہ سے نکالنا مشکل ہو اور زیادہ محنت کرنے میں میت کی بے حرمتی ہو تو اندر ہی چھوڑ دیئے جائیں غسل وکفن میں کوئی محذور نہیں، مال کی حرمت سے میت کی حرمت زیادہ ہے۔ (احسن الفتاوی:۴/۲۴۰)

شامی میں ہے:

وإن كان حرمة الآدمي أعلىٰ من صيانة المال لكنه زال احترامه بتعديه كما في الفتح ومفاده أنه لو سقط في جوفه بلا تعدلا يشق اتفاقاً .(شامی:۲/۲۳۸،سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**۔

میت دوبارہ زندہ ہوجائے تو جائداد واپس لینے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص دوبارہ زندہ ہوگیا تو وہ اپنی جائداد واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی شخص دوبارہ زندہ ہوجائے تو جو جائداد ورثاء کے پاس باقی ہے وہ اس کو ملجائیگی اور جو باقی نہیں ہے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

لكن لو عاد حياً بعد الحكم بموت أقرانه قال ط: الظاهر أنه كالميت إذا حيي والمرتد إذا أسلم، فالباقي في يد ورثته له ولا يطالب بما ذهب. (شامی:٤/٢٩٧ كتاب المفقود،سعید۔وکذافی

الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۱۷٤،کوئتہ۔والبزازیة علی هامش الهندیة:٦/۲۲٥)

شامی میں دوسری جگہ مذکور ہے:

قال ح: كأنه نظير الميت إذا أحياه الله تعالىٰ فإنه يأخذ مابقى من ماله فى أيدى ورثته فيعطى له حكم الأحياء. (شامی:۱/۳٦۱،مطلب لوردت الشمس بعدغروبها،سعید)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر بیوی کا حکم:

سوال: اگر کسی کی موت کا فیصلہ کیا گیا اور اس کی بیوی نے دوسری جگہ نکاح کیا تو اس کے واپس آنے کے بعد بیوی اس کو ملے گی یا موجودہ شوہر کے نکاح میں رہے گی؟

الجواب: بعض فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی اس کو واپس نہیں ملے گی زوجِ ثانی کے پاس رہے گی۔

لیکن علامہ شامیؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی کو ملے گی اور عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اصلاً اس کی بیوی ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

فإن عاد زوجها بعد مضى المدة فهو أحق بها وإن تزوجت فلاسبيل له عليها. (الفتاوی الهندیة ۲/۳۰۰،کتاب المفقود)

شامی میں ہے:

لكن لوعاد حياً بعد الحكم بموت أقرانه.....ثم بعدرقمه رأيت المرحوم أباالسعود نقله عن الشيخ شاهين ونقل أن زوجته له والأولاد للثانى،تأمل. (شامی:٤/۲۹۷،کتاب المفقود، سعید کمپنی)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے:

سوال: کیا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا دنیا میں ممکن ہے یا نہیں؟ قادیانی اس کو ناممکن بتلاتے ہیں، اس مسئلہ میں ان کے استدلال کی کیا حقیقت ہے؟ اور صحیح مذہب کیا ہے؟

الجواب: حضرت مولانا حبیب احمد کیرانوی صاحب نے حل القرآن میں اچھی تحقیق فرمائی ہے چنانچہ آیتِ کریمہ ﴿**ثم بعثناكم من بعدموتكم لعلكم تشكرون**﴾ سورة البقرة:الآية: کے تحت فرماتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

ملاحظہ ہو:

اس مقام پر سمجھنا چاہئے کہ موت وحیات دونوں کی دو، دو قسمیں ہیں: ایک اصلی دوسری عارضی، موتِ اصلی وہ ہے جس سے مقصود تکالیفِ شرعیہ کا ختم کرنا ہو، اور موتِ عارضی وہ ہے جس سے تکالیفِ شرعیہ کے ختم کرنے کے علاوہ کوئی اور مطلوب ہو، جیسے تنبیہ یا اظہارِ قدرت وغیرہ، اسی طرح حیاتِ اصلی وہ ہے جس سے مقصود تکالیفِ شرعیہ ہوں، اور حیاتِ عارضی وہ ہے جس سے علاوہ تکالیفِ شرعیہ کے امر آخر مطلوب ہے، جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ موتِ اصلی کے بعد حیاتِ اصلی نہیں ہوسکتی، ہاں حیاتِ عارضی ممکن ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں سے مردے زندہ ہوتے تھے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ثبوت مطلوب تھا، اور عمل کے لئے ان کو دنیا میں دوبارہ بھیجنا منظور نہ تھا، اسی لئے وہ پھر فوراً مرجاتے تھے.....اور موتِ عارضی کے بعد حیاتِ اصلی بھی ممکن ہے جیسا کہ آیاتِ زیر بحث میں اور دوسری آیات میں مذکور ہے، پس اس تقریر پر تمام آیتیں منطبق ہوگئی، اور کسی آیت میں اس تحریف کی ضرورت نہ رہی جو قادیانی لوگ اپنی اباطیل کی ترویج کے لئے کرتے ہیں، اور معلوم ہوگیا کہ ﴿ وحرام علی قریة أهلكناها أنهم لايرجعون ﴾ کے معنیٰ یہ نہیں ہے کہ جس کو ہم مار چکے ہیں، اسے ہم کبھی زندہ نہ کریں گے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی میعاد دنیا میں ختم ہوچکی ہے وہ دنیا میں دوبارہ عمل کے لئے واپس نہ ہوں گے۔ (حل القرآن: ۱/۴۴)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: حل القرآن: ۱/۱۲۳-۱۲۴)

نیز اس موضوع پر علامہ ابن ابی الدنیا نے مستقل رسالہ "من عاش بعدالموت" تحریر فرمایا ہے، جس میں مرنے کے بعد زندہ ہونے کے کچھ واقعات بھی نقل فرمائے ہیں۔

ان میں چند ملاحظہ فرمائیں:

(۱) أخرج بسنده عن ثابت البنانی، عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: عدت شاباً من الأنصار فماكان بأسرع من أن مات، فأغمضناه ومددناعليه الثوب فقال بعضنالأمه: احتسبيه، قالت: وقد مات؟ قلنا: نعم، قالت: أحق ما تقولون؟ قلنا: نعم، فمدت يديهاإلى السماء، وقالت: اللّٰهم إنی آمنت بک وهاجرت إلى رسولک فإذا أنزلت بی شدة شديدة دعوتک، ففرجتها، فاسئلک اللّٰهم لاتحمل على هذه المصيبة اليوم قال: فكشف الثوب عن وجهه فما برحنا أكلنا وأكل معنا. (من عاش بعدالموت: ص ۲)

(۲)وقصة زيدبن خارجة ﷺ:وهي أنه توفي بين الظهروالعصرثم تكلم بعدالمغرب ،و قال:كلمات في شأن النبي ﷺ وأبي بكر ﷺوعمر ﷺوعثمان ﷺ وأوصى الناس بالخير. (من عاش بعدالموت:ص:٤)

(۳)عن ربعي بن حراش ﷺ قال:كنا إخوة ثلاثة وكان أعبدناوأصوموناوأفضلنا الأوسط منا،فغبت غيبة إلى السواد،ثم قدمت على أهلي،فقالوا:أدرك أخاك فإنه في الموت ، فخرجت أسعى إليه فانتهيت وقد قضى وسجي بثوب،فقعدت عندرأسه أبكيه قال:فرفع يده ،فكشف الثوب عن وجهه،وقال:السلام عليكم،قلت: أي أخي أحياة بعدالموت؟ قال:نعم ، إلى لقيت ربي عزوجل فلقيني بروح وريحان ورب غيرغضبان.....فعجلوا جهازي،ثم طفئ فكان أسرع من حصاة لوالقيت في الماء.....فبلغ ذلك عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها ،فصدقته ، وقالت:كنانسمع أن رجلاً من هذه الأمة سيتكلم بعدموته.(من عاش بعد الموت:ص:۹)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: رسالة"من عاش بعدالموت"لابن أبي الدنيا،ص۲۔٥٦،موقع جامع الحديث)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

میت کی تجہیز وتکفین کسی کمپنی سے کرانے کا حکم:

سوال: ایک شخص ایک کمپنی میں ملازم ہے اس کمپنی میں تجہیز وتکفین کی پولسی (policy) ہے،یعنی جب اس کا یا اس کے اہل وعیال میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو وہ کمپنی اپنی طرف سے تجہیز وتکفین کا خرچہ دیتی ہے تو اس کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تجہیز وتکفین کی پولسی (policy) پر جو رقم ملتی ہے وہ حکومت یا کمپنی کی طرف سے عطیہ اور ایک قسم کا تعاون ہے لہذا اس کا وصول کرنا اور استعمال کرنا درست ہے جس طرح پراویڈنٹ فنڈ بونس اور پینشن وغیرہ کی رقم لینا شرعاً درست ہے۔ ملاحظہ ہو کفایت المفتی میں ہے:

جو رقم تنخواہ سے لازمی طور پر کاٹ لی جاتی ہے اور جو رقم کہ بونس کے نام سے بڑھائی جاتی ہے اور جو رقم کہ ان دونوں رقموں پر سود کے نام سے لگائی جاتی ہے ان تینوں رقموں کو لے لینا مسلم ملازمین یا ان کے ورثاء کے لئے جائز ہے.....بونس تو عطیہ ہی ہے مگر وہ رقم جو سود کے نام سے لگائی جاتی ہے شرعاً سود کی حد میں داخل نہیں وہ بھی

Maktaba Tul Ishaat.com

عطیہ ہی کا حکم رکھتی ہے۔ (کفایت المفتی: ۸/ ۹۶، کتاب الربوا، دارالاشاعت)

دوسری جگہ مرقوم ہے:

پینشن جو ملازم کو ملازمت سے سبکدوشی پر ملتی ہے جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۸/ ۹۷، کتاب الربوا، دارالاشاعت)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصلِ دوم

میت کو غسل دینے کا بیان

میت کو غسل دیتے وقت کفن پر عطر ملنے کا حکم:

سوال: میت کو غسل دیتے وقت اس کے کفن پر لوگ عطر لگاتے ہیں شریعت میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں یا لوگوں نے خواہ مخواہ عادت بنالی ہے؟

الجواب: بعض روایات سے کفن پر خوشبو لگانے کا ثبوت ملتا ہے، اس وجہ سے اس کی گنجائش ہے، اور زیادہ تشدد مناسب نہیں ہے۔ نیز احادیث میں کفن کو خوشبودار چیز سے دھونی دینے کا ذکر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو نصب الرایہ میں ہے:

روى ابن حبان في "صحيحه". والحاكم في المستدرک"، وقال: صحيح على شرط مسلم عن قطبة بن عبد العزيز عن الأعمش عن أبي سفيان عن جابرؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: " إذا أجمرتم الميت فأجمروا ثلاثاً "، وفي لفظ لابن حبان: فأوتروا . وفي لفظ للبيهقي: جمروا كفن الميت ثلاثاً ، قال النووي: وسنده صحيح... (نصب الراية:۲/۲٦٤، فصل في التكفين، واعلاء السنن :۸/۲٤۹).

ورواه أحمد (۱٤٥۸۰)، **بسنده عن جابرؓ، قال الشيخ شعيب: إسناده قوي على شرط، وابن أبي شيبة في "مصنفه"** (۱۱۲۳۲)، **وأبويعلى في "مسنده"** (۲۳۰۰)، **قال حسين أسلم أسد: إسناده صحيح على شرط مسلم، وقال الهيثمي: رجاله رجال الصحيح.** (مجمع الزوائد:۳/۲٦).

Maktaba Tul Ishaat.com

وعن أسماء بنت أبي بكرؓ أنها قالت لأهلها: أجمروا ثيابي إذا أنا مت ، ثم كفنوني، ثم حنطوني . . .(مصنف عبدالرزاق:۳/۴۱۷،المجلس العلمی).

وفی المصنف لابن أبي شيبة: عن أسماء ، أنها قالت عند موتها إذا أنا مت فأغسلوني وكفنوني وأجمروا ثيابي. (مصنف ابن ابی شیبة:۳/۲۶۵/۱۱۲۲۴).

وفي نصب الراية : ورواه مالک فی"الموطا" عن هشام به ، وزاد: وحنطوني، ولاتتبعوني بنار، انتهی. وهذا سند صحيح. (نصب الراية:۲/۲۶۴،فصل فی التكفين).

مذکورہ بالا روایات میں میت اور کفن کو خوشبودار چیز کی دھونی دینے کا ذکر ہے جس کا مقصد میت اور کفن کو خوشبودار کرنا ہے اور عطر میں یہ علی وجہ الکمال پایا جاتا ہے۔اس وجہ سے عطر کو خوشبودار دھونی پر قیاس کیا جاسکتا ہے، نیز بعض روایات میں میت پر حنوط لگانے کا ذکر ہے اس کا مقصد بھی میت کے جسم کو خوشبودار بنانا ہے۔ملاحظہ ہو:

(مصنف عبدالرزاق:۳/۴۱۴،المجلس العلمی،واعلاء السنن:۸/۲۱۸،ونصب الراية:۲/۲۵۹).

البتہ جو خوشبو مرد کے لیے زندگی میں مکروہ ہے وہ بعد الموت بھی مکروہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله وجعل الحنوط على رأسه ولحيته، لأن التطيب سنة وذكر الرازي أن هذا الجعل مستحب والحنوط مركب من أشياء طيبة ولا بأس بسائر الطيب غير الزعفران والورس اعتباراً بالحياة وقد ورد النهي عن المزعفر للرجال وبهذا يعلم جهل من يجعل الزعفران فی الكفن عند رأس الميت في زماننا. (البحر الرائق:۲/۱۷۳،كوئته).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: سوال: خوشبو کفن میں لگانا کیسا ہے؟

الجواب: مستحب ہے:" **وصفة تكفين الرجل أن يبخر الكفن أولاً بالبخور الطيبة، ويرش عليه الحنوط إن وجد، ويبسط اللفافة ، ثم الإزار وهو من القرن إلى القدم ثم يجعل عليه حنوط إن وجد ، ويطلى بالكافور مساجده...الخ.** (رسائل الأركان،ص:۱۵۴).

البتہ جو خوشبو مرد کے لیے حالتِ حیات میں منع ہے یعنی ورس اور زعفران، اس کا کفن میں لگانا بھی منع ہے،اسی کو درمختار میں لکھا ہے کہ یہ جہل ہے...(فتاویٰ محمودیہ:۸/۵۲۴،جامعہ فاروقیہ)۔

آپ کے مسائل میں ہے:

مردے کو کفن پہنانے سے پہلے کفن کو لوبان کی دھونی دینا مسنون ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۰۳/۳)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

بعض کتبِ فقہ میں پورے جسم پر خوشبو لگانے کی اجازت ہے، مگر ستر کو دیکھنے اور ہاتھ لگانے سے احتراز ضروری ہے، غالبًا اسی لیے اپنے یہاں دستور ہے کہ کفن پھیلا کر اس پر حنوط (مرکب خوشبو) چھڑک دیا جاتا ہے اور اس پر میت کو لٹا کر کفن لپیٹ دیا جاتا ہے تاکہ سارا جسم معطر ہو جائے، اس طرح ستر کو ہاتھ لگنے اور نظر پڑنے سے حفاظت رہتی ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ: ۴۹۹/۳، ط: دیوبند)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کے بالوں کی دو چوٹیاں بنانے کی دلیل:

سوال: بعض غیر مقلد اعتراض کرتے ہیں کہ میت عورت کے بالوں کی دو چوٹیاں بنائی جائیگی اس مسئلہ کی دلیل احناف کے پاس موجود نہیں پھر بھی اپنے غلط مذہب پر جمے ہوئے ہیں درس ترمذی کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس ''مسئلہ میں حنفیہ کی کوئی مضبوط دلیل تلاش کے باوجود نہ مل سکی''۔ کیا واقعی اس کی دلیل موجود نہیں ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب: غیر مقلدین کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے، صحیح بخاری شریف میں تین قرون اور دو قرون کا ذکر ہے، اور دو قرون بیہقی، طبرانی کی روایات میں بھی ہے، اور احناف کا طریقہ روایات کے مابین تطبیق دینے کا ہے، لہذا دو قرون کو مان کر تیسرے قرن میں یہ تطبیق دی کہ ایک حیثیت سے قرن ہے کہ اوپر کی طرف اٹھا ہوا ہے اور ایک حیثیت سے بالوں کا گچھا ہے، لہذا تین قرون کہنا بھی صحیح ہے اور دو قرون بھی صحیح ہے۔ جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے بارے میں دو قسم کی روایات ملتی ہیں بعض میں تین زینوں کا ذکر ہے اور بعض میں صرف دو کا۔ اس میں بھی یہ تطبیق دی گئی ہے کہ اصل تین زینے تھے جس نے اوپر کی چھت شمار نہیں کی اس نے دو زینے بیان کیے۔ بخاری شریف کی روایت ملاحظہ ہو:

عن أم عطية قالت: ضفرنا شعر بنت النبي صلى الله عليه وسلم تعني ثلاثة قرون. وقال وكيع عن سفيان: ناصيتها وقرنيها. (بخاری شریف: ۱۶۸/۱، باب هل يجعل شعر المرأة ثلاثة قرون).

عمدة القاری میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

قال وكيع بن جراح عن سفيان الثورى بهذا الإسناد: ناصيتها وقرنيها، أى : جانبي رأسها، وهذا التعليق وصله الإسماعيلي عن محمد بن علويه : حدثنا عمرو بن عبد الله حدثنا وكيع عن سفيان ، ورواه أيضاً عن حارث المحاربي عن سفيان ، ومن حديث عبد الله بن صالح حدثنا هارون بن عبد الله حدثنا قبيصة حدثنا سفيان عن هشام، ورواه الفريابى عن سفيان. (عمدة القارى:٦/٦٥،ملتان).

بیہقی کی روایت ملاحظہ ہو:

عن ليث بن أبي سليم عن عبد الملک بن أبي بشير عن حفصة بنت سيرين عن أم سليم أم أنس بن مالکؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا توفيت المرأة فأرادوا أن يغسلوها فليبدأ ببطنها فليمسح بطنها مسحاً رفيقاً إن لم تكن حبلى...ثم طيبيها وكفنيها واضفرى شعرها ثلاثة قرون قصة وقرنين ولاتشبهيها بالرجال...الخ. (رواه البيهقى فى الكبرى:٤/٥،باب فى غسل المرأة).

طبرانی میں ہے:

عن جنيد بن أبي وهرة التيمي عن عبد الملک بن أبي بشرعن حفصة بنت سيرين عن أم سليم قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا توفيت المرأة فأرادوا أن يغسلوها...ثم طيبيها وكفنيها واضفرى شعرها ثلاثة قرون قصة وقرنين ولاتشبهيها بالرجال...الخ. (رواه الطبرانى فى الكبير،رقم:٢٠٨١٢).

قال الهيثمى فى المجمع (٢٢/٣،دارالفكر): **رواه الطبراني فى الكبير بإسنادين فى أحدهماليث بن أبي سليم وهو مدلس ولكنه ثقة وفى الآخرجنيد وقد وثق وفيه بعض كلام.**

حدیث شریف میں قصہ کا لفظ ہے اس کی وضاحت ملاحظہ ہو:

القصة من الفرس شعر الناصية وقيل: ما أقبل من الناصية على الوجه القصة بالضم شعر الناصية... ومنه حديث معاويةؓ تناول قصة من شعر كانت فى يد حرسى والقصة تتخذها المرأة فى مقدم رأسها تقص ناحيتيها عدا جبينها. (لسان العرب:٧/٧٣، بيروت).

یعنی بالوں کا ایک گچھا جو پیشانی پر ہوتا ہے۔

قرن کے دومعنی ہیں:(۱)**القرن الذی یکون طویلاً إلی الأسفل**۔اس سے مراد عورت کے گیسو ہیں۔

(۲)القرن: سینگ کے معنی میں بھی آتا ہے،یعنی جو سینگ کی شکل میں اوپر کی طرف ہو۔

تطبیق یہ ہوگی کہ دوقرن لمبے ہوں گے اور ایک قرن اوپر کی طرف گچھے کی شکل میں ہوگا، بخاری شریف کی روایت میں ثلاثۃ قرون سے یہ مرالیا جاسکتا ہے۔اوراس کی تائید بخاری شریف کی دوسری روایت" **ناصیتها وقرنیها**" سے بھی ہوتی ہے۔اس کی مثال منبر نبوی کے زینے ہیں۔ملاحظہ ہوابوداود شریف میں دوزینوں کا ذکر ہے:

"**فاتخذله منبراً مرقاتین**". (رواه ابوداود، رقم:۱۰۸۳).

دوسری روایت میں تین کا ذکر ہے۔ملاحظہ ہوبیہقی میں ہے:

...**فاتخذ له مرقاتین أو ثلاثة**". (رواه البیهقی فی الکبری،رقم:۵۹۰۹، والدارمی، رقم:۱۶۰۶).

اگراوپروالی چھت شمار کریں تو تین زینے ہوں گے اوراگر چھت شمار نہ کریں تو دوہوں گے۔

قال العلامة العینیؒ: فإن قیل: ما التوفیق بین الحدیثین ؟ فإن في حدیث مسلم کما ذکرنا ثلاثة درجات ، وفي هذا الحدیث مرقاتان وهما درجتان ؟ قلنا: الذی قال: "مرقاتین" کأنه لم یعتبر الدرجة التي یجلس علیها، والذي روی ثلاثاً اعتبرها. (شرح ابی داودللعلامة العینی:۴/۴۲۰،ط:الریاض،وعمدة القاری،باب الصلاة فی السطوح والمنبر).

بعض فقہاء حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ سمجھ میں نہیں آتا۔روایت ملاحظہ ہو:

عبد الرزاق عن الثوری عن حماد عن إبراهیم أن عائشةؓ رأت امرأة یکدون رأسها فقالت: علام تنصون میتکم . (مصنف عبدالرزاق:۳/۴۳۷).

کیونکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کنگھی کی نفی ہے ثلاثۃ قرون کی نفی نہیں ہے،اس لیے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کنگھی کے ساتھ تین چوٹیاں ہوں، کنگھی کے ساتھ دوچوٹیاں بھی ہوسکتی ہیں، بلکہ اس حدیث میں دویا تین قرون کا ذکر ہی نہیں ہے،اور کنگھی نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوچوٹیاں ہوں بلکہ کنگھی نہ کرنے کی صورت میں بھی تین چوٹیاں ہوسکتی ہیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

میت کا جسم ریزہ ریزہ ہوجائے تو غسل کا حکم:

سوال: اگر میت قابلِ غسل نہیں مثلاً میت کا جسم ریزہ ریزہ ہورہا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: میت اگر غسل کے قابل نہیں ہے تو اس پر پانی بہادینا کافی ہے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو فقط تیمّم کرادیا جائے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كان الميت متفسخاً يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه. (الفتاوى الهندية:الفصل الثانى فى غسل الميت:۱/۱۵۸)

البحرالرائق میں ہے:

فأماالخنثى المشكل المراهق إذا ماتت ففيه اختلاف والظاهر أنه ييمم وإذا ماتت المرأة فى السفربين الرجال ييممهاذورحم محرم منها وإن لم يكن لف الأجنبى على يديه خرقة ثم ييممها وإن كانت أمة ييممها الأجنبى بغيرثوب وكذا إذا مات رجل بين النساء تيممه ذات رحم محرم منه أوزوجته أوأمته بغيرثوب وغيرهن بثوب. (البحرالرائق:۲/۱۷٤) ۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نجاست سے کفن ملوث ہوجائے تو دھونے کا حکم:

سوال: میت کو غسل دیا گیا بعد میں اس کے بدن سے خون بہنے لگا تو کفن بدلنے کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: غسل دینے کے بعد کفن بھی پہنادیا گیا پھر کوئی نجاست نکلے اور کفن ملوث ہوجائے تو کفن بدلنا اور دھونا ضروری نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو البحرالرائق میں ہے:

قوله ولم يعدغسله لأن الغسل عرفناه بالنص وقدحصل مرة وكذا لاتجب إعادة وضوء ه لأن الخارج منه من قبل أودبرأوغيره هماليس بحدث لأن الموت حدث كالخارج فلما لم يؤثرالموت فى الوضوء وهوموجود لم يؤثرالخارج. (البحرالرائق:۲/۱۷۳،الماجدية)

فتاوی درمختار میں ہے:

ولايعادغسله ولاوضوء ه بالخارج منه لأن غسله ما وجب لرفع الحدث لبقائه بالموت بل لتنجسه بالموت كسائرالحيوانات الدموية إلاأن المسلم يطهربالغسل كرامة له

وقدحصل،بحروشرح ومجمع.(الدرالمختارمع الشامی:۲/۱۹۷،سعید)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسلمان میت کوغیر مسلم کاغسل دینا:

سوال: میت مسلمان عورت ہے تو غیر مسلم عورت غسل دے تو کیا حکم ہے؟ نیز اگر مسلمان مرد کو غیر مسلم مرد غسل دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: مسلمان شخص کی موجودگی میں کسی کافر نے غسل دیا تو مکروہ ہے لیکن اگر کوئی مسلمان موجود نہیں ہے اور کافر غسل دے تو درست ہے البتہ خلافِ سنت ہوگا،اور بظاہر مرد اور عورت کے درمیان فرق نہیں ہے مگر یہ کہ میت مسلمان مرد ہے اور صرف عورتیں ہیں تو وہ مسلمان عورتیں کسی کافر کو غسل سکھلا دیں پھر وہ کافر مسلمان کو غسل دے۔**لأن نظر الجنس إلی الجنس أخف.** ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولیس للکافر غسل قریبه المسلم وفی الشامی:أی إذا لم یکن للمسلم قریب مسلم بین نساء معهن کافر یعلمنه الغسل ثم یصلین علیه فتغسل الکافر المسلم فیه للضرورة فلا یدل علی أنه یمکن من تجهیز قریبه المسلم عندعدمها خلافاً للزیلعیؒ،أفاده فی البحر.

(الدرالمختارمع ردالمحتار:۲/۲۳۱، سعید۔وکذافی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۳۷۹۔ والبحرالرائق:۲/۱۹۱۔ والفتاوی الهندیة:۱/۱۵۹)

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو لم یکن فیهن امرأته ولکن معهن رجل کافر علمنه غسل المیت ویخلین بینهما موفقة فی الدین.(بدائع الصنائع:۱/۳۰۴،سعید)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل،غسل کے حکم میں تو آتا ہے اس لئے کہ غسل دینے والے کا مکلّف ہونا شرط نہیں ہے۔**وأنه یسقط وإن لم یکن الغاسل مکلفاً.**(شامی:۱/۸۰۵)

مگر اس میں دو خرابیاں ہیں:

(۱) غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل مطابقِ سنت نہیں ہے۔

(۲) مسلم کی تجہیز وتکفین مسلمانوں پر لازم ہے اس کی ذمہ داری ان پر رہ جاتی ہے لہذا مسلمانوں کے

Maktaba Tul Ishaat.com

ہاتھوں مسنون طریقہ کے مطابق دیا جانا ضروری ہے چاہے وہ ہسپتال میں ہو یا گھر میں۔ (فتاوی رحیمیہ:۱/۳۷۳)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

میت بغیر غسل کے دفن کیا گیا تو غسل کا حکم:

سوال: اگر میت بغیر غسل دئے دفن کیا گیا تو دوسرے دن اس کو نکال سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دفن کرنے کے بعد فریضہ غسل ساقط ہوگیا لہذا مردہ کو زمین سے نہیں نکالا جائے گا۔ ملاحظہ ہو الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولو دفنوه بعدالصلاة عليه ثم ذكروا أنهم لم يغسلوه فإن لم يهيلوا عليه التراب أخرجوه وغسلوه وصلوا عليه ثانياً وإن أهالوا عليه التراب لم يخرجوه ويعيدون الصلاة عليه ثانياً على القبر استحساناً لأن تلك الصلاة لم يعتد بها لترك الطهارة مع الإمكان والآن زال الإمكان وسقطت فريضة الغسل. (الجوهرة النيرة:۱/۱۲۹،مكتبه امداديه)

البحر الرائق میں ہے:

فلو دفن بلاغسل ولم يمكن إخراجه إلا بالنبش صلىٰ على قبره بلاغسل للضرورة بخلاف ما إذا لم يهل عليه التراب بعد فإنه يخرج ويغسل ولو صلىٰ عليه بلاغسل جهلاً مثلاً ولا يخرج إلا بالنبش تعاد لفساد الأولىٰ. (البحر الرائق:۲/۱۷۹،۱۹۵،الماجدية)

فتاوی بزازیہ میں ہے:

دفن بغير كفن أوقبل غسل أهيل عليه التراب أولا لاينبش لأن الكفن والغسل مامور والنبش منهى والنهى راجح على الأمر. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية:٤/٨٠۔وكذافى الهندية:١/١٦٣)

امداد الفتاوی میں ہے: بے غسل وکفن اگر دفن ہوگیا تو نکالا نہ جائے ویسے ہی قبر پر نماز پڑھ لے۔ (امداد الفتاوی:۱/۴۸۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

میت کو غسل دیتے وقت لٹانے کا طریقہ:

سوال: جب مسلمان مرجائے تو غسل دیتے وقت لٹانے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں احناف کے ہاں تین اقوال ہیں اور راجح یہ ہے کہ جس طرف لٹانے میں سہولت وآسانی ہو اس کو اختیار کیا جائے۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ویوضع المیت کیف مااتفق علی الأصح قاله شمس الأئمة السرخسیؒ،وقیل: إلی القبلة فتکون رجلاه إلیها کالمریض إذا أراد الصلاة إیماءً.وفی القهستانی عن المحیط وغیره أنه السنة.(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص٥٦٧،قدیمی کتب خانه)

درمختار میں ہے:

ویوضع کمامات کما تیسرفی الأصح علی سریرمجمروتراً.وفی الشامی:قوله فی الأصح،وقیل یوضع إلی القبلة طویلاً وقیل:عرضاً کمافی قبره. (الدرالمختارمع الشامی:۲/۱۹۵،باب صلاة الجنائز،سعید کمپنی۔وشرح عنایة:۱/۷۰) ۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خنثی مشکل کو غسل دینے کا حکم:

سوال: خنثی مشکل کو غسل کیسے دیا جائے گا؟

الجواب: خنثی مشکل اگر مراہق ہو تو غسل نہ دیا جائے بلکہ تیمّم کرادیا جائے اور اگر مراہق نہ ہو بلکہ چھوٹا بچہ ہو تو پھر مرد وعورت دونوں غسل دے سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وکذا الخنثی المشکل ییمم فی ظاهرالروایة وقیل یجعل فی قمیص لایمنع وصول الماء إلیه ویجوزللرجل والمرأة تغسیل صبی وصبیة لم یشتهیالأنه لیس لأعضائهما حکم العورة.(مراقی الفلاح ص۲۱۱،باب احکام الجنائز،مکة المکرمة۔وکذافی الشامی:۲/۲۰۱،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

والخنثی المشکل المراهق لایغسل رجلاً ولاامرأةً ولایغسلهارجل ولاامرأة وییمم وراء الثوب.(الفتاوی الهندیة:۱/۱۶۰،الفصل الثانی فی الغسل)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

فصلِ سوم

نمازِ جنازہ کا بیان

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم:

سوال: مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جو مسجد نمازِ پنجگانہ کے لئے بنائی گئی ہو اس میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، نیز ظاہر الروایۃ کے مطابق اگر میت مسجد سے باہر ہو تو بھی مسجد میں جنازہ پڑھنا مکروہ ہے اور اسی پر فتوی ہے، ہاں ضرورت ہو تو گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج الإمام أحمد في "مسنده" (۹۸٦٥) **بسنده ، فقال: حدثنا حجاج** (ثقة) **ويزيد بن هارون** (ثقة) **قالا: أخبرنا ابن أبي ذئب** (ثقة) **عن صالح** (ثقة،قد اختلط) **مولى التوأمة عن أبى هريرة** رضی اللہ عنہ **قال: قال رسول الله** ﷺ **:"من صلى على جنازة فى المسجد فلا شيء له".**

قلت: إسناده صحيح ؛ فيه: صالح بن نبهان مولى التوأمة ؛ قال ابن الجوزى:ثقة ، وقد سمع منه قديماً ابن أبى ذئب. قال ابن معين: ثقة حجة. قال العجلى: مدني، ثقة. قال ابن المدينى: ثقة. وذكره ابن شاهين وابن خلفون فى الثقات. قال إبراهيم بن يعقوب الجوزجاني: تغير أخيراً ، فحديث ابن أبي ذئب عنه مقبول لسنه وسماعه القديم عنه. قال ابن عدى: لا بأس به إذا سمعوا منه قديماً مثل ابن أبي ذئب... وحديثه الذى حدث به قبل الاختلاط ، لا أعرف له حديثاً منكراً ، إذا روى عنه ثقة، وإنما البلاء ممن دون ابن أبي ذئب

فيكون ضعيفاً ، فيروى عنه، ولا يكون البلاء من قبله، وصالح لا بأس به وبرواياته وحديثه . قلت: لكن ضعفه شعيب الأرنؤوط، فما أصاب، وأطال الكلام عليه ورجح حديث عائشةؓ .

وأيضاً أخرجه البوصيري في"الزوائد" (١٩٠٥)، والبيهقي في سننه الكبرى" (٧٢٩١)، وفي"الصغرى"(١١٥٤)، والطحاوي في"شرح معاني الآثار"(٤٩٢/١)، وعلى بن الجعد في"مسنده"(٢٧٥١)، وأبوداود الطيالسي في"مسنده" (٢٤٢٩)، وعبدالرزاق في"مصنفه"(٦٥٧٩)، وابن المنذر في"الأوسط"(٤١٦/٥)، أبوداود في"سننه"(٣١٩١) .

قال الإمام أبوداود الطيالسي: قال صالح : وأدركت رجالاً ممن أدركوا النبي صلى الله عليه وسلم وأبابكر إذا جاء وا فلم يجدوا إلا أن يصلوا في المسجد رجعوا فلم يصلوا.

قال البيهقي في"الكبرى":قال صالح: فرأيت الجنازة توضع في المسجد، فرأيت أباهريرةؓ إذا لم يجد موضعاً إلا في المسجد انصرف ولم يصل عليها .

قلت: فدل على أن حديث عائشةؓ منسوخ .

ہدایہ میں ہے:

ولا يصلى على ميت في مسجدجماعة لقول النبي ﷺ:"من صلى على جنازة في المسجد فلا أجرله"ولأنه بنى لأداء المكتوبات ولأنه يحتمل تلو يث المسجد وفيما إذا كان الميت خارج المسجد اختلف المشايخ. (الهداية:١/١٨١،فصل في الصلاة على الميت،شركت علمية)

فتح القدیر میں ہے:

ولا يصلى على ميت في مسجدجماعة في الخلاصة:مكروه سواء كان الميت والقوم في المسجد أوكان الميت خارج المسجد والقوم في المسجد. (فتح القدير:٢/١٢٨،دارالفكر۔ وكذا في الشامي:٢/٢٢٤،سعيد۔والبحرالرائق:٢/١٨٦،كوئته)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ جنازہ کا حق اولیائے میت کو حاصل ہے:

سوال: نمازِ جنازہ کا حقدار کون ہے؟ کیا اولیائے میت کسی محترم شخصیت کو بلا اجازتِ امام آگے

Maktaba Tul Ishaat.com

کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: شرعی خلیفہ اور قاضی نہ ہونے کی صورت میں محلّہ کا امام زیادہ حقدار ہے اور امام نہ ہو یا اجازت دے تو ولی حقدار ہوگا۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ذکر الحسنؒ عن أبی حنیفةؒ :أن الإمام الأعظم وهو الخليفة أولىٰ إن حضروإن لم يحضر فإمام المصرفإن لم يحضرفالقاضی فإن لم يحضرفصاحب الشرط فإن لم يحضر فإمام الحی فإن لم يحضرفالأقرب من ذوی قرابته وبهذه الرواية أخذ كثيرمن مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ.

(الفتاوی الهندية: ۱/۱۶۳،الفصل الخامس فی الصلاة علی الميت)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويقدم الأقرب فالأقرب كترتيبهم فی النكاح ولكن يقدم الأب علی الابن فی قول الكل علی الصحيح لفضله وقال شيخ مشايخی العلامة نورالدين علی المقدسیؒ:لتقديم الأب وجه حسن وهوأن المقصود الدعاء للميت ودعوته مستجابة روی أبوهريرةؓ عن النبیﷺ:" ثلاث دعوات مستجابات دعوة المظلوم ودعوة المسافرودعوة الوالد لولده".

رواه الطيالسی فی مسنده برقم:۲۵۱۷۔وابن ماجة فی الدعاء برقم۳۸۶۲۔(مراقی الفلاح مع الحاشية:ص۲۱۵،باب احكام الجنائز،مكة المكرمة۔وكذافی الشامی:۲/۲۲۰۔سعيد).

البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک علی الاطلاق ولی میت حقدار ہے اور ایک روایت امام ابوحنیفہؒ سے بھی یہی ہے اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے، اور اس قول کو علامہ شامیؒ، محقق ابن ہمامؒ علامہ شرنبلالیؒ صاحبِ محیط برہانیؒ، علامہ طحطاویؒ، علامہ جلال الدین خوارزمیؒ، اور صاحب الاختیار لتعلیل المختار وغیرہ فقہاء نے بیان کیا ہے۔ جب اولین حقدار میت کا ولی ہے تو پھر وہ کسی محترم شخصیت کو بھی آگے کر سکتا ہے۔ البتہ حاضرین میں امام الحی افضل ہو تو پھر مستحب یہ ہے اسی کو آگے کرے۔ اور درجِ ذیل دلائل بیان فرمائے ہیں:

(۱) قال اللّٰه تعالىٰ:﴿ وأولوا الأرحام بعضهم أولى ببعض في كتاب اللّٰه﴾.

(۲) قال اللّٰه تعالىٰ:﴿النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم وأزواجه أمهٰتهم﴾.

امداد الفتاح میں ہے:

ولي الميت أولى علی كل حال...وفی التاتارخانية: لايتقدم إمام الحي إلا بإذن

الأب انتهى، وإنما يستحب تقديمه على الولي إذا كان أفضل من الولي كذا في البحر عن شرح المجمع لمصنفه...وأما إمام الحي فيستحب تقديمه على طريق الأفضل ، وليس بواجب ، كذا في المستصفى...ولمن له حق التقدم أن يأذن لغيره . (امداد الفتاح،ص:۶۲۲،بیروت).

وفي الكفاية في شرح الهداية، والمحيط البرهاني: ولأن هذا حكم تعلق بالولاية ، فيكون الولي مقدماً على السلطان ومن سميناهم قياساً على النكاح ، ولأن المقصود من صلاة الجنازة الدعاء للميت والشفاعة ، ودعاء القريب أرجى في الإجابة ، لأنه أشفق على الميت فيوجد منه زيادة تضرع في الدعاء والاستغفار لا يوجد ذلك من السلطان ، فيكون هو أولى. (المحيط البرهاني:۲/۳۱۸،والكفاية:۲/۸۲).

شرح منية المصلی میں ہے:

وإن حضر الوالي أوخليفته والقاضي وصاحب الشرطة وإمام الحي والأولياء فأبى الأولياء أن يقدموا أحداً من هؤلاء وأرادوا أن يتقدموا فلهم ذلك و لهم أن يقدموا من شاء وا ولايتقدم أحد من هؤلاء إلا بإذنهم وهذا قياس قول أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ وزفرؒ وبه أخذ الحسنؒ انتهى. (شرح منية المصلى،ص:۵۸۵،سهيل).

عمدۃ الفقہ میں ہے: اگر کوئی ولی اس (امام) سے بہتر ہو تو پھر ولی اولیٰ ہے۔(عمدۃ الفقہ:۲/۵۲۵)۔

خلاصہ یہ ہے اصل حقدار میت کے اولیاء ہیں یا اولیائے میت جس کو اجازت دیں،البتہ ولی میت کو چاہئے کہ اگر امام الحی صلاح وتقویٰ میں حاضرین میں سب سے افضل ہو تو اس کو مقدم کرے۔لیکن امام کا حق واجب نہیں۔

مزید تفصیلات کے لیے مراجعہ فرمالیں: (الدرالمختار مع ردالمحتار:۲/۲۲۰،ط:سعيد، وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص:۵۸۹، قديمى، وشرح منية المصلى،ص:۵۸۵،سهيل، وفتح القدير:۲/۸۱، والكفاية:۲/۸۲، والعناية:۲/۸۲، مكتبه رشيديه، وامداد الفتاح،ص:۶۲۲،والمحيط الابرهانى:۲/۳۱۸،مكتبه رشيديه، والاختيار لتعليل المختار:۱/۱۰۰، بيروت، واوجز المسالک:۴/۴۸۶،دارالقلم،دمشق). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تکثیر جماعت کے لئے نمازِ جنازہ کو مؤخر کرنے کا حکم:

سوال: تکثیر جماعت کے لئے نمازِ جنازہ کو مؤخر کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نمازِ جنازہ میں تعجیل مطلوب ومقصود ہے لہذا محض تکثیر جماعت کے لئے مؤخر کرنا مکروہ تنزیہی ہوگا۔ ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

وکرہ تأخیر صلاتہ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلاۃ الجمعۃ فالأفضل أن یعجل بتجھیزہ بتمامہ من حین یموت بحر، وظاھرہ أن الکراھۃ تنزیھیۃ. (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۳۸۰، کوئتہ۔ والبحرالرائق: ۲/۱۹۱، کوئتہ۔ والشامی: ۲/۲۳۲، مطلب فی حمل المیت، سعید)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خنثی مشکل کی نمازِ جنازہ کا حکم:

سوال: خنثی مشکل کی نمازِ جنازہ کیسے پڑھی جائے، یعنی مذکر کی طرح یا مؤنث کی طرح؟

الجواب: خنثی مشکل اگر جوان ہو تو عام طور پر نمازِ جنازہ جس طرح پڑھی جاتی ہے اسی طرح پڑھی جائے کیونکہ مرد وعورت کی نمازِ جنازہ میں کوئی فرق نہیں ہے، اور اگر بچہ ہو تو دونوں میں اختیار ہے، اگر مذکر کی دعاء پڑھی تو ضمیر میت کی طرف راجع ہوگی اور اگر مؤنث کی پڑھی تو بتاویل نفس ہو کر نفس کی طرف راجع ہوگی۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وسننھا أربع: الأولیٰ قیام الإمام بحذاء صدر المیت ذکراً کان المیت أو أنثی لأن الصدر موضع القلب، وفیہ نور الإیمان..... والرابعۃ من السنن الدعاء للمیت ولنفسہ ولأبویہ ولجماعۃ المسلمین بعد التکبیرۃ الثالثۃ، ولا یتعین لہ أی: الدعاء، شیء سوی کونہ بأمور الآخرۃ ولکن إن دعا بالمأثور عن النبی ﷺ فھو حسن وأبلغ لرجاء قبولہ..... وفی حدیث إبراھیم الأشھل عن أبیہ کان رسول اللہ ﷺ إذا صلیٰ علی الجنازۃ قال: "اللّٰھمّ اغفر لحیّنا ومیّتنا، وشاھدنا وغائبنا، وصغیرنا وکبیرنا، وذکرنا وأنثانا". رواہ الترمذی والنسائی عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ، وزادفیہ: "اللّٰھمّ من أحییتہ منا فأحیہ علی الإسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الإیمان". (امداد الفتاح: ص ۶۱۸، سنن الصلاۃ مطلب سنن الجنازۃ، بیروت)

مزید ملاحظہ ہو: مراقی الفلاح: ص ۲۱٤،مکة المکرمة۔وعمدة الفقه:کتاب الصلاة حصه دوم ص۵۱۹، نمازِ جنازہ کا مفصل طریقہ،المجددیة)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نمازِ جنازہ کی صفوف میں طاق عدد کا استحباب:

سوال: نمازِ جنازہ کی صفوف میں طاق عدد کا خیال رکھنا مستحب ہے تو کیا طاق عدد کی رعایت کرتے ہوئے اگلی صف کو ناقص چھوڑ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: احادیث اور کتبِ فقہ سے ۳ عدد کا استحباب واہتمام ثابت ہوتا ہے اگر چہ لوگ کم ہوں تین صفوف بنالی جائے ،اور اگر لوگ زیادہ ہیں تو ۵، ۷ وغیرہ طاق عدد میں بنالی جائے ،اور اگر ۴ صف بنتی ہو تو چوتھی کو ناقص رکھ کر پانچویں نہ بنائے کیونکہ استحباب وفضیلت تین میں حاصل ہوگئی۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن مرثد بن عبد الله اليزني قال كا ن مالک بن هبيرة إذا صلى على جنازة فتقالّ الناس عليها جزاهم ثلاثة أجزاء ثم قال:قال رسول الله ﷺ من صلى عليه ثلاثة صفوف فقد أوجب، وفي الباب عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها وأم حبيبةرضى الله تعالىٰ عنها وأبى هريرة رضی اللہ عنہ وميمونةرضى الله تعالىٰ عنهازوج النبى ﷺ. (رواه الترمذى:۱/۲۰۰،باب كيف الصلاة على الميت والشفاعة له، فيصل)

مسلم شریف میں ہے:

عن عائشةرضى الله تعالىٰ عنها عن النبى ﷺ قال:ما من ميت تصلى عليه أمة من المسلمين يبلغون مأة كلهم يشفعون له إلا شفعوا فيه، كذا عن أنس رضی اللہ عنہ. (رواه مسلم:۱/۳۰۸،فيصل)

قال النووىؒ:ويحتمل أن يكون النبى ﷺ أخبر بقبول شفاعة مأة فأخبربه ثم بقبول شفاعة أربعين ثم ثلا ثة صفوف وإن قل عددهم. (شرح المسلم:۱/۳۰۸،فيصل)

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال:سمعت النبى ﷺ يقول ما من مسلم يموت فيقوم على جنازة أربعون رجلاً لايشركون بالله شيئاً إلا شفعوا فيه. (رواه ابو داؤد:۲/٤۵۲،باب فضل الصلاة على

Maktaba Tul Ishaat.com

الجنائز وتشییعها،فیصل)

عون المعبود میں ہے:

والحدیث عند أحمد ومسلم أیضاً وتقدم حدیث مالک بن هبیرة مرفوعاً بلفظ "مامن میت یموت فیصلی علیه ثلاثة صفوف من المسلمین" الحدیث ثم ذکر کلام النووی. (عون المعبود:۸/۴۵۲)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا کان القوم سبعة قاموا ثلثة صفوف یتقدم واحد وثلاثة بعده،واثنان بعدهم وواحد بعدهما کذا فی التاتارخانیة. (فتاوی الهندیة:۱/۱۶۴،الفصل الخامس فی الصلاة علی الجنائز)

شامی میں ہے:

ولهذا قال فی المحیط:یستحب أن یصف ثلاثة صفوف،حتی لو کانوا سبعة یتقدم أحدهم للإمامة ویصف وراء ه ثلاثة ثم اثنان ثم واحد. (شامی:۲/۲۱۴،سعید)

النّتف فی الفتاوی میں ہے:

فأما القوم إذا قاموا علی الجنازة ینبغی أن یقوموا ثلاثة صفوف وإن قلوا لأن ذلک أفضل،وقد جاء ت الآثاربذلک. (النّتف فی الفتاوی:ص۸۲،مطلب الصلاة علی الجنازة)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ویستحب أن یصفوا ثلاثة صفوف،ذکره فی المحیط لقوله علیه السلام:"من صلی علیه ثلاثة صفوف غفر له" رواه أبوداؤد والترمذی والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم۔ (شرح منیة المصلی:۵۸۸،سهیل۔وکذافی الفقه الحنفی وأدلته:۱/۳۰۹،دارالفکر)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

نمازِ جنازہ میں طاق عدد کی صفوں کا لحاظ رکھا جائے یہی شرعاً مستحب ہے اس طاق عدد سے نابالغوں کی صف کو بھی شمار کیا جائے۔ (فتاوی محمودیہ:۸/۵۹۸،مبوب ومرتب،جامعہ فاروقیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شراب پینے والے کی نمازِ جنازہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص شراب پیتا ہے تو کیا اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اور شراب پینے والے کو کافر کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ جنازہ کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے پس بے نمازی، شرابی، سب کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، ہاں علماء مقتداء وغیرہ شرکت نہ کریں عبرت کے لئے تو مضائقہ نہیں نیز محض شراب پینے کی وجہ سے کسی کو کافر کہنا درست نہیں، الا یہ کہ شراب کو حلال سمجھے۔

کنز العمال میں ہے:

قال النبی ﷺ صلوا خلف کل بر و فاجر وصلوا علی کل بر و فاجر. (کنز العمال: ٦/٥٤)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ جنازہ میں عورت کی امامت کا حکم:

سوال: کیا عورت نمازِ جنازہ پڑھا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عام حالات میں عورتوں کو جنازہ میں نہیں جانا چاہئے، البتہ اگر کوئی مرد موجود نہ ہو تو عورت نمازِ جنازہ پڑھا سکتی ہے اور امامت کے وقت عورتوں کے درمیان کھڑی رہے۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وإذا صلین النساء جماعة علی جنازة قامت الإمامة وسطهن کما فی الصلاة المفروضة المعهودة. (بدائع الصنائع: ١/٣١٤، سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ جنازہ میں امام کا سینہ کے مقابل کھڑا ہونا:

سوال: نمازِ جنازہ میں امام میت کے سینہ کے پاس کھڑا رہے مذہبِ احناف میں اس کی کیا دلیل ہے؟

الجواب: حضرت انس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، شعبی، عطاء، ابراہیم نخعی، حسن بصری، ابن جریج وغیرہ سب سے عند الصدر مروی ہے تو احناف نے ان روایات کے پیشِ نظر سینہ کے پاس قیام کو اصل وافضل قرار دیا اور سر یا پشت کے برابر کھڑے ہونے کو جواز پر محمول کیا۔

الاستذکار میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

عن أنس ﷺ أنه أتى جنازة رجل فقام عند رأس السرير وأتى جنازة امرأة فقام أسفل من ذلك عند الصدر فقال العلاء بن زياد يا أبا حمزة هكذا رأيت رسول الله ﷺ يصنع؟ قال: نعم فأقبل عليه العلاء فقال: احفظوا. (:رقم الحديث:١١٤٦٨)

وقال الشعبي: يقوم الذى يصلى على الجنازة عند صدرها. (رقم الحديث:١١٤٧١)

وعن ابن مسعود ﷺ وعطاء بن إبراهيم: يقوم الذى يصلى على الجنازة عند صدرها ولم يفرقوا بين الرجل والمرأة. (الاستذكار لابن عبد البر: ٨/٢٨٠/١١٤٧٤)

شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی میں ہے:

لما روى عن غالب الخياط قال شهدت أنس بن مالك ﷺ صلى على جنازة فقام عند رأسه فلما رفعت أتى بجنازة امرأة فصلى عليها فقام وسطها وفينا العلاء ابن زياد العدوى فلما رأى اختلاف قيامه على الرجل والمرأة فقال ياأبا حمزة هكذا كان رسول الله ﷺ يقوم من الرجل حيث قمت ومن المرأة حيث قمت؟ قال نعم. رواه أحمد وأبوداود والترمذى وحسنه وابن ماجة وفى لفظ رواه أحمد: قال أبوغالب صليت خلف أنس ﷺ على جنازة فقام حيال صدره، وذكر الحديث. (رقم الحديث:١٠٨٦)

وفى الصحيحين عن سمرة بن جندب ﷺ أن النبى ﷺ صلى على امرأة ماتت فى نفاسها فقام وسطها ونقل عنه حرب رأيته قام عند صدر المرأة..... (شرح الزركشى على مختصر الخرقى:٢/٣٢٩/١٠٨٧)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عبد الرزاق عن الثورى عن مغيرة عن إبراهيم قال: يقوم الإمام عند صدر الرجل و منكب المرأة. (رقم الحديث:٦٣٥١)

عبد الرزاق عن معمر عن مغيرة عن إبراهيم قال: يقوم الإمام عند صدر الرجل ومنكب المرأة. (رقم الحديث:٦٣٥٢)

عبد الرزاق عن ابن جريج قال: حدثنى من أصدق عن الحسن أنه قال يقوم الرجل من المرأة إذا صلى عليها عند صدرها. (مصنف عبد الرزاق:٣/٤٦٨/٦٣٥٤،ادارة القرآن)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن الحسن قال يقام من المرأة حيال ثديها و من الرجل فوق ذلک. وعن أبی الحسن قال: كان عبد الله إذا صلى على الجنازة قام وسطها ويرفع من صدر المرأة شيئاً. وعن عطاء قال: إذا صلى الرجل على الجنازة قام عند الصدر. وعن إبراهيم قال: يقوم الذی يصلی على الجنازة عند صدرها. (المصنف لا بن أبی شيبة :۳۱۳/۳،فی المرأة اين يقام منها فی الصلاة والرجل اين يقام منه، ادارة القرآن)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم:

سوال: ائمہ اربعہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ کی کیا تفصیل ہے؟ کیونکہ مختلف ممالک کے مسلمان یہاں رہتے ہیں تو رشتہ دار کی موت پر نماز کے لئے ہمیں کہا جاتا ہے، اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب: شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، البتہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں ہے، لہذا کسی حنفی کو نمازِ جنازہ پڑھانا درست نہیں بہتر یہ ہے کہ لوگوں کو سمجھا یا جائے اور ان میں سے ہی ایک شخص امامت کرائے ہاں اگر کوئی حنفی مجبوری کی صورت میں دعا کی نیت سے اقتدا کرے تو درست ہے۔

ملاحظہ ہو الفقہ الاسلامی میں ہے:

رأی الحنفية والمالكية: عدم جواز الصلاة على الغائب، وصلاة النبی ﷺ على النجاشی لغوية أو خصوصية، وتكون الصلاة حينئذٍ مكروهة. ورأی الشافعية الحنابلة: جواز الصلاة على الميت الغائب عن البلد وإن قربت المسافة ولم يكن فی جهة القبلة لكن المصلی يستقبل القبلة لماروی جابر رضی اللہ عنہ: "أن النبی ﷺ صلىٰ على أصحمة النجاشی، فكبر أربعاً" وتتوقف الصلاة على الغائب عند الحنابلة بشهر كالصلاة على القبر لأنه لا يعلم بقائه من غير تلاش أكثر من ذلک. (الفقه الاسلامی وادلته:۵۰۴/۲،الصلاة على الغائب، دارالفكر)

مذہبِ حنفیہ:

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

فلا تصح علی غائب.....وصلاة النبیﷺ علی النجاشی لغوية أوخصوصية.وفی الشامی:أولأنه رفع سريره حتی رأه عليه الصلاة والسلام بحضرته فتكون صلاة من خلفه علی ميت يراه الإمام وبحضرته دون المأمومين،وهذا غيرمانع من الاقتداء،فتح.

(الدرالمختارمع الشامی:۲/۲۰۹،باب صلاة الجنازة،سعيد۔وكذافی الفتاوی الهندية:۱/۱٦٤)

مزید ملاحظہ ہو:احسن الفتاوی۴/۲۰۰۔وفتاوی رحیمیہ ۶/۳۷۲۔

مذہبِ مالکیہ:

ملاحظہ ہوحاشیۃ الدسوقی میں ہے:

ولايصلی علی غائب أی يكره وأماصلاته عليه الصلاة والسلام وهوبالمدينة علی النجاشی لمابلغ موته بالحبشة فذلک من خصوصياته،أوأن صلاته لم تكن علی غائب لرفعه لهﷺ حتی رأه فتكون صلاته عليه كصلاة الإمام علی ميت رأه ولم يكن يره المأمومون ولاخلاف فی جوازها.(حاشية الدسوقی:۱/٦٦۹،احكام الجنائز،دارالفكر)

مذہبِ شافعیہ:

شرح المہذب میں ہے:

تجوزالصلاه علی الميت الغائب لماروی أبوهريرة رضی اللہ عنہ أن النبیﷺ نعی النجاشی لأصحابه وهوبالمدينة وصلی عليه وصلواخلفه وإن كان الميت معه فی البلد لم يجز إن صلیٰ عليه حتی يحضرعنده لأنه يمكنه الحضورمن غيرمشقة.(شرح المهذب:۵/۲۵۰، دارالفكر)

مذہبِ حنابلہ:

شرح کبیر میں ہے:

(مسئلة : و يصلیٰ علی الغائب بالنية فإن كان فی أحدجانبی البلد لم تصح عليه بالنية فی أصح الوجهين) تجوزالصلاة علی الغائب فی بلد آخربالنية بعيداً كان البلد أوقريباً، فيستقبل القبلة ويصلی عليه كصلاته علی الحاضر.(الشرح الكبير:۲/۳۵٤،دارالكتب العلمية)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

متعدد اموات پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا طریقہ:

سوال: اگر متعدد جنازے اکھٹے پڑھادئے جائیں اور ان میں مرد وعورت اور بچے شامل ہوں تو ان کو امام کے سامنے کس طرح رکھنا چاہئے؟

الجواب: افضل یہ ہے کہ ہر ایک پر علیحدہ نماز پڑھی جائے، لیکن سب پر ایک ساتھ بھی جائز ہے، اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) ایک یہ ہے کہ ایک میت امام کے سامنے رکھی جائے، اس کے پاؤں کی طرف دوسری کا سر اور اسکے پاؤں کی طرف تیسری کا سر (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جو میت امام کے سامنے ہے اس سے قبلہ کی طرف دوسری اور اس سے قبلہ کی طرف تیسری، سب کا سینہ امام کے سامنے ہو، (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ پہلی میت کے قبلہ کی طرف دوسری میت اس طرح رکھی جائے کہ پہلی کے کندھوں کے برابر دوسری کا سر ہو اسی طرح دوسری کے کندھوں کے برابر تیسری کا سر ہو، تینوں صورتوں میں امام کے قریب مرد کی میت ہو پھر لڑکا پھر عورت۔ (احسن الفتاوی: ۴/ ۲۰۸۔ وعمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۵۲۳، المجد دیۃ)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

پہلی صورت: سب جنازوں کی شمالاً جنوباً قطار بنائی جائے اولاً مرد کا جنازہ رکھیں، اس کی پائنتی پر نابالغ بچہ کا جنازہ اور اس کی پائنتی پر عورت کا جنازہ اور اس کی پائنتی پر نابالغ بچی کا جنازہ اور امام سب سے افضل کے پاس کھڑا ہو۔

دوسری صورت: سب جنازے امام کے سامنے یکے بعد دیگر اس طرح رکھے جائیں کہ امام تمام جنازوں کے سینوں کے مقابل ہو، اولاً مرد کا جنازہ اس کے بعد نابالغ بچہ کا، اس کے بعد عورت کا اور اس کے بعد نابالغ بچی کا جنازہ ہو، یہ صورت پہلی صورت سے اولیٰ ہے۔

تیسری صورت: یہ بھی جائز ہے کہ پہلے جنازے کے بعد دوسرا جنازہ تھوڑا نیچے ہٹا کر اس طرح رکھا جائے کہ دوسری میت کا سر پہلی میت کے کندھے کے پاس ہو اور تیسری میت کا سر دوسری میت کے کندھے کے پاس ہو اور چوتھی میت کا سر تیسری میت کے کندھے کے پاس ہو (سیڑھی کی طرح)۔ (فتاوی رحیمیہ: ۵/ ۱۰۰، رحیمیہ)

تینوں صورتیں نقشۂ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

Maktaba Tul Ishaat.com

Pictures\جنازة نقشة.bmp not found.

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وإذا اجتمعت الجنائز فأفرد الصلاة على كل واحدة أولىٰ من الجمع وتقديم الأفضل أفضل وإن اجتمع جاز،ثم إن شاء جعل الجنائز صفاً واحداً وقام عند أفضلهم ، وإن شاء جعلها صفاً واحداً مما يلي القبلة واحداً خلف واحد بحيث يكون صدر كل جنازة مما يلي الإمام ليقوم بحذاء صدر الكل وإن جعلها درجاً فحسن لحصول المقصود وراعى الترتيب المعهود خلفه حالة الحياة،فيقرب منه الأفضل فالأفضل الرجل مما يليه،فالصبى ،فالخنثى

فالبالغة فالمراهقة،والصبی الحر یقدم علی العبد،والعبدعلی المرأة.وفی الشامی:قوله وإن جمع جازأی بأن صلی علی الکل صلاة واحدة،قوله صفاً واحداً أی کما یصطفون فی حال حیاتهم عندالصلاة بدائع:أی بأن یکون رأس کل عندرجل الآخر فیکون الصف علی عرض القبلة،(قوله وإن شاء جعلهاصفاًواحداً)ذکرفی البدائع التخییر بین هذا والذی قبله،ثم قال هذاجواب ظاهرالروایة.وروی عن أبی حنیفةؒ فی غیرروایة الأصول أن الثانی أولیٰ لأن السنة هی قیام الإمام بحذاء المیت،وهویحصل فی الثانی دون الأول. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۲/۲۱۹،سعید۔وکذافی البحرالرائق:۲/۱۸۸،کوئٹہ۔والفتاوی الهندیة:۱/۱۶۵۔وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۵۹۳،قدیمی)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ثناء میں ”وجلّ ثناؤک“ پڑھنے کا حکم:

سوال: ثناء میں ”وجلّ ثناؤک“ پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض روایات میں اس کا ثبوت ملتا ہے لہذا نمازِ جنازہ میں پڑھنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال:.....اللّٰهمّ کن لی جاراً من شرهم جلّ ثناؤک وعزجارک وتبارک اسمک ولاإله غیرک.(مصنفِ ابن ابی شیبة:۱۰/۲۰۳،کتاب الدعاء)

الفردوس میں ہے:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ إن من أحب الکلام إلی اللّٰه عزوجلّ أن یقول العبد:”سبحانک اللّٰهمّ وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک وجلّ ثناؤک ولاإله غیرک. (الفردوس بمأثورالخطاب للدیلمی:۱/۲۱۴)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

إن زاد فی دعاء الاستفتاح بعدقوله وتعالیٰ جدک وجلّ ثناؤک لایمنع من زیادته وإن سکت عنه لایؤمربه لأنه لم یذکرفی الأحادیث المشهورة وقدروی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ من قوله فی حدیث ذکره ابن أبی شیبة وابن مردویه فی کتاب الدعاء ورواه الحافظ ابن شجاع

Maktaba Tul Ishaat.com

فی کتاب الفردوس عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ **إن من أحب الکلام إلی اللّٰہ عزوجل**..... (شرح منیة المصلی:ص۳۰۲،سهیل اکیڈمی)

طحطاوی میں ہے:

قال فی سکب الأنهر:والأولیٰ ترک وجلّ ثناؤک إلا فی صلاة الجنازة. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص۵۸٤،فصل الصلاة علی المیت،قدیمی کتب خانه)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اور ثناء وہی ہے جو اور نمازوں میں پڑھتے ہیں اس میں "وتعالیٰ جدک" کے بعد "وجل ثناؤک" زیادہ کرنا بہتر ہے۔(عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم:ص۵۱۹،نمازِ جنازہ کا مفصل طریقہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ جنازہ کے درود میں اضافہ کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ جنازہ کے درود میں "کماصلیت وسلمت وبارکت ورحمت" کا اضافہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ جنازہ میں بھی درودِ ابراہیم جو عام نمازوں میں پڑھا جاتا ہے وہی افضل اور بہتر ہے، البتہ کچھ اضافہ کر دیا جائے تب بھی درست ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم **کمافی التشهد.وفی الشامی:أی المراد الصلاة الإبراهیمیة التی یأتی بها المصلی فی قعدة التشهد.** (الدرالمختارمع الشامی:۲/۲۱۲،سعید)

طحطاوی میں ہے:

قوله کما فی التشهد بأن یذکر الصلاة والبرکة والرحمة مع زیادة السیادة ندباً وتکرارإنک حمید مجید وفی القهستانی عن الجلابی:یصلی بمایحضره،واتباع المسنون أولیٰ. (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۳۷۳،کوئٹه۔وکذافی فتح القدیر:۲/۱۲۲،دارالفکر۔ومجمع الانهر:۱/۱۸۳۔وفتاوی محمودیه:۸/۵۶۲،مبوب ومرتب)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نمازِ جنازہ میں جانبین سلام پھیرنے کا ثبوت:

سوال: نمازِ جنازہ میں جانبین سلام پھیرنے کا ثبوت کہاں سے ہے؟ بعض لوگ صرف ایک جانب

سلام پھیرتے ہیں۔

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق دونوں جانب پھیرنا چاہئے ،احادیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو بیہقی سنن کبری میں ہے:

عن إبراهيم الهجرى قال:أمنا عبد اللّٰه بن أبى أوفىٰ على جنازة ابنته فكبر أربعاً فمكث ساعة حتى ظننا أنه سيكبر خمساً ثم سلم عن يمينه وعن شماله فلماانصرف قلنا له ماهذا؟ قال:إنى لاأزيدكم على مارأيت رسول اللّٰه ﷺ يصنع أوهكذاصنع رسول اللّٰه ﷺ ثم ركب دابته وقال للغلام:أين أنا قال:أمام الجنازة قال:ألم أنهك وكان قدكف يعنى بصره.وفى رواية له عن علقمة والأسودعن عبد اللّٰه قال:ثلاث خلال كان رسول اللّٰه ﷺ يفعلهن تركهن الناس إحداهن التسليم على الجنازة مثل التسليم فى الصلاة. (السنن الكبرى للبيهقى:٤/٤٣،كتاب الجنائز،باب من قال يسلم عن يمينه وعن شماله،بيروت)

اعلاء السنن میں ہے:

عن عبد اللّٰه بن أبى أوفى رضی اللہ عنہ "أنه كبر على جنازة ابنة له أربع تكبيرات.....الخ،رواه البيهقى فى السنن الكبرى، قال الحاكم أبوعبداللّٰه:هذاحديث صحيح،كذا فى الأذكار للإمام النووى. (اعلاء السنن:٨/٢٦٢/٢٢٣٠،كيفية صلاة الجنازة،ادارة القرآن كراچى۔ورواه الطبرانى فى الكبير:١٠/٨٢)

دوسری جگہ مذکور ہے: **قال المؤلفؒ:وفى التلخيص:وروى البيهقى عن عبداللّٰه التسليم على الجنازة كالتسليم فى الصلاة،وسكت عنه الحافظ،فهوحسن أوصحيح،كماذكرناه قبل ودلالته على الباب ظاهرة .** (اعلاء السنن: ٨/٢٦١،كيفية صلاة الجنازة،ادارة القرآن كراچى)

وذكره الهيثمى فى مجمع الزوائد وقال:رواه الطبرانى فى الكبيرورجاله ثقات .

(مجمع الزوائد:٣/٣٤، باب الصلاة على الجنازة،دارالفكر)

مزید ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع: ١/٣١٣،فصل فى بيان كيفية الصلاة على الجنازة،سعيد.والفتاوى الهندية: ١/١٦٤، الفصل الخامس فى الصلاة على الميت.وعمدة الفقه:كتاب الصلاه حصه دوم:ص ٥٢٠، المجددية). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کا حکم:

سوال: نمازِ جنازہ کے بعد کوئی دعا منقول ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ جنازہ کے بعد کوئی دعا منقول نہیں ہے بلکہ اجتماعی جہری دعا کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

كره أن يقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلاة ويدعو للميت ويرفع صوته. (الفتاوى الهندية: ٥/٣١٩، الباب الرابع فى الصلاة والتسبيح)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

فقہاء نے نمازِ جنازہ سے فارغ ہوکر بعد سلام میت کے لئے مستقلاً کھڑے ہوکر اجتماعی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے، فقہ حنفی کی معتبر کتاب خلاصۃ الفتاوی میں اس کو منع کیا ہے۔ **لايقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة.** خلاصة الفتاوى: ١/٢٢٥، الفصل الخامس العشرون فى الجنائز، رشيديه۔ (فتاوی محمودیہ: ۸/۷۱۰، مبوب ومرتب)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے کی فضیلت:

سوال: جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے کی کوئی فضیلت ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے پر چالیس سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من حمل جوانب السرير الأربع كفر الله عنه أربعين كبيرة. رواه الطبرانى فى الأوسط: (١٣/١٦٠/٦٠٨٢)، وفيه على بن أبى سارة وهو ضعيف۔ (مجمع الزوائد: ٣/٢٦، باب حمل السرير، دارالفكر)

مراقی الفلاح میں ہے:

وينبغى لكل واحد حملها أربعين خطوة يبدأ الحامل بمقدمها الأيمن فيضعه على يمينه أى على عاتقه الأيمن ويمينها أى الجنازة ماكان جهة يسار الحامل لأن الميت يلقى على ظهره ثم يضع مؤخرها الأيمن عليه أى على عاتقه الأيمن ثم مقدمها الأيسر على يساره أى على عاتقه الأيسر ثم يختم الجانب الأيسر يحملها عليه أى على عاتقه الأيسر فيكون من كل

جانب عشر خطوات لقوله ﷺ: من حمل جنازة أربعين خطوة كفرت عنه أربعين كبيرة. (مراقی الفلاح :ص۲۱۹،باب احکام الجنائز،مکة المکرمة)

نیز ملاحظہ ہو: شرح النقایة:۱/۳۲۵۔والدرالمختارمع الشامی:۲/۲۳۱،سعید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

فصلِ چہارم

دفن کرنے کا بیان

کافر کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کا حکم:

سوال: کافر کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کافر کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے البتہ اس کے وارثوں کی تعزیت کرنا جائز ہے۔ ملاحظہ ہو قرآنِ کریم میں ہے:

(۱) ﴿**ولاتصل علی أحد منهم مات أبداً ولاتقم علی قبره**﴾(سورة التوبة:٨٤)

(۲) ﴿**ماکان للنبی والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین**﴾(سورة التوبة:١١٣)

تفسیر مظہری میں ہے:

ولاتصل: المراد بالصلاة الدعاء والستغفار للمیت فیشتمل صلاة الجنازة أیضاً لأنها مشتملة علی الدعاء والاستغفار.....مات أبداً ولاتقم علی قبره للدفن أوللزیارة.

(تفسیر مظہری:٤/٢٧٦)

معارف القرآن میں ہے:

اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کافر کے اعزاز واکرام کے لئے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کے لئے جانا حرام ہے عبرت حاصل کرنے کے لئے ہو یا کسی مجبوری کی وجہ سے ہو تو اس کے منائی نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کسی مسلمان کا کافر رشتہ دار مرجائے اور اس کا کوئی ولی وارث نہیں تو مسلمان رشتہ دار اس کو اسی

طرح بغیر رعایتِ طریقِ مسنون کے گڑھے میں دباسکتا ہے۔(معارف القرآن:۴/۴۳۷،سورۂ توبہ:۸۴،بحوالہ بیان القرآن)

فتاوی شامی میں ہے:

وفی النوادر جاریهودی أومجوسی مات ابن له أوقریب ینبغی أن یعزیه،ویقول أخلف الله علیک خیراً منه،وأصلحک وکان معناه أصلحک الله بالإسلام یعنی رزقک الإسلام ورزقک ولداً مسلماًکفایة. (فتاوی الشامی:٦/٣٨٨،کتاب الحظروالاباحة ،فصل فی البیع، سعید۔والفتاوی الهندیة:الباب الرابع عشرفی اهل الذمة۔وتبیین الحقائق:فصل فی البیع)

امدادالمفتین میں ہے:

کافر کی عیادت جائز ہے اور جب مرجائے تو اس کے وارثوں کی تعزیت بھی جائز ہے مگر تعزیت اس مضمون سے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے بہتر بدلا عطا فرمائے،لیکن کافر کے جنازہ کے ساتھ مرگھٹ تک جانا یہ جائز نہیں کیوں کہ اس میں جیفہ کافر کی تعظیم وتکریم ہے اور وہ مستحقِ اہانت ہے نہ کہ مستحقِ تعظیم، نیز جنازہ کے ساتھ جانے کا ایک مقصد شفاعت کرنا بھی ہے اور ظاہر ہے کہ کافر شفاعت کا اہل نہیں ہے۔ (امدادالمفتین: اول ودوم:ص۳۶۶،امدادیہ دیوبند)

احسن الفتاوی میں ہے:

مسلم کی غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت کرنا جائز نہیں،تعزیت کرسکتا ہے۔(احسن الفتاوی:۴/۲۳۳)

الغرض مصلحت کی وجہ سے جاسکتا ہے دعائے مغفرت کے لئے نہیں جاسکتا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آنحضور ﷺ نے فرمایا:تم جاکر باپ کی لاش کو دفن کردو۔ ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ میں ہے:

وقال أبوداود الطیالسی:حدثناشعبة،عن أبی إسحاق سمعت ناجیة بن کعب یقول: سمعت علیاً رضی الله عنه یقول:لما توفی أبی أتیت رسول الله ﷺ فقلت: إن عمک قد توفی فقال: "اذهب فواره" فقلت:إنه مات مشرکاً،فقال:"اذهب فواره ولاتحدثن شیئاً حتی تأتی" ففعلت فأتیته،فأمرنی أن أغتسل.ورواه النسائی،عن محمد بن المثنی، عن غندر، عن شعبة.ورواه أبوداود والنسائی من حدیث سفیان، عن أبی إسحاق،عن ناجیة،عن علی رضی الله عنه

.....(البدایة والنهایة:۳/۱۳۶، فصل وفاة أبی طالب عم رسول الله ﷺ،بیروت)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

میت کوصندوق میں بند کر کے دفن کرنے کا حکم:

سوال: میت کوصندوق میں بند کر کے دفن کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: میت کوصندوق میں بند کر کے دفن کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے، اوراس وقت مناسب یہ ہے کہ نیچے مٹی بچھادی جائے اوراوپر والے حصہ کوبھی مٹی سے لیپ دیا جائے اوردونوں طرف کچی اینٹیں رکھدی جائے تا کہ لحد کی طرح ہوجائے۔اورضرورت کے بغیر میت کوصندوق میں دفن کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

ولابأس باتخاذ تابوت أی یرخص ذلک عندالحاجة وإلاکرہ کما قدمناہ آنفاً قال فی الحلیة:نقل غیرواحد من الإمام ابن الفضل أنه جوزہ فی أراضیهم لرخاوتها وقال: لکن ینبغی أن یفرش فیه التراب وتطین الطبقة العلیا مما یلی المیت ویجعل اللبن الخفیف علی یمین المیت ویساره لیصیر بمنزلة اللحد. (الشامی:۲/۲۳٤،مطلب فی دفن المیت،سعید)

طحطاوی میں ہے:

قوله ولابأس باتخاذ التابوت ولومن حدید ویکون من رأس المال إذاکانت الأرض رخوة، أو ندیة ، و یکرہ التابوت فی غیرها باجماع العلماء . (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ٦٠٨، فصل فی حملها ودفنها، قدیمی۔وکذافی بدائع الصنائع:۱/۳۱۸،سعید۔والبحرالرائق:۲/۱۹٤۔وحاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۳۸۱)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کسی میت کواس کے رشتہ دار کی قبر میں دفن کرنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ اپنے رشتہ دار کوکسی دوسرے رشتہ دار کی قبر میں دفن کرتے ہیں یہ صحیح ہے یانہیں؟

الجواب: اگرغالب گمان ہے کہ میت بوسیدہ ہوکرخاک ہوگئی ہوگی تواس وقت دوسری میت کواس میں دفن کرنا درست ہے ورنہ نہیں۔ ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

قال فی الفتح ولایحفرقبرلدفن آخرإلاان بلی الأول فلم یبق له عظم إلاأن لایوجد فتضم عظام الأول ویجعل بینهماحاجزمن تراب.....وقال الزیلعی:ولوبلی المیت وصار تراباً جازدفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه.....قلت: فالأولیٰ إناطة الجوازبالبلا إذ

لایمکن أن یعد لکل میت قبر لایدفن فیه غیره وإن صار الأول تراباً لاسیمافی الأمصار الکبیرة الجامعة. (شامی :۲/۲۳۳،مطلب فی دفن المیت،سعید۔وکذافی فتح القدیر:۲/۱٤۱،دارالفکر۔ والبحرالرائق:۲/۱۹۵۔ وفتاوی الهندیة:۱/۱۹۵)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

دیدہ ودانستہ پرانی قبر کو بحالت موجودگی میت کے بدون ضرورت کے کھودنا جائز نہیں اور اگر اتفاقاً قبر کھودتے ہوئے دوسری میت کی ہڈیاں نکلیں تو ان کو ایک طرف کریں اور کس قدر بیچ میں پردہ رکھ کر دوسری میت کو دفن کریں یہ جائز ہے کیوں کہ مردہ کے بوسیدہ ہونے کے بعد جواز ہی مختار ہے چنانچہ شامی میں بعد نقل اقوالِ علماء یہ لکھا ہے :**فالأولیٰ إناطة الجواز بالبلا إذلایمکن أن یعدلکل میت قبر لایدفن فیه غیره.** (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۵/۳۸۵،مسائل دفن،مدلل مکمل،دارالاشاعت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شوہر بیوی کو قبر میں اتار سکتا ہے:

سوال: شوہر بیوی کو قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں جبکہ اس کے محارم موجود ہیں؟

الجواب: بہتر یہ ہے کہ محارم عورت کو قبر میں اتارے ہاں شوہر اتارنے میں مدد کرے تو درست ہے ورنہ بلا حائل چھونا درست نہیں۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر إلیها علی الأصح منیة. وفی الشامی: قوله لا من النظر إلیها علی الأصح عزاه فی المنح إلی القنیة، نقل عن الخانیة أنه إذا کان للمرأة محرم یمسها بیده وأما الأجنبی فبخرقة علی یده ویغض بصره عن ذراعها وکذا الرجل فی امرأته إلا فی غض البصر، ولعل وجهه أن النظر أخف من المس فجاز شبهة الاخلاف واللّٰه أعلم. (الدرالمختارمع الشامی:۲/۱۹۸،باب صلاة الجنازة،سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وذوالرحم المحرم أولیٰ بادخال المرأة من غیرهم کذا فی الجوهرة النیرة، وکذا ذو الرحم غیر المحرم أولیٰ من الأجنبی فإن لم یکن فلابأس للأجانب وضعها کذا فی البحر الرائق. (الفتاوی الهندیة:۱/۱٦٦،الفصل السادس فی القبر والدفن۔والبحرالرائق۲/۱۹۳،کوئٹه)

Maktaba Tul Ishaat.com

احسن الفتاوی میں ہے:

بیوی سب کچھ کرسکتی ہے مگر شوہر دیکھ سکتا ہے نہلا نہیں سکتا اور بلا حائل چھو نہیں سکتا، جنازہ اٹھا سکتا ہے اور قبر میں اتار سکتا ہے۔ (احسن الفتاوی: ۴/ ۲۱۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حاملہ عورت کا انتقال ہوجائے تو بچہ کا حکم:

سوال: اگر حاملہ عورت کا انتقال ہوجائے اور بچہ بھی اندر مرا ہو تو کیا بچہ کو نکال کر الگ سے دفنایا جائے گا یا نہیں؟ اور غیر ترقی یافتہ علاقوں میں یہ کام کس طرح سرانجام دیا جائے جب کہ وہاں ڈاکٹر اور ہسپتال نہیں ہے؟

الجواب: اگر بچہ ماں کے پیٹ میں زندہ ہے اور ماں کا انتقال ہوگیا تو اس بچہ کو نکال سکتے ہیں، اور اس میں دایہ وغیرہ سے مدد لے سکتے ہیں جس طرح ولادت کے وقت مدد کرتی ہے، اور اگر بچہ زندہ نہیں ہے تو اس کو نہیں نکال سکتے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

حامل ماتت وولدها حيي يضطرب شق بطنها من الأيسر ويخرج ولدها ولو بالعكس وخيف على الأم قطع وأخرج لو ميتاً وإلا لا كما في كراهة الاختيار (قوله ولو بالعكس) بأن مات الولد في بطنها وهي حية قوله قطع أي بأن تدخل القابلة يدها في الفرج وتقطعه بآلة في يدها بعد تحقق موته (قوله لو ميتاً لا وجه له بعد قوله ولو بالعكس قوله وإلا لا أي ولو كان حياً لا يجوز تقطيعه لأن موت الأم به موهوم فلا يجوز قتل آدمي حي لأمر موهوم. (الدر المختار مع الشامي: ۲/ ۲۳۸، سعيد)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سر سے مٹی ڈالنے کی ابتداء کا ثبوت:

سوال: قبر میں دفن کرتے وقت مٹی ڈالنے کی ابتداء سر سے کرنے کا ثبوت حدیث میں ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کو قبر میں رکھنے کے بعد مٹی ڈالنے کی ابتداء سر سے کرنے کا ثبوت احادیث میں ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى على جنازة ثم أتى قبر الميت فحثى عليه من قبل

رأسه ثلاثاً. (سنن ابن ماجه:۱۱۲، باب ماجاء فی حثوالتراب فی القبروقال السیوطی فی مصباح الزجاجة هذااسناد صحیح رجاله ثقات)

نیز ملاحظہ ہو: المعجم الأوسط للطبرانی:۵/۶۵۔وسنن الدارقطنی:۳/۴۴۰،باب حی التراب علی المیت)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سیلاب کی وجہ سے میت کو منتقل کرنے کا حکم:

سوال: اگر قبر سیلاب کی زد میں آ گئی اور میت کے بہہ جانے کا خطرہ ہے تو میت کو دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: پانی کے غلبہ سے میت کے منتقل کرنے میں اختلاف ہے قرینِ قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر گمان غالب کے موافق صاحبِ قبر کا جسد صحیح سالم ہے تو اس کو منتقل کرنے میں حرج نہیں جیسے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو احد میں منتقل کیا تھا کیوں کہ شہداء کے اجساد کو مٹی نہیں کھاتی اور اگر ایسا نہ ہو تو منتقل نہ کیا جائے۔ ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

إذاغلب الماء على القبرفقيل:يجوزتحويله لماروى أن صالح بن عبيد الله رؤى فى المنام وهويقول حولونى عن قبرى فقدآذانى الماء ثلاثاً فنظروا فإذا شقه الذى يلى الماء قد أصابه الماء فأفتى ابن عباس رضی اللہ عنہ بتحويله وقال الفقيه أبوجعفر:يجوزذلك أيضاً ثم رجع ومنع.(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:ص۶۱۵،قديمى)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبر کے گرنے کا خطرہ ہو تو قبر مستحکم کرنے کا حکم:

سوال: اگر قبر کے گرنے کا اندیشہ ہو تو اس کو مستحکم بنانے کے لئے قبر کے اردگرد اینٹیں وغیرہ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: قبر درمیان میں کچی رہے اور اردگرد گرنے کے اندیشہ سے اینٹیں رکھدی جائے تو درست ہے، ورنہ نفسِ قبر کو پختہ بنانے کی ممانعت احادیث سے ثابت ہے لہذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن جابر رضی اللہ عنہ قال:نهى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أن يجصص القبروأن يقعد وأن يبنى عليه.(رواه

Maktaba Tul Ishaat.com

مسلم: ۱/۳۱۲۔ والترمذی: ۱/۲۰۳)

احسن الفتاوی میں ہے:

قبر پر ہر قسم کی بناء بغرضِ زینت حرام ہے اور بغرضِ استحکام مکروہِ تحریمی ہے گناہ میں مکروہِ تحریمی بھی حرام ہی کے برابر ہے چار دیواری خواہ ایک ہی اینٹ کی ہو اس کا بنا ہونا ظاہر ہے اور چبوترہ بلکہ اصل مٹی سے زائد مٹی ڈالنا بھی بناء میں داخل ہے۔ (احسن الفتاوی: ۴/۱۸۹)

کفایت المفتی میں ہے:

قبر کو چار طرف سے پختہ بنانا اس طرح کہ میت کے جسم کے محاذ میں نیچے سے اوپر تک کچی رہے مباح ہے یعنی میت کا جسم چاروں طرف سے مٹی کے اندر رہے پرے پختہ ہوجائے تو حرج نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ۴/۵۰، فصل چہارم قبر ودفن، دارالاشاعت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دفن کرتے وقت کچھ رقم گر جائے تو نکالنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کسی کو قبر میں دفن کیا اور اس قبر میں اس کی رقم گر گئی تو کیا قبر کھود کر نکالنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں قبر کھود کر نکالنا درست ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولو بقی فیه متاع لإنسان فلابأس بالنبش، ظهيرية. (شامی ۲/۲۳۶، مطلب فی دفن المیت، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن وقع فی القبر متاع فعلم بذلک بعد ماأهالوا عليه التراب ينبش كذا فی فتاوی قاضيخان، قالوا: ولو كان المال درهماً كذا فی البحر الرائق. (الفتاوی الهندية: ۱/۱۶۷، فصل فی القبر والدفن)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک مردہ کی قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرنے کا حکم:

سوال: اگر قبر کے اندر کسی مردے کی ہڈیاں ظاہر ہوجائیں تو اس میں دوسرے مردہ کو دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: میت کو دفن کرنے کے لئے کسی دوسرے مردے کی قبر کو نہیں کھودا جائے گا، اگر کھدائی کے

وقت قبر میں کچھ ہڈیاں ظاہر ہوں تو ان کو ایک طرف کر کے دوسری میت کو دفن کرنے کی گنجائش ہے دوسری علیحدہ قبر کھودنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولا یحفر قبر لدفن آخر إلا إن بلی الأول فلم یبق له عظم إلا أن لا یوجد فتضم عظام الأول ویجعل بینهما حاجز من تراب.....قال فی الإمداد: ویخالفه مافی التاترخانیة: إذا صار المیت تراباً فی القبر یکره دفن غیره فی قبره، لأن الحرمة باقیة، وإن جمعوا عظامه فی ناحیة ثم دفن غیره فیه تبرکاً بالجیران الصالحین ویوجد موضع فارغ یکره ذلک، قلت: لکن فی هذا مشقة عظیمة فالأولیٰ إناطة الجواز بالبلا إذ لا یمکن أن یعد لکل میت قبر لا یدفن فیه غیره وإن صار الأول تراباً لاسیما فی الأمصار الکبیرة الجامعة وإلا لزم أن تعم القبور السهل والوعر علی أن المنع من الحفر إلی أن لا یبقی عظم عسر جداً وإن أمکن ذلک لبعض الناس، لکن الکلام فی جعله حکماً عاماً لکل أحد فتأمل. (شامی:۲/۲۳۳، مطلب فی دفن المیت، سعید۔ وکذا فی فتح القدیر:۲/۱۴۱، دارالفکر۔ والفتاوی الهندیة:۱/۱۶۷۔ والبحر الرائق:۲/۱۹۵)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر قبر اتنی پرانی ہوجائے کہ میت بالکل مٹی بن جائے تو اس قبر میں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، ورنہ بلاضرورت ایسا کرنا منع ہے اور بوقتِ ضرورت جائز ہے اور ایسی حالت میں جب میت کی ہڈیاں وغیرہ کچھ قبر میں موجود ہوں تو ایک طرف علیحدہ قبر میں رکھدی جائیں۔ (فتاوی محمودیہ:۹/۹۷، مبوب ومرتب)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

تلقین بعد الدفن کا حکم:

سوال: مذہبِ احناف کے مطابق تلقین بعد الدفن کا کیا حکم ہے:

الجواب: مذہبِ احناف میں ظاہر الروایۃ کے مطابق دفن کرنے کے بعد تلقین نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے: **ولا یلقن بعد تلحیده ذکر فی المعراج أنه ظاهر الروایة.**

(شامی:۲/۱۹۱، مطلب فی التلقین بعد الموت، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وأما التلقین بعد الموت فلا یلقن عندنا فی ظاهر الروایة کذا فی العینی شرح الهدایة

Maktaba Tul Ishaat.com

ومعراج الدراية. (الفتاوى الهندية:۱/۱۵۷،الفصل الاول فى المحتضر۔وكذافى فتح القدير:۲/۶۸، دارالفكر۔ وكفاية:۲/۶۸۔والفتاوى اللكنوى:ص۵۰۸،بيروت)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

دفن کرنے کے بعد اجتماعی دعا کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو تحریر کیجئے تاکہ مسئلہ واضح ہوجائے اور شکوک دور ہوجائیں۔

الجواب: میت کو دفن کرنے کے بعد لوگوں کے رخصت ہونے سے پہلے دعا کا ثبوت ابوداود شریف کی روایت میں موجود ہے، اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دعا اجتماعی تھی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال: كان النبى صلی اللہ علیہ وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: استغفروا لأخيكم واسئلوا له بالتثبيت فإنه الآن يسأل. (رواه ابوداود:۲/۱۰۳،باب الاستغفارعند القبر للميت فى وقت الانصراف،سعيد)

بذل المجہود میں اس کے عنوان کی تشریح یوں ہے: "**باب الاستغفارعندالقبرللميت فى وقت الانصراف أى الرجوع عن دفنه.**(بذل المجهود:٤/٢١٦)

فتح الباری میں ہے:

فى حديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فى قبرعبدالله ذى البجادين،الحديث وفيه "فلمافرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه "أخرجه أبوعوانة فى صحيحه. (فتح الباری:۱۱/۱٤٤،باب الدعاء مستقبل القبلة،دارنشرالكتب،لاهور)

درمختار میں ہے:

ويستحب حثيه من قبل رأسه ثلاثاً، وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ماينحرالجزورويفرق لحمه.وفى الشامى:وكان ابن عمر رضی اللہ عنہ يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها. (الدرالمختارمع الشامى:۲/۲۳۷،مطلب فى دفن الميت،سعيد)

کفایت المفتی میں یہ مسئلہ وضاحت سے مذکور ہے:

سوال:فی سنن أبی داود کان النبی ﷺ إذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ..... الخ ،مرقومہ بالا حدیث سے مغفرت مانگنا جمعاً ثابت ہوتا ہے یا فرادی فرادی؟

جواب: ہاں اس حدیث کے سیاق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام حاضرین ایک ساتھ دعا کرتے تھے ،کیوں کہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد واپس آنے کا موقع تھا لیکن حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ واپسی میں کچھ تاخیر وتوقف فرماتے تھے اور میت کی تثبیت ومغفرت کی خود بھی دعا فرماتے تھے اور حاضرین کو بھی اس وقت دعا کرنے کا حکم کرتے تھے.....الخ۔(کفایت المفتی:۴/۱۷،فصل ہفتم،دارالاشاعت)

نیز ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ ۹/ ۱۴۸،مبوب ومرتب۔فتاوی دارالعلوم دیوبند ۵/ ۴۰۰،مدلل ومکمل دارالاشاعت۔واللہ ﷻ اعلم۔

قبرستان میں بوقتِ دعا استقبالِ قبلہ کا حکم:

سوال: قبرستان میں بوقتِ دعا استقبالِ قبلہ کرے یا قبر کی طرف متوجہ ہو؟

الجواب: قبرستان میں اگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے تو استقبالِ قبلہ کرے تاکہ شرک کا وہم نہ رہے اور اگر بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرتا ہے تو قبر کی طرف متوجہ ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

فإذا بلغ المقبرة یخلع نعلیه ثم یقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه المیت ویقول السلام علیکم.....وإذا أراد الدعاء یقول مستقبل القبلة کذا فی خزانة الروایات. (الفتاوی الهندیة ۵/ ۳۵۰،الباب السادس عشرفی زیارة القبور)

شامی میں ہے:

قال فی الفتح والسنة زیارتها قائماً والدعاء عندها قائماً کما کان یفعله ﷺ فی الخروج إلی البقیع ویقول السلام علیکم.....ومن آدابها أن یسلم بلفظ السلام علیکم علی الصحیح.....ثم یدعو قائماً طویلاً. (شامی :۲/ ۲۴۲،مطلب فی زیارة القبور،سعید)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

دعا بغیر ہاتھ اٹھائے بھی کی جاسکتی ہے اور ہاتھ اٹھا کر بھی حضرت نبی اکرم ﷺ نے دفن کے بعد قبلہ کی طرف رخ فرما کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے اگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا چاہے تو آنحضرت ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے قبر کی

Maktaba Tul Ishaat.com

طرف رخ نہ کیا جائے بلکہ قبلہ کی طرف رخ کرلیا جائے۔وفی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ **رأیت رسول اللّٰہ ﷺ فی قبر عبداللّٰہ ذی البجادین الحدیث فیه فلمافرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً یدیه أخرجه أبوعوانة فی صحیحه.** (فتح الباری شرح بخاری شریف: ۱۱/ ۱٤٤۔وشرح صحیح مسلم شریف للنووی: کتاب الجنائزفصل فی الذهاب الی زیارة القبور: ۱/ ۳۱۳)۔(فتاوی محمودیہ:۹/ ۱۴۷،مبوب ومرتب۔واحسن الفتاوی:۴/ ۲۱۲)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کسی قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا حکم:

سوال: قبر یا کسی شخص کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی بچہ یا کوئی شخص مجمع کے سامنے تلاوت کررہا ہو تو ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟ اور آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے اس طرح کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کی گنجائش ہے اور اگر کوئی قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہو اور کوئی قبر وغیرہ سامنے نہ ہو تو قرآنِ کریم کے احترام میں بطریقِ اولیٰ جائز ہے، اس میں سامعین کی تعظیم نہیں بلکہ قرآنِ کریم کا احترام مطلوب ہے، ہاں کسی شخص کے سامنے اس طرح کھڑے رہنے سے اجتناب کرنا بہتر ہے جیسے حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے فرمایا زیارۃ القبور کے وقت آنحضرت ﷺ کی قبر کے علاوہ خلافِ اولیٰ ہے۔ ملاحظہ ہو ارشاد الساری میں ہے:

ثم توجه بالقلب مع رعایة غایة الأدب فقام تجاه الوجه الشریف متواضعاً خاشعاً مع الذلة والانکسار والخشیة والوقار أی السکینة.....واضعاً یمینه علی شماله أی تأدباً فی حال إجلاله مستقبلاً لوجه الکریم. (ارشادالساری الی مناسك الملاعلی القاری:ص۵۵۸، فصل ولو توجه إلی الزیارة،بیروت)

شفاء السقام میں ہے:

وقال القاضی عیاض فی الشفاء: قال بعضهم: رأیت أنس بن مالک رضی اللہ عنہ أتی قبر النبی ﷺ فوقف فرفع یدیه حتی ظننت أنه افتتح الصلاة فسلم علی النبی ﷺ ثم انصرف. (شفاء السقام:ص۷۳)

علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے سعایہ میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جس کا خلاصہ حسبِ ذیل درج

ہے:

قلت: الحق الحقيق بالقبول هو أنه لابأس بهذه الهيأة عندزيارة قبر النبی ﷺ بل هو الأولیٰ للمتأدب وأماعندزيارة قبرغيره فهو خلاف الأولیٰ خصوصاً عندزيارة قبر العوام فاحفظه فإنه تنبيه مهم قل من ذكره. (السعاية فی كشف مافی شرح الوقاية:۲/۱۵۹، ۱۶۰،باب صفة الصلاة ،سهيل اكيڈمی)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

بعض حضرات اکابرؒ نے اس موقع پر نماز کی طرح ہاتھ باندھنے کو منع فرمایا ہے مگر دوسرے بعض اکابرؒ نے اس کو آداب میں شمار کیا ہے، چنانچہ شیخ عبدالحقؒ نے لکھا ہے: ''ودروقتِ آنحضرت ﷺ ووقوفِ درآں جناب باعظمت دستِ راست بردستِ چپ نہند، چنانچہ درحالتِ نماز کند، کرمانی کہ ازعلمائے حنفیہ است تصریح بایں معنی کردہ است'' (جذب القلوب ص۲۱۷) لہذا اس میں تشدد نہیں چاہئے۔ (فتاوی محمودیہ:۳/۱۲۰، ہبوب ومرتب)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسلمانوں کے قبرستان میں غیر مسلم کی قبر ہو تو اس کا حکم:

سوال: حکومت نے مسلمانوں کو قبرستان کے لئے زمین دی اس میں عیسائی کی ایک قبر ہے، باقی زمین بالکل خالی ہے جو بہت بڑی ہے اب اس ایک قبر کے ساتھ کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں غیر مسلم کی قبر کو اکھاڑا نہیں جائے گا بلکہ دیوار کے ذریعہ احاطہ کرلیا جائے گا، چنانچہ غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے قبرستان کے درمیان دیوار کا احاطہ ہوتا ہے اور اسی کو حائل سمجھا جاتا ہے، اسی طرح ایک قبر میں دو آدمیوں کو دفن کرتے وقت مٹی سے آڑ بنانے سے عندالضرورۃ دو قبروں کے حکم میں ہوجاتی ہے، لہذا درمیان میں دیوار لگانے سے علیحدگی ہوجائے گی۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وفی الواقعات عظام اليهود لها حرمة إذا وجدت فی قبورهم كحرمة عظام المسلمين حتی لاتكسر. (البحر الرائق:۲/۱۹۵، كوئٹه)

مراقی الفلاح میں ہے:

ولابأس بدفن أكثر من واحد فی قبر واحد للضرورة قاله قاضيخان، ويحجز بين كل اثنين

Maktaba Tul Ishaat.com

بالتراب هكذا أمر رسول اللهﷺ في بعض الغزوات. وفي الطحطاوي قوله: ويحجز بين كل اثنين بالتراب ندباً إن أمكن كما في ابن أمير حاج ليكون في حكم قبرين كما في العيني على البخاري. (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح: ٦١٢، فصل في حملها ودفنها، قديمي)

البحر الرائق میں ہے:

ويجعل بين كل ميتين حاجزاً من التراب ليصير في حكم قبرين هكذا أمر النبيﷺ في شهداء أحد. (البحر الرائق: ٢/١٩٤، كوئته)

نیز فقہاء نے ''احیاء الموات'' کے تحت فرمایا ہیں کہ حد بندی سے بھی زمین الگ ہوجاتی ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

والتحجير للإعلام سمي به لأنهم كانوا يعلمونه بوضع الأحجار أو يعلمونه لحجر غيرهم عن إحياء ه، ثم التحجير قد يكون بغير الحجر بأن غرز حولها أغصاناً يابسة أو نقى الأرض وأحرق ما فيها من الشوك وخضد ما فيها من الحشيش أو الشوك و جعلها حولها وجعل التراب عليها. (هدايه ٤/٤٧٩) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

میت کے کفن پر آیاتِ قرآنیہ لکھنے کا حکم:

سوال: میت کے کفن پر آیاتِ قرآنیہ لکھی جاتی ہیں یا آیات لکھی ہوئی چادریں میت پر ڈالی جاتی ہیں بعض جگہ اس کا دستور ہے کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس میں آیاتِ قرآنی کی توہین ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کے کفن پر آیاتِ قرآنی کا لکھنا یا آیات لکھی ہوئی چادریں میت پر ڈالنا از روئے شرع درست نہیں اس میں آیاتِ قرآنیہ کی اہانت ہے۔ ملاحظہ ہو نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص هل فيه بأس؟

الاستبشار: هو استهانة بالقرآن لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت، ويصير هذا الثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله، كذا في نصاب الاحتساب في باب الاحتساب على من يحضر للتعزية في الأيام المعهودة في المقابر.

قلت: وأشنع من هذا ما يفعله أهل الدكن من إلقاء الثياب التي فيها اسم الله تعالىٰ أو سورة القرآن على جميع القبور، وإن لم يكن المقبور من أهل الزهد والورع. (نفع المفتي والسائل: ص ۴۰۳، ما يتعلق بتعظيم اسم الله الخ، بيروت)

شامی میں ہے:

وقد أفتى ابن صلاح بأنه لايجوز أن يكتب على الكفن يٰس والكهف ونحوهما خوفاً من صديد الميت، والقياس المذكور ممنوع لأن القصد ثم التمييز وهنا التبرك، فالأسماء المعظمة باقية على حالها فلايجوز تعريضاً للنجاسة، والقول بأنه يطلب فعله مردود، لأن مثل ذلك لايحتج به إلا إذا صح عن النبي ﷺ طلب ذلك وليس كذلك. وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش وما ذلك إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة فالمنع هنا بالأولىٰ ما لم يثبت عن المجتهد أوينقل فيه حديث ثابت، فتأمل. (شامی: ۲/۲۴۶، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، سعيد)

نیز آیاتِ قرآنیہ والی چادریں میت کے صندوق پر ڈالی جاتی ہیں ان سے بھی اجتناب بہتر ہے اس لئے کہ بے وضوء چھونے کا اندیشہ ہے اور آیاتِ قرآنیہ بلا وضو چھونا ناجائز ہے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويحرم به أي بالأكبر وبالأصغر مس مصحف: أي ما فيه آية كدرهم وجدران. وفي الشامية: (قوله أي ما فيه آية) أي المراد مطلق ماكتب فيه قرآن مجازاً، من إطلاق اسم الكل على الجزء، أومن باب الإطلاق والتقييد، قال ح: لكن لايحرم في غير المصحف إلا بالمكتوب: أي موضع الكتابة كذا في باب الحيض من البحر. (الدرالمختار مع الشامي: ۱/۱۳، سعيد)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبر پر پودے لگانے کا حکم:

سوال: قبروں پر پودے اور گھاس لگانے کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

الجواب: قبروں پر پودے گھاس لگانے کی شرعاً گنجائش ہے البتہ اس کو ضروری نہ سمجھے اور بالیقین

Maktaba Tul Ishaat.com

تخفیفِ عذاب کا اعتقاد نہ رکھے صرف امید ہونی چاہئے ،لیکن موجودہ دور میں قبروں پر پھول ڈالنے کی رسم چلی ہے خصوصاً اولیاء اللہ کی قبروں پر اس سے قطعاً احتراز کرنا چاہئے یہ بدعت ہے اس میں بہت سارے مفاسد ہیں جن سے عوام الناس کے اعتقادات خراب ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال مر النبی ﷺ بحائط من حیطان المدینة أومکة فمسع صوت إنسانین یعذبان فی قبورهما،فقال النبی ﷺ یعذبان وما یعذبان فی کبیرثم قال: بل کان أحدهما لایستترمن بوله وکان الآخریمشی بالنمیمة ثم دعا بجریدة فکسرهاکسرتین فوضع علی کل قبرمنهماکسرة، فقیل له یا رسول الله لم فعلت هذا قال لعله أن یخفف عنهما ما لم ییبسا. (بخاری شریف:۱/۱۸٤۔ومشکوۃ شریف:۱/٤۳)

مرقات میں ہے:

أما وضعهما علی القبرفقیل أنه علیه السلام سأل الشفاعة لهما فاجیب بالتخفیف إلی أن ییبساوقد ذکرمسلم فی آخرالکتاب فی حدیث جابر رضی اللہ عنہ أن صاحبی القبرین، أجیبت شفاعتی فیهما،وقیل أنه کان یدعولهما فی تلک المدة وقیل لأنهما یسبحان ما داما رطبتین،قال کثیرمن المفسرین فی قوله تعالی:﴿ وإن من شیء إلایسبح بحمده﴾ معناه إن من شیء حی ثم قال وحیاة کل شیء بحسبه فحیاة الخشب ما لم ییبس وحیاة الحجرما لم یقطع والمحققون علی العموم وان التسبیح علی حقیقته لأن المراد الدلالة علی الصانع..... .(مرقاۃ:۱/۳۵۱،ملتان)

شامی میں ہے:

تتمة:یکره أیضاً قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرة دون الیابس وعلله فی الإمداد:بأنه مادام رطباً یسبح الله تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکره الرحمة.

أقول:دلیله ما ورد فی الحدیث من وضعه علیه الصلاة والسلام الجریدة الخضراء بعد شقها نصفین علی القبرین اللذین یعذبان وتعلیله بالتخفیف عنهما ما لم ییبسا أی یخفف عنهما ببرکة تسبیحهما. (شامی:۲/۲٤۵،مطلب فی وضع الجرید،سعید۔ واعلاء السنن: ۸/۳٤٤/۲۳۲۳، باب استحباب غرزالجریدة الرطبة علی القبر)

قبر پر پھول ڈالنا بدعت ہے۔

ملاحظہ ہو: فتاوی محمودیہ: ۹/۱۷۴، مبوب ومرتب۔ وفتاوی رحیمیہ: ۵/۹۸۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر پر کتبہ لگانے کا حکم:

سوال: قبر پر کتبہ لگانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: قبر پر کوئی چیز لگانا یا پختہ کرنا سب ممنوع ہے البتہ قبر سے علیحدہ سرہانے پر کتبہ لگانے کی گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله ﷺ أن يجصص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنى عليها وأن تؤطأ. (رواه الترمذى وقال: هذا حديث حسن صحيح، ۱/۲۰۳، باب ماجاء فى كراهية تجصيص القبور والكتابة علها، فيصل)

شامی میں ہے:

قوله لا بأس بالكتابة لأن النهى عنها وإن صح فقد وجد الإجماع العملى بها فقد أخرج الحاكم من طرق ثم قال: هذه الأسانيد صحيحة وليس العمل عليها فإن أئمة المسلمين من المشرق إلى المغرب مكتوب على قبورهم وهو عمل أخذ به الخلف عن السلف، ويقوى بما أخرجه أبو داود بأسانيد جيد: "أن رسول الله ﷺ حمل حجراً فوضعها عند رأس عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وقال: أتعلم بها قبر أخى وأدفن إليه من تاب من أهلى" فإن الكتابة طريق إلى تعرف القبر بها، نعم يظهر أن محل هذا الإجماع العملى على الرخصة فيها ما إذا كانت الحاجة داعية إليه فى الجملة كما أشار إليه فى المحيط بقوله وإن احتيج إلى الكتابة، حتى لا يذهب الأثر ولا يمتهن فلا بأس به فأما الكتابة بغير عذر فلا، حتى يكره كتابة شىء عليه من القرآن أو الشعر أو اطراء مدح له ونحو ذلك حلية ملخصاً. (شامى: ۲/۲۳۷، مطلب فى دفن الميت، سعيد۔ والبحر الرائق: ۲/۱۹۷، كوئته)

فتاوی بزازیہ میں ہے:

ويكره إلصاق اللوح بها والكتابة عليها ولا يبنى على بيت ولا يجصص. (الفتاوى البزازية

Maktaba Tul Ishaat.com

على هامش الهندية:٤/٨١،نوع آخر)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وكره أبويوسف الكتابة أيضاً.(شرح منية المصلى:ص٥٩٩،السادس فى الدفن ،سهيل اكيڈمى)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصلِ پنجم

ایصالِ ثواب کا بیان

میت کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کا ثبوت:

سوال: میت کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کا ثبوت کسی حدیث یا کتبِ فقہ میں ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کے دعاء استغفار اور ایصالِ ثواب کرنے کا ثبوت بعض روایات میں ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے:

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال: کان النبی ﷺ إذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال: استغفروا لأخیکم واسئلوا له بالتثبیت فإنه الآن یسأل. (ابوداؤد شریف:۲/۱۰۳،باب الاستغفار عندالقبرللمیت فی وقت الانصراف،سعید)

مسلم شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها کان رسول اللہ ﷺ کلما کان لیلتها من رسول اللہ ﷺ یخرج من آخر اللیل إلی البقیع فیقول: "السلام علیکم دارقوم مؤمنین وأتاکم ما توعدون غداً مؤجلون إنا إن شاء اللہ بکم لاحقون اللّٰهم اغفرلأهل بقیع الغرقد". (مسلم شریف:۱/۳۱۳،باب ما یقول اذا زارالقبور)

کتاب الروح میں ہے:

أخبرنی الحسن بن الهیثم سمعت أبابکربن الأطروش ابن بنت أبی نصربن التماریقول

Maktaba Tul Ishaat.com

كان رجل يجيء إلى قبرأمه يوم الجمعة فيقرأ سورة يٰس فجاء فى بعض أيامه فقرأ سورة يٰس ثم قال:اللّٰهم إن كنت قسمت لهذه السورة ثوابا فاجعله فى أهل هذه المقابر فلماكان يوم الجمعة التى تليها جاء ت امرأة فقالت:أنت فلان ابن فلانة فقال:نعم قالت:إن بنتاً لى ماتت فرأيتها فى النوم جالسة على شفيرقبرها فقلت ما أجلسک ههنا؟فقالت:إن فلان ابن فلانة جاء إلى قبرأمه فقرأ سورة يٰس وجعل ثوابها لأهل المقابرفأصابنا من روح ذلک أوغفرلنا أونحوذلک.(كتا ب الروح:ص ۱۱،المسئلة الأولىٰ وهى تعرف الأموات زيارة الأحياء وسلامهم أم لا،بيروت)

حدیث شریف میں ہے:

عن الحسن عن أبيه على بن أبى طالب رضی اللہ عنہ قال:قال رسول الله ﷺ:من مرعلى المقابر وقرأ قل هوالله أحد إحدى عشرمرة ثم وهب أجره للأموات أعطى من الأجربعدد الأموات.(من فضائل سورة الأخلاص وما لقارئها:۱/۱۰۲/۵۴ ـواعلاء السنن:۸/۳۴۳/۲۳۲۰ زيارة القبور، ادارة القرآن كراچى)

یہ حدیث اگر چہ ضعیف ہے لیکن فضائل میں ثواب کی نیت سے عمل کرنا درست ہے اسی وجہ سے فقہاء نے اس حدیث کو ذکر فرمایا ہے۔(جلد اول میں اس حدیث پر کلام گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے)

مزید ملاحظہ ہو: **(فتاوى الشامى:۲/۵۹۶،باب الحج عن الغير،مطلب فيمن أخذ فى عبادته شيئاً من الدنيا،سعيد.فتح القدير:۳/۱۴۳،دارالفكر.مراقى الفلاح:۲۳۳،مكة المكرمة.مواهب الجليل فى شرح مختصر الخليل:۵/۴۵۲.مطالب أولى النهى:۵/۹).**

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وحكى عن أبى بكربن أبى سعيد أنه قال:يستحب عند زيارة القبورقراء ة سورة الإخلاص سبع مرات فإنه بلغنى من قرأهاسبع مرات إن كان ذلک الميت غيرمغفورله يغفرله وإن كان مغفوراً له غفر لهذا القارى ووهب ثوابه للميت كذا فى الذخيرة فى فضل قراء ة القرآن.(الفتاوى الهندية:۵/۳۵۰،كتاب الكراهية، باب زيارة القبور)

وعن أبى هريرة رضی اللہ عنہ قال:قال رسول الله ﷺ:"من دخل المقابرثم قرأ"فاتحة الكتاب" و "قل هوالله أحد"و"ألهاكم التكاثر"ثم قال:اللّٰهم إنى قد جعلت ثواب ما قرأت من كلامک

لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له إلى الله تعالىٰ". أخرجه أبو القاسم سعد بن علی الزنجانی فی فوائده. (شرح الصدوربشرح حال الموتی والقبور:ص۳۰۳،باب فی قرءة القرآن للمیت أوعلی القبر، بیروت)

وعن أنس ﷺ أن رسول الله ﷺ قال:"من دخل المقابرفقرأسورة يٰس خفف الله عنهم وكان له بعدد من فيها حسنات". أخرجه عبد العزیزصاحب الخلا ل بسنده۔(شرح الصدوربشرح حال الموتی والقبور:ص۳۰٤،باب فی قرءة القرآن للمیت أوعلی القبر،بیروت)

وعن عبد الله بن عمر ﷺ قال:سمعت النبی ﷺ يقول:"إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره،وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة وعند رجليه بفاتحة البقرة". رواه البيهقی فی شعب الإيمان وقال:والصحيح أنه موقوف عليه(۲/۲۱۵)وفی الأذكارللنووی:۷٤ورويناه فی سنن البيهقی بإسناد حسن"ان ابن عمر ﷺ استحب أن يقرأ على القبربعدالدفن أول سورةالبقرة وخاتمتها" وهوموقوف فی حكم المرفوع، فانه غيرمدرك بالرأی.(اعلاء السنن: ۸/۳٤۲،زيارة القبور،ادارة القرآن)

شامی میں ہے:

صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغيربأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرهاكذا فی الهداية بل فی زكاة التتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم و لاينقص من أجره شیء. هو مذهب أهل السنة والجماعة. (شامی:۲/۲٤۳،مطلب فی القراءة للمیت واهداء ثوابها له،سعید۔وكذا فی الفتاوی الهندية:۱/۲۵۷، الباب الرابع عشرفی الحج عن الغير۔وكذا فی فتح القدير مع الهداية:۳/۱٤۲،باب الحج عن الغير، دار الفكر)۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**۔

زندہ شخص اور پیغمبر کو ایصالِ ثواب کرنے کا حکم:

سوال: کیا زندہ شخص اور پیغمبر کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نیز بچے اور نبی کے لئے مغفرت کی دعا ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: زندہ شخص اور پیغمبر کو ایصالِ ثواب کرنا صحیح ہے لیکن بچے اور نبی کے لئے مغفرت کی دعا نہ

Maktaba Tul Ishaat.com

کریں بلکہ رفعِ درجات کی دعا کریں اس وجہ سے کہ وہ معصوم ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

الأصل فی هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أوصوماً أو صدقةً أو غيرها كتلاوة القرآن و الأذكار، فتح القدير، عند أهل السنة و الجماعة لما روى عن النبیﷺ أنه ضحى بكبشين أملحين أحدهما عن نفسه والآخرعن أمته ممن أقر بوحدانية الله تعالىٰ وشهد له بالبلاغ. (هدايه: ۱/۲۹۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، شركة علمية)

شامی میں ہے:

وفی البحر: من صام أوصلى أوتصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، و يصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا فی البدائع، ثم قال: ولهذا علم أنه لافرق بين أن يكون المجعول له ميتاً أوحياً.....قلت: وقول علمائنا له أن يجعل ثواب عمله لغيره يدخل فيه النبیﷺ فإنه أحق بذلک حيث أنقذنا من الضلالة، ففی ذلک نوع شكرو اسداء جميل له، والكامل قابل لزيادة الكمال. (شامی: ۲/۲۴۳، ۲۴۴، مطلب فی القراءة للميت وإهداء ثوابها له، سعيد)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

درجات میں ترقی بہرحال ہوتی ہے، اس لئے ایصالِ ثواب میں کیا اشکال ہے معصوم کے لئے استغفار کی حاجت نہیں۔ (فتاوی محمودیہ: ۹/ ۲۳۸، باب إهداء الثواب للميت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرنے کا حکم:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے یا نہیں اگر ہوسکتا ہے تو اس کے دلائل کیا ہیں؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے بلکہ کرنا چاہئے اور یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت ہے بلکہ یہ ہدیہ پیش کرنے والوں کی طرف سے اظہارِ تعلق ومحبت کا ایک ذریعہ ہے جس سے جانبین کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کا نفع خود ایصالِ ثواب کرنے والوں کو پہونچتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو ردالمحتار میں ہے:

ذکر ابن الحجر فی الفتاوی الفقهیة : أن الحافظ ابن تیمیة زعم منع اهداء ثواب القراء ة للنبی ﷺ لأن جنابه الرفیع لایتجرأ علیه إلابما أذن فیه، وهوه الصلاة علیه و سؤال الوسیلة له قال:وبا لغ السبکی وغیره فی الرد علیه،فإن مثل ذلک لایحتاج لإذن خاص، ألا تریٰ أن ابن عمر رضی اللہ عنہ کان یعتمرعنه ﷺ عمراً بعد موته من غیروصیة،وحج ابن الموفق وهو فی طبقة الجنید عنه سبعین حجة، وختم ابن السراج عنه ﷺ أکثرمن عشرة آلاف ختمة، وضحیٰ عنه مثل ذلک.قلت:رأیت نحوذلک بخط مفتی الحنفیة الشهاب أحمد بن الشلبی شیخ صاحب البحرنقلا عن شرح الطیبة للنویری،ومن جملة ما نقله:أن ابن عقیل من الحنابلة قال:یستحب إهداؤها له ﷺ.

قلت: وقول علمائنا له أن یجعل ثواب عمله لغیره یدخل فیه النبی ﷺ فإنه أحق بذلک حیث أنقذنا من الضلالة، ففی ذلک نوع شکروإسداء جمیل له، والکامل قابل لزیادة الکمال،وماستدل به بعض المانعین، من أنه تحصیل الحاصل لأن جمیع أعمال أمته فی میزانه.....یجاب عنه بأنه لامانع من ذلک، فإن اللہ تعالی أخبرنا بأنه صلی علیه ثم أمرنا بالصلاة علیه،بأن نقول:اللّٰهم صل علی محمد. (رد المحتار:۲/۲٤٤،مطلب فی إهداء ثواب القراءة للنبی ﷺ،سعید)

''آپ کے مسائل اوران کا حل'' میں ہے:

امت کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب نصوص سے ثابت ہے۔

چنانچہ ایصالِ ثواب کی ایک صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقام وسیلہ کی درخواست ہے۔

عن عبد اللہ بن عمروبن عاص رضی اللہ عنہ أنه سمع النبی ﷺ یقول:إذاسمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فإنه من صلی علیّ صلاة صلی اللہ علیه بها عشراً ثم سلوا لی الوسیلة فإنها منزلة فی الجنة لاتنبغی لأحد من عباد اللہ وأرجو أن أکون أنا هو،فمن سئل لی الوسیلة حلت علیه الشفاعة.(مسلم شریف:۱/۱٦٦)

عن جابرابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺقال من قال حین یسمع النداء:اللّٰهم رب هذه

Maktaba Tul Ishaat.com

الدعوة التامة والصلاة القائمه اٰت محمد الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاماً محمود الذى وعدته، حلت له شفاعتى يوم القيامة. (مسلم شريف:۱/۸٦)

ایصالِ ثواب کی ایک صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ترقی درجات کی دعاء ہے۔

عن عمر رضی اللہ عنہ قال استأذنت النبى ﷺ فى العمرة فأذن لى وقال لاتنسنا يا أخىّ من دعائك وفى رواية أشركنا يا أخىّ فى دعائك. (ابوداؤدشريف:۱/۲۱۰،ترمذی شريف:۲/۱۹۵)

جس طرح حیاتِ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعاء مطلوب تھی اسی طرح وصال شریف کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعاء مطلوب ہے۔

ایصالِ ثواب کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ کی طرف سے قربانی کی جائے۔

حدثنا محمد بن عبيد المحاربى الكوفى حدثنا شريک عن أبى الحسناء عن الحكم عن حنش عن على رضی اللہ عنہ أنه كان يضحى بكبشين أحدهما عن النبى ﷺ والآخر عن نفسه فقيل له فقال: أمرنى به يعنى النبى ﷺ فلا أدعه أبدا. هذا حديث غريب لانعرفه إلامن حديث شريك۔(ترمذی شريف:۱/۱۸۰،باب فى التضحية بكبشين،فيصل۔وابوداؤدشريف:۲/۲۹،باب الاضحية عن الميت،سعيد)۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۳/۱۷۷۔۱۷۸،ایصالِ ثواب)

صاحبِ تحفۃ الاحوذی نے مذکورہ بالا حدیث کی سند پر اشکال کیا ہے ملاحظہ ہو:

وقال المنذرى: حنش هو أبو المعتمر الكنانى الصنعانى وتكلم فيه غير واحد حتى صار مما لا تحتج به، وشريک هو ابن عبد الله القاضى فيه مقال وقد أخرج له مسلم فى المتابعات، قلت: وأبو الحسناء شيخ عبد الله مجهول كما عرفت فالحديث ضعيف. (تحفة الأحوذى:٦/۲۹۰)

اشکال کا جواب ملاحظہ ہو:

(۱) حنش أبو المعتمر الصنعانى الكوفى:

تہذیب التہذیب میں مذکور ہے:

قال أبو داؤد: هو ثقة، وقال العجلى: هو تابعى ثقة. (تهذيب التهذيب:۳/۵۳/۱٦۵۳،بيروت۔ وتهذيب الكمال:۷/۴۳۳،مؤسسة الرسالة)

معرفۃ الثقات میں مذکور ہے: **حنش بن عبد الله ثقة.**(معرفة الثقات:۱/۳۲۶)

(۲)شریک: تہذیب التہذیب میں مذکور ہے:

وقال يزيد بن الهيثم عن ابن معين:شريک ثقة،وهوأحب إليّ من أبی الأحوص و جريروهويروی عن قوم لم يروعنهم سفيان الثوری،قال ابن معين:ولم يكن شريک عند يحيى يعنی القطان بشیء وهوثقة ثقة،.....وقال العجلی:كوفی ثقة،وكان حسن الحديث ، وكان أروى الناس عنه إسحاق الأزرق.(تهذيب التهذيب:٤/٣٠٥/٢٨٨٣،بيروت)

(۳)أبو الحسناء: اعلاء السنن میں ہے:

قال الدولابی فی الكنی:حدثنا العباس بن محمد عن يحيى بن معين قال:أبو الحسناء روی عنه شريک والحسن بن صالح الكوفی وهذاكما ترى قد عرفه يحيى بن معين وناهيک بمن قد عرفه ولم يذكره بجرح ولا تعديل فهوثقة،قال ابن معين: لايسكت عن جرح المجروحين، وقد روی عن أبی الحسناء اثنان من الثقات وليس بمجهول من روی عنه اثنان(كما مرفی المقدمة)واندحض بذلک قول الهيثمی فی مجمع الزوائد:فيه أبو الحسناء ولايعرف روی عنه غيرشريک.(اعلاء السنن: ۹/۱۷،۲۶۸ باب التضحية،ادارة القرآن)

امام ترمذیؒ نے فرمایا:'' **لانعرفه إلا من حديث شريک**'' اس کے بارے میں علی بن المدینیؒ نے فرمایا:**قد رواه غيرشريک.**(عارضه الأحوذی:٦/٢٩٠)

لہذا یہ حدیث صحیح ہے اور قابلِ استدلال ہے۔

اور اسی حدیث کے مثل مرقاۃ میں ایک صحیح حدیث ہے:

وفی رواية صححها الحاكم أنه(علی رضی اللہ عنہ)كان يضحی بكبشين عن النبی ﷺ و بكبشين عن نفسه وقال ان رسول الله ﷺ أمرنی أن أضحی عنه أبداً فأنا أضحی عنه أبداً.

(مرقاة شرح المشكاة:۳/۳۰۹،باب التضحية ،الفصل الثانی،امداديه ،ملتان)

عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها وعن أبی هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يضحی اشتری كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوأين فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد للّٰه بالتوحيد وشهد له بالبلاغ وذبح الآخرعن محمد ﷺ وآل محمد ﷺ.(ابن ماجه

Maktaba Tul Ishaat.com

شریف: ص۲۲۵،باب اضاحی رسول اللہ ﷺ،آرام باغ کراچی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں یقیناً ایسے حضرات ہیں جو مغفور لہم ہیں جب ان کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے تو معصوم کو کیوں نہیں ہوسکتا؟ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا حکم:

سوال: ایک بستی کے باشندوں میں سے بہت کم لوگ قرآن خواں ہیں، بستی میں جب کسی آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو میت کے رشتہ دار کسی حافظ صاحب کو معاوضہ دے کر قرآن شریف برائے ایصالِ ثواب ختم کراتے ہیں، کیا حافظ صاحب کے لئے اس معاوضہ کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا حافظ صاحب ایک قرآن شریف پڑھ کر متعدد اموات کو ایصالِ ثواب کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قرآن شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنے پر اجرت لینا دینا جائز نہیں ہے، ایصالِ ثواب بذاتِ خود ایک مستحسن اور اچھا کام ہے، میت کے رشتہ دار کو چاہئے کہ خود جتنا پڑھ سکتے ہیں قرآن یا اذکار و غیرہ پڑھ کر میت کو ایصالِ ثواب کردے، پورا قرآن پڑھنا یا پڑھوانا ضروری نہیں ہے۔

علامہ شامیؒ نے اس پر ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے: ''**شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیة بالختمات والتّهالیل**'' اس میں آپ نے اس مسئلہ پر بالتفصیل کلام فرمایا ہے، عدمِ جواز پر چند احادیث پیش فرمائی مثلاً۔

(۱) قال رسول اللہ ﷺ اقرئوا القرآن ولاتأکلوبه ولا تجفواعنه ولا تغلّوا فیه ولاتستکثروا به. (رواه اسحاق فی مسنده و عبدالرّزاق فی مصنّفه)

(۲) حدیث عبادة بن الصّامت، وذکرفیه تعلیم عبادة بعض الصحابة القرآن واهداء رجل منهم إلیه قوسا، ولما سئل النبی ﷺ عن ذلک قال: إن أردت أن یطوّقک اللہ طوقاً من النارفاقبلها. وکذا قصة أبی بن کعب رضی اللہ عنہ فی ذلک.

اس رسالہ میں بہت سی فقہی کتب اور فتاوی سے نقل کیا گیا ہے کہ تلاوۃِ مجردہ پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، مثلاً **کتاب الکراهیة من الخلاصة، فتاوی قاضی خان، مجمع الانهر. الفتاوی البزازیه.**

رسائل ابن عابدین میں ہے:

وقال الشیخ الرّملی علی هامش البحر: المفتیٰ به جواز الأخذ استحساناً علی تلاوة القرآن لاعلی القراء ة المجردة کما فی التاتارخانیة .(رسائل ابن عابدین:ص ۱٦۸)

محیطِ برہانی میں ہے:

إذا أوصی أن یدفع إلی إنسان کذا من ماله کذا لیقرء القرآن عند قبره فهذه الوصیة باطلة وهی بدعة ولم یفعلها أحد من الخلفاءرضی اللّٰه تعالیٰ عنهم.(المحیط البرهانی:۲۳/۳۹)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

یہ لینا بھی ناجائز دینا بھی ناجائز ہے،قال تاج الشریعة فی شرح الهدایة:ان القرآن بالأجرة لایستحق الثواب لاللمیت ولاللقاری.(فتاوی محمودیہ:۹/۲۱٦،مبوب ومرتب)

کفایت المفتی میں ہے:

ایصالِ ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھوانا،اوراس کے معاوضہ میں پڑھنے والوں کو کچھ دینا جائز نہیں،ہاں اگر بطورِ تبرع کے دے دیا جائے تو مباح ہے،مگر شرط یہ ہے کہ نہ دینے پر پڑھنے والا دل تنگ نہ ہواور شکایت نہ کرے۔(کفایت المفتی:۴/۱۳۵،فصل دوم،دارالاشاعت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ریڈیو اسلام پر قراءت نشر کرکے ایصالِ ثواب کرانے کا حکم:

سوال: ریڈیو اسلام پر مختلف قراء کی قراءت نشر کرتے ہیں بعض حضرات کچھ رقم دیتے ہیں تاکہ اس کا ثواب ان کے مرحوم رشتہ داروں کو پہنچ جائے کیا اس طرح ایصالِ ثواب کرانا صحیح ہے؟اوراس طرح رقم لینا صحیح ہے یانہیں؟اور بہت سی مرتبہ قاری خود نہیں پڑھتا بلکہ ٹیپ ریکارڈ پر تلاوت جاری کرتے ہیں کیا اس کے سننے سے بھی ثواب ملے گا؟اور مردوں کو ثواب پہنچے گا؟

الجواب: اگر قاری کچھ رقم لے کر ایصالِ ثواب کے لئے قرآن پڑھ لے تو یہ ناجائز ہے،لیکن قاری کچھ نہ لے بلکہ کچھ رقم ریڈیو اسلام کے وقت کو مخصوص کرنے اور ریڈیو کے دوسرے اخراجات کے لئے ہوتو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے،نیز جب قرآن کریم کا پڑھنا ثواب ہے سننا بھی باعثِ اجر ہے لہذا اس کا ایصالِ ثواب کرنا بھی درست اور صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوۃ شریف میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال جلست فی عصابة من ضعفاء المهاجرین وان بعضهم

Maktaba Tul Ishaat.com

ليستتر ببعض من العرى وقارئ يقرأ علينا إذ جاء رسول الله ﷺ فقام علينا فلما قام رسول الله ﷺ سكت القارى فسلم ثم قال ماكنتم تصنعون قلناكنا نستمع إلى كتاب الله فقال الحمد لله الذى جعل من امتى من أمرت أن أصبرنفسى معهم قال فجلس وسطنا ليعدل بنفسه فينا ثم قال بيده هكذا فتحلقوا وبرزت وجوههم له فقال أبشروا يا معشر صعاليک المهاجرين بالنورالتام يوم القيمة تدخلون الجنة قبل أغنياء الناس بنصف يوم و ذلک خمس مأة سنة. رواه أبوداؤد. (مشكوة شريف: ۱/۱۹۱، فضائل القرآن)۔

جہاں تک اجروثواب کا تعلق ہے وہ کلام الٰہی کے کان میں پڑنے سے متحقق ہوجائے گا، اور یہ خاموش رہنے اور آداب کی رعایت کے ساتھ سننے سے حاصل ہوجاتا ہے۔

ٹیپ ریکارڈ سے سماعِ تلاوت پر اجروثواب کی دلیل ملاحظہ ہو:

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿ وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون﴾ (سورة الأعراف: ۲۰۴).

اس آیتِ کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کو سننا چاہئے، پڑھنے والا چاہے کوئی بھی ہو۔ "وإذا قرأتم" نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ ٹیپ ریکارڈ سے سننے میں بھی ثواب ملتا ہے۔

علامہ شیخ محمد بخیت المطیعی الحنفی مفتی الدیارالمصریۃ اپنے رسالہ "أحكام قراءة الفونوغراف" (ص:۹) میں تحریرفرماتے ہیں: **"ومتى علمت أن ما يسمع من الصندوق من ألفاظ القرآن قرآن حقيقة وهو كلام اللّٰه بلا شک وأن صدوره منه وسماعه كصدوره من الإنسان وسماعه فإذا صدرت الكلمات القرآنية من ذلک الصندوق مستوفية للشروط بدون أن يكون بها خلل وقصد من رسم مخارج تلک الكلمات فى الاسطوانات سماعها للعظة والتدبيرفلا شک فى الجواز وفى أن السماع عبادة.**

فتاویٰ بینات میں ہے:

چونکہ کیسٹ سے وہ کلام اللہ کی آواز سن رہا ہے اور اس کے دل میں کلام اللہ کی عظمت میں اضافہ ہورہا ہے اور دیگر گناہ کی چیزوں سے اپنے کانوں کو محفوظ رکھے ہوئے ہے، اس لیے اس کو ریکارڈ شدہ تلاوت سننے پر اجرو ثواب ضرور ملے گا۔ (فتاویٰ بینات، جلد چہارم، ص۴۲۲)۔

نیز ٹیپ ریکارڈ سے گانا سننے میں گناہ ہے تو تلاوت سننے میں ثواب بھی ہونا چاہئے، حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت سننے میں ثواب نہیں یہ ان کی رائے ہے ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/ ۲۲۸۔۲۳۱)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

قرآن سننے کے آداب کا تعلق ان تمام صورتوں سے ہے جن میں کسی مسلمان کے کان میں کلام الٰہی کے الفاظ پہنچ جائیں، خواہ وہ خود تلاوت کرنے والے کی زبان سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے۔ اس لیے سماعت کے آداب یعنی خاموشی اختیار کرنا اور قرآن مجید کی طرف متوجہ رہنا ٹیپ ریکارڈ سے قرآن سنتے وقت بھی ضروری ہے اور سننے والے کو چوں کہ اسی بنیاد پر اجر ملتا ہے۔ اس لیے انشاء اللہ اجر بھی ملے گا۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/ ۱۷۰)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

فصلِ ششم

تعزیت کا بیان

تعزیت کے متعلق ضروری ہدایات:

تعزیت کے فضائل:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال من عزی مصاباً فله مثل أجره. (رواه ابن ماجة:۱۱۵،باب ماجاء فی ثواب من عزی۔والترمذی:۱/۲۰۵،باب ماجاء فی اجرمن عزی،فیصل۔والبیهقی فی السنن الکبری:۲/۳۲۲/۷۳۳۹،باب مایستحب من تعزیة اهل)

ترجمہ: جو شخص مصیبت زدہ کی تعزیت کرے خدا تعالیٰ اس کو اتنا ثواب دے گا جتنا مصیبت زدہ کو (اس کے صبر کرنے پر)۔

وعن أبی برزة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال من عزی ثکلی کسی برداً فی الجنة. (رواه الترمذی:۱/۲۰۶،باب آخرفی فضل التعزیة،فیصل)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایسی عورت کی تعزیت کرے جس کا بچہ مرگیا ہو تو اس کو جنت میں چادر اڑھائی جائے گی۔

وعن عمروبن حزم رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال ما من مؤمن یعزی أخاه بمصیبة إلا کساه الله عزوجل من حلل الکرامة یوم القیامة. (رواه ابن ماجة بإسناد حسن:ص۱۱۵،باب ماجاء فی ثواب من عزی)

یعنی جو شخص مصیبت و پریشانی کے وقت اپنے بھائی کو تسلی دے اور اس کی تعزیت کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو بزرگی اور کرامت کا لباس پہنائیں گے۔

وعن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: من عزی أخاه المؤمن من مصیبة کساه الله یوم القیمة حلة خضراء یحبر بها یوم القیمة قیل: یا رسول الله ما یحبر؟ قال: یغبط. (تاریخ بغداد: ۳۹۷/۷، بیروت)

وقال الإمام النووی رح: التعزیة مشتملة علی الأمر بالمعروف والنهی عن المنکر وهی داخلة أیضا فی قول الله تعالی: ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی﴾ وهذا من أحسن ما یستدل به فی التعزیة وثبت فی الصحیح أن رسول الله ﷺ قال: والله فی عون العبد ماکان العبد فی عون أخیه.

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فی حدیث طویل أن النبی ﷺ قال لفاطمة رضی اللہ عنہا ما أخرجک یا فاطمة من بیتک؟ قالت: أتیت أهل هذا المیت فترحمت إلیهم میتهم أو عزیتهم به. (رواه أبوداؤد: ۸۹/۲، باب فی التعزیة، سعید۔ والنسائی)

وعن أبی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ وعمران بن حصین رضی اللہ عنہ عن رسول الله ﷺ قال: قال موسی علیہ السلام لربه عزوجل ما جزاء من عزی الثکلی قال: أجعله فی ظل یوم لاظل إلاظلی. (رواه ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة: ص۱۵۸، دائرة المعارف العثمانیة)

تعزیت کا مسنون طریقہ:

تعزیت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ تدفین کے بعد یا تدفین سے قبل میت کے گھر والوں کے یہاں جا کر ان کو تسلی دے ان کی دل جوئی کرے، صبر کی تلقین و ترغیب دے اور ان کے اور میت کے حق میں دعائیہ جملے کہے۔ (فتاوی رحیمیہ و کفایت المفتی)

تعزیت کی منقول دعائیں:

(۱) إن لله ما أخذ وله ما أعطی وکل شیء عنده لأجل مسمی فلتصبر ولتحتسب. (بخاری شریف: ۱۷۱/۱، باب قول النبی ﷺ یعذب المیت، قدیمی)

یعنی جو لیا وہ بھی خدا کا ہے اور جو کچھ دیا وہ بھی اس کی ملکیت ہے، ہر ایک چیز کا اس کے پاس وقت مقرر ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

(یعنی مرحوم کی زندگی متعین تھی) پس صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو۔

(۲) **اللّٰھم اغفرله وارفع درجته فی المهديين واخلفه فی عقبه فی الغابرين وغفرلنا وله يا رب العالمين وافتح له فی قبره ونورله فيه.** (مسلم شريف: ۱۰۳/۱، كتاب الجنائز)

(۳) **اللّٰھم اخلفه فی أهله وبارک له فی صفقة يمينه، قالها ثلاث مرات.** (مسند أحمد)

(۴) **أعظم الله أجرک وأحسن عزاءک وغفرلميتک.** (الأذكار للنووی: ص۱۳۶، باب التعزية، مكتبة القدس)

خدا تم کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور تمہارے صبر کا بہترین صلہ عنایت فرمائے اور آپ کی میت کی بخشش کرے۔

(۵) **إنا لله وإنا إليه راجعون ما شاء الله كان ومالايشأ لايكون غفرالله له وأسكنه جنة الفردوس وأفاض عليه شأبيب غفرانه وادعوا الله تعالىٰ أن يفرغ على قلوبكم صبراً جميلاً وعلى من فقد تم أجراً جزيلاً بلطفه ورحمته آمين بحرمة سيد المرسلين ﷺ.** (فتاوی رحیمیہ)

تعزیت بذریعۂ خط بھی مسنون ہے:

مجبوری یا دوری کی بنا پر بذاتِ خود حاضر نہ ہو سکے تو بذریعۂ خط بھی تعزیت کرے کہ یہ بھی سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کے صاحبزادے کی وفات پر تعزیتی خط لکھا تھا، وہ خط مبارک یہ ہے:

وكتب النبی ﷺ إلى معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ يعزيه فی ابن له:

"بسم الله الرحمن الرحيم: من محمد رسول الله إلى معاذ بن جبل سلام عليک فانی أحمد إليک الله الذی لا إله إلا هو، أما بعد فأعظم الله لک الأجر وألهمک الصبر ورزقنا وإياک الشكر، ان أنفسنا وأهلينا وأموالنا وأولادنا من مواهب الله عزوجل الهنيّة وعواريّة المستودعة يمتع بها إلى أجل معلوم ويقبض لوقت محدود ثم افترض علينا الشكر إذا أعطى والصبر إذا ابتلى وكان ابنک من مواهب الله الهنيّة وعواريّه المستودعة متّعک به فی غبطة وسروروقبضه منک بأجر كبير، الصلاة والرحمة والهدى، إن احتسبته فاصبر ولا يحبط جزعک أجرک فتندم، واعلم أن الجزع لايرد شيئاً ولايدفع حزناً وما هونازل فكان قد والسلام". (حلية الاولياء: ۲۴۳/۱، دارالفكر، مع المستدرك على الصحيحين: ۵۱۹۳/۳۴۱/۳، دارابن حزم).

یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاز بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کے لڑکے کی تعزیت کے بارے میں لکھا ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے معاذ بن جبل کے نام، تم پر سلامتی ہو، میں تمہارے سامنے اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، حمد وثنا کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے اور صبر کی توفیق دے اور ہمیں اور تمہیں شکر کی توفیق نصیب فرمائے، اس لئے کہ بے شک ہماری جانیں اور ہمارا مال اور ہماری بیویاں اور ہماری اولاد (سب) اللہ بزرگ وبرتر کے مبارک عطیے عاریت کے طور پر سپرد کی ہوئی چیزیں ہیں جن سے ہمیں ایک خاص مدت تک فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جاتا ہے اور مقررہ وقت پر اللہ تعالیٰ ان کو واپس لے لیتا ہے، پھر ہم پر فرض عائد کیا گیا ہے کہ جب وہ عطا کرے تو ہم شکر ادا کریں اور جب وہ آزمائش کرے (اور ان کو واپس لے لے) تو صبر کریں، تمہارا بیٹا بھی اللہ تعالیٰ کی ان خوشگوار نعمتوں اور سپرد کی ہوئی امانتوں میں سے ایک امانت تھا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے قابل رشک اور لائق مسرت صورت میں نفع پہونچایا، اور (اب) اجرِ عظیم،، رحمت ومغفرت اور ہدایت کے بدلہ اسے اٹھالیا اگر تم ثواب چاہتے ہو تو صبر کرو، کہیں تمہاری بے صبری (اور تمہارا رونا دھونا) تمہارا ثواب نہ کھودیں، پھر تمہیں پشیمانی اٹھانی پڑے اور یاد رکھو کہ رونا دھونا کوئی چیز لوٹا کر نہیں لاتا اور نہ ہی غم واندوہ کو دور کرتا ہے اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا، والسلام۔ (حصن حصین ص ۱۸۰، پانچویں منزل بروز پیر)

تسلی بخش اور عبرت خیز کلمات:

دنیا میں ہر آنے والے کو ایک دن جانا ہے یہ خدا کا اٹل فیصلہ ہے:

☆ لاتقل فیما جری کیف جری کل شیء بقضاء وقدر

جو کچھ ہوا اس کے متعلق یوں نہ کہو کہ یہ کیسے ہوا، ہر چیز قضا وقدر کے موافق ہوتی ہے۔

☆ ألا یا ساکن القصر المعلی ستدفن عن قریب فی التراب

اے اونچے محل کے رہنے والے ہوشیار ہو جا، عنقریب تو مٹی میں دفن کیا جائے گا۔

☆ لہ ملک ینادی کل یوم لِدوا للموت وابنوا للخراب

فرشتہ ہر روز پکارتا ہے کہ مرنے کے لئے بچے جنو اور اجڑنے کے لئے عمارت بناؤ۔

☆ قلیل عمرنا فی دار دنیا ومرجعنا إلی بیت التراب

ہماری عمر دنیا میں بہت تھوڑی ہے اور ہم سب کا مرجع مٹی کا گھر ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اور جب وقتِ مقرر آجاتا ہے تو کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

☆ وإذا المنية أنشبت أظفارها ألقيت كل تميمة لا تنفع

جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو کوئی تعویذ اور علاج نفع نہیں پہنچاتا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ایک بدوی نے ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تعزیت کی اور یہ اشعار کہے:

☆ اصبر تكن بک صابرين فإنما صبر الرعية بعد صبر الرأس

☆ خير من العباس أجرک بعده والله خير منک للعباس

یعنی آپ صبر کیجئے کہ ہم آپ کی وجہ سے صبر کریں اس لئے کہ بڑوں کو صبر کرتا ہوا دیکھ کر چھوٹے صبر کرتے ہیں، صبر کرنے پر آپ کو اجر ملے گا وہ آپ کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بہتر ہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خدا کا جو قرب حاصل ہوا وہ ان کے لئے آپ کی بہ نسبت زیادہ نفع بخش ہے۔

منقول ہے کہ ان اشعار سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو تسلی اور سکون قلبی حاصل ہوا۔

(ملخص از فتاوی رحیمیہ ۶/ ۳۴۱۔ ۳۴۶، تعزیت کا مسنون طریقہ اور بذریعہ خط تعزیت کرنا، مسائل شتی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:

سوال: بعض علاقوں میں کسی کے انتقال کے بعد لوگ تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں شرعاً یہ ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: تعزیت میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک تو میت کے گھر والوں کو تسلی دینا اور صبر کی تلقین وغیرہ کرنا اور دوسری یہ کہ میت کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا اور دعاءِ مغفرت کے وقت ہاتھوں کے اٹھانے کا ثبوت روایات میں ملتا ہے لہذا ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کی گنجائش ہے لیکن چونکہ تعزیت میں اکثر میت کے اہلِ خانہ کو تسلی اور صبر کی تلقین ہوتی ہے اس لئے ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے۔ ہاں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبی موسی رضی اللہ عنہ قال لما فرغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حنين بعث أبا عامر رضی اللہ عنہ على جيش إلى أوطاس فلقى دريد بن الصمة فقتل دريد وهزم أصحابه قال أبو موسى رضی اللہ عنہ وبعثنى مع أبى

عامر رضی اللہ عنہ فرماه أبو عامر فی رکبته،رماه جشمی بسهم فأثبته فی رکبته فانتهیت إلیه.....قال یا ابن أخی اقرئ النبی ﷺ السلام وقل له استغفرلی واستخلفنی أبوعامرعلی الناس فمکث یسیراً ثم مات فرجعت فدخلت علی النبی ﷺ فی بیته علی سریرمرمل وعلیه فراش قد أثررمال السریربظهره وجنبیه فأخبرته بخبرنا وخبر أبی عامروقال قل له استغفر له فدعا بماء فتوضأ ثم رفع یدیه فقال:" اللّٰهم اغفرلعبید أبی عامرورأیت بیاض ابطیه ثم قال:اللّٰهمّ اجعله یوم القیمة فوق کثیرمن خلقک ومن الناس. (رواه البخاری ۲/۶۱۹/۴۱۵۳،باب غزوة أوطاس،فیصل)

شامی میں ہے:

ولابأس بتعزیة أهله وترغیبهم فی الصبرأی تصبیرهم والدعاء لهم به،قال فی القاموس:العزاء الصبرأوحسنه وتعزی:انتسب فالمراد هنا الأول.....قال فی شرح المنیة:ویستحب التعزیة للرجال والنساء اللاتی لایفتن لقوله علیه الصلاة والسلام"من عزی أخاه بمصیبة کساه الله من حلل الکرامة یوم القیامة"رواه ابن ماجة وقوله علیه الصلاة والسلام"من عزی مصاباً فله مثل أجره"رواه الترمذی وابن ماجة،والتعزیة أن یقول:أعظم الله أجرک وأحسن عزائک وغفرلمیتک. (شامی:۲/۲۳۹،سعید کمپنی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تعزیت اورنمازِ جنازہ دونوں میں فرق:

سوال: کیاتعزیت نمازِ جنازہ سے علیحدہ ہے یانمازِ جنازہ تعزیت کے لئے کافی ہے؟

الجواب: تعزیت نمازِ جنازہ سے علیحدہ چیز ہے نمازِ جنازہ میت کاحق ہے اورتعزیت میت کے اہلِ خانہ کے لئے تسلی اورصبر کی تلقین کا نام ہے،ہاں اگر جنازہ میں میت کے رشتہ داروں سے ملاقات ہوئی اوران کی تعزیت کی تو دوبارہ تعزیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

التعزیة لصاحب المصیبة حسن کذا فی الظهیرة وروی الحسن بن زیاد إذا عزی أهل المیت مرة فلا ینبغی أن یعزیه مرة أخری کذا فی المضمرات ووقتهامن حین یموت إلی ثلاثة أیام ویکره بعدها إلاأن یکون المعزی أوالمعزی إلیه غائباً فلا بأس بها وهی بعد الدفن

Maktaba Tul Ishaat.com

أولی منها قبله هذا إذا لم یرمنهم جزع شدید فإن رؤی ذلک قدمت التعزیة. (الفتاوی الهندیه: ۱/۱۶۷)

شامی میں ہے:

وفی الإمداد: وقال کثیر من متأخری ائمتنا یکره الاجتماع عند صاحب المیت و یکره له الجلوس فی بیته حتی یأتی إلیه ،من یعزی،بل إذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشتغل الناس بأمورهم وصاحب البیت بأمره. (شامی:۲/۲۴۱،مطلب فی کراهة الضیافة من اهل المیت،سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تعزیتی جلسہ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ اگر کسی بڑی شخصیت کا انتقال ہوجائے اور بغیر کسی دن کی تعیین کے ان کے متعلقین کا اجتماع بلا لیا جائے اور اس کا مقصد اس شخصیت کے کارناموں کا بیان ہو اور ان کے اعمال واخلاق کا تذکرہ ہوتا کہ ان کے متعلقین ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان کے طریقہ کو زندہ کریں اور ایک دوسرے کی آراء سے استفادہ کریں، ہاں آسانی کی وجہ سے ایک دن معین کیا جائے لیکن وہ تعیین آسان کے لئے ہوں شریعت کا حکم سمجھ کر نہیں کیا گیا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ نیز اس اجتماع کا مقصد ان حالات کے مقابلہ کی تیاری ہوتی ہے جو کسی بزرگ کی وفات سے پیدا ہوجاتے ہیں، نیز اس اجتماع کو لازم اور ضروری یا سنت نہیں سمجھا جاتا چنانچہ نہ کرنے والوں پر کوئی نکیر نہیں ہوتی؟

الجواب: جب اجتماع کسی ایسی شخصیت کے متعلق ہو جس سے بے شمار فوائدِ دین وابستہ ہوں ان کی زندگی کا ہر پہلو قابلِ تشریح اور قابلِ تقلید ہو ان کے اعمال واخلاق کے پھیلانے کی ضرورت ہو ان کے متعلقین ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہوں ان کے مشن کو بڑھانے کی ضرورت ہو تو متعلقین کی آسانی کے لئے ایک دن مقرر ہوسکتا ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان گنت فتنوں کو دبانے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس اجتماع سے خطاب فرمایا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جمع ہوا تھا، نیز بخاری شریف کی روایت سے بھی تائید ہوتی ہے ملاحظہ ہو:

عن زیاد بن علاقة قال: سمعت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ یوم مات المغیرة بن شعبة رضی اللہ عنہ قام

فحمدالله وأثنى عليه وقال عليكم باتقاء الله وحده لا شريک له والوقار والسكينة حتى يأتيكم أمير فإنما يأتيكم الآن ثم قال: استغفروا لأميركم فإنه كان يحب العفو، الحديث. (رواه البخاری: ۱/۱٤/۵۸، باب قول النبی ﷺ الدين النصيحة، فيصل)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مقبرہ میں جوتے کے ساتھ چلنے کا حکم:

سوال: مقبرہ میں جوتے کے ساتھ چلنے کا کیا حکم ہے؟ عام کتابوں میں مکروہ لکھتے ہیں اس میں بظاہر حرج ہے۔

الجواب: مقبرہ میں جوتے کے ساتھ چلنا آداب کے خلاف ہے، البتہ اگر حرج ہو اور جوتے گندگی وآلائش وغیرہ سے صاف ہو نیز چلنے میں تکبر کا اظہار نہ ہو بلکہ قبور کا احترام کرتے ہوئے تواضع وانکساری کے ساتھ چلے تو اس کی گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو بذل المجہود میں ہے:

عن بشير مولى رسول الله ﷺ.....بينما أنا أماشي مع رسول الله ﷺ.....ثم مر بقبور المسلمين.....فإذا رجل لم أقف على تسميته يمشي في القبور عليه نعلان فقال يا صاحب السبتيتين ويحك ألق سبتيتيك فنظر الرجل فلما عرف رسول الله ﷺ خلعهما فرما بهما .....وأمره بالخلع احتراماً بالنعال بين القبور قلت: لايتم ذلك إلا على بعض الوجوه المذكورة. (بذل المجهود: ٤/٢١٣)

آنحضور ﷺ کے زمانہ میں بال اترے ہوئے جوتے فیشن ایبل سمجھے جاتے تھے تو حدیث میں اس بات کی تلقین ہے کہ مقبرہ میں تواضع کی ہیئت اختیار کرے تکبر والی چیزوں سے اجتناب کرے اس لئے موجودہ زمانہ میں صاف بغیر بالوں کے جوتے عام استعمال کی چیز ہے لہذا مقبرہ میں اس کا استعمال کرنا درست ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

والمشي في المقابر بنعلين لايكره عندنا كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ۱/۱٦۷، الفصل السادس في القبور والدفن)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

قبروں پر جوتے پہن کر یا بغیر پہنے ہوئے چلنا سخت ممنوع اور مکروہ ہے، مگر جس جگہ پر قبر نہیں خالی جگہ ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

تو جوتے پہن کر چلنے میں کوئی حرج نہیں بلا کراہت جائز ہے، عالمگیری میں ہے: والمشی فی القبور لایکرہ عندنا۔ ہاں احتیاط رکھے بالخصوص قبر کے پاس فاتحہ خوانی کے وقت جوتے اتار دے تو بہتر ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۳/ ۹۷، کتاب الجنائز)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خواتین کے لئے زیارتِ قبور کا حکم:

سوال: احناف اور شوافع کے یہاں عورتوں کا قبروں پر جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث اور فقہاء کے کلام کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو قبرستان جانے کی اجازت ہے، ہاں فتنہ، شرک اور بدعت وغیرہ مفاسد کا اندیشہ ہو تو اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو احادیث کی روشنی میں:

(۱) أخرج ابن عبد البر فی التمهید عن عبدالله بن أبی ملیکة وکذا الحاکم فی المستدرک عنه "أن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها أقبلت ذات یوم من المقابر فقلت لها: یا أم المؤمنین من أین أقبلت؟ قالت من قبر أخی عبد الرحمن بن أبی بکر رضی اللہ عنہ فقلت لها: "أليس کان رسول الله ﷺ نهی عن زیارة القبور؟ قلت: نعم، کان ینهی عن زیارتها. ثم أمر بزیارتها.

(التمهید لإبن عبد البر: ۳/ ۲۳۳، مکتبة المؤید۔ والمستدرك للحاکم: ۱/ ۴۹۵ / ۱۳۹۲، وقال الذهبی: صحیح)

وأخرجه ابن عبد البر بطریق آخر عن ابن أبی ملیکة یقول: رکبت عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها فخرج إلینا غلامها، فقلت: أین ذهبت أم المؤمنین؟ قال: ذهبت إلی قبر أخیها. (التمهید: ۳/ ۲۳۵)

(۲) وأخرج الترمذی فی الجنائز عن عبدالله بن أبی ملیکة قال: توفی عبد الرحمن بن أبی بکر رضی اللہ عنہ بالحبشی قال: فحمل إلی مکة فدفن بها، فلما قدمت عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها أتت قبر عبد الرحمن بن أبی بکر رضی اللہ عنہ فقالت:

وکنا کندمانی جذیمة حقبة الدهر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کأنی ومالکا لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

إلی آخر الحدیث. (ترمذی شریف: ۱/ ۲۰۳)

(۳) وأخرج مسلم أیضاً فی الجنائز عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: کیف أقول لهم

یارسول اللہ؟ قال:قولی:"السلام علی أهل الدیارمن المؤمنین والمسلمین،ویرحم الله المستقدمین منا والمستأخرین،وإنا إنشاء الله بکم لاحقون.(مسلم شریف:۱/۳۱٤)

(۴)وأخرج سعد فی الطبقات الکبری قال:أخبرنا موسی بن داؤد سمعت مالک بن أنسؒ یقول:قسم بیت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها باثنین:قسم کان القبر، وقسم کان تکون فیه عائشةرضی اللہ تعالیٰ عنها،وبینهما حائط،فکانت عائشةرضی اللہ تعالیٰ عنهاربما دخلت حیث القبرفضلاً،فلما دفن عمر ﷺ لم تدخل إلاوهی جامعة علیها ثیابها.(طبقات ابن سعد: ۲/۲۲٤، دارالکتب العلمیة ،بیروت،فصل ذکرحفر قبررسول اللہﷺ)

(۵)وفی الطبقات الکبری أیضاً قال:أنا عبد الله بن نمیرقال:أنازیاد بن المنذرعن أبی جعفرقال:کانت فاطمةرضی اللہ تعالیٰ عنهاتأتی قبرحمزةﷺ ترمه و تصلحه.(الطبقات الکبری لابن سعد:۳/۱۳،طبقات البدریّین من المهاجرین ذکرالطبقة الاولی حمزة بن عبد المطلب)

(٦)وفی التمهید لابن عبد البرعن جعفربن محمد،قال:کانت فاطمة بنت رسول اللہﷺ تزورقبرحمزة بن عبد المطلب ﷺ کل جمعة،وعلمته بصخرة. (التمهید لإبن عبد البر: ۳/۲۳٤)

(۷)أخرج البخاری بسنده عن أنس بن مالکﷺقال مرالنبیﷺ بامرأة تبکی عند قبر فقال:اتقی الله واصبری قالت:إلیک عنّی فإنک لم تصب بمصیبتی..... (رواه البخاری: ۱/۱۷۱)

قال الحافظ فی الفتح بعد ذکرمذاهب العلماء فی هذا الباب:

ویؤید الجوازحدیث الباب،وموضع الدلالة منه أنه لم ینکرعلی المرأة قعودها عند القبر،وتقریره حجة.(فتح الباری:۳/۱٤۸)

(۸)أخرج ابن ماجة عن أبی هریرةﷺأن النبی ﷺکان فی جنازة فرأی عمرامرأةً فصاح بها فقال النبیﷺ دعها یاعمر.....(ابن ماجة:۱/۱۱٤،جنائز)

فقہاء کی عبارتیں ملاحظہ ہوں: درمختار میں ہے:

لابأس.....بتعزیة أهله.....و بزیارة القبورولوللنساء لحدیث"کنت نهیتکم عن زیارة

Maktaba Tul Ishaat.com

القبور ألا فزورها". طحطاوی میں ہے:

قوله ولو للنساء.....وقيل تحريم عليهن والأصح أن الرخصة ثابتة لهن،بحر. (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۳۸۳،کوئته)

شامی میں ہے:

وقال الخير الرملی:ان كان لتجديد الحزن والبكاء والندب على ماجرت به عادتهن فلا تجوز، وعليه حمل حديث لعن الله زائرات القبور،وان كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرک لزيارة قبور الصالحين فلا بأس إذاكن عجائز، ويكره إذاكن شواب كحضور الجماعة فی المساجد. (شامی:۱/۲۴۲،سعید).

مبسوط میں ہے:

وعن بريدة رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال:نهيتكم عن ثلاث:عن زيارة القبور، فزوروها،فقد اذن لمحمد فی زيارة قبر أمه،ولا تقولوا هجرا، وعن لحم الأضاحی فوق ثلاثة أيام،فأمسكوه ما بدالكم وتزوّدوا،فإنما نهيتكم ليتسع به موسركم على معسركم،وعن النبيذ فی الدباء والحنتم والمزفت،فاشربوا فی كل ظرف،فإن الظرف لايحل شيئاً ولايحرمه، ولا تشربوا مسكراً.....ومن العلماء من يقول:الإذن للرجال،دون النساء،والنساء يمنعن من الخروج إلى المقابر لما روی أن فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنها خرجت فی تعزية لبعض الأنصار.....لعلک أتيت المقابر قالت لا.....،والأصح أن الرخصة ثابتة فی حق الرجال والنساء جميعاً.فقد روی أن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها كانت تزور قبر رسول الله ﷺ فی كل وقت وانها لما خرجت حاجة زارت قبر أخيها عبد الرحمن رضی اللہ عنہ،وانشدت عند القبر قول القائل:وكنا كندمانی.....الخ. (المبسوط:۱۰/۲۴، الاشربة،ادارة القرآن)

البحرالرائق میں ہے:

ولم يتكلم المصنف رحمہ اللہ علی زيارة القبور،ولابأس ببيانه تكميلاً للفائدة.....وصرح فی المجتبى بأنها مندوبة،وقيل:تحرم على النساء والأصح أن الرخصة ثابتة لهما..... (البحر الرائق:۲/۱۹۵،کوئته)

مراقی الفلاح میں ہے:

ندب زیارتها من غیر أن یطأ القبور للنساء والرجال، وقیل تحرم علی النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة للرجال والنساء، لأن السیّدة فاطمة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها کانت تزور قبر حمزة رضی اللہ عنہ کل جمعة، وکانت عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها تزور قبر أخیها عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بمکة، کذا ذکره البدر العینیؒ فی شرح البخاری. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ٦٢٠، قدیمی)

اشکال اور جواب:

اشکال: اس مسئلہ پر اشکال یہ ہے کہ حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

لعن رسول اللہ ﷺ زائرات القبور. (ابو داؤد: ١/٤٦١)

وفی روایة: لعن رسول اللہ ﷺ زوّارات القبور. (ابن ماجة: ١/١١٣)۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: پہلی روایت یعنی "زائرات القبور" پر بہت کلام ہے اور دوسری روایت یعنی "لعن رسول اللہ ﷺ زوّارات القبور." صحیح ہے لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ بہت زیادہ جانا ممنوع ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو یا دیگر مفاسد ہوں مثلاً نوحہ وغیرہ تو جائز نہیں ہے ورنہ نفسِ جواز مذکورہ بالا روایات کے پیشِ نظر ثابت ہے۔

شیخ البانیؒ نے احکام الجنائز میں مذکورہ بالا روایت پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

لایجوز لهن الإکثار من زیارة القبور والتردد علیها لأن ذالک قد یفضی بهن إلی مخالفة الشریعة، من مثل الصیاح والتبرج واتخاذ القبور مجالس للنزهة وتضییع الوقت فی الکلام الفارغ کما هو مشاهد الیوم فی بعض البلاد الإسلامیة وهذا هو المراد إن شاء اللہ بالحدیث المشهور: لعن رسول اللہ وفی لفظ: لعن اللہ زوّارات القبور.

وقد روی عن جماعة من الصحابة: أبو هریرة رضی اللہ عنہ، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، وعبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ.

(١) أما حدیث أبی هریرة رضی اللہ عنہ فهو من طریق عمر بن أبی سلمة عن أبیه عنه، أخرجه الترمذی، وابن ماجة، وابن حبان، والبیهقی، والطیالسی، وأحمد، واللفظ الآخر للطیالسی والبیهقی، وقال الترمذی: حدیث حسن صحیح وقد رأی بعض أهل العلم أن هذا کان قبل

Maktaba Tul Ishaat.com

أن يرخص النبی ﷺ في زيارة القبور ، فلما رخص دخل فی رخصته الرجال والنساء، و قال بعضهم: إنماكره زيارة القبورفی النساء لقلة صبرهن وكثرة جزعهن.

قلت:ورجال إسناد الحديث ثقات كلهم.غيرأن فی عمربن أبی سلمةكلاماً لعل حديثه لاينزل به عن مرتبة الحسن،لكن حديثه هذا صحيح لما له من الشواهد الآتية:

(۲) وأما حديث حسان بن ثابت رضی الله عنه فهومن طريق عبد الرحمن بن بهمان عن عبد الرحمن بن ثابت عن أبيه به.أخرجه ابن أبی شيبة،وابن ماجة،والحاكم،والبيهقی، وأحمد، وقال البوصيری فی الزوائد:إسناده صحيح رجاله ثقات،كذا قال:وابن بهمان هذا لم يوثقه غيرابن حبان،والعجلی وهما معروفان بالتساهل فی التوثيق،وقال ابن المدينی فيه: لانعرفه، ولذا قال الحافظ فی التقريب:مقبول يعنی عند المتابعة،ولم أجد له متابعاً،لكن الشاهد الذی قبله وبعده فی حكم المتابعة:فالحديث مقبول.

(۳)وأماحديث ابن عباس رضی الله عنه فهومن طريق أبی صالح عنه باللفظ الأول إلا أنه قال: زائرات القبوروفی رواية زوّارات،أخرجه ابن أبی شيبة ،وأصحاب السنن الأربعة،وابن حبان، و الحاكم، والبيهقی، والطيالسی، والرواية الأخرى لهما وأحمد، وقال الترمذی: حديث حسن. وأبوصالح هذا مولى أم هانی بنت أبی طالب واسمه: باذان ويقال باذام .

قلت: وهو ضعيف بل اتهمه بعضهم وقد أوردت حديثه فی "سلسلة الأحاديث الضعيفة" لزيادة تفرد بها فيه، و ذكرت بعض أقوال الأئمة فی حاله فيراجع ، قد تبين من تخريج الحديث أن المحفوظ فيه إنما هوبلفظ زوّارات لاتفاق حديث أبی هريرة رضی الله عنه و حسان رضی الله عنه عليه، وكذا حديث ابن عباس رضی الله عنه فی رواية الأكثرين على ما فيه من ضعف فهی إن لم تصلح للشهادة فلاتضر،كما لايضرفی الاتفاق المذكورالرواية الأخرى من حديث ابن عباس رضی الله عنه كما هوظاهر،وإذاكان الأمر كذلک فهذه اللفظ:"زوّارات"إنما يدل على لعن النساء اللاتی يكثرن الزيادة بخلاف غيرهن فلايشملهن اللعنة،فلا يجوزحينئذ أن يعارض بهذا الحديث ما سبق من الأحاديث الدالة على استحباب الزيارة للنساء،لأنه خاص وتلک عامة ، فيعمل كل منهما فی محله،فهذا الجمع أولى من دعوى النسخ وإلى نحوما ذكرنا

ذهب جماعة من العلماء،فقال القرطبی:اللعن المذکورفی الحدیث إنما هو للمکثرات من الزیارة لما تقتضیه الصیغة من المبالغة ، و لعل السبب ما یفضی إلیه ذلک من تضییع حق الزوج والتبرج، وما ینشأ من الصیاح ونحوذلک وقد یقال:إذا أمن جمیع ذلک فلا مانع من الإذن لهن، لأن تذکر الموت یحتاج إلیه الرجال والنساء .

قال الشوکانی فی نیل الأوطار: وهذا الکلام هوالذی ینبغی اعتماده فی الجمع بین أحادیث الباب المتعارضة فی الظاهر. (أحکام الجنائز للشیخ الألبانی: ص۱٤۸)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

فصلِ ہفتم

شہید کے احکام کا بیان

ظلماً قتل کیا جاوے وہ شہید ہے:

سوال: کسی مسلمان کو اگر غیر مسلم دکان وغیرہ میں قتل کردے تو شہید کے حکم میں ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ظلماً قتل کیا جانے والا مسلمان شہید ہے یعنی اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے، لہٰذا اس کو غسل نہیں دیا جائے گا اور اسی خون آلودہ کپڑوں میں دفن کیا جائے گا۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولو نزل عليه اللصوص ليلاً في المصر فقتل بسلاح أو غيره أو قتله قطاع الطريق خارج المصر بسلاح أو غيره فهو شهيد لأن القتيل لم يخلف في هذه المواضع بدلاً هو مال ولو قتل في المصر نهاراً بسلاح ظلماً بأن قتل بحديدة أو مايشبه الحديدة كالنحاس والصفر وما أشبه ذلك، أو مايعمل عمل الحديدة من جرح أو قطع أو طعن بأن قتله بزجاجة أو بليطة قصب أو طعنه برمح لازج له أو رماه بنشابة لانصل لها أو أحرقه بالنار وفي الجملة كل قتل يتعلق به وجوب القصاص فالقتيل شهيد . (بدائع الصنائع: ۳۲۱/۱، فصل فی الشهید، سعید)

درمختار میں ہے:

وهو كل مسلم طاهر .....قتل ظلماً بغير حق بجارحة أي بمايوجب القصاص ولم يجب بنفس القتل المال بل قصاص حتى لو وجب المال بعارض كالصلح أو قتل الأب ابنه

لاتسقط الشهادة. (الدرالمختار:۲/۲۴۷۔والشامی:۲/۲۵۰،سعید۔وکذافی الفتاوی الهندیة:۱/۱۶۷،الفصل السابع فی الشهید۔وفتاوی محمودیه:۹/۲۹۵،باب احکام الشهید)

بہشتی زیور میں ہے: شہید کے جو احکام یہاں بیان کرنا مقصود ہیں وہ اس شہید کے ساتھ خاص ہیں جس میں یہ شرائط پائی جائیں:

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) مکلّف یعنی عاقل بالغ ہونا۔

(۳) حدث اکبر سے پاک ہونا۔

(۴) بے گناہ مقتول ہونا۔

(۵) آلہ جارحہ کے ساتھ مارا گیا ہو۔

(۶) اس قتل کی سزا میں ابتداءً شریعت کی طرف سے کوئی مالی عوض نہ مقرر ہو بلکہ قصاص واجب ہوا ہو،

(۷) بعد زخم لگنے کے پھر کوئی امرِ راحت وتمتعِ زندگی مثل کھانے پینے سونے دوا کرنے وغیرہ کے اس سے وقوع میں نہ آئے اور نہ بمقدار وقت ایک نماز کے اس کی زندگی حالتِ ہوش وحواس میں گذرے۔

جس شہید میں یہ سب شرائط پائی جائیں اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہ دیا جائے اور اس کا خون جسم سے زائل نہ کیا جائے اسی طرح اس کو دفن کردیں، دوسرا حکم یہ ہے کہ جو کپڑے پہنے ہوئے ہو ان کپڑوں کو اس کے جسم سے نہ اتاریں، ہاں اگر اس کے کپڑے عدد مسنون سے کم ہوں تو عدد مسنون کے پورا کرنے کے لئے اور کپڑے زیادہ کردئے جائیں، اسی طرح زائد کپڑے اتار لئے جائیں.....اگر کسی شہید میں ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جاوے تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور مثل دوسرے مردوں کے نیا کفن بھی پہنایا جاوے گا۔(بہشتی زیور گیارہواں حصہ:ص۱۰۰، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سنامی میں شہید ہونے والوں کا حکم:

سوال: سنامی میں جو لوگ شہید ہوئے بعض لوگ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی حدیث اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث "عصفور من عصافیر الجنة" سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو شہداء نہیں کہنا چاہئے کیا یہ صحیح ہے؟ ان کو شہداء کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

Maktaba Tul Ishaat.com

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سنامی میں انتقال کرنے والوں کو شہداء کہنا صحیح اور درست ہے، کیوں کہ غریق بھی شہید کے اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی هريرة ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: الشهداء خمس المطعون والمبطون الغريق وصاحب الهدم والشهيد فی سبيل الله. (رواه الترمذی: ۱/۲۰٤، باب كاجاء فی الشهداء من هم، فيصل)

ہاں قطعی فیصلہ بغیر وحی کے نہیں ہوسکتا اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے قطعی فیصلہ کرنے والوں پر تنبیہ فرمائی البتہ ان شاء اللہ کے ساتھ شہید کہنے میں کوئی حرج نہیں لہذا اب ان دونوں احادیث کی وجہ سے کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔

حضرت عثمان بن مظعون ﷺ والی روایت ملاحظہ ہو:

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن شهاب قال: أخبرنی خارجة بن زيدبن ثابت ﷺ أن أم العلاء امرأة من الأنصار رضی الله تعالیٰ عنها بايعت رسول الله ﷺ أخبرته أنهم اقتسموا المهاجرين قرعة قالت: فطار لنا عثمان بن مظعون ﷺ وأنزلناه فی أبياتنا فوجع وجعة الذی توفی فيه فلما توفی غسل وكفن فی أثوابه دخل رسول الله ﷺ قالت: فقلت رحمة الله عليک أباالسائب فشهادتی عليک لقد أكرمک الله فقال رسول الله ﷺ وما يدريک أن الله أكرمه فقلت: بأبی أنت يارسول الله فمن يكرمه الله فقال رسول الله ﷺ: أما هوفوالله جاء ه اليقين والله إنی لأرجوله الخير ووالله ماأدری وأنارسول الله ماذا يفعل بی فقالت: والله لاأزكی بعده أحداً أبداً. (رواه البخاری: ۲/۳۷ ۱۰/۶۷۳۳، باب رؤيا النساء)

حدیث **"عصفور من عصافير الجنة"** ملاحظہ ہو:

عن عائشة أم المؤمنين رضی الله تعالیٰ عنها قالت: دعی رسول الله ﷺ إلی جنازة صبی من الأنصار فقلت: يارسول الله طوبیٰ لهذا عصفور من عصافير الجنة لم يعمل السوء ولم يدركه قال: أوغيرذلک ياعائشة إن الله خلق للجنة أهلاً خلقهم لها وهم فی أصلاب آباء هم فخلق للنار أهلاً خلقهم لها وهم فی أصلاب آباء هم. (رواه مسلم: ۲/۳۳۷) ۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نامعلوم ظالم کے ہاتھ سے شہید ہونے والے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص کسی نامعلوم ظالم کے ہاتھ سے شہید ہوجائے تو اس کو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: نامعلوم ظالم کے ہاتھ سے قتل ہونے والا شخص شہید کے حکم میں لہذا اس پر شہداء کے احکام جاری ہوں گے یعنی حنفیہ کے ہاں غسل نہیں دیا جائے گا۔ مبسوط میں ہے:

ومن صار مقتولاً من جهة قطاع الطريق لم يغسل أيضاً لأنه قتل دافعاً عن ماله وقد قال ﷺ: "**من قتل دون ماله فهو شهيد**" **فلهذا لايغسل**. (المبسوط:۲/۵۲،باب الشهيد،ادارة القرآن)

ہدایہ میں ہے:

ومن قتله أهل حرب أوأهل البغى أوقطاع الطريق فبأى شيء قتلوه لم يغسل لأن شهداء أحد ماكان كلهم قتيل السيف والسلاح. (الهداية:۱/۱۸۳،باب الشهيد،شركة علمية۔ودررالحكام شرح غررالاحكام:۱/۱۶۹،باب الشهيد)

بہشتی زیور میں ہے: شہید کے جو احکام یہاں بیان کرنا مقصود ہیں وہ اس شہید کے ساتھ خاص ہیں جس میں یہ شرائط پائی جائیں:

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) مکلّف یعنی عاقل بالغ ہونا۔

(۳) حدثِ اکبر سے پاک ہونا۔

(۴) بے گناہ مقتول ہونا۔

(۵) آلہ جارحہ کے ساتھ مارا گیا ہو۔

(۶) اس قتل کی سزا میں ابتداءً شریعت کی طرف سے کوئی مالی عوض نہ مقرر ہو بلکہ قصاص واجب ہوا ہو،

(۷) بعد زخم لگنے کے پھر کوئی امرِ راحت وتمتعِ زندگی مثل کھانے پینے سونے دوا کرنے وغیرہ کے اس سے وقوع میں نہ آئے اور نہ بمقدار وقت ایک نماز کے اس کی زندگی حالتِ ہوش وحواس میں گذرے۔

جس شہید میں یہ سب شرائط پائی جائیں اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہ دیا جائے اور اس کا خون جسم سے زائل نہ کیا جائے اسی طرح اس کو دفن کردیں، دوسرا حکم یہ ہے کہ جو کپڑے پہنے ہوئے ہوان کپڑوں کو اس کے جسم سے نہ اتاریں، ہاں اگر اس کے کپڑے عدد مسنون سے کم ہوں تو عدد مسنون کے پورا کرنے کے لئے اور کپڑے

Maktaba Tul Ishaat.com

زیادہ کردئے جائیں، اسی طرح زائد کپڑے اتار لئے جائیں.....اگر کسی شہید میں ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جاوے تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور مثل دوسرے مردوں کے نیا کفن بھی پہنایا جاوے گا۔ (بہشتی زیور گیارہواں حصہ: ص ۱۰۰، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اقسامِ شہداء:

سوال: شہداء کی کتنی قسمیں ہیں اور کون کون سی؟

جواب: شہداء کی بہت ساری قسمیں ہیں علامہ سیوطیؒ نے مستقل رسالہ "أبواب السعادة في أسباب الشهادة" تحریر فرمایا ہے جس میں ۴۵ سے زیادہ اقسام بیان فرمائی ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ لکھنویؒ "التعليق الممجد" میں فرماتے ہیں:

قد ورد في الأخبار عدد كثير لمن يجد ثواب الشهادة فمن ذلك: (۱) المقاتل المجاهد وهو أعلى الشهداء (۲) والمطعون (۳) والمبطون (۴) والغريق (۵) وصاحب ذات الجنب (۶) والحريق (۷) والتي تموت بجُمع (۸) والذي يموت بهدم (۹) ومن يقصد الشهادة ويعزم عليه ولا يتفق له ذلك كما هو ثابت في حديثي الباب (۱۰) وصاحب السُّل أخرجه أحمد من حديث راشد بن خنيس والطبراني من حديث سلمان ﷺ (۱۱) والغريب أي المسافر بأي مرض مات أخرجه ابن ماجة من حديث ابن عباس ﷺ والبيهقي في الشعب من حديث أبي هريرة ﷺ والدارقطني من حديث ابن عمر ﷺ والصابوني في المأتين من حديث جابر ﷺ والطبراني من حديث عنترة ﷺ (۱۲) و صاحب الحمى أخرجه الديلمي من حديث أنس ﷺ (۱۳) واللديغ (۱۴) والشريق (۱۵) والذي يفترسه السبع (۱۶) والخارعن دابته رواها الطبراني من حديث ابن عباس ﷺ (۱۷) والمتردي أخرجه الطبراني من حديث ابن مسعود ﷺ (۱۸) والميت على فراشه في سبيل الله من حديث أبي هريرة ﷺ (۱۹) والمقتول دون ماله (۲۰) والمقتول دون دينه (۲۱) والمقتول دون دمه (۲۲) والمقتول دون أهله أخرجه أصحاب السنن من حديث سعيد بن زيد ﷺ (۲۳) أو دون مظلمته أخرجه أحمد من حديث ابن عباس ﷺ (۲۴) والميت في السجن وقد حبس ظلماً رواه ابن مندة من حديث

علی ﷺ(۲۵)والمیت عشقاً وقد عف وکتم أخرجه الدیلمی من حدیث ابن عباس ﷺ(۲۶)والمیت وهو طالب العلم أخرجه البزار من حدیث أبی ذر ﷺ وأبی هریرة ﷺ(۲۷)والمرأة فی حملها إلی وضعها إلی فصالها ماتت بین ذلک أخرجه أبو نعیم من حدیث ابن عمر ﷺ(۲۸)والصابر القائم ببلد وقع به الطاعون أخرجه أحمد من حدیث جابر ﷺ(۲۹)والمرابط فی سبیل الله(۳۰)ومن قتل بأمره الإمام الجائر بالمعروف ونهیه عن المنکر(۳۱) ومن صبر من النساء علی الغیرة أخرجه البزار والطبرانی من حدیث ابن مسعود ﷺ(۳۲)ومن قال کل یوم خمساً وعشرین مرة "اللّٰهم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت" أخرجه الطبرانی من حدیث عائشة رضی الله تعالیٰ عنها(۳۳)ومن صلی الضحی وصام ثلاث أیام من الشهر ولم یترک الوتر فی السفر ولا الحضر أخرجه الطبرانی من حدیث ابن عمر ﷺ(۳۴)والمتمسک بالسنة عند فساد الأمة أخرجه الطبرانی من حدیث أبی هریرة ﷺ (۳۵)والتاجر الأمین الصدوق أخرجه الحاکم من حدیث ابن عمر ﷺ(۳۶)ومن دعا فی مرضه أربعین مرة "لاإله إلاأنت سبحانک إنی کنت من الظالمین" ثم مات أخرجه الحاکم من حدیث سعد ﷺ(۳۷)وجالب طعام إلی بلد أخرجه الدیلمی من حدیث ابن مسعود ﷺ (۳۸)والمؤذن المحتسب،أخرجه الطبرانی من حدیث ابن عمر ﷺ(۳۹)ومن سعی علی امرته أوماملکت یمینه یقیم فیهم أمر اللّٰه ویطعمهم من الحلال(۴۰) ومن اغتسل بالثلج فأصابه برد(۴۱)ومن صلی علی النبی ﷺ مأة مرة،أخرجه الأول ابن أبی شیبة فی المصنف عن الحسن والثانی الطبرانی فی الأوسط من حدیث أنس ﷺ(۴۲)من قال حین یصبح ویمسی"اللّٰهم إنی أشهدک انک أنت اللّٰه الذی لاإله إلا أنت وحدک لاشریک لک وأن محمداً عبدک ورسولک أبوء بنعمتک علیّ وأبوء بذنبی فاغفرلی انه لایغفر الذنوب غیرک" أخرجه الأصبهانی من حدیث حذیفة ﷺ(۴۳)ومن قال حین یصبح ثلاث مرات أعوذ باللّٰه السمیع العلیم من الشیطان الرجیم ویقرأ ثلاث آیات من سورة الحشر أخرجه الترمذی من حدیث معقل ﷺ(۴۴)ومن مات یوم الجمعة أخرجه حمید بن منجویه من حدیث رجل من الصحابة(۴۵)ومن طلب الشهادة صادقاً أخرجه مسلم فهذه

Maktaba Tul Ishaat.com

خمسة وأربعون ورد فيهم أن لهم أجر الشهداء وقد ساق الأخبار الواردة فيها السيوطيؒ في رسالته "أبواب السعادة في أسبا ب الشهادة" مع زيادة. (التعليق الممجد على مؤطا امام محمد مع تحقيق الدكتور تقي الدين ندوي: ۲/۸۹، ۹۰، ۹۱، باب ما يكون من الموت شهادة، دارالسنة والسيرة بدمشق ـ وكذافي مظاهر حق جديد: ۲/۳۸، دارالاشاعت ـ ودليل الفالحين: ٤/١٥٧، باب بيان جماعة من الشهداء في ثواب الآخرة ويغسلون ـ والشامي: ۲/۲۵۲، مطلب في تعداد الشهداء، سعيد)

اضافہ کے ساتھ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) راہِ خدا میں جس کو قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔

(۲) طاعون کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔

(۳) پیٹ کی بیماری میں یعنی دست اور استسقاء میں مرجانے والا شہید ہے۔

(۴) پانی میں بے اختیار ڈوب کر مرجانے والا شہید ہے۔

(۵) نمونیہ کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔

(۶) جل کر مرنے والا شہید ہے۔

(۷) کنواری یا حالتِ حمل میں مرجانے والی عورت شہید ہے۔

(۸) دیوار یا چھت کے نیچے دب کر مرجانے والا شہید ہے۔

(۹) اور جسے شہادت کی پرخلوص تمنا اور لگن ہو مگر شہادت کا موقع اسے نصیب نہ ہوا اور اس کا وقت پورا ہوجائے اور شہادت کی تمنا دل میں لئے دنیا سے رخصت ہوجائے وہ شہید ہے۔

(۱۰) دِق "ٹی بی" کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔

(۱۱) حالتِ سفر میں مرنے والا شہید ہے۔

(۱۲) بخار میں مرنے والا شہید ہے۔

(۱۳) جو زہریلے جانور کے کاٹنے سے مرجائے وہ شہید ہے۔

(۱۴) گلے میں پانی پھنس جانے اور دم گھٹ جانے کی وجہ سے مرجائے وہ شہید ہے۔

(۱۵) درندوں یعنی شیر وغیرہ کا لقمہ بن جانے والا شہید ہے۔

(۱۶) سفر جہاد میں سواری سے گر کر مرجانے والا شہید ہے۔

(۱۷) جس شخص کو گھوڑا یا اونٹ کچل اور روند ڈالے اور وہ مرجائے یعنی کسی حادثہ میں مرجائے جیسے کار کا حادثہ، ہوائی جہاز کا حادثہ وغیرہ وغیرہ وہ شہید ہے۔

(۱۸) دورانِ جہاد اپنی موت مرجانے والا شہید ہے۔

(۱۹۔۲۳) اپنے مال، اپنے دین، اپنے خون، اپنے اہل وعیال، اور حق کی خاطر قتل کیا جانے والا شہید ہے۔

(۲۴) جس شخص کو حاکمِ وقت ظلم وتشدد کے طور پر قید خانہ میں ڈال دے اور وہ وہیں مرجائے وہ شہید ہے۔

(۲۵) پاکباز اور پرہیزگار عاشق جس نے اپنے عشق کو چھپایا اور اسی حال میں اس کا انتقال ہوگیا وہ شہید ہے۔

(۲۶) طلبِ علم میں مرنے والا شہید ہے، اور طلب علم میں مرنے والے سے وہ شخص مراد ہے جو حصول علم اور درس وتدریس میں مشغول ہو، یا تصنیف وتالیف میں مصروف ہو، یا کسی علمی مجالس میں حاضر ہو۔

(۲۷) جو عورت حاملہ ہونے کے بعد سے بچے کی پیدائش تک، یا بچہ کا دودھ چھڑانے تک مرجائے وہ شہید ہے،

(۲۸) کسی شہر میں طاعون پھیل جائے اس وقت اسی شہر میں صبر کرکے ٹھہر جائے وہ شہید ہے۔

(۲۹) اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کے دوران مرجانے والا شہید ہے۔

(۳۰) جو شخص ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہوکر اسے اچھا اور نیک کام کرنے کا حکم دے اور برے کام سے روکے اور وہ حاکم اس شخص کو مار ڈالے تو وہ شہید ہے۔

(۳۱) جس عورت نے اپنی سوکن کی موجودگی میں صبر وضبط سے کام لیا اسے شہید کا ثواب ملے گا۔

(۳۲) جو شخص روزانہ یہ دعا "اللّٰھم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت" پچیس مرتبہ پڑھے گا اور اپنی فطری موت مرے گا اس کو اللہ تعالیٰ شہید کا ثواب عنایت فرمائیں گے۔

(۳۳) جو شخص اشراق اور چاشت کی نماز کا اہتمام کرے اور مہینہ میں تین روزے رکھے، اور حالتِ سفر وحضر میں وِتر کی نماز نہ چھوڑے اس کے لئے شہید کا اجر لکھا جاتا ہے۔

(۳۴) جب امت میں اعتقادی اور عملی گمراہی پھیل جائے اس وقت سنت پر مضبوطی سے قائم رہنے

Maktaba Tul Ishaat.com

والا شہید ہے۔

(۳۵) سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

(۳۶) جو مسلمان اپنے مرض میں حضرت یونس علیہ السلام کی یہ دعا "لا إلـه إلا أنت سبحانک إنی کنت من الظالمین" چالیس مرتبہ پڑھے اور اسی مرض میں مرجائے تو اسے شہید کا ثواب دیا جاتا ہے۔

(۳۷) جو شخص مسلمانوں کے لئے غلہ فراہم کرے وہ شہید ہے۔

(۳۸) بلا اجرت صرف رضائے الٰہی کی خاطر اذان دینے والا مؤذن۔

(۳۹) جو شخص اپنے اہل وعیال اور اپنے غلام باندی کے لئے کمائے وہ شہید ہے۔

(۴۰) برف سے غسل کرنے کی وجہ سے سردی نے مار ڈالا ہو وہ شہید ہے۔

(۴۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار اپنی رحمت نازل فرماتے ہیں، جو شخص مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر سو مرتبہ اپنی رحمت نازل فرماتے ہیں، اور جو شخص مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان براءت یعنی نفاق اور آگ سے نجات لکھ دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ رکھے گا۔

(۴۲) جو شخص صبح وشام یہ دعا پڑھے "اللّٰهم إنی أشهدک انک أنت اللّٰـه الذی لاإله إلا أنت وحدک لا شریک لک وأن محمداً عبدک ورسولک أبوء بنعمتک علیّ وأبوء بذنبی فاغفرلی انه لایغفر الذنوب غیرک" وہ شہید ہے۔

(۴۳) جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ "أعوذ بالله السمیع العلیم من الشیطان الرجیم" اور سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے مقرر کرتے ہیں اور فرشتے اس کے لئے شام تک بخشش کی دعا کرتے ہیں اور وہ شخص اگر اس دن مرجاتا ہے تو اس کی موت شہید کی موت ہوتی ہے، اور جو شخص شام کو یہ آیتیں پڑھتا ہے وہ بھی اسی اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

(۴۴) جو شخص جمعہ کی شب میں مرجاتا ہے وہ شہید ہے۔

(۴۵) جو شخص سچے دل سے شہادت طلب کرے اور مرجائے تو وہ شہید ہے۔

(۴۶) منقول ہے کہ جو شخص مرگی کے مرض میں مرجاتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔

(۴۷) جو شخص حج اور عمرہ کے دوران مرجاتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔

(۴۸) جوشخص باوضو مرتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔

(۴۹) اسی طرح رمضان کے مہینے میں بیت المقدس، مکہ یا مدینہ مرنے والا شخص شہید ہوتا ہے۔

(۵۰) دبلاہٹ کی بیماری میں مرنے والا شخص شہید ہوتا ہے۔

(۵۱) جوشخص کسی آفت وبلا میں مبتلا ہوا اور اس آفت وبلا پر صبر ورضا کا دامن پکڑے ہوئے مرجائے وہ شہید ہے۔

(۵۲) جوشخص صبح وشام "له مقاليد السموات والأرض" پڑھے وہ شہید ہے۔

(۵۳) منقول ہے کہ جوشخص نوے برس کی عمر میں مرے وہ شہید ہے۔

(۵۴) یا آسیب زدہ ہوکر مرے۔

(۵۵) یا اس حال میں مرے کہ اس کے ماں باپ اس سے خوش ہوں۔

(۵۶) یا نیک بخت بیوی اس حال میں مرے کہ اس کا خاوند اس سے خوش ہو تو وہ شہید ہے۔

(۵۷) اسی طرح عادل حاکم وبادشاہ اور شرعی قاضی، یعنی وہ قاضی جو ہمیشہ حق وانصاف کی روشنی میں فیصلہ کرے وہ شہید ہے۔

(۵۸) جومسلمان کسی کمزور مسلمان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے وہ بھی شہید ہے۔

(۵۹) گڑھے میں گرکر مرجانے والا شہید ہے۔

(۶۰) جوشخص کشتی میں بیٹھا اور دورانِ سفر قے میں مبتلا ہوا تو اسے شہید کا اجر ملتا ہے۔

(۶۱) جس شخص نے اپنی زندگی لوگوں کی مہمان داری اور خاطر وتواضع میں گزاری وہ شہید ہے۔

(۶۲) جوشخص میدانِ کارزار میں زخمی ہوکر فوراً نہ مرجائے بلکہ کم سے کم اتنی دیر تک زندہ رہے کہ دنیا کی کسی چیز سے فائدہ اٹھائے وہ بھی شہید ہے۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ شہداء کی تعداد ساٹھ کے قریب ہے۔

ملاحظہ ہو اوجز المسالک میں ہے:

وهكذا كما رأيت ترتقى الشهداء إلى قريب من ستين. (أوجز المسالك الى مؤطا مالك: ٤/٥٤٧، باب النهى عن البكاء على الميت، دمشق)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

Maktaba Tul Ishaat.com

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں وفات پانے کی فضیلت:

سوال: مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں وفات یا تدفین کی فضیلت احادیث سے بیان کریں، اوران احادیث کا کیا درجہ ہے وہ بھی ذکر کریں؟

الجواب: مکہ مکرمہ میں وفات کی فضیلت میں چند احادیث حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن ابن عباسؓ قال: لما أشرف النبي صلى الله عليه وسلم على المقبرة وهو على طريقها الأول أشار بيده وراء الصفرة فقال: نعم المقبرة قلت للذي يخبرني خص الشعب قال: هكذا نسمع أن النبي صلى الله عليه وسلم خص الشعب المقابل بالبيت. (مصنف عبدالرزاق:۳/۵۷۹/۶۷۳۴).

و رواه عنه الطبراني في "الكبير" (۱۱۲۸۲)، **وأحمد بن حنبل في "مسنده"** (۳۴۷۲)، **قال الهيثمي في "مجمع الزوائد"** (۳/۲۹۸ باب فی مقبرة مكة، دارالفكر): **وفيه إبراهيم بن أبي خداش حدث عنه ابن جريج وابن عيينة كما قال أبوحاتم ولم يضعفه أحد، وبقية رجاله رجال الصحيح. وكذا ذكر عنه الأعظمي في تعليق المصنف. لكن ضعفه شعيب الأرنؤوط في تعليقه على مسند أحمد** (۳۴۷۲).

(۲) عن جابرؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من مات في أحد الحرمين بعث آمناً. (رواه البيهقی فی شعب الایمان،رقم:۴۱۸۱،والطبرانی فی الصغیر،رقم:۸۲۷،والاوسط،۵۸۸۳).

قال الهيثمي: وفيه موسى بن عبد الرحمن المسروقي وقد ذكره ابن حبان في الثقات وفيه عبد الله بن المؤمل وثقه ابن حبان وغيره وضعفه أحمد وغيره وإسناده حسن. (مجمع الزوائد:۲/۳۱۹،دارالفکر).

وفي رواية عن أنس بن مالكؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من مات في أحد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة ومن زارني محتسباً إلى المدينة كان في جواري يوم القيامة. (رواه البيهقی فی شعب الایمان ،رقم۳۸۶۱).

قلت: إسناده ضعيف، فيه سليمان بن يزيد الكعبي وهو ضعيف، وفيه بعض من لم

أعرفهم.

وفي رواية له عن سلمان عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: من مات في أحد الحرمين استوجب شفاعتي وجاء يوم القيامة من الآمنين . رواه البيهقي، (رقم ٣٨٨٢)، قال: عبد الغفور هذا ضعيف وروى بإسناد آخر أحسن من هذا .

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير وفيه: عبد الغفور بن سعيد وهو متروك. (مجمع الزوائد:٢/٣١٩ـ دارالفكر).

(٣) عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: الحجون والبقيع يؤخذان بأطرافهما وينشران في الجنة . قال المصنف وهما مقبرتا مكة والمدينة. قلت(الزيلعي): غريب جداً. (تخريج الاحاديث والآثارالواقعة في تفسيرالكشاف،رقم:٢٠٩)

قال القاريؒ في "المصنوع في معرفة الموضوع"(رقم:١٠٨): لايعرف له أصل .

(٤)عن عبد اللّٰه بن جعفرأنه سمع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: أول من أشفع له من أمتي أهل المدينة وأهل مكة وأهل طائف. (رواه الطبراني في الاوائل،رقم:٧٦،وفي الاوسط،رقم١٨٢٧،ووابونعيم في معرفة الصحابة:٤/١٨٧٩،والفاكهي في "اخبارمكة"،رقم:١٨١٧،وينظر: التعليق، والضياء المقدسي في "الاحاديث المختارة"،رقم:١٥٩).

قال الهيثمي في"مجمع الزوائد": رواه البزار والطبراني في الكبير والأوسط وفيه من لم أعرفهم. (١٠/٥٤،دارالفكر).

ولكن ذكره الإمام السيوطي في الجامع الصغير ورمزله بالصحة، (الجامع الصغير، رقم: ٢٨٣١) .

(٥) أخرج أبو عبد اللّٰه الفاكهي في"أخبار مكة "(١٨١٠)، قال: حدثنا محمد بن يوسف بن حميد، قال: ثنا موسى بن طارق، عن ابن جريج، قال: حدثت عن الزهرى،قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:"من قبر بمكة جاء آمناً يوم القيامة ، ومن قبر بالمدينة كنت عليه شهيداً ، وله شفيعاً . قال المحقق عبدالملک : اسناده ضعيف،لانقطاعه وارساله محمد بن يوسف هو ابوحمة الزبيدى .

Maktaba Tul Ishaat.com

(٦) عن ابن عباسؓ قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: نعم المقبرة هذه" قال ابن جريج : يعني: مقبرة مكة. (اخرجه الفاكهي في اخبارمكة، رقم:٢٣٦٩).

قال المحقق عبد الملك: إسناده صحيح،إبراهيم بن أبي خداش ذكره ابن حبان في ثقات التابعين (١٠/٤) وسكت عنه البخاري(٢٨٤/١)، وابن أبي حاتم (٩٨/٢)...الخ.

(٧)عن عبد الله بن مسعودؓ قال: وقف النبي صلى الله عليه وسلم على المقبرة وليس بها يومئذٍ مقبرة فقال: "يبعث الله تبارك وتعالىٰ من هذه البقعة ومن هذا الحرم كله سبعين ألفاً يدخلون الجنة بغيرحساب ، يشفع كل واحد منهم في سبعين ، وجوههم من الأولين والآخرين كالقمر ليلة البدر"فقال أبوبكر: يارسول الله ! فمن هم؟ قال صلى الله عليه وسلم "من الغرباء" فقال: يارسول الله ! ما لمن هلك في حرم الله عزوجل؟ قال صلى الله عليه وسلم :"من هلك في حرم الله تعالىٰ محتسباً داره بعثوا آمنين يوم القيامة"قال: فما لمن هلك في حرمك؟ قال صلى الله عليه وسلم "من هلك بالمدينة محتسباً داره حباً لله تعالىٰ ولرسوله بعثوا آمنين يوم القيامة" قال: فما لمن هلك بين الحرمين مكة والمدينة؟ قال صلى الله عليه وسلم: "من هلك بين مكة والمدينة حاجاً أومعتمراً أوطلب طاعة من طاعة الله عزوجل بعثوا آمنين يوم القيامة". (اخرجه الفاكهي في اخبارمكة،رقم:٢٢٩٧).

قال المحقق عبدالملك في تعليقه على" أخبار مكة "(رقم:٢٢٩٧): إسناده متروك،عبد الرحيم بن زيد العمي ضعيف،كذبه ابن معين ، قال النسائي: متروك الحديث...الخ .

وللمزيد من البحث راجع : (الضعفاء لابن الجوزي،١٩١٥).

(٨) قال محمد بن إسحاق الخوارزمي (٨٢٧م) في"إثارة الترغيب والتشويق إلى تاريخ المساجد الثلاثة والبيت العتيق" (ص:٢٥٣) ويروى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل الله عز وجل عما لأهل البقيع الغرقد فقال الله تعالىٰ: لهم الجنة، فقال: يا رب مالأهل المعلا؟ قال : يا محمد ! سألتني عن جوارك فلا تسألني عن جواري .

مذکورہ کتاب میں سند مذکور نہیں ہے لہذا اسند کا حال معلوم نہیں ہوسکا۔

(۹) ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے قبرستان میں صحابہ وتابعین اور اولیاء اللہ مدفون ہیں اور ان کی صحبت میں دفن ہونا بھی باعثِ خیر برکت کا ذریعہ ہے۔ ملاحظہ ہو ایک حدیث میں ہے:

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:"ادفنوا موتاكم وسط قوم صالحين فإن الميت يتأذى بجار السوء كما يتأذى الحي بجار السوء". قال الإمام السيوطي في" الجامع الكبير" (٩٥٥)حديث أبي هريرة: أخرجه أبونعيم فى الحلية (٣٥٤/٦) والديلمى (٣٣٧) ،والرافعى (١٧٧/٢)،وابن حبان فى الضعفاء(٢٩٠/١)(ترجمة ٣٢٥،داود بن الحصين بن عقيل بن منصور) وقال:حدث حديثين منكرين عن الثقات ، ثم ذكر الحديث ، وقال: هذا باطل لا أصل له. وابن الجوزي فى الموضوعات من طريق أبي نعيم(١٧٨١) وقال: حديث لايصح .

وحديث عليؓ : أخرجه ابن عساكر فى"تاريخه"(١٩٧/٣٧) بلفظ: أمرنا أن ندفن موتانا وسط قوم صالحين وقال: إن الموتى يتأذون بجيران السوء كما يتأذى الأحياء. وفيه سليمان بن عيسى ، وهو متروك .

وحديث ابن مسعودؓ : أخرجه ابن عساكر (٣٧٧/٥٨). إسناده ضعيف، وبالجملة، فهذا الطريق خير طرق هذا الحديث. قاله الألباني فى "الضعيفة" (٦١٣).

قال الإمام السخاوي فى"المقاصد" بعد أن أورده: ولكن لم يزل عمل السلف والخلف على هذا وما يروى في كون الأرض المقدسة لاتقدس أحداً إنما يقدس المرأ عمله قد لاينافيه .

مدینہ طیبہ میں وفات پانے کی فضیلت ملاحظہ ہو:

(۱) عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:"من استطاع منكم أن يموت بالمدينة فليمت بالمدينة فإني أشفع لما مات بها. رواه ابن حبان فى صحيحه(٣٧٤١) قال الشيخ شعيب : إسناده صحيح على شرط الشيخين .

ورواه أيضاً الترمذى (٣٩١٧)، وابن ماجه(٣١١٢)، وأحمد (٥٤٣٧)، والبزار(٥٨٤٢).

(۲) عن سبيعة الأسلمية أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال:"من استطاع منكم أن يموت بالمدينة فليمت فإنه لن يموت بها أحد إلا كنت له شهيداً أو شفيعاً يوم القيامة ، قال

Maktaba Tul Ishaat.com

البيهقي: قال الشيخ أحمد: وفي رواية إسماعيل بن أبى أويس عن عبد الله بن عبد الله بن عمر بن الخطاب قال: فإنه لايموت فيها أحد إلا كنت له شهيداً أو شفيعاً يوم القيامة. (رواه البيهقى فى شعب الايمان،رقم:٣٨٨٦).

و رواه أيضاً الطبراني فى"الكبير"(٤٥٨)، **عن امرأة يتيمة، وأبونعيم فى معرفة الصحابة** (٣٥٨٧/٦)، **عنها، وقال الهيثمي:رواه الطبراني فى الكبير وإسناده حسن ورجاله رجال الصحيح خلا شيخ الطبرانى.** (٣٠٦/٣،دارالفكر).

(٣) عن عمرؓ قال: اللّٰهم ارزقني شهادة في سبيلك واجعل موتي في بلد رسولك صلى الله عليه وسلم . (رواه البخارى،رقم:١٨٩٠).

(٤) عن يحى بن سعيد قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم جالساً وقبر يحفر بالمدينة فاطلع رجل فى القبر فقال: بئس مضجع المؤمن فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بئس ماقلت، فقال الرجل: إني لم أرد هذا يارسول الله ! إنما أردت القتل في سبيل الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا مثل للقتل في سبيل الله ما على الأرض بقعة هي أحب إلي أن يكون قبري بها منها ثلاث مرات يعنى المدينة. (رواه الامام مالك مرسلاً، رقم:١٦٧٨).

قال ابن عبدالبر فى"الاستذكار" (١١٢/٥): **لا أحفظ لهذا الحديث سنداً لكن معناه محفوظ فى الأحاديث المرفوعة .**

(٥) عن محمد بن قيس بن مخرمة بن المطلب أنه قال يوماً ألا أحدثكم عني وعن أمي قال: فظننا أنه يريد أمه التي ولدته قال: قالت عائشةؓ: ألا أحدثكم عني وعن رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنا: بلى، قال: قالت: لما كانت ليلتي التي كان النبي صلى الله عليه وسلم فيها عندي...قال: فإن جبريل أتاني حين رأيت فناداني فأخفاه منك فأجبته فأخفيته منك ولم يدخل عليك وقد وضعت ثيابك وظننت أن قد رقدت فكرهت أن أوقظك وخشيت أن تستوحشي فقال: إن ربك يأمرك أن تأتي أهل البقيع فتستغفرلهم ...الخ.

(رواه مسلم ، رقم:٩٧٤،واحمد،رقم:٢٥٨٥٥).

نیز جو روایات مکہ مکرمہ میں وفات پانے کی فضیلت میں مذکور ہوئیں ان میں سے بعض مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ دونوں کے مابین مشترک ہیں۔

اشکال اور جواب:

اشکال: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان تمام فضائل کے باوجود صحابہ کرامؓ دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار کو بھی ترک کیا، اور وہیں پر مدفون ہیں۔ تو کیا موت فی سبیل اللہ افضل ہے یا حرمین میں وفات پانا افضل ہے؟

الجواب: حضرت شیخ اوجز المسالک میں فرماتے ہیں:

أن القتل في سبيل اللّٰه أفضل من الموت بالمدينة عند المجهور، وحكى القاري الإجماع على ذلك خلافاً لما يظهر من كلام الطيبي من عكسه...وقال صاحب "المحلى": أى ليس الموت بالمدينة مثل القتل في سبيل اللّٰه ، بل هو أفضل ، هكذا فسر الطيبى، فعلم منه أن الموت والدفن فيها أفضل من الشهادة .

قال جدى الشيخ الأجل الدهلوي ـ قدس سره ـ : قد اختلج أن الظاهر على هذا التقدير أن يقال: ليس القتل في سبيل اللّٰه مثل الموت فى المدينة ، ويحتمل أن يكون معناه ليس الموت بالمدينة مثل القتل في سبيل اللّٰه ، بل القتل أفضل، لكن لم يرزق الشهادة ، فالمدينة أفضل من غيرها، وهذا احتمال لفظي ، ولا شك أن المعنى الأول أبلغ وأدخل فى فضيلة المدينة.

قال صاحب "المحلى" يؤيد ما ذكره الشيخ إيراد الإمام هذا الحديث فى أبواب فضائل الجهاد ، ولو كان المعنى كما فسره الطيبي كان ينبغى إيراده في أبواب فضائل المدينة .

قلت: أشار القاري إليه بقوله : بل فى الحديث ما يدل الخ . فهو إشارة إلى ما فى "المشكاة" براوية النسائى وابن ماجه عن عبد اللّٰه بن عمر . وقال: توفى رجل بالمدينة ممن ولد بها، فصلى عليه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فقال: يا ليته مات بغير مولده قالوا : ولم ذاك يا رسول اللّٰه ؟ قال: إن الرجل إذا مات بغير مولده ، قيس له من مولده إلى منقطع أثره

Maktaba Tul Ishaat.com

فی الجنة . (اوجز المسالك:۹/۳٤۸،۳٤۹).

وللاستزادة انظر: (الدرالمنثور ، و تفسير الكشاف، تحت قوله تعالىٰ: ﴿ومن دخله كان آمناً﴾، ومرقاة المفاتيح: ٦/٢٧، وأوجز المسالک: ۹/۳۴۴).

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک قتل فی سبیل اللہ افضل ہے، اور اگر کسی کو قتل فی سبیل اللہ کے ساتھ دفن فی المدینہ میسر ہوتو "نور علی نور" اور "سونے پہ سہاگا" ہے۔ تاہم ہر مسلمان کے دل میں حرمین میں خصوصاً مدینہ منورہ میں موت کی تمنا وخواہش ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بحمد اللہ تعالیٰ

مصادر ومراجع

فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ دوم

القرآنِ الکریم تنزیل من رب العٰلمین

الف

امداد الفتاح شرح نور الإیضاح للفقیه حسن بن عمار الشرنبلالی بیروت

آپ کے مسائل اوران کا حل مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہادت ۱۴۲۱ مکتبہ لدھیانوی

اتحاف السادة المتقین فی شرح احیاء علوم الدین للسید محمد الحسینی الشهیر بمرتضیٰ حسن دار الفکر

الأبواب والتراجم حضرت شیخ محمد زکریاؒ سعید کمپنی

احسن الکلام فی ترک القراء ة خلف الإمام حضرت مولانا سرفراز خان صفدر

الاختیار لتعلیل المختار عبد الله بن محمود الموصلی بیروت

الاستذکار ابن عبد البر

اسنی المطالب ابو یحیی زکریا الآنصاری بیروت

آکام المرجان فی غرائب الاخبار و أحکام الجان آرام باغ کراچی

الأشباه والنظائر الامام جلال الدین السیوطیؒ بیروت

آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کراچی

إعانة الطالبین ابوبکر عثمان بن محمد التوفیقیة

أحکام القنطرة فی أحکام البسملة مولانا عبدالحی لکھنوی ادارۃ القرآن

Maktaba Tul Ishaat.com

اقامة الحجة على أن الإكثار فى التعبد ليس ببدعة مولانا عبدالحی لکھنوی ادارة القرآن

الإنصاف فى معرفة الراجح من الخلاف ابن عبد البر جامع الحديث

الاعجوبة فى عربية خطبة العروبة حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ

ابوداود للحافظ سليمان بن اشعث ابو داود السجستانیؒ و ۲۰۲ت۲۷۵ کتب خانہ مرکز علم کراچی

احسن الفتاویٰ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب ایچ ایم سعید کمپنی

احكام القرآن ابو بكر محمد بن عبد الله ابن عربى دار الفكر

اوجز المسالک لشيخ الحديث المولانا محمد زكريا مكتبه امداديه ملتان

امداد الفتاوی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی مکتبہ دارالعلوم کراچی

الاذكار ابو زكريا محى الدين بن شرف النووى و ۶۳۱ت۶۷۶ دار العربيه بيروت

احياء علوم الدين امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالى ت۵۰۵ دار الفكر

ابن ماجه ابو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجه القزوينیؒ و ۲۰۹ت۲۷۳ قديمى كتب خانه

الاتقان فى علوم القرآن جلا ل الدين عبد الرحمن بن أبى بكر السيوطى دار احياء العلوم بيروت

امداد الاحکام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ومفتی عبدالکریم گمتھلویؒ مکتبہ دارالعلوم کراچی

أحكام الجنائز محمد ناصر الدين ألبانى

الآحاد والمثانى ابن أبى عاصم جامع الحديث

أخلاق النبى صلى الله عليه وسلم ابو الشيخ الأصبهانى جامع الحديث

اسلامی فقہ مولانا مجیب اللہ ندوی لاہور

آثار السنن علامہ محمد علی النیموی ت۱۳۲۲ صدیقیہ کتب خانہ

اعلاء السنن مولانا ظفر احمد عثمانی التھانویؒ ادارة القرآن كراچى

الأشباه و النظائر زين الدين بن ابراهيم ابن نجيم الحنفى ت۹۷۰ ادارة القرآن كراچى

امداد المفتيين حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ و ۱۳۱۴ت۱۳۹۶ دار الاشاعت

انجاح الحاجة حاشية ابن ماجه الشيخ عبد الغنى المجددى الدهلوى ۱۲۹۵ قديمى كتب خانه

ارشاد الساری الی مناسک الملا علی القاری حسين بن محمد المكى الحنفى بيروت

اكمال المعلم بفوائدمسلم أبو الفضل عياض بن موسى دا ر الوفا

الإصباح حاشية نور الإيضاح مولانا اعزاز على ديوبندى مجيديه

امانی الأحبار مولانا محمد يوسف صاحبؒ اداره تاليفات اشرفه

ارواء الغلیل فی تخریج احادیث بناء السبیل للشیخ الالبانی صاحب الکمتب الاسلامی

باء

البناية شرح الهداية للعلامه العينیؒ فیصل آباد

البخاری ابو عبد الله محمد بن اسماعیل البخاریؒ و۱۹۴ت۲۵۶ فیصل پبلیکیشنز،دیوبند

بذل المجهود حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒت۱۳۴۶ ندوة العلماء لکهنؤ

البداية و النهاية للحافظ اسماعیل ابن کثیر القرشی الدمشقیؒ ت۷۷۴ دار المعرفة

بہشتی زیور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی دارالاشاعت

بہشتی گوہر اصلی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی دارالاشاعت

بداية المجتهد ابو الوليد محمد بن احمد القرطبی دار نشر الكتب

البيان ابو الحيسن يحيى بن أبی الخير دار المنهاج

البجيرمی علی الخطيب للشيخ سليمان بن محمد التوفيقية

البحر الرائق للشيخ زين الدين ابن نجيم مصری المكتبة الماجدية

بلوغ المرام للحافظ ابن حجر العسقلانیؒ

بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع لعلاء الدين أبی بكر بن مسعود الكاسانی ت۵۸۷ سعيد كمپنی

برطانیہ واعلی عروض البلاد پر صبح صادق وشفق کی تحقیق حضرت مولانا یعقوب قاسمی جمہوسرو برطانیہ

تاء

تفسير الماوردی ابو الحسن علی بن محمد بن حبيب الماوردیؒ و۳۶۴ت۴۵۰ دار الكتب العلمية

تفسير القرطبی محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ دار الكتب العلمية

تفسير الطبری ابو جعفر محمد بن جرير الطبری دار المعرفة بيروت

تهذيب التهذيب ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ ت۸۵۲ دار الكتب العلمية بيروت

تحفة الأحوذی ابو العلی محمد بن عبد الرحمن مبارکپوریؒ و۱۲۸۳ت۱۳۵۳ دار الفكر

الترمذی ابو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمزیؒ و۲۰۹ت۲۷۹ فیصل پبلیکیشنز،دیوبند

تفسير بيضاوی ناصر الدين عبد الله بن عمر البيضاوی موقع التفاسير

التعليقات علی المراسيل للشيخ شعيب الأرناؤط مؤسسة الرسالة

التعليق المحمود علی سنن أبی داؤد مولانا فخر الحسن گنگوہی سعید کمپنی

Maktaba Tul Ishaat.com

تدوير الفلك في حصول الجماعة بالجن والملك علامہ لکھنوی ادارة القرآن
التاج والإكليل لمختصر الخليل للشيخ محمد بن يوسف العبدری موقع الإسلام
التعليقات على الترمذی و ابی داؤد وابن ماجه و ابن خزيمه للشيخ الألبانی المكتب الاسلامی
التعليقات على صحيح ابن حبان للشيخ شعيب الأرنووط دار السلام
التيسير شرح جامع الصغير زين الدين عبد الرؤوف المنادی الرياض
التعليق الحسن علامہ نیموی صديقيه كتب خانه
التعليق الممجد علامہ عبدالحی لکھنوی بتحقيق الدكتور تقی الدين الندوی دمشق
تهذيب الكمال للحافظ جمال الدين ابی الحجاج يوسف المزّی و ۶۵۴ ت ۷۴۲ مؤسسة الرسالة
تاريخ بغداد للحافظ ابی بكر أحمد بن على الخطيب البغدادی و ۳۹۳ت ۴۶۳ الكتب العلمية
تقريب التهذيب للشيخ احمد بن على بن حجر العسقلانی و ۷۷۳ت ۸۵۲ دار نشر الكتب الاسلامية
التذكرة فی احوال الموتی وامور الآخرة ابو عبد الله محمد بن احمد الانصاری القرطبی دار الريان للتراث
تحرير التقريب للدكتور بشار عواد معروف والشيخ شعيب الارنؤوط موسسة الرسالة
تاج العروس للسيد محمد المرتضی الزبيدی مطبعه خيريه
تنوير الابصار للعلامه شمس الدين محمد بن عبد الله التمرتاشیؒ ۹۳۹ت ۱۰۰۴ سعيد كمپنی
تلبيس ابليس (مترجم) علامہ ابن جوزی (مترجم علامہ ابومحمد عبدالحق اعظم گڑھی) کتب خانہ مجیدیہ
التفسير المظهری للقاضی محمد ثناء الله ت ۱۲۲۵ بلوچستان بک ڈپو
التمهيد ابو عمر يوسف بن عبد الله بن عبد البر النمری و ۳۶۸ت ۴۶۳ مكتبة المؤيد
تفسیر عثمانی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مدینہ منورہ
الترغيب و الترهيب للحافظ ذكی الدين عبد العليم المنذری ت ۶۵۶ دار احياء التراث
تفسير ابن أبی حاتم ابن أبی حاتم الرازی
تكملة فتح الملهم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مکتبہ دارالعلوم کراچی
التعليقات على نصب الراية للشيخ محمد عوامة المكتبة المكية
التعليقات على ابن ماجه الدكتور بشار عواد معروف دار الجيل بيروت
تعلیم الاسلام حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی تاج کمپنی لاہور
تنقيح الفتاوی الحامدية للسيد محمد امين ابن عابدين الشامی دار الاشاعة العربية
تالیفاتِ رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ت ۱۳۲۳ ادارہ اسلامیات لاہور

تذکرة الموضاعات أبو الفضل محمد بن طاهر بن علی المقدسی ت۵۰۷ میر محمد کتب خانه کراچی
تبیین الحقائق علامہ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی مکتبه امدادیه ملتان
تذکرة الرشید حضرت مولوی محمد عاشق الٰهیؒ مکتبه عاشقیة
التعلیقات علی مشکاة للشیخ الألبانی المکتبة الاسلامی
التعلیقات علی تهذیب الکمال للدکتور بشار عواد معروف مؤسسة الرسالة
تعلیق الشیخ محمد عوامه علی المصنف للشیخ محمد عوامه حفظه الله و رعاه المجلس العلمی
تذکرة الموضوعات للشیخ محمد طاهر الفتنی الهندی المطبعة الیمنیة
تقریرات الرافعی علامہ رافعی سعید کمپنی
تفسیر ابن کثیر للحافظ اسماعیل ابن کثیر القرشی الدمشقی ت۷۷۴ دارالسلام
تسهیل الفلکیات پروفیسر عبداللطیف کراچی

ثاء

الثمر الدانی صالح عبد السمیع الأزهری دار الفکر

جیم

جواہر الفقہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مکتبہ دارالعلوم کراچی
جمع الوسائل فی شرح الشمائل للشیخ ملا علی بن سلطان محمد القاری ادارہ تالیفات اشرفیه
الجامع الصغیر لجلال الدین بن أبی بکر السیوطی ت ۹۱۱ دار الکتب العلمیة بیروت
الجوهر النفی علی هامش السنن الکبری لعلاء الدین الماردینی ابن الترکمان ت۷۴۵ دار المعرفة
جامع الأحادیث لجلال الدین عبد الرحمن السیوطی ت ۹۱۱ دار الفکر
الجوهرة النیرة أبو بکر بن علی بن محمد الحدادی ت۸۰۰ مکتبة امدادیة
جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانیؒ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
جزء رفع الیدین الامام البخاری

حاء

حاشیة سنن النسائی الامام السندهی قدیمی کتب خانه
حاشیة امداد الفتاح للشیخ عبد الکریم العطا بیروت

Maktaba Tul Ishaat.com

حاشیة مؤطا امام مالک مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی آرام باغ کراچی
حاشیة صحیح ابن خزیمة الدکتور محمد مصطفی الأعظمی المکتب الاسلامی
حاشیة الدسوقی شمس الدین محمد عرفه الدسوقی دار الفکر
حاشیة تبیین الحقائق للشیخ شهاب الدین احمد الشلبی امدادیه
حواشی الشیروانی للشیخ شهاب الدین احمد بن حجر الهیتمی دار الفکر
حدیث اسماعیل بن جعفر للشیخ اسماعیل بن جعفر موقع الحدیث
حاشیة القلیوبی شهاب الدین القلیوبی و الشیخ عمیرة ابناء السورتی تجارة الکتب
حیاة الصحابة حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ المکتبة التجاریة
حلیة الأولیاء للحافظ أبی نعیم أحمد بن عبد الله الأصفهانی ت ۴۳۰ دار الفکر
حیاتِ محمود فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی مکتبہ محمودیہ
حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح للعلامه السید أحمد الطحطاوی میر محمد کتب خانه کراچی
الحاوی للفتاوی لجلال الدین السیوطی ت ۹۱۱ فاروقی کتب خانه
حاشیة الجمل للشیخ سلیمان الجمل دار الفکر
حجة الله البالغة حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مکتبہ حجاز دیوبند
حاشیۃ لامع الدراری حضرت شیخ محمد زکریاؒ سعید کمپنی

خاء

خیر الفتاویٰ مولانا خیر محمد جالندھری و دیگر مفتیانِ خیر المدارس شرکت پرنٹنگ لاہور
خلاصة الفتاویٰ للشیخ طاهر بن عبد الرشید البخاری مکتبه رشیدیه کوئٹه
خزائن السنن مولانا سرفراز خان صفدر
خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفی للعلامه السمهودیؒ

دال

الدر المنثور عبد الرحمن جلال الدّین السیوطیؒ و ۸۴۹ت ۹۱۱ مرکز للبحوث و الدّراسة العربیة مکة
الدر المختار علاء الدین محمد بن علی حصکفیؒ و ۱۰۲۵ت ۱۰۸۸ ایچ ایم سعید کمپنی
دلیل الفالحین محمد بن علان الشافعی المکی مصر
درر الحکام فی شرح غرر الأحکام القاضی المنلا خسرو معارف نظارت جلیلة

درس ترمذی مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

ذال

الذخیرة شهاب الدین احمد بن ادریس القرافی دار القرب الإسلامی

راء

روح المعانی شهاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادیؒ ت ۱۲۷۰ التراث القاهرة

رد المحتار خاتمة المحققین محمد امین (ابن عابدین الشامی) ت ۱۲۵۲ ایچ ایم سعید کمپنی

روضة الطالبین الإمام النووی المکتب الإسلامی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز مفتی جمیل احمد نذیری لاہور

رسائل ابن عابدین علامہ شامیؒ سہیل اکیڈمی

زاء

زاد المعاد فی هدی خیر العباد شمس الدین أبو عبد الله الزرعی و ۶۹۱ ت ۷۵۱ مؤسسه الرسالة

سین

سلسلة الاحادیث الضعیفة للشیخ محمد ناصر الدین الالبانیؒ المکتب الاسلامی

سلسلة الأحادیث الصحیحة محمد ناصر الدین الألبانی مکتبة المعارف الریاض

سنن الکبری للنسائی أحمد بن شعیب النسائی

سیر اعلام النبلاء شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی و۷۴۸ت۱۳۷۴ مؤسسة الرسالة

سنن الدارمی عبد الله بن عبد الرحمن الدارمی السمرقندی و ۱۸۱ت۲۵۵ قدیمی کتب خانه

سنن الدارقطنی للحافظ علی بن أبی بکر الدارقطنی و ۳۰۶ت۳۸۵ مکتبة المتبنی القاهرة

السنن الصغیر الامام البیهقی دار الفکر

السنن الصغری للبیهقی الامام البیهقی

سنن سعید بن منصور سعید بن منصور الخراسانی ت۲۲۷ الدار السلفیة الهند

السنن الکبری للحافظ ابی بکر احمد بن الحسین بن علی البیهقی دار المعرفة

السعایة علامہ لکھنوی سہیل اکیڈمی

السنن و البدعات

Maktaba Tul Ishaat.com

شین

شرح النقایة حافظ علی بن محمد سلطان القاری الحنفی ت۱۰۱۴ سعید کمپنی

شرح الطیبی شرف الدین حسین بن محمد بن عبد الله الطیبی ت۷۴۳ ادارة القرآن

شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی

شرح المسلم أبوالفضل عیاض بن موسی دار الوفاء

شرح بلوغ المرام شیخ عطیه سالم بیروت

شرح الوجیز ابو القاسم عبد الکریم بن محمد بیروت

شرح المجلة محمد خالد الاتالسی رشیدیه

شرح وقایه عبد الله بن مسعود بن تاج الشریعة مطبع مجیدی

شرح عقود رسم المفتی فقیه العصر ابن عابدین المعروف بالشامی مکتبه اسعدی

شعب الایمان الامام ابو بکر احمد بن الحسین البیهقی و۳۸۴ت۴۵۸ الدار السلفیة الهند

شرح معانی الآثار ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاویؒ ایچ ایم سعید کمپنی

شرح المسلم للنووی ابو زکریا یحیی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ت۶۷۲ دار احیاء التراث

شفاء السقام فی زیارة خیر الانام علامہ سبکی

الشرح الکبیر للشیخ ابن قدامه المقدسی بیروت

شرح الصدور حافظ جلال الدین السیوطی ت ۹۱۱ دار المؤید الریاض

شرح الزرقانی علامة محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکیؒ دار احیاء التراث بیروت

شرح مختصر الخلیل شیخ محمد علیش دار الفکر

صاد

صحیح و ضعیف سنن نسائی محمد ناصر الدین الألبانی

صحیح ابن حبان محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی موسسة الرسالة بیروت

طاء

الطبقات الکبری محمد بن سعدؒ دار صادر بیروت

الطحطاوی علی الدر المختار للعلامه السید أحمد الطحطاوی مکتبة العربیة کوئٹه

عین

العرف الشذی علیٰ هامش سنن الترمذی المحدث الکبیر انور شاه الکشمیری فیصل دیوبند دهلی
عمدة المفتیین الإمام النووی المکتب الإسلامی
العطر العنبری فی حکم اجابة الأذان المنبری مولانا قاضی رحمۃ اللہ صاحب راندیری
عمدة الرعایة علی شرح الوقایة مولانا عبدالحی لکھنوی المجیدی کانفوری
عیدگاہ کی سنیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی
عصر حاضر کے فقہی مسائل مولانا بدرالحسن القاسمی حیدرآباد
عارضة الأحوذی الإمام ابن العربی المالکی دار الکتاب العربی
عمل الیوم و اللیلة أبو عبد الله أحمد بن شعیب النسائی ت۳۰۳ دار الفکر
عجالة الراغب المتمنی فی تخریج ابن السنی أبو اسامه بن سلیم بن عبد الهلالی دار ابن حزم
عمدة الفقه حضرت مولانا زوار حسین صاحب مجددیہ
عالمی تاریخ مولانا عثمان معروف
عمل الیوم و اللیلة أبوبکر أحمدبن محمدبن اسحاق ابن السنی دائرة المعارف العثمانیة
عمدة الرعایه مولانا عبدالحی لکھنوی مطبع مجیدی
عون المعبود محمد شمس الحق العظیم آبادی دار الکتب العلمیة
العنایة شرح الهدایة أکمل الدین محمد بن محمود البابرتیؒ ت ۷۸۶
عمدة القاری فی شرح البخاری بدر الدین محمد محمود بن احمد العینیؒ دار الحدیث ملتان

غین

الغرر البهیة للشیخ زکریا بن محمد الأنصاری
غمز عیون البصائر للشیخ احمد بن محمد الحموی ادارة القرآن
غنیه المتملی فی شرح منیة المصلی للشیخ ابراهیم الحلبی ت۹۵۶ سهیل اکیڈیمی لاهور

فاء

فتاویٰ حقانیہ مفتیانِ کرام دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم حقانیہ
فتاویٰ مفتی محمود مولانا مفتی محمود صاحب ملتان لاہور

Maktaba Tul Ishaat.com

فتح الباری شرح صحیح البخاری للشیخ ابن رجب الحنبلی دار ابن جوزی
فتاوی واحدی للعلامه عبد الواحد السیوستانی کوئٹه ،پاکستان
الفتاوی السراجیة ابو محمد سراج الدین علی بن عثمان آرام باغ کراچی و زمزم پبلشرز
الفتاوی الموصلة للشیخ العز بن عبد السلام الشافعی بیروت
فتاوی خلیلیہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
فتاویٰ عثمانی مفتی تقی عثمانی صاحب دارالعلوم کراچی
فتاویٰ محمودیہ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کتب خانہ مظہری کراچی وجامعہ فاروقیہ
فتح الباری فی شرح البخاری للحافظ ابن حجر العسقلانیؒ و۷۷۳ت ۸۵۲ دار نشر الکتب الاسلامیة
فتاوی دارالعلوم دیوبند (کبیر) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کتب خانہ امدادیہ دیوبند
فتح الملهم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مکتبہ دارالعلوم کراچی
فیض القدیر للحافظ محمد عبد الرؤف المناویؒ دار الفکر
الفتاوی الهندیة للشیخ نظام الدین وجماعة من علماء الهند الاعلام بلوچستان بک ڈپو
فتاوی ثنائیہ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری اسلامک پبلشنگ ہاوس
فتاوی ابن تیمیه للشیخ احمد ابن تیمیة دار العربیة بیروت
فتاویٰ رحیمیہ مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ مکتبہ رحیمیہ
فتح القدیر کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی ابن همام ت ۶۸۱ دار الفکر
فیض الباری حضرت مولانا انور شاہ کشمیری ت۱۳۵۲ مطبعہ حجازی القاهرة
فتاویٰ رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ت۱۳۲۳ مکتبۃ رحمانیہ لاہور
فتح باب العنایة للشیخ الملا علی القاری
الفروع أبو عبد الله محمد بن مفلح المقدسی دار الکتاب العربی
فتاوی قاضیخان للفقیه فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی ت۲۹۵، بلوچستان بک ڈپو
الفقه الاسلامی و أدلته للدکتور وهبة الزحیلی دار الفکر
الفتاوی التاتارخانیة عالم بن علاء الانصاری الاندربنی الدهلوی ت۷۸۶ ادارۃالقرآن
فتاوی اللکهنوی أبو الحسنات عبد الحی اللکهنوی و۱۲۶۴ ت۱۳۰۴، دار ابن حزم کراچی
الفتاوی البزازیة لحافظ الدین محمد بن محمد بن شهاب البزار الکردی ۸۲۷ بوچستان بک ڈپو
الفقه علی مذاهب الأربعة للشیخ عبد الرحمن الجزائری دار الفکر

فتاویٰ فریدیہ حضرت مفتی فرید صاحب اکوڑہ خٹک
الفردوس بمأثور الخطاب ابو شجاع الديلمى دار الكتب العلمية

قاف

قواعد فی علوم الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی دار السلام
القاموس الوحید مولانا وحید الزمان کیرانوی حسینیہ دیوبند
قیام اللیل ابو النصر المروزی بیروت
قواعد الفقه لمولانا عمیم الاحسان المجددی

کاف

کتاب الدعاء أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی و ۲۶۰ت ۳۶۰ دار الكتب العلمية بيروت
کتاب العلل و معرفة الرجال الإمام أحمد بن حنبل
کتاب الحجة الامام ابو حنیفةؒ
کتاب الجرح و التعدیل أبو محمد عبد الرهمن بن أبی حاتم الرازی ت۳۲۷ دائرة المعارف العثمانية
کتاب الضعفاء والمتروکین أبو الفرج عبد الرحمن ابن الجوزی دار الكتب العلمية
کنز العمال لعلاء الدين على المتقى بن حسام الدين الهندی ت۹۷۵ مؤسسة الرسالة
کفایت المفتی مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دھلویؒ دارالاشاعت کراچی
کشف الخفاء للشيخ اسماعيل بن محمد العجلونی ت۱۱۶۲ دار احياء التراث بيروت
کتاب الروح للشمس الدين ابی عبد الله ابن القيم الجوزيه دار الفكر
کشاف القناع عن متن الاقناع منصور بن يونس بن ادريس البهوتی دار الفكر
کتاب الام الإمام الشافعی بيروت

گاف

گیارہ رکعت تراویح مناظرہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کراچی

لام

لسان العرب للعلامه ابن منظورؒ و۶۳۰ت ۷۱۱ مكتبة دار الباز مكة المكرمة
لغات الحدیث للعلامه وحید الزمان آرام باغ کراچی

Maktaba Tul Ishaat.com

لامع الدراری حضرت مولانا رشید احمد گنگوھی سعید کمپنی
لسان المیزان ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی ت ۸۵۲ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
لا جدید فی أحکام الصلوۃ أبو زید بکر بن عبد اللہ دار العاصمة
اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والإفتاء للشیخ احمد بن عبد الرزاق الدویش ریاض

میم

مشکاۃ المصابیح ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ خطیب طبریزیؒ قدیمی کتب خانہ کراچی
مرقاۃ المفاتیح للشیخ الملا علی القاریؒ مکتبہ امدادیہ ملتان
مسلم ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیریؒ و ۲۰۶ت ۲۶۱ مکتبة الاشرفیة دیوبند
مختصر التحفة المرغوبة فی أفضلیة الدعاء بعد المکتوبة للشیخ محمد قاسم السندی حلب
مختصر القدوری ابوالحسن احمد بن محمد البغدادی سعید
مجموعة الرسائل علامہ لکھنوی
المحیط البرھانی محمود صدر الشریعة ابن مازہ الریاض
مختصر المذنی الامام المذنی الشافعی بیروت
منحة الخالق حاشیة البحر الرائق للعلامة الشامی کوئٹہ
منح الجلیل شرح مختصر الخلیل للشیخ محمد علیش دار الفکر
ماہانہ ندائے شاہی
منظومہ ابن وھبان عبد البر بن محمد ابن الشحنة الوقف المدنی دیوبند
مجموعة فتاوی و رسائل للشیخ ابن عثیمیین بیروت
مجمع بحار الأنوار للشیخ محمد طاھر الفتنی الغجراتی الھندی مدینہ منورہ
المصاحف للامام ابی داؤد
منتخب نظام الفتاویٰ مفتی نظام الدین الاعظمی صاحب
المقاییس والمقادیر عند العرب الشھیدة نسیبة محمد فتحی الحریری دار المعارف دیوبند
الموسوعة الفقھیة وزارة الأوقاف والشئون الإسلامیة الکویت
المدخل ابوعبد اللہ ابن الحاج دار الفکر
مغنی المحتاج محمد بن محمد الخطیب الشربینی التوفیقیة
معرفة السنن والآثار الإمام البیھقی جامع الحدیث

مطالب اولی النهی فی شرح غایة المنتهی موقع الإسلام
مظاہر حق جدید نواب قطب الدین خان دہلوی دارالاشاعت
المستدرک للحاکم ابو عبد الله المعروف بالحاکم ت۴۰۵ دار الباز للنشر والتوزیع۔ مکة المکرمة
مجمع الزوائد للحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمیؒ ت۸۰۷ دار الفکر
مسند الامام احمد بن حنبل للاما م احمد بن حنبل الشیبانیؒ و۱۶۴ ت ۲۴۱ دار الفکر
معارف القرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ت۱۳۹۶ ادارۃ المعارف کراچی
المصنف للحافظ ابی بکر عبد الله بن محمد بن أبی شیبة العبسی ت۲۳۵ ادارة القرآن کراچی
معارف القرآن حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ مکتبۃ المعارف
المجموع شرح المهذب ابو زکریا یحی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ت۶۷۲ دار الفکر
میزان الاعتدال للحافظ محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی ت۷۴۸ دار الفکر العربی
المعجم الکبیر حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی و۲۶۰ت۳۶۰ مکتبه ابن تیمیه
مصباح اللغات ابو الفضل مولانا عبد الحفیظ بلیاوی قدیمی کتب خانه کراچی
مختصر المعانی للشیخ سعد الدین التفتازانی سعید کمپنیؒ
مجموعة الفتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی میر محمد کتب خانہ
المحلیٰ ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم الاندلسی دار الباز مکة المکرمه
ماہنامہ ''الحمود''
ملفوظاتِ فقیہ الامت فقیہ الامت حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی میرٹھ
مسند ابی عوانه ابو عوانه یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی دار المعرفة
مستخرج ابو عوانة ابو عوانه یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی دار المعرفة
مسند الامام الاعظم ابوحنفیة النعمان بن ثابت الکوفی التابعیؒ و۸۰ ت۱۵۰ میر کتب خانه
مقالات کوثری شیخ محمد زاہد الکوثری ت۱۳۷۱ دار سشمی
الموسوعة الفقهیة أبو الحسین أحمد بن محمدالبغدادی القدوری و۳۶۲ت۴۲۸، دار السلام
مدارک التنزیل وحقائق التاویل أبو البرکات عبد الله بن أحمد بن محمود النسفی ت ۷۰۱ دار الفکر
موضوعات کبیر علی بن سلطان محمد الھر وی ملاعلی القاری ت۱۰۱۴ میر محمد کتب خانہ کراچی
المغنی عن حمل الأسفار للعلامه زین الدین أبی الفضل عبد الرحیم العراقی ت۸۰۶ ،دار الفکر
المقاصد الحسنة لشمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی دار الکتب العلمیة

Maktaba Tul Ishaat.com

المدخل أبو عبد الله محمد بن محمد المالکی ابن الحاج ت۷۳۷ دار الفکر
مسند أبو داؤد طیالسی أبو داود سلیمان بن داود الفارسی الطیالسی ت۲۰۴، دار المعرفة
المعجم الأوسط أبو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ت۳۶۰ مکتبة المعارف
مسند أبی یعلی شیخ الاسلام أبو یعلی أحمد بن علی الموصلی و۲۱۰ ت۳۰۷ مؤسسة علوم القرآن
من فضائل سورة الاخلاص وما لقارئها أبو محمد الحسن الخلال و۳۵۲ ت۴۳۹، مکتبة لینه القاهرة
مواهب الجلیل أبو عبد الله محمد بن محمد بن عبد الرحمن المغربی ت۹۵۴ دار الکتب العلمیة
مسند البزار أبو بکر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار و۲۱۵ت۲۹۲، مؤسسة علوم القرآن
لمعجم الصغیر ابو القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی و۲۶۰ت۳۶۰، المکتب الاسلامی
المبسوط شمس الائمة ابو بکر محمد احمد السرخسی دار المعرفة بیروت
مصنف عبد الرزاق أبو بکر عبد الرزاق بن همام الصنعانی و۱۲۶ ت۲۱۱ ادارة القرآن کراچی
المؤطا الامام مالک بن انسؒ
المنح المطلوبة فی استحباب رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوات المکتوبة للشیخ احمد بن الصدیق الغماری
مراقی الفلاح للشیخ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی ت۱۰۶۹ مصطفی البانی الحلبی
المغنی ابن قدامة الحنبلی دار الکتب العلمیة
المقدمات الامام محمد زاهد الکوثری و۱۲۹۶ت۱۳۷۸ سعید کمپنی
معارف السنن للعلامة السید محمد یوسف البنوریؒ
مجمع الأبحر شرح ملتقی الأبحر عبد الله بن شیخ محمد داماد افندی دار إحیاء التراث
المراسیل للامام ابی داؤد مؤسسة الرسالة
المسند ابوبکر عبد الله بن الزبیر الحمیدی سملک ڈابھیل الھند
المدونة الکبری الإمام مالکؒ بیروت

نون

نصب الرایه جمال الدین ابو محمد عبد الله بن یوسف الزیلعی الحنفی المکتبه المکیة ۱۵۶
نیل الاوطار للشیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ ادارة القرآن کراچی
النتف فی الفتاوی شیخ الاسلام ابو الحسن علی بن الحسین السغدی بیروت
النشر فی القراء ات العشر للعلامة ابن الجزری دارالفکر

النفائس المرغوبة فی حکم الدعاء بعد المکتوبة حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دارالاشاعت کراچی

نهاية المحتاج الى شرح المنهاج شمس الدين محمد بن أبى العباس دار الفكر

النسائی ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائیؒ و ۲۱۵ت۳۰۳ قدیمی کتب خانه

نور الایضاح للفقیه حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی مجیدیه

هاء

الهداية ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانیؒ و ۵۱۱ت ۵۹۳ مکتبة شرکة علمیة

هدی الساری مقدمة فتح الباری للحافظ ابن الحجر العسقلانی دار نشر الکتب الإسلامیة

Maktaba Tul Ishaat.com